تُو آئینہ ہے میرا

(فسٹ سیزن)

تحریر: ایس مروہ مرزا

وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی، مگر خون کے کینسر جیسے موذی مرض نے اسکی ماں چھین کر اسکے چھوٹے سے گھر کی خوشیوں کے خاتمے کا آغاز کیا تھا۔

رجب منصور اپنی ابتدائی زندگی میں ایک چھوٹا موٹا چور تھا، چوری کے بعد ضرورت اور پیٹ کی بھوک نے اسے پائزن کے ہتھے چڑھائے غنڈا بنا دیا، اور یہی نہیں وہ کب حالات کی بے رحمی سہہ کر ایک قاتل بن گیا کچھ خبر نہ ہو سکی۔

نا صرف قاتل بلکہ عیش پرستی، جوئے اور بے خبری کی زندگی میں وہ کئی لاکھ روپے کا مقروض ہو گیا، وہ جس انسان کا مقروض تھا وہ پائزن نامی پراسرار آدمی تھا جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا تھا، غریب اور مجبور لوگوں کی کھالیں نوچنے والا درندہ، ایک سیاہ سایہ جو جانور سے بھی بدتر تھا، اس نے منصور سے اسکا واحد گھر تو گروی کے بہانے لیا مگر ساتھ ساتھ اسکی بیٹی کو بھی اپنا غلام بنا لیا اور جب منصور اسکے کسی کام کا نہ رہا تو پائزن

نے اسے بھی موت کی سزا دے دی۔ وہ غلام تھی اسکی جو اس جلاد کے کہنے پر ہنستی، اسی کے حکم پر روتی یہاں تک کہ اسی کے کہنے پر ماتم کرتی۔

وہ پرندوں کی دوست تھی، اور پرندے اسکے دوست، پھر محبت بھی کسی آزاد پنچھی سے ہوئی۔

جس نے اسے اس ظالم پائزن کی گرفت سے تو آزاد کروا دیا مگر اپنا دامن سونپنے کے بجائے دیار غیر روانہ کر دیا۔

جتنی نفرت اسے خود کو خریدنے والے جانور سے تھی پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس آسمان کی پرواز پر اڑتے اس پرندے سے ہو گئی جو مہکار کا عشق تھا۔

اس پرندے کی نفرت اس نے اپنے دل میں کسی بچے کی طرح پالی اور وہ اس کے لیے نفرت کے پیام بھی پنچھیوں کے ہاتھ نو سال سے ارسال کر رہی تھی۔

ان پیغامات میں لپٹی آہیں، سسکیاں اور نوحے اس انسان تک بنا کسی خیانت کے پہنچتے تھے مگر ایک دل وہ بھی تھا جو اس شخص کے سینے میں کسی بہت خاص کے لیے دھڑکتا تھا۔

ارے دل کا کیا ہے، یہ تو ازل سے ابد تک بشر کا دشمن اور زلیل کروا کے تماشا دیکھنے والا تماش بین ہے۔

نو سال پہلے کی وہ دردناک رات جب پھولوں سے سجی سیج پر بیٹھی ہوئی وہ ہچکیوں کی زد میں رو رہی تھی، اتنی کہ اسکے تکلیف اسکے وجود پر کسی عفریت کی مانند حاوی تھی۔

پردوں سے پار صحن میں گرتی موسلا دھار بوندیں بلکل ان آنسوؤں کی طرح تھی جو مہکار کی آنکھوں سے نکل کر دل پر گر رہے تھے۔

آہٹ پر وہ اپنا سانس روکے اس سمت دیکھنے لگی جہاں کوئی مکمل سیاہ میں لپٹا دراز قامت اور پروقار چال چلتا اسکے روبرو آیا اور بیٹھا، مہکار کی تشنہ آنکھیں پتھر کی طرح جم گئیں۔

اس مہربان مگر ستمگر نے اپنے ہاتھ کو زرا بڑھا کر اس دلہن بنی اجڑی مہکار کے آنسو انگلیوں کی پوروں سے جذب کیے۔

اسکی صورت چھپی تھی، اسے دیکھنے کا شرف صرف مہکار کی آنکھوں کے پاس تھا۔

"مار دیاناں مجھے، ایک جہنم سے چھڑوا کر دوسرے جہنم جھونک کر۔۔۔م۔۔میں مر جاوں گی"

سسکتی تڑپتی وہ اس شخص کا مضبوط ہاتھ تھامے التجاء کر رہی تھی مگر مقابل اک سناٹا تھا۔

"وہ بہت چاہتا ہے تمہیں، یہ نہ تو قید ہے نہ جہنم۔ میری لاج رکھ لینا مہکار ورنہ مجھے تا عمر یہ پچھتاوا جینے نہ دے گا۔ میں اس روح زمین پر صرف اسی کا ہوں جو میرے دل میں اول دن سے دھڑکتی ہے۔ اسکے سوا کسی کا سوچوں بھی تو میری جان پر بن آئے"

وہ بھاری بوجھل مردانہ تسلی نہ تھی بلکہ خنجر تھا جس نے مہکار کے دل کو اتنے ٹکڑوں میں بانٹ دیا کہ اسی لمحے اسے محسوس ہوا کہ اسکا دل اسکے بنجر وجود سے کٹ کر مردہ ہو گیا۔

وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس شخص کا چہرہ چھونے کے لیے تڑپی، وہ اسے آخری بار چھو کر دیکھنا چاہتی تھی مگر اس انسان کے ہاتھ نے اسے اس گناہ سے بچالیا اور شاید خاموش تنبیہ بھی سونپی جس پر مہکار کے عارضوں پر نمی اتر آئی۔

"وہ بھی آپکو اتنا تڑپائے گی جتنا آپ نے مجھے تڑپایا، میں آپکی راہ میں آوں گی۔ اپنی جیتے جی موت کا انتقام لوں گی۔ جس شخص کو آپ نے میرا ہاتھ تھما دیا اسے بھی ہر سانس کے ساتھ موت کی بدعا دوں گی۔۔۔ چلے جائیں اور بھیج دیں اس شخص کو جس سے آپ نے مجھے باندھ دیا اور کہیں اسے مہکار کو رہا سہا بھی مار ڈالے"

وہ تڑپتی، سسکتی اس دردناک ماضی سے نکلی تو ویران اندھیارے کمرے میں لیٹی مشکل سانس لیے آج بھی اس آخری ملاقات پر ماتم کر رہی تھی۔

نو سال ہو چکے تھے، اور ان نو سالوں میں وہ بے شمار بار مر چکی تھی مگر تب بھی اسکی سانس رواں تھی۔

دل جب شدید گھبرایا اور باہر سحر پھیلی تو وہ ایک نظر کروٹ بدل کر سوئے آٹھ سالا بیٹے یوآن پر ڈالے اٹھ کر ننگے پیر ہی سر سبز اوس سے بھیگے باغیچے کی سمت بڑھ گئی، ملازمہ کو اسے سکول کے لیے جگانے کا کہے وہ خود اپنے آپ سے ملنے آئی۔

پرندے اسکے منتظر تھے۔

موسم بہار اپنے پورے جوبن پر تھا، وہ کلیاں بھی کھل چکی تھیں جنکے مرجھانے کا خوف باغباں میں کسی وبا کی طرح پھیلا تھا۔

نو سالا، ناپسند مرد فارس شاہ کے حصار کی قید اسے نڈھال کر چکی تھی مگر وہ اب تک اپنی محبت کو نفرت میں بدلنے کی دعائیں اور قید سے رہائی کی طلب گار تھی۔

تا حد نگاہ پھیلے سبزہ زار جیسے باغیچے کے بیچ و بیچ وہ سیاہ پوشاک پہنے شب خوابی کا لباس میں ہی اپنا فرض نبھانے ابر آلود سی اس سحر باہر نکل آئی تھی۔

اسکے مرمریں مگر بے مراد ہاتھ میں پرندوں کا رزق تھا، چڑیا، کبوتر اور یہاں تک کہ اس آبادی اور دنیا سے یکسر الگ آباد چھوٹے سے کاٹیج نما گھر کے سارے پالتو چرند پرند اپنا رزق لینے اسکے ارد گرد جمع تھے۔

"تم کیا مانگتی ہو مہکار، حکم کرو ہم سننے آئے ہیں"

اسے لگا انہی لاتعداد پرندوں سے کوئی اسکے کان میں آکر سرگوشی میں بولا تھا۔

اک آنسو اس بے داغ گال پر اترا جسے مہکار نے فوری استہزایہ تبسم کے سنگ رگڑا۔

"وہی بددعا جو نو سال سے مانگ رہی ہوں، میں اپنے شوہر کی موت چاہتی ہوں"

لاشعور میں کراہٹ تھی جسے مہکار شاہ نے لاکھ دبایا مگر وہ اسکی زبان پر زہر کی طرح پھیل گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسکا سرسبز باغیچہ پرندوں سے خالی ہو گیا، اسکے بے مراد ہاتھوں سے پرندوں کا رزق چھوٹ کر گھاس میں دفن ہوا، ہر روز کی طرح وہ روٹھ کر چلے گئے اور مہکار نے خالی آنکھیں اٹھائے نیلگوں بادلوں سے اٹے آسمان کو دیکھا جہاں کئی کہانیاں درج تھیں جو صرف مہکار شاہ کی آنکھوں کے لیے تھیں۔

"تم سمجھتے تھے اے غافل! کہ اپنے ہاتھوں سے کسی اور کو سونپ کر میری دیوانگی سے پناہ حاصل کر لو گے، نہیں۔ میری بدعا قبول ہونے والی ہے کیونکہ بدعا کے لائق اس شخص کو بناتے بناتے مجھے نو سال لگ گئے۔ تمہاری زندگی میری زندگی سے بھی بدتر ہو گی اور یہ مہکار کا تم سے انتقام ہو گا"

تاسف اور قنوطیت سے بھری وہ آنکھوں میں آگ لپکاتے رنگ بھرے خود سے ہم کلام تھی، اسکا انداز وحشیانہ تھا۔

اسکے اندر لگی آتش نے سب جلا دیا تھا، یہاں تک کہ اسکا دل اور دماغ تک بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم جیسے وحشی سے میں شادی کروں گی؟ تم نے سوچ بھی کیسے لیا"

سماعت میں پگھلا سیسہ انڈیلتی یہ نسوانی آواز اس جن کے اعصاب تان رہی تھی۔

"ٹھیک ہے نادان لڑکی، جلد تمہیں اس سوال کا جواب مل جائے گا"

تحمل سے سلگتی اسکی اپنی بھاری آواز اس روز مقابل کو مشتعل کر گئی۔

"دیکھو تم بھیو کے دوست ہو تبھی تمہارے منہ پر اس پرپوزل پر تھپڑ نہیں مارا، انھیں تمہارا احسان غلام بنا سکتا ہے مگر وفا بخاری کو نہیں جو تم جیسے نامور لوگوں کو اچھے سے جانتی ہے کہ اس خیر کے پیچھے کونسا شر مخفی ہے۔ دوبارہ اگر تم نے میرے اس ادارے یا آفس تک کوئی چیز ارسال کی تو انجام اچھا نہیں ہو گا"

ناگواری سے اس روز وہ زمین پر مٹی میں ملتے پھولوں کی طرف اشارہ کیے چینخی تھی۔

وہ انکار کر گئی تھی، وہ بھی ڈنکے کے چوٹ پر کاشان ہمانی کے گارڈز کے سامنے اسے زلیل کر گئی تھی۔

"مجھے انکار کرو گی تو زیادہ کچھ نہیں کروں گا، بس تباہ کر دوں گا"

وفا بخاری کے موڑے قدم اسکی اپنی آواز نے اس روز روکے اور وہ رکی بھی تھی۔

"او جاو، بہت دیکھے ہیں تم جیسے۔ عورت کو کمزور مت سمجھنا اور خاص کر وفا بخاری جیسی عورت کو۔ تمہارے یا تم جیسے کسی وحشی کے سامنے نہیں جھکنے والی۔ اب دفع ہو جاو ورنہ تمہاری رہی سہی عزت بھی مٹی ہو جائے گی"

سماعت میں ان آخری لفظوں سے آتش جل اٹھی، وہ بپھر ا ریچھ نتھنے پھلائے دھاڑا۔

گلوز پہنے ہاتھوں کے سنگ مسلسل پنچنگ بیگ پر اپنی وحشت اور غصے کا اظہار کرتا وہ ہیبت ناک کسرتی وجود پسینے سے مکمل بھیگ چکا تھا، اسکی توانا اور نمی کے سنگ چمکتی ہلکی گندمی بازووں کی زور آزمائی سے رگیں تن کر پھٹنے کے قریب تھیں، گردن اور پیشانی کے ابھار اسکے سرخ لہو چھلکاتے چہرے سے میل کھائے غضبناک معلوم ہو رہے تھے۔

ویسٹ ٹروزر پہنے وجود کا چوڑا سینہ نمایاں تھا اور قد و قامت اور اسکی جسامت عام مردوں سے دگنی تھی، وہ دیکھنے سے ہی کوئی باڈی بلڈر معلوم ہو رہا تھا۔

کھلے روشن گلاس والز سے ملحقہ اس لگژری فٹنس کلب کی ہر چیز انٹیک تھی، کئی طرح کی ایکسر سائز مشینز جگہ جگہ مناسب فاصلے پر نسب تھیں، اعلی وال کرافٹ جو اس انسان کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

"مے آئی کم ان سر؟"

مدھم دستک نے اس بپھرے جن کی توجہ منتشر کی، خفیف سی ناگواری کے سنگ وہ اپنی وحشیانہ کاروائی روکے اونہوں کرتا اس اندر آنے کی اجازت طلب کرتے اپنے خاص آدمی کو اشارہ کیے خود ریک سے پانی کی بوتل اٹھا کر چلتا ہوا گلاس وال تک آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے چہرے پر انڈیلی، پانی اسکے دہکتے چہرے سے ہوتا ہوا اسکے جسم کی آگ بھی مدھم کر گیا۔

"بولو کیا خبر ہے"

سپاٹ بھاری آواز سے استفسار آیا۔

"آپ کے ٹکڑوں پر پلتا ایک اور کتا ہلکا ہو گیا تھا، آپکے خلاف کچھ ایسے ثبوت تھے اسکے پاس جو آپکے کیئر ئیر کے ساتھ ساتھ ہمانی خاندان کو بھی مٹی میں ملا دیتے۔ بروقت اسکو بے نقاب کیے پکڑ کر لے آیا ہوں آپ کے پاس۔۔۔ اجازت دیں تو آپکے اس آستین کے سانپ کو پیش کروں؟"

مودب اور کچھ اضافی سرور سا آنکھوں میں بھرے وہ آدمی اس پتھر کے بت کی جنبش کو بیقرار ہوا اور وہ چہرہ مکمل منظر عام پر آیا۔

وہ شخص جتنا جسامت کے طور پر وحشی اور ہیبت ناک تھا، اسکی وہ گرے آنکھیں جن میں ہلکورے لیتا جنون سامنے والے کو کپکپا کر رکھ سکتا تھا۔

"بہت خوب، لاؤ اسے"

سرور آنکھوں میں بھرے حکم کیا گیا اور اسی لمحے اسکا خاص آدمی بیرونی دروازے کے پاس کھڑے دو سانڈ نما غنڈوں کو اشارہ کیے اندر بلا چکا تھا جنکے قبضے میں ایک زخموں سے چور لگ بھگ ستائس اٹھائس سالا مسکین سا آدمی تھا۔

وہ اسکی عدالت کا گنہگار تھا۔

اس آدمی کی روح تو سامنے کھڑے درندے کو دیکھ کر فنا تھی اور جس طرح وہ تھر تھر کانپا، یہ مقابل کو سرور بخش گیا۔

"کہا تھا تجھے وارن بھی کیا تھا، لیکن میری وارننگ کو ہلکا لیا اور میرے خلاف جانے کی غلطی کر بیٹھا، اب جہنم میں بیٹھ کر پائزن کو بے نقاب کرنے کے منصوبے بنانا۔۔۔ بہت شوق ہے ناں تجھے زہر پھیلانے کا، اب تجھے اصل زہر سے ملواتا ہوں جو تیری اس زندگی کا چراغ گل کرے گا"

زرا سا قدم بڑھائے وہ بہت لطف لیتے یہ جملے ادا کرتا اپنا بھاری ہاتھ اس سسکتے تڑپتے، کراہٹیں گھونٹتے شخص کی گردن تک لے جائے سہلانے لگا۔

"خدا تم کو غرق ک۔۔ کرے گا، میں نہیں تو کوئی اور ضرور تم جیسے شیطان کو دنیا کے سامنے زلیل کرے گا۔ ابلیس۔۔۔۔۔۔ یاد رکھنا پائزن جرم کبھی نہیں چھپتا، ایک دن تیرا کوئی بہت عزیز اپنا ہی تیرا خاتمہ بنے گا۔۔ ہر فرعون کے لیے ایک موسی ضرور آتا ہے۔۔۔ آہہہہ"

مقابل کی اس ساری پوائزن کے بقول بکواس اور کسی سسکی کو اہمیت دیے بنا بس ایک جھٹکا دیا گیا، کچھ ٹوٹنے اور اس مسکین آدمی کے حلق سے دلخراش چینخ نکلنے کی آواز اس ساونڈ پروف چار دیواری میں پل بھر کو گونج کر دفن ہو گئی۔

بن پانی کی مچھلی کی طرح وہ آدمی فرش پر چند لمحے پھڑ پھڑانے کے بعد بے جان ہو گیا جس پر اس درندے کے چہرے پر فاتحانہ تبسم مچلا۔

"جو میرے خلاف جائے گا، اسکی یہ سزا ہے باسط، پھر جو میرے اندر تک اپنے انکار سے زہر اتار دے اسکی کیا سزا ہو گی؟"

پلوں میں اس کے اشارے پر وہ دو سانڈ اس مرے آدمی کی لاش لے کر غائب ہو چکے تھے، پر اسرار سا لہجہ لیے اب وہ اپنے خاص آدمی سے اپنے گلوز اتار کر انھیں کسی اچھوت کی طرح پھینکتا مشاورت ذدہ انداز سے ہمکلام تھا جسکے چہرے پر خبیث سی مسکراہٹ تھی۔

"بہت سنگین، لیکن سزاوار کو قابو کیسے کریں گے آپ سر۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ یہ معاملہ تو دل کا ہے؟"

باسط کی زبان پر کھجلی ہوئی مگر وہ انسان آنکھوں میں خمار بھرے پلوں میں قاتل سے اک وحشی آوارہ سا دیوانہ بن گیا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے، کاشان ہمانی کے لیے اس دشمن جان کو قابو کرنا مشکل ہے۔ اور یہ معاملہ دل کا نہیں باسط، حاکمیت کی تسکین کا ہے۔ وہ حاکمیت جو مجھے خود سے جڑی ہر شے پر درکار ہے"

لہجے میں اک شکست تھی، وہ کوئی عام آدمی نہ تھا، پروفیشنل ریسلنگ چیمپئین اور ریسلنگ ریولوشن گلوبل لاہور کا سئنئیر ممبر کاشان ہمانی تھا جسکا ایک نام تھا جسکی ایک پہچان تھی۔

لیکن حقیقت میں وہ زہر تھا، ایک درندہ، ایک فرعون جسکا عروج شروع تھا۔

جو اپنی بساط کا بادشاہ، اپنے ہر کھیل کا فاتح اور اپنی ہر خواہش کی خود ہی تکمیل تھا۔

"تو کیا آپ اس پر حاکمیت کر سکیں گے؟"

باسط کا تجسس بڑھ چکا تھا۔

"دوماہ پہلے ہی حاکمیت پا چکا ہوں اسکی بھائی کی جان بچا کر، نہال بخاری سے اسکی جان بھی مانگوں تو وہ اب ہتھیلی پر رکھ دے گا۔ اور وفا بخاری اسکی جان ہی ہے، جان کے بدلے جان لینے کے اصول اس بار بھی قائم رہیں گے۔ بہت مزہ آئے گا اس کھیل کا"

اک غرور اور نشہ سا ان گرے خوفناک آنکھوں میں لہرایا تھا اور باسط نے بھی گہری مسکراہٹ دیے اس پلٹ کر صبح کی پھیلتی چاشنی دیکھتے کاشان کی پشت پر نظریں گاڑ دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

وہ ہمیشہ کی طرح یونیفارم پہنے، بیگ کندھے پر ڈالے اپنی کلاس میں جانے سے پہلے اپنی زندگی کی کرن کا دیدار کرنے سیدھا پلے گروپ کی سمت بڑھ چکا تھا، وہ بھی روز کی طرح پرپل فراک اور بلیک ٹائیٹ میں کندھے تک آتے بال لہرالہرا کر اپنی کلاس کی مانیٹر بنی سبکو مس فانیہ کے آنے سے پہلے ڈانٹ رہی تھی۔

خوبصورت سی کلاس روم رنگا رنگا چارٹز، پوئمز اور کارٹون پوسٹرز سے سجا تھا، کمرہ کشادہ اور پیارا تھا اور پھر وہاں بیٹھے ننھے معصوم سے بچے۔

"تپ کل تے بیتھو (چپ کر کے بیٹھو)"

پانچ سالا معصوم سی نیلی آنکھوں والی گڈی عناب اپنی تھتھی زبان میں پلے گروپ کے لگ بھگ بیس بچوں کو چپ کروانے میں زرا زور سے بولی، اور وہ ہمیشہ کی طرح کلاس روم سے باہر کھڑا مسکرا کر اس میڈم کے تھتھے ہو کر بھی ایسے بھرم پر ہنسی روک نہ سکا۔

"عناب میں بھی آجاوں"

دروازے میں کھڑا وہ باقاعدہ عناب کے کھکھلا اٹھنے پر ہنسی دباتا اندر آیا اور میڈم فوری لپک کر اس تک پہنچیں جو شرارت سے اسکا ہاتھ پکڑے کلاس سے باہر لے آیا۔

"یوئی۔۔۔ تہاں (یوئی۔۔۔ کہاں)"

یو آن کے ہاتھ پکڑ کر فٹ بال گراونڈ کی طرف جانے پر وہ اسکا ہاتھ کھینچے معصومیت سے استفسار کرتے بولی۔

"آج فٹ بال میچ ہے ناں میرا، تو تم نہیں دیکھو گی تو میں جیتوں گا کیسے"

عناب کے سلکی ملائم بال چھوئے وہ اپنی ہلکی بھوری آنکھیں پھیلائے مسکرایا، عناب لپک کر اسکی بازو پر اپنی پوری قوت سے تھپک کر شرارت سے ہنسی۔

اور وہ اسکی اس حرکت پر زور دار ہنستا اسکے قدموں میں ہی بیٹھا۔

"دیتو دے۔۔۔یوئی اد بست (جیتو گے،یوئی از بیسٹ)"

زندگی سے بھری مسکراہٹ لیے وہ آٹھ سالا یو آن کی آنکھوں میں دیکھ کر پھر سے مسکرائی اور وہ اسی انرجی کو چاہتا تھا۔

"نو۔۔۔یوئی از ناٹ بیسٹ۔۔عناب از بیسٹ۔"

وہ قد میں بونی تھی اور وہ لمبا تبھی اسکے قدموں میں بیٹھ کر بولا اور وہ اس پیار پر یوئی کی گردن میں بازو باندھ کر آنکھیں موند گئی۔

"تلیں (چلیں)"

جب لاڈ ختم ہوئے تو محترمہ اسکے چہرے کے روبرو ہوئے فرمائش کیے بولیں اور یو آن فرمابرداری سے اسکا ہاتھ پکڑے گراونڈ کی سمت لپکا۔

اسکے لیے گرمی کی حدت سے پاک سپیشل جگہ تلاش کر کے بیٹھایا جو آج پڑھائی نہیں بلکہ صرف یوئی کا میچ دیکھنے والی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے فٹ بال کا کھیل شروع ہوا اور صبح کے سائے پھیلتے پھیلتے اس جگہ دھوپ لے آئے جہاں عناب کچھ اور چھوٹی بچیوں کے ساتھ بیٹھی مسکرا کر اپنے ننھے ہاتھوں سے تالیاں بجا رہی تھی۔

بھلے موسم بہار میں گرمی کی شدت قدرے خفیف تھی مگر وہ گڑی تھی، موم کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسکا پورا فیس سن الرجی دے ریڈ ہونا شروع ہو گیا اور سانس پھولنے لگی۔

یو آن کی توجہ بھی میچ پر تھی مگر پھر اچانک سٹیڈیم کی سیٹیوں کی سمت جمگھٹے پر وہ گیم روکے دوڑ کر ہانپتا ہوا اس طرف آیا جہاں سکول کی طبی ٹیم بیہوش ہوتی عناب کو ریسکیو کرنے پہنچی تھی۔

یو آن کی جان تو تب نکلی جب اس نے عناب کی بگھڑی حالت دیکھی۔

"یو آن بابا، شی از او کے۔ میں اسے گھر لے جا رہا ہوں"

ایک گھنٹے بعد عناب مکمل ٹھیک تو ہو گئی تھی مگر سکول والوں نے اسے اسکے گارڈز کے ساتھ گھر بھیج دیا اور جاتے جاتے یو آن کی بیقراری اور تکلیف دیکھ کر ایک گارڈ رک کر یو آن تک آیا اور اسے تسلی دی مگر یو آن کی بیقرار نظریں بس گاڑی کی طرف تھیں جہاں وہ شیشے سے دیکھ کر بھی سر ٹیکے مسکرا رہی تھی۔

"بڈی کو کہیے گا مجھے عناب کی طبعیت کا بتاتے رہیں۔ اللہ حافظ"

یاد دہانی کرواتا اور گارڈ کے سر ہلانے کے اشارے پر وہ تب تک وہیں کھڑا رہا جب تک گاڑی سکول گیٹ سے باہر نہ نکل گئی۔

وہ اداس ہو گیا تھا، میچ تو وہ چھوڑ آیا تھا تبھی خود بھی بوجھل قدم اٹھائے اپنے کلاس روم کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا مطلب، مجھے اس دم چھلے کو ہر جگہ ساتھ لے جانا ہو گا۔۔۔۔۔ لیکن کیوں بھیو"

عالیشان سفید پھولوں اور سرسبز بیلوں کی گرفت میں لپٹے بخاری ولا کے سرسبز گارڈن میں حسب معمول سنہری پر بہار صبح فیاض بابا کی خود مدد کرتے وہ کچھ نئے پودے نسب کرنے میں مکمل مگن تھے، سفید کلف لگا کڑکڑاتا سوٹ پہنے اس بات سے بے خبر کے مٹی انکے نفیس اجلے لباس کو داغ دار نہ کرے اور انکے سر پر کھڑا وہ تیکھا مگر نازک سا نسوانی وجود حیرت و بے یقینی کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے باقاعدہ غش کھا بیٹھا۔

"جی بھیو کی جان وہ گھر سے باہر آپکے ساتھ رہے گا"

مصروف سے انداز میں نہال بخاری کا حتمی جواب سن کر وہ منہ بسورے منظر عام پر آئی۔

اسکے گہرے سنہری بال اور خوبصورت بڑی بڑی آنکھیں اور پھر نرم و نازک خدوخال والے اس من موہنے چہرے پر صدمے کے رنگ جو حواس باختگی کے ترجمان تھے۔

سفید کرتے پر رنگ برنگی کڑھائی اور نیلی جینز، کندھے پر لٹکا یا بیگ، پیروں میں نازک چپل، کھلے کمر تک لہراتے بال جو صبح کی جان فضا ہوا سے مسلسل اٹکیلیاں کر رہے تھے۔

کچھ فاصلے پر فاضل بابا پودوں کو پانی دے رہے تھے اور اس سے بھی کچھ فاصلے پر ایک اور من چلی آفت حسینہ کتابیں کھول کر آج پھر نہال بخاری (یعنی بابا) کے ہتھے چڑھی میٹھ کو رو رہی تھی۔

ایک نہال اور دوسرا عون جس سے منیہا بی کی جان جاتی کیونکہ دونوں کو جب موقع ملتا اسے پڑھانے لگ جاتے تھے۔

پرسوں منیہا کا بی ایس سی میں حساب کا پرچہ تھا اور اسکو خاص تیاری کروانے کے لیے نہال صاحب نے اپنے زمینی کام چھوڑے اسے دبوچ رکھا تھا جسکی جان آدھی شکل سے ہی لگ رہی تھی۔

"لیکن یہ بہت ہی اریٹیٹنگ ہے بھیو"

وفا کی زبان پر پھر سے اعتراض کے سنگ کھجلی ہوئی اور منیہا نے گردن زرافے کی طرح اٹھا کر اب بابا جان کا غصہ اور وفا کی عزت افزائی دیکھنے کو آنکھیں پر شوق ہوئے اس طرف گھاڑیں۔

"ایک بار فیصلہ کرتا ہوں میں تو بار بار خود کو کیوں تھکا رہیں ہیں بھیو کی جان، آپ ہماری جان ہیں اور صرف اسی وجہ سے اس گھر میں صرف آپ واحد ہیں جنھیں انکا شوق پورا کرنے کی اجازت ملی۔ وھاج سکندر از یور باڈی گارڈ اور اسکے بنا آپ کہیں نہیں جاسکتیں۔ وہ صرف آپکی حفاظت کے لیے ہو گا ساتھ آپکو اریٹیٹ ہونے کی ضرورت نہیں"

رعب و دبدبے کے سنگ وہ بھلے اس گھر کے چھوٹے بیٹے تھے مگر انکے مزاج کی سختی اور انکے فیصلوں کی پختگی کا یہاں ہر فرد معترف تھا، خودسر اور انا پرستی بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اس گھر میں ہر کوئی انکی اجازت کا محتاط اور فیصلے کا پابند تھا، پھر انکی سبز رنگ بدلتی آنکھیں جن میں وہ عتاب بھر کر دیکھتے تو سامنے والے کی جان لبوں پر آجاتی۔

منیہا نے اداس شکل بنائے پھر سے میتھ کو رونا شروع کر دیا کیونکہ اس جنم میں تو وفا کی عزت دیکھنے کا ارمان پورا ہونا ناممکن تھا۔

خود وفا بھی آنکھیں جھکائے صاف صاف من ہی من میں اس باڈی گارڈ کے بچے کو صلواتیں دے رہی تھی جسکے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اسے دم چھلے تک کا لقب دے چکی ہے۔

"لیکن بھیو۔۔۔۔۔ جب میں خود باڈی گارڈ لیے پھروں گی تو عورتوں کو کیسے اپنی حفاظت خود کرنے کی تلقین کر پاوں گی"

وفا کا اعتراض بجا مگر اس وقت نہال بخاری کو شدید ناگوار گزرا مگر وہ ضبط کر گئے۔

"لک ایٹ می، ہم جو کرتے ہیں اپنے پیاروں کی بھلائی کے لیے کرتے ہیں۔ وحید لالہ کے صحافت میں ہونے اور کاروباری سو طرح کے معاملات کے باعث دشمنوں کی ہرگز کمی نہیں اور دشمن کی کمینگی سے محتاط رہنا چاہیے۔ پھر آپ اور عون نے جو اس بگھڑے معاشرے کو سدھارنے کا بے لگام گھوڑا تھام رکھا ہے وہ ہمہ وقت ایک خونی جنگ لڑنے کو تیار رہتا ہے۔۔۔ سمجھیں اس بات کو۔ اس گھر کے اصول اور قاعدے جانتی ہیں آپ وفا، یہاں میری مرضی کے بنا نہ کبھی پہلے کچھ ہوا ہے نا آگے ہو گا۔ آپ نے عورتوں کے حقوق کا بیڑا تو شوق میں آئے اٹھا لیا لیکن آپ ابھی بہت چھوٹی ہیں اور اس باہر کی دنیا اور نوچ کر کاٹ کھاتے اس معاشرے سے ناواقف ہیں۔ کون کب کس وقت وار کر دے کچھ علم نہیں۔ آپ بابا کی بہت نایاب امانت

ہیں ہم بھائیوں کے پاس، بھلے ہماری جان سے پیاری بہن ہیں مگر ہمیں اپنی اپنی اولاد سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں نہیں چاہتا آپ پر سختی سے اپنی بات واضح کروں لہذا اپنے دماغ میں بٹھالیں کہ وہاج سکندر آپکی مکمل حفاظت کرے گا آج سے۔ اب آپ جاسکتی ہیں"

میٹھے مگر سخت لہجے میں وہ اپنی بات طوالت سے وفا پر واضح کرتے اسکے اعتراض کو بری طرح مسترد کیے اسے آخر میں زرا خفگی سے کہتے خود واپس منیہا کی سمت بڑھ گئے جسکو تو باباکے پاس آنے پر موت کا منظر نظر آرہا تھا۔

اور وفا منہ بسورے پیر پٹخ کر دائیں بائیں تاحد نگاہ پھیلے وسیع و عریض پورچ کی سمت لپکی جہاں کچھ فاصلے پر سوٹڈ بوٹڈ سا ایک اور نیلی آنکھوں والا بہت ہی سوبر اور پر وقار ستائیس سالا آدمی کھڑا کسی گارڈ سے مخاطب تھا۔

"گڈ مارننگ وفا بخاری"

اپنی اور بپھری موج بن کر آتی وفا اور ستمگر محبوب کو دیکھتا وہ زچ کرنے کو جان بوجھ کر سلگتے تبسم سے مودب ہوئے بولا اور وفا کا دل یہی کیا اس کی جان لے لے یا شاطر نیلی آنکھیں نوچ لے۔

"بھاڑ میں گیا تمہارا مارننگ، بھیو کو کیا گھول کر پلایا ہے تم نے کمینے انسان۔ یہ مت سمجھنا کہ تم جیت گئے وہاج سکندر، تم انکے لیے بھلے جگر کے ٹکڑے ہو گے لیکن وفا بخاری ہوں میں۔ اپنے سائے تک کو اجازت نہیں دیتی کہ میرے معاملے میں ٹانگ اڑائے۔ ہر جگہ تمہاری شکل دیکھنے سے بہتر تھا میں یہ گھر سے نکل کر کام کرتی ہی ناں، جب خود باڈی گارڈ گلے میں ڈال کر گھوموں گی تو کر لی میں نے عورتوں کی کاونسلنگ۔ اور کان کھول کر سن لو اگر تم نے مجھے اریریٹیٹ کیا یا کرنے کی کوشش کی تو تمہاری جان لے لوں گی"

لپک کر زخمی شیرنی بنے وہ انگلی ہوا میں لہراتی ایک ایک لفظ تلملا کر کہتے غرائی اور وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے مزید سلگانے کو مسکرایا تھا۔

"فسٹ آف آل آپکا باڈی گارڈ بننا خود میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا دردسر ہے، اور سوری ٹو سے میم اگر میں نہال بخاری کے دل کا ٹکڑا ہوں تو اس میں میری وفاداری اور میرے خاندان کی آپ سبکو دی حفاظت ہی وجہ ہے۔ آپکو اریٹیٹ نہیں کروں گا، آپ کا صرف باڈی گارڈ ہوں، سایہ نہیں جسکی موجودگی آپکے لیے باعث پریشانی ہوگی۔۔۔ میرا کام صرف حفاظت ہے، آپکے مقصد کے بیچ نہیں آوں گا"

مقابل نہایت تحمل سے جواب دے کر وفا بخاری کو آگ ہی تو لگا چکا تھا، تنتناتی ہوئی وہ اپنا ہینڈ بیگ پٹخ کر گاڑی میں خود بھی جا بیٹھی اور وہ کھسیانی مسکراہٹ فوری لبوں میں دباتا خود بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے اندر جا بیٹھا۔

مرر پر اک نگاہ ڈالے اس شیرنی کو دیکھا اور دل کو سکون کا خزانہ پہنچائے گاڑی سٹارٹ کیے بخاری ولا کے مین گیٹ سے باہر نکالی۔

"میں پہنچ رہی ہوں، ان سب عورتوں کو بیٹھاو۔۔۔۔ عون سے میں معاملہ ڈسکس کر چکی ہوں، ان سبکو انصاف ملے گا"

فون کان سے لگائے وہ اپنی سیکرٹری ماریہ سے مخاطب تھی مگر وھاج کی آنکھیں اسے مسلسل بے چین کر رہی تھیں۔

"کیا ہے تمہیں؟ تمہاری یہ حرکتیں رہیں تو جیل پہنچ جاو گے"

فون باقاعدہ پٹخ کر وہ وھاج کے دیکھنے پر غرائی۔

وھاج نے فوری مسکراہٹ دبائے نظر بھی سامنے مرکوز کی۔

"یو لک گار جئیس وفا بخاری، محبت کرتا ہوں اسکا یہ مطلب نہیں آپ سرعام رسوا کریں"

گھمبیر سی سرگوشی میں اس حسن کی پری کو وہ بہت سے احساسات ارسال کر چکا تھا، اور یہ واحد ایسے وفا بخاری کی سلگتی ذات کو شانت کر دیتے جملے تھے کہ وہ چاہ کر بھی مزید سلگ نہ پاتی۔

سر جھٹک کر وہ باہر بدلتے مناظر دیکھنے لگی، جیسے وھاج سکندر کی ذات سے دانستہ آنکھیں چرا لی گئی ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورا ہال مین سالانہ فنکشن کے لیے سجایا جا چکا تھا مگر ابھی بھی کچھ ڈراموں کی فائنل ریہرسل جاری تھی۔

چونکہ زیادہ تر سٹوڈنٹس اپنے تمام اختتامی کام تکمیل پہنچا چکے تھے لہذا ہال کی لگ بھگ ساری ہی کرسیاں خالی تھیں۔

چند سٹوڈنٹس اور ٹیچرز موجود تھے جو اپنے اپنے کاموں میں مگن اپنے طلباء کے ساتھ کام سمیٹنے میں مگن تھے مگر اسکی براون چمکتی آنکھیں سٹیج پر جمی تھیں۔

جہاں اسکے لکھے ڈرامے کی فائنل ریہرسل جاری تھی۔

بیک سٹیج وال پر اسکے لکھے ڈرامے کا لوگو اور ٹائٹل خوبصورت چارٹ کی صورت آویزاں تھا جہاں بڑے سنہری حروف میں "مجرم" کے الفاظ درج تھے۔

وہاں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مکمل طور پر ڈرامے کو ادا کرنے میں محو تھے اور انکے ڈائلاگز کی دلکشی اور مضبوطی ارد گرد کے افراد کو اپنے کام روک کر متوجہ ہونے پر اکسا رہی تھی۔

"کیا کہا تم نے یہ ایک کھیل تھا، کسی پاک دامن پر کیچڑ اچھالنے کے بعد تم یہاں میرے سامنے ہنس کر ٹھٹھہ لگا رہے ہو اور کہہ رہے ہو یہ مزاق تھا۔ تمہیں پتا بھی ہے تہمت لگانے کی کیا سزا ہے شاہ زین" وہ لگ بھگ تیرہ سالہ لڑکی بھرپور اس کہانی میں جذب ہو کر اس طرز سے اس سامنے کھڑے لڑکے پر حلق کے بل چینخی تھی اور حاضرین محفل متاثر کن انداز سے اسکی ادائیگی پر داد دے رہے تھے۔

"تہمت ہی تو ہے، کونسا تمہارا قتل کر دیا"

لڑکے نے لاپرواہی سے سر جھٹکے شرارہ چھوڑا جس پر ہر کوئی دم سادھ چکا تھا۔

"قتل ہو جاتا تو میں کہتی قتل ہی تو کیا ہے، کونسا تہمت لگائی"

اس دوسری لڑکی نے مکمل جذب سے آنکھوں میں حقارت بھرے زہر خندی کے سنگ اس طرح جملہ ادا کیا کہ واقعی لگا اسکی آواز ڈوب رہی ہے۔

وہ ہمیشہ ایسے کردار لکھ کر انکو ہر بار اک نئے ذوق سے دیکھتا تھا، اور ابھی بھی اسکے خوبصورت چہرے پر اک پر سکون مسکراہٹ تھی۔

تبھی آفت کے پرکالہ اسی کے ہم عمر اس سے زرا کم دلکش ہلال صاحب نے حیرت کے سنگ اس اکیلے بیٹھ کر من ہی من میں مسکاتی مخلوق کو دیکھا اور ساتھ ہی جھٹکے سے بیٹھا، اور اسکے ازلی بونگوں والی انٹری پر ابدال نے اسکی سمت دیکھ کر منصوعی گھوری سے نوازا۔

"اتنی کرٹیکل سچویشن میں بھی تو دانت کیسے نکال لیتا ہے یار، پورا سکول جانتا ہے تیرے لکھے ڈرامے دیکھ کر آنسو روکنے محال ہوتے۔ اور ایک یہ ہیں ہمارے وکھرے ابدال مصطفی صاحب جنکی خواہشوں، خوابوں کے ساتھ ساتھ عادات بھی دنیا جیسی نہیں۔"

ازل کا گلہ کرتا وہ منہ بسورے سامنے جذباتی سین کو دیکھ کر منہ بگھاڑ رہا تھا مگر ابدال کی مسکراہٹ ہنوز برقرار رہی۔

"تجھے کس نے کہا کہ مسکرانے کا تعلق آنکھ اور نظارے سے ہے، مسکراہٹ تو دل سے جڑی روح ہوتی ہلال صاحب۔ اور مجھے منفرد ہونے میں سکون ملتا ہے، میں دنیا جیسا نہ خاص ہوں نہ عام، میں بس ابدال مصطفی ہوں"

چودہ سال کی عمر میں ہی وہ انتہائی ناقابل یقین خصوصیات کا حامل تھا، اس کو اس سکول کا سب سے لائق سکرپٹ رائٹر ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔

دس سال کی عمر میں نے اس نے اپنی پہلی کہانی ایک سکول کے رائٹنگ مقابلے میں لکھی اور جج صاحبان اسکی کہانی اور اتنی سی عمر میں اس قدر گہرے خیالات پر اس قدر متاثر ہوئے کہ اسکے بعد سکول کے ہر رائٹنگ کمپیٹیشن میں اسکی پوزیشن صوبائی اور ضلعی طور پر بھی اول سے کم نہ آتی۔

اور ان چار سالوں میں وہ مزید بہترین لیول پر جا کر چمکتا اک ایسا ستارہ تھا جسکی مدھم سہی پر روشنی اسکے دل کو اجالے رکھتی۔

وہ نہ صرف ذہین تھا بلکہ ایک سال میں دو کلاسز پڑھنے کا تین سالا ریکارڈ بھی اس سکول میں ابدال نے ہی قائم کیا تھا۔

اس سال میٹرک کے ایگزامز سے پہلے اینول فنکشن میں اسکی مصروفیت کے باوجود پرنسپل صاحب نے اسے خاص ریکوسٹ پر اس میں حصہ لینے کی خواہش کی تھی، پیپرز کے دوران وہ کوئی ایکسٹرا ایکٹویٹی سرانجام نہیں دیتا تھا یہاں تک کہ اپنا میوزک کا شوق بھی چھوڑ دیتا مگر پرنسپل صاحب کے کچھ غیر ملکی سکرپٹ رائٹرز دوستوں کی آمد متوقع تھی اور وہ چاہتے تھے کہ وہ بھی ابدال کے لکھے ہنر کو سٹیج پر پرفارم ہوتا دیکھ کر انکے

اس ینگ ٹیلنٹ کو سراہیں۔ بس انہی کی تاکید پر اس نے اس بار "مجرم" لکھا تھا اور ریہرسل سے ہی پورا سکول اتنا تو جان چکا تھا کہ اس بار پھر ابدال مصطفی میدان مارنے والا ہے۔

"وھاج بھائی، میری اماں جان اور یہاں تک کہ اب محلے والے بھی مجھے دن رات کوسنے دیتے کہ لنگور کہیں کے سدھر جا، ابدال کو دیکھ وہ کتنا قابل بچہ ہے۔ خیر کہیں دل میں تو بڑی ٹھنڈ پڑتی یار جب لوگ مجھے تیرے حوالے سے جانتے"

کندھے سے کندھا ملائے وہ شروع میں جتنا شرارت میں لگا آخر تک خود ابدال اسکے خوامخواہ کے رشک پر مسکراہٹ دبا نہ پایا۔

"استغفر اللہ اب اتنی بھی کوئی توپ چیز نہیں ہوں یار، خیر آج گھر جا رہا ہوں۔ وفا اور عناب سے دل گھبرا گیا تھا، اور یونو وہ دو بھی مجھے مس کرتی ہیں"

اپنی اس قدر تعریف اس بندہ بشر سے کہاں سہی جاتی تبھی وہ بوکھلا کر اپنی تعریف رد کرتا اپنے ارادے سے آگاہ کیے اٹھ کھڑا ہوا، دونوں ایک ساتھ ہی ہال سے باہر نکلے، چونکہ آگے ویک اینڈ تھا تبھی فرائے ڈے کی شام وہ ہمیشہ کی طرح بخاری ولا صرف وفا اور عناب کے لیے ہی جاتا تھا، دونوں ہوسٹل تک ساتھ ہی آئے تھے۔

وہ بچپن کے دوست تو تھے ہی مگر چار سال سے روم میٹ بھی تھے، اور شاید ابدال کی تنہائی پسند ذات میں ہلال سکندر کے ہونے سے خوشگوار ہلچل کا وجود قائم تھا۔

"ویسے مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی، بخاری ولا تو ڈریم لینڈ ہے پھر تو کیوں کتراتا ہے اس سونے کے محل سے۔ اور ہر بار یہی کہتا ہے کہ صرف وفا اور عناب سے ملنے جا رہا ہے۔ چلو باقیوں کو تو چھوڑ، منیہا آپا اور نہال انکل بھی تو ہیں ناں"

روم میں داخل ہوتے ہی وہ ابدال کے لیے ویک اینڈ کے بعد اسکے لیے لائی چیزوں کی فرمائشی لسٹ اسے تھمائے ساتھ ہی دیوار سے لگ کر کھڑے ابدال سے مخاطب تھا جو اپنا بیگ اٹھا کر فرش پر رکھے بھرپور طرح مڑ کر ہلال کے روبرو ہوا۔

ایک تو سب جانتے ہوئے بھی اسکے تجسس ابدال کو بہت تنگ کرتے۔

"منیہا آپا کا تو نام مت لے، سارے گھر والوں سے جب انکی میٹھی میٹھی عزت ہوتی ہے تو انکو اپنا غصہ نکالنے کے لیے میں معصوم اور میری گڈی عناب ہی ملتی ہے۔ دوسرا وہ بابا کی لاڈلی ہیں، اور جو نہال بخاری کا لاڈلہ ہو وہ ابدال کا بھی پیارا ہو ایسا ممکن نہیں ہاں مگر وفا بخاری کے علاوہ کیونکہ وہ میری زندگی سے زیادہ اہم حصہ ہیں میرا۔

مجھ سے میرے خواب، میری آزادی، میری مسکراہٹ چھین لینے والے میرے بابا ہی تو ہیں۔ انھیں لگتا ہے انکا اکلوتا بیٹا اس دنیا کا ناکارہ ترین بچہ ہے، ذہنی مریض ہے، مجھے سب سے الگ کر دیا، وفا اور عناب سے جن سے دوری مجھے تھکا دیتی ہے اور اتنی دور اس سکول اور اس ہوسٹل ڈال دیا۔ صرف سزا کے طور پر کہ میں اپنے خوابوں کو اپنی آنکھوں سے نوچ دوں، اور۔۔۔شاید وہ مجھے عناب کے معاملے میں بھی سزا ہی دیتے آئے"

بہت وقت بعد ہی وہ اپنی تلخیاں کھول کر ہلال کو بھی افسردہ کر گیا اور اسکی خاموشی جان لیوا تھی، ہلال نے اسکے کندھے جکڑے رشک برقرار کیے دیکھا۔

"دنیا لاکھ ایسا ویسا کہے، مجھے یقین ہے ایک دن نہال انکل کو تجھ پر فخر ہو گا۔ وہ ٹھہرے بزنس مین، انھیں آجکل کے زمانے کی نئی راہوں کو تسلیم کرنا مشکل لگتا ہے۔ اور ویسے بھی خود سوچ اگر تو یہاں نہ آتا تو کبھی اپنے خواب کو تکمیل نہ دے سکتا۔ تیری کامیابی پر کوئی خوش ہو نا ہو، ہلال سکندر، عناب اور وفا آخری سانس

تک خوش ہو کر تیرا حوصلہ بڑھائیں گے۔ وھاج لالہ مجھے ہمیشہ کہتے کہ ابدال کی صحبت میں رہ کر زندگی کے معاملات کو سلجھانا سیکھ کیونکہ وہ گارڈ گفٹڈ چائیلڈ ہے"

ساری شرارت ایک طرف کرتا وہ اس بار ابدال کا کئی کلو خون بڑھا کر گلے لگا چکا تھا، ابدال بہت کم اور خفیف مسکراتا تھا مگر اسکی مسکراہٹ جادو تھی جو سامنے والے کے دل کو آسودہ سرگوشیوں سے شانت کر دیا کرتی تھی۔

دونوں کا اپنے اپنے گھر جانے کا ارادہ تھا، ہلال یہاں اس ہوسٹل چار سال سے صرف ابدال کے لیے یہاں موجود تھا۔

یار تھے وہ بچپن کے، اور بچپن کی دوستی جنم جنم کی محبتوں سے کئی درجے افضل ہوا کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہمیشہ کی طرح عناب کی بگھڑتی طبعیت کا سن کر ہی نہال بخاری کسی اہم کام کا بہانہ کیے غائب ہو چکے تھے اور یہ سفاکی وہ باپ بہت ذوق سے سرانجام دیتا تھا، منیہا اور عباب دونوں بیٹیاں تھیں مگر انھیں صرف منیہا عزیز تھی شاید، خود عون آج لیٹ جانے والا تھا تبھی سب کے ساتھ ساتھ عناب سے پیار لٹانے اسکے پاس بیٹھا کب سے اسکی مسکراتی شراتیں دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

اپنے سیاہ کوٹ میں لپٹا وہ خوبرو وکیل اس سفید اور سیاہ میں جچتا تھا۔

"اب کیسا ہے ہمارا لاڈو؟"

مکمل اس پر جھکا ہوا وہ اسکی تپی پیشانی چومتا ملائم بال سہلائے گرے آنکھیں شرارت سے گماتی عناب سے پوچھ رہا تھا جس نے مکمل زور لگائے عون کی گردن میں بازو ڈالے اسکی سیاہ داڑھی سے ڈھکی گال پر پیار تو دے دیا مگر اسکی ہونٹوں پر بالوں کہ چبھن پر وہ خود ہی منہ بگھاڑے ہنس دی۔

وہ بھی محترمہ کی اس شکل بنانے پر مسکراہٹ دبا نہ سکا، ابدال جاتے ہوئے عناب کی ذمہ داری عون اور وفا کے سپرد کر کے ہی جاتا تھا، مگر جان نکالنے میں یہ بخاری ولا کا اکلوتا پیس نہ تھی بلکہ اس دلچسپ خاندان میں ہر کوئی آفت کا پرکالہ اور جان لیوا عادات کا مالک تھا۔

"تھیت ہوں، میلے بھیولا دو میں اول تھیت ہو داوں دی۔ اول یوئی تو تہو میں اتھی ہوں (ٹھیک ہوں، میرے بھیولا دو میں اور ٹھیک ہو جاوں گی۔ اور یوئی کو کہو میں اچھی ہوں)"

بمشکل اپنی مشکل زبان کے سنگ وہ یہ خواہش اور تاکید کرتی خود عون کو اداس کر گئی وہیں منیہا بھی بابا کی کلاس سے چھٹکارہ ملتے ہی دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی مگر اندر ہٹلر کی موجودگی پر محترمہ کو سانپ سونگھ گیا، دل یہی کیا گئیر لگا کر واپس دوڑے مگر اسکے دوڑ کر جانے پر بھی اسکی خوب کلاس ہونی تھی تبھی منہ بسورے رک گئی۔

"میرا پیارا بچہ، یوئی کو بتا دیا۔ اور ابدال آرہا ہے آج شام۔۔ لیکن اگر وہ تمہیں یوں بیمار دیکھے گا تو پریشان ہو گا ناں۔ ہیپی اور ناٹی فیس کے ساتھ ویلکم کرنا ہے اوکے"

جھک کر اسکی نرم گال چومے وہ جس نرمی سے عناب سے بات کر رہا تھا، منیہا بی بی کو غش آرہے تھے، اور دل خون کے آنسو الگ رو رہا تھا کیونکہ یہ بندہ اس سے تو پتا نہیں کونسے بدلے چکاتا تھا تبھی ہر وقت ڈانٹ کی سوغات دیتا تھا۔

"میں تھیت ہوں دون (میں ٹھیک ہوں عون)"

اپنے نام کا سوئیٹ سا تھتا ورژن سنتا وہ خود بھی مسکرائے اٹھا مگر عین منیہا کے سامنے رکے اسکے سر تا پیر بھرپور نگاہ میں لیے خلیے اور منہ کے پوز جانچے جسکا صدمہ ابھی تازہ تھا۔

"تمہاری شکل دیکھ رہا ہوں ہر وقت ایسی بیزار ہی رہنے لگی ہے، ایسی ہی منحوسیت منہ پر جم جائے گی۔ اسکا خیال رکھنا اور خبردار اسکے ساتھ مل کر تم نے کوئی اوٹ پٹانگ حرکت کی۔ ورنہ انجام اچھے سے جانتی ہو تم۔۔ شرافت سے پڑھائی کرنا"

تنبیہی انداز کے سنگ وہ خاص بے رحمانہ لہجہ اپنائے اس منہ بگھاڑ کر پوز دیتی منیہا سے مخاطب تھا جو لگتا تھا زندہ نہیں رہی بلکہ کوچ کر گئی ہے۔

"م۔۔ میرا فون تو دے دیں"

شرافت کا لفظ منیہا کے بھلے گلے میں اٹک گیا تھا مگر وہ جاتے جن کو پکار کر اپنا نقصان کر بیٹھی، وہ بھی خشونت بھری نگاہ منیہا عرف پٹاکہ پر ڈالتا اس خوبصورت فرمائش پر اسکی اپنی ازلی سیاہ آنکھوں والی گھوری سے جان نکال چکا تھا۔

"تاکہ تم اسی میں گھس کر پیپر میں جا کر ڈرامے لکھ آو، اور فیل ہو کر ہمارے لائق فائق خاندان کا نام ڈبو دو۔ آخری پیپر کے بعد لے جانا مجھ سے، فی الحال دوبارہ اگر فون کی مانگ کی تو گلا دبا دوں گا تمہارا"

دوبارہ درشتی سے وہ اپنی بات واضح کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا البتہ منیہا نے روتو منہ بنائے تھپ سے بیڈ پر گرتے ہی عناب میڈم کے اتو سے سینے پر سر رکھے اسے دبوچا، وہ خود بھی آپا جان کے اس جنگلی لاڈ پر بتیسی کی نمائش کر رہی تھی۔

"تم نے دیکھا عناب، شوہر ایسے ہوتے۔ ایسا شوہر کسی اور کا ہوتا تو وہ ابھی تک آگ لگا چکی ہوتی۔ میری چوہیہ تو کیوں بیمار پڑ گئی، آج ہمارا مشن فون کی تلاش طے پانا ہے اور مجھے اپنے اس گندو مندو پارٹنر کی ضرورت ہے"

زرا سا جھکے وہ عناب کی دونوں گال چومتی اسے لاڈ کرتی روہانسی ہوئی جبکہ عناب صاحبہ کی بیٹری شرارت پر فل چارج ہو چکی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کو آنکھ مارے شرارت سے ہنس دیں۔

"ای۔۔۔ میہا گوئی گوئی نی ترو (ای منیہا گدگدی نی کرو)"

اور منیہا کے آفت ناک ہو کر گدگدی کرنے پر عناب کی ہنسی کے بیچ زبان بھی کھلی۔

"ہاہا عناب، تیری یہ تھتھی بھاشا۔۔۔ اب ٹھیک ہے نا میری چوہی۔۔۔ ویسے اس کھڑوس کا پیار خوب بٹور لیتی ہے، مجھے دیکھ کر تو صرف آگ اگلتا ہے وہ ڈائناسار، خوامخواہ بابا نے دو سال پہلے نکاح کروا دیا اس کھڑوس وکیل سے۔ میں تو مر جانا قسم سے اور میری ناگہانی موت کا کیس بھی یہی لڑ کر جیت لے گا"

پھر سے عناب پر باقاعدہ چڑھے وہ اس پانچ سالا نازک پر ظلم ڈھا رہی تھی مگر یہ ان پٹاکہ سسٹرز کے لاڈ ایسے ہی ہوتے تھے، منیہا کے دکھڑے سن کر عناب کی بتیسی باہر ہی براجمان ہو چکی تھی۔

"ھی ھی"

بس پھر دونوں پٹاکہ سسٹرز تھیں اور انکا مشن امپاسیبل۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"چلو شکر ہے طبعیت سنبھل گئی، اور اس فضول آدمی سے یہی امید تھی، بے حس کہیں کا، خیر چلو ملتا ہوں ڈنر پر"

خوبصورت وضع اور پروقار پرسنالٹی کے مالک وحید بخاری یقیناً کال پر عون سے ہی کسی پر غائبانہ خفگی کے سنگ مخاطب تھے اور فضول کا لفظ کسی اور کے لیے نہیں نہال کے لیے تھا، اپنے مین کیبن تک پہنچ کر وہ کال بند کیے باہر نکلے جہاں ہر کوئی ایک نظم وضبط کے سنگ کام میں منہمک تھا۔

روزنامہ "للکار" کے چیف ایڈیٹر کے ساتھ ساتھ وہ ایک نجی چینل میں ایز آ سینئر صحافی بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے، سچ اور انصاف کی جنگ لڑتے لڑتے انھیں اپنی زندگی کے چالیس سال بیت چکے تھے اور اب تو دشمنوں کی پرواہ کیے بناہر اس جگہ پائے جاتے جہاں انکو پکارا جاتا۔

نفیس کریم کلر کلف لگا سوٹ پہنے، بھوری ویس کوٹ جمائے، مکمل سفید بال جو ان پر جچتے، اور پھر یہاں کام کرتے ہر فرد کے لیے لالہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔

چائے مختلف ٹیبلز پر دھرتا نبیل انکے بلانے پر انکے آفس بھی چائے رکھ کر گیا جو اب اپنے آفس روم پہنچ کر کرسی پر بیٹھے فون کا ریسور اٹھا چکے تھے۔

"ہاں فائزہ بچے، اگر نور گل آگیا ہے تو اسے فوراً میرے کمرے میں بھیجیں"

شفیق سے لہجے میں وہ اس سے پہلے کہہ کر فون رکھتے، وہ مقابل کے جواب پر تھم گئے۔

"لالہ نور گل بھائی تو آج آئے ہی نہیں، ہم نے انکے گھر بھی جا کر دیکھا مگر انکے گھر تالا تھا۔۔ محلے والوں کو بھی کچھ علم نہیں"

مقابل کا جواب سنے وہ پریشانی سے کال رکھتے باہر اپنے سٹاف تک پہنچے جو خود اسی معاملے پر غور و فکر میں مبتلا تھے۔

"کہاں جا سکتا ہے وہ آخر؟ تم سب نے اسکے چاروں نمبرز پر کال کی؟ اگر سب بند ہیں تو یہ تشویشناک ہے۔ فوری رابطہ کرو بچو۔ اگر کوئی نمبر آن ملتا ہے تو فوری ٹریس کرو"

وحید صاحب کی پریشانی باقی سٹاف میں بھی منتقل ہوئی جبکہ خود وہ کن پٹی مسل کر سب کو اپنے اپنے کام میں مشغول دیکھ رہے تھے۔

"اس نے کل فجر کے وقت مجھ سے رابطہ کیا تھا کہ اسکے پاس پائزن کے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں، خدانخواستہ وہ اس درندے کے چنگل میں نہ پھنس گیا ہو۔ اسے کہا بھی تھا مجھے ای میل کر دے مگر پائزن کے ہیکرز ہر وقت اس درندے کے خلاف جمع ہوتے مواد کی نگرانی پر لگے رہتے ہیں" وحید صاحب کی ہستی فنا تھی اور انکا ڈر بلکل درست نکلا تھا، پائزن کے لوگوں نے نور گل کی لاش ٹھکانے لگا دی تھی۔

چاروں نمبرز پر رابطہ نہیں ہو رہا تھا، تین نمبرز تو مسلسل بند تھے البتہ چوتھا آن تھا مگر کسی وجہ سے اس پر کال لگ نہیں رہی تھی۔

"لالہ یہ نمبر آن ہے، ٹریس کر رہے ہیں۔۔۔ اگر واقعی آپکا خدشہ درست نکلا تو ایک بار پھر ہم سبکی دو سال کی محنت برباد ہو جائے گی۔ اللہ نور گل بھائی کی حفاظت کریں"

وہ چھبیس سالا لڑکا دگنی پریشانی سے وحید صاحب کے پاس کھڑا بولا مگر وہ اس وقت صرف نور گل کے لیے ڈرے تھے۔

اگر نور گل کسی طرح اس پائزن کے چنگل میں پھنس بھی جاتا تو اسکے پاس موجود ثبوتوں کی شرطیہ ایک کاپی اسکے پاس محفوظ ہوتی اور اس وقت وحید صاحب کا دھیان اسی سمت تھا۔

"فوراسے نور گل کے لاکر کی معلومات چاہیں مجھے، تم جاو آزر وہاں کا کام دیکھو۔ بینک اونر سے میں خود بات کرلوں گا۔۔۔اور تم سب جیسے ہی کچھ پتا چلے مجھے انفارم کرو" سرعت سے وہ سبکو کام سونپے خود بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتے اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عون سر، فارس شاہ آئے ہیں"

پر وقار اور سنجیدہ مزاج جناب کی مصروفیت میں کسی آواز نے حلل ڈالا تھا مگر شاید آنے والا تھا ہی اتنا خاص کے عون وحید بخاری کے ہر وقت تنے اور سپاٹ رہنے والے چہرے پر مسکراہٹ اتری۔

"ہاں جمیل فوری بھیجو اسے"

بھاری سی آواز میں یار کے آنے کی خوشی ہمکی تھی۔

سیاہ کوٹ والا وہ یقینا ایک وکیل تھا، اسکا شاندار آفس، اسکی ریک میں دھرے بہت سے میڈلز، اسکی شخصیت کا سحر، اپنی تینتیس سالا زندگی میں اس نے اپنا ہر خواب پورا کیا تھا، وہ ایک ایکسپینسو لائیر تھا جس نے آج تک کوئی کیس نہیں ہارا تھا۔

آنے والا بھی خوبصورت مسکراہٹ کے سنگ عون بخاری تک پہنچا، دونوں کے بغل گیر ہو کر ہاتھ ملانے سے لگتا تھا گہری دوستی کے مراسم ہیں۔

"وہ آئے ہمارے آفس میں خدا کی قدرت، کبھی ہم انکو دیکھتے ہیں کبھی پھر انہی کو"

وقت تک گواہ تھا کہ یہ شرارت پر اتر آتے عون صاحب دنیا کے سب سے کھڑوس اور وحشی جناب سمجھے جاتے تھے مگر وہ کیا کہتے ہیں یار کے سامنے تو دل سے نکل آتا ہے انسان۔

خود فارس بہت وقت بعد لاہور آیا تھا، بے رحم حالات نے نا جانے کس کس کوچہ ملامت سے گزار دیا تھا اور پھر ضرورت ہی اسے اپنے رقیب تک لائی تھی۔

رقیب؟ ارے نہیں دل جانی رقیب۔

فون ریسور اٹھائے وہ ہمیشہ کی طرح فارس شاہ کے شایان شان کشمیری قہوہ منگوائے مکمل متوجہ ہوا اور اپنے سڑے یار کی مسکراتی صورت دیکھنا فارس کے لیے بھی دلی فرحت کا سبب تھا۔

"تو پھر ہمارے دل جانی رقیب صاحب کو اتنے ماہ بعد اپنے یار کا بھی خیال آگیا، کیسا ہے اور یو آن تو بہت خوش ہو گا تیرے آجانے پر"

عون کی شرارت یکدم ہی فقط مسکان کا روپ دھار چکی تھی اور یو آن کے ذکر پر تو عون شفیق ہو جاتا تھا۔

"ٹھیک ہوں اور یو آن بھی مست ہے اپنی لائف میں۔ اور اسی کے کہنے پر واپس اس جہنم جانے کا ارادہ باندھ لیا، فون پر اکثر بات ہوتی تھی، آجکل تمہارے ساتھ فٹ بال کھیلنے کو بڑا مس کرتا ہے"

نا جانے کیوں مگر فارس کے لہجے میں اک اداسی سی تھی، عون خود اس ٹاپک سے گریز کرتا آنکھ چرا گیا تھا۔

"ہمم۔۔۔ آوں گا ان شاء اللہ بس یار مصروفیت ہی اتنی ہے، بات ہوتی ہے میری اس سے۔ ہم جلد کلب کا کوئی پلین بنائیں گے۔۔۔۔۔۔ تو بتا کیسا چل رہا ہے سب"

عون نے بھی سنجیدگی اختیار کیے بیٹھتے ہی موضوع بدلا تھا مگر فارس اسکے بات بدلنے کو فراموش نہ کر سکا تھا۔

اپنی جیکٹ کی جیب سے کچھ کاغذات اس نے نکال کر عون کی سمت بڑھائے تھے، عون نے انھیں پکڑ کر ایک فکر سے چور نظر ڈالی جو کچھ پیپرز تھے۔

"میں نے اپنے ڈر کو ہٹا کر تمہارا مشورہ مان لیا ہے عون، تھک چکا ہوں اس تکلیف اور ہراساں زندگی سے۔ پائزن کے خلاف جمع یہ ساری معلومات تمہیں سونپ رہا ہوں، وہ مجھے اس غداری پر بخشے گا نہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں اب اس تکلیف سے خود کو اور تمہیں نجات دوں۔ نو سال سے وہ درندہ میرا خون نچوڑ رہا ہے، میری رگیں خالی ہو گئیں۔ پہلے اس نے مجھے تمہیں اور مہکار کو نقصان دینے کی دھمکی دے کر اپنے دھندے میں شامل کیا اور پھر یو آن۔۔۔۔ لیکن بس، اب وقت آ گیا ہے کہ میں اس درندے سے ایک ایک اذیت کا بدلا لوں۔ یہ کچھ خفیہ جگہوں کا پتا ہے جہاں سے پائزن کے خلاف بہت سا مواد مل سکتا ہے، اسکی کئی سرگرمیاں اور کام جو اس نے نو سال میرے ذریعے کروائے سب تفصیل درج ہے۔ مجھے کچھ ہو گیا تو میرا یو آن تمہارے پاس یعنی اپنے بڑی کے پاس امانت ہو گا۔ تم اسے بے نقاب کرنا۔۔۔۔ کچھ اور بھی باتیں میرے علم میں ہیں لیکن میں پہلے ثبوت اور گواہ ڈھونڈوں گا پھر تم سے ڈسکس کروں گا"

اپنی مختصر سی تکالیف بتاتا وہ مکمل بے بس تھا اور عون نے فارس کی جانب خفگی سے دیکھا۔

بہت دیر کر دی تھی اس نے اس درندہ صفت بے رحم فرعون کے خلاف آواز اٹھانے میں، کیونکہ فارس مہکار، یو آن اور عون کے باعث مجبور تھا۔

"ہمم۔۔۔ میرا ہمیشہ شک کاشان ہمانی پر جاتا تھا مگر آئی تھنک جب سے اس نے چاچو کی جان بچا کر بزنس پارٹرشپ کی دعوت دی ہے میرا اسکے خلاف شک زائل ہو گیا، وہ برا آدمی نہیں ہے فارس اور وہ کچھ برا کرے گا بھی تو اسکی تو میڈیا ہی جان نوچ لے گا۔ اسکا چھوٹا سوتیلا بھائی عائش ایک گھٹیا انسان ہے اور وہ اس کے علاوہ بھی کئی خبیث دھندوں میں ملوث ہے مگر نا جانے پچھلے دو سال سے وہ کہاں ہے، پہلے بھی اس متعلق کئی کیس میرے ساتھی وکلا کے پاس آتے ہی بند ہو گئے اور یا تو آج تک تاریخیں چل رہیں۔ مجھے خوشی ہوئی تو اس غفلت سے جاگا، تیرے یو آن کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کروں گا۔ بے فکر ہو جا میں

تیری قربانی اور نو سال کی اذیت کو رائگاں جانے نہ دوں گا۔۔۔۔۔ پائزن جو کوئی ہے، اسے بے نقاب کروں گا۔۔۔ جس نے ہم سے اتنا کچھ ہتھیا کر بھی ہماری جان نہیں چھوڑی"

عون کی امید اور اسکا حوصلہ فارس کی جان لٹا چکا تھا، لہجے کا یقین اور یو آن کے لیے عون کی محبت کا وہ پہلے ہی معترف تھا۔

فارس ممنون تھا مگر عون فکر مند۔

"وہ کیسی ہے؟"

کچھ دیر خاموشی نے بعد وہ نظریں چرائے بولا، فارس نے عون کی جانب دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھرئ، نو سال سے اس آخری ملاقات کے بیچ حائل گریز قائم تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن تو جانتا ہے مہکار آج تک میری نہیں ہو پائی، شاید وہ تو میری موت کی دعائیں اب شادی کے نو سال بعد بھی اسی شدت سے مانگتی ہے۔۔۔"

فارس دل جلی مسکراہٹ لیے بولا تھا اور عون نے سانس کھینچ کر ابرو اچکائے فارس کو گھورا۔

"ہو گئی تیری بکواس شروع، شادی کے پہلے سال یو آن صاحب کی انٹری ہونے کے بعد بھی تو کہہ رہا ہے کہ وہ تیری نہیں ہوئی"

اس بار عون نے آڑے ہاتھوں لتاڑا اور وہ واقعی ہنس دیا۔

"تجھے لگتا ہے یو آن کے پیدا ہونے میں اسکی مرضی تھی؟ جس نے عون بخاری کے لیے دو بار خودکشی کی کوشش کی تھی اس لڑکی نے مجھے تیسری خودکشی کے طور پر قبول کیا تھا۔ کبھی کبھی لگتا ہے تو نے اس کے ساتھ ظلم کبیرا کیا تھا عون، اسے فراغ دلی سے میری ہتھیلی پر رکھ کر دوستی بچا کر۔۔۔۔ میں مرنے سے پہلے وصیت کر جاوں گا کہ خدارا کسی ایسی عورت سے کبھی شادی نہ کرنا جو کسی اور کے لیے مر چکی ہو"

فارس اپنی نامراد داستان سمیٹتا بہت سے دکھ بیان کیے ٹھنڈی ٹھار سانس کھینچتا غبار دل کم کیے اٹھ کر چند قدم چلتا گلاس وال تک پہنچا اور اسکی اس بات پر عون بھی تلخ سی تکلیف کے سنگ چلتا ہوا فارس کے ساتھ ہی آن کھڑا ہوا۔

دونوں کی نظریں سامنے کی سمت تھیں، سڑکوں پر آتی جاتی ٹریفک، ارد گرد کے روشن مناظر، سب کچھ تو تھا مگر بہت سی کمی تھی۔

"میں نے مہکار سے کبھی محبت نہیں کی، تو جانتا ہے میرے دل میں اول دن سے کون آباد ہے۔ وہی میرا سب کچھ ہے فارس اور اسکے لیے میں دنیا بھر کی عورتیں ٹھکراتا رہوں گا"

عون کا لہجہ بھی سرد تھا، فارس نے رخ موڑ کر اس بے حس پتھر کو دیکھا۔

"ہاں اور اسکو تیرا بھوت بتائے گا جا کر تیرے یہ باولے جذبات، شرم کر جا عون۔ تجھ سے بس تین سال بڑا ہوں مگر آٹھ سال کے بچے کا باپ ہوں۔ تو بھلے دنیا کی ہر عورت کو ٹھکرا دے پر اسے تو اظہار بخش جس کے لیے آج تک تو نے اپنے دل کو برف کے قلعے میں بند کر کے اپنے میٹھی ذات کے گرد سخت کڑوا خول اوڑھا رکھا ہے"

یہ مشورہ دیتے سمے فارس واقعی برہم ہوا تھا، عون نے گہرا سانس کھینچے دل کے غبار کو کم کیے اپنا رخ فارس شاہ کی جانب موڑا۔

"بتا دوں گا یار، وہ ابھی چھوٹی ہے۔ اور ویسے بھی میں نہیں چاہتا وہ ابھی سے ان خرافات میں پڑے۔ فی الحال وہ میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے یہی کافی ہے اور وہ صرف میری ہی ہے اسکا بابا نے مجھ دو سال پہلے ہی یقین سونپ دیا ہے۔ وہ میرے نکاح میں ہے اور یہ میرے لئے شرف ہے" وہ پری پیکر منیہا ہی تھی جس کا سوچ کر عون کا دل دھڑکنے لگتا، وہ چٹیل مرد جاہ محبت کی نغمے میں ڈھل جاتا۔

اور فارس ازل سے ابد تک عون کے حالات کے سدھرنے کی امید چھوڑے اس کی جنونی حرکتوں پر ہنس دیا مگر عون کا مکا جلد ہی اس نوجوان کو دہرا کر گیا۔

دونوں اسکے ساتھ ہی مسکرا دیے مگر عون بخاری کی آنکھوں میں زندگی اتر آئی، اسکی بے انتہا چاہت کا سمندر صرف اسکے دل کی مکیں منیہا عون بخاری کے نام تھا، تب سے شاید جب وہ آفت بخاری ولا میں خوشبو سے اٹی کلی کی مانند کھلی تھی۔

"محبت بھی کی اور خرافات بھی کہہ دیا، جا عون یار تیرے جیسا سر پھرا ابھی نہیں کوئی"

اس ایک آخری شرارت نے عون کے چہرے پر زندگی سے بھری مسکراہٹ اتار دی، ملازم کشمیری قہوے کے ساتھ کھانے کے خوشبو بکھیرتے لوازمات بھی لا چکا تھا، دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس بار دل جلا سا مسکرا دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہاتھ ٹوٹیں ایسے جانور کے، دیکھو کس طرح بے رحمانہ تشدد کیا ہے"

این جی او کے ڈسپینسری ڈیپارٹمنٹ کے کوریڈور میں ہی ایک زخموں سے چور دوپٹے سے چہرہ ڈھک کر کراہتی عورت کا سرسری جائزہ لیتی وفا صدمے میں تھی، رہ رہ کر اسے اس عورت پر درندگی اتارتے اس منحوس پر عتاب چڑھ رہا تھا۔

ماریہ اور اسکی ٹیم کا باقی عملہ بھی وہیں تھا، خود وفا نے رپورٹ درج کروانے کے لیے تھانے سے کانسٹیبل بلوایا تھا مگر وہ کسی بھی طرح ایف آئی آر لکھنے پر آمادہ نہ تھا۔

"باجی یہ تو روز کا معمول ہے، میرا گھر والا تو ثواب سمجھ کر پیٹتا ہے۔ اگر کچھ بولوں تو زبان کاٹنے کی دھمکی دیتا ہے۔ میں کبھی نہ آتی مگر میری کوکھ میں پلتی یہ جان اس ظلم سے مر جائے گی"

سادہ سے خلیے میں سوجھی آنکھوں اور پھٹی گال والی وہ دیہاتی عورت اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھ رگڑرے اپنی درد سے اٹی داستان تو سمیٹ گئی مگر وفا کی آنکھیں دکھ سے سرخ ہوئیں۔

وفا نے اسکے ساتھ ہی بینچ پر بیٹھے اس نوجوان عورت کو حصارا اور خود ماریہ کو دیکھنے لگی جو اندر سے آتے کانسٹیبل کے آگ بگولا ہونے پر اسکی جانب لپکی۔

"او بی بی اس پے اگر ایف آئی آر کاٹی تو تھانیدار مجھے زندہ دفن کر دے گا، کیوں مجھ غریب کی روزی روٹی کے پیچھے پڑے ہو۔۔ کونسا یہ بی بی مری ہے"

وہ ملگجی صورت والا مسکین پولیس والا باقاعدہ ہاتھ جوڑ گیا جس پر وفا نے اٹھ کر اس پر اک قہر آلود نگاہ ڈالی۔

"اور اگر تم لوگوں نے اس عورت کے شوہر کے خلاف ایف آئی آر نہ کاٹی تو میں خود تم لوگوں کی شکائیت ڈی آئی جی صاحب تک پہنچاوں گی۔ خدا کی پناہ، اس وحشی نے بچاری کو نوچ ڈالا اور تم لوگ یہ کہہ رہے کہ کچھ نہیں ہوا۔ ماریہ اس سے کام نکلواتے ہی روانہ کرو"

درشتی سے اس کانسٹیبل پر نگاہ ڈالتی وہ ماریہ کو تاکید کیے خود واپس اس عورت تک آئی جسکی پوری کلائی لہو لہان تھی، اس پر جلے سگریٹ کے نشانات، چہرے پر بھی جگہ جگہ زخم تھے جن سے خون رس رہا تھا۔

"ظلم چپ چاپ سہنے والا بھی ظالم ہی ہوتا ہے، مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اس ظلم کے خلاف جدوجہد کے لیے یہاں قدم بڑھائے۔ یہ چھت، یہ ادارہ تمہارا تحفظ ہے"

رسان سے اس عورت کو حوصلہ دیتی وفا تب چونکی جب وہ پھوٹ پھوٹ کر ہچکیوں سے رو دی۔

"ہمارا کوئی محافظ نہیں باجی، باپ بیچ دیتے ہیں، بھائی عزت کے نام پر قتل کر دیتے ہیں اور شوہر کسی بے زبان جانور کی طرح رسوا و زلیل کرتے ہیں۔ اگر اس بچے کا سہارہ نہ ہوتا تو کب کا ندی میں کود کے جان دے دیتی"

وہ بہت درد میں تھی اور وفا کو اس کا درد اپنے دل میں سلگتا محسوس ہوا۔

"ایسا مت سوچنا پیاری بہن، میں ہوں ناں تم سب کی ہمدرد اور دوست۔ یہاں تمہیں اور تمہارے بچے کو مکمل حفاظت ملے گی اور رہی بات تمہارے جنگلی شوہر کی اسے عدالت میں نہ گھسیٹا تو میرا نام بھی وفا نہیں۔ یہ ندا ہے، یہاں کی ڈاکٹر۔ تمہارے زخم جانچے گی اور دوا دے گی"

نرمی سے اسکے چادر سے نکل آتے بال سہلائے وہ مقابل آتی سفید کوٹ میں بانکی سی لڑکی کو دیکھ کر مسکرائی اور اس عورت کا ہاتھ ندا کے ہاتھ میں دیا جو اسے اس تین کمروں کے چھوٹے سے میڈیکل ایریا کے اندر لے گئی۔

وفا کافی دیر وہیں بیٹھی رہی مگر پھر کسی آہٹ پر چونکی۔

سامنے ہی مین گیڈ کے چوکیدار بابا ہاتھ میں سرخ پھولوں کا گلدستہ اور سرخ کارڈ وفا کی سمت بڑھا رہے تھے تو وہ تعجب کے سنگ ان سے وہ ریسو کرتی خود بھی کھڑی ہوئی۔

"بٹیا یہ کوئی آدمی دے کر گیا ہے آپکے لیے، میں نے نام پوچھا مگر وہ دے کر کوئی جواب دیے بنا ہی چلا گیا"

وفا کے دیکھنے پر وہ اسے وضاحت دیے واپس مڑ گئے جبکہ وفا بخاری نے بنا ان خوشبو سے لدے پھولوں کی خوشبو سونگھے انھیں اٹھا کر کچھ دور پڑی ڈسٹ بن میں پھینکا اور نخوت کے سنگ وہ سلور شیڈ دیتا سرخ کارڈ کھول کر نظر ڈال گئی۔

وہ پھولوں کی قدردان تھی مگر ان پھولوں کی نہیں جو دیار غیر سے موصول ہوتے۔

"وفا بخاری کے نام"

کارڈ پر لکھے اس جملے سے توجہ ہٹی ہی کہ اسکا فون جو پاس ہی لکڑی کے بینچ پر پڑا تھا بج اٹھا۔

"بنا خوشبو محسوس کیئے کب تک ان پھولوں کو کچرے کی نذر کرتی رہو گی نادان لڑکی، تم وہ واحد ہو جسکے انکار کے باوجود کاشان ہمانی اسے مہلت پے مہلت دے رہا ہے۔ مہلت ختم، تو سمجھو سانس ختم"

یہ لفظ خمار میں ڈوبے ناقابل برداشت لفظ سن کر وہ تلملا سی اٹھی، اب ایک ہی حل تھا کہ اس لوفر کا وہ سیدھے سیدھے بھیو کو بتاتی مگر وہ بھی کیا کر سکتے تھے جنکی آنکھوں پر اس شاطر کے اعتبار اور نا جانے کس کس احسان کی پٹی بندھی تھی۔

"تمہاری اتنی ہمت نہیں کہ تم میری سانس بند کرو"

تڑخ کر جملہ پھینکتی وہ اپنی ناگواری چھپا نہ سکی۔

"تمہاری اتنی جرت نہیں کہ تم یہ دعوی کرو"

وہ بھی اپنے پالتو کتے ویڈی کے سیاہ بال سہلاتا اس وقت لان میں ہی چھاوں اور پول کے ٹھنڈے پانی میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھا ایک اچھے موڈ میں تھا۔

"کس خوش فہمی میں ہو تم؟ ہاں۔۔۔ نہیں میرا مطلب گھمنڈ ہے کس بات کا۔ دوبارہ کال مت کرنا ادر وائز تم سے وھاج ہی نمٹے گا"

بظاہر طیش اور غصے سے وہ چند سوال اس پر چھوڑے اپنی طرف سے بہت بڑی دھمکی دیے کال تو کاٹ گئی مگر دوسری طرف وہ کتنی ہی دیر ویڈی کے بال سہلاتا بے دم ہوتا ہنستا گیا۔

خود وفا سامنے بیرونی سمت سے آتی ماریہ کو دیکھ کر مضطرب سی لپکی مگر وہاں مطمئین اشارہ وفا کو بھی طمانیت دے گیا۔

"اس نے ہمارے اصرار پر ایف آئی آر تو کاٹ لی میم مگر آپ نہیں جانتی یہاں کا لیچڑ تھانیدار کس قدر بے رحم اور ظالم ہے۔ ایسا نہ ہو وہ الٹا ہم سے ویر باندھ لے"

ماریہ کا خدشہ وفا کو بھی درست لگا مگر اس وقت باقی عورتوں کی روداد سننا اہم تھا تبھی وہ اندر آفس روم کی سمت بڑھ چکی تھی۔

جب وہ آدمی وفا کے نام پھول اور کارڈ دے کر گیا تھا وہیں سے وھاج سکندر نے اس گاڑی کا پیچھا کیا، تھوڑی دور جا کر ہی وہ اپنی گاڑی اس دوسری کے مقابل لا کر روکتے ہی اپنی گن لوڈ کرتا تنی پیشانی کے سنگ بپھری بلا بنا باہر لپکا، آنکھوں میں ناگواری اور سرد مہری اس آدمی کا قتل کر دینے کی ترجمان تھی، وہ گاڑی میں بیٹھا آدمی بھی چونکا ہوئے باہر نکل کر اس سے پہلے گن تانتا، وھاج نے پوری قوت سے مکا جڑ کر اسکا جبڑا ہلائے ساتھ ہی زوردار دھکے کے سنگ گاڑی کے بونٹ سے پٹخا۔

"کس نے بھیجے یہ پھول۔۔۔۔ اگر اپنی زندگی چاہیے تجھے تو سچ کہنا"

اس دبکے خوف زدہ آدمی کی گردن کے گرد ہاتھ کی پکڑ بڑھائے وھاج غرایا۔

"ک۔۔۔ کاشان صاحب نے"

سانس کی عدم دستیابی پر وہ پھڑ پھڑایا، وھاج کے ہاتھ کی گرفت لمحوں میں ڈھیلی پڑی، ماتھے پر لاتعداد بل اترے۔

"اپنے اس کاشان کو کہہ دینا کہ دوبارہ اگر اس نے یہ واہیات حرکت کی تو نہال بخاری کے سامنے اسکی عزت اتاروں گا۔ اگر انکو بھنک بھی پڑی کہ وہ انکی بہن کے پیچھے پڑا ہے تو جان دینے کے بجائے تمہارے اس منحوس ریسلر کی جان نکال دیں گے۔۔۔ دفع ہو اب یہاں سے"

لہو چھلکاتے تیور لیے وہ عتاب کے سنگ اس سہمے آدمی کو باور کرواتے ہی باقاعدہ دھکا دیے خود بھی واپس گاڑی تک پہنچا، دل تو یہی کر رہا تھا کہ وفا بخاری کو چھونے والی اس نجس ہوا تک کو نیست و نابود کر دے مگر وہ جانتا تھا نہال بخاری اپنے محسن کے خلاف کچھ نہیں سنیں گے۔

گاڑی سٹارٹ کیے وہ واپس مڑ چکا تھا اور سڑک پر کھڑا وہ آدمی خونخوار آنکھوں کے سنگ اس گاڑی کو گھورتا گیا اور پھر اپنے جبڑے سے ٹپکتے لہو کو بے دردی سے صاف کیے فون نکال کر کال ملائی۔

کاشان کا فون بجا تو وہ پک کیے متوجہ ہوا۔

"وھاج سکندر نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا سر، اسکا کہنا تھا کاشان کو کہہ دینا اگر دوبارہ یہ واہیات حرکت کی تو وہ عزت اتار دے گا وہ بھی نہال بخاری کے سامنے"

مقابل سلگتے سے یہ الفاظ سن کر کاشان ہمانی نے بنا کوئی جواب دیے فون کاٹ کر کچھ دور پڑی بانس کی کرسی پر اچھالا اور خود خبیث سا ہنس پڑا۔

"ویڈی تم نے سنا، میری کہانی میں ایک ولن نامی کیڑا بھی ہے۔۔۔ ہاہا میرے ہوتے ہوئے ولن کی ضرورت تو نہ تھی مگر چلو یہ بھی مزیدار پارٹ ہے۔۔۔ وھاج سکندر! امم وفا بخاری کے لیے اہم ہو سکتا ہے یہ۔ ممکن ہے دونوں کا ٹانکہ فٹ ہو۔۔۔ امم یہ بھی ممکن ہے کہ عاشق ہو بچارا۔۔۔"

مسلسل پھنکارتے جنگلی کتے کے بال سہلاتا وہ اسکی غرغراہٹ پر محظوظ ہوئے اپنی نجس منصوبہ بندی کر رہا تھا، لیکن یہ معاملہ وہ پائزن بن کر نہیں بلکہ کاشان ہمانی بن کر دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

"میرا سوٹ ریڈی کرو، نہال بخاری سے ملنے کا وقت ہوا چاہتا ہے"

اپنے پیچھے تن کر کھڑے گارڈ کو حکم دیتا وہ ویڈی کو تھپکتا خود پول میں جمپ مار چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دبے پیر شرارت دباتی وہ مطلوبہ پارٹنر کا اس مشن میں ساتھ پاتی دلیری سے شیر کی گھپہ میں آن گھسی تھی، بخاری ولا کا سب سے خطرناک کمرہ جہاں بقول منیہا بخاری منہ سے آگ نکالنے والا ڈریگن رہتا تھا۔

عناب کی طبعیت بحال ہوتے ہی دونوں لائق فائق بہنیں اس وقت پنک پینتھر جیسے کپڑوں میں لپٹیں بارڈ پر آن پہنچیں تھیں، دن کے تین بجنے والے تھے۔

عناب صاحبہ تو خوامخواہ اس شر انگیز پٹا کہ آپا کے ساتھ آگئی تھی مگر مشن تھا ہی خطرناک کہ حملہ ہونے پر وہ دم دبا کر بچاری عناب کو چھوڑ کر بھاگ سکتی تھی۔

کھلا کشادہ کمرہ جس کے گلاس وال پر گرے پردے اٹھائے جانے کے باعث ڈوبتے دن کی تمازت بکھیرتا سورج اپنی کرنوں سمیت اندر آچکا تھا۔

"دیدو۔۔ دھوندنا تیا ہے (دیدو ڈھونڈنا کیا ہے)" مسلسل عون بخاری کے کمرے کی تلاشتی کرتی منیہا کی بازو ہلاتی تھتھی نے بھول جانے پر یہاں گھسنے کی وجہ پوچھی تھی جس پر منیہا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"عناب یار بتایا تو ہے اس کھڑوس وکیل نے میرا موبائیل ضبط کر لیا ہے، قسم سے اگر ڈرامہ نہ دیکھا تو مجھے تو میتھ جو آتی وہ بھی نہیں آنی۔ چل ناں میری گڈی ڈھونڈ، وہاں وہاں چوہے کی طرح گھس جا جہاں جہاں اس الٹی کھوپڑی کے مالک کے موبائیل چھپانے کا امکان ہے"

مسلسل عون کے بیڈ پر دھرے دو دو تکیے الٹ پلٹ کر وہ ساتھ ساتھ عناب کو بھی تاکید کرتی خود اب بیڈ کے نیچے گھس رہی تھی جبکہ عناب صاحبہ اس فیملی کا سب سے لچک والا بچہ زرا سئ جگہ پر بھی واقعئ چوہے کی طرح گھس جاتی تھی۔

کمرہ واقعی یہاں کے رہائشی کے اعلی ذوق کا ترجمان تھا، جہازی بیڈ کے اطراف خوبصورت سائیڈ ٹیبلزاور ان پر دھرے چمکدار لیمپ جو بجھے ہو کر بھی موتی سا چمک رہے تھے، پھر فرش پر ایرانی قالین اسکے علاوہ ایک طرف لیونگ ایریا جہاں نیا نکور چمکتا دو طرح کا فرنیچر خوبصورتی اور زیبائش بڑھانے کا باعث تھا۔

تیسری طرف ملحقہ عون کا آفس بمعہ لائبریری اور ایک طرف ڈریسنگ روم اور اٹیچ باتھ، سب سے بڑھ کر یہاں کی پرسکون فضا اور رنگوں سے کٹے سوبر سے ماحول کا سحر کہ عون کی گھر موجودگی میں تو منیہا اور عناب جیسی پرندی تو پر ہی نہ مار سکتی تھی۔

"کہاں رکھا ہے میرا دل جانی فون، ھائے اور ربا اس وکیل نے تو گھر میں ہی مارشل لا لگا رکھا۔ کورٹ میں تو پھانسیاں دیتا ہوگا چوروں کو بھی"

منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی وہ اب عون کا وارڈراب کھولنے کو ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی مگر وہ لاکڈ تھا تبھی منیہا نے دل ہی دل میں عون کو خوب کوسا۔

"میہا دیدو۔۔۔۔نی مل لا۔۔۔(منیہا دیدو نہیں مل رہا)"

عناب بھی صوفے بیڈ اور حتی کہ ڈریسنگ اور باتھ تک سے گھوم کر آئی منہ پھلائے منیہا کو افسوس سے اطلاع دے رہی تھی مگر منیہا کا دل اب یہی کیا اس ہٹلر کا پورا نفیس کمرہ بکھیر دے۔

مگر ایسا کرنا وہ بس سوچ ہی پائی تھی، اس گھر میں اسے نہال بخاری اور عون بخاری سے بلکل ویسے کرنٹ لگتا جیسا بجلی کے پاور فل جھٹکے سے۔

جہاں نہال بخاری اپنی لاڈلی نالائق بیٹی کے فیوچر کے لیے پریشان اس پر رعب رکھتے وہیں تایا جان کا اکلوتا بم نما عون اس پر خالا جی کا گھر سمجھ کر حکمرانی کرتا۔

پرسوں محترمہ کا بی ایس سی میں میتھ کا پرچہ تھا اور میتھ میں وہ اس قدر نالائق تھی کہ تینتیس نمبر لے کر پاس ہو کر بھی لڈیاں ڈالتی مگر اس بار عون نے اسکا فساد کی جڑ جیسا فون قبضے میں لے لیا تھا اور منیہا صاحبہ کو کومے کے دورے پڑ رہے تھے۔

دونوں منہ لٹکاتیں دشمن کے قلعے سے تو نکل آئیں مگر آگے فریال بخاری جو شمی بوا کے ساتھ رات کے کھانے کے ساتھ ساتھ رات ابدال کے آنے پر ابھی سے اسکے لیے کباب بنا کر فریز کرواتی باہر آئیں تو ان دو کے معصومانہ چہرے دیکھتیں مسکرادیں۔

ایسے چہرے ان پٹاکہ سسٹرز کے تبھی ہوتے تھے جب مشن ناکام ہوتا۔

"میری دو دو پرنسسز کے منہ کیوں سوجھے ہیں، اور تمہارا تو پیپر ہے ناں پرسوں پہلا، ادھر ادھر گھومنے کے بجائے کچھ پڑھ لو پھر خوامخواہ نہال بھائی اور عون سے ڈانٹ کھاوگی۔۔۔ یہاں آو عناب آپکا شیک ریڈی ہے۔۔۔ اب میرا بچہ پیے اور جاکر اپنے روم میں سو جائے۔۔۔ چھ بجے ویرو آجائیں تب تک عناب سو کر انکا ویکم کرنے کے لیے فریش ہوگی۔۔۔۔"

فریال نرم اور دھیمے مزاج کی پیاری اور شفیق خاتون تھیں، اس گھر کے بڑے سپوت وحید بخاری کی زوجہ اور عون وحید بخاری کی مما، جبکہ چھوٹے نہال بخاری کی زوجہ پانچ سال پہلے عناب کی پیدائش پر خالق حقیقی سے جاملی تھیں۔

اپنے پاس آکر باقاعدہ ساتھ لگ کر منہ سوجھاتی منیہا کے تاثرات پڑھ کر وہ اسے ملائم پن سے سمجھاتیں ساتھ ساتھ میز پر دھرے ڈیکوریشن پیس سے کھیلتی عناب کا ہاتھ پکڑے قریب لائیں اور شمی بوا کے فیڈر پکڑا کے جانے پر اسے دیتی کمرے میں شمی بوا کے ہمراہ بھینچتے بولیں۔

عناب تو ویرو کے آنے کا سن کر خوشی خوشی بوا کے ساتھ اندر چلی گئی جبکہ منیہا کا دکھڑا اور چپ نا چاہتے ہوئے فریال کو مسکان دے گئی۔

"آپ کو پتا ہے تائی جانو آپکا وہ ڈریگن سن کتنا ظالم ہے، بھلا فون کے بنا بھی کوئی زندگی۔ آج تک بابا نے بھی مجھ سے فون والا مزاق نہیں کیا۔۔ پیپر کیسے تیار کروں، سارے سوال تو مشکل اور لمبے۔۔۔ جب تک میرا فون سامنے نہ پڑا ہو مجھ سے تو کھانا نہیں کھایا جاتا آپ کہہ رہیں کہ میں پڑھ لوں"

روتو سی وہ فریال سے یونہی تو کئی کئی شکائیتیں کرتی تھی، اسکی معصومیت اور اسکا اپنی اکلوتی من پسند بہو کا درجہ فریال اچھے سے جانتی تھیں تبھی آج تک منیہا کو اپنی بیٹی ہی طرح پالا تھا۔

"میرا بچہ، وہ تمہاری فکر کرتا ہے ناں۔ تم سوچو اگر فیل ہوگئی تو بابا کی فیورٹ پری کو کتنی شرمندگی ہوگی ناں۔ اور رہی بات عون کی تو وہ بھی یہی چاہتا ہے تم اچھے مارکس لو۔ اچھا اداس مت ہو، اپنی بکس لے آو میں پڑھاتی تمہیں"

فریال اس سے لاڈ جتاتے اسے سمجھا بھی رہی تھیں اور بابا اور عون کے بعد ایک اور ٹیچر مل گئی تھی اس پر تو منیہا بی بی کو وہ صدمہ لگا کہ اسکی سڑی شکل دیکھ کر فریال بھی ہنس دیں۔

نہال کی بیوی ہادیہ کی وفات اور اس گھر ٹوٹتی قیامت کے بعد تو اسکے تینوں بچے فریال ہی کی اولاد تھے۔

وہ اپنے عون سے بڑھ کر منیہا، عناب اور ابدال کو پیار کرتی تھیں مگر عناب کو خاص توجہ دینے کی وجہ سے پانچ سال سے وہ اپنا کچن ریسٹورنٹ تک ورکرز پر ڈال چکی تھیں۔

کیونکہ وہ بچی پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے لمس سے محروم فریال ہی کی گود میں پلی تھی دوسرا عناب عام بچوں جیسی نہ تھی، بلکہ وہ نا صرف سات ماہ کی پیدائش تھی بلکہ اس پری میچور ڈلیوری کے باعث اسکا جسم بہت

نازک اور اسکا دل بہت حساس تھا۔ اسے دھوپ، بارش اور یہاں تک زرا سی تپش تک سے الرجی ہو جاتی جسکی وجہ سے عناب کی ہر کوئی بہت زیادہ کیئر کرتا۔

مگر وہ سبکو عزیز تھی سوائے نہال بخاری (بابا) کے جنھیں لگتا تھا عناب کی وجہ سے وہ اپنی محبوب بیوی ہادیہ کو کھو بیٹھے اور یہی وجہ تھی وہ عناب کو اول دن ہی فریال کی گود میں سونپ کر اسکے وجود سے انکاری اور اسکی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔

یہ پہلی خود غرضی تھی جو ابدال مصطفی بخاری کے دل میں اپنے پیارے بابا کا مقام گرا گئی اور پیدا ہوتے ہی عناب کو جسکی محبت سب سے زیادہ ملی وہ ابدال تھا۔

منیہا کا مزاج آفت اور شوخ تھا اور وہ ہادیہ کی ہم شکل نہال بخاری کی فیورٹ رہی تھی۔

مگر ابدال اپنے بابا کی یہ سفاکی نو سالا کم عمری میں ہی دل سے لگا گیا اور عناب کو اپنے قریب کرتا گیا۔

لیکن نہال بخاری سے یہ بھی برداشت نہ تھا، اور پھر انہوں نے چار سال پہلے ابدال کو بھی عناب سے الگ کیے ہوسٹل کا کر دیا، انکے بقول وہ اگر بخاری ولا رہا تو عناب کی دوسری ماں بن جائے گا۔ کیونکہ عناب کی پیدائش سے لے کر ایک سال تک وہ بلکل ایک طرح سے ذہنی مریض بن گیا تھا، اسکی صبحیں، دن اور شامیں تو کیا راتیں تک صرف اپنی گڈی کی دیکھ بھال پر حرچ ہوتیں۔

اور نہال سے یہ سب دیکھنا مشکل تھا کہ انکا ایک ہی بیٹا ایسا ذہنی مریض بنتا جا رہا ہے اور وحید بھائی سے بنا مشورہ کیے ہی وہ اسے ہوسٹل چھوڑ آئے۔

مگر وحید بخاری نے نہال کے اس فیصلے کو بلکل نہ سراہا بلکہ نہال کو سمجھایا کہ وہ عناب کے بعد اب اپنے بیٹے سے زیادتی کر رہا ہے مگر نہال ایک جذباتی اور انا پرست خود سر انسان تھے جو اپنے فیصلے میں کسی کی نہ سنتے تبھی وہ نہ مانے۔

پھر خود ہی وحید صاحب نے ابدال کی آسانی کو اسکے بچپن کے دوست ہلال کا بھی اسی سکول اور ہوسٹل ایڈمیشن کروا دیا۔

وھاج اور ہلال دونوں ہی بخاری ولا کے وفادار محافظ بدر سکندر کے بیٹے تھے اور بدر صاحب کی وفات کے بعد شروع شروع میں وہ تینوں اسی ولا کے ایک الگ پورشن میں رہنے لگے تھے اور ان تینوں کی ذمہ داری وحید بخاری نے اپنے ذمے لی تھی، مگر وھاج نے بہت جلد اپنے پاوں پر کھڑا ہوئے جلد اپنے چھوٹے بھائی اور والدہ کی ذمہ داری سنبھال لی،

نہال اور وحید بخاری کے والد سانول بخاری نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کی تھیں، پہلی خاندانی بیوی میں سے انکے دو بیٹے نہال اور وحید تھے جبکہ دوسری شادی انہوں نے عمر کے آخری حصے میں بہت دیر سے کی اور اپنی ہی محبوبہ سے کی جن سے انکی ایک بیٹی وفا تھی، وفا کی ماں اپنے آخری ایام میں کینسر کی جنگ لڑ رہی تھی اور جب سانول بخاری نے اسکو نکاح میں لیا تو اسکی خواہش تھی کہ وہ مرنے سے پہلے انھیں اولاد کا سکھ دے۔

تب نا صرف نہال اور وحید شادی شدہ تھے بلکہ آگے وحید بخاری کا ایک چھ سالا بیٹا عون بھی تھا۔۔ جب انکی چھوٹی سی گڑیا جیسی بہن وفا بخاری اس آنگن میں اتری۔

تب عون جو بڑا بچہ تھا وہ چھ سال کا تھا، تب اسکی چھوٹی سی پھپھو وفا بخاری دنیا میں آئی اور اب وہ ستائیس سال کی خومختار ایک خواتین کے حقوق صادر کرنے والی مشہور این جی او کی ہیڈ تھی۔

عون تیتیس سال کا اپنے پاوں پے کھڑا نامور اور مقبول وکیل تھا اور بخاری فیملئ کا فخر بھی جبکہ اس سے چھوٹی وفا بخاری تھی جو اب ستائیس کی تھی۔

اس سے چھوٹی منیہا تھی جو بائیس سال کی آفت کی پرکالہ کے لقب سے مشہور تھی، اس سے چھوٹا چودہ سالا ابدال تھا جبکہ سب سے چھوٹی پانچ سالا عناب۔

وحید بخاری صحافی تھے اور وہ اپنے اس پیشے اور کام کے دلدادہ اور نرم مزاج کے حامل انسان تھے، زوجہ فریال بخاری ان سے بھی نرم ایک اچھی کوک تھیں اور انکا اپنا کچن ریسٹورنٹ تھا۔

جبکہ چھوٹے نہال بخاری تیکھے، غصیل اور اصول پسند کنسٹرکشن بزنس سے وابستہ تھے، شاید ایک تو انکا بے حس مزاج پھر بزنس مین ہونے کے ناطے مغرور اور چھوٹا ہو کر بھی بخاری ولا کے حاکم ہونے کے باعث انکے اندر کی رہی سہی نرمی بھی ختم ہو چکی تھی۔

انھیں عزیز تھی تو وفا بخاری اور وفا بخاری تھی ہی ایسی کہ وہ کئی لوگوں کے دل کی دھڑکن تھی۔

نہال بخاری کی، وحید بخاری کی، ابدال کی اور ستائس سالا جذبات چھپا کر دل سے اسکی چاہ لے کر جیتے وھاج سکندر کی بھی۔

اور وہ کاشان ہمانی کا بس اک جنون تھی، اک انتقام، اک ٹشو پیپر جیسے وہ یوز کر کے پھینک دینا چاہتا تھا اور اپنی تذلیل کا بدلا لینا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"کہاں ہے وہ منحوس فارس"

اپنی گاڑی سائیٹ ایریا میں روکے وہ گارڈ کے دروازہ کھولنے پر کوٹ کے بٹن بند کرتا باہر نکلا، اس وقت وہ صبح کی نسبت خاصے پروقار خلیے میں تھا، نظر کچھ فاصلے پر تاحد نگاہ پھیلی بنجر آراضی کی جانب اپنے چند آدمیوں کے ساتھ کھڑے نہال بخاری پر تھی مگر دوسری طرف اسکا آدمی کچھ ایسا بتا چکا تھا جس پر کاشان نے زہرخندی سے سر جھٹکا، ماتھے اور گردن کی رگیں کراہت سے ابھر کر بھیانک ہو گئیں۔

"منحوس مارا، ہمم۔۔۔ ٹھیک ہے میرے صبر کا بہت امتحان لے چکا ہے وہ۔۔۔۔"

وہ سرخ لہو چھلکاتے چہرے والا خوبصورت مگر بظاہر وحشی چھتیس سالا کاشان سخت تلملا اٹھا تھا۔

"تمہارا کام سمجھ آ چکا ہو گا تمہیں باسط، مزید اسکا مہکار پر سایہ بھی برداشت نہیں مجھے۔۔۔۔ اب اس نو سالا معاہدے کا اختتام ہو جانا چاہیے"

سخت لہجے میں وہ دوٹوک انداز اپنائے حکم صادر کیے کال کاٹتا چہرے پر شگفتگی لائے مضبوط چال چلتا عین نہال بخاری تک پہنچا جو حسب توقع کاشان کے مودب منصوعی انداز اور دنیا جہاں کی شرافت چہرے پر سجا لینے پر دھوکہ کھائے مڑے، انکی آنکھوں میں اتری اداسی کاشان کھوج چکا تھا۔

"خدا اسکو کہیں کا نہ چھوڑے جو آپکی آنکھوں کی اداسی بنے نہال لالہ، میں آفس آرہا تھا مگر ملک نے بتایا آپ یہاں ہیں۔ امید ہے سب خیریت ہو گی"

بردرانہ انداز لیے وہ نہال بخاری کے ساتھ ہی کھڑا تشویش سے استفسار کرتے نرماہٹ کے سنگ بولا۔

"تم جیسے وفادار ساتھی ہوں تو کیا اداسئ کی مجال جو لاحق ہو، بس اس زمین کے بارے میں بات کرنی تھی تم سے۔ اس پر محنت کرنے کا فائدہ نہیں کاشان"

نہال پس پردہ کسی دکھ کو دبائے بھلے کام پر فوکسڈ تھے مگر کاشان اپنی دھاک بیٹھانے کو اپنئ اگلی چال چلنے ہی آیا تھا۔

"آپ کو میرے ہوتے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ڈیل کرتے ہیں۔ زمین میں دیتا ہوں آپ پیسہ لگائیں۔ مجھے یقین ہے اس پر کھڑی ہماری مجموعی اشتراک سے وجود میں آتے مالز اور بلڈنگ ہم دونوں کے لیے منافع بخش ہوں گی"

اپنا اعتبار وہ پہلے ہی نہال کو ایک ماہ پہلے اسکی پورے پلین کے مطابق جان بچا کر کروا چکا تھا مگر اس وقت جب انکو ایک ایسے مال دار اور انکے بقول مخلص پارٹنر کی ضرورت تھی تو کاشان کی یہ ایک اور آفر انھیں انکے نام سا نہال کر گئی۔

"کیا تم سنجیدہ ہو؟"

نہال کا سوال حیرت سے اٹا تھا جس پر کاشان مسکرایا۔

"تو اور کیا بھائی اب میرا آپکا مزاق تھوڑی ہے، ویسے بھی آپ جانتے ہیں میری یہاں کی کئی ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے۔ تو کیوں نا جب آپسی محبت اور اعتبار قائم ہے تو اسے مزید مضبوط کیا جائے"

اور وہ فریبی، ہرجائی جس طرح بات کرتا سامنے والا اسکے سحر سے جھٹکا کھا جاتا۔

"ٹھیک ہے پھر کل ہی ڈیل ڈن کرتے ہیں، بہت شکریہ"

نہال کے لہجے کی خوشی دیکھ کر کاشان نے شاطر سی مسکراہٹ دبائی جو بہت آسانی سے اس بیوقوف انا پرست بڈھے کو آئینے میں اتار چکا تھا۔

"م۔۔مجھے کچھ اور بھی کہنا تھا آپ سے، کچھ دن پہلے میں نے مس وفا کو دیکھا۔ آپ غلط مت سمجھیے گا لیکن کبھی اس دل میں کوئی چہرہ ایسا شدت سے سرائیت نہیں کیا جیسے وہ کر گئیں۔ یہ میرے لیے شرف ہو گا اگر آپ مجھ ناچیز کو اپنی فرزندی میں لے لیں"

عین وقت پر کاشان ہمانی نے اپنی چال چلی اور ایسی چلی کہ نہال بخاری جنکی آنکھوں پر کاشان کے احسانات کی پٹی بندھی تھی وہ شادی مرگ کی سی کیفیت میں اتر گئے۔

"تمہارا یہ انداز اور یہ شریفانہ طریقہ میرے دل کو بھا گیا ہے، مجھے تم جیسا بڑے دل والا ایک دنیا کے دلوں پر راج کرتا نیک لڑکا ہی وفا کے لیے چاہیے تھا، وہ بہت لاڈلی ہے بس تبھی اسکی فکر رہتی ہے"

نہال کے شیریں لفظ اور نرم لہجہ سن کر وہ بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا، دل ہی دل میں اپنی فتح کا بے باک جشن منا رہا تھا۔

"وہ دراصل میں نے آپکی بہن کو ایک دو بار پھول بھی بجھوائے تھے، مطلب وہ جو نیک کام کر رہی ہیں ناں سچ میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ تو اگر وہ آپ سے اس بات پر میری شکا۔۔۔۔"

سارے معاملے کو چالاکی سے سلجھائے وہ تب چونکا جب نہال مسکرا کر اسکا شانہ تھپک کر روبرو ہوئے۔

"تم اپنے گھر والوں کو لے آنا کل رات ڈنر ہماری طرف، کل کی ڈیل کی خوشی کے ساتھ ساتھ تمہاری اور وفا کی انگیجمنٹ بھی ہو گی۔۔۔"

گویا یہ کہہ کر وہ مسکرائے جبکہ کاشان ہمانی کے چہرے پر فتح مندی کے تاثرات درج تھے۔

اپنی چال بازی پر تو اسے کبھی شک نہ تھا مگر آج تو اسے اپنی کمینگی پر بھی رشک آیا۔

"بھائی۔۔۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں منگنی اور رشتہ مانگنے کی کوئی رسم نہیں بلکہ جس دن رشتے کی نیت سے جائیں اسی دن نکاح طے پاتا۔ جب آپ راضی ہیں تو کیوں ناں سیدھا نکاح ہی کیا جائے۔۔۔۔"

زرا ہچکچا کر وہ اپنا راستہ اس ہوشیاری سے صاف کر چکا تھا کہ نہال بخاری کو تو سمجھنے کا موقع نہ ملا، الٹا وہ تھوڑا الجھے مگر اگلے ہی پل اس سفاک درندے کے منصوعی اچھے پن پر حمایت میں سر ہلا گئے، گویا انکے لیے یہ نہایت خوشی کی بات ہو۔

"کیا اتنی شدید محبت کر بیٹھے ہو میری لاڈلی سے؟ یا واقعی یہ رسم ہی ہے برخوردار"

نہال زرا سر ترچھا کیے شرارت سے کاشان کے منصوعی خجل تاثرات پر نگاہ جمائے متبسم ہوئے اور وقت اسے وہی تاثر دینا تھا تا کہ نہال بخاری اس پر اعتبار کی حد پار کر دیں۔

"بھائی آپ سے کیا چھپانا، عورت ذات سے اک طویل عرصے سے دور بستا ہوا انسان ہوں۔ مجھے لگتا تھا کبھی محبت نہیں ہوگی مجھے لیکن ہوگئی"

لہجہ ہر ممکنہ شکستہ رکھے وہ نہال بخاری پر اپنے نئے نئے رنگ کھولتا جا رہا تھا جو پہلے ہی اس شخص کو اپنا محسن مانتے تھے۔

"امید ہے یہ نکاح خوشیوں اور راحتوں کا سبب بنے، لیکن رخصتی پر وہ اتنی جلدی نہیں مانے گی کیونکہ اپنے کام کو لے کر وہ بہت سنجیدہ ہے"

وہ دونوں ہی اب ساتھ چلتے ہوئے گاڑی تک پہنچ گئے، اس دوپہر کو شام سے ملتا دیکھنے کا منظر حسین اور ہوا میں موسم بہار کے باعث اک خوشبو اور تازگی موجود تھی۔

"اسے رخصتی کے لیے قائل کرنا میرا کام ہے"

کاشان کے اس قدر یقین پر نہال اس بار خوشگوار حیرت کے سنگ اس جوان کی چمکتی پر یقین آنکھیں دیکھ کر مسکرائے۔

" دیٹس گریٹ، ٹھیک ہے تم لے آنا کل قاضی اور اپنے گھر والوں کو۔ سادگی سے نکاح کی بابرکت رسم ادا کریں گے پھر ان شاء اللہ شادی تو دونوں خاندانوں کے نام کے شایان شان ہو گی"

اپنے منصوبے کی آدھی تکمیل کاشان کو سرشار کر گئی، وہ اپنے آپ پر رشک محسوس کر رہا تھا۔

"تو وفا بخاری، تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور تم کاشان ہمانی کی ملکیت بن جاو گی۔ بہت سے حساب چکتا کرنے ہیں تم سے نادان لڑکی۔۔۔۔۔ تم سے اپنی زلت کا شاہانہ حساب لوں گا۔۔"

نہال کے گاڑی کی سمت مسکرا کر بڑھتے ہی وہ اپنی گردن نخوت سے اکڑائے ناک کو شہادت کی دہری انگلی سے جھٹک کر قہقہہ لگائے ہنسا اور اسکی وحشت ناک ہنسی کے اندر ایک بے رحمی اور ظلم کی طویل داستان رقم تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھل چکی تھی، موسم بہار ان پہاڑوں پر اترا ہوا وہ قوس قزاح کا آٹھواں رنگ تھا جسکی خواہش بینائی کرتی، جسکی ٹھنڈک سانسوں کی طلب بنتی۔

وہ ہاتھ باندھے باریک شال گرد اوڑھے ٹکٹکی باندھ کر پہاڑوں کے اس پار شام ڈھلتے ہی پھیلتی سرخی پر نظریں جمائے تھی جب کسی ناپسند خوشبو نے مہکار کو کسی کی بہت قرین آمد کی خبر دی۔

وہ اسکے ساتھ ہی کھڑا مہکار کو نا جانے کتنے ماہ بعد دیکھ رہا تھا، وہ بلکل نہیں بدلی تھی۔

بھلا بد عائیں دینے والے کبھی بدلتے ہیں کیا۔

"یو آن کی خواہش ٹال نہیں سکا، آ گیا ہوں"

بھاری آواز میں موجود بے نیازی کے سنگ آگاہ کرتا یہ جملہ مہکار کو کانٹے سا چبھا۔

"کاش ایک سفر ایسا بھی ہو تمہارا کہ تم نہ آؤ بس تمہارے مرنے کی خبر آئے"

بھیانک حد تک سفاک بنی وہ زہر خندی سے زرا سا سر ٹیڑھا کیے اس شخص کو سرسری دیکھ کر بولی، جیسے بہت کچھ جتا رہی ہو۔

"کیا یہ نفرت، کسی مجبور کی بے لوث رفاقت پر تا عمر حاوی رہے گی؟"

ہمیشہ کا سوال جس نے بے مراد ہونا تھا، وہ اول دن کی طرح اپنی نفرت پر پہاڑ کی طرح جمی تھی۔

اور پہاڑ تو بہت بے بس ہوتے ہیں۔

"جب میں ماں اور بابا کی لاڈلی تھی تب زندہ تھی، لیکن جب اس غلیظ انسان نے پہلی بار اپنی اس غلام کو چھوا تو ایک بار ہلکی سی زندگی کی رمق جاگی تھی مجھ میں کہ ڈوبنے سے پہلے ہاتھ پیر چلاؤں۔ اور پھر میری مزاحمت پر وہ فرعون بدک گیا، بچ گئی۔

پھر میرا مسیحا آیا، اس نے اپنی زندگی کی سب سرمایہ لٹا کر مجھے پائزن سے خریدا۔۔۔ وہاں تک میں زندہ تھی فارس شاہ لیکن میرا اعتبار، میرے اندر کی نرمی اور میری روح تب مر گئی جب اسی نے مجھے کسی سوغات کی طرح اپنے دوست کو سونپ دیا۔

یہ بھی نہ سوچا کہ ایسی چیزیں بھی ہوں تو بانٹا نہیں کرتے، میں تو پھر اک وجود تھی۔

میری زندگی میں چار مرد آئے اور وہ چاروں میرے مجرم تھے، بابا، پائزن، وہ پتھر دل اور تم"

پتھرائی وحشتناک آنکھیں فارس پر گاڑے وہ نہ تو چینخی نہ چلائی بس کھڑے کھڑے اس شخص کو دفن کر گئی۔

"وہ تم سے محبت نہیں کرتا تھا، میں نے کی محبت۔ اور ساری عمر کا پچھتاوا پھر بھی ہم تینوں کے حصے آگیا"

فارس کا انداز جارحانہ اور بیزارئیت سے بھرا تھا۔

"کیوں نا آتا، تم دونوں مہکار کے مجرم ہو۔ تم دونوں نے بنا مجھ سے پوچھے مل کر میری قبر کھودی، اور اس قبر میں تم دو ہی دفن ہو گے۔ بار بار وہ سب مت دہرایا کرو، مجھے خود سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے"

کراہٹ بھرے لہجے میں وہ منہ موڑ کر تنبیہی انداز میں سلگی اور فارس شاہ اسے بتا بھی نہ سکا کہ وہ شاید جلد اسے اپنی موت کی خبر سے آزاد کرنے والا ہے۔

"تم نے میرے وجود کو تسلیم نہیں کیا، لیکن کیا تم جانتی ہو مہکار شاہ۔۔۔ جب ناحق بددعا قبول ہوتی ہے تو زمین لرز اٹھتی ہے، میری موت کی خبر سن کر جہاں تم کھڑی ہو گی اس زمین کی ساتویں طے میں زلزلہ آئے گا۔ محبت کا حصار جب تم پر سے ہٹ جائے گا تب تم مجھے مت پکارنا، میری محبت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی کہ میں نے تمہاری بددعا کی قبولیت کے لیے خود کو اس کے لائق بنادیا"

اس خسارے پر اس پر وقار مرد کی آنکھیں بھیگ گئیں، وہ شخص جسکی ذات پر اس عورت کے گریز اور بے اعتنائی نے اتنے ناسور بنادیے تھے کہ اب ان سے زندگی رسنے لگی تھی، زندگی کے ساتھ ساتھ فارس شاہ کے وجود سے سانسیں سرک رہی تھیں۔

"تمہاری موت میری آزادی ہو گی، ان پہاڑوں کی طرح مہکار ایک جگہ جمی اور بے بس نہیں رہے گی۔ میں ہر اس انسان سے بدلا لوں گی جو میری روح کا قاتل ہے"

تلخ اور تضحیک میں لپٹے لفظ ادا کیے وہ وہاں سے پلوں میں اوجھل ہوئی، اب ان پہاڑوں کے پار پھیلتی زردی دیکھنے والی آنکھیں فارس شاہ کی تھیں۔

دل اتنی محبتیں پا کر بھی اس ایک محبت کے لیے تڑپتا ہے جو حاصل نہیں، وہ ایک لاحاصل محبت جانے کیوں سب محبتوں پر حاوی ہوتی ہے۔

" کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے تمہاری محبت کو چوک میں کھڑا کر کے نیلام کر دوں، اور پھر آخری بولی لگانے والے کی بیوقوفی پر ایک تمسخرانہ قہقہہ لگاتے ہوئے مجمعے میں کسی کو بھی تم سے جڑی محبت اور اس سے جڑے جذبے مفت میں ہی تھما دوں، تم میرے لئے محبت جیسے بیش قیمت احساس کو اس حد تک بے وقعت بنا چکی ہو "

بہت سے کرب تھے جنھیں وہ دباتا آیا تھا، اب تو ماہر تھا، آنکھوں میں درد اب ثبت ہو چکے تھے۔

کئی لمحے گزر گئے تو اس شکستہ انسان کو لگا کوئی ڈھارس ملی ہو، یوآن اسکا ہاتھ جکڑے پیار سے بابا کو دیکھ رہا تھا۔

" بابا کی جان "

پلٹ کر سارے زخمی آنسو پیتے وہ اسے اٹھا کر اسکی گال اور پیشانی چومے مسکرایا۔

" یوآن کی جان، آپ آئے اور پتا بھی نہیں چلا۔ مجھے آپکا سرپرائز پسند آیا۔ لیکن آپکی آنکھیں کبھی مسکراتی کیوں نہیں "

اپنی جان سے واقعی بڑھ کر یوئی کے لیے اسکے بابا تھے، ڈوبتی زندگیوں کو بچانے والے اسکے ہینڈسم ہیرو بابا، لیکن وہ شخص تو ایک مدت سے صرف بددعا کے باعث اب زندگیاں لینے والا بن چکا تھا، یوآن کی آنکھوں کی ویرانی پر فارس نے اپنی آنکھیں دھندلا جانے کے خوف میں میچ کر یوآن کو گلے لگایا، وہ بھی جیسے سہم کر بابا کے ساتھ لگ گیا۔

"کیونکہ میں نے اپنے حصے کی ساری مسکراہٹ اپنے یوآن کے لیے اللہ پاک کے پاس امانت رکھوادی، آو یہاں۔۔۔ تمہارا تو میچ تھا، کیا بنا بھئی"

افسردگی وملال کا ہر قصہ پرے کیے وہ اسے لیے اس کاٹیج نما خوبصورت گھر کے اندر آئے لوئنگ ایریا تک آیا اور خود بھی یوآن کو بیٹھائے ساتھ ہی بیٹھتے اس سے اسکی روٹین پوچھنے لگا۔

"ہار گیا بابا، وہ پھر سے بیمار ہوگئی تھی۔ وہ میری سب سے اچھی دوست ہے، میرے کہنے پر اس نے فٹ بال میچ دیکھا مگر پھر اسکی طبعیت خراب ہوگئی تو اسے گارڈ لے گیا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے میں اسے اپنا دل دے دوں تاکہ وہ ٹھیک سے سانس لے سکے۔۔ آپنا آپ دے دوں تاکہ وہ ٹھیک سے جی پائے"

بابا کا ہاتھ تھامے وہ بے قراری سے ان سے سوال کرتا فارس شاہ کو بھی دکھی سا کر گیا، یوآن کی رنگ بدلتی شربتی آنکھوں میں پھیلی اس حسرت نے اس باپ کے سینے پر دھرے زخم ہرے کیے۔

"وہ تمہارے ساتھ ہنستی اور بولتی ہے ناں بچہ تو پھر ایسا کیوں سوچا تم نے کہ وہ ٹھیک سے نہیں جی رہی، اس دنیا میں ہر انسان اپنی ایک الگ شخصیت اور نوعیت رکھتا ہے۔ ہم خود کو اپنی چوائز سے نہیں بناتے، آللہ نے بہترین طرز سے ہماری تعمیر کی ہے"

نرمی سے وہ یوآن کے بھورے بال بکھیر کر اسکی بہت حساس طبعیت کو یہ کہہ کر بھی شانت نہ کر سکا، وہ یوآن تھا جو عام بچوں سے قدرے حساس اور منفرد تھا۔

بابا کے نرم استفسار پر یوآن نے اپنی آنکھوں میں بہت بے بسی بھرے اس کو دیکھا، جیسے بعد کی وضاحت اسے سمجھ نہ آئی ہو۔

"میں اسکے ساتھ بارش میں بھیگ نہیں سکتا بابا، ہم دھوپ میں بیٹھ کر کھیل نہیں سکتے۔ وہ میرے ساتھ کہیں بھی جانے سے متاثر ہوتی ہے۔ بڈی نے کہا تھا وہ میری ہمیشہ دوست رہے گی لیکن وہ جب تکلیف میں روتی ہے تو مم۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے وہ چلی جائے گی۔ وہاں اس سکائے پر سٹار بن جائے گی"

یوآن کی معصوم آنکھیں بھیگ سی گئیں، فارس کا اپنا دل جیسے کٹا، لمحہ ضائع کیے بنا وہ اس حساس بچے کو اپنے سینے میں سموئے اسکے بال سہلائے گہرے سانس کھینچنے لگا۔

اپنے تو سٹار بننے کی بھی اسے توقع نہ تھی، بھلا اس جیسے گنہگار کب آسمان کا ستارہ بنتے ہیں جو عشق میں اپنی آخرت اجاڑ کر فنا ہو جائیں۔

"تمہارے بڈی ٹھیک کہتے ہیں وہ ہمیشہ تمہاری دوست رہے گی، ابھی تو وہ بس پانچ سال کی ہے۔ بڑی ہو گی تو اسکی ہر تکلیف ختم ہو جائے گی۔ اور جسکے پاس میر اینگ مین یوآن ہو وہ بھلا اتنی جلدی سٹار کیسے بن سکتا ہے"

فارس نرماہٹ کے سنگ اسکے پریشان سے چہرے کو تکتا اسے تسلی دیئے مسکرایا تھا، یوآن کی آنکھیں بھی مسکرائیں کیونکہ وہ جانتا تھا بابا اس سے ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔

"میں آپ سے، ممی سے، بڈی سے اور عناب سے کبھی دور نہیں ہونا چاہتا، وہ ٹھیک ہو جائے گی کیونکہ یوآن ہے اسکے پاس، اسے اکیلے سٹار بننے نہیں دے گا، خود بھی اسکے ساتھ سٹار بن جائے گا" وہ یہ بات کہہ کر بھلے فارس کے سینے لگ گیا تھا مگر کچن میں ملازمہ کو رات کے کھانے کا کہتی مہکار نے ضرور دل دہل جانے پر بے یقینی سے مڑ کر اوپن کچن سے لاونج میں بابا سے لپٹے اس آٹھ سالا یوآن کو دیکھا جو کتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کہہ گیا تھا۔

بچوں کو آسمان کا ستارہ بننا بھی بچگانہ سا کھیل ہی لگتا ہے لیکن مہکار کے دل سے اٹھتی ہوک اس بات کی ترجمان تھی کہ بعض اوقات مرے بنا بھی آسمان کا روشن ستارہ بننا ممکن ہوتا ہے۔

کسی کے مقدر کا ستارہ نہ سہی، کسی کے حکم پر ٹوٹ جاتا ستارہ ہی سہی۔

اسکی آنکھوں میں لازوال سی حسرت اتر آئی، جو جلد خوف وہراس کا روپ دھار گئی۔

"تم نے سکو بکھرنے سے بچا یا عون بخاری سوائے میرے، حساب چکانے کا وقت قریب ہے"

ایک بار پھر وہ انتقامی ہوئے یو آن کی سمت دردناکی سے دیکھنے لگی جو پھر سے مطمئین ہوئے اپنے بابا کے ساتھ لاڈ میں مگن ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"خوش آمدید جونئیر"

بڑی سی سیاہ گاڑی بخاری ولا کے تاحد نگاہ رقبے پر پھیلے پورچ میں رکی تو حسب روایت پہلا استقبال وھاج سکندر کی دل موہ لیتی مسکراہٹ سے ہوا، وہ ہمیشہ سے وھاج بھائی کو پسند کرتا تھا، تبھی تو اپنی ابھی سے پروقار سی چال چلتا باہر نکلتے ہی اس سے بغل گیر ہوا۔

دونوں کے چہروں پر اچھوتا تبسم تھا، اور پھر نظر باہر کی جانب دوڑ لگاتی عناب پر پڑی تو وہ باقاعدہ ہنس کر خود بھی میڈم کی جانب دوڑتے ہی اسے اٹھا کر خود میں سمو گیا، وہ بھی تو جیسے ابدال کی گردن میں بازو سمیٹ لیتی بھیو سے اتنی لمبی جدائی پر ایسے ہی ہلکان کر کے ملتی تھی۔

اور پھر ہمیشہ کی طرح وہ اسکی گال پر بہت سے پیار دیتا گود سے اتارے بھیو اور عناب والے سپیشل ڈانس کے سٹیپ کرتا تو ہر کوئی آج بھی ان دو جھلے نمونوں پر ہنس دیا۔

وہ دونوں اس فیملی کے ڈانسینگ بیوٹی کپل بن جایا کرتے، عناب شرارت سے مسکراتی دونوں ننھی بازو کمر پر باندھے پیروں کو آگے پیچھے حرکت دیتی کھکھلا دیتی اور ابدال بھی ساری سنجیدگی، ساری میچورنس ایک طرف کیے لیڈی عناب کے ساتھ ویسے ہی ویلکم سٹیپ کرتے ہوئے انتہائی پیارا لگتا۔

اندر کی جانب سے باہر آتی وفا یہ منظر ہر بار پہلے سے زیادہ محبت اور رشک سے دیکھتی اور پھر اگلی باری ان دو پھڑ کیلے ڈانسرز کی وفا بخاری سے تفصیلی ملاقات کی ہوتی۔

وھاج یہ منظر ہر بار دیکھ کر نئے سرے سے وفا بخاری کے عشق میں مبتلا ہوتا، وہ مکمل عورت تھی، مکمل سراپا، مکمل وجود، اور وہ چاہتا تھا اسے کوئی وفا نامی کاملیت تھما دے۔

وہ جانتا تھا وفا بخاری نے اگر آج تک اسکی محبت کا کوئی جواب نہیں دیا تو انکار بھی کب کیا، اور شاید محبت تو بس لٹا دینے کا نام ہے، وہ لٹاتا تھا، لٹاتا جا رہا تھا۔

کچھ لوگوں کے حصے میں صرف وارنا ہی تو آتا ہے، اپنا آپ، اپنا کندھا، اپنی خوشی اور یہاں تک اپنی رضا۔

"میلے بھیو آ دیے (میرے بھیو آ گئے)"

وہ عناب کو اٹھائے ہی چلتا ہوا مسکراتی، نرم و نازک سی وفا کے روبرو کھڑا نا جانے کیوں ہمیشہ کسی گہرے حصار میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

وہ ہنستا، مسکراتا، عناب کے لیے تتلی جیسا باورا اور برق سا تیز بن جاتا مگر وفا کے لیے وہ ابدال مصطفی بخاری بن جاتا، یکدم بڑا، سمجھدار، وفا بخاری کے لیے خاص ہونے کا غرور لے کر تو اسکی گہری راز سی آنکھوں میں ادب و احترام اتر آتا، زندگی رقص کرتی۔

"خوش آمدید وفا کی جان، امید ہے ہفتہ اچھا گزرا ہو گا۔ تمہاری کامیابی کی خبر پہنچ گئی تھی، میدان مار دیا چمپئین، اور میں ناراض ہوں بھئی یہ ڈانسنگ نایاب اور اچھوتا سٹیپ آج تک تم نے میرے ساتھ تو نہیں کیا۔اس پدی کو ماسٹر کر دیا"

وہ شفقت اوڑھے ابدال کی گال پر پیار دیتی پہلے تو رشک میں اتری مگر پھر آخر تک معصوم خفا ہوئے عناب کی گال کھینچے جیلس سا ہوتی دونوں کے ساتھ ہی اندر بڑھی، مگر وہ نا جانے کیوں بس مسکرا ہی پایا۔

اندر آنے تک عناب میڈم کے لاڈ انتہاوں کو چھوتے رہے۔

"آپ کے ساتھ تو آپکا پرنس ڈانس کرتا جچے گا وفا"

دھیمی سی سرگوشی میں وہ ساتھ چلتی وفا کو ایک لمحے حیران ہی تو کر گیا۔

"تو تم میرے پرنس نہیں ہو کیا ایٹیٹوڈ بوائے"

رک کر تعجب سے وہ منہ پھلاتی اس وقت ابدال جیسی ہی کم سن لگی۔

"بھیو میلے پلنسس، آپتے نی (بھیو میرے پرنس، آپکے نہیں)"

اور یہ سوال کا جواب آیا ہماری چالاک چوہیہ کی طرف سے، پورا قبضہ کرتی وہ ابدال کو دبوچے زرافے کی طرح گردن اکڑائے بولی جس پر وہ دونوں ہی ایک ساہنسے۔

"جی جی ہم تو تاحیات آپکی لاڈیاں اٹھانے کی سزا میں مبتلا ہیں میری پٹا کو، دل تو کرتا ہے تمہیں ساتھ ہی ہوسٹل لے جاوں، بہت یاد آتی ہو۔ اور وفا سنیں! جب میں اور عناب ملتے ہی وہ پرنس پرنسسز والا کیوٹ ڈانس سٹیپ کرتے ہیں تو اس ہرنی کی میٹھی سی ہنسی اور شرارت میرے ہفتے کی ساری تھکن اتار دیتی ہے۔ جہاں تک آپکی بات ہے وفا بخاری، آپکا چہرہ ہی میری ہر اداسی کو ختم کر دینے کو کافی ہے"

وہ ساحر تھا، وہ لفظوں کا ماہر تھا، وہ اپنے سامنے والے کو حیران کرنے میں دیر ہی کب کرتا۔

وفا نے خوشگوار مسکراہٹ لیے ابدال کو دیکھا، وہ اتنا بڑا تو نہیں تھا مگر وہ بہت آگے کے سفر کا مسافر تھا، وہ وفا بخاری پر آنچ آنے تک سے خوفزدہ سا کیا جانتا کہ اسکی وفا پر سیاہ سایہ منڈلا رہا ہے۔
اور اسکی تمام سمجھداری اور وفا کے لیے لگن دھری کی دھری رہ جانے والی ہے۔
" تبھی تو جان ہو تم وفا کی، خیر یہیں باتیں کرنی کہ اندر بھی چلنا۔۔۔ آجاو"
شروع میں وہ قربان سی ہوئی، اور پھر تینوں ہی ولا کے اندر داخل ہوئے۔
ابدال کے آنے پر ہر کونہ، ہر چپہ کھل جاتا تھا، وہ بھلے اس جگہ سے بیزار سہی مگر یہ جگہ تو صرف اسی کو پکارتی تھی۔
فریال کا ہمیشہ کی طرح ماں کی ممتا سے بھرا انداز اسے ہادیہ کی کمی محسوس نہ ہونے دیتا، منیہا آپا کا اس سلجھے سے ابدال کو بتیسی دیکھا کر ویلکم کرنا بھی اسے پسند تھا، کیونکہ دونوں کا خاصا مزاج مختلف اور پسند الگ تھیں۔
" آگئی ہے میری ایک اور سوتن، میں بتارہی ہوں اگر تم نے بھی آتے ساتھ پڑھائی کا پوچھا تو باہر لگے درخت سے باندھ کر بھاگ جاوں گی۔ یار کیا بتاوں ان جلاد بخاریوں نے مجھے بہت تپا دیا ہے، چلو اب تم آگئے کم از کم تمہارے آنے سے دو دن تک تو سب کا دھیان مجھ سے ہٹے گا، تم ٹھہرے وی آئی پی آدم بیزار، اور اسے دیکھو، جونک کی طرح چمٹی ہوئی"
ہاتھ جھاڑے وہ بھی ازلی ڈھیٹ بنی سب کے بیچ لاونج کو دی اور ابدال اور عناب تو اسے جیلس کرنے ہی پیدا ہوئے تھے، فریال تو کھانے وغیرہ کو لگوانے میں ملازمہ کے ساتھ بزی ہو گئی تھیں البتہ باقی سب لاونج میں ہی تھے، ملازم ابدال کا بیگ اسکے روم رکھ آیا تھا جبکہ خود تو وہ اس وقت مکمل فریش تھا۔
" بھیو۔۔۔میہا دندی ہے، میتو اتے اتے تام تلاتی ہے (بھیو منیہا گندی ہے، مجھے الٹے الٹے کام کرواتی ہے)"

منیہا کا تو منہ زنبیل سا کھل چکا تھا، اب اسے یہ بھی خطرہ تھا کہیں یہ آلارم عون کے سامنے بھی نہ پول کھول دے تبھی آنکھیں نکال نکال کر گھوری تھی۔

"آپا یار باز آجائیں، میری پٹا کو سیدھے سیدھے کام کروایا کریں۔ اور تم، میرا پیارا سا بچہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا، تمہاری آنکھوں کے گرد ڈارک سرکلز کیوں ہیں۔ کہیں پھر سے بیمار تو نہیں ہوئی تم؟"

وفا بھی مسکراتی ہوئی کھانا لگوانے میں ہلپ کروانے جا چکی تھی جبکہ ابدال اسکی بجھی صورت دیکھ کر اب اس سے کم منیہا سے زیادہ جواب طلب تھا جو آگے سے خود بھی اٹھ کر ان دونوں کے پاس ہی دھڑم سے بیٹھی۔

عناب ساتھ ساتھ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھے کن اکھیوں سے منیہا کو نہ بتانے کے اشارے کر رہی تھی مگر وہ تو پھٹا ڈھول تھی، جب تک پیٹ کی ساری باتیں اگل نہ لے کب سکون آتا تھا۔

"ہوئی تھی ناں، مرنے لگی تھی تمہاری یہ جند جان۔۔۔ ٹانگوں سے پکڑی ہم نے، مزاق ایک طرف لیکن جان تو یہ میری بھی ہے۔ اب ٹھیک ہے یہ، اب تم اسے مت کچھ کہنا ورنہ مجھے ایسی گدگدی کرتی ہے یہ چوہیہ کے مت پوچھو۔۔ اور تم، کبھی اس بہن کا بھی حال پوچھ لیا کرو، سارا پیار سب اسے ہی دیتے ہو۔ سوتن کہیں کی"

منیہا نے بھی اظہار کیا تھا اور ایسا بہت کم ہوتا تھا اور اگلے ہی لمحے بہن کے جانگلیوں والے لاڈ ماحول کی اداسی قدرے کم کر گئے۔

ابدال نے جھک کر سمٹی اور تھوڑی اداس سی عناب کو دیکھا جو بھائی ہی کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

"آپکو کچھ نہیں ہو سکتا آپا تبھی آپکی فکر نہیں ہے مجھے، آپکو پوچھنے والے ویسے بھی بہت ہیں۔ لیکن یہ میری زندگی کی وجہ ہے آپ بہتر جانتی ہیں"

ناچاہتے ہوئے بھی وہ عناب کے سلکی سے بال سہلاتا اسکی جبین چومے اپنے لہجے کی سرد مہری چھپا نہ سکا تھا، منیہا سب محسوس تو کرتی تھی پر اسکی نیچر ہی لاپرواہ تھی تبھی وہ فوراً ہی بات بھول بھال جاتی تھی۔

لیکن ابدال بہت حساس اور گہرے خیالات کا مالک تھا، اسکا ایک اصول تھا جو اسکے لیے نااہل ہوتا تھا وہ تاحیات ناقابل قبول ہی رہتا ہے جیسے نہال بخاری۔

"تم اور تمہارے یہ فلسفے، یار اس سے اچھا میں میتھ کو ہی رولوں" کشن دونوں پر منہ بسوڑ کر برساتی وہ دندناتی ہوئی خود بھی کچن لپکی مگر وہاں سے ملتا حکم گویا منیہا کی ہستی ہلا گیا۔

عون کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا مگر کچھ کام کی وجہ سے کمرے میں تھا اور فریال نے منیہا کو اسی لیے اسے کھانے کے لیے بلانے کو بھیجا۔

"بارڈر پر بھیج دیں بڑی امی لیکن۔۔۔۔"

کھیرے کا بڑا سا پیس دانتوں سے سنڈی کی طرح کترتی منمنائی تو فریال بھی ہنس دیں۔

"دن کو تو اسکے کمرے میں اپنی پدی فوج لیے گھس گئی تھی، اب کیا ہے۔ جاؤ اسے کہو نیچے آئے۔ ابدال بھی آگیا ہے۔ اور یہ نہال بھائی کہاں رہ گئے آج، وفا جان، زرا ان دونوں بھائیوں کی خبر لو ڈنر پر آئیں گے یا ہم شروع کر لیں"

چار و ناچار منیہا میڈم کو یہ مشکل کام سرانجام دینے جانا ہی پڑا، وہ سست گام سی سیڑھیاں چڑھ گئی تو وفا بھی فون لیتی بھیو کا نمبر ملاتے ساتھ ساتھ ملازمہ کو کھانا لگوانے کا کہہ رہی تھی۔

ابدال کی توجہ صرف عناب پر تھی جو مسکراتی ہوئی کبھی ابدال کا کان چھو رہی تھی کبھی اسکی شرٹ کے بٹن سے کھیلنے لگتی۔

"کیا ہوا تھا میری گڈی کو، پھر سے سن الرجی؟"

کچھ دیر اسکے چہرے اور سبز آنکھوں پر توجہ دینے کے بعد وہ نرماہٹ سے استفسار کیے بولا تو وہ سر ہلا گئی۔

" دیادہ سن نی تھا ادل، تھولا تھا۔ پھل بی لیڈ لیڈ ہو دئی۔ مم۔ میں اتھی ہوں، میں سٹانگ ہوں (زیادہ سن نہیں تھا ادھر، تھوڑا تھا۔ پھر بھی ریڈ ریڈ ہو گئی۔ میں اچھی ہوں، میں سٹرونگ ہوں)"

رک رک کر بمشکل اپنی زبان کو سمجھنے کے لائق بناتی وہ اس پیار اور تسلی دیتے انداز میں کہہ رہی تھی کہ ابدال ناچاہتے ہوئے بھی دل کو دھکا لگنے سے روک نہ پایا۔

" بلکل میری عناب بہت سٹرانگ ہے، کیونکہ کہ تم بھیو کی پرنسسز ہو۔ اس دنیا میں تمہارے لیے سب سے پہلے تمہارے بھیا کی محبت موجود ہو گی۔ اپنی بے بسی سے نکلنے کی کوشش ہے تاکہ تمہارے پاس رہ سکوں، تاکہ تمہیں ہر تپش سے بچا سکوں۔ اپنا خیال رکھو گی ناں، پرامس ودمی؟"

جس طرح وہ اسکے لیے پچی تھا یہ شدت اور محبت نہال کی ہر کوشش کے باوجود بھی قائم تھی۔

وہ جو خود بھی ابھی ہی پہنچے تھے، لاونج میں انکے قدموں کو یہ سن کر کرنٹ لگ چکا تھا۔

اک سرد سی نظر وہ ابدال اور اسکی گود میں بیٹھی عناب پر ڈالے وہ رک چکے تھے۔

" تم کہنا کیا چاہتے ہو کہ یہاں اسکے دشمن آباد ہیں، تم سے زیادہ خیال رکھا جاتا ہے اسکا۔ یہ کوئی انوکھی بچی نہیں ہے جو تم اسے سپیشل ٹریٹمنٹ دے رہے ہو۔ تمہارا یہ حد درجہ لگاو اسے بزدل اور کمزور کرے گا یہ بات میں مزید کتنی بار تمہیں بتاوں"

نہال بخاری کی آواز کانوں میں پڑتے ہی ابدال نے چہرہ اٹھا کر مقابل کھڑے اچٹتی نگاہوں سے گھورتے بابا کی جانب دیکھا، عناب بھی یکدم جیسے سہم گئی۔

فریال اور وفا بھی فکر مند سی سنتے ہی باہر لاونج تک آئیں۔

"کیا ہو گیا ہے بھائی صاحب، ایسے ٹوکا مت کریں۔ بھائی ہے وہ اسکا، اور بچوں کو لاڈ اور پیار دینا ہی بڑوں کا فرض ہے"

فریال بڑی ہونے کے ناطے اکثر و بیشتر وحید صاحب کے منع کرنے کے باوجود نہال کو ٹوک دیا کرتی تھیں اور نہال بخاری کو اپنے سامنے بولنے والے کم ہی پسند تھے۔

"ہر چیز ایک حد میں ہی اچھی لگتی ہے فریال بھابھی، خیر میں ڈنر نہیں کروں گا۔ ڈنر کے بعد آپ سب میرے کمرے میں تشریف لائیے بہت اہم بات کرنی ہے۔ تم بھی وفا۔ ایکسکیوز می"

رعب و دبدبے کے سنگ وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی وہاں سے جاچکے تھے اور انکے جاتے ہی ان چاروں کے چہروں پر صرف افسردگی تھی۔

لیکن ابدال دل جلا سا مسکرائے عناب کی سمت پھر سے متوجہ ہو چکا تھا۔

"اینگری مین۔۔۔۔ ہی ہی۔"

لاڈ سے وہ ہنستا ساتھ عناب کا ڈر بھی سمیٹ چکا تھا، اور فریال اور وفا دونوں نے بھی مسکرا کر اپنے سامنے زندگی سے بھرے اس تعلق کو دیکھا جسکا صدقہ اتارنا انھیں فرض لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا ہی ایک تاریک لمحہ تھا جب ایک سیاہ گاڑی سے کسی کی لاش بے دردی سے اس اندھیرے میں کچی سڑک پر پھینکی گئی۔

ارد گرد گیدڑوں اور وحشی درندوں کی دھاڑیں اس بات کی ترجمان تھیں کہ ساتھ ہی گھنا جنگلی علاقہ موجود ہے۔

کچھ ہی دور چند فاریسٹ آفیسرز کو وہ لاش ملی جسکی تلاشی لینے پر اسکی جیب سے ایک رقعہ درآمد ہوا جس پر لکھی مختلف حرف جوڑ کر یہ تحریر درج تھی۔

"وحید بخاری یہ تمہارا ساتواں جاسوس تھا جسکی لاش تحفے کی صورت بھیج رہا ہوں، امید ہے تم اس سے عبرت پکڑ لوگے۔ عبرت نہ پکڑی تو ہلاکت ہوگی، تباہی ہوگی، سب ختم ہو جائے گا۔ میرے خلاف جنگ لڑنی ختم کر دو، ورنہ میں تمہیں مجبوراً ایک دردناک عبرت دینے پر بضد ہو جاوں گا۔ تم پتا بھی ہلاوگے تو مجھے خبر ہو جائے گی، اس ملک کی پولیس میری جیب میں ہے، لہذا تم آٹھویں غلطی سے پہلے لاکھ بار سوچ لینا۔

تمہارا امن پسند دماغی دشمن، پائزن"

وہ سطریں اپنی ہولناک داستان سنا چکی تھیں، نیچے وحید بخاری کے پریس ڈیپارٹمنٹ کا پتا درج تھا۔

وہ دونوں آفیسرز اس لاش کو اس پتے پر پہنچانے کا بندوبست کرتے ہی خود بھی ساتھ روانہ ہوئے، وحید جو ابدال کے آنے کی وجہ سے پہلے ہی گھر ڈنر پر نہ پہنچنے کی معذرت کیے کسی اہم کام کے لیے روانہ ہونے والے تھے، باہر بلڈنگ کے پورچ میں رکتی ایمبولنس اور ان آفیسرز کے آنے کی اطلاع پر پریشانی سے باہر لپکے۔

وہ ایک آدمی وحید صاحب کے سپاٹ چہرے کی جانب متوجہ اپنے ہاتھ میں پکڑی وہ تحریر انھیں پکڑا چکا تھا مگر انکی پتھرائی نظریں نور گل کی لاش پر تھیں جسے دو لوگ احتیاط سے انکے سٹاف کے حوالے کر چکے تھے۔

"ہمیں یہ آرڈر ملا تھا کہ یہ معاملہ ڈائریکٹ آپ تک پہنچایا جائے، اس علاقے کے نئے ڈی ایس پی صاحب کل آپ سے مغرب کے وقت ملاقات کریں گے"

وہ آفیسر اپنی ڈیوٹی مکمل کیے وحید صاحب کے سر ہلاتے ہی جا چکے تھے مگر سارا اسٹاف انکے سمیٹ تکلیف اور افسردگی میں مبتلا ہو گیا۔

"اللہ تمہاری قربانی رائگاں جانے نہیں دے گا میرے عزیز نور گل، میں جانتا ہوں تمہاری موت کے باوجود تمہاری یہ لاش مجھے آٹھویں غلطی کرنے کی مہلت ہی نہیں دے گی"

وہ پائزن کا بھیجا خط حقارت سے مٹھی میں جکڑتے لپک کر نور گل تک پہنچے جسکی گردن پر نیل اور گہرے نشان درج تھے، اسکے ہونٹ بھی جامنی پڑ چکے تھے۔

"فورا سے اسکے بال کاٹو، ہمیں فجر تک اسکی تدفین کرنی ہو گی۔ لیکن جاو پہلے یہ کام کرو"

اسکے پاس ہی بیٹھے وہ نور گل کے کشادہ ماتھے پر آزردگی سے اپنا ہاتھ پھیرے یکدم ہی مقابل کھڑے سٹاف کو حکم دیا جس پر وہ سب ہی ایک لمحے کو ساکت رہ گئے۔

"لیکن لالہ"

مقابل وہ فرحان نامی لڑکا کچھ کہنے کو تیار ہوا ہی تھا کہ اگلے ہی لمحے وہ فوری لالہ کی مصلحت سمجھتا فوری اندر سے بال کاٹنے والی مشین لایا۔

وحید صاحب نے بہت احتیاط کے ساتھ نور گل کے بال اس کے سر سے ہٹائے اور انکا شک بلکل ٹھیک تھا۔

جیسے ہی نور گل کے سر کی جلد سامنے آئی اس پر درج نوہندسی نمبر دیکھ کر وہ پھیکا سا مسکرا دیے۔

"دو سال کی محنت رائگاں نہیں گئی بچو، نور گل نے اپنی موت کو امر کیا۔ یہ نمبر فوری درج کرو، یہ کس چیز کا نمبر ہے، یہ کیا ہے سب کل تک مجھے پتا چل جانا چاہیے۔ اپنے ایکسپرٹس کو اس کام پر لگاو، تب تک ہم نور گل کی تدفین کا انتظام کرتے ہیں"

اپنی مضبوط آواز میں وہ پھیلی سوگواری چھپا نہ سکے اور دکھ سے نور گل کی ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی آنکھیں دیکھتے ہوئے رنجیدہ سے ہو گئے۔

یہ پہلا ساتھی تو نہ تھا جس نے فرقت کا داغ دیا، اس جنگ میں وہ اپنے کئی دل شناسوں کو کھو چکے تھے مگر نور گل خاص تھا، بہت خاص۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھول مٹی، گرد و غبار سے اٹے اسطبل سے کچھ فاصلے پر بنے مٹی اور گارڑے سے تعمیر شدہ اس کاٹیج کے باہر ہمہ وقت چار تگھڑے گن مینز نگرانی پر فائز رہتے تھے، گہرے تاریک اندھیرے میں بھاری بوٹوں کی گرج دار دمک بلند ہوئی، وہ وحشی جانور جسکے ہاتھ میں موجود ہنٹر کچی زمین پر اسکے چلنے کے ساتھ ساتھ گھسیٹا جا رہا تھا۔

ارگرد اک قنوطیت طاری تھی۔

خاموش، تاریک اور سناٹے کی آہ و بکا سے بھری یہ راتیں، انکا چشم دید ہونا، یہاں طے پائی جاتی سزا سب ہولناک تھا۔

وہ چہرہ منظر عام پر آیا تو رات مزید بھیانک ہوئی، کاشان، نہیں بلکے پائزن۔

اسکے ایک ہی خونخوار اشارے سے وہ تنے نتھنے پھیلا کر پھنکارتے آدمی وہ دروازہ اسکے لیے کھول چکے تھے۔

ہنٹر اٹھا کر کندھے پر رکھتا وہ خمار آلود چال چلتا ساتھ میں سگریٹ سلگا چکا تھا۔

اندر اس کی ذات سے زیادہ اندھیرا تھا اور عین اس کمرے کے وسط میں زنجیروں میں جکڑا ایک بڑی بڑی داڑھی اور لمبے بالوں والا گرد و مٹی میں اٹا وجود اس آنے والے کو زیرک نگاہوں میں لیے ہنسا تھا۔

ہنس ہی سکتا تھا، کیونکہ ہنسی ہی بس میں تھی۔

"میرا پیارا بھائی، میرے جگر کا ٹکڑا"

اس ہنستے شکستہ لہولہاں نیل زدہ چہرے کو دیکھتے ہی کاشان کے چہرے پر استہزا ابھرا اور آواز میں نفرت اور پیار کا ملاپ سا اتر آیا۔

"بھائی مت کہیں، بھائی مت کہیں"

وہ حلق کے بل دھاڑا تھا، حیرت تھی کہ دو سال کے تشدد اور اذیت کے باوجود عائش ہمانی کے اندر دھاڑنے، سلگنے اور چیخنے کی ہمت باقی تھی۔

"آاا، میرا بچہ ناراض ہے۔۔۔ دیکھ لو میں کتنا اداس ہوں تمہاری اجڑی جوانی پر، مجبور کیا تھا تم نے کہ تم کو ایسی اذیت دیتا۔ کیا حال بنا لیا ہے میرے بچے نے۔۔۔۔ چچ چچ"

قریب چلا آتا وہ عائش کے بکھرے بال پوری گرفت سے اپنی مٹھی میں جکڑے اس سختی سے جھٹکا دے گیا کہ عائش کے حلق سے دلخراش چینخ بلند ہوئی۔

اور اسکی چینخیں پائزن کا نشہ تھیں۔

"معاف کر دیں اب، مر جاوں گا۔۔۔ دو سال سے آپ نے مجھے میرے گناہ کی پوری سزا دی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے سارے نجس کام میرے سر ڈال دیے، اب برداشت ن۔۔ نہیں ہوتا۔۔۔ مجھے اس موت سے بدتر سانس سے رہائی دے دیں"

وہ سسکتا، آہیں گھوٹتا یقیناً بہت خوبرو اور ہینڈسم جوان تھا جسکی اب اجڑ اور تباہ ہو کر بھی خوبصورتی ماند نہ پڑی تھی، کاشان ہمانی اسکی یہ سسکیاں اور التجائیں روز سننے آتا تھا، اور پھر آج بھی وہ اسکے سامنے ہی کرسی گھسیٹ کر براجمان ہوئے مسلسل سگریٹ کے کش لگاتا اس قبر جیسے کمرے میں مزید حبس بھر رہا تھا۔

"تمہیں تمہارے گناہ پر موت کیوں نہیں دی میں نے؟"

نہایت تحمل سے سوال آیا تھا۔

"ہمم۔۔۔ موت دے دیتے تو اچھا تھا"

وہ جیسے مردہ آواز میں شکوہ کناں ہوا۔

"موت ہر بار، ہر کسی کے لیے اچھی نہیں ہوتی جونئیر۔۔۔ تم نے دھندے سے غداری کی تھی۔ میری یعنی پائزن کی بہت اہم کارکن کا ریپ کیا۔ اپنا گناہ چھپانے کے لیے تم یہاں رکے نہیں بلکے اسے موت دی اور تمہاری اس کلب میں کی گئی گری ہوئی حرکت کی وجہ سے میں دی چیمپئین کاشان ہمانی شرمندہ ہوا، تم نے ہمانی خاندان کو رسوا کیا۔ تم کو مار بھی سکتا تھا لیکن کمبخت میرے باپ کی خاندانی بیوی تمہیں میرے سر ڈال گئی، بابا بہت عزیز تھے مجھے، اس آدمی نے مجھے طوائف زادے کے بجائے ہمانی خاندان کا وارث بنایا۔۔ میری ماں کو اس بازار نجس سے نکال کر شہزادی جیسی زندگی دی اور اس بندے کی تم جیسی معمولی امانت بھی بہت اہم تھی میرے لیے۔ میں جو بھی کروں گا وہ میرے اصولوں میں شامل ہے لیکن میں جو کرنے سے منع کر دوں، وہ عمل جو بھی کرے گا اسے میرے غضب کا شکار ہونا پڑے گا"

نفرت، حقارت اور پھر ماضی سوچتے وقت کاشان کے چہرے کا خوبصورت عکس میں ڈھلنا، یہ سب بہت تیزی سے بدلا، وہ اپنی بات ختم کیے اس بندھے ہوئے قابل ترس زانی کے روبرو پھر سے کھڑا نفرت چھلکاتے انداز سے اسکا چہرہ مرکوز کر چکا تھا۔

"شیطان حاوی ہو گیا تھا کتنی بار بتا چکا ہوں، وہ لڑکی آپ کی مخالف ہو گئی تھی۔ اسے راہ سے ہٹانا ضروری تھا۔ غلطی بس یہ تھی کہ یہ حادثہ آپکے کلب میں پیش آیا اور میری اس غلطی پر پچھلے دو سال سے آپ مجھے سزا دے رہے ہیں۔ بس کر دیں"

اس بار وہ پھر سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا گڑ گڑا اٹھا، کاشان نے مضحکہ خیزی کے سنگ عائش کو دیکھا اور ساتھ ہی اسکا جبڑا اس بری طرح جکڑا کہ وہ باقاعدہ پھڑ کنے لگا۔

"تمہیں پائزن بنا کر سزائے موت دلواوں گا اگر تم نے دوبارہ ایسی یا کوئی بھی غلطی کی، تم جانتے ہو ناں میرے خلاف جاوٴ گے تو میں موت نہیں دوں گا بلکہ ایسی زندگی دوں گا جو تمہارے جسم سے جان لمحہ بہ لمحہ نوچے گی۔ تمہاری ذمہ داری صرف دھندا ہے، کلب سے دور رہنا۔ معاف کر رہا ہوں تمہیں اور یہ معافی آخری ہو گی عائش ہمانی۔ ورنہ یہی جگہ قبر اور یہی بھائی پھانسی کا حکم سناتا جلاد ہو گا"

جبڑے سے وہ ہاتھ سرکاتا عائش کا کلا دباتا خونخوار ہوئے دھاڑا، جوں ہی عائش کی سانس رکنے لگی، وہ اسے بیزارگی سے جھٹک کر دور ہٹا۔

عائش بن پانی کی مچھلی سا پھڑکتا گہرے سانس لیتا ہوا کراہ اٹھا۔

"کھولو اسے"

کاشان کے حکم پر دو آدمی لپک کر عائش کی زنجیروں سے جکڑی بازو کھولنے لگے، مسلسل قید اور تشدد سے عائش کا پورا جسم زخمی اور چہرہ بھی کئی نئے اور پرانے زخموں کے نشانات سے بھر گیا تھا۔

"اسکو لے جاوٴ، دوا دارو کرو اور دو دن تک اسے کمرے سے ہلنے مت دینا۔ اور تم! امید کروں گا کہ اس سزا کے بعد تم یوں کسی شیطان کی باتوں میں نہیں آوٴ گے۔ ٹھیک ہوتے ہی کام پر لگو، میرے لوگ ہمہ وقت تم پر نظر رکھیں گے"

ہنوز سختی اور ناپسندیدگی سے وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ساتھ تنبیہی انداز میں عائش ہمانی کو بھی اپنے قہر سے خبردار کر گیا۔

وہ لوگ اسے لے کر نکلے تو کاشان نے بھی کندھے پر ڈالا ہنٹر زمین پر پھینکا۔

"پائزن کی دی سزا، موت سے بدتر ہوتی ہے۔ سنا تو ہوگا۔۔۔۔۔۔ سنا ہے یا نہیں"

سگریٹ مکمل ہونے سے پہلے ہی گرا کر اسے بوٹ سے مسلتا وہ سرور میں مبتلا مسکرایا، اسکی دھاڑ پر پیچھے کھڑا آدمی لرز کر جی خضوری میں سر گرا گیا۔

اسے خوشی ہوتی جب اسکے لوگ اسکے آگے سر جھکا کر اسکی فرعونیت کو تسلیم کیا کرتے۔

"ہمانی حویلی کا انگ انگ، پور پور سجوایا جائے۔۔۔۔ ایک اور سزا شاہانہ دینے کا وقت آچکا ہے"

اپنی گردن نخوت سے اٹھائے وہ کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے سلگتا ہوا مسکرایا تھا، اسکی سزا سے ہمانی حویلی کے در و دیوار لرزے تھے۔

کیونکہ قیامت آنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سو گیا ہے باتیں کرتا کرتا، عناب کے لیے فکرمند تھا۔ یقیناً اب ٹھیک ہو گی"

اپنی گود میں سر رکھ کر نیند میں ڈوبے یوآن کے بالوں کو سہلاتا وہ ائیر فون سے دوسری طرف اپنے بیڈ پر ابھی چینج کر کے آتے ہی لیٹ جاتے عون سے مخاطب تھا جسکی نظریں چھت پر لگے فانوس کے جھومر پر تھیں۔

"ہاں بہتر ہو گئی ہے، تم نے بتایا کہ تم واپس جا رہے ہو دو دن بعد۔ اتنی جلدی کیا ہے، پہلے ہی تم کافی ماہ بعد آئے ہو۔ تمہیں ان دونوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے فارس"

عون کا شکوہ کناں انداز اور فکر دوسری طرف زندگی سے کٹی، بیزار تھکی سی مسکراہٹ کی وجہ بنی۔

"سب جانتے بوجھتے تم دل جلایا مت کرو، یو آن کے لیے آیا ہوں اور اسکے لیے دو دن بہت ہوں گے۔ ویسے بھی پائزن کا دیا اہم کام پورا کرنا ہے مجھے۔ ممکن ہے اس بار مجھے وہ ثبوت مل جائیں جنکی نو سال سے تلاش ہے"

وہ گویا عون کا ہر اعتراض لمحے میں ختم کر چکا تھا، آج تک پائزن کسی کے سامنے نہیں آیا تھا، اسکے کئی چہرے تھے جو وہ ہر بار بدلتا تھا۔

یہاں تک کہ جس منصوعی نقابی چہرے کے ساتھ وہ نو سال پہلے مہکار کا خریدار بنا تھا وہ چہرہ بھی ایک ماسک تھا، ایک فریب تھا۔

پائزن بس اپنے لوگوں کو اپنی چند طاقتوں کے ذریعے کام سونپتا تھا، اسکے کچھ وفادار ہیکرز ہمہ وقت اسکے خلاف شہر اور یہاں تک ملکی طور پر بھی نگرانی پر رہتے۔

پولیس کے پاس تو اسکا کوئی کیس جاتا ہی نہ تھا، راستے میں ہی ہر معاملہ گویا جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔

اسکے خلاف ثبوت بنتے تو اسے خبر ہو جاتی اور یوں ثبوت کے ساتھ ساتھ پائزن کا مجرم بھی گمنام طریقے سے غائب ہو جاتا یا مارا جاتا۔

نو سال پہلے مہکار کے لیے ڈیل بھی پائزن کے لوگوں نے کی تھی، عون نے اپنے بابا کے حصے کی زمین اور سرمایہ بیچ کر کئی کڑور روپے دے کر مہکار کو پائزن کے چنگل سے رہائی دے کر فارس شاہ کو سونپا تھا جو اتفاق سے اس سے دو سال پہلے ہی مہکار سے حادثاتاً محبت کر بیٹھا تھا جو ایک لمبی توجہ طلب کہانی تھی۔

"بازنہ آنا تم، کتنی بار کہا ہے فون پر ایسی جوشیلی باتیں منہ سے مت نکالا کرو۔۔۔ خیر تم رابطے میں رہنا مجھ سے"

عون اسے جھڑکتا ہوا ساتھ ہی آخری بات زرا آہستگی سے کہتا دروازے کی اوٹ میں کھڑے سائے کو دیکھ کر کھے کال بند کرتا شرٹ ٹھیک کیے اٹھا ہی تھا کہ وہ جو نجانے کہاں کہاں سے گھوم کر فائنلی بارڈر پر پہنچ آئی تھی، گولی کے فائر سی اندر آئی اور یقیناً گر کر بارڈر پر جان سے فارغ ہو جاتی اگر وہ فولادی جوان اسکی نادانستہ ربڑ جیسی بازو پکڑ کر گرنے سے نہ بچاتا۔

کچھ لمحے تو منیہا کے چودہ طبق آسمان سے گرتے گرتے کجھور میں اٹک جانے پر روشن ہوئے مگر اپنی بازو میں گڑھتی عون کے ہاتھ کی گرفت پر زرا تکلیف کا احساس ہوا تو وہ سنبھل کر منہ بگھاڑے سیدھی سامنے کھڑی ہوئی جہاں عون صاحب کی ظالم نظریں جمی باقی کی جان لے چکی تھیں۔

"تمہیں کب چلنے کی تمیز آئے گی، قد ہی بڑھا ہے بس۔ عقل تو ٹھنوں کے آخری کنارے پر بھی نہیں ہے"

فوری اسکے سنبھلتے ہی بازو چھوڑے وہ دونوں ہاتھ جینز کی پاکٹوں میں پھنسائے تھانیدار بنا سنا رہا تھا اور منیہا ہونٹ کاٹنے میں لگی اب کوئی جواب تراش رہی تھی۔

"وہ آپکے کمرے کے باہر والے قالین سے پیر الجھ گیا تھا، مجھے بہت زیادہ تمیز ہے چلنے کی۔ وہ نیچے کھانے پر آجائیں یہی کہنے آئی تھی۔ پتا ہے مرنا تو میں نے اسی بارڈ۔۔۔ میرا مطلب کمرے میں ہے"

آنکھیں چرائے وہ ہر ممکنہ اعتماد بحال کرتی بول رہی تھی اور عون اپنی بھولی بھٹکی مسکراہٹ پر جبر کرتا منیہا کو بہت غور سے جانچ رہا تھا۔

وہ کومل، نازک سی مگر اپنی نازکی سے برعکس آفت کی پرکالہ اسکے دل کا واحد سکون تھی۔

"دن کو کیا ڈھونڈنے آئی تھی یہاں"

وہ جو اپنی پر اعتمادی کا ڈنکا بجائے بڑی بے فکر کھڑی تھی، اگلے سوال پر منیہا کو لگا بس وہ لمحہ آ گیا جب اس کی روح نکلنے لگی۔

آنکھیں چنی کیے وہ اسے پرے دھکیل کر مزید اندر آئی اور پورے کمرے کی بڑی بڑی چھتیں تفصیل سے جانچیں مگر وہاں کوئی کیمرہ نہ کیمرے کی ذات۔

عون اسکی اس حرکت اور جوان کو دیے دھکے پر مسکرا کر پلٹا جواب کیمرہ نہ ملنے پر مایوس سی چہرہ جھکائے پیشی کے لیے خاضر تھی۔

"کہاں چھپایا ہے آپ نے جاسوسی کیمرہ، بہت غلط بات ہے آپ اب مجھ پر نظر بھی رکھنے لگ گئے۔ میں معصوم تو اپنے پارٹنر کی جدائی میں ہلکان اسے ڈھونڈنے آنکلی تھی سچی، میرا اور کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پلیز پلیز مجھے اس پر ڈانٹنا مت، دوبارہ نہیں آوں گی سچی۔۔۔۔پکا پرامس"

اپنی اخیر کی اداکاری کے جوہر دیکھائے وہ آنکھیں پٹپٹاتی گویا آسکر کی حق دار تھی، عون کے یکدم اسکی کلائی پکڑ کر جھٹکے سے قریب کرنے پر منیہا کے باقی لفظ منہ میں رہ گئے، بس وہ پتھرائی ہوئی عون کے سنجیدہ اور اتنے قریب چہرے کو دیکھ کر کہیں اور ہی جا پہنچی۔

"بک بک کروالو تم سے، تمہارے اس گولے گنڈے والے ڈریس کی کوئی ہک پڑی تھی میرے بیڈ پر، اور تم ہی رہ گئی ہو جسکی عون بخاری جاسوسی کرے گا"

خالص لاپرواہی سے اس دلکش حسینہ کو سلگایا گیا، وہ قریب ہو کر بھی اپنی بے پناہ حد میں رہ کر بھی منیہا پر حاوی تھا۔

وہ سب سے پیار جتاتا تھا مگر منیہا کبھی کبھی سوچتی کہ وہ اسکی بیوی ہو کر بھی آج تک ایک نرم اور حق دار لمس نہیں پا سکی، ویسے تو کوئی بھی بات اسے زیادہ دیر الجھا نہ پاتی مگر عون بخاری کے معاملے میں اسکی گہری سوچیں فطری تھیں۔

بھلے وہ آفت تھی، لاپرواہ تھی، لاڈلی تھی، ٹنشن سے دور بستی حسینہ تھی، مگر عون بخاری جیسا آئیڈیل انسان بھی تو صرف اسکا تھا، یہ غرور منیہا کے دل میں کہیں بہت اندر نمودار ضرور تھا۔

"آپ نے اب میرے کپڑوں پر بھی اعتراض شروع کر دیا، کیس کر دوں گی اگر میرے فیشن سینس پر نظر ڈالی"

شکائیتی انداز لیے وہ اپنے ست رنگی چمکتے فراک اور ٹائٹ کے حق میں آواز بلند کرتے دھمکی بھی کیسے دے رہی تھی جو اس معاملے میں چمپئین تھا۔

"ایک بار تم رخصت ہو جاو، پورا تھان نہ اوڑھایا تو عون بخاری نام نہیں۔ اب نکلو شاباش۔ آتا ہوں"

بے نیازی سے کہہ کر وہ اک نظر منیہا پر ڈالتے مڑا اور اپنا فون اٹھایا، منیہا نے بال جھٹک کر اپنی گز بھر زبان نکال کر شکل بگاڑی اور باہر نکلی مگر بھلا ہو موئے قالین کا، اچھلتی گھوڑی کا پاوں اس بار واقعی پھنس چکا تھا اور باہر سے کچھ گرنے کی آواز پر عون تیزی سے باہر آیا تو دروازے میں فقیروں کی طرح بیٹھی پاوں کو دیکھ کر صدمے والا منہ بناتی منیہا تک پہنچا اور مسکراہٹ دباتا قریب ہی بیٹھا۔

"بچ تو نہیں گئی"

بہت نرمی سے وہ اسکا پاوں دیکھتا جان بوجھ کر اسے چڑا رہا تھا اور منیہا کا دل اس بار اس بندے کی ناک پھوڑنے کا کیا۔

"آپ کا کمرہ، آپکے اس بارڈر کے ارگرد کی دھماکہ خیز زمین اور آپ خود بھی سراسر میرے دشمن۔ ہائے بابا میرا پیر ٹوٹ گیا۔۔۔ ھا اب میں پیپر دینے کیسے جاوں گی۔ اس حالت میں تو مجھ سے جایا نہیں جائے گا، اللہ اللہ اگر میرا پیر ناکارہ ہو گیا تو یہ بندہ تو مجھ سے بھیک منگوا کر بدلے لے گا۔۔۔ اور ربا میرے مینو چک لو۔۔۔ اور لندن یا پیرس پھینک دیں کسی مسکین غریب ارب پتی کے پیلس میں"

منصوعی رونا روتی وہ اپنے پیر کے معمولی مڑنے پر ڈرامہ بازی کر رہی تھی اور اس اوور ایکٹنگ کی دکان کو عون اچھے سے جانتا تھا، کن اکھیوں سے وہ مسکراہٹ دبانے میں ناکام ہوتے عون کو دیکھ کر رونا بھول چکی تھی جو پیر کے محفوظ ہونے کی یقین دہانی کرتے ہی بے نیازی سے اٹھا اور اپنا ہاتھ اس سیاپہ کوئین کی سمت بڑھایا۔

"پیپر کے لیے تمہیں اٹھا کر لے جانا پڑا تو بھی منظور، اگر تمہاری نوٹنکی ہو گئی ہو تو اٹھ جاو"

اپنے ڈرامے کا فلاپ ہونا صبر سے دیکھے وہ چاروناچار اپنا ہاتھ اس اکڑو کو دیے اٹھتے ہوئے منہ سے سوزاویے بناتی واقعی اتنی پیاری لگی کہ عون کا دل دھڑک سا گیا، وہ ایسے ہی پیاری تھی۔

بچوں جیسی، لاپرواہ، مگر بہت خاص۔

اپنا ہاتھ عون کے ہاتھ میں دبتا محسوس ہوا تو سارے ڈرامے بھول کر وہ سیدھی تیر کی طرح کھڑی ہاتھ چھڑواتے ہی وہاں سے بھاگی اور اسکے بھاگنے پر عون اس بار قہقہہ روک نہ سکا۔

"پاگل"

زیرلب اس عقل والی توپ کو ایک اور نام سونپتا وہ خود بھی ڈنر کے لیے نیچے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات ہوتے ہی ابر آلود موسلا دھار بارش نے قبرستان کے احاطے کو دھندلا چھوڑا تھا، جنازہ صبح کے بجائے برستی بارش کے بیچ رات ہی کو طے پایا گیا تھا۔

"تم کو پھولوں کا کفن دیا ہمدم

تیرا جانا بہار کا پہلا دکھ تھا"

جس وقت نور گل کی لاش دفنائی گئی اس وقت خود ہی بارش تھم گئی، وہ دکھ اور درد جو وحید بخاری کے چہرے پر چھلکا اسے دور کسی کیمرے کی آنکھ نے دیکھ کر سرور سے ہنکارہ بھرا۔

"وہ چلا گیا لیکن بہت سے راستے چھوڑ گیا ہے، تلاش کے، ہماری سالہا سال جنگ کے اختتام کے۔ یہ قبرستان تم جیسا فرعون بھر بھی دے تب بھی ہم حق کے رستے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے پائزن۔ ایک دن آئے گا جب تم اپنے کیے کی سزا کاٹو گے"

اپنے چہرے پر اترتی مدھم بوندوں کو بے دردی سے ہتھیلی پھیر کر رگڑے وہ گھٹاؤں، بادلوں اور بجلیوں کے چمکاروں سے بھرے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائے عہد اور ہمت باندھ رہے تھے۔

"ان شاء اللہ"

سارا میل سٹاف اور یہاں تک کہ نور گل کا دس سالا بیٹا بھی اس وقت اپنی معصوم بصارت سے اپنے بابا کی قبر دیکھ اور ناسمجھ سماعت سے انکے قاتل پائزن کا نام سن کر اپنے ننھی تکلیف دبا گیا۔

وحید صاحب نے اسکے سر پر ہاتھ رکھے ساتھ لگالیا، وہ سہما ہوا نہیں تھا، وہ بس خاموش ہو گیا تھا۔

ویسے ہی جیسے پائزن کے ڈسے لوگوں کو سکتہ ہو جاتا، وہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

دل دہلاتی قیامت کا سائرن تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہال بخاری کے سپاٹ چہرے پر شکنیں اور غصہ تھا، ڈنر کے بعد سب ہی انکے کمرے میں جمع تھے جبکہ بچہ پارٹی کو ہمیشہ کی طرح اس اہم میٹنگ سے باہر نکال دیا گیا تھا۔

عون کے چہرے پر اس وقت غصے کے تاثرات تھے جسے فریال ہر ممکنہ اشارے سے خود کو قابو کا کہہ کر روکے ہوئے تھیں جبکہ وفا بخاری کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے صادر کیے گئے حکم پر موتیوں سی نمی چمکی۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ب۔۔ بھیو، آپ مم۔ میرے ساتھ ایسا بے رحم سلوک کیسے کر سکتے ہیں۔ بنا مجھ سے پوچھے، مجھے بتائے اس وحشی سے میرا نکاح طے کر آئے۔ یہ تھی آپکی محبت، یہ تھی آپکی قیمتی وفا جسے آپ بنا سوچے اس عجیب و غریب نمونے کو دے آئے"

بہت کوشش کی وہ اپنے آنسو روک سکے مگر آج وفا بخاری کے لیے بھی نہال کا عکس لمحوں میں پاش پاش ہو گیا، وہ بھیو جو قدم قدم پر اسے سنبھالتے، اسکی زرا سی آہ پر جان ہارنے لگتے، آج بے حس بنے آنکھوں میں قطعیت لیے اسکے رونے سسکنے پر چپ تھے۔

" بھیو کی جان، وہ نہ تو وحشی ہے نہ عجیب و غریب۔ آپ بھول رہیں ہیں کہ اس نے آپکے بھیو کو مرنے سے بچایا تھا، وہ ایکسیڈنٹ جو میری جان لے سکتا تھا، اس ہوسپٹلائیڈ انسان نے مجھے تمام تر تکلیف کے اپنا نایاب اے بی نیگیٹیو خون دے کر بچایا جب خود وہ اس کنڈیشن میں بھی نہ تھا۔ کیسے ہے وہ وحشی، وحشی اس جیسے ہوتے ہیں جو بنا کسی رشتے کے کسی کے لیے بھی اپنی جان داو پر لگا دیں۔ دوسری بات وہ ایک جانا مانا نام ہے اس ملک کا، راج کریں گی آپ"

وفا کے آنسو دیکھنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس تک پہنچے اور اپنی پرنسیز کو دونوں شانوں سے تھامے کھڑا کیا، وفا کے چہرے پر پھیلتے آنسو ہٹائے اسکی بہت سی شکائیت سناتی آنکھوں میں جھانکے۔

"مجھے نہیں پسند وہ، اسکی آنکھوں میں جلتی آگ کسی قیامت جیسی ہے بھیو"

وہ ہار سی گئی تھی، پلوں میں ٹوٹی اور بکھری سی۔

"پاگل مت بنیں وفا، کونسی آگ۔ کتنی محبت اور کتنے مان سے اس نے آپ کو مجھ سے مانگا۔ جیسے مانگا جاتا ہے۔ آپ جان ہیں اور کیسے اپنی جان کو کسی غلط انسان کے سپرد کر سکتا ہوں"

نہال بخاری کا شفیق لہجہ تک وفا کو کاٹ رہا تھا، عون اس سب سے مزید خود پر بندھ نہ باندھے اٹھا اور اچٹتی نگاہیں نہال پر مرکوز کیے قریب آیا۔

"لیکن اسکا بھائی عائش کس قدر گھٹیا ہے یہ آپ اچھے سے جانتے ہیں ناں، شادی ایک فرد سے نہیں بلکہ پورے خاندان سے جڑنے کا نام ہے۔ محض کاشان ہمانی کے نام اور اسکے چند احسانات اس بات کی ضمانت نہیں کہ وہ ایک شریف النفس آدمی ہے۔ آپ اس فیصلے میں جلد بازی مت کریں چاچو"

مناسب لہجہ اور الفاظ استعمال کیے عون نے آنے والے خطرے سے آگاہ کرنا چاہا مگر نہال کو اسکی دخل اندازی بھی اس وقت ناگوار لگی۔

جس طرح نہال نے اسے دیکھا یہ عون کو بہت کچھ باور کروانے کو کافی تھی۔

خود فریال بے بس سی ان سب کو دیکھ رہی تھیں مگر کہنے کو کچھ نہ تھا۔

سب جانتے تھے کہ نہال کا فیصلہ پتھر پر لکیر ہوتا ہے۔

"عون بخاری تم دلائیل دے کر جتنا مرضی اس معاملے کو غلط گردانو، یہ ایک بہترین فیصلہ ہے۔ رہی بات عائش کی تو دو سال پہلے ہی اس نجس واقعے کے بعد کاشان نے اسے خاندان بدر کر کے اپنے آپ سے الگ کر دیا تھا۔ اسکا کہنا تھا کہ گندا اگر اپنا خون بھی ہو تو اسے نوچ کر پھینکنا ہی بہتری ہے۔ اسکے اس اقدام نے میری نظر میں اسکی اہمیت مزید بڑھائی ہے"

نہال کا عون کی آنکھوں میں جھانک کر تفاخر سے جواب دینا اسے مزید پریشان کر چکا تھا کیونکہ جتنا وہ سوچ رہا تھا یہاں معاملہ اس سے زیادہ پیچیدہ تھا۔

"لیکن آپ وفا کی مرضی کے بنا اسکی شادی نہیں کر سکتے، یہ سراسر ناانصافی ہے"

عون کا اگلا اعتراض مانو نہال بخاری کو سلگا گیا۔

انھیں دو سال پہلے کی وہ رات یاد آئی جب وحید بخاری نے ان سے منیہا اور عون کی بات کی، منیہا کے لاکھ اعتراض اور رونے دھونے کے باوجود نہال بخاری نے اس وقت عون اور منیہا کا نکاح کروایا تھا تبھی انھیں اب عون کے سوال نے حیران کر دیا۔

"جب میں اپنی اولاد کی مرضی کے بنا اسے عمر میں اتنے بڑے آدمی کو سونپ سکتا ہوں تو وفا کو بھی ایک بہترین بندھن میں باندھنے کا پورا اختیار موجود ہے میرے پاس۔ میں نے منیہا کے لیے بھی اعتراض نہیں کیا تھا بچے کیونکہ تب بھی معاملہ محبت اور پسندیدگی کا تھا اور میں اب بھی اعتراض برداشت نہئں کروں گا کیونکہ کاشان بھی وفا کو پسند کرتا ہے"

بہت طریقے سے وہ عون کو اسی کے انداز میں لاجواب کر چکے تھے جو اس وقت بس وفا کے آنسو دیکھ کر جبڑے بھینچ گیا۔

یہ شخص کب کونسا تیر چھوڑ دیتا کچھ کہنا کھٹن تھا۔

وہ ماں کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں اس سے زیادہ بے بسی ثبت تھی۔

وفا بخاری نے اک آخری شکوہ کناں نظر نہال پر ڈالی جو پھر سے اسکے بہتے آنسو اپنی ہتھیلئ سے جذب کرتے مدھم سا مسکرائے۔

"تو کیا یہ آپکا آخری فیصلہ ہے؟"

وفا نے کانپتی آواز سے استفسار کیا، وہ جن دردناک نگاہوں سے بھیو کو دیکھ رہی تھی وہ کسی کا بھی دل کاٹ سکنے کے لیے کافی تھیں۔

"جی بھیو کی جان، آخری بھی اور اٹل بھی۔۔۔ صبح آپ فریال بھابھی کے ساتھ مارکیٹ چلی جایئے گا اور اپنے لیے رات کی شاپنگ کر لیجیئے گا۔ آپ سکھی رہیں گی جان، میں آپکو کاشان کے ساتھ بیاہ کر بری الزمہ نہیں ہو جاوں گا، بلکہ ہمیشہ آپ کے پاس اور آپکا بھیو ہی رہوں گا"

پیار اور رسان سے کہتے وہ اسے خود میں سمو گئے، اور عون اور فریال پر اک سرد مہر نظر ڈالی جنکے چہروں پر افسردگی درج تھی۔

اندر ہوتے اس خونخوار فیصلے سے بے خبر وہ کب سے باہر بارش رکتے ہی بیرونی راہداری پر بنی سیڑھیوں پر بیٹھا نہال بخاری کے تلخ لفظ سوچ کر پھیکا سا مسکرا رہا تھا۔

"پلنس۔۔۔ بھیو۔۔۔۔ پلنس (پرنس بھیو۔۔۔۔ پرنس"

اسکی ساری اداسیوں کے سناٹے اس پکار سے چہکتی ہوئی زندگی بنتے، وہ تو اسے سلا کر آیا تھا مگر آنکھ کھلتے ہی وہ ابدال کو نا پائے اٹھ کر اسے ڈھونڈتی باہر ہی نکل آئی، چھوٹی سی باربئ ڈال اپنے راجکمار بھیا کو دیکھتے ہی بتیسی نکالے اسکے کندھے سے آکر جھولنے لگی، ایک پل تو اسکے دونوں نرم بازو بچارے ابدال کا گلہ گھونٹ گئے پر وہیں سے اس بوجنی کو دبوچ کر رول کرتا وہ اسے گود میں لے کر کتنی ہی دیر تو اسکی نان سٹاپ ہنسی پر خود بھی مسکراتا رہا۔

"تمہاری یہ پلنس (پرنس) والی زبان کب ٹھیک ہو گی، تھتھا پٹا کہ"

نروٹھا ہوا وہ خود بھی اسکی پھولی گال سہلائے ساتھ ساتھ اتنی زور سے کھینچ گیا کہ عناب کا لہراتا ہاتھ سیدھا پلنس بھیو کے منہ پر لگا۔

ایک لمحے تو ابدال کو لگا آنکھوں کے آگے آسمان کے سارے تارے آ کر ناچے ہوں۔

"تھوری تھوری میکو مالنا نی۔۔۔(سوری سوری مجھے مارنا نہیں)"

فوری اپنا کارنامہ سرانجام دیے وہ ابدال کی غصے والی آنکھیں دیکھتے ہی اپنے دونوں ہاتھ گالوں سے جوڑے معصومیت سے منمنائی مگر ابدال نے اسے اتنی زور سے دبوچا کہ اگلے ہی لمحے محترمہ کی کھی کھی نے اس سڑے کریلے کا بھی موڈ بحال کیا۔

"اچھا نہیں مارتا، تم تو بھیو کی چڑیل ہو۔۔۔اچھا بتاو کیوں آئی تھی۔۔۔ تمہیں تو میں سوتا چھوڑ کر آیا تھا"

تھوڑا مسکرائے وہ فوری مدعے پر آیا، اندر چلتی میٹنگ سے اسے نکال دیا گیا تھا تبھی جناب یہاں اکیلے منہ لٹکا کر بیٹھے سڑا مسکرا رہے تھے۔

"میتو لالی پاپ تھانا ہے۔۔۔ بھیو اول لیت بھی (مجھے لالی پاپ کھانا ہے، بھیو اور لیز بھی)"

بمشکل اپنے منہ سے نایاب فرمائش نکالتی عناب آخر تک منہ بنا چکی تھی کیونکہ ابدال آگے سے آبرو آچکاتا گھوری سے نواز چکا تھا۔

"لالی پاپ کی دکان کھول رکھی کیا میں نے۔۔۔اور ریت کیوں کھانی تم نے، ہاتھ لگاو زرا تم ریت کو میں تمہارے منہ میں سرخ مرچوں کا ڈبا الٹ دینا۔۔۔ چالاک لومڑی۔۔۔۔"

عناب کی دو پونیوں کو فوری کھول کر اسکے سلکی بال نفاست سے سہلاتا وہ آخر تک گھورا مگر عناب صاحبہ کی گھوری چودہ سالا ابدال پر حاوی تھی۔

"اوو ولیت نی بھیو۔۔۔۔ لیییت (اور ریت نہیں بھیو۔ لیز ززز)"

لمبا سا کھینچ کر سمجھاتی وہ منہ بنا کر وہ اپنی اصل فرمائش پر پردہ ڈالے بولی اور ابدال اب جان بوجھ کر ہنسی دباتا لیز کو ریت بنا کر اسے تپانے والا تھا مگر پھر نہ کر سکا۔

"اس ٹائم تو سب شاپس بند ہیں میری جان، کل پکا"

گال سے گال مس کرتا وہ اسے لاڈ سے کہے قائل کر گیا تو وہ بھی جیسے بیبہ بچہ بنی اب پھدکنا ختم کیے اسکی گود میں آرام سے بیٹھی ساتھ جا لگی۔ دونوں اب پھر سے لان میں اترتی بارش دیکھ رہے تھے۔

اندر میٹنگ ختم ہوتے ہی وفا بنا کسی سے بات کرتی اس سے پہلے اپنے کمرے میں جاتی، عون نے اسکا ہاتھ پکڑے روکا مگر وہ اپنے آنسو دباتی بہت اذیت میں تھی جو عون کو بہت دکھی کر گیا۔

"میں ساتھ ہوں تمہارے وفا، لک ایٹ می۔۔۔ تم روتی ہوئی ہر گز قبول نہیں"

وہ بھلے عمر میں اس سے بڑا تھا مگر وفا سے اسکا رشتہ اس نوعیت کا تھا کہ ادب و احترام ایک جگہ مگر دوستی بھی گہری تھی۔

وہ دونوں بھی خونخوار جنگ کے دو سپاہی ہی تھے۔

"ن۔۔ نہیں عون، جنھیں روتی ہوئی سب سے زیادہ نا قبول تھی وہی مجھے تا عمر کی جلن کے حوالے کر رہے ہیں، تم نے دیکھا ناں احسانات کے بوجھ تلے بھیو کا دم گھٹ رہا ہے، وہ چاہتے ہیں میں اچھی زندگی گزاروں، سب نیچرل ہے، سب معمولی ہے۔ میں ہی حساس ہو رہی اور تکلیف دے رہی خود کو، یہ دنیا ہے عون، یہاں ہر رشتہ، ہر تعلق تاوان مانگتا ہے۔ سب ٹھیک ہے، لیکن تکلیف بس یہ ہے کہ شفیق اور بے غرض رشتوں میں سودا تو ناجائز ہوتا ہے، لین دین تو ممنوع ہوتی ہے۔۔۔ فکر مت کرو میری، اتنی کمزور نہیں ہوں"

وہ پلکیں جھپکائے صاف صاف یہ کرب کہتی عون کو تسلی دیے اسکے ہاتھ سے اپنی کلائی آزاد کرواتے چلی گئی اور وہ سامنے سے آتیں فریال کو دیکھتا خود بھی جیسے ماتھا مسلتا صوفے پر بیٹھا۔

نظر سامنے ہی کشن سینے پر بازووں میں دبوچ کر ٹی وی دیکھتے دیکھتے وہیں سو جاتی منیہا پر گئی تو مزید افسردہ ہوا۔

"یہ سب غلط ہے ماں، وفا کے ساتھ ناانصافی ہے۔ وہ ٹھیک نہیں ہے"

وہ دیکھ تو منیہا کو رہا تھا مگر مخاطب فریال سے تھا جو خود بھی نہال کے اس فیصلے سے پریشان تھیں۔

"عون، میری جان فی الحال جا کر ریسٹ کرو۔ بابا کو آنے دو پھر یہ معاملہ وہ خود نہال سے ڈسکس کر لیں گے۔ اور اس جھلی کو دیکھو، جہاں بیٹھتی ہے وہیں لام لیٹ ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔منیہا۔۔۔۔"

فریال اسکے بال نرمی سے سہلاتیں خود بھی منیہا میڈم کے سو جانے پر اس سے پہلے اسکی جانب بڑھ کر اسے جگاتیں، عون اٹھا اور انکا ہاتھ پکڑے روکا۔

فریال کے چہرے پر پیاری سی مسکراہٹ اتری۔

"جانتی تو ہیں مردوں سے شرط لگا کر سوتی ہے، رہنے دیں میں چھوڑ آتا ہوں اسے روم میں۔ آپ بھی جائیں ریسٹ کریں"

رسان سے وہ انھیں کہہ کر شب بخیر کہتا فریال کے جاتے ہی اس خواب کے مزے لوٹتی معصوم پری کی اور جھکا اور اگلے لمحے وہ عون کی بازوؤں میں تھی۔

جھٹکے سے کسمسا کر اپنی بازو بے دھیانی میں عون کی گردن میں باندھے وہ اس پریشان و افسردہ شخص کو مسکرانے پر اکسا گئی، اتنے قریب سے تو وہ اسے دیکھنے کے موقعے ڈھونڈتا تھا جب اس لڑکی کو خبر بھی نہ ہو اور وہ اسے گہرائی سے دیکھ اور محسوس کر لے۔

کمرے تک پہنچے وہ آہستگی سے دروازہ کھولے اندر داخل ہوا اور ٹانگ سے واپس بند کیے احتیاط اور نرمی سے منیہا کو بیڈ پر لٹایا اور اسکی ٹانگیں سیدھی کیے باریک بلینکٹ اس پر اوڑھائے روم میں چلتا اے سی بلکل ہلکا کیا جو کمرے میں اخیر کولنگ کا باعث بن چکا تھا، بارش کے باعث ویسے بھی موسم اچھا ہو چکا تھا۔

اسے اک نظر دیکھ لینے پر کہاں دل بھرا تھا، وہ اسکے پاس ہی بیٹھا، اس لڑکی پر نگاہیں جاتے ہی خود بخود مہکنے لگتیں، دل میں بڑھتی بے قراری اور اضطراب کو دوا ملنے لگتی۔

وہ جانتا تھا وہ منیہا کی زندگی میں ضد سے آیا تھا، اسے منیہا ہر قیمت پر درکار تھی اور اسکی دیوانگی کی شدت کے بڑے سب گواہ تھے، وہ خود بھی تھا۔

لیکن یہ لڑکی نہ تھی، وہ تو بے خبر، بے نیاز، لاپرواہ اور پاگل تھی، بس جینے اور جینے کی وجہ جیسی۔

اپنے ہاتھ کو دھیرے سے حرکت دیے آگے بڑھا کر عون نے اسکی بے ڈھنگی سی پلکیں چھوئیں، دل میں اک دبی دھڑکن بحال ہوئے دھڑکی۔

وہ اسے احساس نہیں ہونے دیتا تھا کہ وہ اسکے کتنے قریب چلا آتا ہے، کتنی دیر تک رہتا ہے، وہ اسے خود سے محبت کرنے پر کسی بھی لمحے مائل کر سکنے کی اہلیت بھی رکھتا تھا، وہ اس لڑکی کے ہوش اڑانے کے سارے حربے بھی جانتا تھا مگر وہ بے وقت کوئی خوشی نہ چاہتا تھا۔

محبت اسکی منت کے دھاگے جیسی تھی، جب تک بندھی تھی بہت سے عقیدے اس کے سنگ جڑے تھے، اور منت کے دھاگے تو صرف مراد بھر آنے پر ہی کھولے جاتے تھے۔

گہری نیند کا خمار اس آپسراہ پر حاوی تھا، عون کے دل نے آج پھر سے اسے محسوس کرنے کی چاہت دھڑکن کے سپرد ارسال کی تھی، وہ بلکل ویسی نرمی تھی ان آنکھوں کی جیسے کسی بھی پل ابر آلود سے بادل دھوپ پھیلاتے سورج کے سامنے آجائیں۔

وہ جھک کر منیہا کی جبین پر لبوں کی مہر لگاتا اپنے تھوڑے سے حق کو رکھتا واپس اٹھا، اس لڑکی کے ایک ایک نقش، اک اک خدوخال کو انگلیوں کی پوروں سے چھوا تو جیسے جسم و جان میں اک تسکین سرائیت کر گئی۔

وہ تو جان ہی نہ سکتی تھی کہ اسکا دیوانہ اسکی بے خبری میں ہی اظہار سونپ جاتا ہے، اسے اپنا بھرم بھی تو قائم رکھنا تھا۔

اسے منیہا عون بخاری کو فی الحال خود سے بچانا بھی تو تھا۔

"اس نے بد دعا دی تھی کہ تم مجھے تڑپاؤ گی منیہا، اور یہ جانتے بوجھتے کہ بد دعا کا مستحق نہیں ہوں پھر بھی تم سے اظہار کرنے سے خوفزدہ ہوں۔ مجھ سے میرا سب چھین کر لے بھی گئی بد دعا تب بھی تمہیں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم سے دستبردار ہونا عون بخاری کی موت ہے"

گال پر انگلیوں کے لمس بکھیرتا وہ اپنا ہاتھ منیہا کے دل پر رکھے اسکی مدھم دھڑکن ہتھیلی میں قید کرتا اک ان کہے ملال میں تھا، وہ جیسے اب اپنے گرد بکھری خوشبو سے متاثر ہوتی مضطرب تھی، اس سے پہلے وہ اٹھتی، عون خود بھی اسکے پہلو سے اٹھا اور دو قدم دو کھڑا منیہا کو دیکھنے لگا۔

وہ پگلی زرا سی کروٹ بدلے پھر سے سو چکی تھی اور وہ دل جلی سی مسکراہٹ لیے اک نشنہ سی نگاہ اس مدہوش کر دیتے سراپے پر ڈالتا اپنے جذبات دبائے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

ساری رات وفا نے خود کو کمرے میں بند رکھا، پوری رات ہی وقفے وقفے سے بارش کا سلسلہ جاری وساری رہا۔

چونکہ فیصلہ ہو چکا تھا تبھی بخاری ولا پر اترتی اگلی صبح غیر معمولی طور پر روشن تھی، ولا کی دھیمی سی سجاوٹ عمل میں لائی جارہی تھی، وہ جو رات بنا اس فیصلے کی آگاہی کے ہی سو چکا تھا، ناشتے پر چھائی افسردگی اور خاموشی کو محسوس کر چکا تھا۔

عناب کو آج سکول سے چھٹی کروائے وہ اسے بلکل نہ جگائے خود فریش سا ڈائنگ تک پہنچا تو فریال نے لاڈ سے اسکے بال سہلائے جیسے اپنی افسردگی دبائی۔

"اٹھ گئے ہو تم، ناشتے میں کیا لو گے ؟"

فریال کے پوچھنے پر وہ بنا جواب دیے کچن کی سمت گیا مگر وہاں بھی صرف ملازمہ تھی۔

"وفا کیوں نہیں جاگیں، میں انکے ساتھ ناشتہ کروں گا وہیں انکے روم میں"

سوال کرتا وہ فریال کے لا عملی سے سر ہلانے پر ناشتے کا کہتا خود سیدھا کمرے کی جانب بڑھا۔

وہ جو اٹھ تو گئی تھی مگر بے دلی سے ہلکا پھلکا تیار ہوئے جانے کے لیے ریڈی تھی جب دروازے کی دستک پر وفا مڑی۔

"آجاوں وفا"

اجازت طلب کرتا وہ وفا کی پھیکی سی مسکراہٹ ملتے ہی اندر آیا مگر بنا کسی گہری سوچ بچار کے بھی وفا کے چہرے پر چھائی تاریکی بھانپ گیا۔

"سب ٹھیک ہے ناں، رات کو کیا میٹنگ ہوئی بتائیں مجھے۔ میں رات ہی پوچھتا مگر عناب کے ساتھ باتیں کرتے کرتے سو گیا۔ آپ پریشان لگ رہی ہیں، کچھ کہا تو نہیں نہال بخاری نے"

فکر سے چور وہ عین وفا کے قریب آ کر رکتا استفسار کر رہا تھا اور وہ خاموش سی بس اسکی گال سہلاتی چلتی ہوئی بیڈ پر جا بیٹھی نگاہیں چرائے گلاس وال کے پار صبح کا چمکتا سویرا دیکھنے لگی۔

"وہ تمہارے بابا ہیں جان، نام سے مت پکارا کرو"

وفا کا جملہ زندگی سے کٹے انداز کی ترجمانی کیے ابدال کو مزید فکر سونپ چکا تھا۔

وہ بھی ساتھ بیٹھے جیسے وفا کا پھیرا چہرہ اور اسکی وجہ کے لیے بیقرار تھا۔

"وفا آپ مجھے تنگ مت کریں، بتائیں یار کیا ہوا ہے؟"

اس بار وہ اسکا چہرہ اپنی سمت موڑے خفا لگا۔

"کچھ نہیں ہوا، بس انکا حکم وفا بخاری کے حلق میں اٹک گیا ہے۔ تم اس معاملے سے دور رہنا، میں نہیں چاہتی مزید تمہارے دل میں بھیو کے لیے سرد مہری جگہ بنائے۔ بس اتنا جان لو کہ یہ وفا کی آزمائش ہے، اور تم وعدہ کرو کہ کچھ الٹا سیدھا کر کے اس آزمائش کو میرے لیے جان لیوا نہیں بناو گے"

اپنی جان سے پیاری وفا کا تمہید باندھ کر لفظوں سے ڈرانا ہی تو ابدال کے لیے جان لیوا تھا، وہ ہراساں ہوئے وفا کے رخ موڑ کر وعدہ مانگنے پر اسکی آنکھوں میں پھیلی سوگواری پر رنجیدہ تھا۔

"آپ سیدھی طرح بتائیں وفا بخاری"

اپنا ہاتھ جھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، انداز تلخ تھا۔

"نکاح طے کیا ہے بھیو نے میرا آج رات، کاشان ہمانی سے"

وفا اسکے سخت غصیلے تاثرات تکتی سچ تو بتا گئی مگر ابدال کے چہرے کی ابھرتی رگیں اور چھلکتے خون سے سرخ پڑتی رنگت اسکے اندر کے کہرام کی خبر وفا کو دے چکے تھے۔

"یعنی مجھ سے وفا بھی چھین رہے ہیں وہ، آپ اپنے پرنس کی ہونے والی ہیں۔۔۔ ل۔۔ لیکن آپکا پرنس تو وھاج سکندر ہے، تو یہ آدمی کیوں وفا۔ وہی ناں جو ریسلنگ چمپیئن ہے، وہ کیوں وفا۔ آپ تو پانی ہیں، اور وہ آگ۔۔۔۔ یہ ٹھیک ن۔۔ نہیں ہے۔ میں نہیں کرتا آپ سے کوئی وعدہ، میں بابا کو روکوں گا۔ وہ سب پر حاکم نہیں ہیں، وہ میری وفا پر حاکم نہیں ہیں"

بپھری موج بناوہ بے یقینی سے اپنی آواز بھاری کیے کہتا اس سے پہلے جاتا، وفا نے اسکی بازو پکڑے روکا۔

اسکی آنکھوں میں اتری نفرت سے وفا کا دل دہل گیا۔

"میری جان تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، تم بہت چھوٹے ہو اور ان معاملات میں بولنے کا حق نہیں رکھتے۔ میں وحید لالہ سے بات کر کے ایک آخری کوشش ضرور کروں گا۔ رہی بات تمہارے وھاج سکندر کی تو تم اچھے سے جانتے ہو چاہ کر بھی اسکی سمت وفا کیوں قدم نہیں بڑھا سکتی۔ مجھے یقین ہے تم میری مشکل نہیں بڑھاو گے، مجھے افسوس بس اتنا ہے کہ تمہارا یہ ویک اینڈ برباد ہو گیا"

ان کہے ملال میں لپٹی وہ التجاء نہیں بلکے حکم سنا رہی تھی اور ابدال کے لیے وفا کا حکم ٹالنا گناہ تھا۔

وہ سرخ آنکھیں لیے وفا پر اک زخمی نظر ڈالے اپنی بازو بے دردی سے جھٹک کر نا صرف کمرے سے نکلا بلکے دروازہ جس طرح پٹخ کر گیا یہ اسکے غصے کو ظاہر کر چکا تھا۔

دوسری طرف سٹڈی روم میں اس وقت وحید صاحب کے آنے پر میدان جنگ سجا تھا۔

خود عون آج آف لیے اس معاملے کے لیے کچھ کرنے بابا کے ساتھ ہی تھا، نہال پر سکون انداز میں بیٹھے وحید صاحب کے عتاب پر ناگواری سے اٹھے جو اس وقت نہال کی جان لینے کی حد تک غضبناک تھے۔

"سمجھ کیا رکھا ہے تم نے کہ تمہارے تھوپے گئے فیصلے ہم چپ چاپ مان لیں گے، وفا جب راضی نہیں ہے تو تم کیوں ڈھیٹ بنے اڑے ہو۔ یہ کیسی گستاخ ہٹ دھرمی ہے نہال، جواب دو مجھے۔ ویسے تو وہ تمہاری جان ہے، اسے ایک عجیب و غریب انسان کے حوالے کرنے کی سوچ تک کیسے آئی تمہارے اس سر پھرے مغز میں"

ساری نرمی بھاڑ میں جھونکے وہ جس طرح اپنی تکلیف اور عتاب اس وقت نہال پر اتار گئے، ہر کسی کو جیسے سانپ سونگھ چکا تھا۔

فریال اور عون بھی حیرت میں گم وحید صاحب کا برسنا دیکھ کر ٹھٹکے جبکہ کمرے سے باہر گزرتے ابدال نے اک ناگوار نظر نہال پر ڈالی اور اپنی پاکٹ سے اپنا فون نکالے کسی کا نمبر ڈائل کرتا وہ وہاں سے باہر نکل گیا۔

"فیصلہ کر چکا ہوں میں، اور آپ کیوں بھڑک رہے ہیں۔ نجانے آپ سبکو کیا عجیب دیکھائی دے رہا ہے اس میں، اسکی اچھائیاں کیوں نظر نہیں آرہیں"

بنا جھکے اور دبے وہ بھی مشتعل ہوئے اپنے فیصلے کو ضد بنا چکے تھے، وحید صاحب کا تو میٹر پہلے ہی شارٹ تھا اور اب انکا دل یہی چاہ رہا تھا کہ آج اس الٹی کھوپڑی والے کا دو لگا کر دماغ درست کریں۔

"تمہارا دماغ الٹ چکا ہے، تم وفا کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے نہال ورنہ بھول جاوں گا کہ چھوٹے اور لاڈلے بھائی ہو۔ آج تک تمہارے ہر فیصلے کو مانتا آیا ہوں، اپنی سگی اولاد کے ساتھ جو سلوک تم نے کیا اسکے بعد بھی تمہیں لاڈلہ رکھا، لیکن اب تم اپنی حد عبور کر رہے ہو نفسیاتی انسان۔ وفا کو صرف اسی انسان کو سونپوں گا جسے وفا چنے گی۔ اور اگر تم نے اس بار ٹانگ اڑائی تو جان لے لوں گا تمہاری"

اپنا عتاب دبانے کے چکر میں وہ لہو چھلکاتے چہرے کے سنگ دھاڑے تھے، کمرے کے باہر کھڑی وفا آنسو روکے دیوار کی اوٹ میں چھپی پہلی بار دونوں بھائیوں کو اس طرح بات کرتا دیکھ کر خوفزدہ ہوئی۔

"آپ مجھ پر حکم نہیں چلا سکتے بھائی"

نہال کی آواز گویا بے ادبی کیے بلند اور تلخ ہوئی اور اس سے پہلے وحید صاحب کا ہاتھ اٹھتا، وفا کی پکار نے انکے اس بے ضبط عتاب کو دبا لیا۔

جبڑے بھینچتے وہ نہال کے خونخوار چہرے کو تکتے ہی خود سے آکر لپٹتی وفا کو پلوں میں خود میں سمیٹ گئے۔

"م۔۔مت لڑیں آپ دونوں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مت لڑیں خدا کے لیے"

چہرہ وحید صاحب کے سینے میں چھپائے وہ لڑنے سے پہلے ہی ہتھیار ڈال گئی، اور اسکے اس اعتراف نے جہاں وحید صاحب، عون اور فریال کے حوصلے توڑے وہیں نہال بخاری کی آنکھوں میں اپنی جیت کی تسکین لہرائی۔

"تمہیں اس خود غرض کے لیے سولی لٹکنے کی ضرورت نہیں، اسکی آنکھوں پر تو پٹی بندھی ہے۔ اسے تسکین ملتی ہے اپنے سے جڑے لوگوں کی خوشی سلب کر کے۔ میں چپ ہوں نہال بخاری اس لیے یہ مت سمجھنا کہ زبان نہیں رکھتا، تمہاری حکمرانی سب کو تباہ کر دے گی۔ تمہاری خار دار ذات، تمہاری سنگدلی بہت سوں کو زخمی کر چکی ہے، کم از کم اس فہرست میں بابا کی اس امانت کو شامل مت کرو"

نجانے کیا ہوا کے وہ بولتے بولتے آواز کو کپکپانے سے روک نہ سکے، نا جانے کیا تھی وہ مجبوری جسکے باعث نہال بخاری اس طرح کا حاکم بن گیا تھا، کیوں وہ بڑے ہو کر بھی مجبور تھے۔

وہ بے حس تو گردن اکڑائے کھڑا اپنے فیصلے کی پختگی پر جما تھا، اپنی زبان پر اکڑا تھا۔

"نکاح آج ہی ہو گا، دیکھتا ہوں کون آتا ہے اس کے بیچ۔ اور اگر کسی نے بھی اس بیچ آنے کی کوشش کی تو سخت سزا پائے گا۔ اور وفا جانتی ہیں کہ اسکے نہال بھیو اسکے لیے کبھی غلط نہیں سوچیں گے۔ مجھے مایوس مت کیجئے گا وفا"

بے نیازی سے وہ سب کھڑے نفوس پر قیامت ڈھاتے وہاں سے جا چکے تھے اور وحید صاحب نے اپنا عتاب مٹھی بھینچ کر قابو کیا۔

وفا کو آہستگی سے خود سے الگ کیے اسکی جبین چومی جو رونا روکے بس انھیں آس سے دیکھ رہی تھی۔

"عون۔۔۔ کیسا آدمی ہے یہ کاشان ہمانی؟"

وحید صاحب دیکھ تو وفا کو رہے تھے مگر پوچھ وہ عون سے رہے تھے۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے بابا، میرے لیے تو مشکوک ہے۔ آپ جانتے ہیں نیک نامی اور بدنامی دونوں ہی کامیاب انسان کے ساتھ چلتی ہے مگر مجھے اصل اعتراض یہ ہے کہ وفا یہ نکاح کرنا نہیں چاہتی"

عون کا جواب اسکے پروفیشن کے مطابق تھا اور وحید صاحب جیسے اونہوں کیے کسی گہری سوچ میں تھے۔

"میرا بچہ کسی اور کو پسند کرتا ہے کیا؟"

عون کی بات کے بعد کچھ دیر خاموشی اختیار کیے وہ اس بار وفا کی بے آس آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہے تھے، وفا نے دم سادھے فوری نفی میں سر ہلایا۔

"ہمم۔۔۔ تم جانتی ہو نہال کی ہٹ دھرمی کو۔ وہ پھر سے خود کو تکلیف دے کر بات منوانے کے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرے گا، اسکی میڈیکل رپورٹ دیکھائی تھی کہ وہ کس قدر نفسیاتی ڈس آرڈر کا شکار ہے، تبھی تو بچپن سے نہ اسے بابا سائیں نے کبھی غلط سے روکا نہ یہ ہمت مجھ میں آسکی۔ تم تنہا نہیں ہو میرے بچے، ہم سب تمہارے ہیں۔ اگر تو کوئی گنجائش بنتی ہے اس نکاح کی تو بتاو ورنہ اس بار مجھے نہال کی جان کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میرا بچہ بس خود کو اداس نہ کرے"

نرم، پیارے اور شفیق انداز میں وہ وفا کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے اس سے یہ سب بہت بے بسی سے کہہ رہے تھے اور وہ کیسے اپنی وجہ سے اپنے بھیو پر آنچ آنے دیتی۔

نہال کے ایسے بے حس ہونے کے باوجود وہ وحید سے زیادہ نہال سے پیار کرتی تھی، اور اپنے دونوں بھائیوں کے لیے وہ جان تک دے سکتی تھی۔

"میں نہیں چاہتی انکو آنچ بھی آئے، میں کرلوں گی نکاح آپ پریشان مت ہوں"

وفا کی سعادت مندی ناچاہتے ہوئے بھی وحید صاحب کو دلبر داشتہ کر گئی۔

عون اور فریال بھی ملال میں تھے۔

"اللہ تمہیں آباد رکھے میرا بچہ، لیکن خود کو تنہا مت سمجھنا۔۔۔۔ جاو فریال اسے لے جاو اور نکاح کے لیے میرے بچے کو اچھی سی شاپنگ کرواو۔ جاو میری جان بھابھی کے ساتھ"

بال سہلائے وہ اسکا سر چومے دعا دیے اسے فریال کے ساتھ بھیجواتے ہی خود بے بسی اور تکلیف سے اپنا سر پکڑے صوفے پر لڑھکے۔

عون بھی بابا کے پاس ہی بیٹھا انکا ہاتھ تھام گیا۔

"اگر نہال کا یہ فیصلہ بھی غلط ثابت ہوا تو میں اپنے ہاتھوں سے اسکی جان لوں گا عون، اور تم گواہ ہو اس عہد کے"

انکی مضبوط آواز میں اتری کرچیاں عون کا دل بھی چیر سا گئیں، وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے، تھکن اور ملال نے عون کے چہرے کا بھی مانو احاطہ کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ابھی تو صرف نکاح ہو گا، ابھی سے تم نے حویلی سجوادی لاڈلے"

گھیرے دار لانگ ڈریس میں لپٹیں خوبصورت سی، پیارے نین نقش رکھنے والے چشمش زویا ہمانی حویلی کے انگ انگ سے چھلکتی روشنی پر متعجب ہوئے اندر آئیں جہاں وہ فل بلیک میں تروتازہ سا فریش ہوئے انکے آتے ہی چہرے پر مسکراہٹ سجائے قریب آیا۔

"معاملہ ہی ایسا ہے میری جان، آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپکے بدلے کے ساتھ ساتھ اس کھیل میں اب میرا مفاد اور لگن بھی جڑھ گئی ہے، وہ سرپھرا نہال جس نے ہادیہ کی وجہ سے آپ جیسی حسینہ کو ٹھکرا دیا تھا اب اپنے سینے کے سلگنے سے گزرے گا۔ ویسے آپ نے ساری عمر شادی نہ کر کے غلط کیا یار، اس سے بڑی غلطی میدان صاف ہونے کے باوجود اس نفسیاتی دیوانے کو قابو نہ کیا۔۔۔ بائے داوے آپ اصل مقصد کیا چاہتی ہیں؟"

دونوں بازو اپنی اکلوتی اور لاڈلی پھپھیا کے کندھے پر ٹکائے وہ اتنے لمبے بیان کے بعد آخر تک آنکھ ونگ کیے شریر ہوا۔

"اصل مقصد؟"

وہ جیسے کہہ کر متبسم ہوئے خاموش ہوئی۔

"اصل مقصد تو تمہارے دماغ سے مہکار نامی خناس نکالنا ہے لاڈلے، اس بدلے کے تحت ہی سہی تم وفا کے قریب جا کر اس مہکار نامی منحوسیت کے سوا کچھ اور سوچو گے تو سہی۔ رہی بات نہال کی تو اسکی تکالیف، اسکی اذیتیں میں ہمیشہ سے دیکھتی آئی ہوں اور خود کو تسکین بھی دی۔ لیکن اس بار مجھے تمہاری فکر زیادہ ہے"

اپنی نرم ہتھیلی وہ کاشان کے چہرے سے لگاتی اپنے مزاج کی نرمی سے کاشان ہمانی کو خفا کر چکی تھی۔

"ہاں اس لڑکی کو سر پر بٹھالوں جس نے بھرے مجمعے میں زلیل کیا مجھے، بارہا ٹھکرایا، سوچیے گا بھی مت، اس لڑکی کی اکڑ بلکل نہال جیسی ہے، اور وہی توڑنی ہے مجھے۔ رہی بات مہکار کی تو کاشان ہمانی نے صرف ایک عورت سے محبت کی تھی اور میرے دل میں وہی رہے گی۔ جلد اسے اس حویلی میں واپس لے آوں گا، فارس کی زندگی کا سفر یہیں تک تھا"

ناگواری سے وہ زویا ہمانی کے سارے اعتراضات اور مشورے رد کرتا اپنے لہجے میں پنپتی نفرت واضح کر گیا اور یہ زویا کے لیے پریشان کن تھا۔

" تمہیں وفا کے پیچھے لگانے کا یہ مقصد نہ تھا کاشان لیکن، خیر کیا کہہ سکتی ہوں اپنے پاگل بھتیجے کو، دعا ہے تمہیں وفا سے محبت ہو جائے اور تم اسے اجاڑنے کے بجائے بسانے کا سوچ لو، مجھے اتنے سالوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر نہال کو مرچیں لگیں گیں سوچ لو، یہ نہ ہو وہ سر پھرا عین موقعے پر بدک جائے"

وہ اپنی بات مکمل کرتی ایک بار پھر لہرا کر آنکھ ونگ کرتی کاشان کو چڑا رہی تھی اور وہ منہ بسور کر ایک ہی جھٹکے سے اسکا چشمہ پکڑے اتار کر بیڈ کی اور پھینک چکا تھا۔

"لینز لگائیں اور اچھا سا میک اوور کریں۔ پیاری سی میری دلائی ساڑھیوں میں سے سب سے پر کشش والی زیب تن کریں، اس بڈھے کے اگلے پچھلوں کو بھی خبر نہ ہو گی کہ یونی کی چشماٹو، پڑھاکو اور روتو سی زویا ہے یہ۔ اب مزید میرا پارہ مت چڑھائیں اور میرے آنے تک براہ مہربانی ریڈی رہیے گا"

فوری بڑا بن جاتا وہ فرمائشی لسٹ کھولتا جاتے جاتے زویا کا سر چومنا نہ بھولا، اور وہ اسکے جاتے ہی کاشان کے بیڈ پر اچھالے چشمے تک پہنچی اور واپس اپنی آنکھوں پے چڑھائے سلگتے تبسم سے مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

دوسری طرف پورا دن ہی یو آن صاحب کی گویا عید تھی، سارا دن وہ فارس کے ساتھ مستیاں کرتا رہا تھا، دونوں نے بہت وقت بعد سوئمنگ کی، پھر صبح بریک فاسٹ بھی باہر کیا، لنچ سے پہلے وہ اسے پلے ایریا لے گیا، وہاں سے وہ گروانڈ گئے، فٹ بال کی ایک دو گیمز لگائے وہ لنچ بھی بابا کے ساتھ اپنے من پسند فوڈ پوائینٹ پر کیے واپس آیا۔

ناجانے کیوں مگر فارس شاہ کو محسوس ہو رہا تھا یہ آخری خوشیاں ہیں جو وہ جی رہا ہے اور یو آن کو ایسا لگ رہا تھا یہ آخری مسکراہٹوں کے پل ہیں جو وہ گزار رہا ہے۔

بالکونی میں سپاٹ چہرے کے سنگ کھڑی مہکار لان میں پزل بناتے فارس اور یو آن کو دیکھ کر سرد سانس کھینچ گئی، دور پار اترتے سیاہ بادلوں کو دیکھا جو مہکار کی طرح ہی سیاہ تھے۔

صورتاً نہیں سیرتاً

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موسم بہار کی ٹھنڈی فرحت بخشتی دھوپ ڈھلنے تک آ پہنچی تھی، دن بھر بادلوں کی اوٹ میں چھپا سورج شام ہوتے ہی زردی دیکھاتے ہوئے افق کے پار غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

وہ صبح سے گھر سے نکلا تھا، فٹ بال گراونڈ کے بیرونی احاطے میں کھڑا دیوار سے ٹیک لگائے ڈھلتے سورج کے زوال کو دیکھنے میں گم تھا۔

ویسا ہی زوال جو اسے پیدا ہوتے ہی کسی اور نے نہیں بلکے بابا نے بخشا تھا، ہر چیز تو وہ چھین چکے تھے، تو پھر وفا جیسی انمول پیاری ہستی پر وہ شخص کیسے ظلم ڈھا رہا تھا۔

اسے وھاج سکندر کے جذبات کا بخوبی علم تھا، ابھی سے نہیں بلکے پچھلے دو سال سے۔

اور دو سالوں سے وہ وفا کا پرنس وھاج سکندر کو مانتا آیا تھا، اس نے وھاج کو کئی بار اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ابدال کو بہلاتے دیکھا اور اسکی غلط فہمی آہستہ آہستہ دور ہو گئی۔

صبح سے اب تک وفا اسے کئی بار کال کیے بہلا چکی تھی، وہ جانتی تھی ابدال کے غصے کو تبھی خوفزدہ تھی۔

سماعت میں دل چیڑتی سرگوشیاں اسے بے چین کر رہی تھیں، جس پر وہ کاٹ دیتی چپ اوڑھے وفا کو ہلکان کر رہا تھا۔

وہ فریال کے ساتھ شاپنگ کرتے بھی مسلسل ابدال سے رابطے کی کوشش میں تھی مگر وہ پتھر بنا کال اٹھا کر اسکی وضاحتیں سنے کال کاٹ رہا تھا۔

"یہ بھیو کا فیصلہ ہے اور انکا فیصلہ میری سر آنکھوں پر ہے۔ میں کونسا دور ہو رہی تم سے، تم وفا کی جان ہو اور میری آخری سانس تک میرے لیے اہم رہو گے۔۔۔ جہاں بھی ہو واپس آجاو۔ کچھ مت کرنا"

ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وفا اسکے سامنے صفائیاں پیش کرتی کرتی نڈھال ہو رہی تھی اور وہ کئی گھنٹوں سے اسکو چپ کی مار مارتا وفا کی مجبور رضامندی اور وھاج سکندر کے سکھوں کے یونہی اجڑ جانے کا ماتم منا رہا تھا۔

"تم لڑ لو میری جان، لیکن چپ مت رہو۔ میرا دل ڈوب رہا ہے تمہاری چپ سے"

اک گھٹی سی کچھ دیر قبل کی کپکپاتی گزارش پھر سے ابدال کی سماعت میں اتری جس پر اس کے چہرے کی ابھرتی رگوں اور تکلیف نے دل کے احساس اکھرنے کی ترجمانی کی تھی۔

ہلکی بھوری آنکھوں والا وہ باریک نقوش، اور اس عمر میں ہی نفیس اور پرکشش خدوحال کا مالک تھا۔

لیکن غصے اور عتاب میں وہ خوفناک لگتا۔

یہاں کھڑا وہ کسی کا منتظر تھا۔

کلائی پر بندھی گھڑی پر بے زاری سے نظر ڈالے اب وہ کسی آہٹ پر چونک کر مڑا جہاں جینز شرٹ میں لپٹا اسی کا ہم عمر لڑکا اسکی سمت آتا دیکھائی دیا۔

ابدال نے اپنی نشست چھوڑے بیتابی سے اسکی جانب لپک کر اس لڑکے کی سمت سے بڑھائے ٹکٹ کو فوری دبوچا۔

"کلب انٹری ٹکٹ مل گیا ہے، ایک گھنٹے بعد بہت بڑے فائٹرز کی فائنل فائیٹ ہے اور کاشان ہمانی آئے گا۔ میں پوری تحقیق کروا چکا ہوں کہ وہ پورا فٹنس اینڈ فائٹنگ کلب کاشان ہمانی ہی کی ملکیت ہے"

وہ مشکوک سا لڑکا ابدال کو آگاہ کر رہا تھا اور ابدال کے ماتھے پر غصے سے شکنیں ابھریں۔

"یہ منحوس وحشی لوگوں کو پیٹتا ہوا لڑکا ہی ملا تھا نہال بخاری کو وفا کے لیے"

مٹھیاں بھینچ کر وہ دیوار پے پنچ مارے دھاڑا۔

"ہاں بہت بڑا سانڈ نما آدمی ہے، ایک دو بار میں نے کلب پر اسے دیکھا تھا۔ اسکے تو پاس جاتے ہی روح کانپتی، اتنی باڈی بنا رکھی کہ دس کلو کی تو اسکی ایک بازو ہو گی۔۔۔ ایسے خطرناک بندے سے تم آخر کیوں ملنا چاہتے ابدال"

وہ لڑکا ابدال کا ہی ہم عمر اور بچپن کا کلاس فیلو تھا اور اسکا بڑا بھائی بھی فٹنس ٹرینر تھا تبھی ابدال نے یہ کام اسے سونپا۔

اسکے سوال پر ابدال بس جبر ہی کر سکا، اسکی پھولوں جیسی نازک وفا اس وحشی کی نہیں ہو سکتی اور یہی سوچ کر وہ اب ایک گھنٹے بعد کلب جا کر کاشان ہمانی سے ملنے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

"تم نے میری بہت مدد کی دوست، شکریہ۔ اب جاو"

اسکا سوال بری طرح نظر انداز کیے وہ اسے جاتے خود بھی وہ ٹکٹ اپنے ہاتھ میں جکڑ تا فٹ بال گراونڈ سے باہر نکلا۔

فائٹنگ کلب یہاں سے ایک گھنٹے کی ہی مسافت پر تھا تبھی وہ ابھی سے روانہ ہوا۔

کاشان ہمانی نکاح سے پہلے کلب ضرور جانے والا تھا کیونکہ وہ اپنے جونئیرز کی فائنل فائیٹ کبھی مس نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فائٹنگ کلب میں شام ہوتے ہی چمکدار روشنی جو آنکھوں کو چندھیا رہی تھی، پوری آب و تاب سے دمک رہی تھی۔

ریسلنگ رنگ اسٹیج کلب کے بیچ و بیچ بنا تھا جس پر پیشہ ورانہ ریسلنگ میچ شروع ہونے سے پہلے دونوں ٹیمز کے جیالے آتش بازی کیے اپنے اپنے چمپئین کو سٹیج پر آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

اردگرد لوگوں کا ہجوم بتارہا تھا کہ آج کا یہ فائنل مقابلہ اس وقت ہر خاص و عام کی توجہ کا مرکز تھا۔

دور تاحد نگاہ پھیلتی، گھومتی اور خاضریں پر چھاتی روشیاں دیکھتا وہ تفاخر سے مہمان خصوصی اپنے جیسے بڑے بڑے ریسلنگ چمپئینز کے ساتھ براجمان کافی کا مگ پکڑے ہلکی پھلکی گفتگو میں مگن تھا جب اسکے قریب آکر اسکے گارڈ نے کان میں کچھ سرگوشی کی جس کی وجہ سے کاشان رسان سے باقی مہمان خصوصی سے معذرت کرتا اس شور شرابے سے نکلتا اس ایریا سے نکلتے ہی فٹنس کلب کی جانب روانہ ہوا۔

"کیا چاہتا ہے وہ؟"

کاشان نے سرسری سا استفسار کیے کوریڈور عبور کیے اپنے آفس کا رخ کیا۔

"آپ سے ملاقات"

گارڈ کے آگاہ کرنے پر وہ اسے اشارے سے وہیں روکتا خود پر وقار چال چلتا آفس پہنچا تو سامنے ہی چودہ پندرہ سالا لڑکے نے آہٹ پر مڑ کر ناگواری سے کاشان ہمانی کو اچٹتی نگاہوں سے گھورا۔

"ہاں بھئی، چھوٹا پیکٹ بڑا دھماکہ۔۔۔۔ خیریت ہے۔ تم وفا کے بھتیجے ہو ناں، اگر میں سہی پہچانا ہوں"

اپنے سیاہ کوٹ کو اتار کر رولنگ چئیر پر ڈالتا وہ اپنے اور ابدال کے بیچ فاصلہ طے کرتا عین اس گھورتے دلچسپ لڑکے کو جانچ رہا تھا جسکی نظر کاشان ہمانی کی عام سے بڑے سائز کی بازووں پر تھی اور یہیں ابدال اپنا حلق سوکھتا محسوس کر رہا تھا۔

وہ سر تا پا ایک طاقتور اور وحشی سے انسان کو دیکھ رہا تھا اور کاشان کے چہرے پر اب مقابل کی اس ریسرچ پر مسکراہٹ تھی۔

"ہاں، وفا سے کیوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں رشتہ بھیجا۔ وہ آپ سے ہرگز شادی کرنا نہیں چاہتیں اس لیے اچھا ہو گا کہ ان کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ آپکی وجہ سے اگر وفا کی آنکھوں میں آنسو آئے تو میں ابدال مصطفی آپکی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا"

اپنی پوری ہمت، جذبہ اور ولولہ لیے وہ بھلے اس وقت اس سانڈ نما وحشی کی جسامت سے دبا ہوا تھا مگر اسکی ہمت اور اس طرز کی ہمت نے کاشان کو بے دم ہونے تک قہقہہ لگانے پر مجبور کیا۔

کتنی ہی دیر ابدال اسکی نجس مسکراہٹ میں چھپا استہزایہ رنگ دیکھ کر اپنی مٹھیاں بھینچے رہا مگر مقابل تو سرور اور ہنسی بڑھتی گئی۔

"ہاہا یار تم نے تو مجھے بہت ٹائم بعد اتنا ہنسا دیا کیوٹ اینگری ینگ مین، ریسلنگ رنگ چھوڑ کر تمہاری بات سننے آنے کا پچھتاوا نہیں ہوا۔ رہی بات جان سے مارنے کی تو اپنی زرا سی جان دیکھو، تمہارے جیسے دس بھی میرے آگے ڈھے جائیں بچہ لہذا یہ اتنی سی عمر کا غرور اپنی پاکٹ میں رکھ لو، ٹائم لگے گا تمہیں تناور درخت بننے میں۔ لیکن آئی لائک یور سپیرٹ، میرا کلب حاضر ہے، جب میرے جیسے ہو جاو تو آجانا مقابلہ کریں گے۔ ابھی میں تم جیسے بچے سے لڑتا اور سر کھپاتا اچھا تھوڑی لگوں گا۔۔۔۔"

دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی جیبوں میں گھسائے وہ ابدال کا مزاق اڑاتا ساتھ ساتھ سلگتے تبسم کو چہرے پر سجائے تھا، ابدال کا بس نہ چل رہا تھا کہ اسکے پاس کوئی جادوئی طاقت ہوتی اور وہ اس حیوان نما انسان کو ڈھیر کر دیتا۔

"بچہ نہیں ہوں میں۔۔۔۔سنا تم نے؟"

اپنے آپ کو انڈرایسٹیمیٹ ہوتا دیکھے وہ پوری قوت سے چلایا تھا، یہاں تک کہ اسکی آواز پھٹ گئی، چہرے پر لہو چھلکا۔

کاشان ہمانی کے چہرے سے بھی مسکراہٹ اگلے ہی لمحے غائب ہوئی۔

استہزاء کی جگہ اب غضب نے لی۔

"بڑی اکڑ ہے تجھ میں جوان، لیکن ابھی تم واقعی اس کیڑے جیسے ہو لاڈلے جسے ایک جھٹکے میں کاشان ہمانی پیروں سے مسل کر رکھ دے گا۔ وفا بخاری اور میری شادی پر تمہیں کیوں اتنی آگ لگ رہی ہے، کوئی وجہ تو بتاو ہاں۔ تم نے تو مجھے متاثر کے ساتھ ساتھ متجسس بھی کر دیا"

راونڈ ٹیبل کے قریب رکھی کرسی ایک ہی جھٹکے سے گھسیٹ کر وہ اس پر بیٹھتا اب غرور سے سر اونچا کیے ابدال کے عتاب سے سرخیوں میں ڈھلتے شفاف چہرے پر فوکسڈ تھا جس کو اب اس شخص سے نا جانے کیوں خوف سا محسوس ہوا۔

"کیونکہ وہ اپنے جیسے کسی اچھے اور عام و خاص سے یکسر الگ پرنس کو ڈیزرو کرتی ہیں، آپ مجھے نہیں پسند نہ وفا کو۔ اس لیے"

ابدال جواب دیتا اس بار گڑبڑایا مگر کاشان ہمانی کو تو یہ سب مزید دلچسپ لگنے لگا تھا، یہ لڑکا دم دار تھا، اور ایسے دم دار لڑکے وہ اپنے کلب کے لیے اکثر تلاشتا تھا۔

"میں بھی تو بہت اچھا ہوں، دنیا مانتی ہے مجھے۔ میری شیدائی ہے، تمہیں کیوں پسند نہیں میں؟"

مزید بات بڑھانے کو کاشان اسکے الجھے تاثرات جانچ کر مزئد کرید رہا تھا۔

"کیونکہ تم لوگوں کو پیٹتے ہو، انھیں مار کر پیسہ کماتے ہو۔ وفا کا مزاج تم سے بہت الگ ہے اس لیے"

ابدال بھی تمیز بھلا کر اس آدمی کو اب تم کہے اوقات پر لا چکا تھا جس پر مزید کاشان کو جھٹکا لگا۔

"کہیں وفا کے مرے باپ کی روح تجھ میں تو نہیں گھس گئی، جا میرے بچے نکاح پر بٹنے والے چھوارے کھانا کیونکہ ابھی تیری عمر کھیلنے کودنے کی ہے۔۔۔ جا شاباش نکل"

کاشان یکدم ہی بھڑک کر اٹھے اپنے گارڈ کو اس سرپھری مخلوق کو کلب سے نکلوانے کا اشارہ دیے اسے دیکھ رہا تھا جو اب اس سلوک پر اسے کاٹ کھانے کے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ گارڈ لپک کر ابدال کو بازو سے گھسیٹتا، ابدال نے لمحے کے ہزارویں سیکنڈ میز پر دھرے ناخن تراشنے والے آلے کو ہی اٹھایا اور اسکی پچھلی نوک دار سطح نا صرف اس آدمی کی بازو میں گھونپ دی ساتھ ہی

وہ کاشان ہمانی پر کسی زخمی شیر سا جھپٹا اور کاشان کو بنا سنبھلنے کی مہلت دیے وہ نوکیلا پرزا اسکے کندھے میں گاڑ کر پھنکارتا ہوا دو قدم دور جھٹکا کھائے گرا۔

دونوں کو درد سے بے جان ہوتا دیکھتے ہی ابدال نے پھر پیچھے نہ دیکھا اور دوڑ لگا دی۔

اسے کوئی ہوش نہ تھی کہ وہ کس طرف دوڑ رہا ہے مگر اتنی خوشی ضرور تھی کہ شاید یہ نکاح ٹل گیا ہے۔

کاشان نے سرخ ہوتے تکلیف سے اٹے چہرے سے دھاڑ کر وہ پیوست چھری نما آلہ نکال کر زمین پر پٹخا اور لڑکھڑا کر اپنے کندھے سے ابلتے خون پر ہاتھ رکھے بمشکل کرسی پر بیٹھا۔

اسکا گارڈ تو پہلے ہی کلائی پر ہوتے وار پر کراہتا ہوا کاشان کے حکم پر بھاگتے ابدال کے پیچھے بھاگ چکا تھا۔

کاشان ہمانی کی سیاہ شرٹ مکمل خون سے بھیگ چکی تھی، آنکھوں میں نفرت اور اس چٹانگ بھر کے حملہ آور کی جان لینے کی حسرت ابل رہی تھی۔

"لعنت ہو تم پر لڑکے، بخشوں گا نہیں تمہیں"

اپنی شرٹ کے بند بٹن کھولتا وہ اپنے کسرتی ابھرے سینے پر پھیلتے لہو اور اس زخم کو دیکھ کر مزید خونخوار ہوا۔

ابدال اندھا دھند بھاگ کر کلب سے تو باہر نکل آیا مگر اپنا پیچھا کرتے گارڈز سے بچنے کو وہ سڑک سے ملحقہ اگی جھاڑیوں میں جا چھپا۔

وہ لوگ اسے کتے کی طرح نتھنے پھنکار کر اسے کتنی ہی دیر ڈھونڈتے آخر تھک ہار کر جب تک واپس اندر پہنچے، کاشان کے زخم پر پورے پانچ سٹیچیز اس نے پورے ہوش میں لگوائے مرہم پٹی کروائے خود کو رولنگ چئیر پر بے جان چھوڑے آنکھ موندی ہوئی تھیں جب وہ گارڈز مایوس لوٹے۔

"وہ بھاگ گیا سر"

گارڈ کی اطلاع پر کاشان نے درد کی ٹیس جو جان لیوا تھی، کے باوجود ہنکارہ بھرے نفرت سے گارڈز پر اک خون آشام نگاہ ڈالی۔

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکے پورے جسم میں تکلیف ہو، اور جہاں اس نے بنا سن کروائے ٹانگے لگوائے وہاں سے تو درد کی انتہا پھوٹ رہی تھی۔

"گاڑی نکلواو، حویلی جانا ہے۔۔۔ آج یہ نکاح ہر صورت ہو گا، اب تو کاشان ہمانی مر بھی جائے تب بھی ہو گا۔ تجھ سے اس غلطی کا حساب میں خود لوں گا منحوس، خود لوں گا"

وہ تہس نہس ہستی والا اس قدر تکلیف کے باوجود حویلی روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر زویا پر جب یہ معاملہ کھلا تو وہ خود دہل کر رہ گئی۔

لیکن کاشان کی ضد کے آگے وہ مجبور تھی۔

وہ چینج کیے، بس چند پین کلرز لیے خود کو کمپوز کر چکا تھا، ویسے بھی اتنے سے درد اسے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، زویا کے ریڈی ہوتے ہی وہ بنا اسکی سنے پورے پروٹوکول کے ساتھ بخاری ولا روانہ ہوا۔

ابدال یہ کارنامہ کیے سیدھا فٹ بال گراونڈ آیا تھا، اسکا فون بھی بند ہونے کے قریب تھا جب وہ اسے آن کیے وفا کا نمبر کھولے کچھ ٹائپ کرنے لگا۔

"میں خوش نہیں لہذا آپکے اس فضول نکاح میں شرکت نہیں کروں گا، میں اپنے دوست کے گھر ہوں۔ فکر مت کریں، آپ بس اپنے بھیو کے حکم مانیں۔ بائے"

ابدال اپنی طرف سے بہت مطمئین تھا کہ کم از کم اسکے وار کے بعد تو آج نکاح ممکن نہیں اور تبھی مزے سے ایک اور میسج ٹائپ کرتا وھاج کو بھیجے وہ فون سوئچ آف کرتا تقریبا خالی سٹیڈیم کی سمت جاتے ہی وہاں اکا دکا لڑکوں کو گیم کھیلتا دیکھے خود بھی پھر سے گھڑی پر نظر جمائے کسی کا منتظر تھا۔

وھاج سکندر کو جب سے یہ خبر ملی تھی وہ تو صدمے میں تھا اور ہر ممکنہ کوشش کیے وفا تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن وہ کم از کم آج کسی کے سامنے نہیں آنے والی تھی۔

پھر اسے فون پر ایک میسج موصول ہوا جو ابدال کا تھا۔

"ایک دن کے لیے کم از کم نکاح ٹال دیا ہے، سٹیڈیم آجائیں بہت اہم بات کرنی۔ فکر مت کریں، آج وفا اس منحوس کے نکاح میں نہیں جائیں گی"

ابدال کی جانب سے موصول ہوتی اس نوعید نے وھاج سکندر کی جیسے رکی سانس بحال کی اور وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خطا کیے بنا کچھ سوچے بخاری ولا سے نکل کر سٹیڈیم روانہ ہو گیا۔

یہ جانے بنا کہ آج ہی اسکی دنیا اجڑنی طے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سجنا ہے مجھے، سجنا کے لیے۔۔۔۔۔ ھائے اور با میں کتنی سوہنی لگ رہی۔ نکاح وفا کا اور روپ دیکھو مجھ پر اترا ہوا"

خوبصورت سے شرارے میں لپٹی، دنیا جہاں کا میک آپ تھوپ کر لشکارتے مارتی وہ اپنے ہوش اڑاتے سراپے پر نگاہ ڈالتی خود پر ہی مری جا رہی تھی جب عناب سنپل سی منی فراک اور جینز میں بال لہراتی کمرا کھولے اندر آئی اور وہیں ان گھوڑی کو اتنا سجا دیکھ کر اپنے منہ پر ہتھیلی جمائے ہنس دی۔

"اے لڑکی! خبر دار جو میرے حسن کی تاب نہ لاتے غش کھا کر گری۔ دیکھو آج میں اپنے اس حسین ڈریس کے ساتھ تم کو اٹھا اٹھا کر سارے فنکشن کا بیڑا غرق نہیں کر سکتی۔ آفٹر آل اس گھر کی سب سے حسین دوشیزہ ہوں میں، اور تم بس بھی کرو دیکھنا آئینے، کہیں جل کر کرچی کرچی نہ ہو جانا"

فریال تو سو گوارسی خود ہی وفا کے روم میں اسے ہلکا پھلکا تیار کر رہی تھیں مگر یہاں اس اور اکٹنگ کی دکان کو تو دنیا جہاں کو اپنی جوتی پر رکھے بس پیپرز سے پہلے قربان ہوتی بکری سا سجنا تھا۔

کل آخری دن تھا اور پرسوں محترمہ کا پہلا پرچہ تھا جسکی رتی برابر بھی تیاری نہ تھی اور یہاں پھڑکتی حسینہ بنی کسی اللہ کے بندے کو مارنے کا پورا پلین کیے تھی۔

"میہا اتا توں تیال ہوئی او، تمالی تھادی ہے تیا۔ (میہا اتنا کیوں تیار ہوئی ہو، تمہاری شادی ہے کیا)"

منیہا کو سجا دیکھ کر اب عناب کو اپنا سنپل ڈریس کو جالگ رہا تھا تبھی معصومیت سے سوال کیا گیا، منیہا نے ہنس کر اپنے شرارے کو اک ادا سے سمیٹے بیڈ پر بیٹھتے ہی عناب کے دونوں ہاتھ پکڑے قریب لائے کھڑا کیا۔

عون جو خود بھی آج ہاف وائیٹ سوٹ میں بازوؤں کے سٹڈ بند کرتا اپنے ہی دھیان میں باہر سے گزرا تو منیہا میڈم کی سریلی آواز میں فرمائی گئی بات پر نا چاہتے ہوئے بھی تھم کر رکا۔

"پاگل، یہ جو میں اتنا تیار ہوئی ناں یہ اپنے سیاں جی پر بجلیاں گرانے کے لیے ہوئی۔ خیر تم کو کیا بتا، دو فٹ کی چوہیہ۔۔۔ ہائے میرے چھوٹے چھوٹے ارمان۔۔۔۔ مجھے دیکھتے ہی اس کھڑوس وکیل کے ارد گرد سائیں سائیں ہونے لگے، گھنٹیاں بجنے لگیں، اور وہ مجھے دیکھتے ہی پاگل ہو جائے۔۔۔۔ اف میری تو حسرت ہی ہے کہ وہ مجھ سے سیدھے منہ بات کرے، لیکن عناب یار وہ تو مجھے پیار سے دیکھتا بھی نہیں"

چہکتی، مسکراتی بلبل یہ سب اندر عناب کے گوش گزار کر رہی تھی مگر باہر کھڑا وہ تمام تر ٹنشن کے مسکرایا، اس لڑکی کے جذبات کی شدت سن کر عون بخاری کے اضطراب کو سکون ملا۔

"مجھے محبت میں تمہارا انتظار کرنا بھی پسند رہا ہے باشرط کہ تم میری وفاؤں میں سانس لے کر پر سکون رہو۔ مجھے ہر لمحہ تمہارا وفادار رہ کر سکون ملتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ تم کچھ لمحوں کے لیے اِس دنیا سے بے خبر ہو کر میری آغوش میں اِس طرح آؤ کہ میری خوشبو پا کر تم بے حد پر سکون ہو جاؤ" اس اعتراف پر کسی کا دل اختیار سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ جو اس لڑکی کو ان سب معاملات سے پڑھائی کے بیچ دور رکھ کر یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ چنی کاکی ہے، آج یہ زغم بھی کرچی ہوا، وہ مسکراہٹ عون بخاری کے چہرے پر کسی نئے آغاز کی خواہش کی ترجمان تھی۔

"اور اسکا وجود تو کسی خوبصورت منظر کے پسِ منظر میں بجتی ہوئی دلفریب دھن جیسا ہے جسکی موجودگی میں اسکا احساس کم ہی ہوتا ہے مگر جیسے ہی وہ دھن سماعت کے پردے سے معدوم ہو جائے تو منظر کی تمام تر دلکشی کھو جاتی ہے۔ بلکل تم وہی دھن ہی تو ہو منیہا عون بخاری"

اسکے دل میں اعترافات کہرام مچانے لگے تھے، محبت کی اگلی مسافت طے کرنے کا وقت تھا۔

اسکے ہونٹوں پر منیہا کے نام کا تبسم، جوش، سکھ اور جنون مچلا۔

"میہا دندی ہو تم، دندی دندی بائیں ترتی ہو۔ مم مدے بی تیال تلو۔۔۔ لپت اک لداو (منیہا گندی ہو تم، گندی گندی باتیں کرتی ہو، مجھے بھی تیار کرو، لپ سٹک لگاو)"

منہ بسور کر عناب نے اپنی ہری آنکھیں گما کر اسکے باقاعدہ بال دبوچے ہاتھ میں اسکے میک آپ کی لپ سٹک آتے ہی فرمائش دھری اور وہ مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا البتہ منیہا نے ضرور اس لپت اک بولنے پر عناب کی پوری گال ہی دبوچے ہنس کر اسے اٹھا کر ڈریسنگ ٹیبل پر بٹھایا۔

"ہاہا تمہارے نا نظر آنے والے ہونٹ پر لپت اک لگے گی کیسے، میری چوہیہ تو ویسے ہی لشکارے مارتی ہری آنکھوں سے۔۔۔۔ چل پھر بھی لگا دیتی، کیا یاد کرے گی کہ کتنی سخی بہن ہے"

اپنی ڈریس کا نہ سنبھلتا دوپٹہ پرے مار کر بیڈ پر پھینکتی وہ اب اعلی پائے کی میک آپ آرٹسٹ بنے عناب کے پدے پدے ہونٹ رنگ رہی تھی جسے وہ بار بار منہ میں لے جاتی اور لپ سٹک مٹ جاتی۔

منیہا کے گھورنے پر عناب کی کھی کھی گویا پورے کمرے میں پھیلی۔

دوسرے طرف سنگار میز کے آئینے میں آسمان سے اتری کوئی آپسرہ آن چھائی تھی، وہ اس وقت سلور اور ہلکے گلابی رنگ کے دیدہ زیب مگر کافی حد تک سادہ نکاح کے شرارے میں لپٹی آئینے میں اپنا جان لیوا، ہوش ربا سراپا دیکھ کر بھی سوگوار تھی۔

فریال اسکے سر پر کناروں سے بھاری دوپٹہ کروائے خود بھی وفا بخاری کے لیے بہت رنجیدہ تھیں۔

پورے کمرے میں جا بجا بکھری سنگار کی چیزیں، پھولوں کے ٹوکرے، کلیاں، گجرے، زیورات سب رتن کی سی خوشی میں تھے مگر پھر جب وفا بخاری کی آنکھ سے بے دھیانی میں اک آنسو نکلا تو لگا ہر منظر تک سوگوار ہو گیا ہے۔

"اب سمجھی ہوں لوگ بیٹیوں کے بجائے بیٹے کیوں مانگتے ہیں، کیونکہ بیٹیاں تو وارنی بھی پڑ جاتیں، قربان بھی کرنی پڑ جاتیں اور کبھی کبھی زندہ دفن بھی کرنی ضروری ہوتیں"

وہ سج سنور کر بھی ملول اور اداس تھی، اسکا اور منیہا کا ڈریس سیم تھا مگر وفا نے خود ہی ہلکا رنگ چنا جبکہ منیہا کا گہرا سبز اور گلابی اسکی شوخی کی مناسبت سے وفا نے ہی پسند کیا تھا۔

"ایسا مایوس کیوں ہو رہی ہو میری جان، خدانخواستہ نہ تو تمہیں وار رہے ہیں، نہ قربان کر رہے ہیں اور نہ دفن۔۔۔۔ تم اس گھر کی جان ہو وفا، جو ہو رہا ہے اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ کبھی کبھی بہت سی پوشیدہ باتیں، پوشیدہ ہی رہنے دینی چاہیں۔ کچھ معاملات سے اللہ وقت پر ہی پردہ ہٹاتے ہیں"

فریال نرماہٹ کے سنگ اسکی گال پر اترا آنسو ہٹا کر اسے اس وقت یہی تسلی دے سکتی تھیں، آخر کو وہ بھی تو بے بس تھیں۔

یہ فیصلہ سرتاپا بے بسی ہی تو تھا۔

وفا نے غائب دماغی سے سر اٹھائے فریال کو دیکھا جو خود بھی ہلکے پھلکے کام والے وائیٹ ڈریس میں اس وقت بہت پیاری لگ رہی تھیں، وہ بھلے وفا کی بھابی تھیں مگر انکے لیے وفا بھی اپنی اولاد سی تھی۔

شروع میں انکا کچن ریسٹورنٹ وفا ہی مل کر انکے ساتھ چلاتی تھی، وہ ہمیشہ سے انکے قریب رہی تھی۔

اور فریال اپنے بچوں کی دوست، وفا کی سہیلی اور اپنے سر کے سائیں وحید بخاری کی ہم نوا سی مہربان سرمایہ تھیں۔

اس گھر کا نرم کونا، سایہ دار چھاوں۔

وہ رخ موڑے پھر سے باہر دیکھنے لگی، ہارن کی آواز نے اسے اپنی موت کا پیغام دیا تھا۔

باہر ہوتی چہل پہل بتا رہی تھی کہ اسکو دفن کرنے والے گورکن آچکے ہیں۔

"میری تصویر
دیوار سے گر کر چکنا چور ہو چکی ہے
اور ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے ہیں
جس ٹکڑے پر میری آنکھ جڑی تھی
وہ گیلری کے عین درمیان میں پڑا ہے
کسی بھی گزرتے ہوئے شخص کا پاوں
مجھے مسلتے ہوئے گزر جائے گا

میرے گال اور ہاتھوں کے ٹکڑے

لڑھکتے ہوئے اتنی دور جا گرے ہیں

جتنے دور تم چلے گئے ہو

چھناکے کی آواز اتنی تیز تھی

کہ میری سسکیاں تھم گئیں ہیں

اور وہ دھاگا

جو تم نے باندھا تھا

ویسے ہی کیل پر اٹکا ہوا ہے

گیلری کی دوسری طرف سے

شور آرہا ہے

اور بہت سے لوگ اس طرف چلے آرہے ہیں

اچھا۔۔۔خدا حافظ"

کچھ درد صرف سہے جائیں تبھی انکا مول قائم رہتا ہے، درد بھی آبرو رکھتے ہیں، تکلیفیں بھی پردے کا حق رکھتی ہیں۔

خاص کر محبت میں۔۔۔

"وھاج سکندر کہاں ہے بھابھی؟"

گہرا سانس کھینچے وفا کے سوال پر نا صرف فریال چونکیں بلکے کمرے میں داخل ہوتا عون بھی ٹھٹکا۔

"وہ کچھ دیر پہلے کہیں گیا ہے، میں نے جاتے ہوئے دیکھا تھا بہت جلدی میں تھا"

عون اسکے قریب آکر رکتا اسکے پاس ہی ڈریسنگ پر ٹکے شانوں سے اس سجی آپسرا کو پکڑ کر اٹھائے روبرو لایا مگر اس نے محسوس کیا جیسے وفا اس اطلاع پر مزید تکلیف میں اتری ہو۔

اسکی کاجل والی آنکھوں میں ہلکورے لیتی نمی عون اور فریال کی آنکھوں سے کب مخفی تھی۔

"مطلب تم میدان چھوڑ کر بھاگ گئے وھاج، محبت کا دعوی کیا تھا تم نے۔ جھوٹ بولتے تھے تم، محبت تو موت کو گلے لگاتے محبوب کو بچانے آتی ہے، لیکن تم مجھ سے رہا سہا سہارہ بھی چھین کر لے گئے۔ کم از کم اتنی ہمت ہونی چاہیے تھی تم میں بزدل کہ اپنی آنکھوں سے وفا بخاری کی قبر بنتی دیکھتے۔۔۔۔ سب بکواس ہے یہ محبت، بھاڑ میں جاو تم"

وہ دل ہی دل میں روتی گئی، اسکی آنکھیں سرخ ہوتا دیکھ کر عون نے اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرا، وہ بنا کچھ سوچے اسے سینے لگی پھوٹ پھوٹ کر ہچکیوں سے روئی تھی، وہ رونا نہیں چاہتی تھی پر عون کے سامنے وہ خود کو سنبھال نہ سکی۔

"وفا، ایسے روتی ہو تو جان نکل جاتی ہے۔۔۔ بس یار، اتنا نہیں رو۔ میک آپ خراب ہو جائے گا"

فریال کی جانب زخمی نگاہ ڈالتا وہ کچھ دیر تو اسے روتا سہتا رہا مگر پھر جب وہ اپنے دل کا سارا غبار نکال گئی تو وہ اسے خود سے الگ کرتا اسکی بھیگی رخسار پر لکیریں بناتی نمی ہاتھ پھیرے جذب کرتا جان بوجھ کر ہلکا پھلکا ہوئے اس لمحے کی کڑواہٹ کم کرنے کی کوشش میں تھا مگر اسے کیا علم یہ کڑواہٹ تو وفا بخاری کے اندر سرائیت کر چکی ہے۔

"عون۔۔۔ ابدال کا پتا کرو کہاں ہے۔ ناراض تھا مجھ سے، میرا دل سخت پریشان ہے، وہ ننھی حساس جان میرے لیے تکلیف میں ہو گی"

اس وقت بھی وہ صرف ابدال کے لیے بیقرار تھی جس پر عون نے اسے مکمل تسلی سونپی۔

"بے فکر رہو، جیسے ملا کی دوڑ مسجد تک ہے ویسے صاحبزادے کی پہنچ سٹیڈیم تک ہو گی۔ رہنے دو اسے وہاں، یہاں ہو گا بھی تو کچھ الٹا ہی کرے گا۔ نکاح کے چھوارے رکھ دوں گا اس کے لیے۔ لیکن تم اب روئی تو بہت برا پیش آوں گا، تمہارے اس کاشان کو سیدھا کر دوں تیر کی طرح بے فکر رہو۔ تمہارے ساتھ یہ جانا مانا وکیل ہے تو فکر کس بات کی۔ میری چھوٹی سی پھپھی جان نہیں ہو، تمہارے اس بھتیجے نے تمہیں گود میں کھلایا ہوا۔۔۔ ہاہا اب تو ہنس دو"

اتنے جاذب اور مخمور انداز میں وہ وفا کو پھیکی ہی سہی پر مسکراہٹ سونپ چکا تھا جو پھر سے اس سے لگی پر سکون ہوئی، حالانکہ وفا بخاری کے اندر کہرام مچا تھا۔

باہر وحید صاحب، نہال اور منیہا کے علاوہ عناب بھی مہمانوں کی آمد پر انکے استقبال میں تھے۔

کاشان ہمانی زخم بھلائے اس وقت بہت سے لوازمات اور شاہی انداز سے کئی ملازمین کے ہمراہ اپنے پھپھو کے ساتھ آ چکا تھا۔

کاشان کے ساتھ آتی وہ انوکھی، پر کشش اور بلیک گولڈن شیڈ دیتی ساڑھی میں لپٹی زویا نے تو نہال بخاری کو دیکھتے ہی فتح یابی سے سر اٹھایا، خود نہال بھی جیسے اس سراپے کو دیکھ کر ایک لمحے ٹھٹکا مگر پھر اپنا وہم سمجھے دھیان جھٹک گیا۔

ڈنر کے بعد کاشان اور نہال کی باہمی مشاورت سے پہلے نکاح ہی طے پایا جانا تھا اور اپنے بزنس پراجیکٹ کو وہ کل آفس میں مینج کرنے والے تھے۔

نہال نے پہلے ہی کاشان کو اپنی سچویشن بتا دی تھی تبھی وہ بزنس ڈیل کر کے مزید وحید بھائی اور گھر والوں کی مخالفت نہیں سہنا چاہتے تھے۔

بلیک اینڈ وائیٹ ٹکسڈو میں اس وقت جاذب اور دلکش لگ رہا تھا، یہ غلط نہ تھا کہ وہ ایک بھاری بھر کم وجود کا مالک ایک پر کشش پرسنالٹی بھی رکھتا تھا، اسکی گرے آنکھیں خاص ظالم تھیں جن سے وحشت، عتاب اور غرور کے سنگ جمی سرخی انھیں خوفناک اور کلر پیش کرتی۔

وہ ایسی چال رکھتا کہ دیکھنے والا مرغوب و گرویدہ ہو جاتا، وہ حسن میں اپنی ماں وجیہہ پر گیا تھا، بہت بڑی طوائف رانی جس نے ایک عرصہ تک بازار پر اپنے اچھوتے حسن سے حکمرانی کی تھی۔

پھر فراز ہمانی (والد) بھی ایک خوبصورت اور پر کشش آدمی تھے اور یوں وہ ماں اور باپ دونوں کا حسن سمیٹ لیتا ایک نئے حسن کے ساتھ وجود میں آیا تھا۔

بلاشبہ وہ ایک مکمل اور پروقار مرد دیکھائی دیتا مگر افسوس کہ اسکے اندر سیاہی تھی، نجس اندھیرا، وہ جتنا باہر سے خوبصورت تھا اتنا ہی اندر سے بدصورت، غلیظ اور گھناونا تھا۔

کاشان کی نظریں ابدال کو تلاشتی کئی باہر ادھر ادھر بھٹکیں مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا، وحید صاحب جس جبر کے سنگ وہاں بیٹھے تھے یہ یا تو وہ جانتے تھے یا انکا اللہ، اور کاشان ہمانی دل ہی دل میں وحید بخاری کے سلگنے پر لطف لیتا اپنے درد کو بھولے اس وقت صرف اپنے کھیل پر فوکسڈ تھا، اور اسے یہ تماشا دیکھ کر بہت سرور آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ابدال، یہ کیسی حرکت کی تم نے۔۔۔ یا میرے اللہ اس لڑکے کو ہدایت دیں"

سٹیڈیم پہنچتے ہی وہاج سکندر کا چہرہ غصے کی تمازت سے تنتنا اٹھا، ابدال جس طمانیت سے اپنا کارنامہ بتا کر کندھے اچکائے کرسی پر بیٹھا جاگر کی نوک سے کچی مٹی اور گھاس والی زمین کھودتے منہ پھلا رہا تھا۔

وہاج سکندر تو اپنا سر جکڑے صدمے میں تھا۔

"دل تو اسکی بے ادب زبان اور وہ شاطر لومڑی سی آنکھیں نوچنے کا تھا مگر میرا ہاتھ اس سانڈ کے کندھے تک ہی گیا"

سرسری انداز میں وہ ابھی بھی اپنے کیے پر شرمندہ نہ تھا، وہاج اسے ابرو اچکاتا گھورا جو آگے سے مزید پرسکون ہوا۔

"تم ایک خطرناک انسان ہو ابدال، بچ کر نکلے کیسے اس کے ہاتھ سے۔ کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی"

سر ہلا کر وہ خود بھی اس جونئیر پٹاکے کے ساتھ آکر بیٹھا اس سے فکر کے سنگ دریافت کر گیا جس پر ابدال نے اپنے ہاتھ میں پکڑی گھاس زمین پر پھینکی اور ہاتھ جھاڑے زرا ترچھا ہو کر بیٹھا۔

"آپ کو میرے ٹیلنٹ پر بھروسہ ہونا چاہیے، یہ بھاگنے دوڑنے کی ٹرینگ مجھے ہلال کے توسط سے ہوئی۔ اللہ بھلا کرے اسکا۔ مجھے چھیڑ چھاڑ کر بندر کی طرح دوڑتا ہے اور مجھ ڈیسنٹ کو بھی دوڑ لگواتا ہے"

وہاج اسکی بات پر ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا، یہ بندہ تو سنجیدگی کے موڈ میں دور دور نہ تھا۔

"یار۔۔۔۔۔ کیا بولوں اب میں"

شکوہ کناں ساوہ خود بھی ٹیک لگائے بیٹھا، ابدال نے مسکراہٹ دبائے رخ موڑے وہاج سکندر کو دیکھا جو اسکی وفا کے لیے پرفیکٹ پرنس تھا۔

وہ ہنڈسم تھا، لمبا سجیلا جوان تھا اور پھر اسکی نیلی آنکھیں، ہاں مگر وہ وھاج سکندر کے ڈر اور دبے رہنے پر تھوڑا خفا تھا۔

"آج تو نکاح ٹال دیا، لگ بھگ چار پانچ سٹیچیز تو اسے لگے ہوں گے کیونکہ پورا زور لگا کر اسکا کندھا زخمی کیا تھا، وہ پرزہ پورا اندر گیا تھا۔ بستر پر مرا ہوا وہ ہائے ہائے کر رہا ہو گا۔۔ ہاہا۔ وفا نے کہا تھا میرا ویک اینڈ برباد ہوا لیکن آئی تھنک میرا ویک اینڈ تو اس بار مزے دار رہا"

مسلسل اپنے کارنامے پر مسکراتا وہ وھاج کو بھی ہلکی پھلکی مسکراہٹ دے گیا، مگر پھر یکدم وہ دونوں سامنے دیکھتے دیکھتے سنجیدہ ہوئے۔

تلخی دونوں کے چہروں پر براجمان ہوتی گئی۔

"آج ٹل گیا ہے کہرام لیکن کل قیامت آئے گی، جسے روکنا ناممکن ہو گا"

وھاج سکندر کی آنکھوں میں یک لخت ویرانی سمٹ آئی اور اس کی اس مایوسی پر ابدال نے خفا ہوئے رخ موڑا۔

"کیوں۔۔ آپ نے ہاتھ میں چوڑیاں پہن رکھیں۔ آپ جانتے ہیں وفا راضی نہیں، انہوں نے کہا کہ وہ آپکی سمت قدم نہیں بڑھا سکتیں۔ جانتے ہیں ایسا کیوں کہا انہوں نے؟"

اس چودہ پندرہ سالا ابدال نے یہ کہہ کر وھاج سکندر کی گویا جان نوچی، وہ تڑپ کر پہلو بدلے ابدال کو دیکھنے لگا۔

"ک۔۔ کیوں؟"

وھاج کی بھاری آواز لرزی۔ ابدال کو بھی ملال نے آن گھیرا۔

"کیونکہ آپکی محبت کی آزمائش تھی یہ، وفا بخاری ہیں وہ۔ اپنے آپ سے جذبات جوڑنے والے انسان کی ہمت دیکھنے کی منتظر، کیا وہ خود قدم بڑھاتی اچھی لگتیں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا وھاج بھائی کہ عورت ایک پہیلی ہے، ہر روپ میں۔ اسکی ہر بات میں چھپا مفہوم منفرد اور الگ ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ وہ چاہتی تھیں آپ انکے لیے انکو نہال بخاری سے مانگیں نہ کہ دل ہی دل میں بس چاہتے رہیں۔ مجھے پتا ہے میں چھوٹا ہوں اور یہ باتیں مجھے زیب نہیں دیتیں لیکن میں نے شاید اپنی اس مختصر زندگی میں ہی بہت سی مدت کا تجربہ پالیا ہے"

اپنے پاس بیٹھے ابدال کی یہ باتیں سن کر وھاج کو لگا اسکا پور پور اس رات منتشر ہوئے فضا میں بکھر گیا ہے، وہ اپنی جگہ دفن سا مخدوش حال میں اپنے بال جکڑے سب ہار سا بیٹھا۔

گہری سانسیں بھریں جیسے دل کو تقویت دینے کی کوشش کی گئی ہو۔

"ہمم۔۔۔اس سے دستبرداری ہی مقدر ہے شاید"

نہال بخاری سے وہ کیسے وفا کو ان حالات میں مانگے جب وہ سب کو ہی کاٹ کھانے آئے تھے، وہ جیسے اپنی ہار تسلیم کر بیٹھا۔

وہی صدا کا گھسا پٹا دل کی بے مرادئ کا منہ بولتا ثبوت۔

"مقدر اتنا تاریک نہیں ہوتا، میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور جب سے آپکو جانا ہے تب سے گواہ ہوں آپکی آنکھوں میں وفا نامی محبت کے جہاں کا۔ میں نہیں روک پاوں گا کسی کو کیونکہ میری اتنی اہمیت اور اوقات ہی کہاں ہے یار۔ وفا بھی خوش نہیں، آپ نہیں جانتے بھائی وہ انسان کتنا برا ہے، وہ بدتمیز ہے، وہ خوفناک ہے، وہ مزاق اڑانے والا تماش بین بھی ہے۔ کیا آپ وفا کو چپ چاپ اس غلط شخص کا ہونے دیں گے"

ابدال کی آواز میں تلخی سمٹی وہیں وہ تھکا ہوا سا شخص فرار کرتا اٹھ گیا، دور افق کا اندھیرا اپنا لگا۔

"میں اسکے لیے کچھ کروں یہ حق ہی کب دیا اس نے، اسے کبھی میری محبت نہ نظر آئی نہ آئے گی۔ اور میں عام سا باڈی گارڈ اس شاطر شخص کو بے نقاب نہیں کر سکتا ابدال۔۔۔۔"

اپنی بے بسی پر وہ چینخ سا اٹھا تھا، ابدال نے بھی اٹھ کر اس تک فاصلہ طے کیا۔

"لیکن آپ کم از کم بابا کو اس انسان کی یہ سچائی تو بتا سکتے۔ اور دیکھئے گا بابا کو جب آپکے جذبے کا علم ہو گا تو وہ وفا کا ہاتھ آپکو تھما دیں گے"

اپنی کم عمری کی طرح وہ تجربہ بھی معصوم اور محدود رکھتا تھا، اسے لگتا تھا زندگی بہت آسانی سے سنور جانے والی شے ہے، مگر سامنے وھاج سکندر تھا جو غربت کی زندگی جی کر زمانے کے سرد گرم سہہ کر اپنی آٹھائیس سالا زندگی میں ہی صدیوں پرانا ہو گیا تھا، غریب اور امیر کا فرق ہی سب سے بڑا تھا۔

اب تو اسکی نیلی آنکھوں میں اک سرخی ہلکورے لیتی نظر آ رہی تھی۔

"تم ابھی بچے ہو ابدال، ہونے دو جو ہو رہا"

مڑ کر ابدال کی گال سہلاتا وہ جانے کو بیتاب تھا مگر ابدال تن کر اسکی راہ میں حائل ہوا۔

"آپ کیسے جی سکیں گے؟"

یہ سوال وھاج سکندر کو ڈس گیا تھا، ابدال کی رحم طلب آنکھیں منتظر تھیں۔

"جیسے سب جیتے ہیں، پہلے ہی بہت ہنگامہ مچ چکا ہے۔ اس پر مجھ سا محنت کش اگر ہاتھ پھیلائے چلا بھی جائے تو ممکن ہے دھتکار ہی ملے۔ وہ اپنی وفا کے لیے کسی بڑے آدمی کو چاہنے والے نہال بخاری، مجھ کو لاکھ پسندیدگی کے بھی وفا کہاں دیں گے۔ اور پھر وفا نے بھی پہیلی بن کر مار دیا مجھے"

اسکی مظبوط آواز کئی کرچیوں میں لپٹ گئی تھی، ابدال نے اس بار خفگی سے اور غصے سے دیکھا۔

"اگر ہمت نہیں تھی، خود پر یقین نہ تھا تو کیوں کی میری وفا سے محبت۔۔۔۔ آپ سے یہ امید نہیں تھی وھاج بھائی، ٹھیک ہے مت کریں کچھ۔ میں خود اگلی بار اس ریسلر کا دل پھوڑ کر آوں گا۔ ابھی بھی اتنی ہمت ہے مجھ میں کہ اپنی وفا کو اس وحشی سے بچا سکوں۔ مت دیں ساتھ میرا، کوئی ساتھ نہ دے میرا۔ مم۔۔ میں بچاوں گا وفا کو۔ ہر بار بچاوں گا۔

بزدل ہیں آپ، بزدل کو محبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بنا کوشش کے ہار جانے والے، تاعمر پچھتاتے ہیں یاد رکھیے گا۔ ابدال مصطفی کی یہ بات یاد رکھیے گا"

وہ وھاج سکندر کے وہاں سے فرار کرنے پر حلق کے بل چینختا گیا، اسکے چہرے پر لہو چھلک آیا۔

اسکی گردن کی رگیں تن گئیں۔

ارد گرد کے اکا دکا لڑکے بھی حیرت اور تشویش سے پاگلوں کی طرح چلاتے ابدال کو دیکھنے لگے جو اب بے بسی سے کرسی کو ہی پیٹ رہا تھا۔

یہاں تک کہ اس ٹرانس میں ابدال نے اپنے ہاتھ کی پشت زخمی کیے لہولہان کر دی۔

"م۔۔ میں بچاوں گا اپنی وفا کو، مار دوں گا تمہیں کاشان ہمانی۔ ہر اس فرد کو مار دوں گا جو میری وفا کے آنسو کی وجہ بنے۔ آج سے تم بھی پرنس نہیں رہے میری وفا کے۔۔۔ تم بھی بزدل ہو، سارے جہاں کے لوگ ناکارہ اور بزدل۔۔۔۔۔"

کرسی پر بیٹھے وہ اپنے زخمی ہاتھ سے اٹھتی ٹیسیں دباتا خود پر ہی چینخ رہا تھا، خود پر ہی آوازیں کس رہا تھا، اسکی بھوری آنکھوں میں تکلیف تھی۔

یہاں وہ تکلیف سے بکھرا تو وہیں بخاری ولا میں وفا چپ چاپ، بنا واویلہ مچائے، بنا آہ و بکا کیے کاشان ہمانی کی ملکیت بن گئی۔

نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اسکی آنکھ سے بہتی نمی نے نکاح نامے کو بھی تر کیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا جب مقدر میں ہی سیاہی درج تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یو آن کو دن بھر خود کی رسائی دیے فارس خود بھی خوش تھا، ایک دن کیسے کٹ گیا تھا پتا بھی نہ چلا، یو آن کے ساتھ گزرے ایک ایک لمحے میں فارس شاہ کی زندگی رقص کرتی تھی۔

اسے سلا کر کتنی ہی دیر وہ اسکے بھورے شیڈ دیتے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا، اپنی زندگی پر محیط ڈائری اس نے آج ہی یو آن کے نام اسی کے نام پر کھلوائے لاکر میں رکھوادی تھی۔

وقت کی تیز دھار سے فارس بھی خوفزدہ تھا، تبھی وہ چاہتا تھا وہ رہے نہ رہے مگر یو آن کو یہ علم ضرور ہو کہ اسکے بابا نے کیسی زندگی گزاری۔

"جب تم اپنے بابا کو جانو گے ممکن ہے تب تمہارے پاس میں موجود نہ ہوں، میری زندگی بارش کی تیز بوندوں سے بنتے بلبلے سی ہے میری جان کے ٹکڑے، بابا کبھی تم پر آنچ آنے نہ دیں گے۔ اور تمہاری زندگی کے لیے میں مسکراتے ہوئے اپنی جان تک دے دوں گا۔ جس سفر پر میں اب روانہ ہوں گا وہاں سے تاحیات واپسی ممکن نہیں۔ بابا کی سانس، بابا کی جان میرا یو آن شاہ"

جھک کر وہ اپنے مقدر والے بیٹے کی روشن پیشانی چومتا درد و تکلیف میں اترا، اسے صرف یو آن سے بچھڑنے کا دکھ تھا۔

ڈائری کے علاوہ اس نے آج ہی اپنی اور مہکار کی ڈائورس کے پیپرز بھی بنوائے تھے، وہ یہ جنگ آخر نو سال بعد ہار گیا تھا۔

وہ خاکی کاغذ اٹھائے وہ بنا آہٹ یو آن کے کمرے سے نکلا اور تھکن زدہ چال چلتا اس ظالم اور سنگدل سے آخری ملاقات کرنے اسکے کمرے کی جانب بڑھا جو شادی کے چند ابتدائی دن کے بعد سے فارس شاہ کے لیے ممنوع تھا۔

وہ رات کی تاریکی تکتی بالکونی میں کھڑی سانسیں ہوا کے سپرد کرتی کسی گہری سوچ میں تھی، فارس کے آنے کی خبر اسے سامنے سے اڑ کر جاتے پرندے نے کی تھی۔

وہ پرندہ جو آج مہکار کو منہ موڑ کر یہ باور کروا گیا کہ وہ سب کے لیے ناپسندیدہ ہو گئی ہے، اب وہ اسکے آنگن میں دانہ چگنے نہ آئیں گے۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی؟"

مڑ کر پرندے کا غصہ بھی وہ فارس شاہ پر اتارتی اسکا گریبان جکڑ کر چینخی، اتنی ظالم کے دور کہیں پہاڑوں کے پار تک پرندے پھڑ پھڑاتے ہوئے درختوں سے اڑے تھے۔

"مبارک دینے آیا ہوں کہ فائنلی تمہاری دعا قبول ہوئی، مر گیا ہوں مہکار تمہاری دی اذیتوں سے۔ تمہیں آخر دم تک خود سے محروم نہ کرنے کا وعدہ توڑ دیا، یہ جانتے بوجھتے کہ در بدر ہو جاوگی۔ لیکن تم اس در بدری کے ہی لائق تھی۔ تم اب جانو گی کہ فارس شاہ کون تھا، تم اب سمجھو گی کہ محبت کیا تھی۔

میں اپنے پورے ہوش و حواس میں تمہیں اس کائنات کے مالک کو گواہ بنائے فارس شاہ نامی عذاب سے نجات دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں مہکار۔

میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

میں ت۔۔ تمہیں۔۔۔۔ ط۔۔۔ طلاق دیتا ہوں"

تکلیف کے سنگ وہ مہربان بنا اسکی پتھرائی آنکھیں کرب سے تکتا وہ آزادی کا سائینڈ پروانہ بنا چھوئے مہکار کی ہتھیلی میں دیتا اچھوت کی مانند اس عورت سے کئی قدم دور گیا۔

مہکار کو لگا جہاں وہ کھڑی ہے اس کی ساتویں تہہ تک لرزش اتری ہو، وہ جہاں کھڑی ہے اس پر پھیلا آسمان اسکے سر پر گرا ہو۔

"اب میں مروں یا جیوں تمہیں اس سے مطلب نہیں ہو گا، تم جیسی کے لیے مزید نہیں گروں گا اب۔ اپنے نام کی حرمت واپس پاؤں گا۔ تمہارے عشق نے کافر بنا دیا مجھ بدبخت کو، تمہیں اب سمجھ آئے گی مہکار کہ موت کسے کہتے ہیں۔ میرے پروں کے حصار میں سکون نہ ملا تمہیں تو اب یقیناً نوچ کھاتی دنیا تمہیں ضرور قبر کا سکون تو دلا ہی چھوڑے گی۔

جا رہا ہوں، اب صرف یوآن شاہ تک رسائی رکھوں گا اپنی۔ واپسی کا کوئی دروازہ نہیں تمہارے لیے، تم آزاد ہو گئی۔ ایک بار پھر مبارک"

سلگاتے دل کو تڑپاتے لفظ اچھالتا وہ مہکار پر دنیا جہاں کی تکالیف کے در کھولتا اوجھل ہو گیا اور وہ جسے ایک لمحے کو سانس کی عدم دستیابی پر لڑکھڑا کر وہیں گری، ہاتھ سے وہ آزادی کا پروانہ چھوٹ گیا۔

اسے لگا دنیا جہاں کے سارے پرندے اس پر قہقہے لگاتے اسے نجس نجس پکار رہے ہوں۔

اسے خود محسوس ہوا وہ پاک سے یکدم پلید ہو گئی ہو، یہ لفظ جس کو ناپسند کہا گیا ہے، اسکے دامن پر اسکی سزا بنے آن لگا تھا۔

"ہاہاہاہا۔۔۔ مل گئی رہائی تم کو، مل گیا پروانہ۔۔۔ اب تم سایہ دار شجر سے نکال کر چلچلاتی دھوپ میں آن کھڑی ہو۔ یہی پرندے جو رازق کا وسیلہ سمجھ کر تمہارے آنگن میں رزق لینے اتر آتے تھے اب تمہیں

نوچنے کی خواہش رکھتے۔۔۔ تم تباہ ہو گئی مہکار، تم نے خسارہ چنا۔ تم ناپسند ہو، تم نافرمان ہو، تم سزاوار ہو، تم گناہ گار ہو۔ تم نے اللہ کی چھپی مصلحت کو بے وقت جاننے کی طلب و کوشش میں خود کو خالی کر دیا، اب تم پر کوئی سایہ نہیں۔

تم سے تمہارا رب ناراض ہو گیا"

اسے لگا خواب ناک سی کیفیت میں اسے یہ آوازیں سنائی دی ہوں، کوئی اس پر ہنس رہا تھا۔

مہکار کو سانس نہیں آ رہا تھا، وہ جیتے جی موت کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

اسی کیفیت میں وہ ہوش سے بیگانی ہو گئی۔

رگِ جاں میں مسلسل دانت گاڑے

اُداسی پی گئی خوں، دن دیہاڑے

ترا چھوڑا ہوا گھر ہوں، مجھے کیا!

کوئی مجھ کو بسائے یا اجاڑے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کرسکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"یہ ہمارا خاندانی ہار ہے، اور آج اس مبارک موقع پر میں اسے اپنی پیاری بہو وفا کو دینا چاہتی ہوں"

نکاح کی رسم کے بعد زویا نے رسماً خوبصورت اور خاندانی بہت ہی دیدہ زیب اور زیبائشی رتن سی چمک رکھتا وہ ہار بہت پیار سے اپنے پہلو میں بیٹھی وفا کی گردن کی زینت بنایا تو جہاں وفا رسان سے مسکرائی وہیں نادانستہ نظر کاشان ہمانی سے جا ٹکرائی۔

وہی آگ جو وفا کو جھلسا دینے کی قوت رکھتی تھی، اس بیری اور بے حس کی آنکھوں میں ابھری، وہ بوکھلا کر نظر تو جھکا گئی مگر یہ اک لمحہ کاشان ہمانی کے سارے احساسات اکھاڑ گیا۔

وہ اسے قریب تر درکار تھی، ناجانے کیوں یہ تو بس اک کھیل تھا اس کے لیے مگر کچھ تو اسکے دل کی سفاک پرتوں میں مچلا تھا، کچھ کٹ سا گیا تھا۔

یہ وقت، یہ لمحہ وفا کو ناگہانی لگا۔ جب اسکا صبر، اسکی برداشت اور اسکی ہمت کا پیمانہ چھلکا تو وہ سب کی جانب رسان سے معذرت پیش کرتی نہ صرف وہاں سے اٹھی بلکے اس شخص کی نظر کے اپنی روح سلگاتے حصار سے وحشی بنی دوڑ کر نکلی اور خود کو اوجھل کر لیا۔

وہ اسکے اوجھل ہو جانے تک ٹھیک تھا مگر پھر زخم سے جلن اور تکلیف بہنے کا احساس از سر نو جاگا۔

ویسے بھی رات کافی ہو گئی تھی تبھی اب وہ خود بھی اس تھکا دیتے کھیل کو سمیٹ لینے کا خواہش مند تھا۔

"اللہ اس تعلق کو عافیت اور محبت کے رنگوں سے بھر دیں، اب وفا آپ سب کے پاس ہماری امانت ہے نہال بخاری"

سبھی کے جبراً مسکان سے سجے چہروں کو بھانپتی زویا بہت بے تکلفی سے اجازت طلب نظر نہال بخاری کی جانب اچھالے اپنی ساڑھی کا پلو لہرا کر اٹھی تو اک لمحہ لگا جب نہال بخاری کی نظر زویا کی کلائی پر بنے اس جانے پہچانے نشان پر گئی۔

وہ جیسے سرد پڑا، اس لڑکی کی ہنسی کے پیچھے نہال بخاری کو اپنی کائنات ہچکولے کھاتی نظر آئی۔

وہ اب فریال سے ملتی ہوئی منیہا کی گال سہلائے عناب کی گال پر بوسہ دیے مسکرائی، اسکی نظر میں ایسا سلگاو تھا جو نہال کو جنجھوڑ گیا۔

کاشان بھی سرسری سا نہال بخاری سے ملتا ہوا جب وحید کی جانب پلٹا تو وہ اسے خاصے تنقیدی انداز اور اچٹتی نگاہوں سے دیکھ کر اسکے بڑھے ہاتھ کو ناگواری سے گھور رہے تھے۔

"رخصتی صرف وفا کی مرضی پر منحصر ہو گی کاشان ہمانی، امید ہے نکاح کی طرح تم رخصتی کے لیے اجلت نہیں مچاو گے۔ سفر خیر سے گزرے آپکا واپسی کا"

سخت مگر دنیا دار سا لہجہ لیے وہ کاشان کی دبی استہزایہ خوشی کو ان جملوں سے خاکستر کرتے اسکے ہاتھ کو تھام کر اک اک لفظ جتا کر بولے تھے مگر کاشان ہمانی تو سوچ کر بیٹھا تھا سب۔

"بہت شکریہ، امید ہے جلد ملاقات ہو گی دوبارہ۔ چلیں زویا۔ کافی دیر ہو گئی ہے"

اک ادائے بے نیازی سے وہ وحید صاحب کی بات کو چنداں اہمیت نہ دیے تفاخر سے کہتا زویا کے ساتھ ہی باہر کی جانب بڑھا، نہال کو اپنی جگہ جما دیکھ کر عون، فریال اور وحید تینوں ہی ٹھٹکے کیونکہ انکی نظر اسی سمت گڑھی تھی جہاں سے ابھی کچھ دیر پہلے وہ دونوں او جھل ہوئے۔

"خیریت ہے؟ اب سکتہ کیوں ہو گیا ہے تمہیں۔ کر لی آخر تم نے اپنی ضد پوری۔ سکون مل گیا اس مغرور کو وفا سونپ کر۔ کاش تم ایک بار وفا کا وہ جبرا مسکراتا چہرہ دیکھ لیتے نہال، تم یاد رکھنا میری یہ بات۔ اگر مجھے وفا کے گرد کبھی بھی کوئی بھی اس سانڈ نما آدمی کے باعث دکھ یا درد کی تلخی محصور محسوس بھی ہوئی تو اسکا انجام بہت بھیانک ہو گا، تمہارے لیے۔۔۔۔"

فی الحال وہ بھلے بہت شانت تھے مگر نہال کو اول لمحے ہی اپنے انداز اور تنبیہی لہجے سے بہت کچھ باور کروا گئے، وہ جیسے اپنی نظر ہٹا کر اک پل چونکے مگر پھر نخوت سے سر اٹھا کر اک فتحمندانہ آگ لگاتا تبسم دیتے وہاں سے واک آوٹ کر گئے۔

نہال کے ایسے رویے پر وحید صاحب ناگواری سے مٹھیاں بھینچ کر پلٹے، فریال تو سنجیدہ تھیں البتہ عون اب کچھ تشویش زدہ تھا۔

"اب جو ہو گیا ہے بھول بھی جائیں، ان شاء اللہ وفا اس پتھر کے بت کو سدھار لے گی۔ چلو منیہا جان جاو اور چینج کر کے پیپر کی تیاری کرو روم میں جا کر۔

عون یہ یہیں سو گئی ہے اسے اسکے روم میں چھوڑ آو۔۔۔۔ آپ بھی چلیں روم میں، چائے لاتی"

سب کے تھکے اور الجھے تاثرات بھانپے خود ہی فریال نے تسلی آمیز انداز میں وحید صاحب کا اشتعال کم کرنے کی مبہم سی سعی کی مگر وہ وفا کا چہرہ جس پر خوشی نام کو نہ تھی، ہر گز فراموش نہ کر سکتے تھے۔

منیہا تو پیپر کی تیاری کا سن کے ہی اعلی درجے کی بری شکل بنائے منہ بسورے اپنا لہراتا شرارہ سنبھالے غائب ہوئی وہیں مما کے کہتے ہی عون بھی چہرے پر پیاری سی مسکراہٹ سجاتا صوفے پر ہی سو جاتی عناب تک پہنچا اور اسے اٹھایا جو زرا سا کسمسا کر اٹھا کر عون کے دوبارہ سے لپٹانے پر سو گئی۔

خود فریال بھی ملازمہ کو سب سمیٹنے اور چائے بنانے کا کہے خود وفا کے روم میں آئیں جس نے اپنا دوپٹہ تو نوچ کر پھینکا ہی تھا، ساتھ ساتھ وہ سانس گھونٹتا ہار بھی فرش پر دے مارا۔

بیڈ پر بیٹھی وہ چادر مٹھیوں میں بھینچے گہرے گہرے سانس بھرتی اپنے دکھ، غصے اور بے بسی کے جمع ہوتے غبار کو نکال رہی تھی۔

فریال نے اندر داخل ہوتے ہی آزردگی سے اک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر فرش پر بکھرے سازو سامان کو اٹھاتیں وفا کے پاس ہی آکر بیٹھیں۔

"خود کو مت تھکاو میری جان، تم بلکل بھی پریشان مت ہو۔ جب نکاح ہوتا ہے تو اللہ خود بخود دلوں کو محبت کے نور سے جگمگا دیتا ہے۔ تمہارا خالی دل بھی جلد اس انسان کی محبت سے بھر جائے گا، یہ وقتی دکھ، اذیت اور بے بسی تب بلکل مٹ جائے گی جب وہ تمہیں اپنی محبت کے حصار میں لے گا۔ اللہ سے ناامید نہیں ہوتے، تم تو ویسے بھی بہت بہادر ہو۔ عورتوں کی محافظ، عورت کو حوصلہ دیتی آئی ہو۔ یاد رکھنا وفا، اللہ اپنے پسندیدہ پیاروں کو آزمائش میں اکثر و بیشتر ڈالے رکھتا ہے، تاکہ وہ مزید سنور کر کندن بن جائیں۔ ہماری وفا تو محبت، احساس، نرمی، چاہت، اور پیار کا سرچشمہ ہے تو بھلا کیسے ممکن ہے وہ شخص بنا تم سے محبت کیے رہ جائے"

یہ فریال کیا کہہ رہی تھیں، وفا کو لگا اسکا سانس تھمنے لگا ہو، اسکی دھڑکن ان اتنی ساری تسلیوں اور دلاسوں پر بھی بین کر رہی ہو، اسے یوں لگا اسکی رگوں میں دوڑتا خون منجمد ہو گیا ہو، یکدم ہی سینے میں بھڑکتی آگ سرد پڑ گئی ہو۔

وہ تو اپنے دل کو کسی کا محبوب ہونے کی تسلی سے بھرے ہوئے تھی تو پھر اس نکاح کے بعد کے نور کو وہ دل کے کس خانے میں جگہ سونپے، یہ سوال اسے کاٹ رہا تھا۔

نرمی سے وہ وفا کا چہرہ سہلائے اٹھ کر اسکی پیشانی پر بوسہ دیتیں جیسے آئیں ویسے ہی لوٹ گئیں مگر وفا کو بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

ہارنے کی تکلیف، کتنے مان سے اس نے اس لوفر کو وھاج سکندر کی دھمکی دی تھی۔

وہ اسے بچالے گا، مگر وہ اب یہی سوچ رہی تھی کہ خود پر خود قہقہے لگائے۔

اسے کاشان ہمانی سے دور بیٹھے بھی ڈر محسوس ہوا تھا، وہ شخص اسے نکاح کے بعد بھی اپنے لیے محافظ نہ لگا، اس شخص کی نیت اسکی فریبی آنکھوں میں آویزاں تھی، جیسے وہ اب صرف وفا کو نوچ لینے کا موقع چاہتا ہو۔

اسے کاشان ہمانی کی آنکھوں کا خمار، دلکش فتح مند مسکراہٹ، فتور ظاہر کرتے لب و چشم کے اشارے خوفزدہ کر رہے تھے۔

وہ بیٹھی بیٹھی کانپنے لگی، اپنے اردگرد بس اک اندھیرا ہی دیکھائی دیا۔

سانس گھونٹ دیتی وحشت اور کچھ نہ دیکھائی دیتی تاحد نگاہ پھیلی تاریکی۔

وہ وہیں دم سادھے تکیے سے گال جوڑے لیٹ گئی، اور درد کرتی بے مراد آنکھیں سختی سے موند لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عون بہت احتیاط سے عناب کو لٹا کر اسکا سر تکیے پر رکھے سر چومتا واپس اٹھا تو منہ بسور کر ڈریسنگ کے پاس کھڑی اپنی کلائی کی زیبائش بڑھاتے بریسلٹ کو اتار کر دل ہی دل میں اب پڑھائی کرنے پر سخت صدمے میں تھی اور عون بخاری کی نظر آج کچھ بہکی بہکی اور بدلی تھی۔

اپنے آپ میں گم وہ پوری توجہ جیولری اتارنے میں لگائے ہلکی پھلکی ہوئے مڑی ہی تھی کہ وہ جو بے دھیانی میں منیہا کی اور چلا آیا تھا، اس باولی کے گولی کی طرح سینے پر آکر پٹخنے پر سارا خمار بھولے اس نمونی کو بمشکل حصار پایا جو خود اتنے قریب عون کو محسوس کیے فوری ہڑبڑا کر ہٹی کہ بمشکل منہ سے چینخ نکلنے سے روکی مگر پیچھے ڈریسنگ کے باعث دونوں کے بیچ خاطر خواہ فاصلہ نہ بن سکا۔

اپنے چہرے کی جانب عون بخاری کی نظریں جمی پائے منیہا کو لگا پورے جسم میں اک بے خودسی سرسراہٹ پھیل گئی ہو۔

"وہ اتنی خوبصورت ہے
کے میں شاعر ہوں پر لفظوں میں وہ مجھ سے نہیں بنتی
مصور ہوں جمال رنگ سے بھی آشنائی ہے مجھے لیکن
وہ اتنی خوبصورت ہے
کے لفظوں سے نہیں بنتی جمال رنگ و بو کی کاوشوں سے بھی نہیں بنتی
وہ کِتنی خوبصورت ہے"

آج وہ دل سے منیہا بخاری پر اپنا دل سحر پھونک دینے کی نیت سے قربت کا تمنائی تھا۔

"اتنا سجنے کی کیا ضرورت تھی، بولو"

دونوں بازو منیہا کے دونوں اطراف سے لے جاتا ڈریسنگ میز پر ٹکائے وہ نہ صرف جھکا بلکے وہ اس سوال، نزدیکی، کلون کی مہک، مقابل کا پروقار سحر، حصار اور ہوش اڑاتے لمحے میں مقید دم سادھ کر مزید سمٹ کر اسکے سوال کرتے ہونٹوں کو ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھی جو مونچھ تلے اور سیاہ بڑھی داڑھی کے باوجود بھی وافع تھے، پھر ہمت کیے عون بخاری کی سیاہ، روح تک اترتی آنکھوں کو دیکھا جہاں آج کچھ ایسے خود سے بے خود کرتے عشقیہ رنگ تھے جو منیہا بخاری نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

تبھی تو وہ ان نئی نظروں کی دہکتی آنچ سے پاگل ہوتی بے جان ہو رہی تھی۔

"ت۔۔تو کیا بندہ کسی فنکشن پر بھی نہ سجے، پھر اس جیولری اور میک آپ کو آگ لگا دوں کیا"

بہت قریب سے بھی وہ خود کو بے خوف اور بے باک دیکھاتی از سر نو ہمت کیے جواب دے گئی، یہ کوشش عون بخاری کے ہونٹوں پر متبسم رنگ لائی۔

"لیکن تمہارے یہ سب کرنے سے میرا دل مشکل سے دوچار ہو گیا ہے، حصار ٹوٹ گیا ہے جو بہت جبر سے بنایا تھا تمہارے اور اپنے بیچ۔ محبت سے بھری نظر چاہتی تھی ناں تم عون بخاری کی"

جذب و سرور سے آٹے لہجے میں وہ ان عارض ور خسار کی جانب نظر ڈالتا، منیہا کو پہلی بار لرزا گیا تھا۔

کسی بھی طرح نہ دبنے والی وہ حسینہ یوں تھا کہ ان لفظوں کی بازگشت اپنے وجود کے گنبد میں سر سراتی محسوس کرتی بلکل ایسی تھی جیسے سانس لیتی لیتی اس ظالم کے ارادوں کو ہی سوچ کر سانس چھوڑ دے گی۔

اپنی آج ہی کہی بات دماغ میں گھنٹے سی بجی، تو کیا وہ اسکی کہی بات سن چکا تھا۔

اب تو جیسے وہ جی جان سے کانپی، وہ سب کہنا کتنا آسان مگر اس شخص کی زرا سی قربت سہنا وبال جان تھا۔

اس دل کی جسے وہ چھیڑ بیٹھی تھی، دھک دھک گویا منیہا کی سماعت میں آکر گونجی۔

"آپ نے میری بات سنی، چھپ کر۔ بہت برے ہیں۔ وہ۔ وہ مم تو ایسے ہی مزاق کر رہی تھی"

اپنی غلطی کا آج شدت سے احساس اسے بے قرار کر گیا، وہ اپنے ڈر کو اپنے لفظوں میں آنے سے نہ روک سکی۔

"اگر کہوں کہ مجھے سن کر اچھا لگا پھر"

اک ہاتھ کی ٹیک چھوڑتا وہ منیہا کی تھرتھراتی پلکیں چھو کر دوسرے ہاتھ کی ٹیک کو چھوڑے منیہا کی کمر حصار کر اس تھرتھراتی قربت سے بے حال کا مزید جان لیوا امتحان لیے قریب کرتا مخمور سرگوشی میں اسکے کان کی اور جھکا۔

اسکے ہونٹوں سے نکلی سرگوشی نے مانو منیہا کی سماعت سے اترے دل کے تار چھو لیے، وہ حواس پر ہر طرح بھاری پڑنے لگا۔

منیہا کو اپنے گرد خطرے کی گھنٹیاں سنائی دیں، اتنے قریب عون بخاری پہلی بار اسکے ہوش میں آیا تھا اور وہ لڑکی بس دم دینے کی سی حالت میں تھی، جیسے جیسے اسکی خوشبو حواسوں پر چھا رہی تھی وہ محسوس کر رہی تھی وہ اپنے بس کی تو رہی ہی نہیں۔

"ع۔۔۔عون۔۔کیا ہو گیا ہے آپکو، مر جاوں گی یار ہٹیں پیچھے"

مزید قریب کا سوچ کر ہی اسکی جان نکلی تھی مگر اسکی یہ کانپتے ہونٹوں سے نکلی التجاء نے عون بخاری کے مانو سرور میں اضافہ کیا۔

منیہا کو اپنی کمر پر حرکت ہوتی انگلیوں کی شدت اور گرفت بڑھتی محسوس ہوئی تو وہ اس کے حصار سے نکلنے کو پھڑپھڑائی مگر وہ ہر طرح منیہا بخاری پر حاوی تھا۔

"میرے قریب آنے سے مر جاو گی، یہ کیا بکواس بات کی۔ حد ہے"

خود ہی اس جان ہارتی لڑکی پر رحم کھاتا وہ اس بار خفگی کے سنگ ابرو اچکا کر گھورتا منیہا کے سرخ ہوتے ہوائیاں اڑے چہرے کو دیکھتا بولا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی اپنی آنکھوں میں نمی سی لے آئی۔

"تو جب ایک دم آئیں گے تو مروں گی ہی صدمے سے، کل تک مجھے ڈانٹے کوستے اور برا بھلا کہتے تھے، ایک دم سے۔۔۔۔"

اپنی کیفیت بتاتی وہ روہانسی ہوئے آنکھ سے بہتا اک آوارہ آنسو اس سے پہلے رگڑتی، عون نے اسکا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیے اسے روکا۔

یہ آنسو آج عون بخاری کو بہت انمول لگا تبھی اس معصوم شکوہ کناں آنکھوں میں جذب سے دیکھتا وہ اسکے اس آنسو کی لکیر کے رخسار تک پہنچتے ہی لبوں سے چھو گیا، منیہا نے سہم کر آنکھیں بھینچے لب اک دوجے میں پیوست کیے عون کی شرٹ سینے سے ہاتھ کی پہنچ میں آتے ہی جکڑی جسکے باعث دونوں کے بیچ کا فاصلہ قدرے تھم گیا۔

عون ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

"بھول گیا تھا کہ نکاح میں ہو میرے، اور ڈانٹتا تو اب بھی رہوں گا بس تمہاری جان نہ نکلے اسکی کوشش تیز کر دوں گا"

جان بوجھ کر منیہا کے بوجھل، ننھے منھے غصے سے بھری آنکھیں تکتا وہ ذو معنی ہوئے اس جھلی کو بہت کچھ باور کروا گیا تھا۔

منیہا نے لب دانت تلے دبا کر عون کو دیکھا، دھڑکنیں گویا ابتری کی جانب لپکیں۔

"م۔۔مجھے یقین نہیں آرہا آپ ایسا بھی کریں گے کبھی، سب کو تو پیار کرتے تھے، میرے سے کونسی دشمنی تھی کہ دو سال سے سوتیلی بیوی والا سلوک کیا"

زرا اعتماد بحال ہوا تو وہ پھر سے ازلی لہجہ اپنائے منہ بسور کر شکوہ کرتی منمنائی، آنکھیں دھندلا سی گئیں۔

'سوتیلی بیوی' پر تو وہ مسکراہٹ روک نہ سکا۔

"کوئی وجہ تھی اسکی، لیواٹ۔"

بال سہلائے وہ اسکے بالوں میں ہاتھ پھنسائے منیہا کو پھر سے ڈرا رہا تھا، جو اب اسکے سینے پر ہاتھوں سے مزاحمتی بوجھ ڈالے سرک رہی تھی۔

"اب جائیں پلیز۔ ڈر لگ رہا ہے آپ سے"

مسلسل فرار پر بھی وہ اسے رہائی نہ دیتا ظالم ہوا تو وہ تھک ہار کر نظریں جھکا کر بولی، آواز میں وافع بے بسی تھی۔

"تمہارے پیپرز کے بعد رخصتی کی بات کروں گا منیہا بخاری، لہذا اچھے پیپرز دے کر میرا موڈ ایسا ہی شاندار رہنے دینا۔ اگر مارکس کم آئے تو واقعی اپنی عادت ڈال کر ماردوں گا تمہیں"

وہ جو سانس دبائے بے دم کھڑی تھی اس حکم پر خود کو عون بخاری کے رحم و کرم پہ چھوڑے صدمے سے لہرائی مگر وہ مسرور سا شرارتی مسکان لبوں تلے دباتا اپنے حصارے وجود میں منیہا کو بھرے جیسے خود میں سمو لینے کی سازش میں تھا۔

وہ لڑکی تو اتنے پہ ہی برف کی مانند ٹھنڈی ہوئے سانس بھرتے دشوار جبر میں لپٹی۔

"ف۔۔ فیل ہو جاوں گی، آج جو ک۔۔ کیا ناں فیل ہو جاوں گی۔۔۔ ہٹیں پلیز، م۔۔ مجھے کچھ ہو رہا عون"

ماہی بے آب کی طرح وہ ٹوٹ بکھر کر اس شخص کے ظالم تیور پر بھرائی آواز سے حصار جھٹکنے کی ننھی منھی کوشش میں پکاری مگر عون اس نوٹنکی کی دکان کے پاس سے جانے پر راضی ہی نہ تھا، اسے لگتا تھا وہ صرف

منیہا کو بے خبری میں ہی چھو کر صبر کرتا رہے گا مگر آج اس لڑکی کے ہوش میں وہ اس پر اپنی خوشبو، اپنی قربت کا رنگ چھڑک کر اک نئی سی خوشی دریافت کر چکا تھا۔

"تمہیں آسکر ملنا چاہیے منیہا بخاری اس ایکٹنگ پر، اتنی پھڑکتی ہوئی تو پرانی فلموں کی ہیروئنز بھی نہ تھیں۔ اب تم مجھے شدید طریقے سے پھنسا چکی ہو اپنے جال میں"

کمر پکڑے اسے تھوڑا خود سے دور کیے اسکے حواس باختہ چہرے اور صدمے سے کھلے ہونٹوں کی جانب نظر ڈالتا وہ آفت خیز مسکرایا۔

چہرے پر پھیلا تبسم کسی سنگین واردات کو کر کے بھاگنے کا ترجمان تھا۔

"ع۔۔۔ عون۔۔۔ آپ کے اندر کس ٹھرکی ہیرو کی روح گھس گئی۔ مم۔۔ میں بتا رہی ک۔۔ کچھ ہو جائے گا"

سہمی چڑیا نے مقابل کے بے باک ارادے کو بھانپ کر حلق سے نکلی گھٹی آواز کے سنگ منمنا کر اک آخری کوشش کی مگر مقابل تو آج کچھ حد سے سوا ہی سرور حاوی تھا، عون بخاری نے اک فاتحانہ مسکان اچھالی اور بڑھتے جذبات کی ساری شدت کو بند باندھنے کو خیر باد کہے لپک کر دہلیز جان کے پار تک اپنی استحقاق میں لپٹی من مانی سے لرزا اتارنے کا سوچا، پھر نرم مہکار میں لپٹا لمس منیہا کے پر لطف خدوخال کی نرماہٹ مد نظر رکھتے سونپا، اک نئی طرز سے قریب آیا، خود میں بسا کر اس نازک کی نازکی کا امتحان لیا۔

اور منیہا بخاری اپنے خوابوں سے کہیں درجے بڑھ کر ہوش ٹھکانے لگنے پر ان بے باک جسارتوں پر نہ صرف ہوش میں آتے لہرا کر اس جان لیوا حصار سے دور ہوئی بلکہ اگلے ہی لمحے عون بخاری کی روح کو سہلاتی نرم مگر پر مہکار نگاہوں کی تاب نہ لاتے وہیں لہرا کر اس سے پہلے بیہوش ہوئے گرتی، عون نے لپک کر اسے بازووں میں سنبھالا۔

میڈم کے حواس اڑے اور خون منجمد دیکھ کر عون اپنا سمٹا سا قہقہہ روکے اسے بازووں میں اٹھا کر کروٹ پر لیٹی عناب کے ساتھ لٹاتا کتنی ہی دیر اس ڈرامے پر مسکراتا رہا۔

"مم۔۔میں کہاں ہوں"

نیم بیہوشی میں وہ عون کا مضبوط ہاتھ تھامے اس کو پکارتی منمنائی اور وہ مسکراتا ہوا باریک بلینکٹ اس پر اوڑھائے ہاتھ چھڑوائے پلٹا اور پھر سے ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

منیہا میڈم کوچ کر چکی تھیں، اب صبح تک اسکا صدمے سے واپس آنا ناممکن ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بخاری ولا میں قدم رکھتے ہی اس پر قیامت ٹوٹ گرئ تھی، وفا بخاری کیسے چپ چاپ ہتھیلی سے ریت کی مانند پھسل گئی، کتنے ہی لمحے وہ مٹھیاں بھینچ کر اپنے سامنے کھڑے نہال بخاری کے غضبناک تیور سہتا رہا، وہ شب خوابی کے لباس میں اس وقت سادہ کرتے شلوار میں مہذب اور شائستہ انداز لیے صوفے پر براجمان تھے اور انکی جان لیوا نظر اپنے سامنے کھڑے، ہارے، شکستہ اور مسمار وھاج سکندر پر تھی۔

"وفا سے محبت کرتا ہوں، مجھے سونپ دیں لالہ"

اپنی زندگی میں پہلی بار اس نے کچھ مانگا تھا، نہال بخاری تلملا کر اپنی نشت سے اٹھے اور بمشکل اپنا ہاتھ وھاج پر اٹھنے کو روکا۔

انکالال بھبھوکہ چہرہ بتا چکا تھا کہ وہ کس ضبط کے دہانے پر تھے۔

"تمہاری اتنی جرت کہ تم میرے سامنے آکر یہ بکواس کرو، وفا کا نکاح ہو چکا ہے بدبخت۔ اور تم! تم نے جرت کیسے کی وفا سے محبت کرنے کی وھاج سکندر، کیا اس قابل ہو تم کہ میری نازو ادا سے گندھی وفا کے لیے اٹھ آئے تھے۔ یہ بکواس آج تو کر دی لیکن آج کے بعد اگر تمہاری زبان پر میں نے 'محبت' اور 'وفا' نامی یہ لفظ تک آتے سنے تو بھول جاوں گا کہ تم میرے بہت وفادار ساتھی ہو۔ دفع ہو جاو میری نظروں سے دور"

اپنی پوری قوت سے وہ وھاج سکندر کی ذات پر کاری وار کیے دھاڑے اور وہ اس انکشاف پر اپنے اندر ہیجانی چینخیں بلند ہوتی محسوس کرتا اسی لمحے مر گیا تھا، اس مضبوط انسان کی آنکھ سے اس خسارے پر اک بھٹکا آنسو بہہ کر ضبط کی توہین کر گیا۔

"ک۔۔۔ کیا۔ نکاح ہو گیا؟"

سوال کرتے وھاج کی بھاری آواز کئی ٹکڑوں میں بٹی، نہال کا اشتعال از سرنو دہکا تبھی وہ لمحے کے ہزارویں سینکڈ لپک کر وھاج کا گریبان دبوچے اسے جنجھوڑ گئے مگر وہ تو صدمے میں تھا۔

اجڑ جاتے دل پر ماتم کر رہا تھا۔

"ہاں اور تمہاری وجہ سے میں کوئی بھی بے چینی برداشت نہیں کروں گا، اپنے لئے اپنے جیسی ڈھونڈ لینا اب جاو اور یہ بات ہم دو کے بیچ ہی رہے سمجھے ہو"

اس صدمے سے بے جان ہوتے مجرم کو گھسیٹ کر پرے دھکا دیتے وہ اسے تلملا کر تنبیہہ کیے مڑے مگر وھاج سکندر چپ چاپ حکم کی تعمیل میں وہاں سے نکلتا چلا آیا، کب قدم باہر کھلے آسمان تلے لائے کچھ خبر نہ ہوئی۔

درد اور تکلیف سے اسے لگا جسم و جان کٹ رہا ہو۔

وہ تو لوٹ آیا تھا پھر یہ ہار کیوں؟

وہ تو جھولی پھیلا کر بر وقت وفا نامی دولت مانگنے پہنچ گیا تھا پھر یہ دھتکار کیوں؟

کئی بے مراد آنسو اسکی آنکھوں میں جمع ہوئے تو بالکونی میں کھڑی ابدال کے لیے پریشان سی وفا نے سر سبز لان میں پتھر بن کر کھڑے وہاج کو دیکھتے سرد مہری سے منہ موڑا۔

"آپ نے کیوں کیا ایسا میرے ساتھ، یہ جانتے ہوئے کہ وفا بخاری کے بنا مر جاوں گا پھر بھی اسے دور کر دیا، مجھ سے کوشش کا وقت بھی چھین لیا، وہ کسی اور کی ہو گئیں۔ میری سانس اب بھی چل رہی، یہ تو سراسر ناانصافی ہوئی"

اپنے قدم لڑکھڑانے پر وہ وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھا، آنکھوں میں ویرانی سمٹ آئی۔

وفا کا دل اک لمحے کو رکا، وہ پھر سے وہاج سکندر کو دیکھ رہی تھی۔

بہت تیزی سے آسمان کی وسعتوں پر پھیلے سیاہ بادل گرجے، یکدم ہی آسمان کی وسعتوں کو چیرتے بارش کے قطرے زمین پر اترتے گئے۔

"مت کریں میرے ساتھ یہ، کہہ دیں وفا آپ اب بھی میری دسترس میں ہیں۔ کہہ دیں خدارا"

وہ سسک اٹھا، اسکی آنکھیں زمین پر جھکی آہ وبکا میں تھیں اور وہ جیسے اتنے دور سے بھی وہاج کی آواز اپنی سماعت میں اترتا محسوس کرتی یکدم دل دہلا دیتے موسم پر رنجیدہ ہوئی۔

"وہاج سکندر"

اپنے ماتم کے بیچ اسے وفا کی پکار سنائی دی تو وہ بیتابی سے گرتی بارش کے بیچ سر اٹھائے وفا کو دیکھنے لگا، وہ سلگتا مسکرائی۔

"وفا۔۔۔۔۔م۔۔۔میں پہنچ آیا تھا وفا، میں آپ کو مانگنے آیا تھا مگر۔۔۔۔"

وہ بیتاب سے اٹھ کر وفا کے قریب جا کھڑا مدھم بوندوں سے بے نیاز سر اٹھائے تڑپ کر چلایا مگر وہ اس بار زیادہ ظالم مسکرائی۔

"مگر دیر ہو گئی، اچھا ہی ہوا۔ تم مجھے یوں ہی ساری عمر خوار کرتے۔ اب اسے تسلیم کرو اور تماشا مت بناو میرا۔ چلے جاو۔ جا کر ابدال کو دیکھو کہاں ہے وہ، کیوں نہیں آیا۔۔۔"

وہ بھی ستم گر تھی، وھاج کی سچی تکلیف کے باوجود اسے زخمی کرتی حکم صادر کر رہی تھی مگر مین گیڈ کی جانب ہوتی ہلچل پر وہ دونوں ہی اس جانب متوجہ ہوئے جہاں وہ چوکیدار کے گیڈ بند کرنے کے بعد بے جان سی چال چلتا آرہا تھا۔

وفا کمرے سے ہوتی تیزی سے سارا رستہ عبور کرتی بیرونی طرف بنی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آئی تو بارش کے باعث ہلکی پھلکی بھیگ گئی مگر جان تو اسکی تب نکلی جب ابدال کا شدید زخمی سرخ لہو لہان ہاتھ دیکھا۔

"یہ کیا کیا ہے ہاتھ کو ابدال، تم کہاں گئے تھے"

وفا اس کی بے حسی پر اس بار اسکی بازو جھنجوڑ کر بولی مگر وہ بری طرح اپنا بازو جھٹک کر باری باری دونوں پر دلخراش نظر گاڑ تا ولا کی اندرونی سمت لپکا۔

وفا نے اسکے ایسے رویے پر بمشکل رونا روکا اور رہی سہی کسر اپنی اور آتے وھاج نے پوری کی۔

"دور رہو مجھ سے، جان لے لوں گی اب"

اپنی بازو کو چھوتے وھاج کے ہاتھ کو بری طرح جھٹک کر وہ پھٹ پڑی اور وہ تو سمجھ نہ پایا کہ کیا روح بھی اس شدت سے جسم سے نکل جایا کرتی ہے۔

"اس نے کاشان ہمانی پر حملہ کیا تھا، اسکے کندھے میں کوئی نوکیلی چیز گاڑ آیا تھا۔ مجھے میسج کر کے سٹیڈیم بلایا یہ کہہ کر کہ وہ نکاح ایک دن کے لیے ٹال آیا ہے۔ خدا گواہ ہے وفا مجھے یا ابدال کو رتی برابر علم نہ تھا کہ کاشان اس سب کے باوجود آج آجائے گا"

وھاج کی مضبوط آواز میں یہ بتاتے کرچیاں تھیں اور وہی کرچیاں وفا کے دامن میں گڑھ گئیں۔

وہ بے یقینی سے وھاج سکندر کی سرخ انگارہ آنکھیں تکتی خود بھی تکلیف سے بے حال تھی۔

"یا میرے اللہ، یہ اس لڑکے نے کیا کر دیا۔۔۔۔"

وفا اپنا سر جکڑے اس سے پہلے ابدال کے پیچھے جاتی، وھاج کے راہ میں حائل ہونے پر اسے خونخوار آنکھوں سے گھوری۔

"وھاج ہٹ جاو میری راہ سے"

سختی میں بے بسی بھی تھی۔

"ہٹا تو دیا ہے آپ نے اس وحشی کا ہو کر، مر جاوں گا یہ دکھ میری برداشت سے بڑا ہے وفا"

ایک آخری کوشش کیے وہ گڑگڑایا تھا، گرتی بوندیں تھم چکی تھیں مگر انکے اثرات اور اک ٹھنڈک سی ارد گرد حاوی تھی۔

"تو مر جاو"

اپنی راہ کے اس کنکر کو ٹھوکر مارتی وہ کرچیاں سی آنکھوں میں سمیٹے وہاں سے فرار کر گئی اور وھاج سکندر پر جیسے سانس لینے کو ہوا نے اپنا وجود دینے سے انکار کر دیا۔

اک طرف خسارے ___ سارے جہان کے

اک طرف میرے ہاتھ سے گنوایا ہوا تو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ ٹھیک ہیں ناں ممی، کیا ہوا تھا"

رات کے کسی پل یو آن کی نرم پکار پر وہ حواس بیدار ہونے پر جاگی جو اسکا سر اپنی گود میں رکھے اسکی گال تھپتھپا رہا تھا۔

وہ یہاں بیڈ پر کیسے آئی تھی؟ پہلا ہی خیال اسے تکلیف سے دوچار کر گیا۔

یو آن کی ہتھیلی چومتی وہ سر میں اٹھتی ٹیس پر اٹھ کر اپنے سینے میں اس سہمے بچے کو چھپاتی روئی تھی، وہ آنسو جو نو سال اسکی آنکھوں میں منجمد تھے آج سارے بہہ جانے کی خواہش رکھتے تھے۔

"ت۔۔۔ تمہارے بابا کہاں ہیں؟"

زرا سنبھل گئی تو یو آن کو روبرو کیے پوچھنے لگی، باہر سحر کی روشنی پھیلتی جا رہی تھی۔

"وہ آپکو بالکونی سے اٹھا کر یہاں لٹا کر مجھے آپکا خیال رکھنے کی تاکید کیے ایک دن پہلے ہی چلے گئے واپس، وہ کہہ رہے تھے انکا کام اس بار بہت لمبا ہے۔ یہ بھی کہہ رہے تھے وہ مجھ سے اب میرے سکول ہی ملنے آئیں گے"

گہری فکر سے لبریز انداز میں وہ مہکار کو بتا کر پھر سے اداس سا اسکے سینے میں چھپ گیا جو اس شخص کی آخری مسیحائی پر بھی تڑپ گئی۔

کیا وہ جان گیا تھا کہ مہکار مر گئی ہے؟ کیا وہ اسکی وجہ سے چلا گیا تھا کہ وہ اسکے لیے اب نجس ہو گئی تھی؟ خود مہکار کو لگا وہ ہر حفاظت سے محروم ہے۔

دوسری طرف فارس شاہ سحر سے ملتی رات کے اس پل گاڑی میں بیٹھا سڑک کنارے روکے پھر سے اتر آتی بوندوں کو دیکھ کر آنکھیں پتھر کیے ہوئے تھا۔

عون کو اس نے کافی بار کالز کیں تھیں مگر اس نے فون نہ اٹھایا تھا اور اب جب وہ فجر کے وقت اٹھا تھا تو فون پر لگی فارس کی لاتعداد مس کالز پر جاگتے ہی فون ملائے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا۔

مقابل بات کرنے کی ہمت تک نہ تھی۔

"سوری یار رات سو گیا تھا روم میں آتے ہی، خیریت تھی اتنی مس کالز"

عون کے معذرت ذدہ جواب کے ساتھ ہی کیے استفسار پر فارس شاہ نے اک مشکل سانس کھینچی۔

"خیریت ہی خیریت ہے اب، میری بات غور سے سن عون۔ اب سے یو آن کا سکول میں تو گارڈین ہو گا، یہاں تک کہ تو اسے اپنی اولاد کی طرح سمجھنا، میرے بعد وہ صرف اپنے بڈی کے پاس محفوظ ہو گا۔ اگر ضرورت پڑی تو اسے مہکار سے چھین کر اپنے پاس لے آنا۔ مجھ سے وعدہ کر عون کہ میرے یو آن کا خیال رکھے گا"

ایک لمحے کو تو عون کا سر گھوما، اسے فارس کی دماغی حالت خراب لگی۔

"کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے یار، ہوا کیا ہے تجھے۔ بتا کہاں پہ ہے میں آتا ہوں"

مقابل کے درد میں ڈوبے احکامات پر عون بھی حد درجہ پریشان ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"اب ملاقات کا وقت نہیں عون، مہکار کو طلاق دے دی میں نے۔ اسے خ۔۔ خود سے آزادی دے دی یار، لیکن یہ کرتے ہی میں اپنی نظر سے خود گر گیا۔ وہ جتنی بھی پیاری کیوں نہ تھی لیکن میں اسے اپنی موت تک

کے مختصر وقت تک بھی اپنے نکاح میں سہہ نہ سکا مزید، م۔۔میری ہمت ٹوٹ گئی۔ اب مجھے بتا تو میرے یوآن کا محافظ بنے گاناں"

یہ سماعت میں اترتی دردناک تکلیف عون بخاری کو بھی نسیت ونابود کر گئی، کتنے ہی لمحے وہ اذیت وملال میں مبتلا کچھ بولنے کے لائق ہی نہ رہا۔

"یوآن آج سے عون بخاری کا بیٹا ہے، لیکن خود کے ساتھ کچھ نہ کریں فارس۔ میں تجھے وارن کر رہا ہوں"

عون کا دھمکانا تو جیسے فارس شاہ پر اثر ہی نہ کیا اسے تو بس عون کے پہلے جملے، پہلے وعدے اور پہلے اعتراف نے ہی ہر درد سے نجات دے دی۔

"اللہ سے دعا کروں گا تو کبھی کسی دکھ، کسی درد یا کسی تکلیف کی تپش نہ سہے عون بخاری۔ میرا سفر شروع ہو چکا ہے، زندگی رہی تو جلد ملوں گا تجھ سے اور نہ مل سکا تو یوآن کو بچا لینا اور اپنے پروں میں چھپا لینا۔ اللہ حافظ"

بنا عون بخاری کی تکلیف کی پرواہ کیے وہ اپنی مختصر آسودگی کا یقین پاتے ہی کال کاٹ گیا، عون نے بالوں میں اضطراری انداز سے ہاتھ پھیرے جیسے اس کٹی کال پر اذیت محسوس کیے جب دوبارہ نمبر ملایا تو وہ آف ہو چکا تھا۔

"فارس۔۔۔ نہیں فارس"

عون کا دل شدید تکلیف میں تھا، مگر اب وہ کچھ نہ کر سکتا تھا، اب اسے بس امانت سنبھالنی تھی۔

نو سال بعد مہکار کا سامنا کرنے کی ہمت جمع کرنی تھی، جو رات منیہا بخاری کی جانب قدم بڑھانے کے بعد اسے سوہان روح حد تک کھٹن لگ رہی تھی۔

دوسری طرف ساری رات ابدال نے خود کو کمرے میں بند رکھا، وفا ساری رات ہی بے قرار رہی تھی۔

صبح کہیں جا کر وہ دروازہ کھولے ہلکی ہلکی روشنی ہوتے ہی سپاٹ چہرہ لیے وہیں صوفے پر بیٹھا گلاس وال کی اس جانب نظریں ٹکا گیا جب وفا کے اندر آنے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے رتی برابر نہ ہلا۔

وفا اک زخمی سی نگاہ ڈالتی اسکے پاس ہی آئی اور ساتھ بیٹھنے کے بجائے اسکے قدموں میں بیٹھے اسکے زخمی ہاتھ کو احتیاط سے پکڑا جہاں خون اب زخموں پر جم کر خشک ہو چکا تھا اور ابدال کا ہاتھ اتنی تکلیف کے باوجود مرہم سے کوسوں دور تھا۔

"میری جان یہ سب کیوں کیا تم نے، یہاں دیکھو"

اسکا ہاتھ چومتی وہ اسکے موڑے چہرے کو ہاتھ سے چھو کر اپنی سمت موڑے بہت دکھ سے پوچھ رہی تھی۔

"آپکو بچانے کے لیے، آپ خوش نہیں تھیں۔ آپکو تو پتا ہے ابدال اپنے اہم پیاروں کی خوشی کے لیے کس قدر پاگل ہے۔ وہ دن یاد ہے آپکو وفا جب بابا نے عناب کی فیورٹ گڑیا مجھ پر غصہ اتارنے کے پیچ ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دی تھی، میں نے کیسے بدلا لیا تھا"

وہ بہت بجھا ہوا تھا، سرد مہری سے وہ وفا کو کہتا ہوا آخر تک بوجھل ہوئے استفہامیہ ہوا۔

"ہاں یاد ہے تم نے بھیو کی امپارٹمنٹ میٹنگ فائیل ٹکڑے ٹکرے کر کے انکے بیڈ پر بکھیر دی تھی، انکی فیورٹ شرٹ پر عناب کے کلرز سے انگری مین بڑا بڑا کر کے لکھ کر انکی وارڈراب میں ہینگ کر دی تھی"

اک تھکی سی مسکراہٹ وفا کے چہرے سے ابدال کے چہرے تک پہنچی۔

"کیونکہ وہ بابا ہیں، زیادہ سخت سزا کیسے دیتا۔ وہ دن یاد ہے جب نہال بخاری نے مجھے پہلی بار تھپڑ مارا تھا، اس غلطی پر کہ میں نے انکا حکم نہ ماننے پر بورڈنگ نہ جانے کی ضد کیے بتمیزی کی تھی"

اس بار ابدال کی بھوری آنکھوں میں سرخی تھی، وفا بھی جیسے زخمی سی ہوئی۔

"اس تھپڑ سے لے کر نہال بخاری کی اپنے ساتھ آج تک کی کسی زیادتی کا بدلا نہیں لیا میں نے۔ جانتی ہیں کیوں؟ مجھے خود سے نہ محبت ہے نہ خود کی فکر۔

مجھے صرف آپ سے اور عناب سے سروکار ہے، اس لیے جو کوئی کبھی بھی آپکو اور اسے رنج دے گا میں اسکی جان لینے سے بھی پیچھے نہ ہٹوں گا۔ پھر بھلے وہ کاشان ہمانی ہو یا نہال بخاری"

وہ خطرناک تھا، بلاشبہ تھا مگر آج تو وفا کو اسکے لہجے اور لفظوں سے واقعی ڈر لگا۔

"رات تمہاری اتنی بڑی کوشش بھی رنگ نہ لا سکی، وہ آیا تھا۔ نکاح ہو گیا۔ لگا ہی نہیں کہ اس پر کوئی وار ہوا تھا"

وفا اسکے قدموں سے اٹھ کر یہ سوہان روح حقیقت بتاتی اٹھ کر ساتھ بیٹھی تو وہ بے جان سا ہوئے بھرائی آنکھوں سے وفا کو دیکھنے لگا۔

"ک۔۔کیسے آ گیا تھا وہ، ج۔۔ جھوٹ ہے یہ۔۔۔۔ مم۔۔ میں نے تو اسے گہرا زخم دیا تھا وفا۔"

یکدم ہی جیسے وہ ابدال کی گال پر اتر آتے آنسو اور سوال پر رنجیدہ سی ہوئی اسے خود میں سمو گئی۔

"بس یہ سب اب یہیں ختم کرتے ہیں، خود کو میرے لیے تم دوبارہ ہلکان نہیں کرو گے میری جان۔ میں اب اس انسان کو خود ہینڈل کر لوں گی۔ اور تم بلکل نہیں رو سکتے، میرا چمپئین تو بہت سٹرونگ ہے۔ تمہاری یہ کوشش مجھے کتنی خوشی دے گئی ہے سوچ ہے تمہاری لیکن یہ سب غلط ہے ابدال۔ میرا سٹرونگ مین کیا اب دوسروں پر ایسے جھپٹے گا، زخمی کرے گا۔ خود کو اتنا پاگل نہیں کرتے کہ صحیح اور غلط کا فرق نظر آنا بند ہو جائے۔ تمہاری اس حرکت سے میں کتنا ڈر گئی ہوں، اور یہ ہاتھ۔ تم خود کو کیسے تکلیف پہنچا گئے"

وہ واحد ہی تھی جو ابدال کو سمیٹ سکتی تھی، اسے ہر وحشت سے نکال سکتی تھی، وہ وفا تھی، اسکے لیے ماں سے بڑھ کر درجہ رکھنے والی، پیدا ہونے سے لیکر اب تک جس کا لمس پر سکون کیے آیا تھا وہ اسکی وفا تھی۔

اب وہ اسے پیار سے سہی پر باندھ چکی تھی۔

وہ تکلیف میں تھا، اپنی بے بسی پر کہ وفا کے سامنے انکار بھی نہیں ممکن۔

"آپ چاہتی ہیں میں چپ چاپ آپکو اداس دیکھتا رہوں، کیسے وفا"

وہ درشتی سے بات کاٹے چینخا تھا، اسکا یہ دوہرا روپ وفا کو اکثر دہلا دیتا تھا۔

"اداس نہیں ہوں اب، اس سب میں کوئی مصلحت ہے جانتی ہوں۔ اب یہ بحث ختم، واپس جاو آج ہوسٹل اور اپنی توجہ مجھ سے ہٹا کر اپنے پیشن اور پڑھائی پر دو۔ دوبارہ سمجھانا نہ پڑے۔ اور یہ بینڈج کرواو پھر ہلنا۔ ستیناس کر دیا ہے بچارے ہاتھ کا"

حکم سناتی وہ ابدال کو مجبور چھوڑے اٹھ کر ریک سے فسٹ ایڈ باکس اٹھا کر لاتی مسلسل ابدال کی نظروں میں تھی جن میں شکائیت تھی۔

"یعنی آپ ڈر گئیں۔ دکھی بھی ہوں گی تو مجھے کہاں پکاریں گی، ایسا ہی ہے ناں"

اپنے ہاتھ پر لگے خشک خون کو دیکھتا وہ وفا کے سپرٹ روئی پر لگانے پر خالص نروٹھے اور برہم لہجے میں منمنایا جس پر وفا نے ایک گھوری سے نوازا۔

"دوسروں کی ہڈیاں اور باسے تڑوانے کے لیے بلاوں تمہیں، ہرگز نہیں۔ تمہارا ایک معیار ہے ابدال، تم ایک ڈیسنٹ بوائے ہو، ایسے وحشی اور پاگل کام میرا ابدال مصطفی تو نہیں کرتا نہ اسے یہ سب زیب دیتا ہے"

روئی سپرٹ سے بھگو کر وہ بہت نرمی سے اسکے ہاتھ کی پشت سے خون صاف کرتی نظر اٹھا کر آس سے گویا تھی مگر وہ ہنوز افسردہ تھا۔

"تو کیا زیب دیتا ہے مجھے وفا؟"

جواب درد کے باوجود زرا محسوس نہ کیے وہ اکڑ کر دیے بولا تھا۔

"سکرپٹ رائٹر بننا اور اپنی فیورٹ پیانو کی دھن سے اپنے مداحوں کو اسیر کرنا، ہر بار شاندار گریڈس لے کر مجھے رشک کرنے پر مجبور کر دینا۔ اور وفا بخاری کے لیے بہت سا پیار دل میں اجاگر رکھنا۔ مسکرانا، مسکراہٹ کی وجہ بننا، ریلکس رہنا، ایسا کوئی کام نہ کرنا جو تمہاری سحر انگیز پرسنالٹی پر نہ جچے"

پیار سے وہ مسیحائی کرتی کرتی اسے اپنی خوشی اور سکھ سے باندھ کر جب اسے دیکھنے کو متوجہ ہوئی تو جناب کے چہرے پر شکوہ کناں مگر حسین مسکان تھی۔

"آپ بہت بری ہیں وفا"

یہ اسکا شدید بے بسی ظاہر کرنے کا انداز تھا۔

"جانتی ہوں، لک۔۔۔ کتنے سارے زخم اور کٹس لگے ہیں۔ ایک رائٹر کے لیے اسکا ہاتھ کتنا اہم ہوتا کیا نہیں جانتے تم، لہذا دوبارہ اسے رنج دینے سے پہلے اپنے ان خوابوں کو سوچ لینا جو تمہاری وفا کی بھی خواہش ہیں۔ تم میرے لیے فکر مند مت ہونا، پرامس ودمی"

پورے ہاتھ کو بینڈیج کرتی وہ آخر تک اسے دیکھتے ہوئے وعدہ چاہتی نظریں لیے مبہم سا مسکرائے بولی تو وہ بھی لیے دئے انداز سے سر ہلا گیا۔

"جائیں۔۔۔ مجھے بھی جانے کی تیاری کرنی۔ پرامس دوبارہ ایسا کچھ نہیں کروں گا لیکن آپ اس غنڈے سے دس فٹ دور ہی رہیے گا"

خفا تو وہ ابھی بھی تھا اور جس طرح وہ آخری بات کہے حق جما گیا تھا وفا بھی کل کی ساری اداسی بھولے اسکی دونوں پھولی گالیں باقاعدہ کھینچ کر اٹھتی ہوئی ہنسی۔

"جو حکم سرکاراں۔۔۔۔ سو فٹ دور رہوں گی ڈونٹ وری"

آنکھ ونگ کیے وہ مسکراتی اسکے بال سہلا کر بکھیرتی کمرے سے تو نکلی مگر ابدال بے بسی سے اپنے ہاتھ کو دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آہہہہ۔۔ آرام سے زویا، انسان ہوں جانور تھوڑی۔ کبھی تو مجھے بھی اپنا سمجھ لیا کریں"
کاشان سے بہت مشکل سے اجازت لیتی وہ ناشتے کے بعد عائش کو دیکھنے آئی تھی اور اسکو تکیہ درست کرواۓ ناگواری سے اسکے کراہنے پر غصے سے دیکھتی اسکے پاس بیٹھی جسکا جسم تو تکلیف میں تھا ہی مگر چہرہ بھی نیلوں کی زد میں تھا۔
"یہ اس لعنتی حرکت سے پہلے سوچنا تھا تمہیں، تمہارے ساتھ تو اس سے برا سلوک جائز تھا۔ زرا غیرت نہیں آئی تھی تمہیں ایسا کرتے ہوئے۔ ایسی تربیت تو میں نے نہیں تھی تم دو کی۔ تمہیں ایک بار بھی اس نجس گناہ کو کرتے یہ خیال نہ آیا کہ کل کو تمہاری بھی تو اولاد ہو گی اور اگر وہ بیٹی ہوئی اور اسکے ساتھ بھی وہی ہوا تو۔۔۔۔"
زویا کو عائش زہر سے زیادہ ناگوار لگ رہا تھا مگر وہ بھی کیا کرتی۔ اکلوتے مرحوم بھائی کی یہ دو امانتیں اسکے سپرد تھیں۔
وہ انکے اچھے اور برے فیل کی ذمہ دار تھی۔

"یہ سب آجکل فیشن میں ہے یار، لوگ بنا شادی کے ساتھ رہتے۔ ریلشن بناتے۔ نجانے یہاں ایسا کیوں ہے۔ اب وہ لڑکی اس سب کو سہہ نہ پائی اور مر گئی تو میرا کیا قصور۔ ویسے بھی وہ بھائی کے حوالے سے مشکوک تھی۔ دو سال مجھے جانوروں کی طرح پیٹ پیٹ کر وہ سزا تو دے چکے، اب تو لگتا ہے اس دو سالا ٹارچر سے ساری صلاحتیں ہی مر گئیں"

کراہتا ہوا وہ ابھی بھی تلملا کر زویا کو ششدر کر چکا تھا اپنی واہیات سوچ سے، دل تو اسکا یہی چاہا کاشان کو کہے کہ اسکی سزا پھر سے اسے دے۔

" تمہیں زرا شرم اور غیرت نہیں،۔ مجھے گھن آرہی ہے تمہاری حسرت اور گھٹیا سوچ پر۔ ابھی بھی تمہیں اپنی صلاحیت کی پڑی ہے، مطلب کوئی احساس جرم، شرمندگی کچھ نہیں۔"

زویا کا تو حلق تک کڑوا تھا مگر وہ آگے سے نجس مسکراہٹ دیتا مزید اسے سلگا گیا تھا۔

"پلیز پھپھو جان بخش دیں اب میری، تنگ آچکا ہوں ان لیکچرز سے۔ جائیں پلیز"

بیزار سا وہ باقاعدہ زویا کو غصہ چڑھاتا اسے چلتا کیے سر سے اتارے بولا اور وہ اٹھ کر اک افسوس بھری نظر ڈالے پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی۔

"اب ایسا بھی کیا کر دیا تھا میں نے، کاشان ہمانی آپکو تو اس دو سال کی اذیت معاف نہیں کروں گا۔ میں بھی عائش ہمانی ہوں، اپنی خصلت سے ہٹ جاوں ایسا تھوڑی ممکن۔۔۔ مجھے پائزن بنا کر مروانے کی دھمکی دی تھی آپ نے، اب آپ اس کے انجام کے لیے تیار رہیے گا۔۔۔۔ عائش ہمانی ازبیک۔۔۔۔۔ ہاہاہا"

درد و اذیت کی ٹیسوں کے باوجود وہ نجس قہقہہ لگائے ہنسا تھا، اسکی آنکھوں میں ہلکورے لیتی وحشت دل دہلانے کو کافی تھی۔

دوسری طرف ڈاکٹر اسکا زخم جانچ کر باہر نکلا تو وہ بھی شرٹ پہنتا ٹیک لگائے اپنے پرائیوٹ نمبر پر آتی کال کو اٹھائے سنجیدہ ہوا۔

" سر، بہت حیرت ناک معاملہ ہوا ہے۔فارس نے مہکار کو طلاق دے دی اور وہ کل کے بجائے آپکے مشن پر آج ہی چلا گیا۔ کیا حکم ہے اب۔ کیا اب بھی فارس کو مروانا ہو گا"

دوسری سمت آفس میں آرام دہ انداز سے براجمان باسط یہ خبر پہنچائے جواب کا منتظر تھا۔

کاشان کے لیے یہ خبر حیرت کا جھٹکا ہی تھی۔

" واہ رے، یہ کیسے ہو گیا۔ حالانکہ پچھلے نو سال سے اسے اک طلاق نہ دینے پر کتنا ناقابل برداشت ٹارچر تک سہنا پڑا، حیرت ہوئی یہ خبر سن کر"

کاشان کے تاثرات بھی گویا فطری تھے۔

" امم۔۔ ٹھیک ہے فی الحال فارس کو مارنے کا پلین کینسل، بندہ کام کا ہے لہذا جب تک فائدہ دے رہا ہے کام چلا لینا۔ باقی مہکار کو کب اور کیسے مجھ تک پہنچانا ہے یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں تمہیں"

اپنا سرسری سا حکم دیے وہ آخر تک ذومعنیت سے گویا ہوا جس پر اسکا سب سے خاص آدمی باسط بھی شاطر مسکراہٹ دیتا سر ہلائے کال کاٹ گیا۔

ساتھ ہی اپنے دوسرے فارمل نمبر والے فون کا بجنا اور اس پر چمکتے وفا کے نام پر حیرت کا دوسرا جھٹکا کاشان ہمانی کو لگا۔

وہ جو اپنی این جی او جانے کو تیار ہوئے بہت جبر کے بعد ابدال کی حرکت کے باعث کال کر رہی تھی، یکدم اٹھالی جانے پر متذبذب ہوئی۔

کاشان کے چہرے پر سرور امڈا۔

اسے ہرگز امید نہ تھی یہ مغرور گھوڑی خود اسے کال بھی کر سکتی ہے۔

"تم نے اپنی من مانی کر لی کاشان، میری لاکھ ناپسندیدگی کے بھی تم بن گئے حاکم لیکن یہ مت سمجھنا کہ تم وفا کو کبھی تسخیر کر پاؤ گے۔ ابدال نے جو کیا وہ میرے لیے کیا، وہ ایسا ہی ہے۔ لہذا تم اس کی اس حرکت کو درگزر کر دو۔ اور بھول کر بھی اسے نقصان دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ اسی لمحے تمہاری حاکمیت تمہارے منہ پر دے ماروں گی"

وہ جو کال پر زرا سا خوش ہوا تھا، سماعت میں سیسے کی مانند انڈیلے جاتے احکامات پر بیزاریت سے جبڑے بھینچ گیا۔

ساتھ بیڈ پر پڑا کشن اپنی کمر کے پیچھے ٹکا اور سانس خارج کی۔

"ایک شرط پر بخشوں گا اس وحشی کو"

مقابل کی سلگتی شرطیہ بات وفا کو ہرگز اچھی نہ لگی۔

"بکو"

ناگواری سے وہ اپنا اشتعال دبا نہ سکی۔

"تمیز سے"

وہ اس بار عتاب سے غرایا تھا۔

وفا کچھ دھیمی پڑی۔

"کہو کیا شرط ہے؟"

اس وقت وہ اس الٹی کھوپڑی والے سے ماتھا ٹیکنے کے موڈ میں نہ تھی۔

"آج تیمارداری کرنے آنا ہو گا میرے پاس، رات کا ڈنر ہمانی حویلی میں"

اس درجہ بے باک شرط نے وفا کو سلگا دیا۔

جبڑے بھینچے وہ غصہ دباتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ ایسا سوچنا بھی مت"

حلق کے بل چیخنے وہ نفی کر گئی مگر کاشان نے اک فتح مند مسکراہٹ لبوں میں دبائی، وفا کی دکھتی رگ اس شاطر کے ہاتھ میں آچکی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر اٹھوا لیتا ہوں ابدال کو، ویسا ہی زخم دیتا ہوں اسے جیسا وہ دے کر گیا مجھے"

سلگاتے ہوئے وہ اس بار وفا کو دھمکا چکا تھا جو لٹھے کی مانند سفید پڑتی جھرجھری لیتی ڈریسنگ کا سہارہ لے پائے سنبھلی۔

"تم نے ابدال کو کچھ بھی کیا تو مار دوں گی تمہیں کاشان ہمانی"

دھمکاتی ہوئی وہ ڈر کو اپنی آواز میں اترنے سے روک نہ پائی اور یہ کاشان کو مسرور کر گیا۔

"پھر آجانا میرے پاس، اور ہاں سب کو بتا آنا کہ دیر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اب میں تمہارا لفنگا عاشق نہیں رہا بلکہ حاکم بن چکا ہوں۔ چلو بے بی اب رکھتا ہوں کال، بہت بزی دن ہے۔ شام سات بجے تم مجھے ہمانی حویلی میں چاہیے ہو۔ بائے"

بے نیازی سے وفا کو پہلی بار شاہانہ سونپ کر وہ کال کاٹ کر اپنی جیت پر عاشقانہ مسکرایا تھا اور وہ کٹی کال پر بے بسی سے سر تھام گئی۔

کاشان ہمانی نے آج نہال بخاری سے ڈیل فائنل کرنی تھی تبھی وہ جانے کا ارادہ باندھتا خود بھی اٹھ کر فریش ہونے اور چینج کرنے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب سے وہ جاگی تھی مسلسل مسکراتی جارہی تھی، فریال کئی بار اسے جگانے آئی تھیں مگر وہ جاگنے کے باوجود سونے کی ایکٹنگ کرتی رہی تھی۔

آج سنڈے تھا جسکی وجہ سے عون کا بھی آف تھا تبھی وہ آج یو آن سے ملنے اسکے فٹ بال کلب نکل چکا تھا۔

جبکہ عناب بھی صبح کی اٹھ کر ابدال کے پاس تھی اور اسکے جانے پر اداس بھی تھی مگر منیہا بی بی میں تو کسی تھڑکتی ہوئی پرانی ہیروئن کی روح گھسی تھی اور وہ دن کے گیارہ بجنے کے باوجود من ہی من میں مسکاتی شرم سے لال ہوئے بار بار منہ پر ہاتھ رکھ رہی تھی۔

جو رات ہوا اسکا احساس اسے عجیب سی گدگدی بخش رہا تھا، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ عون بخاری ہی تھا۔

جب جب اپنے قریب آتے عون بخاری کے سونپے لمس یاد آتے تو وہ گھٹ گھٹ کر گلابی ہو رہی تھی۔

"کیا واقعی وہ سب ہوا یا یہ میرا خواب تھا، اف اف ظالم وکیل تم نے کیا کر دیا۔ اب میں کل پیپر میں کیا لکھوں گی مجھے تو یہ بھی نہیں یاد کے گنتی میں دس کے بعد کیا آتا۔۔۔۔۔۔۔ہائے او ربا"

سرخیوں میں گھلتے چہرے پر پریشانی سجائے وہ پھر سے اوندھی لیٹی تکیے سے لپٹ لپٹ کر خود سے ہی کہے باولی ہوتی جارہی تھی، چہرے پر صدمے، خوف اور کسی نئے احساس کے ملے جلے رنگ تھے۔

"یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے م۔۔مجھے۔ اف عون بخاری تم پیدا ہی میری جان لینے ہوئے تھے کیا۔۔۔ تمہارے سامنے ک۔۔۔کیسے آوں گی۔ اب تو میری زبان بھی نہیں چلنی۔۔۔ اللہ جی میرے زور زور سے دھڑکتے دل کو سلو کر دیں پلیز، وہ سب مجھے بھول جائے پلیز"

اپنا کچھ دور پڑا بھاری دوپٹہ ہی اٹھ کر بیبیوں سا اوڑھتی وہ ہاتھ اٹھا کر بڑبڑائی، رات میڈم شرارے میں ہی سو گئیں تھیں، اس ظالم نے ہوش میں رہنے ہی کب دیا تھا۔

میسج ٹون پر وہ بڑبڑا کر چونکی۔

اٹھ کر ڈریسنگ پر بجتے فون تک پہنچئ تو اس پر آیا میسج دیکھ کر منیہا کے دل کی رفتار بجلی کی سپیڈ کی طرح ہوئی۔

لب دانت تلے دباتی وہ اسے اوپن کیے ڈریسنگ کے ساتھ ہی لگے مسکرائی۔

"زندہ ہو یا مر گئی؟"

عون کا میسج تھا، وہ بھی اس وقت ڈرائیونگ کیے ساتھ ساتھ اس جھلی کے لیے تھوڑا فکرمند بھی تھا۔

"آئی ہیٹ یو عون بخاری۔ اگر آپ چاہتے کہ زندہ رہوں تو پلیز میرے پیپرز کے دوران سامنے بھی مت آیئے گا۔ آئی ریکویسٹ"

بہت مشکل سے وہ یہ ٹائپ کرتی لمبے لمبے سانس بھرتی مقابل کے جواب کی منتظر تھی جو یہ میسج سین کرتا اس بار فون اپنے منہ کے قریب لائے آڈیو ٹائپ کرنے لگا۔

"نہیں آوں گا ڈونٹ وری، اپنا دھیان پڑھائی پر رکھنے کی کوشش کرنا۔ کل کے لیے تھوڑا شرمندہ بھی ہوں، ایسی سنگین نیت نہیں تھی۔ خیر کچھ غلط نہیں تھا، یو آر مائی وائف۔ اب جا کر تیاری کرو، پیپر ہے۔"

آڈیو بھیجتا وہ خود بھی اک مبہم سی مسکراہٹ کے سنگ فون آف کر کے توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر گیا مگر یہ سنتے ہوئے منیہا نے لمبے لمبے سانس لیے شرمگیں سی مسکراہٹ لیے دانت نکالے۔

"اف یہ آدمی اب تو دور سے بھی جان لے گا، وائف وائف کہہ کر۔۔۔۔"

آفت بن کر وہ آڈیو لگتار تین چار بار سنے وہ بال لہرا کر فون رکھتی بھاری شرارہ اتارنے دوڑی جو رات پہن کے ہی سو جانے سے اسے ویسے بھی جگہ جگہ سے چبھ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک غیر معروف سی سڑک تھی جو سیدھی جنگلی راستے کی طرف جاتی، وہ یہاں اہم کام سے بھیس بدل کر آیا تھا۔ پائزن کے لوگ ہمہ وقت اپنے آرمی کے بیچ کام کرتے لوگوں کی نگرانی پر فائز تھے مگر نو سال سے وہ پائزن کے ساتھ کام کر کے اتنا شاطر ضرور ہو چکا تھا کہ کچھ دیر کے لیے ان لوگوں کو چکما دیتا۔

دور دور تک کسی زی روح کا کوئی نام و نشان نہ تھا، وہ مکمل کورڈ بلیک ہڈی میں سڑک کے عین ایک کنارے پر کھڑا مسلسل اپنی کلائی پر بندھی واچ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

آسمان آج بھی بادلوں سے اٹا تھا مگر آج صبح سے ہلکی پھلکی دھوپ نکل چکی تھی۔

لگ بھگ پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ دور جنگل کے بیچ و بیچ ہیوی بائیک کی آواز کے سنگ حرکت ہوتی پائے وہ بھی اپنے چہرے کا ماسک ٹھیک کرتا سرعت سے اس جانب بڑھا۔

سامنے سے ایک اسی طرح بلیک ہڈی میں لپٹا نسوانی وجود ہیوی بائیک روکے عین فارس شاہ کے سامنے آرکا۔

بائیک روکے وہ اتر کر ہیلمٹ اتارتی جھمپ مارے اسکے روبرو آئی۔

فارس شاہ نے ایک اچٹتی نگاہ اس سنہرے بالوں والی خوبصورت لگ بھگ اسی کی ہم عمر دوشیزہ پر ڈالی اور اپنا ماسک بھی جھٹکے سے اتارا۔

دونوں کی آنکھوں میں فوری سرد مہری اور پھر استہزائیہ مسکراہٹ دونوں کے چہرے پر پھیل چکی تھی۔

وہ اسے لیے جنگلی راستے کی طرف چل پڑی، تھوڑی ہی دیر میں وہ رک گئے، اس لڑکی نے ادھر ادھر نظریں گمائیں اور پھر ہرے اور گیلے پتوں سے ڈھکے اس زمینی تہہ خانے کا دروازہ کھولا۔

"چلیے"

وہ اردو بھی جانتی تھی جسے فارس کوئی گوری سمجھا تھا، اسکی بات سنتے ہی وہ اس تہہ خانے کے اندر لگی سیڑھیوں سے نیچے اترا تو وہ بھی محتاط سی اندر ہوتے ہی وہ دروازہ واپس بند کر گئی۔

وہ لوگ ایک ملگجی سے میٹنگ روم میں پہنچ چکے تھے جہاں راونڈ ٹیبل کے گرد بیس کے قریب لکڑی کی کرسیاں نسب تھیں۔

سولر پینلز کے سبب کمرے میں مدھم روشنی بکھیرتے لیمپس روشن تھے۔

ایک طرف بہت بڑا نقشہ دیوار میں نسب تھا جبکہ باقی تین دیواروں پر کئی طرح کے نیوز پیپرز کے سیلکٹیو ٹکڑے، کاغذات اور بہت سے لوگوں کی تصویریں نسب تھیں۔

"ہمارے غریب خانے میں خوش آمدید کیپٹن، مجھے جیسے ہی خبر ملی میں پہنچ آئی۔ ہیو آ سیٹ"

وہ سنہری بالوں والی لڑکی یوں لگتا تھا فارس شاہ کی جونئیر تھی، وہ سرسری سا سر ہلا تا بیٹھ گیا۔

وہ بھی اسکے سامنے والی کرسی پر براجمان ہوئی۔

"کون ہو تم؟"

فارس نے پہلا سوال ہی سرد مہری سے کیا۔

"ایزل مہران نام ہے میرا، مذہب کی عیسائی ہوں۔ میرا ابتدائی تعلق انگلینڈ سے ہے کیونکہ میں وہیں پیدا ہوئی۔ والد پاکستانی مسلم اور والدہ انگلستانی عیسائی تھیں۔ تیرہ سال پہلے اپنے بابا کے ساتھ پاکستان آئی تھی۔ پچھلے گیارہ سال سے پائزن آرمی کی ہیکنگ ٹیم کی جونئیر ہیڈ ہوں۔ ان فیکٹ آپ کے بارے میں علم بھی ایک خفیہ ٹرینگ کے دوران ہوا تھا۔ مجھے پچھلے ہفتے ہی آپ کے اور نور گل کے بارے میں کچھ مشکوک چیزیں نظر آئیں، میں نے جب اس پر کام کیا تو سارا معاملہ کلئیر ہو گیا"

وہ لڑکی انگلستانی لہجے میں اردو بولتی ہوئی اپنا تعارف کروا رہی تھی، فارس کے ماتھے پر شکنوں کا جال بن چکا تھا۔

"ہمم۔۔نور گل کی کیا خبر ہے"

فارس کا اگلا سوال ایزل کے چہرے پر افسردگی لا چکا تھا۔

"وہ اب نہیں ہیں، پائزن کے خلاف جانے کی سزا پا چکے ہیں لیکن انکے پاس مرنے سے پہلے کچھ ایسے ثبوت تھے جو اب ہمیں ہر صورت حاصل کرنے ہوں گے۔ مجھے آرڈر ملا تھا کہ نور گل کے بعد اب میں آپکی مدد کروں اس معاملے میں۔ آپکی موت کے آرڈرز پائزن نے واپس لے لیے اور یہی بات ہمارے لیے پلس پوائینٹ ہے"

وہ لڑکی پیشہ ورانہ انداز میں بات جاری رکھے تھی۔

"پائزن کے خلاف تم میری مدد کیوں کرو گی ایزل، حالانکہ تم اس کی ایک بھروسے مند ورکر ہو۔ اسکی ٹیم ممبر ہو؟"

ناجانے کیوں مگر فارس کو یہ بات شدید کھٹکی۔

"میں تیرہ سال پہلے مما کی وفات کے بعد اپنے بابا کے ساتھ یہاں آئی تھی، میرے بابا مافیہ کا بہت بڑا نام تھے۔ انکی ملاقات یہاں ایک فائٹر کلب کے مالک سے ہوئی۔ اس عام سے کھلاڑی نے میرے بابا کی ٹیم جوائن کی۔ دو سال میں وہ اس قدر بھروسے مند ہوا کہ بابا جو مافیہ کی دنیا سے ریٹائر ہونے والے تھے اپنی ساری ذمہ داری اس انسان پر ڈال دی۔ میرا اور اس آدمی کا نکاح کروایا اور بابا کی اچانک حادثاتی موت ہو گئی۔ اس حادثے کے بعد مجھے یہ علم ہوا کہ میرا اس آدمی سے جو نکاح تھا وہ کانٹریکٹ بیسڈ پر تھا جو ایک مہینے بعد ختم ہو گیا۔ اس آدمی نے میرے بابا کی جگہ پائزن بن کر سنبھال لی اور مجھے میری بغاوت کے ڈر سے اپنا غلام بنا کر ہمیشہ کے لیے اس پائزن آرمی میں قید کر دیا"

وہ لڑکی یہ سارے انکشافات کر کے خود بھی رنجیدہ تھی اور فارس بھی حیرت و تفشیش میں مبتلا پائزن نامی اس جلاد کی سچائی جان کر سلگ اٹھا۔

"تو عورتوں کو خریدنا اسکی پرانی عادت ہے، تھا کون یہ کھلاڑی۔۔۔ کیا تم نے کبھی دیکھا اسے۔ یہ پائزن آرمی ہے کیا۔ آخر وہ کیوں ہے اتنا طاقتور کے میڈیا سے لے کر قانون کے اونچے طبقے تک کوئی اسکے بارے بات تک کرنے سے کانپ اٹھتا ہے"

بہت سے سوال فارس کو الجھا چکے تھے۔

ایزل نے گہرا سانس بھرے دونوں ہاتھ میز پر رکھے۔

"مافیا ایک منظم جرائم کی سنڈیکیٹ کی ایک قسم ہے جس کی بنیادی سرگرمیاں تحفظات کی دھوکہ دہی، مجرموں کے درمیان ثالثی کے تنازعات اور دلال اور غیر قانونی معاہدوں اور لین دین کو نافذ کرنا ہیں۔ یہ مافیا اکثر ثانوی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں جیسے کہ جوا، لون شیئرنگ، منشیات کی اسمگلنگ، جسم فروشی اور دھوکہ دہی۔

میرے بابا قاہر احمد مہران کے نام سے آپ واقف ہوں گے۔ کئی سالوں پہلے مافیہ سے ریٹائر ہوتے ہی انکی پراسرار موت کی خبر آئی تھی۔

وہ اسی بزنس سے وابستہ تھے، بلیک منی کو وائیٹ کرنے کے علاوہ وہ کئی پیڈ انڈسٹریز میں پیسہ انویسٹ کر کے میڈیا اور قانون کے ہاتھ باندھ کر اپنا دھندا چلاتے تھے۔

یہ ساری حکمرانی پائزن کو میرے بابا سے وفاداری پر ملی لیکن اس نے انکو مروایا تھا جسکا یقین تو ہے مجھے لیکن افسوس میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں"

وہ لڑکی اپنے مضبوط لہجے میں یہ سب بتاتی گئی اور فارس کے لیے یہ واقعی دل دہلانے سا تھا۔

"تم نے اتنے سال سے ایک بار بھی پائزن کو بے نقاب کرنے کا نہ سوچا؟ یہ میرے لیے حیرت ناک ہے"

فارس کو اس اپنی ہی ہم عمر لڑکی کے اتنے لمبے سفر پر دھچکا لگا۔

"کیونکہ اسکا کوئی فائدہ نہیں تھا، وہ میڈیا انڈسٹری، کئی ٹریڈ کمپنیز، ریسلنگ ڈیپارٹمنٹس کے زیر انتظام چلتے کئی کلبز کا پرائیوٹ چیف ممبر ہے، وہ ان سب اداروں میں انویسمنٹ کرتا ہے۔ اس نے آج تک اپنے کسی دو نمبر کام کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔ قانون کی نظر میں وہ مجرم نہیں کیونکہ وہ اپنے کمائے سیاہ پیسے کو بہت چالاکی سے سفید کیے ان محکموں کا منہ بند کروادیتا ہے۔

کئی میڈیا ہاوس اسکی عنایت سے چلتے تو کیوں وہ لوگ اسکے خلاف جائیں گے۔ اس نے اپنے خلاف جانے والوں کو بہت آسانی سے موت دی ہے۔ وہ جن پر بھروسہ کرتا ہے آنکھ بند کر کے کرتا ہے، اور میں جو آج آپ تک یہاں پہنچی اسی لیے کیونکہ پائزن کی خاص ورکر ہوں۔ آپ کے حوالے سے بھی وہ اب تک کے کام سے بہت خوش ہے۔ مسئلہ صرف مہکار تھی"

تو گویا یہ لڑکی یہ بھی جانتی تھی، فارس کو ذہنی جھٹکا لگا۔

اسکے چہرے پر کراہت سے لہو چھلک آیا۔

"تم یہ سب کیسے جانتی ہو؟"

فارس نے اپنے غصے کو دبائے استفسار کیا۔

"کیونکہ مہکار سے محبت کرتا ہے وہ، نو سال پہلے کا وہ سارا معاملہ مجھے پتا ہے۔ ایسا سمجھ لیں کے ایزل اسکے خاص ساتھیوں میں شامل ہے۔ مجھے پائزن سے بس اپنے بابا کی موت کا بدلا لینا ہے تبھی میں اسکے خلاف جاتے ہر انسان کی مدد کرتی ہوں۔ نور گل سے مجھے بہت امید تھی مگر جسکا ڈر تھا وہی ہوا، میرے سینیر ہیکر چیف کی نظر میں نور گل کے سارے کارنامے آگئے۔ یوں اس انسان کی دو سالا محنت رائگاں گئی اور وہ پائزن کے ہتھے چڑھ کر موت سے جاملا"

ایزل کے چہرے پر بھی گویا یہ بتاتے مایوسی پھیلی۔

"ہمم۔۔۔ پائزن کو اگر تمہاری غداری کی بھنک بھی پڑی تو وہ تمہیں بھی مروا دے گا۔ کہیں ایسا تو نہیں تمہاری گیارہ سال کے نرمی کے پیچھے کوئی اور وجہ ہے جو تم اس درندے کے خلاف خود کچھ کرنے کے بجائے بس اسکے خلاف جاتے لوگوں کی مدد کرتی ہو"

اس بار فارس کا استفسار کریدتا ہوا تھا، ایزل نے گہری سانس کھینچے فارس شاہ کی جانب دیکھا۔

"ہاں سہی سمجھے آپ، گیارہ سال پہلے اس ایک مہینے میں بابا کی اچانک موت کے بیچ اس انسان نے مجھے بہت پیار سے سنبھالا تھا۔ میں وہ واحد ہی تھی جس نے اسے دیکھا تھا مگر وہ اسکا منصوعی چہرہ نکلا۔ مجھے اس ماہ میں ہی اس سے عجیب سی انسیت ہو گئی۔ اسکے منصوعی چہرے اور جھوٹی فکر اور قربت سے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ لیکن اس انسان نے مجھے آسمان سے زمین پر لا پٹخا۔ جذبے تو مر گئے مگر لاشعور میں کہیں اک نرمی ثبت ہو گئی۔ پھر کئی سال کی غور و فکر کے بعد مجھے بابا کی موت کے حوالے سے کچھ ایسا دیکھنے کو ملا جو پائزن کو مجرم

قرار دیتا۔ لیکن کوئی پکا ثبوت نہ مل سکا۔ میں نے اپنے اندر کی نفرت، آگ اور حقارت دبالی۔ دراصل نکاح والے دھوکے کے بعد ہی مجھے اس سے نفرت سی ہوئی اور یقین ہو گیا کہ اس شاطر نے یہ پوری گیم ہی اس پاور کو ہتھیانے کو کھیلی۔ میں پر کٹی چڑیا تھی جسے صرف پائزن ہی کے پنجرے میں پھڑ پھڑانا تھا۔

تبھی اسکا اعتماد ایک ساتھی کی صورت پایا اور تب سے اب تک اسکے خلاف جاتے لوگوں کی مددگار ہوں"

اپنی دردناک سی مختصر کہانی سمیٹ کر وہ فارس شاہ کو اپنے ہی جیسی لگی۔

وہ دونوں ہی ایک جذبے کے تحت خود کو برباد اور بے مول کرتے آئے تھے۔

"ہمم۔۔۔ تمہاری کہانی نے تو مجھے اپنے صدمے بھلا دیے ایزل"

فارس اسکے خساروں کا معترف تھا۔

وہ تھکا سا زخمی مسکرائی تو اسکے چہرے پر موجود گڑھا نمایاں ہوا۔

وہ اب بھی جوانی کی طرح خوبصورت اور پرکشش تھی۔

"ایسا ہی ہے، مزے کی بات بتاوں۔ ہم سب بھلے کسی بھی طبقے سے جڑے ہوں، امیر ہوں یا غریب۔ لاحاصل محبت ہم میں سے ہر دوسرے بندے کا روگ ہے۔ سچ یہی ہے کہ آج بھی مجھے پائزن سے خالص نفرت نہیں ہو سکی۔ اب بھی اسکا حفاظت کرتا ہاتھ مجھ پر ہے، جتنے غلط کام اور جرائم میں کر چکی ہوں اسکے بعد تو آئینہ دیکھنا محال ہے، خود سے نفرت ہے۔ لیکن وہ اپنی ذات کی کشش کے ساتھ اب بھی بھاتا ہے، وہ ایسا شاطر کھلاڑی ہے جسکو دوسرے کا دل گرویدہ کرنے کے لیے اپنی جھلک دیکھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ میرے بابا سے کہیں زیادہ کامیاب رہا اس دھندے میں۔ اور کچھ سوچ کر ہی بابا نے اپنا سب اسے سونپا تھا"

ایزل مہران کی آنکھوں کی چمک پر اس بار فارس شاہ بھی دل جلا مسکرایا۔

آج اسے اپنی مسافت تو کچھ بھی نہ لگی۔

اس سے بڑھ کر مضبوط تو ایزل مہران نکلی جس نے نفرت اور محبت دونوں ہی شاہانہ نبھائیں۔

"مطلب ہماری کوششیں یونہی ناکام ہوتی رہیں گی، آخر وہ کون ہے؟ اسکا اصل نام؟ اصل چہرہ؟ کچھ بھی تو معلوم نہیں۔ اور اتنا بڑا کھلاڑی ہونے کے باوجود وہ اپنا آپ چھپائے ہے یہ اسکی طاقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میں نے مہکار کو کسی پلین کے تحت ہی چھوڑا ہے۔ جانتا ہوں میری موت بھی اسی وجہ سے ٹلی دوسرا میں چاہتا ہوں پائزن کا کم از کم نام ہی سہی پر بے نقاب کروں۔ وہ کم از کم مہکار کے سامنے اب اپنا کوئی منصوعی چہرہ بدل کر نہیں آئے گا"

فارس شاہ کی آنکھوں میں اتری انہونی سی خوشی اور اک امید پر ایزل کی آنکھیں بھی سرور سے چمکیں۔

وہ دونوں شاطر تھے اسکا اندازہ دونوں کو تھا۔

"لیکن اسکے نام اور پہچان کو جان لینے کے بعد جو موت ٹل گئی جناب وہ اولے کی طرح سر پر گرے گی۔ ایسے لوگ جتنا اپنے آپ کو مخفی رکھ کر ناقابل شکست اور کامیاب ہوتے اس سے کہیں بڑھ کر مضبوط اصل پہچان کے ساتھ سامنے آنے پر ہوتے ہیں۔ اور پائزن کی بھی چھپنے کی ایک مدت ہے، وہ سامنے آئے گا اپنے وقت پر۔ اور میری خواہش ہے اسکا اصل چہرہ ایک بار ضرور دیکھ سکوں بھلے تب میری گن سے نکلی گولی اور اس کا خون آلود سینہ ہی کیوں نہ ہو سامنے"

نخوت سے اپنی ازلی بے فکری کے سنگ سامنے والے کو تنبیہہ کیے وہ آخر تک ان کہی حقارت میں لپٹی تھی جس پر فارس شاہ کے خدوخال بھی تن گئے۔

"ہمم تو اب میرا کیا کام ہے؟"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فارس اصل مدعے کی جانب آیا۔

"اپنے طور سے نور گل کے ارد گرد تفتیش کریں، کچھ ال لیگل انفارمیشن آپکو میل کر دی تھی میں نے فیک اکاونٹ سے۔ یاد رکھیے گا کہ سب انفارمیشن سین کرنے کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر ضائع کر دیجئے گا ورنہ ایک گھنٹے کے بعد جس سسٹم پر بھی پائزن کے خلاف کوئی ثبوت یا ذکر ہو رہا ہو، اسکے ہیکرز آٹومیٹکلی اسے ڈیٹیکٹ کر لیتے۔ لہذا جو بھی کریں دھیان سے۔ نور گل سے بھی بس یہی غلطی ہوئی اور وہ پھنس گئے۔ میں کوشش کروں گی ہر ممکنہ حد تک آپ سے رابطے میں رہوں۔ یہ پورا علاقہ میرے خاص لوگوں کی نگرانی میں ہے تو جب بھی آپکو کچھ اہم بتانا یا دیکھانا ہو اتو یہیں آ یئے گا"

اپنے سنہری بال لہرا کر اٹھ کھڑی ہوئے وہ فارس شاہ کو چند ضروری بریفنگ دیتی اشارے سے باہر نکلی۔

وہ لوگ جس خفیہ طریقے سے آئے تھے ویسے ہی وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"بڈی۔۔۔۔یاھو"

فٹ بال پھینک کر وہ بھاگتا ہوا فٹ بال گراونڈ میں داخل ہوتے عون سے جا لپٹا، خوشی کی زیادتی تھی یا سکون کہ یو آن شاہ کی کھوئی مسکراہٹ لوٹ آئی۔

عون نے اسکے ماتھے پر جھک کر پیار دیا اور دونوں گالیں سہلائے پیار سے اک پدرانہ نظر ثبت کی۔

پورا گراونڈ ہی سنڈے کے باعث بچوں اور انکے پیرنٹس سے بھرا تھا۔

سب اس نرم نرم روح سہلاتی موسم بہار کی دھوپ کو انجوائے کرتے اپنے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں گم تھے۔

"مائی چیمپئین، بہت دن ہو گئے تھے تمہیں دیکھے ہوئے اور دو دو ہاتھ ہوئے۔ سوچا عون بجاری! آج ہر کام پس پشت ڈال کر یو آن شاہ سے تفصیلی ملاقات کی جائے۔ لٹس گو۔ وہاں بیٹھتے ہیں"

لہجہ نرم رکھے وہ یو آن کا بہت سا حوصلہ بڑھائے جھک کر کچی مٹی والے گراونڈ سے فٹ بال اٹھاتا مسکرائے اسکے بال سہلائے ساتھ ہی لیے بڑھا۔

سٹنگ ایریا تک پہنچ کر وہ دونوں ہی لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گئے۔

اردگرد کا سہانا منظر اور چہل پہل بصارت کے لیے اک اچھا بدلاو تھی۔

"آپ تو سنڈے کو کبھی نہیں آتے تھے یہاں، کیونکہ ممی ساتھ ہوتی ہیں ناں۔ آج کیسے؟"

حیرت سے معصومانہ استفسار کرتا وہ عون کے چہرے کے بدلتے رنگ بھانپ چکا تھا، عون کی پتھرائی سی نظر اپنے سامنے آجاتے کسی نسوانی سائے کی جانب پلٹی۔

"یو آن شاہ، جا کر کھیلو مما کی جان"

وہ تھم سا چکا تھا، سماعت میں سلگتی سئ نسوانی آواز کاٹتی سی محسوس ہوئی۔

یو آن نے باری باری دونوں پر نظر ڈالی اور سر ہلائے فٹ بال لیتا گراونڈ کی طرف دوڑ گیا۔

عون کی نظر اب بھی جھکی تھی، ہاں چہرے پر اتر آتا تناو اور بھینچے خدوخال کو مہکار نے خاصا استہزایہ ہوئے دیکھا۔

"نو سالا ریکارڈ توڑ دیا ایک ستم گر نے، نو سالا اذیت ختم کر دی گئی۔ کیسے ہو جان مہکار؟"

بے باک سی وہ عورت رات کی قیامت کے بعد از سر نو اپنے آپ میں واپس آتی یہ پگھلا سیسہ عون کی سماعت میں ڈالتی اسکے ساتھ ہی آ کر بیٹھی۔

"اپنی بکواس بند کرو، تمہیں ملنے نہیں آیا ہوں۔ جاو یہاں سے"

درشتی سے دھاڑتا وہ نہ صرف اٹھا بلکہ حقارت سے خون چھلکاتے چہرے کے سنگ لفظ لفظ سے مہکار کو سلگاتا گویا ہوا۔

"غصہ کس بات ہے؟ میر افارس شاہ کے نکاح سے نکل جانے کا یا اب بھی میرے لہجے میں اپنے لیے اڈتی چاہت کا"

مطمئین انداز میں وہ خود بھی اٹھ کر عون بخاری کا ضبط آزمانے روبرو آئی۔

اسکی آنکھوں میں جلتی ہوئی آتش نے عون بخاری کو بہت سے خاموش پیغام ارسال کیے، جنون خیزی کے، نفرت کے اور انتقام کے۔

"تمہاری شکل پر ایسے سکون کو دیکھ کر، کم از کم اسکا کوئی حق تو نبھا دیتی۔ عدت نہیں فرض تم پر؟"

سلگتا سا جواز اور جواب گویا مہکار کو ہنسنے پر اکسا گیا۔

کتنی ہی دیر وہ ہنستی رہی کہ آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"جب اسکا کوئی حق اسکے زندگی میں ہونے پر قبول نہیں کیا تو اب اس ڈرامے کی کیا تک بنتی، چلا گیا وہ۔ نو سال ہی سہی لیکن اسے یہ بات سمجھ آگئی کہ میں غلطی سے اس کو مل گئی تھی۔ اب میں آزاد ہوں، یو آن سے تمہاری محبت کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ اب تمہیں مجھ سے بھی کر لینی چاہیے۔ تو کب کر رہے ہیں ہم شادی؟"

دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ خطرناک تیور لیے عون کی لہو آنکھوں میں جھانکی جہاں عتاب دفن تھا، ناجانے کتنا ضبط تھا کہ چہرے کی رگیں ابھر چکی تھیں۔

"تمہاری بھول ہے مہکار بی بی کہ ایسا کچھ ہونے والا ہے، تمہاری ناگن جیسی فطرت سے لاعلم تھا تبھی نو سال پہلے تمہیں اس درندے سے بچا کر ایک محفوظ سہارہ دلوایا تھا۔ لیکن تم اس لائق نہیں تھی۔ فارس شاہ کی تکلیف، وہ ایک ایک تمہاری زیادتی کے باوجود بھی تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ تم عون بخاری کے لیے دیکھنے کی حد تک بھی قبول ہو گئی۔ پہلے تم پر ترس آتا تھا پھر آہستہ آہستہ نفرت ہوتی گئی۔ میری یو آن سے محبت پر کسی خوش فہمی میں مبتلا مت ہو جانا۔ وہ مجھے فارس شاہ کی وجہ سے پیارا ہے ورنہ جسکی تم جیسی خود غرض، فسادی اور سفاک ماں ہو وہ بچے تو ناکردہ نفرتیں اور دھتکاریں اپنے مقدر میں لکھوا کر جنم لیتے ہیں"

افشار فون گویا آہستہ آہستہ تھماو ہیں عون کے آئینہ دیکھانے پر مہکار کی آنکھیں جلنے لگیں۔

وہ ایک دوسرے کو دو مختلف مگر زہریلی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

جہاں نفرت، ناپسندیدگی، سرد مہری اور اشتعال اُمڈتا دیکھائی دے رہا تھا۔

"یہ تو وقت بتائے گا عون صاحب کہ کون نفرت اور دھتکار کا مستحق تھا، منیہا۔۔۔۔۔یہی نام ہے ناں تمہاری اس معصوم اور تمہاری اصلیت سے ناواقف بلبل کا"

اس بار وہ یہ استفسار کرتی عون بخاری کے عتاب کو للکار چکی تھی۔

عون نے روح فنا کرتی نظر ثبت کیے اس نجس عورت کو دیکھا جسکے چہرے پر استہزا یہ جلاتی مسکراہٹ تھی۔

"اپنے منہ سے اسکا نام بھی مت لینا، اگر تم نے اپنی گندی چالوں میں اسے لانے کا سوچا بھی تو تمہاری جان لے لوں گا"

ہر ممکنہ حد اپنے غصے کو دبائے دھمکی دی گئی۔

"جان تو تم میری ان نو سالوں میں کئی بار لینے کا باعث بنے ہو عون بخاری، اب کھیل میرے ہاتھ میں ہے۔ گندی چال نہیں چلوں گی، شفاف طریقے سے اور ڈنکے کی چوٹ پر برباد کروں گی تمہیں۔ یو آن کو بھی تم سے نفرت پر اکساوں گی دیکھنا، اور جس معصوم محبوبہ منیہا کے لیے تم نے مجھے دھتکار کر ظلم کیا تھا وہ تمہارے ساتھ کو تو دور شکل تک کو تسلیم و قبول نہیں کرے گی۔ اسے بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ عون بخاری اپنے چاہنے والوں کو کتنی عبرتاک موت دیتا ہے۔ پھر وہ تم سے محبت کرنے سے پہلے ہزار بار سوچے گی۔۔۔ہاہا بہت مزہ آئے گا، وہ بہت پیاری اور پاگل سی لڑکی ہے میرے جال میں فوری پھنس جائے گی۔ اب تم یو آن کے ساتھ رہو۔ آخری ملاقات سمجھ لینا اس کے ساتھ اپنی۔ مجھے کچھ کام ہے۔ بائے"

عون کی کائنات کو ہچکولوں کی زد میں دیے وہ یہ قیامت خیز جملے انڈیلتی کب نظروں سے اوجھل ہوئی اسے خبر نہ ہو سکی۔

وہ تو جیسے جیتنے کے بالکل قریب جا کر ہارا تھا، اور ایسی ہار تھی کہ عون بخاری کی اگلی سانس حلق سے نکلنے سے انکاری ہوئے سینے میں ہی دفن ہو گئی۔

آج اسے اپنے نو سال پہلے کیے احسان پر پچھتاوا ہوا، کاش وہ نو سال پہلے مہکار کو مار دیتا تو آج اسکی زندگی قدرے سہل ہوتی۔

مگر اب وہ قیامت سے پہلے والا صور اسکی سماعت میں پھونک گئی تھی۔

اب صرف تباہی تھی، اب صرف دل دہلا تا بدلا پورا ہونے کا وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ میں کیا سن رہی ہوں ماریہ، کل تو ایف آئی آر کٹی اور آج وہ رہا بھی ہو گیا"

آفس آتے ہی وفا کو ملتی خبر اسکا سر گما چکی تھی۔

"جی میم، دراصل وہ جس حویلی میں ڈرائیور تھا اسی بندے نے ضمانت کروالی۔ یہ سب ایسا ہی چلتا ہے، یہ لوگ بڑے لوگوں کی پشت پناہی سے فوری بچ نکلتے"

پاس ہی کھڑی ماریہ کی اطلاع پر وفا نے جھرجھری لی، تو گویا وہ اس عورت کو اب کیا جواب دیتی جس سے اسکے شوہر کو نکیل ڈالنے کا وعدہ کیا تھا۔

"کہاں کام کرتا ہے وہ؟"

وفا نے کچھ دیر خاموشی کے بعد سرسری سا سوال کیا، وہ آفس میز پر بکھری جابجا فائیلز کو سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کاشان ہمانی کی حویلی میں ڈرائیور ہے"

ماریہ کے جھجکتے ہوئے جواب پر وفا نے جھٹکے سے سر اٹھایا، آنکھوں میں شدید غصہ ہلکورے لے رہا تھا۔

"منحوس انسان۔۔۔اپنے ملازم بھی اپنے جیسے رکھے۔ خیر اس لڑکی کی طبعیت کیسی ہے اب۔ اسکا خاص خیال رکھنا ہے۔ اب یہ کیس عون ہی دیکھے گا، اس آدمی کو تو کورٹ میں گھسیٹ کر رہوں گی"

تنفر سے اپنے ارادے پر ڈٹی وہ ماریہ کی جانب سوال طلب ہوئے پلٹی جس پر اس عورت کے بہتر ہونے کا اشارہ ملتے ہی وفا نے اسے فارغ کیا اور خود رولنگ چیئر سے اٹھ کر گلاس ڈور تک پہنچی۔

وائیٹ شرٹ اور بلیک ٹائیٹ جینز کے ساتھ کھلے لہراتے بال اسکے نوخیز حسن پر سج رہے تھے، نازک لہو چھلکاتے پیروں میں فنڈ سٹریڈ ہیل اور منصوعی حسن کی معمولی چھیڑ خانی کے سنگ وہ گہرے خیالات میں ڈوبا حسن تھی۔

جس کے لیے سوچنے کو بہت کچھ تھا۔

وہاج سکندر رات سارا ماتم کرنے کے بعد اپنی ڈیوٹی پر واپس لوٹ چکا تھا۔

وہ آفس اسی کے ساتھ آئی تھی، سارا رستہ وہ بھیانک چپ میں مبتلا رہا تھا اور وفا نے بھی کوئی بات چھیڑ کر اسکے زخم تازہ نہ کیے۔

ابھی بھی وہ نظریں باہر پورچ کی جانب ٹکائے ہوئے گاڑی کے ساتھ لگ کر کھڑے وہاج کو ہی زخمی نگاہوں میں مرکوز کیے ہوئے تھی۔

"کیا آپکو ترس آرہا مجھے دیکھ کر؟"

لمحے کے ہزارویں حصے میسج ٹون پر وہ ہڑبڑائی، وہ کیسے جان گیا تھا کہ وفا بخاری کی نظروں میں ہے۔

میسج اوپن کیے ریڈ کرتی وہ لحظہ بھر کے لیے پھر سے باہر دیکھنے کو نظر اٹھا گئی۔

"گاڑی کے اندر بیٹھو جا کر، بلکہ واپس چلے جاو۔ مجھے واپسی پر ہمانی حویلی جانا ہے"

سپاٹ چہرے کے سنگ میسج ٹائپ کرتی وہ وہاج سکندر پر نیا ستم ڈھا گئی تھی۔

"کیوں جانا ہے آپکو؟"

بیقراری سے سوال آیا۔

"اسنے بلایا ہے، ابدال نے جو غلطی کر دی ہے اسکے اثرات کم کرنے لازمی ہیں۔ پلیز وھاج میری مشکل مت بڑھاو۔ پہلے جیسے ہو جاو یہ چاہتی ہوں۔ جو ہونا تھا ہو گیا، اب جو ہے اسے قبول کرو"

وہ اتنی بھی سنگ دل نہ تھی، تڑپتے دل کی دہائیوں کی تپش اس تک آچکی تھی تبھی تو وہ دلاسہ اور ستم ایک ساتھ کر رہی تھی۔

اور وہ موبائیل سکرین پر چمکتے اس دل و جان کو زخم دیتے مشورے پر دلخراش مسکرایا۔

"ہمم۔۔ میں آپکے ساتھ جاوں گا وفا بخاری۔ کم از کم مجھے اپنی حفاظت کے منسب سے مت ہٹائیں ورنہ شاید واقعی جان ہار جاوں گا۔ اس شاطر کی حویلی اکیلے نہیں جانے دے سکتا آپکو۔ منتظر ہوں"

اسکے اس پیغام میں وفا نے اسکی بے بسی اور شدت بری طرح محسوس کی تبھی کچھ نہ بولی۔

بس اس انسان کے بارے مزید نہ سوچنے کو وہاں سے ہٹ کر اپنے کام میں لگ گئی۔

دوسری سمت نہال بخاری کے آفس کے میٹنگ روم میں آدھے لوگ نہال کے جبکہ تین چار کاشان ہمانی کے تھے۔

ان دو کے بیچ زمینی معاملات سے جڑا کانٹریکٹ سائن ہو چکا تھا۔

سارا وقت کاشان کسی گہری سوچ میں مبتلا نہال بخاری کے چہرے پر اترے متذبذب رنگ ہی کرید تا رہا، شاید زویا ہمانی سے ہوتی ملاقات کاشان کے بقول اس بڈے کو ہلا گئی تھی۔

میٹنگ برخاست ہوئی تو سب ورکرز کے جانے کے بعد اب صرف کاشان اور نہال ہی موجود تھے۔

وائیٹ تھری پیس سوٹ کے سنگ شہتوتی شرٹ کاشان ہمانی کے پر وقار اور کسرتی وجود پر نکھری تھی، جبکہ نہال بخاری بھی اس عمر میں بھی شوخ رنگوں کی شرٹس پہن کر خود کو خاصا چارمنگ اور ڈیشنگ رکھتا تھا۔

اگر یوں کہیں کہ تب بھی کاشان ہمانی اس پر حاوی ترین تھا تو یہ کہنا غلط نہ تھا۔

"کیا بات ہے لالہ، کوئی پریشانی ہے۔ اس ڈیل کے لیے آپ کتنے ایکسائٹڈ تھے"

دل میں تو وہ لطف اندوز ہوا مگر منصوعی فکر چہرے پر سجائے اس وقت وہ نہال کا خیر خواہ تھا۔

"وہ تو اب بھی ہوں، آج ہی کام شروع بھی ہو جائے گا پلازہ کا مگر ایک اور معاملہ ہے جس نے مجھے الجھا دیا ہے کاشان"

نہال بخاری کا الجھن آمیز انداز خاصا غور طلب تھا۔

"آہاں۔ خیریت ہو گی۔ بتائیں کیا ہوا؟"

فوری دوستانہ استفسار کیا گیا۔

"وہ تمہاری پھپھو، زویا۔ ایسا لگا میں جانتا ہوں اسے"

کھوئے کھوئے انداز میں وہ کاشان کی جانب دیکھ رہا تھا جو فوری مبہم سی مسکراہٹ کے سنگ ٹیک چھوڑے بیٹھا۔

"ایسا ہی ہے، آپ ہی کی کلاس میٹ رہ چکی ہیں۔ شاید تبھی لگا ہو گا آپکو"

کاشان کا جواب سن کر نہال کے ہوش اک لمحے کو اڑے، جو کچھ ماضی میں ہوا تھا کیا کاشان اس سے واقف تھا؟ یہ سوال نہال بخاری کو دہلا گیا۔

اور اگر اسے سچ پتا تھا تو وہ رشتہ داری اور یوں پارٹنر شپ پر کیسے مان گیا۔

لمحہ لگا اور نہال کو محسوس ہوا حلق میں کانٹے اگے ہوں۔

"تم۔۔۔ تم جانتے ہو سب؟"

ہکلاہٹ بتا چکی تھی کہ نہال بخاری سر تا پا خوفزدہ ہوا ہے، اپنے لیے نہیں، اپنی قیمتی متاع وفا بخاری کے لیے۔

نہال کی آنکھوں کا خوف و خدشہ اس وحشی کو سرور دے گیا۔

"جی جانتا ہوں سب، کیسے آپ نے انھیں۔۔۔ خیر یہ سب تو ماضی تھا لالہ، جب انھیں کوئی مسئلہ نہیں آپ سے تو مجھے کیوں ہو گا۔ آپ گھبرائیں مت، میں نے یہ نکاح کسی بدلے کے تحت تھوڑی کیا ہے"

کھسیانی سی خوشی کے سنگ وہ چمکتی آنکھوں اور طنزیہ انداز سے نہال بخاری کو ان ڈائریکٹلی خاصا جنجھوڑ چکا تھا اور کتنی ہی دیر وہ کاشان ہمانی کی بدلی استہزایہ ٹون پر صدمے میں رہے۔

"ہمم۔۔ میں نے تم پر اعتبار کیا ہے کاشان، اسے توڑنا مت"

نہال بخاری کی تنبیہہ میں اک ڈر تھا جس نے مقابل کو مزہ دیا۔

اس بڑے بزنس مین کی دکھتی ہر رگ اب کاشان ہمانی کی مٹھی میں جو تھی۔

"میں جانتا ہوں اعتبار ٹوٹنے کی اذیت، کوشش کروں گا نہ توڑوں۔ خیر آج اگر آپکی اجازت ہو تو وفا کو حویلی روک سکتا ہوں؟ ایکچولی میرے کچھ فارن دوست احباب اپنے مسیز کے ساتھ جمع ہوں گے۔ لیٹ ہو جائے گا۔ اور وہ میرے ساتھ یعنی اپنے شوہر کے ساتھ ہو گی تو رات گئے اسے واپس چھوڑنے کی زحمت سے بچ جاوں گا۔ ویسے بھی یہ پارٹی تو صبح تک چلے گی"

کاشان ہمانی نے جس شاطرپن اور ذہانت کا ٹھیک وقت پر استعمال کیا وہ نہال بخاری کو گھوما چکا تھا۔

اب وہ یوں تھے جیسے اس سامنے بیٹھے دوست مگر اصل میں حقیقی بغض پالے عناد پرست کو انکار کرنے کی ہمت ہی نہ رکھتے تھے۔

"رات رکنا مناسب نہیں رخصتی سے پہلے کاشان"

زراہمت کیے وہ اعتراض کرتے برہم تھے مگر کاشان ہمانی جیسا چالاک اور ظالم کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"ارے لالہ یہ کیسی دقیانوسی سوچ ہے آپکی، نکاح اہم تھا جو ہو چکا۔ رخصتی بس ایک رسم ہے جو کبھی بھی ادا کی جاسکتی۔ ویسے بھی جب تک میں وفا کے ساتھ وقت نہیں گزاروں گا تب تک ہمارے بیچ کی تلخی کیسے کم ہو گی۔ اور اسے رخصتی کے لیے منانا بھی تو ہے مجھے۔ چلیں اب نکلتا ہوں۔ سی یو"

سارے اعتراضات اپنی چالاکی سے رد کرتا وہ حتمی فیصلہ سنائے اٹھ کھڑا ہوا، کوٹ کے بٹن بند کیے اور اس سلگتی سی نگاہ مجبور اور بے بس سے نہال بخاری پر ڈالتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا آفس میٹنگ روم سے نکل گیا۔

اسکے جاتے ہی نہال بخاری پر کپکپی سی اتری، انکی آنکھوں میں خوف کی لہر پوری قوت سے بیدار تھی۔

آج کاشان ہمانی کے لفظوں، لہجے اور شاطر آنکھوں سے صرف وحشت اور من مرضی ٹپک رہی تھی۔

نہال بخاری پر مشکل وقت شروع ہو چکا تھا اور کاشان آج اسے اپنے غیض و غضب کی بہت ہلکی سی جھلک دکھا کر ہی نڈھال کر چکا تھا۔

تیسری طرف ابدال شام تک سب سے اجازت طلب کیے واپسی کو جانے والا تھا۔

عناب تو مسلسل اس کا ہاتھ پکڑے روکنے پر بضد تھی اور آج تو منیہا بھی اداس تھی کیونکہ اس بار وہ بھی اسکے جانے پر منہ پھلائے تھی۔

"میں متھ کلوں دی بھیو، دلدی آنا۔۔۔ میلے تو نین نی آتی، میہا گوئی گوئی تل تے ددا دیتی ہے۔ تل میتو ستول بی دانا ہے۔ (میں مس کروں گی بھیو، جلدی آنا۔۔۔ میرے کو نیند نہیں آتی۔ منیہا گدگدی کر کے جگا دیتی ہے۔ کل مجھے سکول بھی جانا)"

اسے باہر لان تک چھوڑنے آتی وہ ساتھ ساتھ منیہا کی شکائیت لگانا نہ بھولی تھی، ابدال مسکرا کر بیگ ڈائیور کے سپرد کرتا خود عناب کے قدموں میں بیٹھا اور اسکے دونوں ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں مقید کیے ماتھا چوما۔

منیہا اور فریال بھی پاس ہی کھڑے تھے۔

"ایگزامز ہیں اب، ون منتھ بعد آوں گا۔ روز کال کروں گا اپنی گڈی کو۔ اپنا خیال رکھنا اور ہر اس چیز سے دور رہنا جو سوٹ نہ کرے میرے بے بی کو۔ کسی سٹرینجر کے نہ پاس جانا کبھی نہ بات کرنی، کسی غیر انسان کو اپنے قریب تک نہیں آنے دینا۔ اور لاسٹ پے بیمار نہیں پڑنا، جب تم بیمار پڑتی ہو تو تمہارے بھیو بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ آئی لو ویو، منیہا آپا یار اسے گدگدی کر کے جگایا مت کریں۔ پہلے ہی بہت کم نیند ہے میری گڈی کی۔ ٹیک کیئر"

دونوں ہاتھوں میں عناب کا چہرہ بھرے وہ اسے ہمیشہ کی طرح چند ہدایات سونپتا خود سے لگا گیا، منیہا بھی پیچھے کھڑی تھکا سا مسکائی۔

آج صبح سے پیپر کی تیاری نے بچاری کو بے حال کر رکھا تھا جو شکل سے بھی واضح تھا۔

عناب نے ابدال کی ساری باتوں پر پوری فرمابرداری سے سر ہلایا اور پھر ابدال کا ہاتھ چھوڑ دیتی وہ منیہا کے ساتھ جا لگتی ابدال کو ہاتھ ہلائے بائے کرنے لگی۔

وہ تینوں تب تک وہاں رہے جب تک ابدال گاڑی میں بیٹھ نہ گیا، گاڑی کے بخاری ولا سے نکلتے ہی فریال بھی نثار سی نظر دونوں لاڈلیوں پر ڈالے اندر بڑھ گئیں۔

عون ابھی تک گھر نہیں آیا تھا، اسکا آج کا دن کتنا کرب ناک تھا اسکا اندازہ صرف اسی کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ یونی ورسٹی کا مین ہال تھا جسکے باہر وہ خوبرو ہینڈسم جوان اپنے گروپ کے ہمراہ کھڑا تھا، اسکے ساتھ دو شوخ اور حسین سی لڑکیاں اور ایک ہم عمر زرا بگھڑے خلیے والا لڑکا کھڑا تھا۔

"وہ لڑکی تمہیں دیکھ کر کب تک ٹھنڈی آہیں بھرے گی نہال، تم ایک آدھ ڈیٹ کر ہی کیوں نہیں لیتے اس کے ساتھ۔ نہیں تو پھر سے مر جائے گی"

تیکھے نقوش والی اس شوخ لڑکی نے خاصے نخوت سے سامنے دیکھائی دیتی چشمش لڑکی کی جانب اشارہ کیا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ دوسری لڑکی خفگی سے نہال کو گھور چکی تھی۔

"جان نکال دوں گی تمہاری اگر ہادیہ کے سوا کسی کو دیکھا بھی، تم اپنی تجویز پاس رکھو نرمین ڈارلنگ۔ میرے بوائے فرینڈ کو کیسی الٹی پٹیاں پڑھا رہی ہو۔ نہال، تم اس لڑکی پر کیوں مہربان ہو رہے جان۔ وہ ایک سائیکو ہے یو نو، اپنی کلائی کاٹے یا بال نوچے۔ تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے، تم ازل سے ابد تک ہادیہ کے ہو"

نہال کی نظر اس لڑکی کی جانب پائے ہادیہ نے فوراً سے بیشتر نہال کا ہاتھ تھامے اسے مکمل اپنی سمت گما کر اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھرے کہا جس پر وہ بھلے سرسری سا مسکرا کر معاملہ کلوز کر گیا مگر پوری یونی جانتی تھی کہ زویا نے اسکے روڈ بیہویر پر اپنی کلائی کاٹی تھی۔ اگر بروقت نہال اسے نہ دیکھتا تو وہ مر جاتی۔

اسی روز وہ اپنے گروپ کے تین پٹاکوں سے نظر بچا کر زویا کی کلاس میں گیا تھا جسکی عادت عام طور پر کلاس ختم ہونے کے باوجود بھی چھپ کر کلاس میں بیٹھے رہنے کی تھی۔

وہ اپنی کلائی پر بندھے خون آلود پٹی کو کھرچتی ہوئی گم صم بیٹھی تھی جب نہال وہاں آیا۔

وہ ڈبو سی، زمانے کی سختی سے متاثر ہوتی عام سی لڑکی تھی اور اسکی پسندیدگی لاکھ چھپانے کے باوجود پوری یونی میں مشہور کرنے والا گروپ بھی نہال بخاری کا تھا۔

جس میں نرمین، ہادیہ اور آصف نامی تین مخلوقات تھیں اور وہ تینوں ہی یونی کے ڈان سمجھے جاتے۔

"تم میرا تماشا بنانا بند کرو گی یا نہیں، ہر گزرتا انسان تمہارا نام لے کر اڑیٹیٹ کر رہا ہے مجھے۔ اور اس واہیات خودکشی کی کوشش کے بعد تم مجھے اس یونی تک میں ناقابل قبول ہو زویا۔ اپنی ان حرکتوں سے باز آجاو ورنہ تمہیں اس یونی سے تو کیا اس شہر تک میں منہ چھپانے کے لائق نہیں چھوڑوں گا"

تنتناتے ہوئے وہ ایک ایک لفظ قہر کی طرح نازل کرتا گیا اور وہ جس طرح اس دن پھوٹ پھوٹ کر روئی آج بھی بے دھیانی میں گارڈن ایریا کی جانب ڈھلتی شام کو دیکھتی آنکھیں نم کر گئی۔

ماضی کی وہ ننھی سی پرچھائی تک کافی تھی زویا کی نفرت دہکانے کو۔

"اور پھر اس شخص نے واقعی مجھے یونی میں تو کیا پورے شہر تک میں منہ دیکھانے کے لائق نہ چھوڑا تھا۔ رحم حاوی کرنا ایک طرف مگر یہ بات مت بھولا کرو زویا ہمانی۔ کاشان جو کرے گا ٹھیک ہو گا، لیکن تم بھی سہو گے نہال وہ بدلا جس کے لیے یہ ساری گیم کھیلی میں نے"

نفرت سے انتقامی سا سوچتی وہ تب اپنے گہرے خیالات سے باہر آئی جب مین ڈور پر ہوتی ہلچل اور اندر آتی گاڑی نے زویا کو اپنے آنسو پونجھ لینے پر مجبور کیا۔

ساڑھے چھ بجے ہی وفا بخاری، ہمانی حویلی پہنچ آئی تھی۔

اسکے باڈی گارڈ کو دیکھ کر زویا نے ناگواری سے منہ بنایا مگر وفا کے باہر نکلتے ہی منصوعی مسکراہٹ سجاتی چلتی ہوئی عین وفا کے قریب آن رکی۔

وفا کی نظروں کی سرد مہری عیاں تھی۔

"ویلکم وفا، تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی جان۔"

گلے لگائے وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتی واپس ہٹی، وفا نے بھی گویا رسان سے اس مسکراہٹ میں ساتھ دیا۔

"تھینکس"

وفا کا سرسری جواب ہی متوقع تھا مگر پھر بھی زویا خندہ پیشانی سے اسے لیے اندر بڑھ گئی۔

دوسری طرف وحید صاحب آج صبح سے اب تک اپنی ٹیم کے ساتھ اہم معاملات میں مگن تھے۔

فی الحال اس نمبر کے حوالے سے کوئی کلو نہیں ملا تھا اور نہ ہی نور گل کے بینک اکاونٹ میں کوئی اہم ڈاکومنٹ ملا تھا۔

"ہماری ٹیم مسلسل کام کر رہی ہے لالہ، کل شام تک ممکن ہے کوئی اچھی خبر مل جائے"

کوئی بھی پیش رفت نہ ہونا وحید صاحب کو بے چین کر رہا تھا، وہ نور گل کے معاملے کو ہر ممکنہ حد تک حل کرنے کے خواہش مند تھے مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا انکی فکر اور تشویش کو بھی پر لگ چکے تھے۔

عون سارا دن ہی یو آن کے ساتھ رہا تھا اور اپنی طرف سے وہ اسے کافی کچھ سمجھا چکا تھا جو ضروری تھا۔

گاڑی فارس شاہ کے گھر کے باہر روکے وہ یو آن کی جانب متوجہ تھا جس نے ایک پورا سنڈے بڑی کے ساتھ گزار کر اپنی زندگی کا ایک اور حسین دن اپنے لاشعور میں قید کر لیا تھا۔

"میں نے جو سمجھایا ہے، تم سمجھ گئے ہوناں یو آن شاہ"

عون سنجیدہ سا اسکے مسکراتے چہرے کی جانب دیکھ کر بولا۔

"میں سمجھ گیا ہوں، کوئی کچھ بھی کہے۔ یو آر مائی بڈی، جانتا ہوں مما آپکو پسند نہیں کرتیں۔ وہ مجھے آپکے خلاف کچھ بھی کہیں گی تو میں اگنور کر دوں گا۔ بابا جان نے کہا ہے بڈی میرے سچے دوست اور محافظ ہیں اور یو آن اپنے بابا کی بات پر سب سے زیادہ یقین کرتا ہے"

وہ عون سے اسکی سوچ سے زیادہ پیار کرتا تھا اور کہیں دل سے عون بھی اب یو آن کو اس عورت کی سفاکی سے بچانے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

یو آن اسکی امانت تھا اور عون اپنی جان سے زیادہ اس امانت کا نگہبان تھا۔

"یس مائی چیمپ، کچھ بھی ہو جائے۔ دنیا ادھر سے ادھر بھی ہو جائے تم یہ یاد رکھنا یو آن کہ تمہارے بڈی تمہارے لیے جان بھی دے سکتے ہیں۔ میں تمہیں ہم بڑوں کی لڑائی اور ٹنشن میں آکر متاثر نہیں ہونے دوں گا۔ جلد تم بورڈنگ جاو گے اور یہ بات ابھی صرف ہمارے بیچ سیکرٹ ہے۔ اب جاو گھر اور سو جانا۔ صبح سکول ہے"

پیار اور رسانیت سے وہ یو آن کو سمجھاتے ہی اسے جانے کی تاکید کیے تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ گھر کے اندر نہ گیا۔

گہری سی سانس کھینچے عون بخاری نے اپنے دل کا 'غبار کم کیا۔

"یا اللہ، مجھے ان سب حالات سے لڑنے کی ہمت عطا کر۔ منیہا کو اپنے اعتماد میں لے کر سچائی بتانی ہو گی اس سے پہلے کہ مہکار کوئی چال چلے۔ سوری منیہا مجھے تمہارے سامنے آنا ہو گا۔ اب بات تمہارے پیپرز سے کہیں اہم ہے میری جان"

حتمی فیصلہ لیے وہ اگلا لائحہ عمل ترتیب دیے گاڑی سٹارٹ کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سر۔۔۔ اس نمبر کا پتا چل گیا ہے"

نوجوان لڑکا تیزی سے مین آفس روم میں انٹر ہوا تھا، اسکے ہاتھ میں چند فائلز تھیں۔

"کیا ہے یہ نمبر؟"

وحید صاحب کی سمت سے اسکی خود کی سمت بڑھائی باریک سی فائیل پکڑتے بے تابی سے استفسار کیا گیا۔

"سر یہ نمبر کسی ریسلنگ فائٹ کے پاس کا نمبر ہے، میری وہاں بات ہوئی ہے۔ ہمیں ابھی جا کر اس بارے معلومات لینی ہوں گی"

اس خبر کے ملتے ہی وحید صاحب اپنا سارا کام چھوڑے اجلت کے سنگ اس لڑکے کے فراہم کیے ایڈیس پر روانہ ہوئے۔

کلب تک کا فاصلہ آدھے گھنٹے میں مکمل کیے وہ تیزی سے بیرونی راہداری عبور کرتے اندر داخل ہوئے۔

وہ کلب اس شہر کی جانی مانی جگہ تھی جہاں آئے دن چمپئین لیگز سے لے کر چھوٹے اور بڑے رقبے پر ریسلنگ کے مقابلے منعقد ہوتے تھے۔

ابتدائی راستے پر انکی چیکنگ کے بعد انھیں اندر جانے کی اجازت ملی۔

کوئی دو تین منٹ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ کسی آواز پر وہ چونک کر مڑے۔

وہ آدمی فوری ان تک لپکا اور مودب ہوئے سلام کیا۔

"سر میں فاروق ہوں، یہاں کا مینجر۔ خبر ملی تھی کہ آپ کسی پاس کے بارے جاننا چاہتے ہیں"

وہ سوٹڈ بوٹڈ آدمی فوری مدعے پر آیا۔

وحید صاحب نے اپنی جیب سے وہ کاغذ پر درج نمبر اسکی جانب بڑھایا۔

وہ دونوں تھوڑے فاصلے پر موجود کیبن میں گئے جہاں اس منیجر نے وہ نمبر اپنے کمپوٹر کے ریکارڈ میں درج کیا۔

"سر یہ پاس نور گل نامی شخص کے نام ہے"
اس معلومات پر وحید صاحب کو شدید جھٹکا لگا تھا۔
"ہم۔۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس نے یہ پاس کن ریسلرز کی فائیٹ کے لیے خریدا تھا"
وہ مضطرب سے دوبارہ پوچھنے لگے۔
"جی سر، ہمارے کلب نے یہ سپیشل ٹرینگ فائٹ کا انعقاد کیا تھا جس کو مشہور زمانہ چمپئین کاشان ہمانی ہوسٹ کرنے والے تھے۔ یہ مقابلہ کل سے شروع ہونے والا تھا مگر انکی اچانک طبعیت ناسازئ کے باعث اب یہ ایک ماہ بعد ہو گا"
وہ مینجر اپنی طرف سے یہ ساری انفارمیشن دے کر اپنا کام ختم کر چکا تھا مگر اس جگہ سے باہر پارکنگ تک جس حیرت اور پریشانی سے وہ فاصلہ طے کر پائے یہ وہی جانتے تھے۔
دل وجان گویا خدشات کی زد میں کانپے تھے، آنکھوں کی پتلیوں کے آگے ہر نظارہ تھم چکا تھا۔
" آخر ایک فائٹنگ پاس کے نمبر کو نور گل کیوں اتنے خفیہ طریقے سے ہم تک پہنچا گیا، کاشان ہمانی کا اس سے کیا تعلق ہے۔ کہیں یہی تو پائزن نہیں۔۔۔ یا میرے اللہ یہ کیسی ذہنی اذیت ہے۔ کیسے پتا لگواوں اب۔۔۔"
انگلیوں کی پوریں اپنی کن پٹی پر سہلائے وہ دوسرے ہاتھ سے بمشکل گاڑی کا سہارا لیے کھڑے تھے۔
چہری پر زردی کھنڈ چکی تھی، ہوائیاں اڑ چکی تھیں
انھیں اس سب میں اب فکر کے بجائے وفا کے لیے پریشانی لاحق تھی۔
ایک مہینے تک اس اذیت میں مسلسل لٹکے رہنا بہت کھٹن تھا۔

دوسری طرف فارس کی تلاش شروع ہو چکی تھی، وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ خفیہ طریقے سے مہکار پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھا۔

مہکار صبح یوآن کے کلب سے نکل کر اپنے آبائی بند گھر گئی تھی، وہ گھر جس کو اسکا باپ اسکی آخری جائے پناہ کے طور پر چھوڑ گیا تھا۔

کچھ فاصلے پر کھڑے رہ کر فارس نے بوسیدہ جالے لگی کھڑکیوں کے ٹوٹے شیشوں کے پار اس عورت کو دیکھا تھا، جسے دیکھنا تک اب اسکے لیے دشوار تھا۔

محبت صرف ایک در سے جڑے رہنے کا نام تھا، اس نے نو سال تک صرف اسی مسلک سے جڑ کر اپنے رگیں نوچی تھیں مگر بعض اوقات قدرت ہمارے ذمے کچھ ایسے کام لگا دیتی ہے کہ سر پر آئی موت ٹالنے کی ہمت انسان کو سونپ دی جاتی ہے۔

وہ ہمت بھلے کتنی ہی دردناک کیوں نہ ہوتی۔

وہ ایسا شخص تو تھا ہی نہیں جسکے نزدیک 'لینے، حاصل کرنے یا پا لینے' کو محبت کہتے تھے، اس کے نزدیک محبوب کے دیے زخم، تہمت، فریب، اور دھوکے کو بھی ہنس کر سہہ جانا محبت تھی۔

وہ جانتا تھا جو سفر مہکار نے چنا ہے وہ جلد اسے تھکا دے گا، اور وہ اب پائزن کے لیے کبھی پہلے جیسی نہ ہو سکتی تھی۔

مرد جس بھی کیٹیگری کا ہو، عورت کے دل میں دوسرے مرد کو آخر کب تک سہہ سکتا ہے، دو سال، چھ سال یا زیادہ سے زیادہ نو سال۔

عون بخاری پر اس نے یوآن شاہ کی ذمہ داری تو ڈال دی تھی مگر وہ کب بے نیاز تھا، وہ اپنے اکلوتے یار کی اکلوتی خوشی کی حفاظت اپنے طریقے سے کرنی جانتا تھا۔

فارس شاہ صرف نظر سے اوجھل ہوا تھا، منظر سے ہٹا تھا مگر وہ اپنی ذمہ داریوں سے فرار کرنے والا کمزور مرد نہ تھا۔

مہکار وہاں سے سیدھی شام تک سیلون گئی، فارس نے وہاں تک بھی اسکا پیچھا کیا، سیلون کے اندر ایک لڑکی کو کچھ پیسے دے کر خریدا تا کہ وہ اسے مہکار کے یہاں آنے جانے اور ساعت میں پڑتی کسی بھی خبر کو بلا تاخیر اس تک پہنچائے۔

وہاں سے وہ سیدھی واپس گھر گئی تھی۔

کیمرے کی آنکھ فارس شاہ کے لیپ ٹاپ میں کھل گئی تھی، وہ اسے خوشی سے گھر میں گھومتا، کوکنگ کرتا اور موسم بہار کی شام انجوائے کرتا دیکھ رہا تھا۔

اسکے علاوہ ایزل کی بھیجی معلومات وہ ایک گھنٹے کے اندر اندر رف انداز میں ایک سادہ کاغذ پر درج کیے وہ سب کچھ ضائع کر چکا تھا۔

اس معلومات کے اندر کچھ لوگوں کا بائیو ڈیٹا تھا، اور کچھ ایسے مشکوک جگہوں (اڈوں) کے پتے جو فارس کے پاس پہلے بھی تھے جسے وہ عون بخاری کے سپرد کر چکا تھا۔ یہ ساری جگہیں وہ تھیں جہاں پائزن کی حکمرانی تلے منشیات، سمگلنگ اور قبضہ لینڈ مافیہ کے نیٹ ورک پھیلے تھے۔

یہ ساری جگہیں فارس کا ٹارگٹ تھیں جہاں گھس کر اسے اب پائزن کے خلاف ثبوت جمع کرنے کا مشن مل چکا تھا۔

اسکے اس مشن میں ایزل مہران شامل تھی۔

اس جیسی حقیقت پسند، نڈر، شاطر، بے خوف اور بہادر۔

تیسری طرف عائش ہمانی کچھ گھنٹوں کی لگتار ریسٹ کے بعد ابھی شام میں فریش ہو کر نکلا تھا۔

بھلے اسکی ذمہ داری اب ڈرگ مافیہ سے ڈیلنگ کی تھی مگر جو مزہ اسے کلب کے انتظامات دیکھنے میں آتا تھا وہ اس دھندے میں بلکل نہ تھا۔

چہرہ خباثت اور شیطانیت سے بھرا ہوا تھا، اس کے نقش نقش پر غلاظت درج تھی، وہ دو سال کاشان ہمانی کے روح فنا کرتے ٹارچر کے باوجود بھی ویسا ہی گندا اور نجس تھا، وہ ایک زانی اور قاتل تھا۔

اور وہ ایک بہت بڑا درندہ تھا، وہ درندہ جو معصوم بچوں کے اغواء کا پچھلے پانچ سال سے دھندا چلاتا تھا، امیر ہو یا غریب مگر وہ صرف ان معصوم بچوں کو اغوا کیے انھیں مہنگے داموں سمگل کرتا تھا، اسکا یہ کاروبار کاشان ہمانی تک سے مخفی تھا کیونکہ دو سال پہلے تک وہ کاشان کے لیے ایک بھروسے مند ساتھی تھا اور پچھلے دو سال سے عائش نے اپنا یہ کاروبار بھی بند کروا دیا تھا، مگر اب وہ سوچ چکا تھا کہ کاشان ہمانی کو اپنی واپسی کا سرپرائز کیسے دینا ہے۔

کیونکہ کاشان ہمانی کی طرح وہ بھی پاور رکھتا تھا، پاور اور پائزن کی زندگی سے جڑا ادراک ہی عائش ہمانی کا پلس پوائیٹ تھا کہ وہ اب تک نہ صرف زندہ تھا بلکے اپنی دو سالا اذیت کا بدلا لینے اگلا وار کاشان ہمانی ہی پر کرنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کرسکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"اف کاش کوئی ایسا منتر ہوتا کہ پڑھ کر ساری تیاری ہو جاتی، تو نے پڑھ پڑھ کر پاگل ہو جانا منیہا۔ اوپر سے عون بخاری کے بدلتے تیور۔ اب میں معصوم پڑھائی پر فوکس کروں یا اس ظالم پر"

ابھی فریال اسے دودھ کا گرما گرم گلاس دیے سر چوم کر پیار سے لاڈ جتا کر کمرے میں گئی تھیں، اور جلدی سونے کی بھی تاکید کی تھی مگر صبح پیپر تھا تبھی وہ سنجیدہ ہو کر پڑھنے میں گم منہ ہی منہ میں حساب کو روتی منہ بسور رہی تھی۔

پنک باربی ڈال نائیٹ ڈریس میں وہ لاونج کو ہی لائبریری بنائے اپنا کھلارہ پھیلائے اوندھی لیٹی ڈیفینیشن یاد کر رہی تھی۔

عناب کو فریال سلانے لے گئی تھیں جبکہ وحید صاحب آج آئے نہ تھے اور نہال بھی شام سے کمرے میں بند تھے۔

"سوئی نہیں تم؟"

پاس ہی اپنی جیکٹ اتار کر بیٹھتا عون رہی سہی جان نکال چکا تھا جس پر وہ کرنٹ کھائے اٹھ تو بیٹھی ساتھ ہی ڈر کے مارے پھدک کر دور ہوئی۔

"کیا ہے یہ؟"

منہ بگھاڑ کر وہ اسکی اس حرکت پر تپا۔

"آپ۔۔۔ آپ نے کہا تھا سامنے نہیں آئیں گے۔ مم۔۔ میں بیہوش ہو جاوں گی بتا رہی"

صدمے سے پیلی پڑتے وہ اس سے پہلے واقعی رونے پیٹنے بیٹھ جاتی، عون نے خفگی سے اسکی کلائی جکڑے قریب کیا اور خطرناک غصے سے گھوری نوازی۔

"جب تم بیچ گھر کے یہ داج کھول کر بیٹھی ہو تو کیا سلمانی ٹوپی پہن کر گزرتا یہاں سے، اور جو بھی ہوا اسے سر پر سوار کرنے کی ضرورت نہیں۔ آگے ہی تپا ہوں لہذا مزید زچ کرنے کی کوشش بھی مت کرنا"

زرا سا کھینچ کر اسکی شکوہ کناں آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس وقت واقعی غصے میں تھا۔

منیہا نے حلق تر کیے سہم کر دیکھا پھر سانس بھرے تھوڑی دور ہوئی۔

"ہمم۔ آپ کب سڑے نہیں ہوتے۔ چھوڑیں ناں بازو آگے ہی تیاری نہ ہونے کی وجہ سے دل میں درد اٹھ رہے۔ رہی سہی کسر آپ پوری کر رہے۔ پھر جب انڈا لے کر آئی نہ امتحان میں تو گبر بھی آپ نے ہی بننا"

نروٹھی سی اپنی کلائی عون کی گرفت سے آزاد کروائے وہ اپنے دکھ پر روہانسی ہوئی۔

عون نے خفیف سی مسکراہٹ کے سنگ اسکے رو تو تاثرات دیکھے جو واقعی سخت مشکل سے دوچار تھی۔

"لاسٹ پیپر کب ہے تمہارا؟"

سنجیدگی پھر سے برقرار رکھے وہ اس بار سرسری سے انداز سے بولا۔

منیہا نے گردن موڑے تعجب سے عون کو دیکھا۔

"دو ویک بعد لیکن دو ویک بعد ہی رخصتی نہیں کروانی پلیز۔۔۔ ابھی مجھے شادی نہیں کرنی"

آگاہ کرنے کے ساتھ وہ اگلی بات سے عون کا موڈ برباد کر چکی تھی، اس لڑکی سے جب بھی وہ کچھ کہنے کو مائل ہوتا وہ کچھ ایسا کہہ دیتی کہ عون کا دل جل کر خاک ہو جاتا۔

"وجہ گوش گزار کرو گی اس منحوس اعتراض کی؟"

تلملا کر وہ خاصا ضبط سے غرایا تھا۔

منیہا نے اسکے غصے کو بھانپ کر اداس شکل بنائے اسکی غضیل گھوری بمشکل سہی۔

"ایسے کیوں ڈانٹ رہے آپ اب؟"

زچ کرنے میں تو ماہر تھی، عون نے لمبی سی سانس کھینچے خود کو نارمل کیا۔

"کل کے بعد بھی تم ویسی ہی عقل سے پیدل ہی ہو بدماغ لڑکی، تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا"

اپنی بات ختم کرتا وہ موڈ تباہ ہونے پر اس سے پہلے ناراض ہو کر جاتا، منیہا نے دونوں ہاتھوں سے اسکی بازو پکڑے بمشکل بٹھایا۔

وہ کیا واقعی اتنی نادان تھی؟ عون کے دل کو ضرب سی لگی۔ وہ منیہا کے لیے کتنا سنجیدہ تھا کہ جان پر وبال سی تھی وہ اور یہ لڑکی جسے اب بھی کچھ سمجھ نہ آرہا تھا۔

"ناراض تو مت ہوں، اوکے جب آپکا دل کرے رخصتی کروالیں۔ لیکن ایسے غصے سے تو مت دیکھیں"

اپنی بازو کو اسکے دونوں ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں دیکھتا وہ اسکی ملتجی سی گزارش پر اپنے چہرے کی خفگی کم کیے واپس ٹھیک سے بیٹھا۔

اب رخ بھی مکمل منیہا کی جانب تھا جو عون کی اتنی توجہ پر فورا متذبذب ہوئی۔

"کیا تم واقعی اتنی انجان ہو جتنی نظر آتی ہو؟"

اس بار عون کا سوال اسکے چہرے کو مرکوز کیے آیا تھا، منیہا نے غائب دماغی سے اسے دیکھا اور پھر نفی میں گردن گمائی۔

"کیا سوچتی ہو میرے بارے میں بولو؟"

وہ تو گویا آج جان لینے کے در پر تھا، اس بار بھی سوال سابقہ دل دہلاتے انداز سے پوچھا گیا تھا۔

منیہا نے نظر اٹھائے عون کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سب کچھ بہت واضع تھا۔

"مم۔۔ میں ایسی والی لڑکی نہیں ہوں پتا تو ہے آپکو۔ مجھ سے یہ سوچنے والے کام کدھر ہوتے۔ پلیز آپ مجھ سے ایسے مشکل سوال نہیں کریں"

نظر چراتی وہ صاف صاف دامن بچا گئی، عون نے اس لڑکی کی بے نیازی پر ٹھنڈی سانس بھری۔

"محبت نہیں کرتی یعنی؟ یہ رشتہ صرف رشتہ ہے، ایک عام سا تعلق۔۔۔ ہے نا"

عون کی ناامیدی اسکے انداز سے چھلک چکی تھی، منیہا نے چونک کر پھر سے نظر اٹھائی۔

ناجانے کیوں مگر اسے عون کی یہ بات بہت چبھی تھی، تبھی تو وہ اپنی آنکھوں کو نم ہوتا محسوس کر رہی تھی۔

"میں ہی پاگل تھا جو اپنے اور تمہارے بیچ کا حصار توڑ بیٹھا، غلطی ہو گئی۔ تمہیں تو کوئی فرق ہی نہیں پڑا، میں قریب یا دور ہی آباد رہوں۔ بولو فرق نہیں پڑتا؟"

اس بار تو وہ سراسر ستم گر لگا، منیہا نے اسکے ہاتھ کو بھرائی آنکھوں سے جکڑا تو عون نے بھی آزردگی سے اس بے حال ہو جاتی لڑکی کو دیکھا جو بہت پریشان اور بیقرار تھی۔

"آپ غلط سوچ ر۔۔ رہے ہیں، فرق پڑا ہے۔ ایسے کیوں دکھی کر رہے مجھے۔ آگے ہی اتنی اداس تھی۔ میں نے کیا کچھ کہا آپکو؟ میں کچھ نہ بھی کروں تب بھی آپ ڈانٹ دیتے۔ ایسے ہرٹ کریں گے تو رو دوں گی۔ مم۔۔ مجھے نہیں بتانا آتا تو کیا کروں اب۔ ایسی ہی ہوں۔"

منمناتے ہوئے وہ کتنی ہی دیر دکھ بتاتی گئی، یہاں تک کہ وہ نمی جو منیہا کی آنکھوں میں تھی اسکے گال پر اُمڈ آئی۔

اور وہ میسنا بنا دل ہی دل میں مسرور ہوئے ناک لال کر لیتی منیہا کو دیکھ کر اسکی اس کیفیت سے سرشار ہو رہا تھا۔

"اداس کیوں تھی؟ میں ہوں ناں۔ تمہاری رہی سہی تیاری کروا دوں گا" اس راس ترین رگ حیات کے خدوخال خوشبو جیسے احساس کے سنگ اسکے پور پور پر اپنی حکمرانی ثبت کرتا اس نوخیز حسن والی کی حالت غیر کر گیا، وہ تو جنبش تک پر قادر نہ تھی، بس خود سے اس ظالم کے ہونے کا احساس دلکشی بن کر رگوں میں اک پل گردش کر گیا تھا۔

"ع۔۔۔عون ک۔۔کوئی۔۔۔دیکھ۔۔۔لے" بمشکل اپنے اٹکتے سانس کو بحال کرتی وہ حلق میں پھنسی پھنسی سرگوشی عون کی سماعت تک پہنچا سکی تھی، وہ بھی گویا اک لمحے کو اس فسوں میں بے خود ہو گیا تو منیہا کے رحم طلب ہونے نے اسے ہوش کے تقاضے تھام لینے کی ترغیب دی۔

"چینج کر کے آتا ہوں تب تک میرے لیے کافی بناو۔ سٹڈی میں لے آنا خود کو بھی، کافی کو بھی اور اپنی بکس بھی"

اپنے آپ کو تکتی بھیگی آنکھیں تا دیر کب برداشت تھیں، جانتا تھا ظالم اور روڈ ہوا ہے تبھی فوراً سے بیشتر اپنے طریقے سے اپنا سکون اور مقابل کا موڈ بحال کرتا اسکی گال سے نمی جذب کرتا اک نرم سی نگاہ ڈالے نہ صرف اٹھا بلکہ سرسراتی گداز سی نگاہیں ڈالتا اپنے روم کی سمت چلا گیا۔

منیہا نے اسکے اوجھل ہو جانے تک سوں سوں کیے رونا ختم کیا اور پھر یونہی عون کی عنایات یاد آنے پر مبہم سا مسکرا دی۔

وہ اسے اپنے قریب تک کی رسائی دینے سے بہت کھل سی گئی تھی، اک نیا چاہت ہونے کا احساس منیہا کو گدگدا رہا تھا، کسی کے لیے اتنی اہم تھی وہ، اور وہ عون بخاری تھا، یہ سکھ اب منیہا بخاری کے لیے راحت کے سوا کچھ نہ رہا۔

بکس سمیٹیں اور خوشی خوشی اٹھ کر کچن کی طرف دوڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بند سلاخوں کے پیچھے اس فارم ہاوس کے سب سے تاریک خانے میں بھی ایک مجرم دفن تھا، وہ ہر شام یہاں آتا تھا۔

بنا کسی کو خبر کروائے، وہ جہاں جاتا تھا ہوا کی طرح پر اسرار ہوئے، اسکے قدموں کی آہٹ پر زمین کپکپا جاتی تھی، وہ اصل میں کیا تھا یہ تو وہ خود بھی نہ جانتا مگر اس تہہ خانے میں ایک عمر رسیدہ عورت بند تھی، وہ بوڑھی تھی کیونکہ اسکے بال اس قید میں بھی چاندنی کی طرح سفید اور کچی زمین کی طرح خاک آلود تھے، ہاں اس عورت سے کچھ ایسا تعلق تھا کہ کاشان ہمانی کے حکم پر اسے باندھا نہیں گیا تھا۔

بلکہ پوری شان اور ہمانی خاندان کے مرتبے کے مطابق شایان شان سزا دی گئی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر ملازمہ کو اس بوڑھے وجود کو کھانا کھلانے پر وہیں باہر رک کر جما رہا، اتنی دیر وہ منظر دیکھا کہ کاشان ہمانی کی آنکھوں میں آگ کے شعلے لپک پڑے۔

"کوئی بھی رشتہ نہ ہوتا پھر بھی کاشان ہمانی تعظیم کرنا نہ بھولتا، میرے ہاتھ بندھے ہیں کہ میرے بس میں صرف تم جیسی عورت کو قید کرنے کا اختیار ہے۔ میں کیسے رنج دوں تمہارے جسم کو جس نے میرے بابا کو نو ماہ کوکھ میں رکھ کر احسان عظیم کیا، میں کیسے ان پیروں کے نیچے جلتے کوئلے دہکاوں جہاں میرے جان سے پیارے بابا کی جنت ہے۔ لیکن کیسے رحم کروں تمہارے بڑھاپے پر کہ تم نے مجھ سے میری راحت چھینی تھی، میرا بچپن چھینا، میرا اعتماد اور میرا غرور چھینا۔ تم جب تک جیو گی کاشان ہمانی کی قید میں ہی رہو گی، اسکے بعد تمہارے گناہوں، زیادتیوں اور دی گئی اذیتوں کا معاملہ اونچی عدالت میں چلا جائے گا۔ یاد رکھنا فردوس ہمانی، اس عدالت میں ابھی پیشی باقی ہے تمہاری جو روز محشر لگے گی"

وہ اس مردہ، بے جان سے بوڑھے وجود کی جانب دیکھتا اپنے آپ کو پھر سے رنج دے رہا تھا، یہاں دو ملازمائیں ہمہ وقت اس مجرم کی دیکھ بھال کے لیے موجود تھیں، دنیا نے پائزن کی دی سزائیں سن رکھی تھیں مگر کوئی کیسے جان سکتا تھا وہ ایسی نرم سزائیں بھی دیتا ہے۔

سٹیچیز کی جگہ پر جلن محسوس ہوئی تو اس کی گرے آنکھیں لہو کا روپ دھار گئیں، وہ وہاں سے نکل آیا۔

اب باری تھی اس زخم دینے والے کی سزا تعین کرنے کی۔

"تمہیں سمجھ آگئی ہے کہ کیا کرنا ہے؟"

فون کان سے لگا کر سرسری مگر حکم دیتے لہجے میں سلگتی ہوئی آواز کے سنگ کہا گیا تھا جس پر فون کے اس پار وہ مشکوک سا آدمی فرمابرداری سے سر ہلا رہا تھا۔

"جی سر آگئی ہے، لیکن یہ سزا بہت کم ہے اس چھوڑے کے لیے۔ حکم کریں تو ٹانگیں توڑ کر بھیک منگواوں اس سے، جس نے آپکو آنچ دینے کی جرت کی ہو وہ میرے لیے واجب القتل ہے"

مقابل نے جیسے کاشان ہمانی کی وفاداری اور انس میں مکمل جذب ہو کر جوشیلی کانپتی آواز سے اپنا اشتعال نکالا۔

اس وحشی کے ہونٹ بھینچے ہو کر اک دوجے میں پیوست تھے، کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ جنگ برابری ہی کی جائز ہوتی ہے۔

پھر حیات رد میں پہلی بار وہ بدبخت بننے کو پر تول رہا تھا، کیا اسے علم نہ تھا کہ بڑے ہونے کے ناطے اسے یہ ظلم ڈھانا زیب نہیں دیتا۔

"نہیں، وہ مستقبل میں میرے کام آسکتا ہے لہذا اسے کوئی سخت سزا نہیں۔ بس اتنی سی عمر میں اس پر اتنا غرور سوٹ نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں اس پوری دنیا کے لوگ میرے تابع ہوں، میری حاکمیت تسلیم کریں۔ خیر کام ہوتے ہی خبر کرنا"

سنجیدہ اور سپاٹ انداز اپنائے وہ اپنی بات مکمل کرتا رابطہ منقطع کیے پلٹا تو سامنے ہی ملازم اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہاتھ باندھے مودب کھڑا تھا۔

"سرکار، حویلی سے اطلاع آئی ہے۔ وفا صاحبہ تشریف لا چکی ہیں"

وہ آدمی بات مکمل کرتا ہی کاشان کے خفیف سے جانے کے اشارے پر پلٹ گیا۔

وہ بھی جیسے اندھیرے سے نکل کر روشنی کی لکیر عبور کرتا عین درمیان میں آن رکا۔

اسکا دراز قد، بھاری کسرتی وجود، جسم کی اک اک رگ، اک اک خدوخال، اسکی ہر ادا، اسکا ہر حکم، یہ سب ازل سے ایسے منفرد و پرکشش کہاں تھے۔

اسے یاد ہے ہمانی خاندان کا وارث ہونے کی اس نے کتنی بڑی قیمت چکائی تھی، وہ کب چاہتا تھا اپنی ماں اور بابا سے جدا ہو جانا، وہ کب چاہتا تھا ایک کھلاڑی سے پائزن بن جانا، وہ کب چاہتا تھا مہکار کو بیچ دینا، وہ کب چاہتا تھا زویا کے دیکھائے رستے پر چلنا، وہ کب چاہتا تھا وفا بخاری کی سمت جانا۔

مگر یہ انکشاف تو اس پر زندگی میں پہلی بار ایک سچے رشتے سے جڑھ کر ہوا کہ اب اسکے وجود کی آخری تہہ تک بھی مہکار نہیں رہی۔

وہ مہکار جس کو پہلی نظر میں کاشان نے اپنی باندھی ہونے کے باوجود تعظیم سے دیکھا تھا، وہ پائزن تھا، بھلا پائزن کیوں مجبور ہوا کہ اسے مہکار تک کا سودا کرنا پڑا۔

اس نے یہاں بھی کھیل کھیلا تھا، پہلی بار اپنے پتھر دل اور سنگدل وجود میں اسی رحمدلی اور احساس کو پھوٹتا محسوس کیا جو اس جیسے وحشی کی موت تھی۔

اور موت جیسی بھی تھی، پائزن کے لیے ممنوع تھی۔

تبھی اس نے مہکار کو بنا کسی خیانت خود سے علیحدہ کر دیا، یہ جانتے بوجھتے کہ وہ جہاں گئی ہے وہاں بھی موت ہے اور جب جب جہاں جائے گی وہاں بھی اک موت ہے۔

نو سال کا کانٹریکٹ نما یہ سودا ٹھیک نو سال بعد ختم ہو گیا تھا، نو کا ہندسہ اسکے لیے لکی تھا۔

کیا واقعی لکی تھا؟

اب جب وفا نامی اک نیا کھیل کھیلنے کا وقت تھا تو اسکے اندر پھر سے ہلچل تھی۔

اب والی ہلچل نے کاشان ہمانی کو بے قرار کیا تھا۔

محبت دوسری بار کہیں اس سنگدل کے پتھر دل میں شگاف تو نہ ڈالنے والی تھی؟ اسے پتا تھا وہ بہت بڑا ماہر ہے، حکم چلانے اور اپنی مرضی کا سکہ چلانے میں لیکن یہ معاملہ مرضی کی پہنچ سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"اور اگر آج اگر میں اس بار ہار گیا تو؟"

اپنے لاشعور میں دانستہ دبائے شور کے بلند ہونے پر وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔

وہ شور اب روح پر حاوی ہونے لگا تو اضطراب کے مارے اس نے انگلیوں کی پوروں سے کنپٹی مسلی اور پھر بنا کچھ فیصلہ لیے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلا۔

اپنے فارم ہاوس سے ہمانی حویلی تک کا راستہ اس نے اک الجھن کے سنگ طے کیا، وہ پہنچ آیا۔

ڈرائیور وہی آدمی تھا جس کے خلاف رپورٹ درج تھی کہ اس نے اپنی بیوی پر تشدد کیا۔

وہ باہر نکلا مگر پھر کچھ سوچ کر قدم واپس موڑے۔

"تم رہا کب ہوئے؟"

کاشان کے سرسری سے استفسار پر وہ بل کھائے خوفزدہ سا ہوا، کاشان کی نظر سیدھی اسکے پار ہوئی۔

"آج ہی ہوا ہوں سائیں"

جواباً وہ منمنایا۔

"عورت پر ہاتھ کم ظرف لوگ اٹھاتے، اسے مار مارنے کے اور بھی کئی طریقے ہیں شیر علی۔

جیسے۔۔۔۔اپنی حسرت سے مارنا، اپنی محبت میں ڈال کر آسمان پر لے جا کر زمین پر دھکا دینا اور سب سے کامیاب طریقہ اسکی اولاد کا باپ بننا"

کاشان کے اس جواب پر وہ منہ کھولے اسے یوں پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"سرکار میری بیوی بدکردار ہے جسکا سو فیصد یقین ہے، یہ عورتوں کی مظلومیت اور آنسو اسکا ہتھیار ہیں اور اس معاشرے میں مرد اچھا ہو کر بھی برا ہے۔ میں نے اسے بس یہی مانگا تھا کہ خالص رہنا، لیکن وہ کہتی ہے

کہ میں اسے پسند نہیں۔ دھمکی دے رہی تھی کہ عورتوں کے حقوق والی این جیو جا کر مجھے جیل بجھوائے گی۔ مانتا ہوں یہ ادارے عورت کا سائبان ہیں لیکن کیا مرد کے لیے ایسا کوئی ادارہ نہیں جہاں وہ بھی اپنے کردار کی سرخروئی رو پیٹ کر حاصل کر لے"

وہ ملگجی سی صورت والا آدمی گویا کاشان کے سامنے اپنی آنکھوں کی ہیبت ناک سرخی چھپا نہ سکا۔

"اسے رہنے دے اسی ادارے میں، اولاد ہوتے ہی اسے عزت سے اپنے نکاح سے آزاد کر دے۔ عورتوں کے حق میں آواز بلند کرتے کئی ادارے سہی لیکن مردوں کی آواز بننے والا ایک کاشان ہمانی بھی کافی ہے۔ عورت کے پاس سب سے بڑا ہتھیار ہی اسکی مظلومیت ہے، جس کے باعث ہمارے معاشرے کی بہت سی ایسی عورتیں بھی بچ نکلتیں جن پر سزا واجب ہوتی"

زرا ٹھہر کر وہ یہاں اپنی ذات کی اک چھپی گہرائی بیان کرتا اختتام تک دل جلی مسکراہٹ دیتا شیر علی کا کندھا تھپکائے واپس مڑا۔

"آپ نے بھی تو نو سال پہلے ایک منفرد سزا دی تھی مہکار بی بی کو"

شیر علی کی آواز نے گویا کاشان ہمانی کے چلتے قدم روکے تھے۔

"ہاں شیر علی، تب نا جانے کیا ہو گیا تھا مجھے۔ تب میرے اصول اب جیسے سر پھرے کہاں تھے۔ تب مجھے لگتا تھا عورت صرف اسی مرد کے ساتھ ہی سجتی ہے جسے وہ سچے دل سے انس رکھتی ہو۔ لیکن اب میں کچھ اور ہوں۔ اب میں اپنے سارے نرم اصول توڑ کر کچھ نیا کرنا چاہتا ہوں۔ اب میری دسترس میں مہکار میری محبت بن کر نہیں بلکہ عبرت بن کر آئے گی۔ وہ عبرت جسے دیکھ کر میں اپنی حدیں مقدر کروں گا"

آج بہت وقت بعد شیر علی نے اس کے لفظوں میں کہرام دیکھا تھا، وہ کہرام جو کاشان ہمانی کی آنکھوں میں سرخی سمیٹ لایا۔

"سرکار، جیسے اس دنیا میں اچھے مرد اور برے مرد ہوتے ویسے اچھے کے لباس میں عورت بھی سفاک سوداگر ہوتی، جیسے میری بیوی، جیسے مہکار بی بی، اور جیسے آپکی دادی جس نے سچائی جانتے بوجھتے آپکو ناجائز اولاد کہہ کر کئی سال اذیت دی تھی۔ مجھ سے بہتر تو آپ جانتے عورت کے ہزار روپ"

وہ تھکن میں لپٹا کاشان پر مزید بوجھ اتار رہا تھا۔

"عائش کی کیا خبر ہے، تم اس پر نظر رکھنا۔ وفا یا اسکے گھر والوں کے سامنے نہ آئے خبیث۔ اسے صرف اصلاح کی آخری کوشش کے لیے زندہ چھوڑا ہے ورنہ اس پر موت واجب تھی"

بات دانستہ ٹال دیتا وہ اگلا سوال اپنے احکامات سے خود دبا گیا۔

شیر علی سر جھکائے اس سے پہلے سر ہلاتا کے کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی سے نکلتے وھاج سکندر کو دیکھ کر کاشان ہمانی نے جبڑے بھینچے۔

"یہ مفت کی سوغات بھی آئی ہے؟"

کاشان نے ناگواری سے پوچھا اور نظر وھاج سکندر پر تھی جو گاڑی کے ساتھ لگے ارد گرد بڑی کھوجتی نظروں سے جائزہ لینے میں مگن تھا۔

"وفا صاحبہ کا باڈی گارڈ ہے، کیا کہہ سکتے"

شیر علی نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"اسے یہاں سے گم کرواو شیر علی، ورنہ خوامخواہ مر جائے گا میرے ہاتھوں"

تلملاتا سا حکم کیے وہ شیر علی پر اک خفگی سے بھری نظر ڈالے اپنی مخصوص پر وقار چال چلتا حویلی کی جانب بڑھا جبکہ شیر علی نے ناگواریئت چہرے پر سے ہٹائے اپنے اور کچھ پار کھڑے وھاج سکندر تک کا فاصلہ مٹایا اور عین اسکے روبرو کریدتی نظروں سے جا کھڑا ہوا۔

"تو جا واپس، یہاں سیکورٹی کیمرہ بن کر کیا تاڑ رہا ہے جوان۔ وفا بی بی اپنے سر کے سائیں کے ساتھ ہیں۔ اگر چوں چاں کی تو ایویں بڑے لوگوں کے غضب کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ چل میرا بچہ گم کر اپنی یہ مشکوک ہستی"

عین روبرو کھڑا وہ باقاعدہ وہاج کا کندھا ہلائے دھکیل کر تضحیکی انداز سے گویا تھا تبھی وہاج نے اسکا ہاتھ تنفر سے ایک ہی جھٹکے سے پیچھے پٹخا۔

"دوبارہ نہ اس لہجے میں بات سنوں گا نہ یہاں سے ہلوں گا، جا کر کام کر اپنا"

اکڑ کر شیر علی کو جواب دیتا وہ دروازہ کھولے واپس اندر بیٹھا تو شیر علی محض مٹھیاں بھینچ کر ہی رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلال نے ابدال کی واپسی پر اپنی مطلوبہ لسٹ سے بڑھ کر گفٹس پائے لپک کر زور دار جپھی ڈالے ابدال کے گویا سڑے موڈ کو بحال کیا تھا۔

دونوں ہی بالکونی کی جانب کھڑے تاحد نگاہ پھیلتی رات سے ہمکلام تھے، ہلال بلکل ابدال سے مختلف اور الٹ تھا، اگر یوں کہیں کہ ابدال آسمان تھا تو اسکا یہ نوٹکی اور ہنس مکھ یار وہ زمین تھا جو اپنی وسعت میں اس آسمان کو سمیٹ لیتی تھی۔

"اماں کیسی تھیں تمہاری؟"

ابدال کی طرح ہلال بھی گھر سے ہی آیا تھا، والدہ نے دیسی گھی کے لڈو ابدال کے لیے بھجوائے تھے جو اسکی ہلال سے اکلوتی فرمائش ہوتی تھی۔

"موج میں ہیں، سلائی سنٹر کھول لیا جنابہ نے۔ سارا دن اور یہاں تک کہ ساری رات آرڈرز پورے کرنے اور کروانے میں بزی رہتیں۔ اپنے انڈر چھ عورتیں رکھ لیں انہوں نے۔ پتا تھا بیٹے آزاد پنچھی ہیں کبھی کبھی ہی ویران آنگن میں اتریں گے تبھی خود کو اپنے شوق میں گم کر لیا۔ لیکن تمہارے لیے لڈو خاص وقت نکال کر بنائے گئے، بچپن سے لے کر اب تک جو کام اماں کی مجبوری تھی اب انکا فخر بن گیا۔ وہ سنگل پیرنٹ کی ہسٹری میں ایک اعلی مثال ہیں"

اپنی ماں کے بارے ذکر کرتے ہی گویا ہلال سکندر کے ہونٹوں پر شریں مسکراہٹ اتر چکی تھی، ابدال نے اپنی ماں کی کمی کو اس لمحے شدت سے محسوس کیا تھا۔

نو سال تک اس نے ماں کی آغوش پورے حق سے پائی اور پھر وہیں تک ابدال کے سکھ بھی اپنی عمریں کاٹ گئے۔

ہلال زندہ دلی کی اعلی مثال تھا، لیکن ابدال کئی محرومیوں سے کٹا اور آدھا ہوا کھڑا ہوا کے دوش پر اپنا آپ منتشر کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار تھا۔

"بہت لکی ہو تم ہلال سکندر، ماں مر جائے تو گزارہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن میرے پاس وفا تھیں کہ میں گزار رہا تھا دیہ بخاری کے بعد بھی اپنی زندگی۔ لیکن اب لگتا ہے وفا بھی چھن گئیں۔ اب مجھے مزید بڑا ہو جانا ہو گا اپنی عمر سے۔ تاکہ کم از کم عناب کو خود سے دور ہونے یا چھننے سے بچا لوں۔ وہ بھلے وہاں سب کے بیچ محفوظ ہے لیکن کیوں مجھے اس سے دوری بیقرار کر دیتی ہے۔ جیسے میں نہ ہوا اسکے پاس تو وہ گم جائے گی۔ میں دور ہوں اس سے، اسکی تکلیفیں عام تکالیف سے بہت زیادہ بری ہیں۔ وہ خاص بچی ہے، جسے بابا اور بھائی کی خاص چھاؤں درکار ہے۔ مجھے ہی اسکا یہ دوہرا سایہ بننا ہے"

ہاتھوں کی گرفت بالکونی کی ریلنگ پر جمائے وہ خاصا دردناک ہو رہا تھا، عموماً تو وہ جب گھر سے آتا تھا تو بہت خوش ہوتا لیکن اس بار ابدال مصطفی کے لاشعور میں بلکتی آہیں تھیں، بے سکونی تھی۔

ہلال بھی گویا اسکے اس انداز پر پریشان تھا۔

"عناب کو کچھ نہیں ہوگا یار فکر کیوں کرتا ہے، وہ ایک نہ ایک دن نہال بخاری کی آغوش ضرور پائے گی"

ہلال نے اس بجھتے دیے کو ہوا دی تھی، امید کی۔

ابدال کے چہرے پر دلخراش استہزاء بکھرا۔

"تب جب میری گڈی ترس ترس کر اس آغوش کی گرماہٹ اور نرمی کو خود پر ممنوع کر لے گی کیا تب؟ تب خدا کی قسم نہال بخاری اسکا چہرہ تک دیکھنے کو ترسیں گے۔ خیر جا یار سو جا۔ مجھے تھوڑی دیر رہنے دے یہیں"

اپنے لہجے کی تکلیف دباتا وہ بہت ہارا ہوا لگا تبھی ہلال بھی اس پر اک آزردہ نظر ڈالے اندر مڑ گیا۔

ابدال نے بے دردی سے اپنے رخسار کو تر کرتی نمی رگڑی، وہ کیوں رو دیتا ہے اس سفاک کے لیے۔

خود پر ملامت سی ہوئی۔

اسی لمحے اک سنسنی خیز آہٹ پر ابدال چونکا۔

سامنے بالکونی سے جڑے ملحقہ شیڈ پر کوئی ہیولہ سا نمودار ہوا، ابدال نے لپک کر اس طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ ایک بھاری مردانہ ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اور اسکے ہاتھ میں موجود انجکشن ابدال بخاری کی گردن میں جا دھنسا۔

وہ آدمی جیسے آیا ویسے ہی چھلانگ مارے غائب ہوا مگر درد کی اس اخیر زیادتی پر ابدال اپنی گردن پر ہاتھ رکھے آنکھوں کے آگے دھندلاہٹ چھانے پر وہیں لڑکھڑا کر گرا اور اگلے دو منٹ میں وہ وہیں ریلنگ سے ٹیک لگائے ہوش سے بیگانہ ہو گیا۔

دوسری سمت منیہا کافی بنانے میں منہمک تھی، کبھی کبھی تو مس پھوہڑ کو کوئی کام ملتا تھا تبھی وہ پورے دھیان سے کر رہی تھی۔

نہال بخاری اپنے خوف اور درد کو دبائے کندھے پر چادر اوڑھے چپ چاپ عناب اور منیہا کے مشترک روم کی جانب بڑھے تو اک لمحہ اس سفاک باپ کے کلیجے پر کھینچ پڑی۔

دروازہ دھیرے سے کھولے وہ اندر آئے، منیہا کو وہ پہلے ہی کچن میں دیکھ چکے تھے اور شاید یہ لمحہ انھیں اس معصوم وجود کے ٹکڑے تک کھینچ لایا جس سے دانستہ دوری بنانا ہی انکی مجبوری تھی۔

محبت میں انسان ہوش وحواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے لیکن ہجراں کی اذیت میں مبتلا لوگ اپنے اوپر رہی سہی راحت کا سفر خود روک کر ملال میں جیتے ہیں۔

وہ نرم ونازک سی انہی جیسی ہری آنکھوں والی پیدا ہوتے ہی انکی سرد مہری اور دھتکار کے باوجود معصوم تھی، وہ جانتے تھے برا کرتے آئے ہیں مگر جب بھی وہ شخص عناب کو دیکھتا، اسے ہادیہ کی موت آنسو آنسو کرنے لگتی۔

وہ ہادیہ جسے نہال بخاری نے اپنی سانس سے زیادہ چاہا تھا، جو اسکی روح میں اتری تھی، جسے وہ اپنی جان سے بڑھ کر عشق کر بیٹھے تھے۔

آہستہ آہستہ سانس لیتی وہ پری تمام تر بہتری کے بھی نڈھال دیکھائی دیتی تھی، اسکی کنڈیشن کے پیش نظر اسے ہر طرح کی موسمی زیادتی سے بچایا جاتا تھا تب بھی وہ نازک پانچ سالا کلی مرجھانے لگتی۔

اسکے سانس کی ہمواری کہیں تو نہال سے جڑی تھی، جب جب عناب کی طبعیت بگھڑتی وہ بخاری ولا سے بھاگ جاتے، ایک مفرور کی طرح۔

آج بھی بس وہ اسے دیکھ رہے تھے، اپنی آنکھیں جو جل رہی تھیں اب نمی سے بھر گئیں تھیں۔

وہ پوری کی پوری ہادیہ کی آخری امانت تھی اور محبت میں وہ شخص پچھلے پانچ سال سے خیانت کر رہا تھا۔

اپنے ضبط پر قابو پائے نہال بخاری جس طرح آئے ویسے ہی عناب بخاری کو تسلیم کرتے کرتے آخری لمحے رد کیے چلے گئے اور وہ جان بابا آج پھر اس حق دار لمس سے محروم ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈنر تک وہ پہنچ آیا تھا، ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

ایسے جیسے وہ اپنی کوئی کہانی رکھتا ہی نہ تھا۔

ڈنر پر زویا ہمانی نے چھوٹے سے لے کر بڑے ہر لوازمات کے لیے خاص تیاری کروائی تھی۔

وہ ڈنر کے بیچ بھی کاشان کی سلگاتی، دہکاتی آنکھوں کو اپنے وجود پر ثبت محسوس کیے بیقرار تھی۔

زویا نے ہی ڈنر کے بیچ ہلکی پھلکی باتیں کیے خاموشی کو توڑا تھا، وہ روپ سروپ کے سارے موسم اپنی ہوش ربا جوانی کے سنگ باندھ کر آئی تھی۔

کاشان ہمانی اپنے راستے سے پہلی بار گڑبڑایا تھا، اسے تو بنا لڑکھڑائے چلنے کی عادت تھی پھر اس عورت کو دیکھ کر قدموں کی لرزش کیونکر، وہ تھک رہا تھا۔

مہذب اور سلجھے انداز میں کھانا کھانے کے بیچ زویا سے باتیں کرتی وفا بخاری کے نکھرے، چاندنی جیسے روح افزاء خدوخال دیکھ کر بھٹک رہا تھا۔

نجانے یہ سچ تھا یہ چھل مگر اسے وفا بخاری کے چہرے کو دیکھ کر، اسکی اس حویلی میں موجودگی محسوس کیے اک لطف و راحت میسر آئی تھی۔

وہ راحت جسکو کوئی نام دینا ممکن نہ تھا۔

وہ اپنی طویل العمری میں کئی خود پر فدا عورتوں سے ٹکرایا تھا، کئی اس پر مر مٹی تھیں۔

اک دنیا تو اسکی شیدائی تھی پھر وفا بخاری کس کیگری میں ہے اسے سمجھ نہ آیا۔

وہ پیاری تھی بلاشبہ، نو خیز کلی کی مانند۔

ماضی میں نہال بخاری نے جو کچھ زویا کے ساتھ کیا تھا اس میں وفا کا کوئی قصور نہ تھا مگر ہاں وہ عورت کا شان ہمانی کے چاہنے والوں میں شامل نہ تھی۔

وہ ضدی، بے باک اور معصوم تھی۔

تبھی تو اتنے بڑے ادارے کی ہیڈ ہونے کے باوجود عورت نامی مظلومیت سے دھوکہ کھا گئی تھی۔

وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ دو معاملوں میں محتاط رہے۔

پہلا، کسی ملزم کو مجرم بناتے وقت

دوسرا، کسی مجرم کو ملزم سمجھ لینے پر۔

پر وہ نا جانے کیوں سیر ہونے کے باوجود کھا رہا تھا، مطمئین سا، اپنی ساحر نظر میں شامل ہر شیطانیت منہدم کیے بس وفا بخاری کو دیکھ رہا تھا۔

مبہوت ہونے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے، جب آنکھوں کے سامنے روح پر سکون کرتا چہرہ ہو۔

کیا وہ اتنا برا تھا کہ اسے مہکار سے اب بھی محبت لاحق رکھوائے قدرت کی جانب سے سزا دی جاتی، اسکے آج تک کے گناہوں کا معاملہ ایک طرف، لیکن وہ چاہتا تھا یہ نرم معاملہ ایک طرف ہی رہے۔

جیسے جہنم جیسی حیات میں کوئی ایک چھوٹا سا جنت کی مثل کونہ، جہاں جا کر اپنی آگ بجھائی جا سکے، جہاں جس ٹھنڈک کی چھاوں میں دل کی چاہ پوری کی جا سکے، جہاں جا کر ہر بوجھ اتارا جا سکے، جہاں جا کر کسی دوسرے وجود میں ڈھل کر اپنے آپ سے رخصت لے لی جائے۔

اے سَریعُ الفَہم دوشیزہ
وارفتگیاں جان لینے پر تُلی ہوئی ہیں
میری جان تم آؤ آکر میرا ہاتھ تھامو
مجھے گلے سے لگاؤ
تاکہ میں زندگی کو جی سکوں
زندگی دو مراحل پر مشتمل آگاہی کا نام ہے
یا کچھ ہوتا ہے یا بلکل نہیں ہوتا
اور اسی درمیان
تمہارا ہونا میری زیست کا حسین سچ ہے اور
تمہارا نہ ہونا میری حیات کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا
حقیقت کے ان خوبصورت لمحات میں تمہارا ہونا
بخدا میری حیات کے پر سکون لمحات میں شمار ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عون اپنے سامنے گلاس میز پر رکھے لیپ ٹاپ کو کھولے کسی کام میں منہمک تھا، فارس کی دی تمام انفارمیشن وہ دیکھ چکا تھا۔

وہ تمام جگہوں کے بارے میں اس وقت کچھ خاص ویب سائٹس کھولے معلومات جمع کر رہا تھا، فارس نے عون سے اس مشن کے بیچ رابطہ نہ کرنے کا فیصلہ لیا تھا اور عون بھی فی الحال صرف اپنے پاس معلومات جمع کر کے رکھ سکتا تھا۔

گرے ٹی شرٹ اور بلیک ٹروزر میں وہ ابھی ہی فریش ہوئے باہر آیا تھا، چہرے پر نمی اور تروتازگی اسکے پختہ اور پروقار حسن کو سجا رہی تھی۔

مگر چہرے پر فکر و اضطراب کی پرچھائیاں، جیسے کئی معاملات تھے جنھیں حل کرنا تھا۔

آہٹ پر وہ تمام تر توجہ سامنے منیہا کے آنے پر لگا کر دیکھنے لگا، محترمہ ایک کندھے پر بیگ لٹکائے، ایک ہاتھ میں کافی کا مگ اور دوسرے میں رجسٹر پکڑے ہوئے عین کافی کو گرنے سے بچانے کی کوشش میں کچھوے کی طرح آہستگی سے چلتی ہوئی روبرو آئی اور مگ عون کو تھماتے ہی خود بھی اپنی کتابیں اور بیگ سامنے رکھتی ساتھ ہی بیٹھی۔

عون نے مبہم سے مسکراتے انداز سے منیہا کو دیکھا، یہ سچ تھا وہ خاموش ہو کر بھی اپنی موجودگی کے احساس سے عون کا موڈ خوشگوار کر دیتی تھی۔

"سچی بتائیں یہ کونسی پڑھائی پڑھانے بلایا ہے مسٹر عون، آج سے پہلے تو آپ نے رات کو کبھی نہیں پڑھایا مجھے وہ بھی اس وقت یہاں"

مقابل کے اپنے آپ کو سر تا پا گہری نظروں میں لینے والے تیور منیہا کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے مگر وہ لاکھ بوکھلاہٹ کے بھی پورے اعتماد سے پوچھ بیٹھی۔

عون کے ہونٹوں پر پھیلتی دلکش مسکراہٹ اسکے چہرے کا حسن بڑھا گئی تبھی تو منیہا سٹپٹا گئی، کافی کا مگ سے ایک طمانیت بخش سیپ بھرتا وہ نا صرف مگ سامنے میز پر رکھ چکا تھا بلکہ اپنے سامنے کھلا لیپ ٹاپ بھی کلوز کیا۔

منیہا اسکے یوں متوجہ ہونے پر خوامخواہ اپنا آپ ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس کر رہی تھی، سرخیوں میں ڈھلتا چہرہ رحم طلب کر رہا تھا۔

"تمہیں یہ بتانے کے عون بخاری کی اکلوتی محبت ہو تم، وہ واحد لڑکی ہو جسے پانے کی خواہش میری اولین شدتوں میں درج رہی ہے۔ کسی کمزور لمحے بھٹک کر تم پر عیاں ہو گیا، بس بے اختیاری اول تو لگنے نہ دی مگر لگی تو ایسی لگی کہ سنبھلنے کی نہ ہوش رہی نہ مہلت ملی"

اپنی چوڑی ہتھیلی میں منیہا کا روئی سا گداز ہاتھ اپنائیت اور چاہ سے جکڑ لیتا وہ دوسرے ہاتھ کو زرا بڑھا کر اسکی ہونق صورت تکتا اسکی پیشانی سے لاتا رخسار تک لایا جیسے اپنی من کی چاہت میں اس لڑکی کے چہرے کی نازکی محسوس کر رہا ہو۔

وہ کچھ دیر مسمرائز ہو گئی، کچھ کہنے سننے کی حالت سے نکل سی گئی، بس اتنا سارا اچھا محسوس ہوا کہ اک نم سی مسکراہٹ نے منیہا کے ہونٹوں کا احاطہ کیا، وہ اتنا پیارا بھی ہو سکتا ہے کیا؟ منیہا تو کسی گہری کیفیت میں اتری بس اسے دیکھ رہی تھی۔

"مم۔۔ میں اب کیا بولوں، ایسے تھوڑی پیار کا اظہار کرتے۔ نہ کوئی ہاتھ میں روز ہے نہ آپ گھٹنوں کے بل بیٹھے، نہ مجھے رنگ پہنائی۔ میں نہیں جواب دوں گی سن لیں"

بھلے وہ اتنا پیار ارد ہونے کا مستحق نہ تھا مگر وہ بھی تو عام نہ تھی اب، عون کی محبت نے اسے معتبر اور خاص کیا تھا۔

اترا ہٹ کی ملکہ بنی وہ اپنی معصوم خواہشوں کا تذکرہ بڑی مہارت سے کر گئی۔

"یہ سب اس سٹڈی روم میں اب کہاں سے ارینج کروں یار، وہ واس میں صبح والے پھول ہیں لیکن مرجھائے ہوئے۔ رہی بات گھٹنوں پر بیٹھنے کی تو یہ زرا چھچھورا ہو جائے گا، اور آخری بات رنگ کی تو تم رنگ پہنتی کب ہو"

فوری اپنے حق میں آواز بلند کیے وہ بیچارگی کے ریکارڈ توڑ تا خاصا کھڑوس پن دکھا چکا تھا اور منیہا کا منہ غبارے کی طرح پھول کر اسے صاف صاف جتا گیا کہ وہ ناراض ہوئی ہے۔

"مطلب تھکے ترین عاشق ہیں آپ، نہیں ہے محبت وجبت آپکو۔ ڈرامے باز"

نروٹھی سے یکسر عون کو نظر انداز کیے وہ اپنا رجسٹر کھول چکی تھی، چہرا گلاب سا مگر یکدم مرجھا گیا تھا۔

"اچھا پرامسس یہ سب کروں گا تمہارے لیے، ناو سمائیل مس نوٹنکی"

اسے روٹھا دیکھتے ہی کلائی تھامے وہ جھٹکے سے اپنے قریب کرتا جذب سے بولا۔

منیہا کی برہمی اتنی نزدیکی پر بیقراری بنی تو ان آنکھوں پر بھاری جھالر نما پلکوں نے چھاوں کر دی۔

یہ منظر عون بخاری کے دل کی دنیا تہہ و بالا کر گیا تھا۔

"سمائیل میری جان بھی تو کہہ سکتے تھے ناں مگر آپ ہیں ہی کھڑوس۔ طنز کیے بنا کیسے رہ سکتے۔ کوئی اپنی نئی نویلی محبت کو نوٹنکی بولتا کیا؟ لوگ تو میری جان، میرا سوہنا، میرا بابو، میرا لاڈو وغیرہ کہتے ہیں"

منصوعی روہانسا لہجہ لیے وہ پٹر پٹر بتاتی تب منہ پھلا گئی جب عون اسکے ان تھرڈ کلاس القابات پر کراہت بھرے زوایے بنا کر اگلے ہی پل قہقہہ لگائے ہنسا۔

منیہا نے بنا دبے مکا بنا کر اسکے سینے پر جڑا مگر مقابل پہاڑ جیسے عون صاحب کو کیا فرق پڑنا تھا الٹا وہ ہنس ہنس کر بے دم ہو گیا۔

"ہاہا سیریسلی؟ منیہا سیریسلی۔۔۔ یہ واہیات نام میں لوں گا، تم یہ چھچھورے نام سنتی کہاں رہی ہو۔ نبھا اور نبھی والے۔۔۔ بولو"

ہنس ہنس کے بے حال ہو تا وہ بمشکل سنجیدہ ہوئے یہ نایاب نالج جاننے کا طلب گار تھا۔

منیہا کا بس نہیں چل رہا تھا اگلا مکا عون کے دانتوں پر مارتی۔

"ٹک ٹاک پر سب ہی کپلز یہی کر رہے ہوتے، وہیں۔۔۔ اس میں مزاق اڑانے والی کیا بات ہے۔ آپ بہت برے ہیں مجھ پر ہنس رہے۔ میں نے کونسی انہونی بات کی"

اپنی بے عزتی سی محسوس ہوئی تو روتو لہجہ سامنے حاضر تھا، عون مسلسل مسکراتا ہوا منیہا کے یہ انداز دیکھ کر مسرور ہی تو ہو رہا تھا۔

"یہ ایپ تمہارے موبائیل سے اڑاتا ہوں آج ہی، یہ سب فضولیات دیکھتی رہی ہو اور میں سمجھ رہا تھا کہ تمہیں خود سے دور رکھ کر تمہیں ان سب فضولیات سے بچا چکا ہوں۔ بھول گیا تھا کہ آجکل تو دور ہی بہت رنگین چل رہا۔۔۔ ہاہا منیہا تم لطیفہ ہی ہو"

اپنے دو سال کے فرار پر عون کو رج کے تپ تھی اور جس طرح وہ تپ کر یہ حسرت کہہ رہا تھا، منیہا تمام تر ناراضی کے مسکرا دی۔

کیاوہ اسے خود سے دور رکھنے پر پچھتا رہا تھا؟ منیہا کو لگا اس بات پر ابھی بھنگڑا ڈالے مگر اپنے امڈتے جذبات کو بہت مشکل سے لگام ڈال سکی تھی۔

"میرا موبائیل ہمیشہ کے لیے پاس رکھ لیں، مجھے اب کیا کرنا"

زرا سا قریب ہو کر آنکھیں خوشی سے پٹپٹا کر بولی تو عون نے بھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس لڑکی کے شوخ جملے کو خاصا سراہا۔

"ٹک ٹاک سے ٹپس نہیں لینی؟"

بے خودسی سوالیہ قربت پر منیہا کا سارا اعتماد ہوا ہوا، مگر وہ بہت چالاکی سے اسے پیچھے ہٹنے سے روک چکا تھا۔

"اب آپ جو ہیں، سب آپ سیکھا ہی دیں گے"

نظریں چراتی ہوئی وہ اسے دیکھنے سے بچنے کو پھر سے مزاحمت کرتی تھوڑی دور ہوئی مگر نظر پھر سے آن ملی اور دونوں طرف دل دھڑکے تھے۔

"محبت نہیں سیکھا سکتا، وہ تمہیں خود سیکھنی ہو گی۔ سیکھ پاو گی"

گرویدہ کرتا پر مہکار سوال منیہا کو اک الگ سی شادمانی بخش رہا تھا، اب تو یہ حال تھا کہ عون بخاری کے اتنے قریب بیٹھنا اور بنا کسی رکاوٹ کے سانس بھرنا مشکل ہوا۔

"محبت کی پہلی سیڑھی کیا ہو گی پھر؟"

منیہا اسکی گہری سیاہ آنکھوں میں شوق کے جہاں کو آباد دیکھتی مسکرا کر بولی۔

"اعتبار"

عون کو جواب دینے کے لیے سوچنا ہی نہ پڑا۔

دونوں بیک وقت مسکرائے تو لگا زندگی مسکرائی ہے۔

"وہ تو مجھے ہے آپ پر"

یہ کہنے میں منیہا کے لہجے میں اتراہٹ اور اطمئنان تھا۔

عون کی سراہتی نظریں منیہا کو خود سے امر بیل کی مانند لپٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ان جان لیوا آنکھوں میں معنی خیز سا سرور تھا۔

"ایسے نہیں، آزمائش شرط ہو گی۔ ہر سیڑھی کی۔ ہر مرحلے کی"

وہ کہاں اتنے کم پر ہی اسے بخشنے والا تھا۔

منیہا کو یہ سب دلچسپ لگا تھا۔

"آزمالیجئے گا، میں کونسا ہاروں گی"

تفاخر سے شرطیہ جیت کے لیے پر یقین ہو کر کہتی وہ پری ہی تو لگی، عون کا دل چاہا اٹھا کر اسے دل کی سات پرتوں کے نہاں چھپالے۔

"آہاں اتنا غرور"

عون نے اسکی خوشی کی زیادتی سے سرخ ہوتی گال سے ہتھیلی کی پشت سہلائے ملائمنٹ محسسوس کے شوخی سے کہا۔

اور وہ تو شوخیوں کی شوخی آگے سے دانتوں کی نمائش یوں کر رہی تھی جیسے اس پر اسے انعام ملنا ہو۔

"اب غرور تو ہو گا ناں، سپیشل جو ہو گئی ہے منیہا بخاری۔ میرے بغیر آپ بھی نہیں جی سکتے کیا؟ جیسے فلموں میں ہیرو کہتا، دعوے کرتا اور پھر اس لڑکی کے قل ہوتے ہی بنگھڑے ڈال کر دوسرا ویاہ کرلیتا"

اتنی پیاری نرم ہونٹوں سے باتیں کرتی کرتی وہ نجانے کس پٹڑی پر اتری کہ بچارا عون جو اس جواب میں بہت کچھ کہنے اوت کرنے کا سوچ رہا تھا، اچانک سر تا پیر گھوما۔

وقت بدل گیا، جذبات بدل گیا، مجھے مارو، مجھے مارو والا سین عون کے دماغ میں گھوما۔

اب خدا گواہ تھا کہ اس نے اپنی اتنی لمبی زندگی میں اس جیسی بکواس مووی نہ سنی تھی نہ دیکھی۔

"تم یہ کونسی بکواس موویز دیکھتی رہی ہو، قل پر ہیرو بھنگڑے ڈال کر دوسری شادی۔۔۔۔ مطلب حد ہو گئی۔ جس دن ایسی مووی بنی میں سینما ہی جلا آؤں گا۔۔۔ کیا یار منیہا تم کتنی بڑی بونگی ہو"

شدید بیزار منہ بنائے وہ اپنے نصیبوں کو کوسے سخت جھنجھلا کر بڑبڑایا، منیہا تو منہ کھولے اسی سوچ میں تھی کہ ایسے مووی نہیں بلکے اس نے کوئی تھرڈ کلاس ڈرامے کی سٹوری سنا ڈالی ہے۔

مسکین سی شکل بنائے وہ گھورتے عون کو دیکھ رہی تھی جہاں بس کشتی کم پانی میں ہی ڈوب جانے والا غم چھایا تھا۔

"کیا ہو گیا اب، کیا اب بندہ رومینٹک بھی نہ ہو"

منہ پھلائے گویا منیہا بی بی نے ایک اور شوشا چھوڑا، عون نے ایک آبرو اچکائے منیہا کی جانب غصیلی تپی نظروں سے دیکھا۔

مطلب یہ رومینٹک ہونا تھا؟ عون کو لگا سر میں یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے ہیں۔

"تم رومینٹک ہو کر میرا ہارٹ فیل ہی کرواؤ گی لہذا یہ مشکل فریضہ رہنے ہی دو۔ میں ہی رو پیٹ لوں گا اپنی ٹھنڈی قسمت پر"

دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی لیڈ اٹھائے وہ دل جلا بنے بڑبڑاتا گیا اور منیہا نے اپنی جگہ چھوڑے تھوڑا اداس ہوئے نہ صرف عون کی بازو جکڑی بلکے لیپ ٹاپ بھی واپس گرائے ہاتھ سے پرے کھسکا دیا۔

"ٹھنڈی قسمت ہو آپکے دشمنوں کی، ایسے روٹھے ہوئے پہاڑی بکرے لگ رہے ہیں۔ ارے وہی جو پچھلی عید پر بابا لائے تھے، وہ بھی میرے سامنے ایٹیٹوڈ دیکھا کر ایسی شکل بنا لیتا تھا۔ قسمے اسکی یاد آ گئی"

اس بار وہ واقعی شرارت کے موڈ میں انگلی بڑھا کر عون کی ناک سے انگلی مس کرتی متبسم ہوئے آہستگی سے بولی جس پر عون نے رخ موڑے منیہا کے دانت ایک ہی دبنگ گھوری سے اندر کروائے۔

مطلب پہاڑی بکرا، یہ سننے سے پہلے عون بخاری صاحب چلو بھر پانی میں ہی ڈوب جاتے تو بہتر تھا۔

"منیہا اٹھاو یہ بوریا بستر اور نکل جاو یہاں سے۔ دو ہفتے نظر بھی آئی تو جان لے لوں گا"

اپنی بازو بری طرح سلگ کر چھڑواتا وہ بہت سخت ناراض ہوا تھا، اور منیہا کو واقعی اپنا مزاق اب گلے پڑنے والا محسوس ہوا۔

"عون۔۔۔۔ اچھا سوری۔ میں آپکو ہنسانے کے لیے کہا سچی۔ ورنہ آپ تو۔۔۔۔۔"

پوری کی پوری ہی تقریبا عون پر چڑھے وہ باقاعدہ اسکے کان میں پاوں سمیت گھس کر بولی تھی اور آخری جملے کے ادھورے پن پر عون نے بھی لمحہ ضائع کیے بنے اس پھدک کر خود ہی صیاد کی چٹائی گرفت میں آن ٹپکتی لڑکی کو کمر کس کر دبوچا اور اتنا قریب آیا کہ دونوں کے چہرے زرا سی جنبیش پر ٹکرا جاتے۔

"کیا میں تو؟ سچ بولنا ورنہ آج تمہاری خیر نہیں"

بگھڑے تیور لیے وہ سنجیدگی سے مدہم ساغرایا، انداز خاصا چیلنجنگ اور ذو معنی تھا۔

منیہا کو اپنی ہتھیلیاں تر محسوس ہوئیں، وہ مکمل طور پر عون کے بازووں میں سمٹی سی دم سادھے بے جان سی تھی۔

"ع۔۔۔و۔۔۔۔ون"

مارے گھبراہٹ کے نا صرف وہ کانپی بلکہ لبوں کی پھڑپھڑاہٹ تلے عون کا نام بھی مسل دیا۔

"جو پوچھا وہ کہو"

سختی سے حکم دہرایا گیا تھا۔

"ب۔۔بہت ہنڈسم ہیں، سب سے ز۔۔۔زیادہ۔ مم۔۔مجھے آپکی کالی آنکھیں کالی بلی۔۔۔۔مم۔۔میرا مطلب۔۔۔۔"

اٹک اٹک کر اپنے آپ کو اس ظالم کے انداز جنون سے بچاتی بچاتی وہ تب ہر مزاحمت روکے تھم گئی جب عون اسکی اس قدر خطرناک حالت میں بھی زبان پھسلنے پر ہنسی روک نہ سکا۔

"کالی بلی جیسی لگتی ہیں، یہی ناں"

بالوں میں ہاتھ پھنساتا وہ بے خود سی شرارت سے اسکی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر مسکرایا۔

"ن۔ نہیں۔۔۔وہ منہ سے پھسل گیا۔کالی بلی مم۔میری فیورٹ ہے ناں تو۔۔۔۔"

اپنی نازک ٹھنڈی پڑتی ہتھیلی عون کے سینے سے جوڑے فاصلہ بنانے میں ناکام سی وہ سخت متذبذب سے منمنائی مگر مقابل کی آنکھیں یکدم ہی مدہوشی اور سرور سے بھر گئیں۔

"تم مجھے ایسے ہی پیاری ہو منیہا، کبھی مت بدلنا۔کاش تم تاعمر مجھے ایسے ہی ستاتی رہو۔ تم عون بخاری کی جان ہو اس میں کوئی شک ہی کہاں ہے"

وہ چپ چاپ منیہا کو دیکھ کر خود سے مخاطب تھا، وہ جھلی پگھلی سی سب سچائی جاننے کے بعد کیا فیصلہ لے گی یہ خدشہ ابھی بھی اسے لاحق تھا مگر وہ یہ سچ منیہا کو دو ہفتے بعد ہی بتانا چاہتا تھا۔

"تم اب سے یونی میرے ساتھ جاو گی اور واپسی پر بھی میں ہی پک کروں گا۔ فون بھی تمہیں پیپرز کے بعد ملے گا۔اس کے علاوہ تم یہ دو ہفتے گھر سے نہیں نکلو گی۔نہ شاپنگ، نہ دوستوں کے ساتھ اوٹنگ۔ دو ہفتے بعد رخصتی ہو گی کلئیر؟"

نجانے کیا ہوا کہ وہ یکدم سنجیدہ ہوئے بس منیہا کی نرم گال پر لب رکھے اسے نجات دیتا واپس ٹھیک سے بیٹھا، منیہا نے حیرت و بے یقینی سے پہلے تو ان احکامات پر برا سامنہ بنایا دوسرا اپنی گال پر صدمے سے ہتھیلی رکھے اتنے کم پر بخشے جانے پر سکتے میں چلی گئی۔

عون ہنوز اسکے جواب کا منتظر اسکا ہاتھ پکڑے دیکھ رہا تھا۔

"اتنی ساری پابندیاں کیوں عون؟"

وہ فوری ہوش میں آتے ہی ناراضگی سے بولی۔

"کیونکہ اسکی ایک سولڈ وجہ ہے جو میں تمہیں ویڈنگ نائیٹ پر ہی بتاوں گا، تم مانو گی میری بات، پرامسس ود می۔ جو چاہیے ہوا مجھ سے کہو گی"

وہ اسے مسلسل نرمی سے حیران و پریشان ہی تو کر رہا تھا، منیہا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنا ہاتھ عون کی چوڑی ہتھیلی میں رکھے فرمابرداری سے سر ہلا دیا۔

"روز کی دو آئس کریمز، دو گھنٹے کی وڈیو گیم، ایک دن بعد پیزا، ہفتے بعد زنگر۔ اور دو دن بعد نیا ڈریس"

یہاں زرا عون فارم میں لوٹا وہیں اس بھک منگی کی نادیدوں کی طرح لسٹ کھلی دیکھ کر عون اب صدمے میں تھا۔

یہ زرا سی چٹانگ بھر لڑکی کیا واقعی اتنا سب کھاتی ہے۔ عون کا لگتا تھا آج دن ہی جھٹکوں والا تھا۔

"روز کی دو آئس کریمز کے بجائے ہم اسکا کوئی اور نعم البدل نہیں ٹرائے کر سکتے؟"

اس بار وہ اس شوخی کو آنکھ ونگ کرتا بوکھلاہٹ میں مبتلا کر چکا تھا، وہ تپنے کے بجائے شرارتی سا مسکرائے ملکہ جذبات بنی شرما رہی تھی اور اسے شرماتا دیکھ کر عون نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"آپ بھی ناں۔۔۔۔"

عون کے کندھے کو بری طرح جھٹکا مارتی وہ زہریلی سستی فلموں والی ہیروئن بچارے کو ہلا چکی تھی۔

"بس کر دو منیہا میں نے اب غش کھا کر یہیں گر پڑنا"

عون کے بس ہاتھ جوڑنے ہی رہتے تھے اور یہ بات منیہا کو اتنی پسند آئی کہ محترمہ لگاتار چھک کر ہنستی ہی چلی گئی۔

وہ ہنسی تو عون بخاری بھی جی سا اٹھا۔

"باقی پیزا اور زنگر مہینے میں صرف ایک بار، فاسٹ فوڈ اچھا نہیں ہوتا سو ایسی کوئی عیاشی نہیں۔ رہی بات ڈریس کی تو تم نے کونسا انسانی لڑکیوں کی طرح ڈھنگ کا کچھ پہننا ہوتا۔ میرا بہت بڑا وارڈراب ہے اسی کو اپنا سمجھ لینا۔ ویسے بھی ملنگنی تو ویسے بھی ہو، میرے بڑے بڑے کپڑے پہن کر سند یافتہ فقیرنی لگو گی"

اس اعتدال پسندی پر تو منیہا کا منہ کھل چکا تھا، اتنے کنجوس وکیل کو وہ پہلی بار ہی دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے کپڑے کیوں پہنوں میں، اتنی بھی غریب نہیں ہوئی ہوں ابھی"

پھر سے خفا ہوتی رجسٹر کھولے جتایا گیا تھا۔

"اس سے پیار بڑھتا ہے لڑکی"

زرا کان کی اور جھک کر اور کندھے سے کندھا ٹچ کیے وہ خمار آلود لہجے میں سرگوشی کر رہا تھا۔

منیہا نے مسکرا کر چہرہ اٹھایا۔

"نالائق وکیل، وہ ایک ساتھ کھانا کھانے سے بڑھتا ہے۔ پیزا کا ایک پیس اور زنگر کا ایک بائیٹ آپکو دیا کروں گی فکر ناٹ۔ اب مجھے پڑھا دیں نہیں تو وہاں پیپر میں میتھ بنانے والے کی لو اسٹوری کریٹ کر کے لکھ آوں گی"

اپنی پر بہار ذات سے عون کو بہت سا سرشار کرتی وہ اب پڑھائی کے لیے تیار تھی مگر اب کچھ دیر پڑھائی ناممکن ہی تھی۔

عون کے ہاتھ کی سرکتی حرکت منیہا کو اپنی کمر پر ہوتی محسوس ہوئی تو وہ گبھرا کر چہرہ موڑے عون کو دیکھنے لگی۔

"تھینک یو منیہا بخاری"

ماتھے کی اور قریب آتا وہ اپنے ہونٹوں کی شدت پسند مہر لگائے جذب سے ان مہکتی قربت کے طلسم سے الجھ الجھ کر باولی ہوتی سانسوں کی خوشبو محسوس کر رہا تھا۔

وہ تھوڑی حیران سی ہوئی۔

"وہ کیوں؟"

وہ متعجب سی تھی، لیکن جسم کا رواں رواں قربت کے جال میں پھنس رہا تھا۔

"مجھے یہ بتانے کے لیے کہ میں زندگی کی حسین نعمت پا چکا ہوں، تمہاری صورت"

اس بار ان لبوں نے منیہا کے بے داغ رخسار چھوئے، اک تعظیم اور جنون سا تھا، وہ تھوڑی حیا سے لال ہوتی عون کے بڑھتے اقدمات پر سمٹنے لگی۔

" تھوڑا پیار کر کے جان تو نہیں چھوڑیں گے ناں دوبارہ، وہ۔۔۔ وہ ناں مجھے کچھ کچھ ہونے لگا ہے۔ سچی والا"

شرمگیں سا مسکراتی وہ عون کو پھر سے ہنسا بیٹھی، نا جانے وہ اسے پیار کرنے کے بیچ بھی کتنا ستانے والی تھی۔

"تم کم پر صبر کرنے دے ہی نہ دو مجھے، لیکن فی الحال میں اپنی جان پر مشکل بنانا نہیں چاہتا۔ کل بیہوش ہوئی تھی آج کہیں کوچ کر گئی تو کیا ہوگا۔۔ چلو کھولو کتابیں اب کچھ پڑھائی کر لو"

خود ہی ان جان لیوا خدو خال سے مبہم سی ہی چھیڑ خانی کیے وہ اسکے مسکراتے، نہال و سرشار چہرے کو تکتا خود بھی سنجیدہ ہوا اور اب منیہا بی بی کا دل کتابوں میں لگنا بڑا ہی مشکل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم !

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"ایزیچ فکر کی بات نہیں، تھوڑی ایکسٹرا حرکت کی وجہ سے سٹیچیز کھل گئے تھے۔ خیال رکھیں کاشان صاحب، انفیکشن ہو سکتا ہے"

وہ درد جو کاشان ہمانی کے لیے کہیں دب سا گیا تھا، اچانک ہی شدت اختیار کر گیا، تبھی اسکی لاکھ مزاحمت کے زویا نے ڈاکٹر کو گھر ہی بلایا تھا۔

وہ اس وقت خود بھی زرا فکر مند سی کاشان کے کچھ فاصلے پر کھڑی اسکے اتنے گہرے زخم کو دیکھ رہی تھی، اور وہ گہری نظروں میں وفا کو لیے درد والم سے بے نیاز زویا کی ہدائیتوں کو یکسر نظر انداز کرتا بیزائیت سے ڈاکٹر پاشا سے جان چھڑوانے کے چکر میں تھا۔

دوسری طرف باہر پارکنگ ایریا میں اپنے ہی دھیان میں گاڑی کی چابی ہاتھ میں گماتا عائش جینز شرٹ پر باریک سی جیکٹ پہنتا اس سے پہلے اپنی گاڑی کی سمت لپکتا، راہ میں آجاتے شیر علی کے چہرے کو دیکھتے ہی ناگواری سے مٹھیاں بھینچ گیا۔

وھاج کی نظر ان دو پر ہی تھی، لمحے کے ہزارویں سیکنڈ اسے اس جانے پہچانے آدمی کو پہچانا، حیرت کو ناگواری اور ناگواری کو غصے میں بدلنے میں ایک دو سیکنڈ لگے۔

"کیا ہے شیر علی، کیوں منحوسیت پھیلانے کالی بلی کی طرح راستہ روک رہے ہو"

شانے سے بری طرح پرے کرتا وہ اس سے پہلے پھر سے اپنی گاڑی کی طرف لپکتا اس بار پھر سے شیر علی راہ میں آیا مگر دوسری طرف بنا وقت ضائع کیے وھاج نے اپنے ذہن پر زور ڈالا اور عائش ہمانی کو پہچانتے ہی اسکے چہرے پر حقارت اتری۔

"تو یہ عائش ہمانی یہاں ہے، منحوس انسان آج تو نہیں بچے گا میرے ہاتھوں۔ دھوکے باز اور فراڈی لوگ۔ کہاں پھنس گئی ہیں وفا"

اسکا بس نہ چل رہا تھا گاڑی سے نکل کر اس کا منہ نوچ ڈالتا۔

"سائیں کا حکم ہے کہ آج آپ باہر نہیں جاسکتے، مجھے مجبور مت کریں۔ واپس اپنے کمرے میں جائیں"

عائش کو روکنے کی غلطی تھی شیر علی کی اور اگلے دو سیکنڈ میں وہ درندہ ایک ہی پنچ مارے شیر علی کا جبڑا لہولہان کیے دھکا دیے غراتا ہوا اپنی گاڑی کی سمت لپکا۔

وھاج نے فوری اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور نکلتا ہوا چپکے سے بڑے بڑے گملوں کے پیچھے جا چھپا۔

دروازہ کھلتے ہی عائش گاڑی حویلی سے باہر نکال گیا مگر وھاج نے بھی موقع ملتے ہی زمین پر درد سے کراہتے شیر علی پر ایک غصیلی نظر ڈالی اور حویلی سے باہر نکلا۔

ساتھ ہی گزرتی ٹیکسی کو اشارہ کیا۔

"اس گاڑی کا پیچھا کریں"

وھاج اندر بیٹھتے ہی اپنا فون کھولے میسج ٹائپ کرتا ساتھ ساتھ ڈرائیور کو ہدایت دے رہا تھا جس نے فوری فرمابرداری سے عائش ہمانی کی گاڑی کا پیچھا شروع کر دیا۔

"وفا۔ عائش ہمانی اسی حویلی میں تھا۔ کاشان ایک دھوکے باز اور گھٹیا انسان ہے۔ میں عائش کے پیچھے جا رہا ہوں پلیز آپ اس منحوس سے بچ کر رہیے گا۔ میں جلدی آتا ہوں واپس"

وفا کے فون پر میسج ٹائپ کر کے سینڈ کرتا وہ ساتھ ہی اب سامنے متوجہ تھا۔

وفا کا فون اسکے منی سے بیگ میں تھا اور اس وقت وہ کاشان کے بیڈ روم میں رکھے صوفے پر وفا کی چادر کے ساتھ پڑا تھا اور اسے ٹیون سنائی نہ دے سکی تھی۔

باہر زخمی شیر علی کو جلد ہی دو گارڈز اٹھا کر سرونٹ کواٹر لے گئے اور فوری تمام معاملہ شیر علی سے جاننا چاہا لیکن وہ فی الحال درد سے بلبلا رہا تھا اور چاہ کر بھی بول نہ پایا۔

زویا نے ڈاکٹر کو مشکور نگاہ سے دیکھ کر رخصت کیا اور خود وہ کاشان کو اب پریشانی میں مبتلا دیکھ رہی تھی۔

"وفا دیکھو ناں اسے، یہ کتنا لاپرواہ ہے۔ میری تو ایک نہیں سنتا۔ اگر آج تم اسکے پاس رک جاو تو مجھے تسلی رہے گی۔ نہال بخاری کی فکر مت کرو میں انھیں اطلاع دے دوں گی کہ تم یہیں رک رہی"

کچھ فاصلے پر سنجیدہ کھڑی وفا تو مانو اس فرمائش پر سٹپٹائی، چہرے پر گھبراہٹ سے جڑے کئی رنگ آئے اور گئے۔

اوپر سے کاشان کی آنکھوں میں پنپتی شدت پسند کیفیت اسے الگ ہلکان کر رہی تھی۔

اتنے سرد ماحول میں بھی اسے لگا اسکی جبین پر پسینے کے ننھے منھے قطرے ابھر آئے ہوں، وہ شرٹ لیس تھا جسے اب زویا بہت احتیاط سے شرٹ پہنے میں مدد کرواتی ماں سے مڑی جو لگتا تھا پتھر کا مجسمہ بنی ہے۔

خود کاشان نے بھی شرٹ کے بٹن بند کیے نظر اٹھا کر وفا کے پتھرائے پیکر کو آنچ دیتی نظروں سے دیکھا۔

"کیا ہو گیا جان، گھبرانے کی کیا بات ہے۔ یہ تمہارا ذاتی شوہر ہے بھئی۔ ایک دن خدمت کر دو گی تو امید ہے خوشی ملے گی۔ مجھے تو یہ زیادہ دیر دیکھ بھال کرنے نہیں دیتا، کھڑوس اور سڑو ٹارزن سمجھتا ہے ناں خود کو۔ بھئی اسے کون بتائے کہ چمپئین ہو گا یہ ریسلنگ رنگ کا، گھر میں تو میری جان کا ٹکڑا ہے ناں"

لہجے میں بے پناہ شیریں رنگ سموئے وہ وفا کی بوکھلائی زردیوں میں ڈھلتی صورت تکتی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے اسکے قریب آئی اور دونوں ہتھیلوں میں اسکا چہرہ سموئے اسے ریلکس کیا۔

وفا نے رسان سے مگر جبراً سر تو ہلا دیا مگر اسکے دل میں شدید خوف سرائیت کر رہا تھا۔

یہ شخص جس نے اس سے بارہا محبت کا دعوی کیا، دھتکار کے باوجود نکاح میں کامیاب ہوا۔

اکیلے میں کیا کیا کر سکتا ہے یہ سوچ کر ہی وفا کی ہتھیلاں بھیگنے لگیں۔

زویا نے کھسیانی سی مسکان کے سنگ گردن موڑے کاشان کو آنکھ ونگ کیے دیکھا اور پھر مسکرا کر دونوں پر پیار بھری نظر ڈالتی اس عالیشان زیبائشی اور رئیسانہ طرز پر بنے خوبصورت کمرے سے نا صرف نکلی بلکے دروازہ بھی بند کر گئی۔

دروازہ بند ہونے پر وفا بری طرح چونکی۔

نظر کاشان پر تھی جو بیڈ کی بیک سے کمر لگائے آرام دہ انداز سے بیٹھا تھا، وفا نے نظریں جھکا لیں۔

"تم نے کہا تھا تم جانتی ہو کہ کاشان ہمانی نامی خیر کے پیچھے چھپا شر، کم ہیر اینڈ ٹیل می"

وفا اسکے سوال پر پہلے تو کتنی ہی دیر الجھن میں رہی مگر پھر کاشان کے پھیلے ہاتھ کو دیکھ کر دل بری طرح کانپا۔

قدم تھے کہ من وزنی، دل بھر رہا تھا۔

اسے ایسا لگا وہ بھری دنیا میں تنہا اس لمحے کاشان ہمانی کے رحم و کرم پر آ گئی ہے۔

"دیکھو کاشان۔ میں یہاں صرف تمہاری شرط پر آ گئی تھی۔ مانتی ہوں زخم بڑا اور گہرا ہے لیکن وہ بچہ ہے، میں اسکے کیے کی معافی مانگتی ہوں۔ تم اپنا خیال رکھو اور میں جاتی ہوں اب۔ میں یہاں تمہارے ساتھ ایک چھت تلے سانس نہیں لے پا رہی، پلیز جانے دو"

ہراساں سی وہ رحم طلب اور نم سی آواز میں اپنی بات مکمل کرتی اس سے پہلے اپنا بیگ اور چادر لے کر واپس مڑتی، اپنے سامنے اٹھ کر آتے اور کھڑے اس خونخوار شخص کو دیکھ کر حلق میں سانس گھوٹ کر رہ گئی۔

پورا جسم جیسے اسکے اتنے پاس آنے پر کپکپا کر رہ گیا۔

نجانے اس شخص میں ایسا کیا تھا کہ وفا کے ہاتھ سے خوف کے مارے بیگ اور چادر چھوٹ کر زمین پر جا گرے، کاشان نے بڑی دلچسپی سے مقابل کا یہ ڈر دیکھا۔

"میں نے کہا تھا کہ مجھے انکار کرو گی تو زیادہ کچھ نہیں کروں گا، تباہ کر دوں گا۔ تم جانتی ہو یہ کمرہ آج باہر سے لاکڈ ہے"

یکدم ہی جنون سا ہلکورے لیتا ان آنکھوں میں وفا کو پتھر کر گیا، وہ سہم کر بھرائی آنکھیں لیے دو قدم دوں ہٹی۔

"ت۔۔ تم۔۔۔ تم میرے ساتھ ایسا ن۔۔ نہیں کر سکتے"

آواز میں کرچیاں تھیں اور وفا کی آنکھوں سے بہتی نمی نے کاشان ہمانی کا دل جھنجھوڑا تھا۔

"میں نے بہت گھٹیا طریقے سے ایسا ویسا سب کرنا تھا وفا، لیکن کچھ ہو گیا عین وقت پر۔ تم نے کہا تھا عورت کو کمزور مت سمجھوں، خاص کر وفا جیسی کو۔ ٹھیک کہا تھا، عورت کہاں کمزور ہے۔ عورت تو مرد سے زیادہ طاقتور ہے"

وہ اس بار لہجے میں حقارت بھرے مزید قریب آیا تو وہ بھی لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا لگی، آنکھوں میں صرف التجاء تھی۔

"م۔مجھے جانے دو پلیز،"

اپنا کانپتا ہاتھ کاشان کے سینے سے ٹکائے وہ کرب و تکلیف سے سسکی۔

"تم نے وحشی کہا مجھے، میرے لوگوں کے سامنے زلیل کیا۔ میرے کئی بار پرپوزل کو دو کوڑی کا کر کے جھٹلایا۔۔۔ کس زعم میں؟ یہی کہ تم مضبوط عورت ہو۔ تم کو لگا کہ میں بھول جاؤں گا اپنی تذلیل، اپنی زلت، تم نے کاشان ہمانی کو دھتکارتے وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ تم کم سن، نوخیز اور معصوم سی کلی ہو۔ تم اتنی معصوم ہو کہ تمہارے ادارے میں آئی عورت تمہیں بے وقوف بنا گئی۔ تم رحم دل، نرم دل اور جذباتی ہو اور جانتی ہو یہ آجکل کتنا نقصان دیتا ہے"

اپنا ہاتھ بڑھائے وہ اس تڑپتی اور قربت کے زہر سے قطرہ قطرہ جان ہارتی لڑکی کے رخسار پر لکیریں بناتے آنسو ہٹا رہا تھا۔

اسکی آواز میں اک وحشت تھی۔

"میں ہر چیز کے لیے معافی مانگتی کاشان، پ۔۔۔پلیز مجھے جانے دو یہاں سے۔ یہ مت کرو"

وہ بکھری ہوئی پتیوں سی اسکے سامنے گڑگڑا رہی تھی مگر وہ کب چاہتا تھا وہ اس سے معافی مانگے، وہ تو ایک ہی ہوا کے جھونکے سے ساری کدورت نکال کر نئے جذبے سے بندھ گیا تھا۔

"تم وہ پہلی عورت ہو گی جو میرے قریب آو گی، تم تیمارداری کے لیے آئی تھی ناں۔۔۔تو کرو، اس ایک معمولی سے زخم کے علاوہ بھی کئی درد ہیں۔ دور کرو انھیں، میں اپنی زلت اور تذلیل بھلا دوں گا"

اس بار وہ خمار سے اٹی چیلنجنگ نظروں سے وفا کا رہا سہا سانس بند کرتا حکم سنا رہا تھا۔

"م۔۔مت کرو پلیز۔۔۔جانے دو"

اس بار وہ رو دی تھی، یہ سوچنا تک وفا کے دامن میں کانٹے بھر رہا تھا۔

وہ کیسے اس ناپسند انسان کی قربت برداشت کر سکے گی، اسکی نظر ہی وفا کو کاٹ رہی تھی۔

وہ شدت گریہ سے سرخ پڑتی آنکھیں لیے خاموش التجا کر رہی تھی، اسکی مٹھیاں بھینچی تھیں، درد سے رگیں ابھر آئیں تھیں۔

"کسی اور کو پسند کرتی ہو؟"

دونوں بازوؤں میں بے رحمی سے بھینچے وہ حلق کے بل غرایا تھا، اسکا استفسار وفا کو اپنی جگہ دفن کر رہا تھا۔

اس شخص کی آنکھیں اسے اپنی روح تک زخم دیتی محسوس ہو رہی تھیں، وہ یہی سوچ رہا تھا کہ مقدر میں اسے ہر بار ایسی عورت سے ہی محبت کیوں ہونی درج تھی جو کسی اور کے لیے دھڑکتی ہو۔

نو سال پہلے اس نے چھوڑ دیا لیکن نو سال بعد چھوڑنے کی ہمت کہاں بچی تھی۔

"ن۔۔ نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ دیکھو تم نے نکاح کر لیا۔ رخصتی ہونے دو پھر جیسا تم چاہو کر لینا۔ ابھی مجھے چھونا بھی مت، مت ہاتھ لگاؤ۔ دور رہو خدا کے لیے، مم۔۔ میں نہیں ٹھیک۔۔۔"

اپنے آپ سے اسے الجھن ہو رہی تھی، وہ چینخ چینخ کر اسے خود سے پرے کر دینے کو چلائی، کاشان کے ارادے مقابل کی اذیت دیکھ کر مضبوط ہوئے۔

"وہاج سکندر رہے ناں تمہارا عاشق، سچ کہنا"

شعلہ باز نگاہوں سے گھورتے وہ اسکے ریشمی مٹھی کی گرفت میں آتے بال خفیف سے جکڑے اپنی جانب اس بری طرح کھینچ کر لایا کہ وہ ہلکے سے درد پر بھی اسکے ہاتھ کو نادانستہ پکڑے کراہ اٹھی۔

"ک۔۔ کاشان ن۔۔ نہیں۔۔"

وہ اس سے پہلے روتی ہوئی سنبھلتی، وہ حواس میں لوٹتے ہی اپنے ہاتھ کو ڈھیلا کرتا گہرا سانس کھینچ گیا، وہ پل بھر میں آنسو آنسو ہوتی بکھر سی گئی تھی۔

"تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ لیکن تم جا بھی نہیں سکتی۔ دیکھو تو میں تو محبت سے چھو رہا ہوں تمہیں، تم درندگی سے چھونے پر خود مجبور کر رہی ہو۔ تم میری ہو تو پھر یہ کیسا اعتراض کہ مت چھونا، قریب مت آنا، جانے دو۔۔۔۔ کہاں جانے دوں، حساب کون چکتا کرے گا"

اس بار وہ اپنا بھاری ہاتھ وفا کی گردن پر پھیرے آنکھوں میں آزردگی اور لہجے میں تپش بھر کر اس پر جھکے کان کی اور سرگوشیاں کر رہا تھا، وفا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے ہاتھ سے اسکا سارا اختیار اور زندگی کا ہر سکھ رخصت ہونے والا ہے۔

اس شخص کے وجود سے اٹھتی حدت اسے اپنا تن من جلاتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تم ب۔۔ بلکل بھی قبول ن۔۔ نہیں مجھے، اگر مارنا ہے تو جان لے لو لیکن یہ مت کرنا۔ تم مجھ سے میر امان نہیں چھین سکتے۔ ی۔۔ یہ ن۔۔ نہیں سہہ سکتی۔ م۔۔ مجھے وقت دو۔ ابھی ج۔۔ جانے دو۔"

پھر سے ویسا اعتراض کاشان کو بھنا گیا تھا، آج وہ رحم کے کسی موڈ میں تھا ہی کہاں۔

" معاف کرنا وفا، وقت دینے جیسی کوئی اصطلاح میری ڈکشنری میں نہیں۔ قبول ہو جاوں گا، جب تمہیں اپنی سانسوں میں کاشان ہمانی کی خوشبو محسوس ہو گی تو تم کیا تمہارا دل بھی قبول کرے گا۔ جب تمہیں خود سے میرا احساس جڑا ملے گا تو قبولیت کے سوا چارہ ہی کیا رہے گا۔ تم چپ چاپ برداشت کرو گی۔ یہ بدلہ نہیں ہے، نہ یہ ہوس ہے۔ یہ کوئی تیسری شے ہے جسے دریافت کرنا باقی ہے۔۔۔۔"

وہ اپنی بات گھمبیر سے بھاری لہجے میں کہتا اسے شانوں سے تھامے گردن کی اور جھک کر اپنے دہکتے لبوں کی شدتیں اتارنے لگا، وفا اس لمس کی حرارت اور تشنگی سے اپنا آپ لمحوں میں جلتا محسوس کرتی آنسو بہانے لگی۔

"تم ک۔۔ کیوں نہیں سمجھ رہے گھٹیا انسان۔ پیچھے ہٹو۔ بہت ہو گیا۔ جان لے لوں گی تمہاری اگر تم اب میرے قریب آئے۔ ک۔۔ کیا سمجھ رکھا ہے مجھے۔ لاورث ہوں، میری کوئی عزت نفس نہیں۔ میری کوئی خوشی نہیں، مجھے تکلیف نہیں ہو گی۔۔۔ جانور کیوں بن رہے ہو تم، جل رہی ہوں تمہارے قریب آنے سے۔ آگ لگ رہی ہے وہاں وہاں جہاں۔۔۔ پلیز رحم کرو۔ چھوڑو مجھے جانے دو"

جب یہ اذیت سہنی محال ہوئی تو اپنی پوری قوت لگائے وہ اسے خود سے پرے پٹختی آنسو آنسو آواز سے چینخی، یہاں تک کہ چہرے کی رگیں ابھر آئیں۔

وہ اسکے سامنے پھر بھی سسک پڑی، آنسو ضبط کی توہین کرتے گئے۔

"آگ لگنے دو، جل کر ہی کندن بنا جاتا ہے۔ آج تم نہیں جاسکتی مجھ پر عیاں ہوئے بنا۔ آج تم پر ہر راستہ بند ہے"

اس شخص کا نرم لمس تک وفا کو پتھر جیسا سخت اور خنجر جیسا زخمی کر رہا تھا، وہ رونا روکے اب صرف سرخ متورم آنکھوں سے اسے تپش دیتے انداز سے بس دیکھ رہی تھی۔

"م۔۔میں خود سے نظر نہیں ملا پاؤں گی، میں یہ اذیت نہیں سہہ سکتی کاشان۔ تم مجھے جانے دو، میں ت۔۔تمہاری ہی ہوں لیکن ابھی رحم کھاؤ۔ دیکھو کتنی تکلیف میں ہوں۔ م۔۔ مجھ سے سانس تک نہیں لیا جا رہا۔۔۔ ایک دم سے میری روح مت نکالو۔۔۔ یہ رشتہ تو پردہ ہوتا، تم ک۔۔کیسے مجھے بے وقت بے آبرو کرسکتے ہو"

گریبان جکڑے اس بار وہ بے بسی اور منت بھرے لہجے میں بولی تھی، کاشان نے اپنی دونوں بازو اسکے گرد سختی سے باندھے محظوظ ہو کر وفا کی تکلیف دیکھی۔

اچھی نہ لگی پر وہ پیچھے ہٹنے پر راضی نہ تھا۔

"سانس لو گی تم، شرطیہ لو گی۔ آج ہی لو گی، دیکھو وفا بار بار جانے کی التجاء کرو گی تو اس دروازہ کھلنے تک تمہارا امتحان جاری رہے گا۔ میں تم پر زیادہ تکلیف نہیں اتارنا چاہتا۔ میں بس قریب آکر تم سے ملنا چاہتا ہوں، تھوڑی دیر خود کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ کیا تم نہیں رکھو گی پردہ۔ کون ہے یہاں ہم دو کے علاوہ جسکا ڈر ہے تمہیں۔ صرف میں اور تم اور بس"

وہ سارا استعال پل میں جنون اور سرور بنا تھا، وفا ایک لمحے کو حواس کھو سی بیٹھی۔

وہ یکدم ہی بدل گیا تھا، ایک لمحے میں کوئی کیسے سیاہ سے سفید ہو جاتا ہے۔

اس بار اسکے ہونٹوں نے جس طرح وفا کے تکلیف اوڑھ لیتے خدوخال چھوئے اس میں اس نرمی اور مٹھاس تھی،اک کشش تھی۔

وہ تو ہر حس کا دامن چھوٹتا محسوس کیے بکھرے پھول کی طرح اسکی پناہ میں اکھڑے اکھڑے سانس کھسیٹ رہی تھی جو اس قربت پر سینے میں پھنس کر رہ گئے۔

"میں تمہیں اس طرح سے چاہنا چاہتا ہوں جیسے میری خواہش رہی کہ کوئی مجھے چاہے، تم واحد عورت ہو وفا جسکے قریب تر جانے کی خواہش اتنی منہ زور ہے کہ میں بے بس ہوں۔ تم سن رہی ہو ناں؟ تم دیکھ رہی ہو مجھے کہ میں بہت سے زخموں کا اکھٹا مرہم چاہتا ہوں۔ قریب آو، بہت قریب"

وہ اسے خود میں سمولیتا روح تک اتار لینے کی کوشش میں تھا، وفا کے جسم میں موجود لرزش اس سے کب چھپی تھی۔

وہ اسے چند لفظوں سے ہی مار بیٹھا تھا۔

"مجھے تب تک خود کو محسوس کرنے دو

جب تک میں

تمہارے وجود میں کھُو کر

اپنے تمام دُکھ بھول نا جاؤں

مجھے اپنے گلے لگاؤ

تاکہ میری روح کے

سارے گھاؤ بھر جائیں"

آج قیامت خیز قید تھی، جسے وفا چاہ کر بھی توڑ نہ پائی، وہ شدت اور جنون اسکی ساری مزاحمت سلب کر گیا۔

"میری سانسوں کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے

اپنے ہونٹوں سے میرے سینے میں

سانس بھرتی رہو

میرے لئے یہ جذبہ کسی خزانے سے کم نہیں

میری پیاری

تم جانتی نہیں ہو گی لیکن

مجھ جیسے

اسیروں کی آخری پناہ گاہیں

محبوباؤں کی بانہیں ہی تو ہوتی ہیں"

وہ الجھا، بکھرا، کہیں کہیں خود غرض اور مطلبی شخص آج ایک ہی وار سے کھیل ختم کرنے پر بضد تھا، اسے معلوم تھا وہ جادوگر دبھی ہے۔

"تم جانتی نہیں ہو گی

لیکن جب ہم سے

کارِ جہاں سے تھک جائیں

اور ہماری روح

تھکن سے چُور چُور ہو

تو ہماری ہجرت

انہی من پسند بانہوں کے حصار تک ہوتی ہے،

اور اگر تم چاہو تو
میرے دل میں ڈبکی لگا کر دیکھ سکتی ہو
وہاں تمہیں اپنے نام کے سوا
اب اور کچھ نہیں ملے گا"
ساری مزاحمت بے بسی کا روپ دھارے بے اختیاری، شدت اور حاکمیت کو بھرائی آنکھوں سے تکتی رہ گئی اور وہ اسی راستے پر چل پڑا جہاں اسکا کھیل اسے لے جانے کا حکم سنا چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ٹیکسی میں لگاتار عائش ہمانی کا پیچھا کر رہا تھا مگر مخصوص فاصلہ طے کرتے ہی عائش کو غیر محسوس طور سے کسی گاڑی کا مسلسل خود کے پیچھے آنا محسوس ہوا تبھی اس نے اپنے اڈے کے بجائے گاڑی جنگلی راستے کی طرف موڑی۔
لگ بھاگ پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک گھنے سنسان علاقے کے وسط میں عائش کی گاڑی رکی تو وہیں وھاج نے ٹیکسی ڈرائیور کو بھی کچھ دور روڈ ہیڈ لائیٹ کی روشنی میں وہیں ٹیکسی روک دینے کا کہا اور کرایہ ادا کرتے ہی باہر نکلا۔
عائش ہمانی روڈ کنارے لگی لائٹس کے ساتھ چلتا ہوا ایکدم جنگل میں گھس گیا۔
وھاج نے بھی تیزی سے قدموں کا فاصلہ طے کیے جنگل کا رخ کیا۔
احتیاط کے طور پر اپنی گن بھی نکال لی۔

"آج تجھ جیسے گند کا صفایہ میں کر کے رہوں گا، تجھے مار کر پھر تیری لاش ہمانی حویلی لے جا کر کاشان کو بھی اسکی اوقات بتاؤں گا۔ کہاں چھپا ہے مردود، زانی، درندے۔ تیری تو آج اس جنگل میں ہی قبر کھوڈالوں گا"

گھپ اندھیرے میں وہاج حلق سے بل غراتا ہوا آگے بڑھا، درختوں پر بیٹے پرندے ہوائی فائر سے پھڑ پھڑا کر اڑے۔

ارد گرد کی وحشت اور اندھیر اتنا بھیانک تھا کہ آنکھیں کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھیں۔

دور پار نجس قہقہے کی آواز پر وہاج کرنٹ کھائے مڑا۔

چہرہ چاند کی مدھم روشنی میں آتے ہی چمکا، بھیگا ماتھا اور تنی کنپٹی لئے وہ آواز کے تعاقب میں دوڑا۔

"کون ہے تو سالے، کہاں سے پلے آن پڑا ہے۔ تیری تو۔۔۔۔"

اگلے ہی لمحے وہاج سکندر کو لگا اسکی دنیا گھوم گئی ہے، سر پر کچھ بھاری لگنے سے وہ آنکھوں میں رہا سہا اجالا بھی دھندلا جانے پر اس سے پہلے گرتا، اپنے ہاتھ میں پکڑی گن اپنی طرف سے اندھا دھند چلائی۔

پورا جنگل وہشت ناک دھاڑ سے گونجا۔

گولی عائش ہمانی کی ٹانگ چیر گئی تھی۔

خود وہاج سکندر سر سے پھوٹ پڑتے خون کے باعث وہیں ہاتھ سے گن گرتے ہی خود بھی زمین بوس ہوا۔

عائش ہمانی درد سے بلبلا اٹھا مگر کسی بھی طرح وہ اپنی ٹانگ کراہتے ہوئے گھسیٹتا اس زمین پر پڑے آدمی کا چہرہ دیکھنے کو اپنا فون نکالے اس سے پہلے دیکھ پاتا، دور پار فاریسٹ آفیسرز کی ہوائی فائرنگ اور بھاری بوٹوں کی دمک سنتا وہ فوری اس گرے آدمی کو چھوڑے باہر سڑک کی سمت خون آلود ٹانگ گھسیٹے لپکا۔

اس سے پہلے وہ آفیسرز قریب آتے وہ اپنی پوری ہمت مجتمع کرتا نہ صرف گاڑی میں بیٹھا بلکہ اگلے ہی لمحے گاڑی سٹارٹ کر کے لے گیا۔

دوڑ کر آتا ٹارچ پکڑے آفیسر سڑک تک آتے ہانپ چکا تھا مگر وہ گاڑی والا نا صرف فرار ہو چکا تھا بلکہ اندھیرے کے باعث وہ اسکی گاڑی کا نمبر بھی نہ دیکھ سکا۔

واپس پہنچنے پر وہ وھاج سکندر ان آفیسر ز کے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ کی زد میں تھا۔

اسکا پورا چہرہ خون آلود تھا اور کچھ فاصلے پر گن پڑی تھی۔

ان آفیسر ز نے اسکی سانس دیکھی جو چل رہی تھی، والٹ اور فون کہیں اور بھاگتے وقت گر چکا تھا کیونکہ انکے تلاشی لینے پر کچھ نہ ملا۔

"یہ زندہ ہے، اسے فوری ہوسپٹل پہنچاو۔ تب تک میں پولیس کو اطلاع کرتا اس معاملے کی"

ان تینوں میں سے ایک آدمی دوسرے سے مخاطب ہوا اور ساتھ ہی اپنی جیب سے فون نکال کر کوئی نمبر ملائے کان سے لگا گیا۔

عائش ہمانی بمشکل ڈرائیو کر کے اڈے پر تو پہنچ گیا مگر اسکی ٹانگ سے اٹھتی ٹیسیں اسے ادھ مرا کر چکی تھیں۔

اسکے پہنچتے ہی اسکے لوگ اسکی اطراف جمع ہوئے، اٹھا کر اندر لے جایا گیا اور اپنے خاص ڈاکٹر کو بھی پہنچنے کی تاکید کی۔

دوسری طرف وھاج کو وہ آفیسر ز ہوسپٹل درج کروائے اپنا ایک آدمی تعینات کیے نکل گئے تھے۔

خون بہت بہہ چکا تھا جسکے باعث ڈاکٹر ز کو اندیشہ تھا کہ مریض کومہ میں جا سکتا ہے۔

عائش ہمانی کی ٹانگ میں لگی گولی تو اسے بھروسے مند آدمی نے نکال دی مگر گولی اس بری طرح ٹانگ کو متاثر کر چکی تھی کہ وہ آدمی یہی سوچ رہا تھا کہ عائش جیسے خبیث کو یہ خبر کیسے دے کہ وہ تا عمر کے لیے ایک ٹانگ سے معذور بھی ہو سکتا ہے۔

فی حال وہ تکلیف سے کراہتا نتھنے پھیلا کر سسکتا ہوا کتا تھا جسے اس نے صبح تک بے ہوشی کا انجیکشن لگا کر یہ قیامت صبح پر ڈال دی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح فجر سے کچھ دیر بعد ہی وہ اپنے اوپر ٹوٹ پڑتی بے وقت قیامت پر روتی چپ ہوئی تھی، اسے یوں محسوس ہوا جیسے قسمت نے اسے اب ہر خوشی سے بے دخل کر دیا ہے۔

یہ رات وفا پر کانٹوں پے گھسیٹنے جیسی تھی، ایک لمحہ بھی وہ اذیت سے چھٹکارہ نہ پا سکی تھی، نجانے اتنی بے بسی اس کے مقدر میں کہاں سے آگئی تھی۔

اسکی آنکھیں مکمل سوجھ چکی تھیں، اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر گھن سی آ رہی تھی۔ گزری رات کا ایک ایک لمحہ اب اسے صدیاں بن کر کاٹنے والا تھا۔

وہ بھلے تر تازہ ہو کر نکھری روح افزاء میں گھلے دودھ جیسی پیاری لگ رہی تھی پر کون جانتا وہ اندر باہر تک اجڑ چکی تھی۔

اب اس شخص کا سامنا ہو یا دنیا کا، سب ہی جان لیوا تھا۔

وہیں وہ باہر جاگتے ہی شرٹ پہنتا اپنے کھلے گریبان کو کھلا ہی رکھتا اپنے زخم پر ہاتھ رکھے زمین پر پڑے وفا کے بیگ کو اٹھائے اس میں سے فون نکال رہا تھا۔

شیر علی کی حالت اور عائش کے جانے کی خبر اسے ابھی ملی تھی۔

فون نکالتے ہی اس پر وھاج سکندر کی جانب سے آتا میسج پڑھ کر کاشان کا خون کھول چکا تھا، لیکن اپنی جیت کے بیچ اس نے کسی کو آنے ہی کہاں دیا تھا۔

اک حقارت سے بھری نظر اس میسج پر ڈالے ساتھ ہی ڈیلیٹ کرتا وہ واپس فون بیگ میں رکھے صوفے پر اچھالتا آہٹ پر مڑا جہاں وہ پھر سے رات جیسی مقدس اور پاکیزہ پری پیکر بنی باہر آئی۔

اسکے چہرے کی سرخی اور آنکھوں کا عتاب دیکھتا وہ اپنا پروقار وجود لیے اسکی جانب لپکا اور بنا مہلت دیے اسکی نازک کمر جکڑ کر اپنی سمت کھینچا۔

وہ پور پور زخمی وفا اسکے ستم پر شکوہ کناں تھی، اب ممکن تھا اسکی آنکھوں سے تاحیات اس تذلیل پر نمی لہراتی۔

"اصل محبت یک طرفہ ہی ہوتے ہیں وفا، دو طرفہ تو معاہدے ہوتے ہیں۔ یہ پہلا معاملہ تھا جس میں خسارے کے باوجود میں نے قدم ڈگمگانے دیے۔ مجھے سکون مل گیا تم پر اپنا آپ درج کر کے۔ اب باقی کا سفر تمہارا۔ محبت کرو یا نہ کرو، مجھے پرواہ نہیں۔ اپنی من مرضی کا پانی میں نے تمہیں پیاس نہ ہوتے بھی پلا دیا، یہ شفا دے گا تمہیں۔ مجھے جس دن دھوکہ دو گی اسی دن تمہیں آسمان سے زمین پر پٹخ دوں گا۔ کیونکہ تم محبت ہو میری لیکن میں محبت نہیں ہوں تمہاری۔ یہ مت بھولنا کہ کاشان ہمانی کی اولاد صرف وفا جنم دے گی، اور اس دنیا میں کوئی عورت اب میرے نزدیک اس لائق نہیں رہی۔ محبت کرتا ہوں تم سے اور مجھے محبت میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنا ہے تم پر۔ جس دن تم سے، تمہارے دل سے کسی دوسرے مرد کے احساس کی مہک تک آئی وہ دن تمہاری اصل بربادی کا آغاز ہو گا"

اس پور پور بکھری وفا کی بھرائی آنکھیں جذب سے چومتا وہ دیوانگی، پاگل پن اور وحشت سے اٹا ہوا اسے تنبیہہ کر رہا تھا۔

وفا کی آنکھیں اس طرز کے بھیانک اظہار پر خون آلود ہوئیں۔

سارے آنسو تو وہ گزری رات بہا بیٹھی تھی، اب لہو رسنا ہی تو باقی تھا۔

"تم نے مجھے کسی اور کے لائق چھوڑا ہے کیا درندے، یہ محبت تھی تمہاری؟ ی۔۔یہ تھی۔ تم نے مجھے کتنی اذیت دی کے کاشان کاش تمہیں یہ احساس ہوتا۔۔۔ خود کو مجھ پر درج کر کے کیا سمجھتے ہو میرے دل میں مقام پاؤ گے۔۔۔ جس پستی میں تم مجھے دھکیل چکے ہو وہاں سے اب وفا کیس۔۔کیسے اٹھے گی۔۔۔"

وہ اس قدر دردناک تھی کہ اسکی آواز ہچکولوں کی زد میں لرز رہی تھی، وہ کیا جانتی کہ اس دنیا میں ہر انسان الگ فطرت اور شدت لے کر پیدا ہوا ہے۔

وہ بد قسمت تھی یا نہیں ابھی اسکا فیصلہ لینا مشکل تھا کیونکہ وہ کاشان ہمانی کی محبت تھی، یہ تو بھیانک تھا۔

ایک درندے کی محبت، پائزن کی محبت۔

"یہ تمہارا در دسر ہے وفا، تمہیں اب جہاں جانا ہے جا سکتی ہو۔ جلد رخصتی کی ڈیٹ لینے آوں گا۔ امید ہے تم اعتراض نہیں کرو گی۔ کیونکہ اب تم سے دوری زرا مشکل ہے میرے لیے۔ تمہارا وہ باڈی گارڈ تو رات پتا نہیں گاڑی چھوڑ کر کہاں فرار ہو گیا لہذا تمہیں میرا گارڈ پہنچا دے گا بخاری ولا"

گردن میں ہاتھ پھنسا کر وہ اسے شعلہ باز نگاہوں سے وارننگ دیتا لرزا دیتے حق سے پھر بے جان کرتا خود سے آزادی دیے دور ہٹا۔

اور وہ جو وہاج کے غائب ہونے پر سکتے میں تھی، پھر سے کانٹے وجود میں اترتی تکلیف پر پوری قوت سے اسے دھکا دیتی آنسو دبائے تیزی سے اپنا بیگ اور چادر لیتی کمرے سے نا صرف نکلی بلکہ چیخ کر گئی۔

کاشان نے ناگواری سے اک نظر دروازے پر ڈالی اور فون کان سے لگاتا خود بھی ڈریسنگ روم کی سمت بڑھ گیا۔

دوسری طرف ابدال کو ہوش سے بیگانہ بالکونی میں ہی سویا پائے ہلال مندی مندی آنکھیں صدمے سے پوری کھولے دوڑ کر اس تک پہنچا۔

ابدال کا پورا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔

"ابدال۔۔۔ابدال تم یہاں کیوں سو رہے ہو"

ہلال کے گال سہلانے پر اور صبح کی پھیلتی روشنی کے آنکھوں میں پڑنے پر وہ حواس بیدار ہونے پر آنکھیں کھول گیا، مگر آنکھوں کے سامنے پھیلتی دھند نے ابدال کا سانس روکا۔

"م۔۔۔میں۔۔۔کچھ ہوا تھا ہلال۔۔۔۔میرے ساتھ کچھ ہوا تھا۔ میرے پورے جسم میں شدید درد ہے ہلال۔۔۔مجھے یہ درد کاٹ رہا ہے۔۔۔ہلال میری مدد کرو۔ میں مر رہا ہوں"

وہ اسکا گریبان جکڑے زور زور سے چینخنے لگا، ابدال کی ایسی حالت نے ہلال کے بھی ہاتھ پیر پھلا دیے۔

ابدال کی آنکھیں لہو کی طرح سرخ اور انگارے کی طرح وہ جل رہا تھا۔

"ک۔۔کچھ نہیں ہو گا تجھے، میری جان قربان۔۔میں ابھی بلاتا ہوں کسی کو۔ تو ہمت نہ ہار۔ میں بلاتا ہوں میرے شیر۔ حوصلہ"

کانپتی آواز سے وہ تڑپ کر ابدال کی پھر سے ہوش سے بیگانہ حالت دیکھتے ہی پوری رفتار سے وہاں سے بھاگا۔

مگر ابدال پر گویا جیتے جی موت کی سی اذیت اتر رہی تھی جو اسے واقعی نوچ نوچ کر مار رہی تھی۔

وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا، اسکا پورا جسم تکلیف سے لرز رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"چٹاخ۔۔۔۔"

تھپڑ کی بھیانک آواز اس وقت بخاری ولا کے سٹنگ ایریا کی جانب گونجی تھی، اپنے چہرے پر ہاتھ رکھتے نہال اپنے سامنے روح فنا کر دیتی نظروں سے جان نکالنے پر بضد وحید صاحب کے زندگی میں پہلی بار مشتعل روپ سے کانپے۔

یہاں تک کہ ناشتہ کرتے افراد بھی اس کاروائی پر تھم چکے تھے۔

"بے غیرت انسان، تمھیں زرا شرم نہیں آئی۔ کس سے پوچھ کر دی تم نے اس واہیات کو یہ اجازت کہ وہ وفا کو رات روکے۔ میں تمہاری جان لے لوں گا آج نہال بخاری، کیا عزت، وقار اور خاندانی روایات بھول گئے ہو تم۔ یہ سب کرنے سے پہلے تم مر جاتے۔ اس منحوس کے پاس بھیج دیا تم نے وفا کو"

رگوں میں شرارے دوڑائے وہ اس سے پہلے اپنا رات سے درد دیتا خوف دبائے غرا کر ڈھارتے نہال کی جان نکالتے، عون ہی نے سیڑھیاں عجلت سے عبور کیے بھاگ کر فاصلہ طے کیے بابا کو روکا جو آفس کے لیے ریڈی ہوئے نیچے ہی آ رہا تھا، اس واویلے اور دھنگے پر اسکی بھی سچویشن بگھڑی۔

مگر وہ تو واقعی آج نہال کی جان لینے کو تھے۔

اور نہال اپنی اس تضحیک پر خونخوار سرد مہری سے گھور رہے تھے۔

فریال نے عناب کو تو ڈرائیور کے ساتھ ناشتہ کروائے پہلے ہی بھیج دیا تھا مگر منیہا ناشتے سے ہاتھ روکے یہ منظر دیکھ کر صدمے میں غرق زرد پڑ گئی۔

"بیوی ہے وہ اسکی، آپ ایک حق بات کے لیے مجھ پر ہاتھ کیسے اٹھا گئے۔ بہت مہنگا پڑے گا آپکو یہ رویہ"

وحید صاحب رات آفس ہی رک گئے تھے اور صبح آنے پر جب انھیں وفا کی غیر موجودگی محسوس ہوئی تو فریال سے دریافت کیا جس پر انھیں جو اطلاع ملی وہ تو گویا انھیں آگ لگا گئی۔

اوپر سے نہال کی اکڑ نے گویا جلتے پر تیل سا کام کیا، عون نے روکا نہ ہوتا تو ایک آدھ تھپڑ وہ نہال پر مزید برسا دیتے۔

"کاش تمہیں آج تک اتنی ڈھیل نہ دی ہوتی بد بخت، کیا چھپا رہے ہو تم نہال بخاری۔ اس کاشان نے کیا کہہ کر تمہارا غرور اور انا مٹی میں ملا دی ہے کہ تم دم چھلا بنے اسکے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔ وفا کو اس جانور کے پاس بھیج دیا"

اس بار وہ سخت عتاب سے دھاڑے تھے، گویا جسم کا سارا لہو انکی آنکھوں میں آن سمتا تھا۔

منیہا تو فریال کے ساتھ لگی خوفزدہ تھی جبکہ عون خود اس اچانک دھنگے پر بوکھلایا ہوا تھا۔

وحید صاحب کے تضحیک و جلال سے اٹے استفسار پر نہال بخاری نے نظر چرائی تھی۔

رات زویا ہمانی کی طرف سے دی گئی سوغات سے وہ پہلے ہی اندر باہر سے مسمار تھے۔

مگر اپنی میں سے کیسے ہٹ جاتے جسے وہ اپنا وقار سمجھ کر جیتے تھے۔

"بھائی آپ حد پار کر رہے ہیں، مجھے مجبور مت کریں کہ کوئی بے ادبی کر جاوں"

مٹھیاں بھینچ کر وہ پھر سے ہٹ دھرمی پر اترے۔

"تم جیسا اصول پرست شخص سارے اصول صرف انہی معاملوں میں کیوں توڑتا ہے آخر جو تمہاری اپنی حیات ہیں نہال، کیا تمہیں ان نازک رشتوں کے تقدس کا کوئی خیال نہیں۔ وفا جو اس وحشی سے نکاح پر بھی تکلیف میں تھی تم نے اسے اسکے پاس رات کے لیے بھیج دیا۔ اگر وفا کو زرا بھی تکلیف دی اس کاشان نے تو قسم کھا رہا ہوں کھال نوچ لوں گا اسکی بھی اور تمہاری بھی"

انگلی ہوا میں لہرائے وہ اس بار ہتھے سے اکھڑے تھے، عون کو بھی عتاب میں جھٹکا دیے پیچھے کیا جو خود بمشکل گرتے گرتے سنبھلا۔

"بس بہت ہوا، تذلیل کرنا بند کریں"

اپنی مسلسل تضحیک پر نہال بخاری پھٹ پڑے تھے، لہو آنکھیں سب پر باری باری ثبت کرتے پیر پٹخ کر باہر نکلے تھے۔

وحید صاحب کا تو بس نہ چل رہا تھا نہال کو شوٹ کر دیتے، انکا تو اذیت اور تکلیف سے سر پھٹ رہا تھا۔

وہیں نہال بخاری کی گاڑی ولا سے جیسے ہی نکلی اس سے دو منٹ بعد کاشان کی گاڑی بخاری ولا میں داخل ہوئی۔

وفا نے گاڑی رکتے ہی دروازہ بری طرح پٹخ کر اپنے چہرے کی تباہی ضبط کیے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

وحید صاحب جو سر ہاتھوں میں جکڑے صوفے پر ہی لڑھک گئے تھے، عون یا فریال کی کسی بات کو نہ سنتے آہٹ پر فوری دروازہ کھلتے ہی وفا کی جانب لپکے۔

وہ چہرے اور آنکھوں سے ہی اپنے بچے کی اذیت بھانپ گئے جو خود بھی بنا کسی سے نظر ملاتی وحید صاحب کے پاس آئی اور بس انکے سینے سے جا لپٹی۔

عون، فریال اور منیہا تینوں کے چہروں پر زردی کھنڈی تھی۔

وفا کی لاکھ ضبط کی کوشش بھی ناکام تھی، وہ بنا کہے بھی اسکے درد کو سمجھ جاتے تھے۔

اپنے سینے سے الگ کیے آزردگی سے وفا کا چہرہ ہاتھوں میں بھرے شفیق سا ماتھے پر لمس دھرا مگر اس محبت کے سنگ سمیٹنے پر بھی وفا کی آنکھوں میں نمی بھر گئی۔

"میرا بچہ ٹھیک ہے ناں، کیسی رہی گیدرنگ۔ آنکھیں بہت سرخ ہو رہیں۔ تھک گیا میرا بچہ"

خود ہی وفا کے چہرے پر درج الم بھانپ کر وہ رسان اور نرمی سے بولے، مقصد وفا کو حوصلہ دینا تھا۔

"ٹھیک تھی، کافی مہمان تھے۔ آپکو تو پتا ہے دس کے بعد تو میں جاگ نہیں پاتی بس تبھی آنکھوں میں تھکن اتر آئی۔ آئی ایم سوری رکنے کے لیے، آئی نو یہ بہت آکورڈ ہے لیکن وہاں سب تھے۔ شاید ادھر پارٹیز ایسے ہی ہوتیں جو اگلی صبح تک چلتیں"

جب بھائی نے تسلی تھما دی تھی تو وہ بھی اپنے آپ کو بہتر اور مضبوط کرتے بہانہ بنائے بھرپور مسکرائی تو سہی مگر وہاں موجود ہر فرد جانتا تھا کہ وہ کتنی زخمی مسکراہٹ ہے۔

"ہمم۔۔۔ چلو کوئی بات نہیں۔ لیکن دوبارہ اگر ایسی گیدرنگ ہوئی تو میں خود منع کروں گا اسے۔ میرا بچہ تھکنا نہیں چاہیے۔ آج ریسٹ لو آفس سے اور اپنی نیند پوری کرو۔ فریال ناشتہ لے کر آتیں ہیں۔ تب تک تم جا کر فریش ہو جاو"

نرمی سے اسے دیکھ کر گال سہلائے بولے تو وہ بھی سب کو جبراً مسکرا کر تکتی اپنے کمرے کی سمت تو گئی مگر وحید صاحب کو اسکی آنکھیں خنجر کی طرح کاٹ گئیں تھیں۔

عون کے قریب آنے پر وہ بھی جیسے اس دردناک ٹرانس سے نکلے۔

"آپ نے بلاوجہ نہال چاچو پر ہاتھ اٹھا دیا بابا، اتنا غصہ کیوں کیا سب ٹھیک ہے ناں"

اک نظر سہمی سی فریال کے بہت اصرار پر زبردستی ناشتہ کرتی منیہا پر ڈالتا وہ بابا سے مخاطب تھا جو اس وقت ایک روح ہلکان کرتی کشمکش میں تھے۔

انگلی کی پوروں سے کن پٹی سہلائے سینے پر اٹکی تھکی سی سانس لیتے وہ بہت ملال میں مبتلا ہوئے۔

"دعا کرو سب ٹھیک ہی ہو، ایک مہنیہ۔۔۔۔۔۔ اسکے بعد میرے ہاتھ سے کسی ایک کی جان جانی طے ہے۔ پھر وہ نہال ہو یا وہ کاشان"

بابا کے تیور اور ارادے سن کر عون بھی تشویش زدہ تھا، وہ واقعی اس وقت شدید غصے میں تھے۔

ناشتہ بھی انہوں نے بے دلی سے منع کیے بس چائے ہی پی اور فریال کو ناشتہ لے کر وفا کے روم میں بھجوایا۔
منیہا کا پیپر تھا تبھی وہ بھی سیڈ و سامنہ بنائے عون کے ساتھ ہی گھر سے نکلی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ لو تمہاری فیورٹ چاکلیٹ۔۔۔ اب تو بلکل فریش لگ رہی۔ بھئی لمبی موج کر کے آئی ہو۔ درد تو نہیں اب"

عناب کا ہاتھ پکڑ کر کلاس روم کے باہر لاتا ہوا وہ اپنی پینٹ کی پاکٹ سے چاکلیٹ نکال کر اسے دیتے بولا تو وہ بھی یوئی کا ہاتھ پکڑے مسکراتی ہوئی اسکے ساتھ ہی باہر کوریڈور تک آئی۔

"دلد دنی ہے۔ امم۔ تیا تھوئی تھوئی لدتی ہوں (درد نہیں ہے، میں کیا سوئی سوئی لگتی ہوں)"

بینچ آتے ہی باقاعدہ اچھل کر اس پر بیٹھتی وہ اپنی تھتھی پاشا میں آگاہ کیے بولی، اور آخری آنکھیں گمائے سوال پر وہ خود بھی مسکراتا ساتھ ہی بیٹھا۔

"نہیں آج تو جاگی جاگی لگ رہی، خیر تمہیں کچھ بتانا تھا۔ میں نیکسٹ ویک بورڈنگ جا رہا ہوں۔ تمہارے ابدال بھیو کی طرح۔ اب یہاں اس سکول نہیں پڑھوں گا"

پہلی بات سے وہ عناب کو مطمئین کیے آخری سے اداس کر گیا، کچھ دیر تو وہ واقعی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرے دیکھتی رہی اور پھر یو آن کی بازو پوری قوت سے جکڑے نفی میں زور زور سے سر ہلانے لگی۔
رونا روکنے کے باعث اس سے کچھ بولا بھی نہ گیا، چہرہ زردی میں لپٹا درد و الم کا سرچشمہ لگا۔

"روتے تھوڑی ہیں عناب، میں تمہیں تھوڑا چھوڑ رہا۔ بس اس سکول میں ہم اکھٹے نہیں ہوں گے۔ میں ویک اینڈ پر شام گھر پر آیا کروں گا ناں تم سے کھیلنے۔ ہم خوب ساری مستی کریں گے"

اپنا ہاتھ بڑھائے وہ خود بھی معصومیت سے عناب کی بھری بھری گالوں پر اتر آتے آنسو دونوں گالوں پر ہتھیلی رگڑے مٹاتا اسے تسلی دینے لگا۔

عناب نے پھر بھی منہ سختی سے بھینچے نفی میں گردن ہلائے احتجاج کیا تھا، اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یو آن کے اسکے رونے پر ہاتھ پیر پھولے۔

"ن۔۔نی یوئی۔۔۔ مم۔۔۔ مدے نی تھوڑو۔۔۔ میلے بیشتو ہو ناں۔۔۔ ادل ہی لو ناں۔ (نہیں یوئی، مجھے نہیں چھوڑو، میرے بیسٹو ہوں ناں ادھر ہی رہو)"

وہ ننھی پری چند لمحے رو کر ہی سرخ ہوتی اسکی بازو پوری قوت سے زور زور سے ہلاتی روتی منمنائی، اسکو مسلسل رونے سے ہچکیاں لگ رہی تھیں اور یو آن بار بار اسکے آنسو صاف کرتا چپ کروانے میں لگا تھا مگر اسے روتا دیکھ کر کبھی کبھی تو وہ خود بھی رونے لگتا تھا۔

"روتے نہیں ہیں بہادر بچے، روگی تو مجھے بھی زیادہ رونا آئے گا۔ کیا تم یہ چاہتی ہو میں رونے لگ جاوں"

یہ ایک ہی واحد حل آتا تھا اسے عناب کو چپ کروانے کا اور وہ واقعی سانس روکے ہچکی گھوٹ گئی، وہ اتنی دیر دم سادھے پوری کانپتی رہی کہ یو آن کو گھبرا کر اسے بازوؤں سے پکڑے زور سے جنھوڑنا پڑا تاکہ وہ روکا سانس لے پائے۔

لمبی سی سانس لیتے ہی وہ تیز تیز سانس لیتی پھر سے رو رہی تھی مگر ساتھ ساتھ خود کو رونے سے روکنے کو اپنے ننھے ہاتھوں سے خود ہی اپنے آنسو صاف کرتی یو آن کو اس منظر سے رنجیدہ کر گئی۔

"لونانی۔۔۔یوئی لونانی آپ نے۔۔۔(رونا نہیں، یوئی رونا نہیں آپ نے)" اپنے آنسو تھم نہ رہے تھے اور میڈم کا نزالا روتو حکم نہ چاہتے ہوئے بھی یو آن کو مسکراہٹ دے گیا۔

وہ اپنی پینٹ کی جیب سے کچھ نکال رہا تھا، اور پھر اسکے ہاتھ میں ایک بہت ہی خوبصورت بینڈ تھا، جس کے اوپر ایک ہارٹ اور دو سٹار بنے نگوں والے کلپ تھے اور لیدر بینڈ ایسا تھا کہ وہ ہر سائز کی بازو کے لیے ایڈجیسٹ ہو جاتا۔

یوئی کے ہاتھ میں وہ بینڈ دیکھ کر وہ ننھی پری بھی روتے روتے پر شوق سی کھکھلا اٹھی۔

"یہ تمہارے لیے لیا تھا کل بڑی کے ساتھ شاپنگ کرتے، یہ تم کبھی مت اتارنا۔ کبھی بھی نہیں، کچھ بھی ہو جائے۔ بھلے تم بہت ساری بڑی اور بیوٹی فل ہو جاو تب بھی نہیں۔ یہ جو سٹار ہے ناں یہ عناب ہے، اور یہ جو ہارٹ ہے یہ عناب کا پرفیکٹ ہارٹ ہے۔ جسے کبھی کچھ نہیں ہوتا"

بہت پیار اور توجہ سے وہ پیارا سا بینڈ عناب کی چھوٹی سی مخملی بازو میں پہنائے تاکید کرتا مسکرایا، اسکے ہارٹ اور سٹار کے بارے بتانے پر پری بھی مسکائی۔ وہ اسے بہت پیارا لگا تھا۔

"یوئی یہ پیالا ہے، تھنتیو۔۔(یوئی یہ پیارا ہے، تھینکیو)"

بینڈ کو اپنی گال سے مس کرتی وہ خوشی ہمکتے انداز سے بولی۔

اور اسکا رونا اب زندگی سے بھری مسکراہٹ کا روپ دھار چکا تھا۔

"میں دور چلا جاوں گا جب تو تم اسے دیکھ لینا، مما اور بابا کی بہت بڑی لڑائی ہو گئی ہے شاید۔ اور تبھی بڑی مجھے بھیج رہے۔ آئی ڈونٹ نو کیا ہوا۔ لیکن بڑی جو کہتے ہیں مجھے ٹھیک لگتا ہے"

عناب کو اپنے بریسلٹ بینڈ سے کھیلتا دیکھ کر وہ یکدم افسردگی سے بولا تو عناب نے بھی سر اٹھائے یوئی کو دیکھا۔

اسے سمجھ تو نہ آئی تھی مگر وہ یوئی کی ہر بات توجہ سے سنتی تھی۔

"میں کہیں بھی جاوں، کتنا ہی بڑا ہو جاوں۔ بڑی جتنا ہی کیوں نہیں۔ تم صرف میری دوست رہو گی۔ ٹھیک ہے ناں عناب۔ کسی اور کو بلکل بھی دوست نہیں بنانا۔ ہم دو دوست بہت ہیں۔ تم اپنا دھیان رکھنا بہت سارا۔ تم یوئی کی فیورٹ ڈال ہو۔ تم کو پتا ہے مجھے ڈال بہت پسند تھی، مما بابا نے ڈال لا کے نہیں دی تھی لیکن بڑی نے دے دی مجھے۔۔۔ تم۔ تم ہی اب یوئی کی اونلی ون ڈال ہو"

وہ جو گفٹ ملنے پر بھلے بہل گئی تھی مگر اسکے چہرے پر آنسو جو لکیریں بنا گئے تھے انھیں مکمل ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے منہدم کرتا وہ اسکی دونوں رخسار ہلکی سی انگلیوں کے بیچ لیے دباتا اب کی بار حکم دے رہا تھا اور وہ پوری فرمابرداری سے سر ہلا کر پرامس کر رہی تھی۔

"مم۔۔ میں دال ہوں یوئی تی۔۔۔ میں پلنسز ہوں بھیو تی،، مم۔۔ میں تاتا ہوں دون کا۔۔۔ ہی ہی۔۔۔(میں ڈال ہوں یوئی کی، میں پرنسز ہوں بھیو کی، میں کاکا ہوں عون کا۔۔۔ ہی ہی)"

روکر ہنسنے پر محترمہ کی بتیسی ایسے ہی دانتوں سے نکلتی تھی، یو آن بھی ہنستا ہوا اٹھ کر پھر سے اسکا ہاتھ پکڑے ہلکی سی سر پر چپت لگاتا لیے دوسری طرف بڑھ گیا اور میڈم بھی اچھل اچھل کر یوئی کے ساتھ دوڑتی چلی جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیڈ پر نیم جان لیٹا ابدال رات سے اب تک ناجانے اندر ہی اندر کس اذیت سے جنگ لڑ رہا تھا کہ اب جب ڈاکٹر اسکا معائنہ کر رہے تھے تو وہ بھی خاصے تشویش میں تھے۔

کچھ فاصلے پر پرسنل صاحب اور دو ٹیچرز بھی فکر و اضطراب میں مبتلا کھڑے تھے جبکہ ہلال بیڈ کی دوسری جانب بہت پریشان سا کبھی ابدال کو دیکھتا تو کبھی اسکی نبضیں، دھڑکن اور آنکھیں چیک کرتے ڈاکٹر کو۔

"ہوا کیا تھا ہمارے چمپئین کو، ہلال تم تو ساتھ تھے اسکے"

پرنسل صاحب جو درمیانی عمر کے وجیہہ و پروقار انسان معلوم ہو رہے تھے، ابدال کی اس کنڈیشن پر سب سے زیادہ متاثر تھے، ہلال تو کچھ بتانے کی حالت میں نہ تھا، بس یوں لگ رہا تھا سینے پر سل دھری ہے۔

اور سکون تو ابدال کی آنکھئں کھلنے سے بندھ گیا ہے۔

"پتا نہیں سر، رات تھوڑا اداس تھا اور صبح بالکونی میں سویا ملا۔ پھر ہوش میں آیا تو کہہ رہا تھا اسکے پورے جسم میں درد ہے۔ و۔۔۔ وہ کہ۔۔ کہہ رہا تھا وہ م۔۔ مر رہا ہے"

بتاتے بتاتے خود ہلال نے اپنا رونا روکا جس پر دوسری فی میل ٹیچر بڑھ کر اسکی گال سہلائے حوصلہ دینے لگی مگر وہ حوصلہ ممکن ہوتا تو کرتا۔

"بی بریو ہلال بچے، کچھ نہیں ہو گا اسے۔ ایسے پریشان نہیں ہوتے ینگ بریو مین۔ ڈاکٹر دیکھ رہا ہے۔ ان شاء اللہ خیریت ہو گی"

ٹیچر کی دی تسلی پر ہلال جبراہی سر ہلا گیا مگر پھر جب ڈاکٹر اٹھ کر پرنسپل کی طرف مڑا تو ہلال نے بھی دم سادھے اس طرف اپنی بے قرار آنکھیں گاڑیں۔

"مجھے خیریت نہیں لگ رہی سر، اسکے خون کا ٹیسٹ کروانا ہو گا۔ مجھے شک ہے ڈرگ لی گئی ہے یا اسے انجیکٹ کی گئی ہے۔ گردن پر انجیکشن کا نشان ہے"

ڈاکٹر کی بات پر پرنسپل صاحب کے چہرے پر بھی سفیدی چھا چکی تھی، دونوں ٹیچرز الگ صدمے میں تھیں جبکہ ہلال تو اپنی جگہ پتھرا کر رہ گیا۔

"ابدال ڈرگ کیوں لے گا ڈاکٹر انکل، ایسا کب ہے وہ۔۔ سب سب جانتے ہیں اسے۔ وہ کہہ رہا تھا اسے کچھ ہوا ہے۔ ضرور کسی نے اسے انجیکشن لگایا۔ ا۔ اسے بچالیں پلیز۔۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ بہت تکلیف میں تھا"

اٹھ کر ان کی طرف آتا وہ باقاعدہ سسکتا اور بلکتا صفائیاں دیتے دیتے روتا ہوا پھر سے ابدال کی تکلیف یاد آنے پر بتانے لگا۔

ڈاکٹر نے پرنسل صاحب کی طرف فکر سے اٹی نظروں سے دیکھا۔

"حوصلہ کرو بچے، میں نے ضروری ٹریٹمنٹ دے دیا ہے۔ باقی ڈرگ کو زائل تبھی کیا جا سکے گا جب کنفرم ہوگا کہ واقعی ایسا ہے۔ آپ سب کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے پرنسپل صاحب، اگر یہ واقعی ڈرگ کا معاملہ ہے تو آپکا یہ ہوسٹل اور سکول دونوں خطرے میں پڑ سکتے۔ دعا کریں کے ایسا نہ ہو۔ ورنہ آپکی حفاظت پر سوال اٹھ سکتے"

ڈاکٹر نے رسان سے روتے ہلال کا کندھا تھپتپائے تسلی دیتے ہی ڈھکے چھپے لفظوں میں پرنسپل ستار قریشی کا بھی دل دہلایا تھا، اور خوف اور ڈر سے انکا ماتھا بھیگ چکا تھا۔

"ایسا ناممکن ہے ڈاکٹر صاحب، ہوسٹل کی بہت سختی سے پہرہ داری اور حفاظت ترتیب دی گئی ہے کہ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ضرور یہ غلط فہمی ہوئی ہے آپکو۔ آپ ٹیسٹ کریں ان شاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا"

اپنی عزت اور ساکھ خطرے میں محسوس ہوتے ہی وہ ڈاکٹر کے خدشے کو جھٹلا گئے تھے، لیکن ڈاکٹر پرامید تھے کیونکہ ابدال کی ایسی نیم جان حالت اسی وجہ سے تھی۔

ابدال کو وقتی طور پر سکون کا انجکشن دیے وہ اسکا بلڈ سنپل لے گئے تھے اور ٹیسٹ کی رپورٹ رات تک خود لے کر آنے کا بھی کہا تھا۔

"رات تک اسکی کیئر کریں، نرس آکر ڈرپ لگا دے گی۔ بخار ہو تو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کر دیجئے گا۔ ہلال بچے اسکا دھیان رکھنا"

جاتے جاتے وہ ہلال کو کہہ کر پرنسپل صاحب کے ساتھ ہی نکلے تھے جنہوں نے رپورٹ کو سب سے پہلے انہی کو دیکھانے کی درخواست بھی کر دی تھی۔

یہ تو خود ستار قریشی بھی جانتے تھے کہ معاملہ سنگین ہے۔

ہر دم ہنستے ہنساتے ہلال کے تو آنسو ہی نہ رک رہے تھے، کبھی ابدال کو آنچ بھی آتی تو وہ تڑپ جاتا تھا۔ لیکن آج تو دونوں بھائی زندگی موت کی کشمکش میں تھے۔

یہاں اسکا جگر جیسا یار اور وہاں ہوسپٹل کے سپیشل روم میں سر کے زخم کے سنگ ہوش وحواس سے بیگانہ نیلی آنکھوں والا وہ محافظ جس سے حفاظت میں کوتاہی تو ہوئی ہی مگر آہ اسے سزا بھی آن ملی۔

دو ڈاکٹرز اسکی کنڈیشن پر ہی آپس میں بات چیت کر رہے تھے اور انکے مطابق وہ پیشنٹ سر پر شدید وار کے باعث کومہ میں جا چکا تھا۔

ہلال آنکھیں سختی سے بند کیے آیت الکرسی سے لے کر چند خفظ سورتیں پڑھ کر وقفے وقفے سے ابدال کے تپتے ماتھے سے ہتھیلی جوڑے پھونک رہا تھا۔

مگر ابدال مصطفی کی تکلیف لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاور کھول کر وہیں دیوار سے لگ کر بیٹھی وہ مسلسل بھیگ چکی تھی، پانی کی گرتی ٹھنڈی پھواریں بھی اسکے جسم کو سلگا رہی تھیں۔

آنسو تھے کہ گھوٹ گھوٹ کر بھی آنکھیں بھیگو رہے تھے۔

"محبت اتنی کم ظرف نہیں ہوتی کاشان ہمانی، تم کتنے سنگدل ہ۔۔ ہو۔ م۔۔ میرے کسی آنسو ک۔۔ کی دہائی نہ سنی۔ م۔۔ میری مرضی اور خوشی ک۔۔ کو راکھ کر دیا۔ م۔۔ مہلت بھی نہیں دی۔ تمہیں میری کسی ت۔۔ تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔۔۔"

ہچکیوں کی زد میں اسکا بھیگتا وجود اور دل تک رو رہا تھا، تمام تر حق کے باوجود اسے خود سے الجھن محسوس ہو رہی تھی، اپنا آپ نہایت حقیر لگا۔

سارا اعتماد اور رشک پل بھر میں وہ شخص مٹی میں ملا گیا تھا۔

"اور تم۔۔۔۔ پھر سے عین وقت پر چھوڑ کر بھاگ گئے وھاج سکندر۔ تم سب مرد ایک سے ہو۔ بے اعتبار، بے حس، پتھر دل، اور سفاک۔۔۔۔"

روتے روتے آنسوؤں کا پھندا سا گلے میں اٹکا تو وہ گہرا سا سانس بھرتی فرش سے اٹھی، اپنے دکھ کو چہرے سے نوچ پھینکا اور کچھ دیر تک چینج کیے باہر نکلی۔

چہرہ اب بھی تکلیف سے اٹا تھا۔

اپنے بیڈ پر کچھ دیر پہلے بے دردی سے پھینکے بیگ تک پہنچی اور وھاج کا نمبر ملایا۔

عین جنگل کے وسط میں خشک پتوں کے نیچے وائبریٹ کرتا فون اس وقت کسی زی روح کے کوسوں دور تک بھی نہ تھا۔

کئی بار ملانے پر بھی کوئی جواب نہ آیا تو وفا رخسار پر بے بسی اور اذیت سے ڈھلک آتے آنسو کو رگڑے اس بار ماریہ کا نمبر ملا رہی تھی۔

آفس کیبن میں بیٹھی ماریہ فون پر وفا کا نام دیکھتے ہی پک کیے آفس سے باہر آئی۔

"وہ جو عورت آئی تھی، جس نے اپنے شوہر پر تشدد کا الزام لگایا تھا۔ مجھے رات تک اسکے بارے ہر چھوٹی بڑی چیز پتا کر کے دو ماریہ۔ اسکے لیے تم اسکے گھر جاو یا محلے، لیکن مجھے رات تک اسکا سارا بائیو ڈیٹا چاہیے"

وفا کے سیدھا سبھاو کال لگتے ہی سپاٹ حکم پر ماریہ بھی فکر مند ہوئی مگر اس سے پہلے وہ اوکے کے بعد وفا سے کچھ پوچھتی فون کٹ چکا تھا۔

بے دردی سے فون بیڈ پر اچھالے وہ خود بھی ایک کنارے جا ٹکی۔

نظریں اب بھی پر نور صبح پر تھیں۔

"اگر تمہاری بات جھوٹ نکلی کاشان تو چھوڑوں کی نہیں تمہیں"

جبڑے بھینچ کر وہ ناگواری سے عہد باندھ رہی تھی، اسکے چہرے کی نازک رگیں ابھر آئیں جن میں دوڑتا خون صاف صاف دیکھائی دے رہا تھا۔

"وفا۔۔۔ میں ناشتہ لائی ہوں"

فریال کے دستک دینے اور آنے پر وفا چاہتے ہوئے بھی پھیکا سا مسکرائی مگر نظریں ہنوز چرالیں جو فریال نے بھی محسوس کیں۔

"شکریہ بھابھی، لیکن بلکل بھی تمنا نہیں۔ کچھ کھانے کا من نہیں بس کافی لوں گی"

رسان سے ناشتے کی جانب بیزار ہوئے دیکھتی وہ فریال کی رکھی ٹرے پرے کھسکائے کافی مگ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ گئی۔

فریال نے بھی زبردستی نہ کی۔

"تم تھوڑی دیر سو لو، آج کچن چلیں گے۔ تھوڑا تم بھی فریش ہو جاو گی۔ کب تک کام ورکز پے رکھیں گے۔ عناب کو بھی ڈرائیور سیدھا وہیں چھوڑ دے گا چھٹی کے بعد۔ آفس تو تم جا نہیں رہی تو آج کا دن بھابھی کے ساتھ"

نرمی اور پیار سا لہجہ لیے وہ وفا کو دیکھتے مسکراتی آگاہ کیے بولیں جس پر وفا چاہ کر بھی انکار نہ کر سکی۔

"ٹھیک ہے"

دو لفظی جواب میں قطعیت بھی تھی تبھی فریال اسے زیادہ تنگ نہ کرتے ایک نثار سی نگاہ ڈالے اٹھ کر ٹرے اٹھائے واپس چلی گئیں اور وفا جو کافی کا سیپ بھرنے لگی تھی، ہر شے سے دل اس درجہ اچاٹ تھا کہ کافی کا کپ بے زاری سے واپس پٹخے وہیں تکیہ دراز کیے لیٹ گئی، مسلسل رونے سے سر بھی شدید بھاری تھا جسکی وجہ سے وہ جلد ہی نیند میں اتر گئی۔

دوسری طرف عون نے سارا رستہ منیہا کی اتری شکل تو برداشت کر لی مگر یونی گیٹ کے سامنے گاڑی روکے اس سے پہلے وہ ویسا ہی منہ بنا کر گاڑی سے اترتی، عون نے اسکی بازو پکڑے روکا۔

"ایسے بیزار منہ کے ساتھ دو گی پیپر؟ کم آن منیہا ہر گھر میں چھوٹی موٹی باتیں ہو جاتیں۔ ویسے بھی یہ اتنا بڑا ایشو بھی نہیں کہ تم ایسے بیہو کرو"

تھوڑی دانستہ لہجے میں سختی ملائے سمجھایا گیا تھا مگر وہ بھی تو نہال بخاری کی لاڈلی تھی۔

کیسے بہل جاتی۔

"نو۔۔ یہ چھوٹا ایشو بھی نہیں ہے۔ آپکے بابا نے میرے بابا کو تھپڑ مارا ہے عون۔ اٹس آ بگ تھنگ۔ میرے بابا کو کوئی ٹچ بھی کرے تو جان نہ نکال لوں۔۔۔۔"

فوری اپنی بازو چھڑواتی وہ ایک ایک لفظ سلگ کر بولی مگر آخری جملے پر عون کی آنکھوں میں اتر آتے غصے پر وہ زبان روک گئی۔

"زبان سنبھال کر بولو، اتنی بڑی نہیں ہوئی تم ابھی۔ تمہارے بابا سے پہلے وہ وحید بخاری کے چھوٹے بیٹوں کی طرح کے بھائی ہیں۔ اور باپ کی جگہ ہیں۔ اگر کچھ کہہ دیا ہے تو کیا ہو گیا۔ تمہارا یہ ایٹیٹوڈ ہرگز قابل قبول نہیں ہے"

منیہا کے انداز پر عون سلگ کر تلملایا، اور منیہا کی رنجیدگی بڑھ گئی۔

منہ موڑ کر اس سے پہلے وہ پھر سے جاتی، عون خود ہی لہجے کی سختی کم کرتا نرمی سے منیہا کو واپس خود کو دیکھنے پر مجبور کر گیا مگر وہاں تو آنکھیں سمندر بننے والی تھیں۔

"م۔۔مجھے ڈانٹتے رہتے آپ، برے ہیں آپ"

بہت تکلیف سے شکوہ کرتی وہ مسلسل بازو چھڑوانے میں لگی تھی۔

"منیہا۔ میری جان ڈانٹ نہیں رہا۔ اوکے آئی ایم سوری۔ لیکن تم بھی سوچ سمجھ کر بولنا سیکھو۔ بڑوں کے معاملے میں بولنا ٹھیک نہیں۔ بس بس آنسو مت بہانا ورنہ اداس ہو جاوں گا"

فوری اپنے سخت رویے کا ازالہ کیے وہ اسکی بھیگی رخسار انگوٹھے کی پور سے سہلائے لاڈ سے بہلانے لگا مگر وہ ہنوز منہ پھلائے ہی رہی۔

"ہمم۔۔ کسی دن آپ مجھے تھپڑ بھی مار دیں گے اور بعد میں کہیں گے جان جون کر کے کہ معاف کر دوں۔ سن لیں ایک بات۔ آپ سے میرا بہت نزدیکی اور قریبی رشتہ ہے لہذا آپکو بار بار معاف کرنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ منہ پھٹ ہوں اور ایسی ہی رہوں گی"

گویا ایک ہی لمحے میں عون کا کیا ازالہ بے دردی سے جھٹک دیا گیا تھا، ناجانے کیوں مگر عون کا دل منیہا کی اس بات پر بری طرح کانپا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر تو کچھ بول تک نہ پایا، بے یقینی تھی اور بہت سا درد۔

"جاو دیر ہو رہی ہے"

جب بولنے کے قابل ہوا تو جان بوجھ کر نظر چراۓ ہاتھ سختی سے سٹیرنگ پر جماۓ بھاری آواز میں بولا جس پر منیہا اس جان چھڑانے پر تپ کر گھوری۔

"یہ کہیں ناں کہ جاو بی بی جان چھوڑو۔۔۔ یہی تھی محبت، یہی تھا پیار، ختم ہو گیا سب۔۔۔"

چبا چبا کر بولتی وہ عون بخاری کو کس درجہ تکلیف دے گئی تھی اسکا اندازہ تو خود عون کو ضبط کرتے ہوا تھا۔

"میں تمہاری جان لے لوں گا اگر مزید کوئی بکواس کی۔ نکلو گاڑی سے۔۔۔"

جب غصہ ضبط سے باہر ہوا تو وہ گردن موڑے روح فنا کرتی آنکھیں گاڑے دھاڑا، منیہا نے ابلتے سلگتے ہوۓ بدلے میں اس سے زیادہ بھیانک تیور سے دیکھا اور نہ صرف گاڑی سے نکلی بلکے جان بوجھ کر زور سے پٹخ کر بھی گئی۔

اور وہ اسکے یونی ڈور انٹر ہونے تک سلگتا رہا، اس لڑکی کے سرد گرم تیور اسے دو ہفتے کا انتظار کرنے کا فیصلہ ترک کرنے پر مجبور کر رہے تھے بلکہ آج تو وہ منیہا کی دی دھمکی پر سر تا پا ہل کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی کھلے جنگلی راستے کے بیرونی اطراف بنی کچی مٹی کی سڑک پر رکی تھی، ڈرائیور نکلتے ہی گاڑی کھولتا مودب کھڑا ہوا تو ساتھ ہی فل بلیک میں آنکھوں پر لگی سیاہ گاگلز اتارتا اپنی پر وقار چال چلتا وہ تیزی سے باہر نکلا۔

لگ بھگ چار عدد گن منیز اسکے ہمراہ اس کچے مکان نما کاٹیج میں گئے، کچھ ہی فاصلہ طے کرنے پر سامنے سے آتا مشکوک سا آدمی اس آنے والے کو دیکھ کر خوف سے وہیں تھم چکا تھا۔

مگر اس سے پہلے وہ اپنی بے وقت کی موت سے بچ کر بھاگتا، کاشان نے ایک ہی جھٹکے سے اسے گریبان سے گھسیٹ کر نہ صرف زمین پر پٹخا بلکے اگلے ہی لمحے اسکا جبڑا دبوچ کر خونخوار انداز سے دیکھتے اسے وہیں سے جکڑ کر گھسیٹے کچھ فاصلے پر بنی دیوار سے پٹخا۔

جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ آدمی درد سے بلبلا اٹھا۔

"کہاں ہے عائش، اگر غلط بیانی کی تو یہیں دفن کر دوں گا۔ بول"

ہاتھ گردن سے لپٹا کر دباتے سختی سے استفسار آیا تھا۔

وہ آدمی سانس کی عدم دستیابی پر اسکی گرفت میں پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔انکو ٹانگ پر گولی لگی ہے سر، رات تک انھیں دوا کے زیر اثر رکھا گیا ہے۔ اس آدمی کو دیکھ نہیں سکے کہ وہ کون تھا مگر اسے فاریسٹ آفیسرز لے گئے تھے۔ عائش سر نے اس آدمی کے سر پر لوہے کے ڈنڈے سے وار کیا تھا"

تو گویا وہ خبر سچ تھی جسے سن کر کاشان بپھری موج بنے یہاں آیا تھا، صبح وفا کے فون پر آتے میسج کے بعد اس نے وہاج سکندر کی تلاش اپنے لوگوں سے کروائی تھی اور وہ اسکی ہوسٹل کومہ میں جانے کی خبر پہلے ہی پا چکا تھا۔

یہاں وہ صرف عائش کو حکم عدولی کی سزا دینے آیا تھا مگر گولی کا سن کر جیسے افشار خون کاشان ہمانی کے چہرے پر سے ہٹنے لگا۔

"عائش کے ایک ایک قدم کی خبر ہونی چاہیے مجھے، اگر تو نے اس کی کسی معاملے میں مدد کی غفار تو یاد رکھنا تیری لاش بھی کسی کو نہیں ملے گی۔ اسے اسکے اڈے پر نظر بند رکھ، میں نہیں چاہتا کہ وہ وفا یا اسکے خاندان کے سامنے آئے اور میر ابنا بنایا نام اور وقار خراب کرے۔ کسی کو یہ خبر نہیں ہونی چاہیے کہ عائش ہمانی زندہ ہے اور میرے ہی پاس تھا۔ یہ سچ صرف وہاج جانتا ہے اور وہ کومہ میں جا چکا ہے۔ لہذا مزید کوئی کام بگھڑنا نہیں چاہیے۔ اس بار سزا صرف عائش کو نہیں تجھے بھی برابر ملے گی۔ یہ بات اپنی کھوپڑی میں بٹھا لینا"

سپاٹ انداز سے وہ اس کام اور اعتبار کے بہت وفادار آدمی کو اپنے آتشی مزاج سے برعکس خاصے تحمل سے سمجھا رہا تھا جس پر وہ جان بخشی پر تھر تھر کانپتا اثبات میں گردن ہلا رہا تھا۔

"آپ ب۔۔بے فکر رہیں سر، عائش صاحب پر پوری نظر رکھوں گا۔ آپکا نام خراب نہیں ہونے دوں گا"

اضافی فرمابرداری کاشان کو زہر لگی تبھی ناگواری سے واپس جھٹکا دے کر دو قدم دور دھکا دیتے وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی اپنے گارڈز کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

دوسری طرف وہاج سکندر کے پاس ملی گن کسی عون نامی بندے کے نام پر رجسٹر نکلی تھی۔

یہ اتفاق تھا کہ کچھ دن پہلے ہی وہاج نے اپنی گن کی تھوڑی خرابی کے باعث عون کی گن لی تھی اور پولیس اور ہوسپٹل عملے نے اس نامعلوم کومہ میں چلے جاتے مریض کی خبر عون بخاری کا نمبر نکلوا کر جب اسے کی تو وہ آفس میں کچھ ساتھی جونئیرز کے ساتھ کسی میٹنگ میں تھا۔

فون کال آنے پر وہ پریشانی کے سنگ ان سب سے معذرت کرتا آفس سے نکل گیا۔

تیسری طرف منیہا پیپر دینے کے بعد کچھ دیر دوستوں کے ساتھ کیفے آگئی تھی مگر وہاں دور کوئی نسوانی وجود چہرے کو حجاب سے ڈھکے آنکھوں پر موٹی موٹی عینک چڑھائے اسی کی سمت متوجہ تھا۔

وہ منیہا بخاری پر پل پل نظر رکھ رہی تھی۔

یونی گیڈ سے کچھ فاصلے پر اپنی گاڑی میں بیٹھا فارس کافی دیر سے اسی سمت دیکھ رہا تھا۔

پھر اپنا فون نکال کر فیسبک کا ایک فیک آکاونٹ بنائے عون بخاری کے اکاونٹ پر ایک میسج ٹائپ کر کے سینڈ کیا مگر عون اس وقت ڈرائیونگ کر رہا تھا اور ہوسپٹل جا رہا تھا تبھی دیکھ نہ پایا۔

منیہا نے دو گھنٹے مزید رکنا تھا کیونکہ ان سبکی کلاس نے ٹیچر صائمہ سے کچھ نوٹس لینے تھے جنھیں وہ کاپی کروا کر انکو دینے والی تھیں۔

"منیہا یار کولڈ ڈرنک بھی لانا اور پانی بھی"

اسکی ہی ایک سہیلی کی سماعت میں پڑتی بات پر مہکار نے فوری میگزین ہٹائے کاونٹر کی طرف منیہا کو جاتے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اس طرف بڑھی۔

وہ کاونٹر پر کھڑی پانی اور جوس کے لیے کہہ رہی تھی جب کسی آہٹ پر مڑی۔

سامنے مسکراتی ہوئی پراسرار آنکھیں منیہا کو دیکھنے میں گم تھیں، پہلے تو وہ اسے اپنا وہم سمجھی مگر پھر اس عورت کے مسلسل دیکھنے پر اسے عجیب سا گھوری۔

"جی فرمائیں"

منیہا نے سرد مہری سے دریافت کیا۔

جس پر مہکار نے بے تکلفی سے اپنا ہاتھ آگے کیا۔

"میرا نام مہکار ہے، میں یہاں نیو سٹوڈنٹ ہوں۔ آپ کو دیکھتے ہی دل چاہا ملا جائے۔۔۔ میری یہاں کوئی دوست نہیں ہے، کیا آپ مجھے گائیڈ کر دیں گی کہ لائبریری کہاں ہے"

شناسا سا میٹھا انداز لیے وہ منیہا کو ایک مخلص سا انداز اپنا کر تھوڑا قائل کر تو گئی مگر منیہا کی چھٹی حس اسے اس عورت نما لڑکی کے سٹوڈنٹ ہونے کے خلاف سائرن سنا رہی تھی، اچنبھے کی بات تو تھی ہی کیونکہ منیہا کو اسکا لہجہ عام سے کچھ زیادہ چپڑا اچپٹا محسوس ہوا۔

"جی میں آپکو لے جاتی، آئیں میرے ساتھ"

کولڈ ڈرنک اور پانی کی بوتل ویٹر کے ہاتھ اپنے گروپ کی لڑکیوں تک بھجوائے وہ خود آگے بڑھی، مہکار نے بھی فوری اسکے قدموں سے قدم ملائے۔ لائبریری تک تقریباً پانچ منٹ کا فاصلہ تھا اور اس پانچ منٹ مہکار نے اس سے تقریباً اسکا سارا حسب نسب پوچھ ڈالا اور وہ بھی بنا سوچے ہر سوال کا جواب دیتی مہکار کی جھوٹی فریب کاری میں آتی عین لائبریری انٹرنگ ہال کے پاس رکی۔

"آپ سے مل کر اچھا لگا، اینڈ ڈونٹ وری اگر آپکی کوئی دوست نہیں۔ میں ہوں۔ خیر یہ لائبریری ہے۔ میں جاتی ہوں"

پلٹ کر شیریں انداز سے منیہا نے بات مکمل کیے جانے کو رخ موڑا مگر مہکار کی پکار پر وہ واپس رک کر دیکھنے لگی۔

"تھینک یو سو مچ، بہت پیاری ہو تم۔ ورنہ میں تو بہت ڈر رہی تھی کہ یونی میں پہلا دن نا جانے کتنا خراب ہو گا، ویسے ابھی ہماری کلاسز شروع نہیں ہوئیں لیکن میں بس یونی دیکھنے آ گئی۔ ابھی تو یہاں ایگزامز چل رہے، ویسے تمہارا پیپر کیسا رہا"

آپ سے مہکار کا تم تک آنا منیہا نے نوٹس ہی نہ کیا بلکہ وہ تو الٹا مہکار کے جال میں پھنس چکی تھی۔

"پیپر بکواس تھا کیا بتاؤں صبح صبح کھڑوس کی ڈانٹ کھا کر سارا کچھ بھول گئی، اوپس۔۔۔ میں بھی پتا نہیں کیا بک بک کرتی۔"

اپنے گندے پیپر کی دہائی کسی کے سامنے تو رونی تھی، مہکار نے دل ہی دل میں سلگ کر اس معصوم اور بیوقوف سی مگر انتہا کی پیاری اور گداز منیہا کو عناد سے اٹی نظروں میں ٹٹولا۔

وہ جان چکی تھی کہ وہ بے خبری میں ہی سہی پر عون ہی کا ذکر کر بیٹھی ہے۔

"آوہ ہو۔۔۔ تو مطلب کوئی کھڑوس بھی ہے تمہاری لائف میں، سمتھنگ سپیشل۔"

مہکار کے لاڈ کے سنگ کریدنے پر منیہا نے دھیمی سی مسکان کے سنگ مہکار کو دیکھا اور سر کو نفی میں ہلاتی ہاتھ آگے کیے مسکرائی۔

"نو نتھنگ سپیشل، مل کر اچھا لگا۔ اب میں جاتی۔ اللہ حافظ"

مہکار اسکے بڑھے ہاتھ کو فوری تھام لیتی فوری منیہا کے جانے پر بیتابی سے پلٹی، کتنی ہی دیر اسکی تپش دیتی نظروں نے اس کومل پری کا پیچھا کیا۔

"بہت زیادہ ہی معصوم ہے یہ، مہکار۔۔۔ تم تو بہت شاطر ہو بھئی، اس عمر میں ویسے یونی گرل بننے میں کوئی قباحت نہیں۔ جوانی کے دن یاد آ گئے۔ آہ عون بخاری آہ، وہ یونی کا لائبریری انٹر ڈور ہی تھا ناں جہاں پہلی بار میں تم سے ٹکرائی تھی"

شیطانیت اور آنکھوں میں ہلکورے لیتے جنون کے سنگ وہ دیوار سے لگی کتنی ہی دیر ماضی کے وہ چند سکھ یاد کرتی زہریلا سا مسکرائی تھی۔

وہ، عون اور فارس ایک ہی رینک میں تھے، لیکن انکی کہانی لو ٹرائے اینگل تھی۔

یونی میں ایڈمیشن اس نے رو رو کر بابا سے التجائیں کیے لیا تھا، تب وہ پائزن کے پاس کام کرتا تھا اور اچھا خاصا کماتا تھا مگر تھوڑے ہی عرصے میں کئی واقعات ایک ساتھ رونما ہوئے۔

جیسے فارس شاہ جیسے نرم، تحمل کے حامی، سلجھے اور میچور سے جوان کے دل میں مہکار نامی چپ چاپ سی، تھوڑی شوخ اور عام و خاص سے یکسر سی اس آپسراہ کا اترنا۔۔۔عون بخاری پر کسی کا فدا ہونا۔

دو دوستوں کے بیچ عورت ذات کی کچھ وقت دیوار آجانا۔

پھر فارس شاہ کے دل میں مہکار کے لیے محبت پھوٹنا اور عون بخاری کے دل میں مہکار کے لیے بیزارئیت اور نفرت پھوٹنا۔

پھر یکدم قیامت کا آجانا، فارس کا تڑپنا، بلکنا، سسکنا اور عون بخاری کا قربان ہونا۔

تب تو شاید قصور کسی کا نہ تھا۔

نہ مہکار کا کہ یہ جذبے تو سر پر سوار ہو جاتے، نہ فارس شاہ کا تو ان معاملوں میں ایک ہی در کا فقیر ہونے پر ایمان رکھتا تھا، نہ عون کا جس نے فارس کے لیے اسکا دل آباد کرنے کو پائزن سے ٹکر لے لی۔

اور شاید تب قصور پائزن کا بھی نہ تھا، اسکے پاس تو وہ سود اور دیے پیسے کے بدلے آئی تھی، ایک ذاتی کنیز ،ملکیت ایک باندھی جسے چاہنا چاہا تھا، جسکی چاہت بنا پائزن کی زندگی کی پہلی انسانی خواہش تھی۔

قصور تھا تو صرف محبت کا۔۔۔۔اور محبت۔۔اجی

محبت کا تو پوچھیے ہی مت کہ اگر یہ ہونے پہ آئے

تو نہ رنگ دیکھتی ہے نا خاندان، راہ چلتے کسی بدذات سے بھی ہو جاتی ہے۔

مگر وہ عورت جسکے دل میں پہلے سے عون بخاری درج تھا، پائزن تھا وہ، دوسرے کی چیز اچھوت سمجھنے والا، دوسرے کا ہاتھ لگا بھی نجس جاننے والا، اس نے مہکار کو ملکیت ہونے کے باوجود چھوا تک نہ تھا، یہاں تک کہ جب مہکار کے جذبات علم میں آئے تو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

عون بخاری سے معاہدہ کیا، تب شاید دولت اور کھیل دونوں کی ضرورت تھی، کئی کڑور کے عوض مہکار کو سونپ دیا اس انسان کے ہاتھ جس سے محبت کرتی تھی مگر کہانی یہاں ختم نہیں بلکے شروع ہوئی تھی۔

عون بخاری نے مہکار کو اپنانے کے بجائے فارس شاہ کو سونپ دیا، یہ اس وقت کا سب سے بڑا دل دہلاتا جھٹکا تھا، ان تینوں کے لیے۔

پھر پائزن کے ہاتھ میں حکم کا اکا ہی بچا، اور دسترس میں مہکار کا حاکم بننے والا فارس شاہ جسکی کمزوری مہکار تھی، اور پھر فارس نے محبت میں گر جانے کا فیصلہ لیا، اپنے مقام سے، اور وہ بے بس ہوئے پائزن کا آلہ کار بن گیا، جسے پائزن کے حکم پر سانس لینی تھی۔

تب پائزن نے یہ سب جلن اور تکلیف میں کیا تاکہ اس شخص کی لگام کس سکے جسکے پاس اسکی نور نظر آسمان کے تارے سی آن گری تھی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پائزن کے دل سے مہکار کے لیے وہ الگ و منفرد سے ٹھنڈے جذبات پگھل گئے، وہ جو پھول تھی پھر اسکے حلق کا کانٹا بن گئی اور وہ اسے برباد کرنے کی خواہش کرنے لگا۔ فارس پر دباو ڈالا کہ وہ اسے طلاق دے مگر فارس اسکی طرف سے کئی کئی دن ٹارچر تو سہہ لیتا مگر طلاق دینے سے انکاری رہا۔

اس کھیل کو نو سال بیت گئے، پائزن نے عون کو کبھی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی کیونکہ وہ جانتا تھا اس سارے معاملے میں صرف وہی ہے جو بے قصور ہے۔

نو سال بعد پائزن نے اس کھیل کو ختم کرنے کے لیے فارس شاہ کی موت کا فیصلہ لیا مگر پھر سے کھیل الٹ گیا، اب بازی پائزن کے ہاتھ سے نکل کر فارس شاہ کے ہاتھ میں تھی۔

یہ بلکل غیر متوقع تھا، پائزن اس سے اندر تک ہلا تھا۔

لیکن آج اس نے رعایت دینے کے سارے جذبات دفن کر دیے تھے، دن کو اس کاٹیج سے نکل کر وہ باسط کو اسکا کام مکمل کرنے کا حکم دے چکا تھا۔

تبھی جس وقت مہکار ہونی سے باہر نکلی تو ایک تیز رفتار گاڑی منٹوں میں آئی اور پتا بھی نہ چلا کہ مہکار کو وہ لوگ لیے زمین میں چلے گئے یا ان لوگوں کو آسمان نگل گیا۔

فارس جانتا تھا یہ سب صرف پائزن ہی کر سکتا ہے تبھی وہ پیچھا کرنے کے بجائے آج مطمئین ہوا تھا۔

"تو وقت آ گیا ہے مہکار، کہ تم یہ دیکھ لو کہ فارس شاہ کے علاوہ تمہیں کوئی قبول نہیں کر سکتا۔ اب تم پر وہ درندہ کوئی رحم نہ کرے یہی چاہتا ہوں۔ تم وہ سب سہو جس کی بھینٹ مجھے چڑھاتی رہی ہو۔ جان بابا میں آ رہا ہوں ملنے"

عون کے اکاونٹ پر ایک اور میسج ٹائپ کیے وہ اسے یو آن کو رات تک لینے آنے کا کہے ساتھ ہی اپنا اکاونٹ لاگ آوٹ کرتا گاڑی سٹارٹ کر گیا۔

اسکا رخ اب یو آن کے سکول کی طرف تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"آپ مجھے بھول گئے، حیرت ہے۔۔۔ حالانکہ جسے جیتے جی مارا ہو اسے کیسے بھلایا جا سکتا ہے"

رات کے کسی پل زویا کی کال آنے پر وہ رات ہانپ اٹھے تھے، انھیں امید نہیں تھی وہ سب زخم ہرے کرنے لوٹ آئے گی، وہ تو بس وفا کے رکنے کا بتانا چاہتی تھی پر انا نے مجبور کیا کہ اس بے حس کو تکلیف سے گزرا جائے۔

"میں نے کچھ نہیں کیا تھا زویا، سب تمہاری خود ساختہ سوچ کا نتیجہ تھا۔ گڑھے مردے اکھاڑنے سے بہتر ہے کہ ہم اپنے بچوں کی زندگی پر توجہ دیں"

رات نہال نے بھی جیسے پر اعتماد ہو کر اپنے ڈر کو چھپانا چاہا مگر زویا کتنی ہی دیر اس پر ہنسی تھی۔

آفس میں تنہا بیٹھے کسی غیر مرئی نقطے پر سرخ نظریں گاڑے وہ سر اسر تکلیف میں تھے۔

صبح بھائی کی جانب سے تھپڑ کی جلن انکا اندر سلگا رہی تھی وہیں رات زویا کی کہی باتیں خنجر سی کاٹ کر جسم نوچ رہی تھیں۔

"آپ نے کچھ نہیں کیا؟ پوری یونی کے سامنے مجھے بے وقعت نہیں کیا تھا؟ میں ہر طرح ہادیہ سے افضل تھی۔ پڑھائی میں، شکل وصورت میں یہاں تک کہ آپ سے عشق میں بھی۔۔۔ میں کتنا روئی اللہ کے سامنے بھی، دنیا کے سامنے بھی کہ کوئی ہے جو میری رگوں سے نہال بخاری کو نکال دے۔ آپ سے جڑا وہ جذبہ جو زویا کی زندگی تھا، اس اذیت وملامت سے بھرے دن کے بعد وہ میری نبض سے زندگی اچکتا تھا"

رات زویا کی آواز کا درد اور تکلیف اب تک نہال کی آنکھوں سے خون ٹپکا رہی تھی، سماعت اسکی سسکیوں پر بین کر رہی تھی۔

وہ یہی سوچ رہے تھے کہ آخر انھیں سزا ملی کس گناہ کی، ہادیہ سے محبت کی، یا زویا کی محبت کا مزاق بنانے کی۔

وہ بہت سہانا اور عام سے کہیں گنا روشن دن تھا، نہال اس روز اپنے سخت رویے کی معافی مانگنے زویا کی برتھ ڈے پارٹی میں اسکی دوستوں کے ساتھ ہی شامل ہوئے تھے، نہال کا مزاج تب ایسا بے حس نہ تھا بلکہ وہ اگر کوئی برا کام کر بیٹھتے تو تب تک بے قرار رہتے جب تک اسکی تلافی نہ ہوتی اور یہی بات انکی ہادیہ، اور دوسرے دو گروپ ممبرز کو سخت ناگوار گزرتی۔

اس روز زویا کی تین سہلیاں اسکی برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے یونی ہی کے کیفے کو سجوا رہی تھیں، پورا کیفے جگمگ کرتا آنکھوں کو فرحت دے رہا تھا۔

یہ بات کہیں سے ہادیہ تک پہنچی تو اس نے نہال کی اس حرکت کو بے وفائی گردانے اپنی کلائی بھی ویسے ہی کاٹ لی جیسے کچھ دن پہلے زویا نے کیا۔

اور پھر وہ جو زویا سے معافی مانگنے اسکے لیے تحفہ لیے آئے تھے، اپنے اندر کا تمام غصہ، حقارت اور نفرت زویا پر انڈیل گئے۔

کئی سٹوڈنس کے سامنے وہ شخص اسے قابل نفرت اور حقارت بنا کر آخری سانس تک دیکھنے کی حد تک بھی ممنوع کیے چلا گیا۔

اور وہ نہال بخاری کے کہے لفظوں سے رہی سہی مر گئی، ہمت نہ ہاری۔

اگلے دو ہفتے لگتار یونی آئی، ہادیہ کا ڈرامہ کامیاب رہا تھا اور نہال نے اس سے وعدہ کیا کہ نہ تو وہ اب زویا سے بات کرے گا نہ دیکھے گا بلکہ یہاں تک کہہ بیٹھا کہ اس جیسی مینٹل کی جگہ یونی نہیں بلکے پاگل خانہ ہے۔

وہ دو ہفتے نہال کے گروپ کے لوگ یونی نہ آئے، نہال اور ہادیہ کا نکاح اسی دو ہفتے کے بیچ ہو گیا اور رخصتی پڑھائی کے بعد۔

زویا جہاں جاتی سٹوڈنس اس پر ہنستے، اسے دھتکاری ہوئی، منحوس اور نا جانے کیا کیا کہتے۔

وہ دو ہفتے زویا نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا مگر دو ہفتے بعد خبر آئی کہ نروس بریک ڈاون کے باعث وہ کومہ میں چلی گئی۔

تین ماہ کومہ میں رہنے کے بعد وہ جاگ تو گئی لیکن اسکا مستقبل، اسکے خواب، اسکی خوشیاں، اسکے سارے سکھ ابدی نیند سو گئے۔

زویا کے بابا ایک حادثے میں ہی وفات پا گئے تو ساری جاگیر کی مالک ماں فردوس بیگم بنی اور آگے سے دو ہی اولادیں تھیں، بیٹی اجڑی لیکن اس سفاک عورت کو پرواہ نہ تھی، اسے بس اپنی حاکمیت عزیز تھی، زویا بچپن سے اپنے بابا سے اٹیچ تھی، انکی وفات نے اسے پہلے ہی بہت ادھورا کیا تھا۔

زویا کے بھائی فراز بھلے اپنی ماں کے لاڈلے تھے مگر فردوس بیگم اسکی شادی اپنی بہن کی بیٹی سے کرنے پر بضد تھی مگر وہ لڑکی ایک تو نئویارک کی پیداوار تھی دوسرا وہ فراز ہمانی کو بہت زہر لگتی، انکا دل تو بازار حسن کی ملکہ وجیہہ کے پاس تھا اور وہ کئی سالوں سے فراز ہمانی کی حفاظت میں رہ کر کوٹھے پر صرف رقص و سرور کی محفل سجانے تک محدود تھی۔

فراز ہمانی نے بارہا اپنی وجیہہ کے بارے مرضی ماں کو بتائی مگر وہ عورت اس کو اپنے شان پر ضرب محسوس کیے صاف انکار کرتی رہی مگر فراز کسی صورت وجیہہ سے دست برداری پر آمادہ نہ ہوئے اور اس سے نکاح کر لیا۔ کئی سال تک وہ اس نکاح کو خفیہ رکھنے پر کامیاب ہوئے یہاں تک کہ گرے آنکھوں والا کاشان انکی وجیہہ انھیں دے کر مزئد دل کی ملکہ بن گئی۔

وقت گزرتا گیا اور فردوس بیگم نے انتہائی سفاک چال چلنے کا فیصلہ لیا، زویا اس واقعے کے بعد سب سے اچاٹ بس اپنی آرٹ گیلری تک محدود ہو گئی، وہ نہ بولتی نہ ہنستی نہ روتی بس زندگی گھسیٹتی جا رہی تھی۔

فردوس بیگم نے آخرکار خود کو نقصان پہنچانے کا ڈرامہ کیے فراز کو دوسری شادی پر مجبور کیا، وہ لڑکی جو فراز کی دوسری بیوی بنی ایک سر پھری اور شرابی عورت تھی، دو سال کے بعد ایک بیٹا عائش دے کر شراب کے زیادتی سے استعمال کے باعث وہ پھپھروں کے کینسر میں مبتلا موت سے جا ملی۔

پھر چار و ناچار فردوس بیگم کو اپنی ناک بچانے کے لیے اور عائش کی پرورش اور دیکھ بھال کے لیے وجیہہ اور اس کاشان کو حویلی آنے کی اجازت تو دے دی مگر یہ اس عورت کی سفاک چال ثابت ہوئی۔

عائش کو تو وہ خود سنبھال سکتی تھی مگر اس حویلی میں وجیہہ اور اسکی اولاد کو لانے کا بہت بڑا مقصد تھا۔

اس نے اس چھوٹے سے دس بارہ سالا کاشان کو ناجائز کہہ کر ٹارچر کرنا شروع کیا، وہ وجیہہ پر بھی فراز کی غیر موجودگی میں تشدد کرتی اور کاشان کو کئی کئی گھنٹے کمرے میں بند اسکی دلخراش چینخیں سنتی، وہ دس سالا بچہ جسے اسکی سگی دادی نے جانوروں سے بڑھ کر تکلیف دی۔

اور پھر قدرت کی کرنی ایسی ہوئی کہ وجیہہ اور کاشان کا آخری سہارا افراز بھی ایک حادثے میں مر گیا۔

بابا کی موت نے کاشان کو اسی بچپن میں قبر نشین کر دیا، اب تو ہمانی حویلی کی اکلوتی حاکم اور سردارنی بھی فردوس تھی جس نے عائش کو تو سینے سے لگایا مگر وجیہہ اور کاشان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا۔

وجیہہ اپنے دور کی خوبصورت اور پیاری سی لڑکی، جسکے نازک وجود کو فراز ہمانی نے پھول سا چھوا تھا، ایک روز آگ کی لپیٹ میں آکر جل گئی۔

ایک اور جنازہ، کاشان ہمانی کو لگا اب جو قبر بنی ہے اس میں وہ بھی دفن ہو گیا ہے۔

لیکن پھر وقت نے پلٹا کھایا، زویا ہمانی اپنی دو سال کی لمبی نیند اور غفلت سے باہر نکلی۔

وہ اپنے بھائی کے جگر کے ٹکڑے کاشان پر ہوتے ظلم پر چپ نہ رہ سکی، فردوس بیگم نے کاشان کو ناجائز اولاد کہہ کر اچھوت کی طرح اپنے سرکل میں متعارف کروایا اور اپنے مرے بیٹے تک کی حرمت کو پیروں تلے روندا۔

زویا بنی اسکا سہارا، وہ جو بس مردہ وجود لیے سانسیں بھرتا اپنی ماں اور بابا کی موت سے مر گیا تھا، اسے اپنی اکلوتی پھپھیا نے سمیٹا۔

وہ اپنا دکھ پیچھے چھوڑے کاشان کی ماں بن گئی۔

اپنی ماں سے ٹکرا گئی۔

عائش نے تو اپنی ماں اور دادی کی ساری عادتیں بچپن سے لے لیں تھیں، وہ ایک نمبر کا لوفر، بت تمیز اور نالائق تھا، کاشان اس سے بہت بڑا تھا تب بھی وہ اسے ٹھڈے اور لاتیں مارے پیٹ دیتا، اور کاشان اف تک نہ کرتا۔

لیکن زویا یہ سب برداشت کرتے تھک گئی، اس نے کاشان کے اندر کا خوف، تکلیف اور اذیت اسکی کمزوری کے بجائے مضبوطی بنائی۔

پھر وقت نے پلٹا لیا اور کاشان ہمانی از سر نو ناانصافیوں، تکلیفوں کے بعد پھر سے نمودار ہوا۔

اب وہ نہ کمزور تھا نہ بے بس، اپنی سفاک دادی کو بھی سخت سزا نہ دی، لیکن اپنی ماں پر توڑے ظلم پر وہ اسے بخش بھی نہ پایا۔

راتوں کو ڈر کر اٹھ جانے پر جسے تنہائی، وحشت اور اذیت اور ڈراتی اسے زویا نے مضبوط بنایا، وہ بھلے خود زندگی کے سفر سے ہار گئی لیکن جینے لگی، کاشان کے لیے، اور وہ بھی آج اگر اس قابل تھا تو صرف زویا کی وجہ سے، جس نے کاشان کو اپنے ساتھ ہوئے مظالم کا بدلا لینے کے لائق بنایا۔

عائش کو وہ چاہ کر بھی سخت سزا نہ دے پاتا تھا کیونکہ جیسا بھی تھا وہ اسکے بابا کی امانت تھا۔

پائزن بننے کا سفر اسکی مجبوری تھی، وہ پڑھا لکھا، ماہر، چال باز، شاطر اور ذہین و فطین تھا تبھی اسے مافیہ کے لیے چنا گیا تھا۔

یہ اسکے اختیار میں نہ تھا، قاہر مہران کے لوگوں نے اس کو بس حکم سنایا تھا۔

اپنی جنگ وہ آج بھی ایمانداری سے لڑ رہا تھا، زویا نے اسے اپنے پیروں پر کھڑا کیے اسکا سہارہ لے کر خود کو بس آرٹسٹ تک محدود کیا۔

نہال بخاری کے دیے زخم نے اس کو جتنا توڑا، ماں کی بے رحمی نے اسے اتنی ہمت دی۔

اور رات وہ پھر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی، کب کوئی اپنے آپ کو بے وقعت کرتا ہے بھلا جان کر۔

اسکا ماضی دردناک تھا، لیکن نہال بخاری کا سفاک تھا۔

اب اسکی آنکھوں میں خسارے کی نمی تھی۔

اب وہ سمجھا تھا اسے ان کہی بددعا آخر لگی کس کی ہے۔

"میرا تو آئینہ تھے آپ، جس میں زویا اپنے آپ کو دیکھ کر اتراتی تھی۔ پھر میرا آئینہ مجھ سے کھو گیا، میں نے سنورنا چھوڑ دیا تھا کہ کسے پڑی تھی اب اپنی۔ میں کرچی کرچی ہو کر کیسے واپس جڑی نہال بخاری، کاش آپ کو اندازہ ہوتا۔ میں مر کر دوبارہ جی صرف کاشان کے لیے۔ اب اگر وہ چاند تارے توڑ لانے کی خواہش کرے تو بھی قبول مجھے۔ وہ عام انسان نہیں ہے اس لیے اسکی محبت اور نفرت میں فرق نہیں زیادہ۔۔۔ وفا آج یہیں رکے گی۔ یہی بتانے کال کی تھی"

یہ آخری کربناک لفظ تھے جو رات زویا کی تڑپتی آواز کے سنگ نہال کی سماعت میں اترے تھے۔

اب ایسا تھا کہ اپنے عمر بھر کے خسارے پر نہال بخاری اپنا دل جکڑے بیٹھے تھے۔

"یا میرے اللہ، میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔ کیا محبت اتنی بڑی رسوائی ہے؟ نہیں۔۔۔۔ حساس اور نرم دل سا نہال بخاری مر چکا ہے، وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ میری کی گئی غلطیاں شاید بہت زیادہ ہیں کہ اب معافی کا آپشن مسترد ہو گیا۔ لیکن مجھے بے سکونی سے مت جوڑیں میرے اللہ، میں مر جاوں گا اس احساس جرم سے۔۔۔۔"

اپنا سر ہاتھوں میں گرائے وہ ہار گئے تھے، آواز میں اک ہوک تھی، اب وہ بے داغ و پرکشش چہرہ بھیگ رہا تھا، ہاتھ سے جاتے سکھوں پر وہ شخص ماتم میں تھا اور ہاتھوں سرزد ہوتے گناہ انھیں قطرہ قطرہ مار رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

'بہاراں' نامی حسین طرز و زیبائش پر تعمیر ہوا فریال اور وفا کا مشترک کچن یہاں شہر سے الگ ہو کر بھی خاصی مشہور جگہ سمجھی جاتی تھی، پورے کچن کا انداز علاقائی، چاروں موسموں کی تھیم کے سنگ ترتیب دیا جاتا تھا، خوبصورت نظارے، پھولوں پر آئی بہار نے تو بہاراں ریسٹورنٹ کے باغیچوں میں رنگوں کا سیلاب لایا تھا، یہاں کام کرنے والی وہ ہاوس وائفس اور عورتیں تھیں جو ضرورت مند تھیں۔

یہاں سے انھیں ایک اچھا روزگار میسر آتا تھا، فریال بخاری کی لگن اور توجہ سے کہیں زیادہ یہ چھوٹی سی دنیا انکے خواب کی تعبیر تھی۔

جب وہ وحید صاحب کی زندگی میں بیاہ کر آئیں تھیں تو وہ اس سے پہلے بھی ایک ریسٹورنٹ میں ایز آ شیف جاب کرتی تھیں۔

لیکن شادی کے بعد انھیں اس کام کو وقتی طور پر خیر آباد کہنا پڑا، زیادہ بچوں کا تو جھنجھٹ نہ تھا، اکلوتا عون تھا جسکے زرا بڑے ہوتے ہی فریال نے اپنی یہ چھوٹی سی خود کی دنیا بنالی۔

بقول انکے فارغ رہنا زندگی کے حسن کو دیمک لگاتا ہے اور انکی اس سوچ پر وحید صاحب نے انھیں پورا سپورٹ کیا۔

بعد ازاں وفا بھی دلچسپی کے باعث انکے کچن کا چھوٹا سا حصہ بنی رہی، پھر این جیو کے بعد اس نے وہاں کی کافی ہنر مند اور ماہر کھانا پکانے والی بے سہارہ لڑکیوں کو کچن میں جاب دلوائے اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی تربیت دی۔

ان میں سے کئی ماہر لڑکیاں تو اب بڑے بڑے ریسٹورنٹس میں بھی اعلی پوسٹ پر جاب کر رہی تھیں۔

اپنی اب تک کی زندگی میں وفا بخاری سمجھتی تھی کہ وہ ناقابل شکست ہے، وہ لوگوں کو پڑھنا، سمجھنا اور جانچنا سیکھ گئی ہے لیکن کبھی بھی اس زمانے کو مکمل سمجھنے کا دعوی کرنا نہیں چاہیے۔

وہ آج فریال کی خواہش پر یہاں آئی تو تھی مگر پہلے کی طرح نہ آج دل خوش تھا نہ یہاں کی رعنائی دل تک آتر رہی تھی۔

وہ بس سبکو کام کرتا دیکھتی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی، موسم کی دلکشی اسے بھانی ختم ہو رہی تھی، اک دبی سی چنگاری تھی جو دامن میں سلگ رہی تھی۔

وہ چاہ کر بھی کل رات کی سختی اور مشکل بھلا نہ پا رہی تھی۔

اور نجانے کیوں جب اس نے خود سے یہ پوچھا کہ کیا وہ کاشان ہمانی سے نفرت کرنے کو جاری رکھ سکے گی تو دل میں ٹیس اٹھی تھی۔

"خاموشیاں کہتی ہیں چیخوں

اداسیاں سوچوں میں دراڑ ڈالتی ہیں

ویرانیاں اندر اترتی جا رہی ہیں

خود کا بھرم رکھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے

یہ وہ غم ہے جو منانے کا سلیقہ نہیں آ رہا ہے"

لاشعور میں بہت سا شور تھا، عجیب سا، اسے ماریہ کی طرف سے خبر کی توقع تھی مگر فون پر آتی عون کی کال نے اسے تھوڑا متذبذب کیا۔

وہ اس وقت ہوسپٹل کے سپیشل کیئر روم میں وھاج سکندر کے بے جان وجود پر زخمی نظر ڈالتا فون کان سے لگائے پاس ہی کھڑا تھا۔

"کیا ہوا عون؟"

پک کرتے ہی فکر سے استفسار کیا، گویا اپنے اندر کی بے قراری چھپانا مشکل تھی۔

"بہت برا ہوا وفا، وھاج کومہ میں ہے۔ ہی از ان ہوسپٹل۔ پتا چلا ہے کہ رات اس کے سر پر کسی نے لوہے کی سلاخ سے وار کیا، فاریسٹ آفیسرز کو وہ زخمی ملا تھا۔ مجھے بھی گن کی وجہ سے خبر دے پائے ہوسپٹل والے کیونکہ اسکے پاس اسکا نہ والٹ تھا نہ فون"

یہ سنناوفا کے پہلے سے الجھے دماغ میں کہرام مچا گیا، وہ آنکھیں جو مشکل سے سوکھی تھیں، ان میں رنجیدگی نے پھر سے دھند اتار دی تھی۔

سنو۔۔!!!!!

مُجھے تُم سے بہتر کی خواہش۔۔۔۔ نہ تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی کبھی۔۔۔۔ مُجھے تمھاری ضرورت تھی، ہے اور تا حیات رہے گی۔۔ لیکن یہ کیا ہو گیا؟؟؟؟

کچھ اندر ہی اندر کرلایا تھا، جسم و جان پر بوجھ بڑھ گیا تھا۔

"کیا تم مجھے ہوسپٹل کا ایڈریس دے سکتے ہو، مجھے دیکھنا ہے اسے۔ اسکی امی اور بھائی کو اطلاع مت دینا، وہ پریشان ہو جائیں گے"

اپنی گال پر اتر آتی نمی فوراً ہٹائے وہ عون سے دریافت کرتی ساتھ ساتھ تاکید کیے مڑی، باہر ہی رکھے میز پر سے اپنا بیگ اٹھائے اندر بڑھی۔

عون نے اثبات میں سر ہلاتے ہی فون بند کیا اور اپنی لوکیشن وفا کو سینڈ کی۔

فریال کو اطلاع کرتی وہ فوراً ہوسپٹل کے لیے نکلی، ایک گاڑی کچھ فاصلے پر وفا کی گاڑی کا پورا سفر پیچھا کرتی رہی۔

قدموں میں جیسے بجلی بھری تھی، وہ مضطرب سی اندرونی طرف بڑھی، کاونٹر پر کھڑی لڑکی سے مطلوبہ روم کا پوچھا اور یہ کھٹن مسافت طے کرتی وہاں پہنچی تو عون باہر ہی کھڑا ڈاکٹر سے وھاج کی کنڈیشن کے بارے پوچھ رہا تھا۔

وفا اسے اشارہ کیے سیدھی روم ہی کی طرف بڑھی۔

دروازہ ہلکا سا دبائے وہ اپنے بھاری من وزنی قدم اٹھاتی قریب چلی آئی، چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی، وہ جیسا بھی تھا، اریٹیٹنگ تھا لیکن کم از کم وفا بخاری کے سائے تک کا احترام کرتا تھا۔

آج زندگی میں پہلی بار وہ اس کے لیے رونا چاہتی تھی جو اسے کھو بیٹھا تھا، اور اس پر ہنسنا چاہتی تھی جو اسے پا چکا ہے۔

دھیرے سے رہا سہا فاصلہ طے کیے وہ ان بند آنکھوں سے خوفزدہ تھی، وہ آنکھیں جو وفا کو ہمیشہ محبت سے دیکھتی تھیں، کیوں بند تھیں، کیوں وہ ایک اذیت میں مبتلا تھی۔

وہ بھلے ہر درد سے بے نیاز ہو کر لیٹا تھا، لیکن اسکے دل کی حالت کی تپش وفا تک پہنچ رہی تھی۔

"تمہارا نصیب تمہاری محبت کی طرح مہربان نہیں ہے وھاج سکندر، نہ تمہیں خوشی دے پایا نہ تمہیں میری خوشی بننے دیا۔ لیکن آج پہلی بار محسوس ہوا ہے کہ تمہاری تکلیف مجھ پر اثر کرتی ہے"

وہ تو وفا تھی لیکن اسے اس وقت صرف اپنا آپ ہوا میں منتشر محسوس ہو رہا تھا، کیا واقعی اس دیوانے کا نصیب سیاہ نشینی تھی، ہر بار ناکامی آخر کیوں۔

شدید اور بے لوث محبت ہار گئی تھی۔

وحشی جنون جیت گیا تھا۔

"میں کسی کو اپنی تکلیف ن۔۔ نہیں بتا سکتی، شاید تم ہی واحد ہو جو وفا کو وفا سے زیادہ سمجھتے ہو۔ یہ آخری راہ کیسے بند کر سکتے ہو تم وفا پر، تم اس۔ سطرح لاتعلق نہیں ہو سکتے۔ تمہیں لمبی نیند نہیں سونا تھا۔۔۔۔ تم نے وفا کو بچانا تھا، ن۔۔ نہیں بچا پائے"

وہ بکھری ہوئی آج تو وفا تھی ہی نہیں، وہ پچھتاوے کی آگ میں جلتی وہ لڑکی تھی جس کے ساتھ قسمت نے مزاق کیا تھا۔

ساری دنیا کے مرد اسے کاشان ہمانی لگ رہے تھے سوائے دنیا وجہاں سے بے خبر سے وھاج سکندر کے جس کے ذمے قدرت نے کچھ زیادہ ہی امتحان لکھ دیے تھے۔

کب روتے روتے وہ تکلیف سے لڑکھڑا گئی کہ عون کے بروقت آکر سنبھالنے پر بس اسکی جانب رخ موڑے اسکے سینے میں مکمل چھپ کر باقی کا روئی تھی۔

عون کے لیے وفا کے آنسو اتنے کم وقعت تو نہ تھے کہ وہ اسے اس بری طرح تڑپ کر رونے دیتا لیکن جس طرح وہ کرب والم سے آدھی ہو رہی تھی یہ عون بخاری پر کئی معاملات سے پردہ اٹھا گیا۔

"عون میں بہت ت۔۔ تکلیف میں ہوں، تم کوئی سوال مت کرنا بس۔۔۔ تم میرے دوست ہو ناں، پردہ رکھنا کہ وفا روئی ہے"

وفا کے گرم آنسو عون کی شرٹ بھگو رہے تھے اور وہ اسے خود میں سمیٹتا بس اسکے حکم پر زخمی ہو رہا تھا، اس لڑکی کی ایک آہ تک نا قابل قبول تھی پھر یہ تو کوئی لافانی روگ لگا تھا۔

"لیکن جی بھر کے رو لینے کے بعد تم مجھے بتاو کیا ہوا ہے میری بہادر وفا کو، کون ہے ان آنسوؤں کی وجہ۔ باخدا اس انسان کی جان لے لوں گا"

نرمی سے اسکے سر کو تھپکتا وہ پلوں میں وحید بخاری جیسا بن گیا تھا، بڑا، سمجھدار اور حساس۔

وفا کیا بتاتی کہ اسے ٹکڑوں میں توڑنے والے کئی اسباب ہیں۔

"بس ایسا سمجھو کہ مجھ پر نا گہانی آفات ٹوٹ پڑی ہیں، یہ کب تک ٹھیک ہو گا عون۔ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹرز"

رسانیت سے بات ٹالے وہ اب اسکے ساتھ لگی وھاج کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی جس پر عون نے بھی اک سرد سی سانس بھری۔

دیکھ وہ بھی وھاج سکندر کو رہا تھا۔

"ڈاکٹرز تو پر امید ہیں لیکن بہت گہرا زخم لگا ہے اسے، نا جانے اس ظاہری زخم کے علاوہ اندرونی کتنے درد پال رکھے ہیں اس نے"

وفا کے جواب میں وہ آخر تک بتا تا بتا تا تلخ ہوا تھا، وفا نے گردن موڑے شکوہ کناں نظروں سے عون کو دیکھا جیسے اس سے اس بات کی توقع نہ رکھتی ہو۔

"میں کچھ دیر یہیں رہنا چاہتی ہوں، تم جاو"

عون اسکے آنکھ چراتے بیزار حکم پر منہ بسورتا ایک ہی جھٹکے سے وفا کو اپنی سمت موڑے اسکی بھیگی سمندر آنکھوں میں آنکھیں گاڑے غضبناک ہوا۔

"یہ سب تم نے مجھ سے چھپایا، مجھ سے ۔۔۔۔ اسکا دکھ رہے گا وفا۔ اب تم نے میرے اور اسکے ہاتھ باندھ کر زیادہ بڑا ظلم کیا ہے"

بھیگی پلکوں نے عون کے شکوے پر نمی رخساروں تک پہنچائی تھی، وہ خود بھی تو اداس تھا، ہاتھ کی پشت سے اسکی گال خشک کیے امید بھری نظر ڈالتا باہر نکل گیا مگر وفا نے تو اب ہر امید چھوڑ دی تھی۔

اسے نا چاہتے ہوئے بھی اپنے نام کی لاج رکھنی ہی تھی، وھاج سکندر کو بس دیکھنا ہی ممکن تھا۔

"میری غلطی یہ ہے کہ بروقت تمہاری قدر نہ کی، اسکی سزا تو سہنی پڑے گی۔"

خود کلامی کرتی وہ کچھ فاصلے پر رکھے صوفے پر ہارے انداز سے جا بیٹھی، اب ہاتھ خالی تھے، مقدر سیاہ تھا۔

اب صرف ماتم تھا، ایک ہوش میں کیا جانے والا موت اور ایک حواس کھو کر سہا جانے والا سوگ۔۔۔۔

وہ پہلے تھا تو میری دسترس میں

مجھے اس کی ضرورت اب ہوئی ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوسپٹل سے نکل کر وہ سیدھا اپنے آفس ہی پہنچا، مگر فون چیک کرنے پر کسی فیک اکاونٹ سے آتے دو میسج عون بخاری کا خون کھول دینے کو کافی تھے۔

فوراسے بیشتر وہ آفس سے واپس نکلا، سیدھا منیہا کی یونی گیا۔

محترمہ پہلے ہی یونی کے ویٹنگ ایریا میں بیگ کندھے پر لٹکائے پاوں جھولنے میں مگن تھی، سب لڑکیاں لڑکے جاچکے تھے اور وہ عون ہی کا ویٹ کر رہی تھی، میسج بجنے پر منہ بگھاڑ کر اٹھی اور یونی گیڈ سے باہر نکلتی سیدھا جاکر عون کی گاڑی کا دروازہ کھولے اندر جا بیٹھی۔

"کسی سے ملاقات ہوئی تمہاری؟"

گاڑی سٹارٹ کیے جبڑے بھینچ کر سوال کیا گیا تھا۔

منیہا نے کھلے بال جھٹک کر پہلے تو حیرت سے گھوری نوازی مگر پھر صدمے میں مبتلا ہوئی۔

"آپ نے کیا میرے ساتھ کوئی جاسوس جن چھوڑ رکھا، آج بتادیں آخر"

اب وہ مہکار سے ملی تھی یہ خبر عون تک کیسے آئی، منیہا کا دماغ شدید گھوما۔

اور اپنے زچ کرتے لہجے سے پوچھ کر وہ عون کا دماغ بھی گما رہی تھی۔

"جو پوچھا ہے وہ بتاو"

عون کے سپید تاثرات ہرگز نہ بدلے، البتہ اس بار وہ گاڑی روک کر مکمل منیہا کے جواب کا منتظر اسکی جانب رخ موڑ گیا تھا۔

"ہاں ملی تھی، مہکار نامی ایک نیو لڑکی سے۔ ہماری تو دوستی بھی ہوگئی۔ کافی اچھی لگی، نیو تھی وہ یونی میں۔۔۔ آپکو کیسے پتا چلا کہ میں کسی سے ملی"

عون کی توجہ اور نرمی کے باعث وہ سب بنا کسی ڈرامے کے بتاتے ہوئے آخر تک تعجب کا شکار تھی۔

عون کا دل چاہا دو لگا کر اس لڑکی کا دماغ آج ٹھیک کر ہی دے۔

"لڑکی اور عورت کا فرق کرنا نہیں آتا تمہیں؟ وہ لڑکی کہاں سے ہے"

غصہ پیتا وہ جو عتاب و بے دھیانی میں کہہ بیٹھا، جلد ہی منیہا کی مشکوک نظروں سے اپنی سنگین غلطی پر سر پیٹنے کا دل چاہا۔

اب اس لڑکی کے سوالات عون بخاری کو نڈھال کرنے والے تھے۔

"ایک منٹ۔۔۔۔ اس بات کا کیا مطلب ہوا، آپ کو کیسے پتا اس کا بولیں۔ کون تھی وہ جواب دیں، سب جواب دیں ابھی کے ابھی ورنہ گاڑی سے کود جاوں گی"

عون جو جان چھڑوائے دوبارہ مشکل سے حلق سے کھینچی سانس بھرے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا، منیہا نے اسکے بازو کو اس شدت سے کھینچ کر غراتے انداز میں کہا کہ ایک لمحے کو گاڑی عون سے بے قابو ہوئی۔

بہت مشکل سے بریک لگائے وہ سڑک کے کنارے گاڑی لگاتا خونخوار ہوئے دھاڑا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا، یہ کیا حرکت تھی منیہا"

اور وہ سن ہی کب رہی تھی، ہنوز پتھر بنی وہ عون کی بازو میں اب اپنے نوکیلے ناخن گاڑ کر دیکھ رہی تھی جو اس تشدد پر منیہا کے ہاتھ سے اپنی بازو جھٹک گیا۔

"بولیں جو پوچھ رہی، کون تھی وہ لڑکی۔۔۔ میں نے تو اسے اتنا سب بتا دیا تھا، اپنے بارے۔ عون بولیں ناں نہیں تو رونے لگوں گی سچ بتا رہی۔۔۔"

اپنے آپ پر قابو پائے وہ روہانسی ہوئی، عون نے شاکی نظر منیہا پر ڈالی جو اپنی یہ بیوقوفی بتا کر اسے مزید غصہ چڑھا چکی تھی۔

"میری یونی فیلو ہے وہ، مہکار۔۔۔ پیچھے پڑی ہے میرے اور اسی وجہ سے تم تک پہنچی۔۔۔"

جان چھڑوانے کے لیے وہ سرسری سا تذکرہ کیے اپنی جان پھنسا بیٹھا تھا، منیہا کی آنکھیں سرخ انگارہ بنی عون پر تنی تھیں۔

"آئی ہیٹ یو۔۔۔۔ سمجھ آگئی۔ سب سمجھ آگئی۔ مجھ سے بات مت کیجئے گا اور قریب آنے کا تو سوچیے گا بھی مت"

منہ موڑے حکم سناتی وہ رو رہی تھی، عون نے اسکے رخ موڑنے پر اسکی طرف دیکھا جو ہاتھوں کی ہتھیلوں سے چہرہ رگڑ کر نجانے کس ماتم کو منانے لگ پڑی تھی۔
اس لڑکی کی حرکتیں اس بندے کا دل کاٹ کر رکھ گئیں۔

"منیہا۔۔۔۔"

اپنا ہاتھ بڑھائے وہ اسکے ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش میں دھیما سا بولا مگر وہ بری طرح اپنا ہاتھ جھٹک کر مزید پرے سرک کر جا بیٹھی۔

"یہ اچھا ہے، غصہ مجھے ہے اور منہ بھی خود سوجا لیا۔۔۔۔ یا اللہ مجھے صبر دیں"

دل تو یہی کیا تھا کہ سٹیرنگ پر ہی سر مار دے مگر فی الحال نہ چھیڑ ملنگاں نوں والا' حساب تھا تبھی عون نے اسے بس دیکھ کر ہی ٹھنڈی آہ بھرے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

پورا راستہ منیہا نہ تو سیدھی ہو کر بیٹھی نہ عون سے بات کی، گھر آتے ہی اپنا بیگ لیے نکل کر جانے لگی تو ایک آخری کوشش کیے عون بھی اترا اور اسکی بازو پکڑے راستے میں آن جما۔

منیہا نے اسکے ہاتھ کو بھی پوری قوت لگائے جھٹکا اور سینے پر دباو ڈالتی نظر چرائے تیز تیز قدموں سے اندر بھاگ گئی۔

عون کو بھی اس وقت واپس جانا تھا کیونکہ آج یو آن کو بخاری ولا لانے کا فیصلہ کیا تھا۔

منیہا کا معاملہ رات کو سلجھانے کا سوچے وہ واپسی کے لیے نکل گیا اور وہ جو خوامخواہ منہ پھلائے عون پر غصہ انڈیل کر اپنے کمرے تک پہنچی تھی، بیگ پوری قوت سے بیڈ پر پٹخے وہیں نیچے قالین پر بیٹھتے ہی آنکھوں میں عتاب اور درد بھرے اکھڑے اکھڑے سانس کھینچنے لگی۔

"تو وہ بدبو کہیں کی مجھ سے عون چھیننے کے لیے آئی تھی، تبھی عون کے ذکر پر اس لومڑی کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ م۔۔ مجھے نہیں بتایا ناں آپ نے اپنی معشوقہ کا۔۔۔۔ آئی ہیٹ یو۔۔۔ ک۔۔ کیوں کیوں کوئی اور آپکو دیکھے بھی۔۔۔۔۔ کاش اسکی آنکھیں نوچ لیتی میں۔۔۔۔۔ اف منیہا کیا ضرورت تھی اسے اتنا سب بتانے کی۔۔۔۔ ایک نمبر کی بیوقوف ہوں میں، ک۔۔ کچھ بھی نہیں آتا مجھے۔۔۔ کوئی بھی پاگل بنا سکتا مجھے۔۔۔۔"

اپنی کم عقلی پر اسے شدید دکھ ہو رہا تھا، اور اپنی غلطی کے باوجود وہ عون پر غصہ اتار آئی تھی جسکا اب کہیں دل ہی دل میں افسوس بھی تھا۔

دوسری طرف آفس کا کچھ کام ختم کرتے ہی شام تک عون، یو آن سے ملنے اسکے گھر گیا تھا۔

فارس عین اسی وقت خفیہ طریقے سے دوسری طرف سے نکل گیا تھا جس وقت عون کی گاڑی گھر میں داخل ہوئی۔

فارس کو فی الحال عون سے ملنا ٹھیک نہ لگا تھا، عون کی شاکی اور ناراض نظریں فی الحال وہ سہہ نہیں سکتا تھا تبھی ایک پیپر پر عون کے نام چند لائینز لکھ کر یو آن کو تھما گیا تھا۔

عون کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی یو آن جو لان میں کرسی پر بیٹھا اس فولڈ کاغذ کو اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا، مسکرانے لگا۔

عون نے گاڑی روکے نکل کر ایک مودب سی نظر چوکیدار بابا پر ڈالی اور لان ہی کی طرف چلا آیا۔

"میرا بچہ"

قریب آتے ہی عون نے اسے اٹھا کر پیار سے ماتھا چوما، یہ یو آن شاہ کی راحت تھی۔

"بابا نے کہا ہے میں آپکا بیٹا ہوں اب سے، میں عناب کے پاس رہ سکوں گا بڈی۔۔ آئی ایم سووووو ہیپی"

اس ننھی جان کی اصل خوشی تو عناب تھی، عون بھی اسکے خوشی سے جگمگاتے چہرے کی یہ رعنائی بر قرار رہنے کی دعا کرتا سر ہلائے نہ صرف خود کرسی پر بیٹھا بلکہ یو آن کو بھی ویسے ہی گود میں بیٹھائے اسکے ہاتھ سے وہ کاغذ لیا۔

"مہکار کے بارے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا، نہ تیری ناراضگی اور شکوے سے بھری نظریں سہنے کا حوصلہ تھا مجھ میں تبھی بنا ملے چلا گیا۔ مہکار کی زندگی اور اسکا کوئی اختیار اب مجھ سے رہا سہا بھی وابستہ نہیں رہا۔ وہ پائزن کے ہتھے چڑھ چکی ہے۔ پائزن کے لوگ میرے یو آن کو بھی نقصان دے سکتے ہیں، مہکار کو مجبور کرنے کے لیے پائزن میری ننھی جان یو آن کا استعمال کر سکتا ہے۔ میرا سفر اور میری جنگ بہت طویل اور بڑی ہے عون اس لیے میں اپنے جگر کے گوشے کو تیرے حوالے کر رہا ہوں۔ تا کہ ایک باپ کی کمی دوسرا باپ پوری کر دے۔ یہ یو آن شاہ ایک عام سا بچہ نہیں ہے، یہ فارس شاہ کی دھڑکن اور کل سرمایہ ہے جو میں تجھے سونپ رہا ہوں۔ آج سے یہ تیرا بیٹا ہے، اسے لے جا اپنے پاس۔ اپنے پروں کا سایہ دے اسے، مجھے یقین ہے میرا یو آن میرے بعد صرف تیرے پاس محفوظ رہے گا۔ اب میں بے فکر ہو کر اپنی جنگ لڑوں گا۔ یو آن شاہ کی زندگی، اسکے مستقبل اور بہتری کے سارے حق اب تیرے سپرد ہیں۔ ہو سکے تو میری ایک خواہش ضرور پوری کرنا۔ میرے یو آن کو اسکی ڈال دے دینا۔ وقت آنے پر پورے حق سے۔ میں اب تجھ سے اور یو آن سے کبھی مل سکوں گا یا نہیں اسکا علم نہیں مجھے لیکن جب بھی میں لوٹوں گا میرے پاس تیری

ہی چوکھٹ ہو گی واپسی کے لیے۔ اور ایک آخری بات عون بخاری، تو نے فارس شاہ کے لیے جتنی ذہنی اذیت اور تکلیف سہی اس کے لیے معاف کر دینا۔ تو میری جان ہے، میرا بھائی۔

فارس شاہ کو بھولنا مت، نہ یو آن کو بھولنے دینا۔ اللہ سے دعا کروں گا کہ مرنے سے پہلے فارس شاہ کی بصارت تیرا چہرہ ضرور دیکھ پائے۔

یو آن کا خیال رکھنا، فی امان اللہ"

یہ لفظ نہیں تھے، یہ تو درد کا سمندر تھا۔

ناچاہتے ہوئے بھی عون کی آنکھوں کے کنارے نم ہوئے، جیتے جی یار سے جدائی بڑی ظالم شے ہے۔

وہ آنسو بہانا چاہتا تھا اس جدائی پر لیکن یو آن کی امید اور خوشی سے بھری آنکھیں اسے سنبھلنے پر مجبور کر گئیں۔

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اسکے چاروں طرف اتنی تکلیف کیوں ہے۔

نو سال بعد پھر وقت کا دائرہ اسی جگہ ان رکا تھا، کیا فائدہ ہوا مہکار پر رحم کرنے کا جو رحم کے لائق تھی ہی نہیں۔

یو آن تو اسے ویسے بھی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا، کبھی بھی اسے اپنی اولاد سے کم نہ لگا تھا مگر فارس نے ایک بار پھر عون کے کندھے بوجھ سے جھکا دیے تھے۔

"بڑی۔۔۔ کیا اس لیٹر میں کوئی تکلیف دہ بات لکھی ہے بابا نے"

عون کی سرخائی گھلی آنکھیں وہ بھی دیکھ کر اداس تھا، معصوم سا سوال عون کو مزید درد دے گیا۔

"نہیں بچے، بس جدائی کا حکم ہے۔ جیسے وہ تمہارے بابا ہیں ویسے میرا اکلوتا یار ہے"

عون نے اسکی گال سہلائے بہلایا۔

"آپ کو ان سے دور رہنا مشکل لگتا ہے میری طرح؟"

وہ بچہ حساس ترین تھا، عون تھکا سا مسکرایا۔

"اپنوں سے دور رہنا اور ہونا مشکل ہی ہوتا ہے چیمپئین"

گویا اس سے زیادہ مفصل وضاحت ممکن ہی کب تھی۔

"کیا سب ویسا نہیں ہو سکتا بڑی جیسا ہم چاہیں؟"

موہوم سی امید کا دامن پکڑے آس زدہ سوال تھا، سرسری سی اذیت سے گندھا ہوا۔

"شاید نہیں۔۔ قسمت کے فیصلے ماننا تھوڑا مشکل ہوتا ہے یوئی، بہت بوجھ ہوتا ہے انکا۔ اور ایک بات یاد رکھنا سب سے بھاری فرض حفاظت کا ہوتا ہے، انسان کے اپنے وجود کے ٹکڑے ہوا میں بکھر جاتے مگر وہ حصار بننا نہیں چھوڑتا اس پیاری چیز کا۔۔۔ تم میرے لیے وہی پیاری چیز ہو جسکا حصار بننا ہے مجھے"

جان نثار لہجہ یوئی کی محبت سے اٹا تھا، وہ گہری رنگ بدلتی آنکھوں والا بچہ مسکرا دیا تھا۔

دکھ اور درد نظر انداز کیے وہ اچھی بات کو یاد رکھے مسکرایا تھا۔

"میں آپکی مشکل نہیں بنوں گا بڑی، میں خود کا خیال خود بھی پورا رکھوں گا۔ عناب کتنا خوش ہوئے گی ناں، وہ بہت روئی تھی جب میں نے اسے جانے کا بتایا۔ اب تو جب میں ویک اینڈ پر آیا کروں گا تو سارا وقت میری ڈال کا ہو گا۔ میں بہت خوش ہوں بڑی"

زندگی سے بھرا ہوا انداز عون کو بھی اذیت سے کھینچ باہر لایا تھا، ناجانے کیوں مگر عون بہت حسین مسکرایا تھا۔

یہ مسکراہٹ فارس شاہ کی خواہش پر تھی۔

"بلکل۔ چلو پھر اپنا سامان پیک کرو ضروری تاکہ ہم اس جگہ کو چھوڑ کر جائیں"

اپنی گود سے اتار کر وہ اسکے بال سہلائے بولا مگر یوئی جاتے جاتے رک کر پلٹا تو عون بھی متوجہ ہوا۔

"بابا نے کہا ہے کہ ممی کسی اہم کام سے دور چلی گئی ہیں، ان سے ایک غلطی ہو گئی ہے جسکی پنیشمنٹ ملی ہے۔ جب کبھی مجھے ممی کی بہت ساری یاد آئے تو میں کیا کروں گا۔ میرے پاس تو انکا کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں"

قریب آئے عون کا ہاتھ اپنے ننھے ہاتھوں میں لیے وہ بھرائی آنکھوں سے عون سے سوال کر رہا تھا، وہ ماں کے لیے بھی اتنا ہی تڑپنے والا تھا جتنا بابا کے لیے۔

"جب ممی کی یاد آئے تو تم میری ممی سے زور سے لپٹ جانا، مائیں تو سبکی ایک سی ہوتیں۔ میری مما بہت سارے بچوں کی مما ہیں۔ لیکن میرے چمپئین ہونے کے ناطے تم انکے لیے بہت سپیشل ہو گے۔ کبھی اپنے آنسو اپنے بڈی سے مت چھپانا یو آن، بس چپ چاپ آ کر گلے لگ جانا۔ پرامسس ود می"

اسکے قدموں میں بیٹھے وہ یوئی کے دونوں نرم سے سرد پڑتے ہاتھ چومے اسکی آس ٹوٹ کر کرچیوں میں بٹتی آنکھوں میں جھانک کر وعدہ مانگ رہا تھا۔

"پ۔۔۔پرامس"

دونوں ہاتھ چھڑوائے، عون کی گردن میں بازو لپیٹ کر ساتھ لپٹ گیا، اس کی آواز میں بکھری تکلیف کب عون سے مخفی تھی۔

وہ پوری شان سے یوئی کو گھر لایا تھا، فریال صاحبہ کو عون اپنی زندگی کی ساری سچائیاں اول دن سے ہی بتاتا آیا تھا اور یہاں تک کہ وحید صاحب بھی واقف تھے تبھی یو آن شاہ کا استقبال اسکے شایان شان ہوا۔

سب سے خوش تو ہری آنکھوں والی ہرنی تھی، جسکا بس نہ چل رہا تھا یوئی کے ارد گرد تتلی بنے ہالے بنانے لگتی، وہ اتنی خوش تھی کہ اس ننھی پری کی آنکھوں میں خوشی سے نمی جھلملا رہی تھی۔

اسے خوش دیکھ کر اور اس قدر انتہائی خوش دیکھ کر سب ہی اپنا دکھ بھول گئے تھے۔

نہال بخاری اپنی تذلیل بھول کر چھپ کر عناب کی کھکھلاتی ہنسی ٹیرس سے دیکھ رہے تھے، وحید صاحب کا صبح والا غصہ اور ٹینشن اس پری کے ننھے منھے قہقہوں نے دور کر دی۔

وفا کو لگا وہ تھوڑی ہی سہی پر صدمے سے نکل گئی ہے۔

منیہا کا منہ سوجھا تھا جسے عون اپنے طریقے سے ٹھیک کرنے کا سوچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آہہ۔۔۔چ۔ چھوڑ دو مجھے۔۔۔ کون ہو تم"

کوئی جانور جیسی گرفت اپنے گرد محسوس کرتی وہ ہوش میں آئی مگر اس آدمی نے بہت وحشیانہ طریقے سے مہکار کی آنکھوں پر بندھی پٹی ہٹائے اسے پوری قوت سے دھکا دیا۔

وہ اوندھے منہ بیڈ پر جا گری۔

"تمہاری موت ہیں ہم مہکار بی بی، موت کا ایک دن معین ہے، سنا نہیں کیا"

اس موٹے سانڈ نما آدمی نے خباثت سے آنکھ مارے اگلے ہی پل نفرت انڈیلی، وہ ہراساں نظروں سے اپنے چاروں جانب دیکھ کر لرزی، کمرہ بہت شاہانہ سہی مگر نیم تاریکی میں ڈوبا تھا۔

نرمی اور آرام بستر سے ٹپک رہا تھا وہیں دیواروں پر آویزاں آرٹ بہت نفیس تھا، ڈریسنگ روم، اٹیچ باتھ اور یہاں تک کہ کچھ قدم چلنے پر سٹنگ ایریا تک موجود تھا جہاں کی ایک شیشے کی دیوار کے پار اس وقت شام کا نارنجی رنگ سوگواری پھیلاتا محسوس ہو رہا تھا۔

"م۔مجھے جانے دو پلیز، مجھے یہاں سے جانے دو"

اس آدمی کی نفرت اور حقارت سے بھری آنکھوں سے خوف کھائے وہ سسک پڑی، اب التجائیں بے کار تھیں۔

وہ سارے پرندے یہیں آس پاس خاموشی سے کھڑکیوں، روشن دانوں کے پاس دم سادھے اس عورت کی بربادی دیکھ کر چپ تھے، انھیں حکم تھا اب شور نہیں مچانا۔

"اب تم یہاں سے صرف ایک ہی جگہ جا سکو گی مہکار، اور وہ ہے قبرستان۔ اس زندان میں تمھئں سب ملے گا سوائے آزادی، خوشی، سکون، عزت، اور فارس شاہ کے۔۔۔۔۔ہاہاہا"

اس وقت وہ دہل کر رہ گئی جب سماعت میں اترے اس آخری نام پر مہکار کا دل پھڑ پھڑا اٹھا۔

وہ آدمی اس عورت کو نجس نگاہوں سے دیکھ کر آئینہ دیکھائے لوٹ تو گیا مگر وہ اپنی سسکیاں گھونٹے پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

اسکی آواز اسکے حلق میں دھنس گئی تھی، پورا جسم اذیت سے کانپ رہا تھا۔

اسے لگا دنیا کے سارے پرندے اس پر ہنس رہے ہیں۔

اسے محسوس ہوا اسکے اپنے جسم کا رواں رواں اس پر قہقہے لگا رہا ہے۔

"تم علم ہی کب رکھتی ہو مہکار کہ تم کس مرتبے سے گری ہو، تم پر آج تک خاص پرندوں کا سایہ تھا کیونکہ تم ایک اللہ کے پیارے کی حفاظت و محبت کے حصار میں تھی۔ وہ قید اور یہ قید۔۔۔۔ موازنہ کرو۔ وہاں جو جو تھا، یہاں وہ سب نہیں ہو گا۔ تم دائرے سے خارج کر دی گئی ہو، تم پر اب کھلے گا وہ رتبہ۔۔۔ تم پر اب اترے گا عشق۔۔۔۔ وہ عشق جو تمہیں فارس شاہ سے ہو گا۔

تم اس کے لیے تڑپو گی، تم اسکے ترسو گی، تم اسے اپنے ہاتھ سے گنوا کر آخری سانس تک سسکتی رہو گی۔

آہ مہکار آہ، تم نے کیا گنوایا ہے، تم اب جان جاو گی"

روتے تڑپتے، ہچکیاں گھوٹتے وہ اپنی سماعت میں اتری اس آواز پر پھوٹ پھوٹ کر روئی، اتنی کہ اسکا چہرہ لمحوں میں اذیت وملامت کے ماتم سے سوجھ گیا۔

اسے پھر سے سانس نہیں آرہا تھا، اسے اس جگہ کی ہر چیز نوچ رہی تھی۔

"ہاہاہا مہکار تم سیاہ بخت نکلی"

لاشعور میں کوئی حلق کے بل چلایا تھا، مہکار کے جسم میں اذیت اتر رہی تھی۔

"دنیا میں سب فلاح پا جاتے ہیں ماسوا انکے جنکے دلوں پر قفل لگ جائے، عشق ہر قفل کھولے گا۔ تم دیکھتی جاو بس۔۔۔۔"

کوئی آواز اسکا حلق دباتی اسکے اندر سے بلند ہوئی تھی، مہکار کو ایسا لگ رہا تھا اسکی روح اسکے جسم سے نکل رہی ہے۔

"تم نے کونسا گناہ کیا ہے یہ تم جان جاو گی، تم نے کیا گنوا دیا ہے تم جان جاو گی"

چینخیں بلند ہونے لگیں تھیں، وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے کسی جن زادی کی طرح ان آوازوں سے تھر تھر کانپتی چلا رہی تھی۔

پھر یکدم سناٹا پھیل گیا، مہکار کا جسم یکدم شانت ہو گیا۔

لیکن کہرام مچ گیا تھا، کہیں زمین کی ساتویں تہہ تلے حرکت ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔برباد ہو گیا میں"

ستار قریشی کی آنکھوں کے سامنے اس وقت موت کا پروانہ تھا، اپنے ادارے کی ساکھ خطرے میں محسوس ہوتے ہی انکا ایک سانس آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی وارننگ اور الفاظ تو کسی طرح دبا دیے گئے مگر اب انھیں ایک آخری فیصلہ لینا تھا۔

"اگر یہ خبر باہر نکلی کہ ہوسٹل کی اتنی سخت پہرہ داری کے باوجود کوئی گھس کر اندر آئے اتنی خطرناک ڈرگ ایک بچے کو انجیکٹ کر گیا تو کیا باقی رہے گا ہمارے ہاتھ۔ ہمارے سکول کا ایک معیار ہے، نہیں۔ ایسا نہیں ہونے دوں گا"

فوری تمام سینیر ٹیچرز کی میٹنگ ارینج کروائی گئی تھی، پرسنل ستار قریشی کے چہرے پر خوف تھا۔

ابدال کو ڈاکٹر نے اس ڈرگ کے اثر کو زائل کرنے کے لیے ٹریٹمنٹ دے دیا تھا مگر اب بات اگلے مرحلے کی تھی۔

"آپکو تمام سٹاف سے تفتیش کرنی چاہیے؟"

ایک نوجوان جوشیلے میل ٹیچر کی سمت سے آتی تجویز پر پرنسپل صاحب کے چہرے پر ناگواری اتری۔

"اور اگر کوئی مجرم نکل آیا تب بھی بدنامی ہماری ہی ہو گی، کیا ادارہ بند کروانے کا پلین ہے آپکا"

بجائے اپنی غلطی کی تلافی کرتے وہ الٹا ایک صحیح تجویز پر بھڑک اٹھے۔

"ابدال پر الزام ڈال دیں، آفٹر آل اس سارے پر اسرار معاملے کا مرکزی کردار وہی ہے۔ آخر اسی کو کیوں انجیکٹ کیا گیا، ضرور اس کے پیچھے کوئی بڑی طاقت ہے۔ جو بندہ ہمارے ناک کے نیچے یہ کر گیا، وہ آگے بھی ایسی کوئی حرکت کر کے ہمارے سکول کا نام خراب کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں ابدال کو نکال دینا چاہئے سکول سے۔ یہ ضرور کوئی ذاتی دشمنی ہے"

تیکھے نین نقش اور کڑوی زبان والی یہ ایک فی میل ٹیچر تھی اور یہ واحد ہی تھی جسکی زہریلی رائے ستار قریشی کو بھا چکی تھی مگر تیسرے پروفیسر اس ناانصافی اور درندہ صفتی پر چپ نہ رہ سکے۔

"ابدال پر الزام لگوا کر اسے نکالنے کا سوچ رہے ہیں آپ؟ اس سے پہلے یہ یاد رکھیے کہ آپکے سکول کا آدھا نام تو بنا ہی اسکی وجہ سے ہے۔ ورنہ کون جانتا تھا ہمیں۔ لوگ مجھے ابدال مصطفی جیسے ہونہار بچے کا ٹیچر کہہ کر بلاتے ہیں۔ اسکی ناقابل فراموش کوالٹیز بھول گئے کیا آپ"

ستار قریشی کے تیور بھانپ لیتے وہ جلالی سے مگر اصول پرست برہان نامی پروفیسر تلملا اٹھے تھے، سب ٹیچرز ہونق صورتیں بنائے اس بندے کی بے باکی پر اسکی جانب دیکھنے لگے جسے خود ستار قریشی کاٹ کھانے کے انداز میں گھورے۔

"آئی تھنک گرمی کھانے کی قطعا کوئی ضرورت نہیں آپکو مسٹر برہان، میں وہی کروں گا جو میرے سکول کی ساکھ برقرار رکھے۔ اگر آپ نے مزید کوئی ٹانگ اڑائی تو اسکے ساتھ ساتھ آپکو بھی فائر کر دوں گا۔ اچھے سے جانتا ہوں کتنی ضرورت ہے آپکو اس وقت جاب کی"

بنا کسی لحاظ کو خاطر میں لائے ستار قریشی نے تنفر سے برہان کی جانب دیکھ کر گویا اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

وہ فی میل ٹیچر کھسیانی ہنسی تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ اسکا اپنا بیٹا اس سکول میں پڑھتا تھا اور ہر بار ابدال اسے بیٹ کیے ہرا دیتا۔

لیکن اب جب موقع ملا تھا تو اس نے اگلے پچھلے سارے حساب اپنی کدورت سے بھری رائے کے سنگ چکا دیے تھے۔

یہ سچ تھا کہ ابدال اس سکول کا ایک منفرد نام تھا مگر جہاں نام ہوتا ہے وہاں مٹی میں ملانے والے بھی موجود ہوتے ہیں۔

برہان صاحب نے لاکھ جتن بھی کر لیے لیکن فیصلہ ہو چکا تھا، ابدال کو کل ہی فارغ کرنے کے آرڈز ستار قریشی نے اپنے سٹاف کو دیے میٹنگ ختم کر دی۔

ابدال ہوش میں تو آ گیا تھا مگر یہ خبر جب سے ملی تھی وہ چپ چاپ بس گہرے گہرے سانس بھرے ایک ہی سمت دیکھتا جا رہا تھا۔

ہلال کی تو آنکھیں سوجھ چکی تھیں، اور پھر ابدال کے بارے سکول کا ایسا بے رحمانہ فیصلہ اسے خون کے آنسو رلا رہا تھا۔

"یہ سکول، یہ لوگ۔۔۔ تیرے لائق ہی نہیں تھے۔ لعنت بھیج ان پر۔ تیری کامیابیوں پر شہرت اور پیسہ لوٹنے والے یہ کم ظرف لوگ تیرے لائق نہیں تھے۔ بھلا ہو اس کا جس نے بھلے تجھے تکلیف سے گزارا مگر ان لوگوں کی اصلیت کھل گئی۔ یہ بھی تو سوچ کہ تو واپس گھر جا رہا ہے۔۔۔ مت کر میرے ساتھ، تیری خاموشی جان لے رہی ہے"

پاس ہی بیٹھا وہ کب سے ابدال کی چپ پر دلبرداشتہ بیٹھا پھٹ ہی تو پڑا، کندھا ہلائے اسکو مخاطب کیا مگر ابدال کے چہرے پر اذیت اور خوشی کے ملے جلے رنگ تھے جو دلخراش تھے۔

"اس سب میں میرا غرور تو ٹوٹ گیا ناں۔۔۔ جس ادارے سے مجھے میڈل اور عزت کے ساتھ واپس جانا تھا وہاں سے نکالا جا رہا ہے۔ عجیب ہے یہ سب، تجھے عجیب نہیں لگا ہلال"

غائب دماغی سے وہ ماتمی سا ہلال کی جانب دیکھ کر بولا۔

"تیرے ساتھ میں بھی لات مار کے جاوں گا، اور مٹی اور کھے پڑے ان شودوں کے میڈل اور دی عزت پر۔ تیرا نام ہی بہت ہے عزت دلوانے کے لیے۔ اور تو کب سے عزت کو لوگوں سے ملنے کی امید باندھنے لگ گیا ہے۔ تو جس سکول بھی جانے کا کہے گا وہاں کے لوگ تجھے ہاتھوں ہاتھ اپنا حصہ بنائیں گے"

ابدال کو اسکی خوامخواہ کی زندہ دلی اس وقت زہر لگی جب وہ خود کٹا بیٹھا تھا۔

"میرے لیے اپنا فیوچر مت خراب کر، یہیں رہ تو"

ابدال کا عاجزانہ سا انداز سراسر دلخراش تھا مگر ہلال نے فوری ناں میں سر گمائے جونک کی طرح لاڈ کرتے ہوئے ابدال سے لپٹ کر نا صرف اپنے یار کو حوصلہ دیا بلکے تکلیف بھی کم کی۔

"جہاں تو جائے گا، ہلال سکندر وہیں جائے گا۔ یہ مت بھول کہ سایہ ہوں تیرا۔ درد تجھے ہوتا ہے پر سچی بتاوں اسکی تکلیف مجھے ہوتی ہے۔ ایک سچ اور سن لے، اماں اور لالہ سے بھی زیادہ پیارا ہے تو مجھے ابدال۔ دو حرف بھیج اس گندی دنیا پر۔ تو تھوڑی اس دنیا کا ہے۔ تو اس جہاں کا ہوتا تو سب نارمل ہوتا یار، پر تیرے ساتھ کبھی کچھ نارمل نہیں ہوا"

شاید دوست بھی نہ ہوتا پاس تو ابدال یہ بھاری زندگی کا بوجھ کبھی گھسیٹ نہ پاتا۔

ہلال کی محبت نے اسے مسکراہٹ تو دی مگر اگلے ہی لمحے وہ افسردہ ہوا، اسکی گہری بھوری آنکھیں خدشوں سے اٹ گئیں۔

"نہال بخاری کا مجھے ناکارہ اولاد کہنے والا بیان سچ ہو جائے گا بس اسکی تکلیف ہے۔ خیر اس بندے سے جڑی ہر بات ہی تکلیف دہ ہے، دیکھتے ہیں یہ سفر اب کونسے رنگ کھولتا ہے مجھ پر"

اپنے ہارے مگر دانستہ مضبوط لفظوں سے وہ ہلال کی جانب دیکھتے بولا، اک کہرام تھا جو لفظ لفظ توڑ گیا تھا۔

"چل پیکنگ کرتے ہیں، ویسے آپس کی بات ہے جس زندگی میں ٹھڈے اور لاتیں نہ ہوں، تھرل نہ ہو، ایڈونچر نہ ہو، سکول سے نکالے جانا نہ ہو۔ اس زندگی پر تھووو۔۔۔ سچ آ بورنگ مین۔۔۔۔ مزہ آئے گا جب جا کر وہاں سینہ چوڑا کر کے بتائیں گے کہ لو جی دیکھو ہم کو ہم سکول سے نکال دیے گئے۔ جوتیاں پڑیں گی آئی نو پر جوتیاں صحت کے لیے اچھی ہوتیں۔۔۔ ہاہا"

اٹھ کر مسیسنی شکل بنائے شرارتی انداز میں کہہ کر خود ہی ہنستا خود تو وہ اٹھ کر چلا گیا مگر اسکے جانے کے بعد کتنی ہی دیر ابدال اپنی اس نٹ کھٹ سی دولت کے ہونے پر اللہ کا شکر کرتا رہا۔

لیکن جو بھی تھا، اپنے ساتھ اس کھیل کھیلتے پر اسرار انسان کی تلاش ابدال نے خود پر فرض کر لی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہاں آو تم زرا۔۔۔۔"

بازو سے پکڑے وہ اسے اپنے کمرے میں کرتا خود بھی بنا منیہا کی خوف سے تر بھیگی آنکھوں کی پرواہ کیے دروازہ پٹخ کر وہیں جما، دل تو یہی کر رہا تھا اس لڑکی کی جان نکال دے جو شام سے اب تک نہ اسے دیکھ رہی تھی نہ اپنے کمرے سے نکلی تھی۔

منیہا نے بھیگی پلکیں اٹھائے بمشکل عون کو دیکھا جو اس وقت اسکی سانسیں چھین لینے کی حد تک غضبناک تھا۔

"کیا وہ تمہاری پھپھی لگتی تھی جو پہلی ملاقات میں سارا شجرہ نسب گوش گزار کر دیا، تم جانتی ہو کہ تمہاری ایک بیوقوفی ہم دو کے رشتے کا خاتمہ کر دیتی۔ بولو منیہا ایسی کم عقل تو نہیں ہو"

دانت نکوس کر غراتا وہ اس وقت ہزار ضبط کر لیتا مگر یہ لڑکی آج اسکے عتاب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے جو بھی کرتی ناکام تھا۔

"م۔۔ مم۔۔۔ مجھے دوبارہ ڈانٹا تو چلی جاوں گی اتنی دور کہ کبھی لوٹ کر نہیں آوں گی۔ مجھے کیا پتا تھا وہ آپکی پرانی معشوقہ نکلے گی۔ کبھی بتایا آپ نے کہ منیہا ایک عورت ہے اس سے دور رہنا۔ کچھ ن۔۔ نہیں بتایا ناں تو پھر چھوڑیں مجھے۔۔۔۔"

بنا عون کی شام سے اب تک کی اذیت کی پرواہ کیے وہ ہنوز اپنی بازو چھڑواتے رونے لگی، شدت گریہ سے اسکے چہرے کی رگیں ابھریں وہیں عنابی لب اس رک رک کر منمنانے پر پھیلے۔

عون کا دل تو منیہا اس معشوقہ سے ہی کاٹ گئی تھی، بازو چھوڑے اس بار وہ اس کی دونوں کلائیاں اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑے جھٹکا دیتے ساکت کر چکا تھا مگر آنسو تھے کہ منیہا کی آنکھوں میں بن برسات ہی چلے آرہے تھے۔

"فسٹ آف آل وہ میری معشوقہ نہیں ہے لہذا دوبارہ یہ واہیات ناطہ مت جوڑنا اسکے ساتھ میرا، دوسری بات تم ابھی آدھی سچائی جانتی ہو لہذا ایسا کچھ مت کہنا کہ بعد میں پچھتانا پڑے، اور تیسری بات یہ خود کو آزاد کروانے کی مزاحمت مت کرو میرے سامنے اور رونا بند کرو ورنہ جتنا مجھے تم پر غصہ ہے ناں وہ تمہاری جان لینے کو کافی ہو گا"

ایک ایک لفظ سلگ کر جتائے وہ منیہا کی شکوہ کناں آنکھوں میں آنکھیں گاڑے تنبیہی ہوئے بولا مگر وہ پھر بھی ہٹ دھرمی سے اپنی کلائیاں جھٹک رہی تھی۔

"مجھے کچھ بھی نہیں سننا، جا کر یہ کہانیاں اسی بدبو کو سنائیں۔ کیوں کوئی آپ پر یہ حق جتا گئی بولیں جبکہ آپ تو صرف منیہا کے ہیں۔ مجھے نہیں چاہیے اب عون بخاری"

مسلسل رونے اور ضبط کے اس کھیل میں وہ بلکل نڈھال سی گڑیا ہنوز ہمت ٹوٹنے کے بھی لڑ رہی تھی، عون کے ہونٹوں پر تمام تر برہمی کے بھی تھکی سی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں اسکا جنون تھا عون لیکن وہ سب میرے لیے کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ میری تو صرف منیہا ہے، جو اتنے سے امتحان پر کہہ رہی کہ اسے میں نہیں چاہیے ہوں"

کلائیاں آزاد کیے وہ اب نظر جھکائے منیہا کے سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے طویل وقفے کے بعد نظر اٹھائے ان درد و الم سے بھرے نین کٹوروں سے مخاطب تھا، لہجہ سراسر ٹوٹا اور انداز شکستہ تھا۔

"میں نے سارا چاہنا تھا ناں آپکو، کوئی حصہ دار ن نہیں چاہیے تھی۔ م۔۔ مم نے تو سب سچ بتایا آپکو، میں نے جان بوجھ کر تھوڑی کیا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ جتنی سمجھدار اور ذہین نہئں نہ مجھے لوگوں کے چہرے پڑھنے آتے۔ میں تو عام سی شوخ سی شرارت جیسی لڑکی ہوں، آپ کو مجھ سے بہت سی شکایات ہیں تو رہنے دیں پھر۔۔۔"

کچھ بھی تھا مگر یوں عون کا افسردہ ہونا اس سے سہا نہ گیا، وہ بولتی کم مگر آنسو زیادہ بہائے اسے آگاہ کرتی کرتی آخر تک نظر جھکا کر عون کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دبا دیکھنے لگی۔

اس بار عون بخاری کی مسکراہٹ تھکن سے پاک تھی۔

"کیا رہنے دوں؟"

ٹھوڑی پر ایک ہاتھ بڑھائے پکڑ جماتا وہ اسکا چہرہ اٹھائے آنچ دیتے لہجے سے سوال کر رہا تھا۔

"مجھے رہنے دیں"

دھندلائی آنکھوں کے ساتھ مشورہ بھی ظالم دے رہی تھی۔

"جان چلی جائے گی اگر رہنے دیا"

جذب و چاہ سے لبریز ہوئے وہ اسکی گال سے ہتھیلی جوڑے اس نوخیز حسن کی نرمی کو محسوس کرتے گویا ہوا، یہ بہت بڑی بات تھی۔

منیہا کا دکھ تھا کہ ابھی بھی ویسا تھا۔

"جھوٹ بولتے سب، کوئی جان وان نہیں جاتی۔ میں اتنی بھی اچھی نہیں کہ آپ جیسا انسان میرے لیے ایسی رومیو والی باتیں کرے"

نروٹھی حسینہ کب دبنا چاہتی تھی، وہ تو پھر بھی حواس پر حاوی ہونے لگا تھا۔

جب سے قریب آیا تھا، اپنا احساس منیہا کے دل میں کونپل سے کھلا گیا تھا۔

"کیا تمہیں لگتا ہے میں اتنی سرسری سی محبت کرتا ہوں تم سے، بس گزارے لائق والی، بس رسمی سی، بس دنیاداری کی مانند؟"

نرمی سے ہاتھ چھوڑے وہ فاصلہ بناتا منیہا کو مسمرائز کیے اپنے دونوں ہاتھ اسکی نازک کمر پر ٹکائے آہستہ سے قریب کیے بولا، وہ تھم سی گئی مگر اگلا جھٹکا شدید تھا، منیہا اسکے پھر سے ہر ادیتے انداز پر سلگی۔

وہ اس وقت عون کو بلکل بھی پاس آنے دینا نہیں چاہتی تھی، آج اسے عون سے خوامخواہ ہرجائی ہونے کا احساس محسوس ہورہا تھا۔

"یک طرفہ محبت آخر کوئی کر بھی کتنی سکتا ہے، مجھ جیسی بیوقوف اور پاگل کو کوئی کب تک برداشت کرے گا جو غیروں کو جاکر شجرہ نسب تک گوش گزار کر آتی"

یہاں اتنے پاس وہ عون بخاری کے چہرے کی ہر رعنائی بہت وافع اور قریں تو دیکھ ہی رہی تھی مگر اس جادوگر کی چہرے پر سایہ کرتی نرم پھوار سی سانس، دل تک اترتی اک باورے دل کی دھڑکن کی دمک، یہ سب منیہا کو کمزور کرنے کو بہت تھا۔

وہ عون کے لفظ آزردگی سے اسے لوٹا کر آنکھوں میں بے پناہ دکھ بھرے بولی۔

"یکطرفہ بھی ہو تب بھی قبول ہے مجھے، جانتا ہوں سخت بول جاتا ہوں لیکن میرا دل صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے منیہا، ہاتھ رکھو اس پر اور محسوس کرو اسکی رفتار تمہاری ہتھیلی رکھتے بڑھ گئی، محسوس کرو کیا میرا دل تمہارے ہاتھ میں آکر دھڑکنے نہیں لگا"

وارفتگی سے منیہا کی شاکی نظروں کے وار پلوں میں محبت سے سرشار جھونکوں میں بدلتا عون بخاری تب مسکرا اٹھا جب منیہا نے اپنی نرم ہتھیلی عون کے سینے سے جوڑے تجربہ کیا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا تو؟"

عون کی بات کی سچائی محسوس کرتی اپنی بے خود دھڑکنوں کا شور نظرانداز کیے وہ معصومیت سے نظر اٹھائے سوال کر گئی۔

عون کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ سجی۔

"اسکا مطلب یہ ہے کہ محبت ہے مجھے، اسکا مطلب یہ ہے کہ میری محبت یکطرفہ نہیں"

وہ بہت سادگی سے یہ انکشاف کیے منیہا کو لرزا گیا، ہتھیلی کپکپائے انداز سے عون کے سینے سے الگ کرتی وہ آنکھیں چرائے اسکی نرم پڑتی گرفت میں رخ بدل کر اس سے پہلے عون کے بندھے ہاتھ کھول کر بھاگتی، گرفت لمحے کے ہزارویں سیکنڈ مضبوط ہوئی اور وہ لہرا کر ہانپتی ہوئی کمر سے عون کے سینے جا لگی۔

اسے یوں بے نیاز سا اپنے بے حد قریب اسکے وجود کی لرزش سے مسرور ہوتا وہ اسکے کان کی اور جھکا۔

"یہ مطلب کبھی مت بھولنا، تمہارے پاس مجھ سے بہتر کوئی آپشن ہے کیا؟"

عون کے ہونٹوں کا لمس اپنے کان کے قریں محسوس کیے وہ اسکے پوچھے سوال پر سامنے دیکھتی مسلسل اپنے پیٹ پر بندھے عون کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھے متذبذب تھی۔

"کوئی بھی پرنس آسکتا ہے، خوبصورت ہوں، پرکشش ہوں، آپ جیسا ناقابل شکست اگر میرا اسیر ہو سکتا تو لائن بھی لگ سکتی کئی شہزادوں، بادشاہوں کی"

تفاخر کے سنگ گھبراہٹ کو ہر ممکنہ دبائے وہ یہ بول تو بیٹھی مگر یکدم گرفت گھٹنے پر خوف کے مارے دبا سا چینخی۔

عون کو اسکی یہ بونگی زہر سے بھی بری لگی تھی۔

"شکل دیکھی ہے تم نے جیسے چوہی اپنے سر تاج چوہے کے لیے بلی کے گھر لسی مانگنے آئی ہو۔ اور میڈم کے بھرم تو چیک کرو۔ اور بی بی زمین پر آجاو، اتنی تم لیڈی ڈیانا نہیں۔ ہنہ"

رعب و منصوعی برہمی سے وہ اب واقعی منیہا کے ہاتھ مرنے والا تھا کیونکہ ساری اداسی کو توپ کا گولہ مارے وہ اسکے دونوں ہاتھ نہ صرف چھڑوانے میں کامیاب ہوئی بلکہ دوڑ کر بیڈ سے تکیہ اٹھائے گولی کی طرح واپس آئے عون پر برسانے ہی شروع کر دیے۔

وہ بھی آگے سے اس پنکھوں سے بنے نرم تکیے سے ہوا تشدد انجوائے کرتا آنکھوں میں شرارت بھرے قدم بڑھاتا گیا۔

چند لمحوں میں عون کا کمرہ پنکھ خانہ بن گیا تھا اور منیہا کو اس معصوم تشدد میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ بیڈ کے پاس آن پہنچی ہے۔

"ہنس رہے آپ، شرم نہیں آرہی۔ مجھے چوہی کہہ دیا۔ اللہ پوچھے۔ اور مانگنے بھی لسی بھیجا۔۔۔ کوئی اور تھرڈ کلاس چیز نہیں آئی دماغ میں۔۔۔۔ آہہہ"

مسلسل تکیے برساتی وہ عون کو بڈھا بابا بنائے اس سے پہلے سنبھلتی، توازن برقرار نہ رکھتے نہ صرف گری بلکہ ہاتھوں سے تکیہ چھوٹنے پر غیر دانستہ عون کی شرٹ دبوچ لینے سے خود تو وہ گری ہی البتہ عون بھی جھٹکے سے منیہا صاحبہ پر جا گرے۔

ہوش تو تب آیا جب دبی منیہا کی آہ وبقا پر اسے اپنے ملبے کو ہٹانے کا خیال آیا اور کتنی ہی دیر اس پر سے زرا اٹھے فوری بیڈ پر لیٹے وہ بے دم ہو کر ہنستا گیا، منیہا کو تو لگ رہا تھا ہر چیز ہی گھوم گئی، الٹا اب تو فانوس کے جھومر بھی دو دو نظر آئے۔

الٹا پہلو بھی ہنستے عون کی ہنسی اس وقت جرنیٹر کی گڑ گڑ جیسی بھیانک محسوس ہوئی۔

"آہ میرے اللہ میں تو آج مر گئی تھی، ہاتھی نہ ہوں تو۔ اف ابھی بھی لگ رہا سانس گھٹا ہے"

اپنے دل پر زور زور سے ہتھیلی مسلے وہ دہائی دیتی غرائی اور نہ صرف اٹھی بلکے تکیے کے بنا لیٹے عون کی ہنسی کو گھور کر تکتی اس پر ہی جھک آئی۔

اپنی کہنی عون کے سینے پر باقاعدہ زور سے دبائی مگر وہ ہنوز شرارت سے کچھ دیر پہلے منیہا کے منہ کے زاویے دیکھ دیکھ کر بری طرح مسکرا رہا تھا۔

"اگر میرا سانس بند ہو جاتا پھر بھی یونہی ہنستے آپ، یہ کیسی محبت ہوئی؟"

ناجانے کیوں مگر عون کا مسلسل مسکرانا دیکھ کر وہ اداس تھی اور اسکے سوال پر عون نے نہ صرف مسکان کو روکا بلکے بازو دہرا کیے سر کے نیچے تکیہ بنائے دوسرے ہاتھ کو بڑھا کر منیہا کے چہرے پر جھولتی لٹیں نرمی سے سہلائیں جو اسکے جھک جانے پر عون کے سینے پر پھیل گئی تھیں۔

"کیا تم ہر لمحہ میری محبت کو یونہی تولا کرو گی منیہا، تمہیں بتاؤں کہ یہ کسی پیمانے میں اور کسی نوعیت کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتی۔ یہ بس ہوتی ہے، بائے داوے ویلکم اون مائی بیڈ"

گال سے جاتا عون کا ہاتھ اور انگلیوں کی پوریں منیہا کے نرم لبوں کو چھوئے ستم کر رہی تھیں، وہ اک لمحہ کانپئ مگر پھر عون نے اسکی اس کیفیت کو زائل کرنے کو آخری شوخ جملہ اچھالا، جس پر نہ صرف وہ سٹپٹائی بلکہ اپنی پوزیشن کا احساس ہوتے ہی ہٹ جانے کو مچلئ مگر عون پھر سے اسکی کمر کے گرد بازو حائل کیے راہ فرار بند کرتا منیہا سے ہوش سلب کر بیٹھا۔

وہ تھرتھراتی پلکیں عون کے لیے فرحت بخش منظر تھیں۔

"م۔۔میں غلطی سے گر کر آئی تھی۔۔۔۔جانے دیں، ک۔۔کسی نے دیکھ لیا تو۔۔۔۔"

اپنی صفائی پیش کیے وہ سخت متذبذب سی ہونٹ کا کونا دانت میں دباتی منمنائی مگر عون نے فوری اسکے اس ظالم عمل کے بیچ کود کر منیہا کو خاموش گھوری سے نوازا۔

وہ اسکے نیچلے ہونٹ کو انگوٹھے سے سہلائے دباو پڑنے سے جمع ہوتی سرخی سہلانے سے واپس پھیلا رہا تھا، منیہا کو عجیب سا گدگداتا ہوا یہ احساس شرمگیں سی مسکراہٹ دے گیا مگر تمام تر اعتماد کے وہ پلکیں جھکا گئی۔

"ہونٹ چباتے نہ دیکھوں میں تمہیں دوبارہ، بری عادت ہے۔ خیر آئی تو غلطی سے آئی ہو تم یہاں اور میں خود تمہیں بے وقت یہاں مزید رکنے بھی نہیں دوں گا۔ لیکن جلد تم مکمل میری دسترس میں آجاو بس۔۔۔۔اور رہی بات مہکار کی تو جلد تمہیں باقی کی سچائی بھی بتا دوں گا"

نرمی سے اسکی پیشانی چومتا وہ نہ صرف خود اٹھ کر بیٹھا بلکہ منیہا کو بھی بیٹھائے رخ موڑے جذب سے آگاہ کیا، وہ بس دھیما سی مسکرائے سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عون۔۔۔۔اگر میں مر جاوں تو آپ کیا کریں گے؟"

عین سر پر کھڑی جاتے جاتے یہ ایٹم بم پھوڑ کر سارا ٹرانس غارت کر چکی تھی، پہلے تو عون کو لگا اس نے غلط سنا ہے مگر یقین ہوتے ہی وہ حیرت اور غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہو گئی تمہاری بک بک شروع، تم مجھے دو گھڑی سکون نہ لینے دینا۔ چاہتی کیا ہو صدمے سے جان چلی جائے میری۔ اب شرافت سے نکل جاو ورنہ ابھی جا کر چاچو سے تمہاری رخصتی کروا کے لاتا ہوں اور پھر مارتا ہوں تمہیں جسکا بڑا ارمان"

سخت دلبرداشتہ سا وہ اس لڑکی کی جان لینے کی حد تک تپے غرایا مگر آگے سے منیہا کی گم سٹی پر عون خود بمشکل مسکراہٹ روک پایا۔

میڈم کے رنگ اڑ چکے تھے اور زرد چہرہ نوٹنکی شروع ہونے کی ترجمانی کر رہا تھا۔

"رخصتی کے بعد میں مر جاوں گی کیا۔۔۔۔؟"

بے ہوش ہونے سے پہلے کنفرمیشن کے لیے پوچھا گیا تھا۔

"نہیں، جیسی ٹھنڈی تم ہو لگتا ہے مرنا بھی مجھے ہی پڑے گا۔ اب نکلو تشریف کا ٹوکرا لیے، کمرے میں جا کر کتابوں کی باہوں میں بیہوش ہو کر گرنا۔۔۔۔"

اس ڈرامے باز کو خود ہی کمرے سے باہر نکالتا باقاعدہ دھکیل کر اپنے کرموں کو روتا عون تب ہنسا جب وہ میسنی نہ صرف دانت کی نمائش کرتے مڑی بلکے ہتھیلی پر پیار دیے اسے عون کی جانب اڑاتے ہی فورا شبنم بنتی حیا کی دیوی کی طرح جیسے ہی بھاگی، آگے پڑے کارپٹ پر سے پھر سے چاروشانے چت۔

عون نے ہنسی روکے باہر آکر اٹھانا چاہا مگر وہ خود ہی ڈھیٹ بنی مسکرا کر ٹارزن کو مات دیے اٹھی، منہ کے زاویے کچھ گڈمڈ تھے۔

"لگی تو کوئی نہیں، آہہہ۔۔ یہ تو معمولی تھا۔ بائے"

عون کو بھرپور یقین دلاتی وہ اسے ہنستا چھوڑے سیڑھیاں اتر تو گئی مگر وہیں رونی شکل بنائے اپنا ٹراوزر اٹھایا تو گھٹنے پر منیہا کی ناک جتنا گومڑ آنکھیں پٹپٹائے اور زبان نکالے چڑا رہا تھا۔

وہاں تو عزت بچائے آگئی تھی پر اب دل یہی کیا سیڑھیوں پر ہی لیٹ کر اونچا اونچا رونے بیٹھ جائے۔

منہ بسورے جیسے تیسے کیے لڑکھڑاتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"آج اسے انتظار کرنے دو، سلگنے اور جلنے دو۔ کل ملاقات کروں گا اس سفاک اور سنگدل عورت سے۔ فی الحال جاو آرام چاہتا ہوں"

ایک لمبے تھکا دیتے دن کو گزار کر وہ مہکار کی خود تک رسائی کے باوجود شیر علی کو مزید انتظار کا کہہ رہا تھا جو اب دوا اور آرام سے بہتر تھا۔

ویسے بھی دن بھر کی بے آرامی کے بعد وہ اب اپنے زخموں سے ملاقات چاہتا تھا۔

کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا کل کی بے شمار یادوں سے جگمگا رہا تھا، وہ یادیں جو تلخ تھیں۔

وہ اپنے معیار سے گرتا تو کبھی نہ تھا، وہ پورے انصاف سے سزا دیتا اور جھیلتا تھا پھر کیوں۔۔۔؟

ابدال مصطفی کو پرنسپل نے اپنی ساکھ بچانے کو ایک زرا سے جھونکے پر نکال دیا، یہ خبر اسے مل چکی تھی، اگیزمز کی اجازت بھی نہ دی تھی۔

"تم جانتے ہی نہیں ابدال کے میں نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، خیر جلد جان جاوگے"

سگار سلگا کر بس اسے تکتا وہ کسی بھی طلب کو محسوس کرنا چھوڑ چکا تھا، طلب تو اب کسی اور جذبے کا روپ دھارے اسے مضطرب و بے قرار کر رہی تھی۔

"کیسے گر گیا میں اس اونچائی سے جہاں ابھی ٹھیک سے بیٹھنا تھا، بہت تکلیف دی۔ ہاں اس کمرے کا ایک ایک کونہ تمہاری سسکیوں اور التجاوں کا گواہ ہے وفا، لیکن میرا دل پہلی بار مجھے ملامت کرنے زندہ بھی تو اسی سنگین خطاء کے بعد ہوا، میں بہک گیا تھا، تم کہو گی گراہوا اور کتنا گرے گا۔ لیکن میری زندگی ایسی ہی ہے، تم کچھ پر سکون سا تھی، لیکن کم ظرفی تھی میری کہ میں نے تمہیں بے سکون کر دیا۔۔۔"

وہ خاموش سا سگار ایش ٹرے میں بے دلی سے رکھے واپس صوفے کی پشت سے سر ٹیکے آنکھیں موندے ہوئے تھا، اپنے آس پاس پھیلی خوشبو تو جتنی سی تھی، بھلا اس جیسے دوزخی کو ایسی خوشبو تک کہاں ملا کرتی ہے۔

وہ گھبرا کر آنکھیں کھول بیٹھا، وہ یہاں کہیں نہیں تھی۔

وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی اداس تھی، جب سے وہاج کو دیکھ کر آئی تھی مزید تکلیف میں تھی۔

"آپ نے وہاج کو ہر اس منظر سے ہٹا دیا جہاں اسکا ہونا میری زندگی اور موت کی طرح اہم تھا، کیا چاہ ہے آپکی کہ میں اس وحشی کاشان کو قبول کر لوں۔ لیکن کیسے کروں، جس نے مجھے عزت بخشنے سے پہلے ہی بے آبرو کر دیا، جانتی ہوں اسکا حق تھا لیکن آپ گواہ ہیں یہ میرے لیے رگیں جسم سے جیتے جی اکھاڑنے جیسا سوہان روح تھا"

اس گہری رات وہ اپنے اللہ سے ہمکلام تھی، نماز کے بیچ بھی وہ بس ہاتھ پھیلائے خاموش بیٹھی رہی تھی اور اب جا کر بھی اسکی زبان سے صرف شکوہ، درد اور ملال ہی نکلا۔

اور آسمان و زمین کا مالک تو جانتا تھا سب، کس دل میں کونسا بیج بویا گیا ہے، کس کو کس کا آئینہ بنایا گیا ہے، کسے کسکا پردہ بنایا گیا ہے۔

وہ ہرگز ٹھیک نہ تھی، اور ابھی تو ابدال والا معاملہ آگے مزید تکلیف دینے کو تھا۔

اسے کاشان کی بتائی بات کے سچ ہونے پر بھی دکھ تھا، ماریہ نے اسے تمام معلومات فراہم کر دی تھیں جو اس عورت کو مجرم ثابت کرنے اور اسکے شوہر کو بے قصور ماننے کو کافی تھیں۔

کتنے سالوں سے وہ مظلوم عورتوں کے ساتھ کھڑی لڑتی آئی تھی اور پھر بھی اسنے دھوکہ کھالیا۔

"تم عجیب سی ہو نادان لڑکی، میرے سر پر سوار مت ہو۔۔۔۔ نقصان ہے تمہارا"

وہ آنکھیں بند کیے سرگوشی میں بڑبڑایا تھا، اس وقت کوئی پائزن کی حالت دیکھتا تو غش کھا جاتا، دینے والے بادشاہ رات کے اندھیروں میں کیسے بھکاری بن جاتے ہیں یہ تو راز تھے، گہری راتوں کے راز جو انکے ساتھ ہی دفن ہو جاتے تھے۔

آنکھیں کھولے اپنی بند مٹھی کھولے وہ اس میں وفا کے گلے کی باریک ایک چھوٹے سے ڈائمنڈ والی چین دیکھنے لگا جو وہ یہیں کاشان ہمانی کے بیڈ پر چھوڑ گئی تھی۔

اپنا نشان، اپنی موجودگی۔۔۔۔

اسکی ہک ٹوٹی تھی، نہ جانے کیوں کاشان کو اس ٹوٹی ہک کو دیکھ کر تکلیف ہوئی۔

"وہ بھی ایسے ہی ٹوٹی ہوگی۔۔۔ اسے مٹھی میں قید کر سکتا ہے کیا یہ گناہ گار۔۔۔۔ بولیں، بات نہیں کرنی تو اشارہ ہی دے دیں"

اسکی آواز کرب سے بھاری ہوئی اور وہ نجانے کس سے مخاطب تھا، راتوں کے گہرے اندھیرے میں بھلا کون تھا سننے والا، وہ صرف رب ہی تو تھا جو سیاہ و سفید کا مالک تھا۔

"ہم ایسوں کو اشارے نہیں ملتے، خود تلاش کرنی پڑتی ہے ہر گرہ"

گھپ اندھیرے اور بھیانک چپ پر دلخراش سی مسکان کے سنگ اس نے خود کو خود ہی جواب دیا۔

"میں نے چاہا تو یہی تھا کہ تمہیں بنا رخصتی کے اپنی اولاد کی ماں بنائے رخصتی کینسل کیے اس نہال بخاری کے منہ پر مار دیتا، زویا کا بدلا لینے کو۔۔۔۔ ہاں یار اتنا ہی گھٹیا ہوں۔ لیکن کچھ ہو گیا مجھے۔۔۔۔ سوری زویا۔۔۔۔ ریلی سوری

آہ کاشان ہمانی آہ، کیا کروا بیٹھے ہو خود کے ساتھ۔۔۔۔ اس لڑکی کو مار کر اب اس پر مر گئے۔۔۔۔ مر ہی جاو تو اچھا ہے خبیث درندے"

وہ چین بنا سوچے ہی اپنے سامنے میز پر پڑے والٹ کے بیچ ڈالے وہ خود پر لعنت بھیجتا وہیں صوفے پر ہی لیٹ گیا، آنکھیں جہنم کی طرح جل رہی تھیں پر اسے زندہ رہنے کے لیے کچھ دیر زندگی سے ناطہ توڑنا تھا۔

اسکی نیند اسکے لیے بہت ضروری تھی۔

"Our souls already know each other, don't they?' he whispered.

'It's our bodies that are new.

خاموشی، گہری خاموشی مگر پھر بھی اک شور۔۔۔!

آخر کیوں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا خبر ہے غفار؟"

اپنی ٹانگ کو مسلسل آرام دینے کے باوجود اذیت ناک درد کی ٹیسیں محسوس کرتا عائش اس وقت اپنے اڈے پر ہی تھا، زرا ہوش میں آتے ہی اپنے ساتھ اس سنگین واردات کرنے والے کے متعلق جاننے کے لیے اکھڑے سانس کے سنگ کچھ فاصلے پر کھڑے غفار سے استفسار کیا جس نے ساری معلومات نکلوا تو لی تھیں مگر وہ اب شش و پنج میں مبتلا تھا کہ کس بھائی کی وفاداری کرے اور کس کے ساتھ غداری۔

"بھونک ناں کتے"

خاموشی پر وہ حلق کے بل دھاڑا تھا، غفار نے ایک ہراساں نظر ڈالی اور چند قدم چلتا عائش ہمانی تک پہنچا۔

"وہ نہال بخاری کا آدمی ہے، اسکی بہن وفا بخاری کا باڈی گارڈ۔ میں نے آپکے حکم پر جنگل جا کر اس جگہ کی تلاشی لی تو اسکا والٹ ملا بس۔۔۔اسی سے اسکی شناخت معلوم ہوئی"

ڈرتے ہوئے وہ اپنے علم میں آئی معلومات گوش گزار کرتا سہم کر عائش ہمانی کو دیکھنے لگا جسکے چہرے سے اس وقت نحوست تو ٹپک ہی رہی تھی مگر اس خبر کے بعد وہ نتھنے پھنکارتا بستر پر مکے برسانے لگا، ہاتھ کی پہنچ میں آتی ہر چیز پلوں میں زمین بوس کیے تباہ کی۔

اسکے تمام لوگ ہی اسکی فطرت اور غصے سے واقف تھے۔

"اس حرام زادے کی وجہ سے میں اپنی ٹانگ سے معذور ہو گیا، اب اسکی موت عائش ہمانی کے انداز سے ہو گی۔ خود کے ساتھ برا کرتے اس باڈی گارڈ کی رگیں جسم سے نہ نوچ ڈالیں تو میرا نام بھی عائش ہمانی نہیں۔۔۔ کہاں ہے وہ"

اپنے غضب و نفرت انڈیلتا وہ سرخ بھبھوکہ چہرہ اور خونخوار آنکھیں غفار پر گاڑے پھر سے دھاڑا۔

"وہ ہوسپٹل میں ہے، کومہ میں جا چکا ہے۔ میری مانیں تو اس معاملے کو چھوڑ دیں"

یہ خبر گویا عائش کی جلن مزید دہکا گئی، غفار کے مشورے پر عائش اسے کرختگی سے دیکھتا خاموش تنبیہ کرتا واپس تکیے پر لیٹ گیا۔

"مجھے وہ چاہیے، مجھے وہ زندہ یا مردہ اپنے اڈے پر چاہیے۔ یہ تیرا کام ہے، اور اگر میرے کسی معاملے کی خبر لالہ تک پہنچی تو سب سے پہلے میں تیرے ٹکڑے کروں گا غفار۔۔۔ باقی جو پلین کیا گیا ہے اس پر ویسے ہی عمل درآمد ہو گا۔ دو مزید بچوں کے نام لسٹ میں ڈال دے۔۔۔ نہال کی چھوٹی بیٹی اور مہکار کا بیٹا۔ اس بار بڑا ہاتھ ماریں گے۔۔۔ گم کر شکل اپنی"

ایک ایک لفظ میں اشتعال بھرے وہ غفار کی ہستی فنا کیے اسے دفعان کا اشارہ کرتا خود درد سے کراہتا آنکھیں بند کر گیا اور اسکے حکم کی تعمیل میں سر ہلاتا غفار کمرے سے نکل کر باہر آیا۔

ارد گرد نظر گمائے اپنی جیب سے فون نکالے پراسرار ئیت سے کوئی میسج ٹائپ کیا۔

دوسری طرف سیاہ اندھیرے میں میسج ٹون کی آواز پر بھاری ہاتھ نے اس تک پہنچ کر اٹھائے میسج اوپن کیا۔ کاشان کے چہرے پر موبائیل سکرین کی روشنی پھیلی جس سے اسکی سوجھی متورم بھیانک آنکھیں نظر آئیں۔

"کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوسکتی، تیرا ابھی یہی حال ہے عائش۔ آتا ہوں کل تیری تیمارداری کو"

بیزاریئت اور سرد لہجے میں تنفر سے بڑبڑاتا وہ اس روشنی کا گلا کاٹ گیا، دوگھڑی کا سکون بھی غارت ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کتنی عجیب بات ہے آپ کچھ شئیر نہیں کر رہے، لیکن آپکا چہرہ بتارہا ہے کہ آپ اک سماعت چاہتے ہیں۔ ویسے میں بہت بری کک ہوں لیکن کافی بہت اچھی بناتی ہوں"

ملگجی سی روشنی میں ڈوبا آفس روم جہاں وہ میز پر کھلی لاتعداد فائلز کھولے بیٹھا تو کام کرنے تھا مگر دھیان تو ناجانے کہاں بھٹک رہا تھا، ایزل سادہ مگر ہمدرد سے لہجے میں اسکی مسلسل چپ بھانپے خود ہی کافی کے دو کپ بنائے عین سامنے بیٹھی، اسکی بات نے فارس شاہ کو لمحہ بھر کے لیے چونکایا۔

اپنے گھر سے نکل کر وہ دو مطلوبہ جگہوں پر جا کر حاصل ہونے والی تمام معلومات ایزل تک پہنچانے ہی آیا تھا۔

اور وہ تو رات ہوتی ہی یہاں تھی، اسکے لوگ ہمہ وقت اس جنگل میں پہرہ داری پر فائز رہتے تھے۔

گھنے درختوں اور شہری آبادی سے یکسر دور ہونے کے باعث ان علاقوں میں اکثر و بیشتر مجرم لوگ آ کر پناہ لیا کرتے تھے، چھوٹے موٹے چور، نشئی تو اکثر یہاں پڑے ملتے۔

مگر یہی جگہ خفیہ گفت و شنید اور معاملات طے کرنے کے لیے مناسب تھی کیونکہ پائزن سے چھپنے کے لیے قبر جیسی جگہ ہونی ضروری تھی، اور کیا پتا وہ کتنا طاقتور تھا، بھروسہ ٹوٹنے کے بعد وہ کیسے کس کس بھیانک طرز کی موت دیتا۔

"ایک ہفتے بعد پائزن کے لوگ بہت بڑی سمگلنگ کرنے والے ہیں، ڈرگ کے علاوہ اسلحہ ہے جو بحری جہاز کے ذریعے بارڈر کراس کرے گا۔ اسکے پرسنل ہیلی کاپٹر اس کی نگرانی پر فائز ہوں گے۔ میں وہ جگہ دیکھ آیا ہوں۔ لیکن مجھے خدشہ ہے کہ اگر یہ بات میں نے قانون کی مدد لینے کو لیک کی تو کہیں وہ لوگ اپنا ارادہ نہ بدل دیں"

اپنے آپ کو کمزور نہ ظاہر کیے وہ ایزل کی پیشکش مسترد کرتا صرف کام کی بات پر آیا، ایزل خود اسکی اس اطلاع پر تشویش میں مبتلا لگی۔

"ٹھیک ہے پولیس والا کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں، خبر پہنچ جائے گی ان تک۔ لیکن یاد رکھیے گا اگر پائزن نے اپنا ارادہ بدل دیا تو اسکا مطلب یہی ہو گا کہ وہ اپنے اوپر ہوتے اس وار سے محتاط ہو گیا ہے۔ اگر وہ محتاط ہو گیا تو سمجھیں ہمارا کھیل ختم۔ اور سب سے پہلے وہ غداری کے جرم میں اپنے انہی وفاداروں کو کٹھرے میں لاتا ہے جن پر آنکھیں بند کیے بھروسہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ذرا سی غلطی پر جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں"

ایزل کی لفظوں میں چھپی ڈھکی تمہید اور تنبیہہ پر فارس شاہ نے گہری سانس کھینچی، وہ لڑکی یقیناً اس سے بہتر پائزن کو جانتی تھی۔

"ہمم۔۔۔ اسکے علاوہ عائش ہمانی کے غائب ہو جانے پر اس ریپ وکٹم لڑکی کے قتل کا کیس کلوز ہو گیا تھا۔ عائش زندہ ہے مجھے خبر ملی ہے، نہ صرف زندہ ہے بلکے مین روڈ پر وہ گاڑی میں جاتا دیکھا گیا ہے۔اس لڑکی کی موت کا یہ کیس ری اوپن ہو گا جسے میرا دوست ہینڈل کرے گا۔عائش ہمانی کے خلاف تمام ثبوت اور اسکے جرائم کی لسٹ میں پہلے ہی عون کو ڈیلیور کر چکا ہوں۔ کیا لگتا ہے تمہیں کہ اس سارے کھیل میں اسکا بھائی اسکا مددگار ہو سکتا ہے؟"

ایک سرہ چھوڑ کر وہ دوسرے پر پہنچے دوسری معلومات والی فائیل ایزل کے سامنے کیے اس سے اسکی رائے جاننا چاہتا تھا۔

کھلی فائیل میں کاشان ہمانی کا مکمل بائیو ڈیٹا درج تھا، اسکے اب تک کے ریکارڈز اور اچیومنٹس کی لسٹ بھی موجود تھی۔

"کاشان ہمانی۔۔۔ یہ تو ریسلنگ چیمپئین ہے۔ بہت بڑا نام ہے یہ، بڑے بڑے ناموں کے پیچھے چھوٹی چھوٹی کہانیاں تو فطری ہیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے کاشان ہمانی بہت اصول پرست آدمی ہے۔اس میں اپنے کام کو لے کر بہت پروفیشنلزم ہے، اسکے کلب کی ایک پہچان ہے۔ اسکے علاوہ وہ ایک نیک انسان بھی ہے، کچھ ٹائم پہلے مجھے اس سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا"

ایزل کے تاثرات خاصے شفاف تھے مگر ائزل کی آخری بات فارس کو متوجہ کرنے کا باعث بنی۔

"کہاں ملی تھی تم؟"

فارس نے فوری سوال کیا۔

"مجھے ان دنوں ٹائم پاس کرنے کے لیے گھومنے پھرنے کا شوق ہو رہا تھا تبھی ایک دوست کے ساتھ ایک سکول کی اینول پریزنٹیشن سرمنی میں جانا ہوا تھا۔ ایکچولی وہ میرے گھر کے پاس ہی تھا، اس ادارے میں

غریب اور نچلے طبقے کے بچے پڑھتے تھے۔ وہ وہاں انھیں سکالرشپ دینے ایز آ چیف گیسٹ آیا تھا۔ لگ بھگ چالیس غریب بچوں کو اس نے بہت بڑی اور اچھی سکالرشپ دی تھی"

ایزل اسے بڑی توجہ اور یاد کرتے ہوئے ایک ایک بات بتاتی کہیں کھو چکی تھی، فارس نے محسوس کیا کہ وہ اس ذکر پر نا جانے کیوں ریلکس سی ہو گئی ہے۔

"پھر"

فارس کا تجسس مزید بڑھ چکا تھا۔

"پھر ہماری گلی کا ہی ایک پھول بیچنے والا بچہ اس سے بھاگ کر آٹو گراف لینے گیا، اس بندے کی اس لمحے والی وہ سرشار مسکراہٹ مجھے آج بھی یاد ہے۔ وہ اسکے قدموں میں بیٹھ گیا، اپنے مہنگے برینڈڈ سوٹ پر سلوٹیں پڑنے سے بے فکر اور اسکی پھیلائی ہتھیلی پر اپنا نام لکھنے لگا۔ آپ جانتے ہیں وہ گڈو نامی بچہ اکثر شام کو نہ بکنے والے پھول مجھے دے جاتا تھا، اس روز بھی وہ آیا تھا"

ایزل کی پرسکون مسکراہٹ اور اس کہانی نے فارس کو بھی جیسے کسی اور ٹرانس میں بھیج دیا۔

کافی تو دونوں کی ٹھنڈی ہو گئی۔

"کیا اس روز کچھ خاص تھا اسکے پاس"

فارس نے گہری نگاہوں سے ایزل مہران کی مسکراہٹ کھوجے استفسار کیا۔

"اس روز اسکے پاس ایک ہی پھول تھا، اور اسکی ہتھیلی پر لکھی وہ عبارت۔۔۔۔ (پھول بیچنا میرا پسندیدہ مشغلہ تھا، خدا تمھیں انکی خوشبو جیسا کھرا اور پاک رکھے۔۔۔ کاشان ہمانی)"

وہ یکدم ہی مسکرانے لگی، فارس شاہ کو اس عبارت نے حیران کیا تھا۔

"واقعی یہ ملاقات سحر انگیز سی رہی، مجھے بہت بار کاشان ہمانی پر پائزن کا شبہ گزرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ پائزن ہے لیکن اگلے پل کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ سارا شبہ دور ہو جاتا۔ آج بھی یہی ہوا"

فارس کی ناامیدی اور دل مسوس لینے پر ایزل بھی اس بار شرارتی سا مسکرائی۔

"پائزن۔۔۔اور کاشان ہمانی بلکل ایسے ہیں جیسے آگ اور سمندر۔ اس وحشی کو آپ کس ہمبل سے چمپئین سے ملانے لگے فارس سر۔ ویسے دونوں میں ایک بات تو واقعی مشترک ہے"

اس خام خیالی پر ایزل جب ہنسی تو فارس زرا برہم ہوا مگر آخری بات نے گویا توجہ سلب کی ہو۔

"اور وہ کونسی بات ہے؟"

فارس شاہ نے سرد مہری سے خفا ہوئے پوچھا تو ایزل زرا سا ہنسے سنجیدہ ہوئی۔

"سحر۔۔۔ذات کا سحر۔ موجودگی کا طلسم۔۔۔۔یا پھر کوئی ایک سا جادو۔ آپ ایسا سمجھ لیں کے اگر ایزل مہران کا کوئی آئیڈیل ہوتا تو وہ کاشان ہمانی ہوتا۔ لیکن کیا کر سکتے، قسمت تو اس پائزن نے پھوڑ دی میری۔۔۔نہ اپنے لیے رکھا نہ کسی کے قابل چھوڑا"

کیا اتفاق تھا کہ عین وقت میں ایک ہی دل ایک ہی شخص سے محبت اور نفرت دونوں کر رہا تھا، وہ ایسا ہی تو تھا۔

جس طرح اسکی نفرت اور محبت کے بیچ اک باریک سا پردہ حائل تھا ویسے اسکے سحر میں مبتلا لوگ بھی ایک وقت میں اس سے نفرت بھی کرتے اور محبت بھی، وہ سیاہی اور سفیدی میں آدھا آدھا ڈوبا تھا، اس دنیا جیسا رنگ باز، فریبی، چال باز، شاطر مگر پھر بھی قبول است۔۔۔۔

دونوں کے چہروں پر اب کی بار ایک سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ بتائیں۔۔۔مہکار کے علاوہ کبھی کسی کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی؟"

اپنے چہرے کو پڑھتی فارس شاہ کی گہری آنکھوں میں جھانک کر ایزل نے ایک مشکل سوال کیا تھا۔

وہ شخص جسکے چہرے پر اس سوال سے اندھیرا سا چھا گیا، دل کٹ گیا، وجود کی تہہ تک سے کرلاہٹ نمودار ہوئی۔

"کیسے دیکھا جاتا ہے کسی اور طرف۔۔۔ ساری سمتیں ایک ہی چہرہ ہوں جب۔ لیکن اب دیکھوں گا۔ اپنی ان ساری سمتوں کی جانب جنھیں فراموش کر بیٹھا تھا"

آج اس شخص کا لہجہ تک بوسیدگی سے پاک تھا، اب وہ بھی حصار سے نکل چکا تھا۔

سارا اثر پنے کے بعد اب فارس شاہ پر سکون اتر رہا تھا۔

"اگر پھر بھی وہی دیکھائی دی تو؟"

ائزل بھی کہیں نہ کہیں ظالم تھی، بلکہ وہ تو فارس شاہ کو آزما رہی تھی۔

"تو دعا کروں گا میری دیکھنے کی حس ناکارہ ہو جائے"

اس بار اس شخص کے دامن کا درد اسکے اس ایک جملے میں سمٹ آیا تھا۔

"محبت دوسری بار کیوں نہیں ہوتی؟"

یہ سوال بس یونہی تکلیف سے پوچھا گیا۔

"سب کو ہوتی ہے، مگر کچھ خاص چنے بدقسمت اور سیاہ بخت لوگ ایسے علیحدہ کیے جاتے ہیں جنکو دوسری محبت بھی کمبخت پہلی محبت سے ہی ہو جاتی ہے۔ میرا تو دل چاہتا ہے محبت نامی لفظ ہیٔ اس کائنات سے خارج کر دوں ایزل"

دنیا کی سب سے بڑی تکلیف اسکے لیے محبت ہی تو تھی، وہ بہت تپ کر غرایا۔

اٹھ کر پوری قوت سے کھردری دیوار پر مکا جڑ دیا۔

ایزل وہئں چپ چاپ اسے دیکھتی رہی، مطمئن سی۔

"مجھے پتا ہے میں آپکو رنجیدہ کر گئی لیکن ایک آخری سوال کا جواب دیں گے؟"

وہ خود بھی اٹھ کر فاصلہ طے کرتی عین فارس شاہ کے روبرو کھڑی بولی، وہ سر اثبات میں ہلائے اپنے زخمی ہاتھ پر نظر ڈالے پھر سے اسے دیکھنے لگا جو کسی جواب کی شدت سے متلاشی تھی۔

"اگر مہکار لوٹ آئی تو؟"

یہ سوال فارس شاہ کو ڈس گیا تھا، جسم کا سارا لہو نچوڑ گیا۔

"میں فارس شاہ ہوں ایزل، جانے پر یقین رکھتا ہوں۔ لوٹ آنے پر نہیں۔ اب وہ جیے، مرے، یا تڑپے مجھے فرق نہیں پڑے گا۔ اسے میری خاک بھی نہ ملے گی۔۔۔ یہ میرا سینہ جہنم بن گیا ہے، اس جہنم میں سب جل گیا"

اسکے لفظوں کی ہوک میں چھپا الم ایزل کے دل تک بھی اترا تھا، وہ کتنی ہی دیر کچھ بول ہی نہ سکی۔

"محبوب برا ہو تو کیا اسے دل سے آخری تہہ تک کھرچ کر لوٹ کھسوٹ کر نکالنا ممکن ہو سکتا ہے؟ یہ سوال پینڈنگ رکھتے ہیں۔ جب آپکو اسکا جواب ملے تو مجھے بھی بتائیے گا۔۔۔"

وہ نکھرے رنگ و روپ والی اذیت سے ہنس کر بات گمائے فارس شاہ کو وہیں پتھر کی طرح ثبت کیے کافی دوبارہ بنانے جا چکی تھی، اور فارس کو لگا جو سینہ جہنم ہے اب وہ لہولہان سا ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم جا رہے ہو؟"

کسی شناسا سی آواز میں پیوست مٹھاس نے ابدال کو مڑنے پر مجبور کیا، وہ اپنا بیگ ڈرائیور کو دیے خود چہرے کی تمام تر مسماری و بیقراری جذب کرتا عین برہان علی کے روبرو ہوا۔

انکے چہرے پر اک آس سی درج تھی۔

"جانا ہی طے تھا سر" ازل کا لاپرواہ و بے نیاز لہجہ۔

"میں اس وقت بہت مجبور تھا تبھی چاہ کر بھی تمہارے لیے کچھ نہ کر سکا، میری بیٹی ہڈیوں کے کینسر کی مریض ہے۔ ہر ماہ اسکے علاج کے لیے ایک کثیر رقم درکار ہوتی ہے۔ جو مجھے اس جاب سے ملتی ہے۔ کتنی عجیب و تلخ کیفیت ہے کہ میں ایک پیاری چیز کو دوسری عزیز شے پر قربان نہیں کر سکتا۔ تم مجھے معاف کر دینا"

ملول و غمزدہ ہوئے وہ ابدال کے کندھے کو جکڑ کر اپنی بلکتی ہوئی کہانی گوش گزار کرتے ہوئے اپنی آنکھوں میں ابھر آتے ملال سے فرار نہ کر سکے۔

"آپ ایسا مت کہیں سر، مجھے ان چار سالوں میں آپ نے بھرپور سپورٹ کیا، مجھے نکھارا۔ آپ سے کیسا شکوہ۔ رہی بات عزیز کی تو آپ کا یہ جملہ میری ہمت کو کافی ہے۔ مجھے یقین ہے یہ دھتکار کا سفر میری بہتری ثابت ہوگا"

اتنی سی عمر میں وہ انتہائی میچور اور سمجھدار تو تھا ہی مگر کبھی کبھی اسکی باتیں اگلے انسان کو بل کھا کر رہ جانے پر مجبور کر دیتیں۔

"تم بہت الگ ہو ابدال، تمہاری زندگی عام زندگی سے یکسر الگ ہوگی۔ میں پھر بھی چاہتا ہوں تمہارے لیے کچھ کروں۔ بتاؤ مجھے؟"

وہ شدید بیقرار سے وجیہہ و پر وقار سے برہان علی بس ابدال کے یوں جانے پر سخت دلبر داشتہ ہو رہے تھے، وہ مسکرا دیا۔

اس مسکراہٹ میں ہلچل تھی، شور تھا۔

ٹھہرا ہوا وہ اک لمحہ بہت نایاب تھا۔

"آپ اگر واقعی کچھ کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کسی طرح اس انسان کا پتا لگوا دیں جس نے مجھے ڈرگ دی۔۔۔ بس پتا، آگے کا کام میرا ہو گا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے غرور اور اعتماد کو توڑنے والا وہ انسان کون ہے۔ کیا آپ میری مدد کریں گے"

مقابل کا اصرار جب کسی صورت ماند نہ پڑا تو ابدال نے بھی اپنی مانگ سامنے دھری۔

پہلے تو وہ کچھ دیر کشمکش و پیچ میں مبتلا رہے مگر پھر کچھ دیر بعد اثبات میں سر ہلائے اسکے چہرے کی متذبذب لہر بھانپے اسکی گال سہلائے تھکا سا مسکرا دیے۔

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا، تم مجھ سے ملنے آتے رہنا اکیڈمی۔۔۔ کبھی بھی میری ضرورت ہوئی بلا جھجک یاد کرنا۔ یہ ادنی سا رہنما تمہارے ساتھ ہے"

یہ ابدال واحد تھا جسے وہ اپنے بیٹے جیسا عزیز جانتے آئے تھے، وہ پیارا تھا ہی مگر برہان صاحب کو اس میں اپنی جیسی جھلک نظر آتی تھی۔

مشکلات سے لڑ کر کندن بننے کا سفر ابدال کی پیشانی پر آویزاں تھا جسکی چمک اس فرار سے ہر فرار کے ہر منظر نے دیکھ لیا تھا۔

ابدال اور ہلال نے اپنی زندگی کا ایک اور سفر ساتھ طے کیا تھا، دربدری کا۔

لاعلمی سے آگاہی کا۔

سارا راستہ وہ دونوں چپ چاپ بدلتے اور پیچھے چھوٹتے منظروں کو دیکھ کر الوداعی نظریں سونپ کر او جھل ہوتے رہے۔

بخاری ولا میں ابدال اور ہلال کی آمد، گویا اس نیا طوفان برپا کر گیا تھا۔

پرنسپل نے پہلے ہی ابدال کے خلاف ناجانے کیا کچھ نہال بخاری تک پہنچا دیا تھا، سب کے بیچ بنا کسی جرم کے مجرم بنا وہ نہال بخاری کی تپش پہنچاتی نظروں سے بے خوف تن کر کھڑا تھا۔

وفا بخاری کے لیے یہ دھچکا سنگین تھا، ابدال مصطفی سب کر سکتا تھا مگر اپنے اصولوں سے انحراف نہئں۔

"یہ دن دیکھانے سے بہتر تھا تم مجھے زہر دے دیتے، زلت، رسوائی، تکلیف، بے چینی اور منحوسیت کے سوا ہو کیا تم؟ اس لیے بھیجا تھا تمہیں اتنے مہنگے اور بڑے ادارے میں کہ وہاں سے اس تہہ دامنی کے سنگ دھتکار دیے جاو۔ شیم اون یو ابدال"

کمرہ عدالت میں اس پر جملے کسے گئے، بنا تحقیق الزام لگائے گئے، اسے موردالزام ٹھہرا دیا گیا مگر اسکے کم سن حسن والے چہرے پر بلا کا اطمئینان درج تھا۔

"یہ سب غلط ہے، اس پر الزام ہے۔ آپ ایسا نہیں کریں بھیو۔ وہ پہلے ہی اپ سیٹ ہو گا"

وفا جو آفس جانے کو تیار تھی اب سب بھولے ابدال کو خود سے لگائے اسکی ڈھال بنی نہال بخاری کے روبرو پورے وثوق سے ہقین دلاتے بولی مگر مقابل تو روح تک جھلسا دیتا استہزایہ کانٹے دار تبسم ڈ نگنے کو تیار تھا۔

"مزید اس بیوقوف اور ہٹ دھرم کی کوئی سائیڈ نہیں لیں گی آپ وفا، یہ کیسا ہے اس نے پچھلے پانچ سالوں میں مجھے اور اس گھر کے ہر فرد کو باور کروا دیا ہے۔ اتنی سی عمر میں اسکی آنکھوں میں باغیانہ وحشت دیکھ لیں، کیسے دیکھ رہا ہے یہ اپنے باپ کو"

نہال کا اشتعال گو لمحہ بہ لمحہ بڑھا۔

وہ اٹھ کر عین ابدال کے سامنے اپنے کندھوں سے بھی اوپر تک آتے ابدال کو ناگواریت سے دیکھ کر گویا ہوئے۔

وفا نے افسوسناک نگاہ بھیو پر ڈالی جو دن بدن ظالم ترین ہو رہے تھے۔

گویا انکے سینے میں دل نے پتھر کی شکل اوڑھ لی تھی۔

"یہ مسئلہ میں دیکھ لوں گی، جاو ابدال جا کر ریسٹ کرو۔ ہلال آپ بھی جاو بچے۔ فریش ہو کر ریسٹ کرو۔ اس پر ہم ڈنر پر بات کریں گے"

وفا رسان سے سہمے سے ہلال کو بھی ساتھ تاکید کیے دیکھ ابدال کو رہی تھی جسکی جوتی تک کو پرواہ نہ تھی کہ نہال بخاری کا آدھا خون جل چکا ہے۔

"اب اپنے ہر مسئلے کو میں خود دیکھ لوں گا، اپنے بھیو سے کہہ دیں کہ مجھے مردہ سمجھ کر فاتحہ پڑھ لیں۔ روز روز اپنا دل اور خون جلاتے ہیں میری وجہ سے تو یہ مجھے گوارہ نہیں۔۔۔"

وفا کے ہاتھ کی اپنی کلائی پر بڑھتی گرفت خفگی سے جھٹک کر وہ بنا نہال کو دیکھتا اک نظر ہلال کو دیکھے اپنے کمرے کی سمت لپک گیا اور ہلال بھی نظر بچاتا پیچھے ہی گیا البتہ ابدال کی اس بے باک اور چبھتی گفتگو پر وہ بے حس شخص فقط مٹھیاں بھینچتا رہ گیا۔

"بھیو۔۔۔ وہ ٹوٹ جائے گا ایسے۔ آپ اسے بہت برا توڑ رہے ہیں"

ابلتے افشار خون کے تھمتے ہی وفا آگے بڑھ کر نہال کی بھینچی مٹھی اپنے ہاتھوں میں لیے آس سے بولی، شکوہ تو گویا خود ہی ہونٹوں پر مچل گیا تھا۔

"اور وہ۔۔۔ اسکا رویہ دیکھا ہے آپ نے؟ ضرب لگانا کب بھولا ہے میرے دل کو۔ کیا برا کیا اگر اسکی دماغی بہتری کے لیے میں نے اسے یہاں سے دور بھیجا۔ وہ پاگل ہو جاتا، عناب کو بھی کر دیتا۔ کیا اپنی اولاد کی

بہتری کے لیے سخت اقدامات اٹھانا جرم ہے؟۔۔ میں سمجھ نہیں پاتا کہ آخر میرے فیصلے کیوں میرے لیے وبال جان بن جاتے"

پہلی بار تھا کہ نہال بخاری کا سارا غرور کرچیاں محسوس ہوا، وہ جیسا بھی تھا مگر وفا بخاری کے لیے وہ اسکے فیورٹ بھیو تھے۔

وہ کیسے سہہ لیتی کہ اسکے بھیو کی تکلیف مسلسل ہو۔

"ایسا نہیں ہے، آپکا کوئی فیصلہ غلط نہیں۔ لیکن بھیو، منیہا کی طرح آپکے وہ دو بچے بھی آپکی محبت اور لمس کے طلب گار ہیں۔ میں نے کبھی آپکے کسی فیصلے کو رد نہیں کیا لیکن پلیز ابدال کو مزید دکھ مت دیں۔ اس کے ساتھ جس نے بھی یہ کھیل کھیلا ہے میں ضرور ڈھونڈ لوں گی۔ اپ یہ سب مجھے ہینڈل کرنے دیں"

وفا کے اصرار پر نہال نے شکوہ کناں ہوئے اسے دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ آہستگی سے چھڑوائے بنا کوئی جواب دیے وہاں سے چلے گئے۔

وفا نے بھی فریال بھابھی کی جانب مڑ کر دیکھا جو ناشتے کے برتن ملازمہ سے سمیٹوا کر خود بھی پریشان حال سی اسکی جانب آئیں اور ایک خاموش تسلی سونپی۔

وفا موہوم سا مسکراتی سیدھی ابدال کے کمرے کی طرف گئی۔

دروازہ زرا سے دباو پر ہی کھل گیا۔

وہ بیڈ پر بیٹھا سر گرائے فرش پر بچھے قالین کو دیکھتا گہری خاموشی میں مبتلا تھا کہ وفا کے آکر قریب بیٹھنے تک اسکے بت سے پتھر وجود میں ہلچل تک نہ ہوئی۔

"مجھے پتا ہے تم ایسا کچھ نہیں کر سکتے، جس نے بھی یہ کیا ہے اسے سزا دے گی وفا۔ جس نے بھی میرے بچے کو تکلیف دی اسے اذیت کی بھٹی سے نہ گزارا تو میرا نام وفا بخاری نہیں"

اسکی چپ سے وفا کانپ اٹھتی تھی، وہ خاموش طوفان سے پہلے کی خاموشی سا ساکت تھا جب وفا نے اسکے چہرے کو اپنی جانب موڑے یقین دلایا۔

"اور اگر کبھی آپ میری تکلیف کی وجہ بن گئیں تو؟"

حالات وواقعات سے یکسر الٹ استفسار پر وفا لمحہ بھر بل کھا گئی، قنوطیت سے اٹا بیٹھا وہ اسکی جان ہی تو لے رہا تھا۔

"میں کیوں وجہ بنوں گی تمہاری تکلیف کی، کیا تم نہیں جانتے کہ کیا ہو میرے لیے۔ تمہیں درد دینے کی نیت بھی کروں تو اسی وقت دل رک جائے۔۔۔ ایسی باتیں کم از کم ابدال مصطفی تو نہئں کر سکتا۔ تم تو سٹرونگ بوائے ہو"

کب بے دھیانی میں اس کھلے ہوئے گلاب نے مرجھانا شروع کیا اور کب ابدال کی آنکھیں بھرا گئیں، اور کب ضبط کی توھین کرتا آنسو اسکے رخسار تر کر گیا، یہ سارے منظر وفا کا اسکے آنسو پونچھ لینے تلے دب کر منہدم ہوئے تھے اور وہ وفا کا وہی ہاتھ پکڑے وہیں بے جان سا ہوئے اسکی گود میں سر رکھے ڈھیر ہوئے لیٹ سا گیا اور آنکھیں جو نا جانے کب سے جل رہی تھیں، بند کر لیں۔

"وفا میں سٹرونگ بوائے نہیں ہوں، مجھے ابھی سے اس دنیا کی گندی حقیقت نہیں دیکھنی۔ یہ مجھے بجھا رہا ہے۔ ان سب لوگوں نے کل تک مجھے ہاتھوں کا چھالہ بنایا ہوا تھا، ایک پل میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے چکر میں میرے غرور کو توڑ کر مٹی میں ملا کر وہ لوگ پرسکون نیند کیسے لیں گے"

وہ رو تو نہیں رہا تھا پر اسکے وفا سے کیے شکوے بھیگے تھے، وہ دلخراش تھا اور وفا کے دل پر دھرے بوجھ دگنے ہو گئے۔

نرمی سے اسکی کشادہ پیشانی پر ڈھلک آتے بال سہلاتی وہ بھی اسکی کیفیت سے انجان نہ تھی۔

"نہیں لیں گے، تمہیں بے سکون کرنے والے کبھی سکون نہیں پائیں گے"

یہ وقت قبولیت تھا، وفا کی دی دعا سیدھی عرش پر جا پہنچی تھی۔

ناجانے کیوں مگر وہ یکدم ہی تکلیف سے نکل آیا، وہ مسکرایا تو وفا کی جان میں جان آئی۔

" آئی لائک اٹ، جب ایسے بے دھیانی میں آپ کوئی میری پسندیدہ دعا دیتی ہیں مجھے تو میری ہر تکلیف پتا نہیں کہاں چلی جاتی۔ اداس نہیں ہوں، میں ٹھیک ہوں"

بے بسی کی آخری حد میں وفا کی آنکھوں سے نکل آتی نمی اپنے نازک ہاتھوں کی پوروں سے جذب کیے وہ پھر سے زندگی بن گیا تھا۔

وفا کی زندگی۔

" مجھے پتا ہے تم بہادر ہو، لیکن تمہارے یہاں آجانے سے کچھ نہیں بدلے گا سو ریلکس۔ وھاج سکندر ہوسپٹل میں ہے۔ یہ فریضہ تمہارے ذمے ہے کہ ہلال اور آنٹی زہرہ کو یہ سب بتاو۔ اور اس وقت ہر چیز بھول کر اس معاملے کو دیکھو"

وفا کے اس انکشاف پر نہ صرف وہ پرہشان ہوا بلکہ اپنی ٹنشن بھولے فکر مند سا واپس اٹھ کر بیٹھا، وفا نے اسکی بے چینی بھانپتے سارا معاملہ بتایا جو ابدال کے لیے اپنے معاملے سے زیادہ اداس کر دینے والا تھا۔

" ٹھیک ہے میں کرتا ہوں یہ سب، آپ پریشان مت ہوں۔ اور اس بزدل انسان کے لیے تو ہرگز نہیں جس سے اپنی محبت کا اظہار وقت پر کرنے تک نہ ہوا"

فوری ہامی بھرے ساتھ ساتھ وہ وھاج پر برہم بھی ہوا اور یہ وفا کے لیے حیرت کا جھٹکا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے، اس نے کوشش کی تھی ابدال۔ ساری بات مقدر کی تھی۔ وہاج کے لیے دل میلا نہیں کرو، وہ تمہارے بڑے بھائی جیسے ہیں" ابدال کے بگھڑے تیور دیکھ کر وہ کہے بنا نہ رہ پائی مگر مقابل سرد تاثرات ہنوز برقرار تھے۔

"ہمم۔۔ دیکھیے گا جب مجھے محبت ہو گی تو ڈنکے کی چوٹ پر اظہار کروں گا۔ انکی طرح محبت کو جرم اور غلطی بنا کر پچھتاوا بننے نہیں دوں گا"

عصیل ہوتا وہ جو غیر دانستہ کہہ بیٹھا اس پر وفا یکدم ہی ہنس دی، اور وفا کی ہنسی تا دیر مسکرا کر تکتے ہنڈسم سے ابدال نے اس ہنسی کی عمر درازی مانگی۔

"مجھے انتظار رہے گا جب تم اس سٹیج تک پہنچو گے، وہ اس دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی ہو گی جسے ابدال مصطفی کی محبت بننا نصیب ہو گا۔ اینڈ آئی نو تمہاری طرح سر پھری اور پاگل بھی ہو گی اور تمہاری ہی طرح میری جان بھی"

محبت سے بھرپور چھیڑتا انداز آخر تک ابدال کو حقیقی جیلس کر چکا تھا تبھی وہ ابرو اچکاتا کیوٹ گھورتا پایا گیا۔

"او ہیلو مس وفا، جان وان نہیں ہو گا کوئی اور آپکی۔۔۔ آپکا وہ ہاتھی نما ریسلر تک نہیں۔ یہ صرف میرا حق ہے، آپ جانتی ہیں ناں کہ اپنا حق پوری شان سے نہ ملے اگر تو ابدال مصطفی اس حق سے دستبردار ہونے میں دیر نہیں کرتا۔ پھر وہ حق ترستا ہے میرے لیے"

تفاخر لیے وہ شان بے نیازی سے کہتا کہتا تب سنجیدہ ہوا جب وفا کے چہرے کی زردی اسکی من پسند آنکھوں میں سمٹ آئی۔

"آپ ٹھیک ہیں ناں؟"

پوری طرح وفا کی جانب متوجہ ہوئے پوچھ کر وہ وفا کو نڈھال کر گیا۔

"یس، اچھا یہ سب چھوڑو۔ پھر بات کریں گے۔ اٹھو اور فریش ہو جاو اور ہلال کو لے جاو ہوسپٹل تاکہ وہ مل لے وھاج سے۔ پھر ہم زہرہ آنٹی کی طرف ساتھ چلیں گے، اس وقت انھیں اکیلا نہیں چھوڑنا۔ میں تب تک آفس کا ضروری کام کر کے آجاوں گی۔۔۔۔"

بات ٹالتی وہ چند تاکیدیں کرتی چلی تو گئی مگر ابدال اسکے جانے کے بعد کتنی ہی دیر کسی گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیوں لائے ہو اب تم اس کو کاشان، اب اس منحوس کو سر سے اتار دو پلیز۔ تنگ آچکی ہوں تمہاری مہکار نامی رٹ سے۔ دیکھو میری جان، وفا کی طرف خود کو مائل کرو اور اس عورت کو بھیجوا دو یہاں سے"

پچھلے کئی منٹس سے لگتار زویا اسکے کمرے میں کھڑی اسے بے نیازی سے سجتا دیکھ کر اسے سمجھانے میں لگی تھی مگر اس شخص کی پر اسرار چپ نے زویا کو غصہ دلا دیا اور تبھی وہ اسکی بھاری بازو پوری قوت سے جکڑ کر گما کر اپنے سامنے کیے ناراضگی سے دیکھ رہی تھی جہاں اک سلگتا تبسم لبوں پر آئے مچلا۔

"کیسے چھوڑ دوں اس عورت کو جس کی حسرت میں کئی سالوں کا سکون غارت کیا میں نے، کیا آپکو لگتا ہے مہکار اب بھی میرے سر پر سوار ہے؟"

سوال کو یکسر مسترد کرتا وہ اک نیا سیاپا ڈال بیٹھا، زویا کو تو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تبھی وہ حیرت و بے یقینی نے سمندر میں غوطہ زن لگی۔

"سر پر نہیں سوار تو اسکی اس حویلی میں موجودگی کا کیا مطلب ہے کاشان؟"

زویا سخت جنجھلا اٹھی، دہل کا استفسار کیا۔

"تسکین، اپنی انا کے مجروع ہونے پر اب اسکی تسکین بھی تو ضروری ہے۔ اپنی ملکیت بناوں گا اسے اور پھر اسے اسی طرح ماروں گا جیسے اس نے بچارے فارس شاہ کو مارا۔ کبھی کبھی مجھے جتنا ترس خود پر آتا تھا زویا اس سے بڑھ کر فارس پر بھی آتا تھا۔ لیکن ایک رات میں سب بہت پیچھے رہ گیا۔ آپ کو شکائیت تھی میری جلتی آنکھوں سے، میری وحشتناک ذات سے، میرے خساروں کی سنگینی سے۔ دیکھیں سب خالی، بھر سا گیا۔ اچانک "

وہ آج ایک خوبصورت روپ میں لپٹا دیوانہ لگا اسے، سر پھرا، جو نہ من پسند شے چھوڑ رہا ہو نہ ناپسند شے کو خود سے رہائی پر آمادہ ہو۔

"سیاہ کو سفیدی کی ضرورت پڑتی روشن ہونے کے لیے، تمہارے دل میں اب تک جو محبت نامی خرافات تھے وہ سیاہی سے بھی بری کالک تھی۔ روشنی تو اب ہوئی ہے لیکن ابھی وافع نہیں"

کاشان ہمانی کی آنکھوں سے آج اسکا دل دیکھ رہی تھی زویا، سیاہ و سفید سے یکسر الگ روشنی کے ہالے میں پھڑکتا دل۔

دھڑکنے اور پھڑپھڑانے میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے۔

"وافع کیسے ہوتی، راستہ ہی غلط اور شارٹ کٹ چن لیا۔۔۔ محبت والے تو بے صبرے نہیں ہوتے، بے صبر اپن کیا جائے تو چھلک جاتا ہے دل کا دریا، کسی گہری تاریک گھاٹی کی جانب۔۔۔ بتائیں محبت کیا ہے؟"

وہ ڈھل گیا تھا، چند پلوں میں ہی، مگر پھر اس سے پہلے زویا اسے کچھ بتاتی، کسی کال کے آنے سے لے کر کاشان ہمانی کی آنکھوں میں از سر نو بیدار ہوتی وحشت اور اشتعال کے رنگوں پر زویا بھی مضطرب ہوئی۔

کل وفا بخاری کا پیچھا کرنے والے کی جانب سے ملتی خبر کاشان کے دل کو پھر سے سیاہی کی دلدل میں دھنسا گئی۔

"محبت پر لعنت۔۔۔۔"

جبڑے بھینچ کر وہ زویا کو بنا دیکھے لمبے لمبے ڈگ بھرتا نا صرف باہر نکلا بلکے دروازہ پوری شدت سے پٹخ کر گیا جس پر زویا خوفزدہ ہوتی دیکھتی رہ گئی۔

کاشان ہمانی نے بھاری قدموں کو روکے اس کمرے کی جانب رک کر پاس کھڑے گارڈ کو دروازہ انلاک کرنے کا اشارہ کیا اور بنا ماسک لگائے ہی اپنے اصل چہرے کے سنگ مہکار کے کمرے کی جانب لپکا جسے ایک رات کی دردناک اذیت نے پہلے ہی بے جان کر دیا تھا۔

وہ اوندھی بستر پر لیٹی ہچکیوں سے سانس لیتی خوفزدہ ہوئے پلٹ کر اٹھ تو بیٹھی مگر سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھ کر مہکار کے سارے آنسو اسکے حلق کے پار ہی دھنس کر رہ گئے۔

وہ استہزایہ چہرہ، جہاں نفرت اور سرور کے ملے جلے تاثرات اور اسکی گرے آنکھوں میں ہلکورے لیتی جیت کا نشہ مگر پھر جیسے ہی کاشان نے اپنے بھاری قدم اس عورت کی جانب بڑھانے چاہے تو دل میں اک ٹیس اٹھی۔

"تم؟"

مہکار نے حلق سے لگی رندی آواز سے اس پر اسرار ساحر کو دیکھ کر استفسار کیا۔

"پائزن"

لطف لیتے اطلاع دی گئی، مہکار نے جھٹکے سے بیڈ سے اتر کر مرے قدموں کے سنگ کاشان ہمانی کی سمت دیکھا جیسے وہ اس چہرے کو پائزن کا چہرہ جان کر صدمے میں تھی۔

اسکی گریہ وزاری سے لال آنکھیں تمام تر تکلیف کے بھی آج پائزن کے لیے نہ کوئی کشش لیے تھیں نہ دلکشی۔

"تو تم ہو پائزن، جانور کہیں کے۔ دنیا کے سامنے کاشان ہمانی بن کر اچھے پن کا ناٹک اور اس نقاب کے پیچھے وہی درندہ۔۔۔ قیمت لی تھی ناں تم نے میری، تو پھر کیوں واپس اس جہنم میں لائے ہو مجھے"

مہکار کی نفرت اور سرد مہری کے سنگ پوچھے سوال پر کاشان کو نا جانے کیوں اس عورت کی قسمت پر ترس آیا تھا، آج بھی اول دن کی طرح وہ ویسی ہی شاداب اور کسی کو بھی مائل کر دینے کی حد تک پر کشش تھی مگر ایک کشش آج اسکے مقابل تھی، اپنے اصل روپ کے سنگ۔

"آہاں تو تم کاشان ہمانی کو جانتی ہو، سن کر اچھا لگا ڈارلنگ۔۔۔ تم جہاں بھی چلی جاتی، تمہاری اصل جگہ صرف میری قید ہے۔ نو سال پہلے خود پر ترس کھا کر نجات دی تھی تمہیں، لیکن اب نہ تو تمہیں کوئی بچانے آئے گا نہ مجھ سے خریدنے۔۔۔۔ کتنی بے مول ہو چکی ہو مہکار، تمہیں گھن نہیں آئی خود سے۔۔۔۔"

زرا فاصلہ کاٹے وہ عین اس جلتی سلگتی عورت کے روبرو آئے اسکے حسن کا تفصیلی جائزہ لیتا آخر تک اسکی توہین کرنے سے بھی نہ چوکا، وہ نفیس اور معتبر بس دیکھنے سے لگتا تھا، مگر اچھے سے وار کرنا اور سینے پر زخم کھانا جانتا تھا۔

اس تحقیر آمیز جملے نے مہکار کو کچوکا لگایا، وہ اب بھی نہ سمجھی کہ اسکی جگہ کتنی پستی تک آ چکی ہے۔

"تم کیا چاہتے ہو اب مجھ سے؟"

اتنا تو وہ کاشان کے جملوں میں بسی حقارت سے جان ہی گئی کہ اب وہ اس در کی بھی نہ رہی ہے تبھی وہ کاشان کی وحشتناک آنکھوں میں آنکھیں گاڑے تلخ ہوئی۔

"خود پر میری حاکمیت تسلیم کرو، تم پھر سے میری ملکیت میں آجاو۔ پہلے تو بہت آزادی تھی تمہیں لیکن اس بار قید تمہاری سوچ سے زیادہ بھیانک ہو گی۔ ویسے بھی اب تم پائزن کا اصل چہرہ دیکھ چکی ہو لہذا رہائی بس موت ہے"

کمال اطمئیان سے وہ یہ جان لیوا احکامات صادر کرتا مہکار کی بے بسی پر دل تک نہال ہوا۔

مگر وہ اسے آنسو ہوتی آنکھوں اور نفرت سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے چھوڑ دو پلیز، مجھے اس انسان سے بدلا لینا ہے ورنہ میں مر جاوں گی"

بہت بے بس ہوئے وہ کاشان کے گریبان کو دبوچے التجاء کر بیٹھی مگر مقابل سرور میں اضافہ ہوا۔

وہ انگلئ مس کیے مہکار کی گال کی نرماہٹ محسوس کرتا مسکرایا اور وہ گہرے سانس ہموار کرتی آنسو پی گئی۔

"تو لو بدلا، روکا کس نے ہے۔ بس یہ یاد رکھنا تم اب میری تاحیات ملکیت ہو اور جب جب تم میری حاکمیت سے انکار کرو گی اسکی سزا تمہارا یو آن بھگتے گا یاد رکھنا"

دھمکاتا ہوا وہ آنکھوں میں لہو ٹکائے گھورا اور یو آن شاید اب وہ واحد وجود تھا جو مہکار کو عزیز تھا۔

"میرے بیٹے سے دور رہنا نجس انسان"

مہکار کا بس چلتا اسکا سیاہ کلیجہ نوچ ڈالتی۔

"تم میرے قریب رہنا پھر"

سختی سے اسکے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت سے جھٹک کر اسے جہنم کی طرح سلگا گیا، پوری قوت سے وہ اسے خود سے دور پٹخ کر چینخی۔

یہ الگ بات تھی کہ ایسا کر کے وہ خود اس عورت کو چھونے پر اپنے تن من میں زہر پھیلتا محسوس کر رہا تھا، آج اس عورت سے کوئی الفت محسوس نہ ہوئی، جیسے ہر جذبہ اس شخص کی دسترس سے کوئی بہت خاموشی سے چرا لے گیا ہو۔

"ویسے تو میں آل ریڈی اب شادی شدہ انسان ہوں لیکن تمہاری روح فنا کرنے کے لیے مجھے تم سے سرسری ہی سہی مگر ناجائز تعلق نہیں بنانا لہذا اچھا ہو گا کہ تم میرے نکاح میں آو۔۔۔۔ کوئی بھی چالاکی کرنے سے پہلے اپنے یو آن کی زندگی کے بارے سوچ لینا۔ یہ کمرہ ہی تمہاری قبر بنے گا اگر مجھے دھوکہ دینے کی کوشش بھی کی"

گردن پر اپنے ہاتھ کی انگلیاں گاڑتا دھکیل کر بیڈ کی جانب گرائے اپنی بات بہت اچھے سے باور کرواتا وہ نہ صرف پلٹا بلکے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا اور وہ تکلیف اور اذیت کی یہ مسافت شروع ہونے پر ہی بلبلا اٹھی، کراہٹیں گھونٹ کر نہ جانے اب اسے کب تک اپنی بے بسی پر صرف رونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زہرہ خالا کی طبعیت تو وھاج کو دیکھتے ہی بگھڑ گئی تھی، انکا لخت جگر زندگی اور موت کے بیچ ہچکولے کھا رہا تھا، بیٹھے بیٹھائے ایسی قیامت اس ماں کے بھرے دل کو نڈھال کر گئی تھی مگر ہلال اور ابدال کے ہونے نے انکو بہت تسلی دی۔

"پریشان مت ہوں ماں جی، دماغ کی کوئی اندرونی نس متاثر ہوئی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ خون بہہ گیا تھا، امید ہے آپکا بیٹا جلد اس کومہ سے باہر آجائے گا۔ آپ کے مشکل وقت ہے مگر ہمت سے کام لیں۔ دیکھیے یہ دونوں بھی پریشان ہو رہے ہیں"

نرس نے رسان اور محبت کے سنگ زہرہ صاحبہ کو ڈرپ لگاتے ساتھ ساتھ تسلی بھی دی اور کچھ فاصلے پر کھڑے ہلال اور ابدال کی جانب بھی توجہ دلائی جسکے باعث وہ رونا رو کے آزردہ سی ہو گئیں۔

"ان شاء اللہ"

بجھے لہجے میں گویا ہوئیں تو نرس ان پر اک نظر ڈالے کمرے سے باہر چلی گئی تبھی ہلال اور ابدال دونوں ہی بیچ کا فاصلہ طے کرتے انکے پاس آئے۔

ہلال نے قریب ہو کر بیڈ پر بیٹھتے ہی انکا ہاتھ تھاما اور پیار دیا، ابدال کی توجہ ان دو کی تکلیف کی جانب ہی تھی۔

"ہماری بھلا کسی سے کیا دشمنی تھی جو یہ سب ہوا، اسکی یہ حالت کیسے دیکھوں۔ کبھی ایک جگہ ٹک کر نہ بیٹھنے والا میرا بچہ یوں بے جان ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا ہے۔ مشکل ہے بہت"

ہلال کی اداسی بنا سنے ہی بھانپ کر وہ ان دونوں کو تکتیں ملال میں مبتلا بولیں، لہجہ تکلیف سے بھیگ سا گیا۔

"آپ خود کو سنبھالیں ناں ماں، ٹھیک ہو جائیں گے لالہ، یہاں اس ہوسپٹل انکی بہت کیئر کی جا رہی ہے۔ میں آپکو گھر چھوڑ کر واپس یہیں آجاوں گا۔ لالہ کے ساتھ رہوں گا۔ لیکن آپکو خود کا دھیان رکھنا ہے پلیز"

فوری اپنی عمر سے بڑا ابن جاتا وہ یہاں بیٹھا والدہ کو حوصلہ دے رہا تھا جو یہاں سے ایک پل او جھل ہونے پر آمادہ نہ تھیں مگر یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہ تھا تبھی ڈاکٹرز کا کہنا یہی تھا کہ مریض کے ساتھ کسی کو بھی ہوسپٹل رہنے کی ضرورت نہیں۔

وحید صاحب نے اس حادثے کا سن کر بذات خود ہوسپٹل آکر ڈاکٹرز کو وھاج کے ہر ممکنہ بہترین علاج کی تاکید کی تھی اور وہ اس پر حملہ کرنے والے کی تلاش بھی شروع کروا چکے تھے مگر فی الحال کچھ پتا نہیں چلا تھا۔

"میں اسے چھوڑ کر نہیں جا رہی پتر"

زہرہ صاحبہ جیسے تڑپ اٹھیں۔

"آپ ہم پر بھروسہ رکھیں خالا جان، انکو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کی اپنی طبعیت ناساز ہے۔ میرا تو خیال ہے ہلال تو بھی گھر جا، یہاں میں اور گارڈز موجود ہیں"

ابدال نے خود ہی اس وقت کی نزاکت بھانپتے مشورہ دیا جسے زہرہ نا چاہتے ہوئے بھی مان گئیں۔

ہلال کو انکا خیال رکھنے کی تاکید کرتا وہ انھیں کوریڈور تک چھوڑ کر واپس کمرے میں آیا تو کسی مشکوک سے ہڈی میں لپٹے آدمی سے بری طرح ٹکرایا۔

"کیا دیکھائی نہیں دیتا تجھے۔۔۔"

دو فٹ دور دھکیلا جانے والا وہ آدمی ابدال کی جانب لپک کر اسکا گریبان دبوچے غرایا جس پر ابدال نے پہلے تو پوری قوت لگائے اسے دھکا دیا اور پھر اپنی شرٹ کی سلوٹیں بیٹھائے روح فنا کرتی آنکھیں اس سر تا پا سیاہ میں لپٹے غنڈے نما آدمی کو جاتا دیکھتے اسکی پشت پر گاڑیں۔

کچھ تو گڑبڑ تھی جسکی ابدال کو خبر ہوئی، وہ بنا کچھ سوچے اس آدمی کے پیچھے ہی کوریڈور عبور کرتا باہر نکلا۔

ہوسپٹل کے مین لان میں پہنچ کر اس آدمی نے اپنی پتلون کی جیب سے فون نکالا اور کوئی نمبر ڈائیل کیے کان سے لگایا۔

دوسری سمت گہرے تاریک کمرے میں فون پر چمکتی روشنی پر وہ کراہتا ہوا کسمسایا۔

"باس، یہاں اسکی فل سیکورٹی کی جا رہی ہے۔ ایک چودہ پندرہ سالا لڑکا ابھی بھی اسکے ساتھ ہے۔ کمرے سے کچھ فاصلے پر دو گارڈز کھڑے ہیں۔ اگر حکم دیں تو یہیں اسکا کام تمام کر دوں"

اس ناگوار خبر نے عائش ہمانی کے نتھنے پھیلا ڈالے تھے، وہ ٹیک لگائے اٹھ کر بیٹھا اور ٹانگ میں اٹھتی درد ناک لہر پر اسکا ضبط کے مارے چہرہ لہولہان ہوا۔

"نہیں۔۔۔ اسے ہر صورت ڈیرے پر لا۔ خود گلا کاٹوں گا اس حرام زادے کا جس نے مجھ سے میری ٹانگ چھین لی۔ مجھے رات تک وہ چاہیے ورنہ اپنی موت کے لیے تیار رہنا"

تنتنا کر بلبلاتے ہوئے حکم صادر کرتا اس سے پہلے عائش فون رکھے دوبارہ لیٹتا، گردن پر نا جانے کہاں سے آکر پکڑ بنا تا بھاری ہاتھ اسکی اگلی سانس روک چکا تھا، زرا آنکھیں پھیلا کر اندھیرے میں خود پر مسلط ہوتے اس عذاب کو دیکھنا چاہا تو وہ چہرہ عتاب، قہر اور نفرت کی انتہاؤں سے سرخ ہوتا ہوا دیکھائی دیا۔

آج تو اسے واقعی لگا کہ یہ اسکا آخری دن ہے۔

"چ۔۔ چھوڑ د۔۔۔ دیں"

کاشان کی گرفت جیسے جیسے بڑھی، وہ بن پانی کی مچھلی سا بستر پر ہاتھ پیر مارے گڑگڑایا مگر سامنے اس وقت پائزن تھا جسکی برداشت سے کھیلنے کا سنگین جرم کیا تھا اس نے۔

عین عائش ہمانی کی سانس رک جانے سے ٹھیک چند سیکنڈ پہلے اس نے نہ صرف اسکی گردن آزاد کی بلکے ایک ہی جھٹکے سے اسے بیٹھائے سر بری طرح پچھلی دیوار سے پٹخا جس پر اس زخمی پور پور اذیت میں مبتلا فسادی کے حلق سے دلخراش چینخ گونجی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آخر تجھ جیسے خبیث کو میں نے معافی دی ہی کیوں، تیری وجہ سے میرا بنا بنایا نام خراب ہو رہا ہے کتے۔ کیا ضرورت تھی تجھے یہ سب کر کے دنیا کے سامنے آنے کی۔ بول۔۔۔ تیری واپسی کی خبر

آج کے اخبار کی ہیڈ لائن بن گئی ہے۔ کئی کیمروں میں تجھے دیکھا گیا ہے۔ جو کیس میں نے ان تھک محنت لگائے بند کروایا تھا وہ پھر سے اوپن ہو گا اور تجھے سر عام پھانسی دی جائے گی"

آج تو وہ کوئی انسان نہیں بلکہ جن زادہ بنے عائش کی جان لینے کے درپے تھا، اوپر سے عائش کا دھندا دوبارہ چالو ہونے کی خبر ہی کاشان کو بپھرا کر رکھ گئی تھی۔

وہ تو تکلیف سے سسکتا بلکتا کچھ بولنے کی حالت میں ہی کب تھا بس کاشان کے غیظ و غضب سے پناہ مانگنے کو پھڑ پھڑا رہا تھا۔

"م۔۔ میں پوری دنیا کو ت۔۔ تمہاری اصلیت بتاوں گا، تم نے میرے ساتھ جو جو زیادتی کی اب تم اسکا بدلا چکاو گے۔ چھوڑ دو مجھے ورنہ تمہارے ساتھ وہ کروں گا کہ دنیا سے اپنا یہ سیاہ تھوبڑا چھپاتے پھرو گے۔۔۔۔"

کچھ دیر تو وہ بے بس بنا گڑ گڑاتا رہا مگر جب دیکھا کہ کاشان کی گرفت رحم دلی میں نرم پڑی ہے وہیں سے بل کھا کر اپنی گن دبوچے اس بار اس نے کاشان ہمانی کے سینے پر جا جوڑی مگر یہ کھلونا دیکھ کر تو کاشان کو کچھ نہ ہوا البتہ عائش ہمانی کی گندی پلاننگ سے واقفیت ہو گئی۔

یکے بعد دیگرے عائش کے سات آٹھ وفادار غنڈے گنز لیے کاشان اور اسکے آدمیوں پر تان چکے تھے، عفار بھی گن تانے فی الحال بنا کسی تعین کے ہونق کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"واہ۔۔۔ میرا کتا اور مجھی پر بھونکنے لگا۔ تو واقعی آستین کے سانپ نکلا۔ افسوس کہ تجھ پر رحم کرنے کی غلطی کی۔ لعنت بھیجتا ہوں میں اس وقت پر جب جب تیرے لیے سوچا۔ ٹانگ تو پہلے ہی ضائع ہو چکی ہے تیری، یاد رکھیں اگر ایک مزید غلطی کی تو بہت کچھ ضائع ہو گا تیرا۔ تیرے جیسے کمینے بھائی سے بہتر تھا میں تجھے پہلے ہی دن مار کر قبر میں گاڑ دیتا تاکہ تیری نحوست پھیلتی ہی نہ"

گریبان بری طرح جھٹک کر وہ ایک خونخوار نظر ان آدمیوں پر ڈالے غرایا جنکے ہاتھ کاشان ہمانی کی دھاڑ پر کانپ گئے الٹا کاشان کے ایک اشارے پر وہ جتنے آدمی اس پر گن تانے گھڑے تھے، کھوپڑیوں میں سوراخ کی سوغات ملتے ہی زمین پر ڈھیر ہوئے۔

عائش کو لگا جیسے اسکا دل حلق میں آگیا ہو، خود اسکے ہاتھ میں پکڑی گن لرز اگئی۔

"جو پائزن پر گن تانے، اسکی سزا بھی موت ہے۔ تجھے ایک آخری موقع دے رہا ہوں زندہ چھوڑ کر۔ اگر اب کوئی غلطی کی تو تیری قبر تیار کروائے تجھے زندہ اس میں گاڑ دوں گا۔ زندہ گاڑ دوں گا تجھے عائش اگر تو نے میرے لیے مزید کوئی مشکل کھڑی کی۔ بخاری خاندان کے ہر فرد حتی کہ ملازم تک سے سو فٹ دوری پر رہنا۔ اور اس جگہ سے اگر تو باہر نکلا تو انجام بہت بھیانک ہو گا"

اسکے کانپتے ہاتھ سے گرتی گن دیکھ کر مزید مشتعل ہوئے کاشان ایک آخری بار اسکی اور جھک کر گریبان سے جنجھوڑے صاف صاف لفظوں میں تنبیہہ کرتا نہ صرف واپس اٹھا بلکے عفار پر بھی عتاب سے بھری نگاہ ڈالے وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلا تو اسکے لوگ بھی پیچھے ہی باہر نکلے۔

اب عائش ہمانی کی یہ حالت تھی کہ اسکا پورا جسم خوف اور غصے سے لرز رہا تھا، پورے جسم کا لہو اسکی بھیانک آنکھوں میں اتر کر ایک بہت ناگہانی عذاب کی پیشن گوئی کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔
اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔
knofficial9@gmail.com
آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔
Fb/Pg/Kitab Nagri
knofficial9@gmail.com
whatsapp _ 0335 7500595

"سر مس زویا آئی ہیں، بھیج دوں کیا؟"
سیکرٹری کی جانب سے موصول ہوتی خبر نے نہال کے صبح کے عتاب پر گویا دھند اتار دی تھی، اس وقت وہ کم از کم اس لڑکی کا سامنا تو ہر گز نہ چاہتے تھے۔
"نو"
درشتی سے کہے فون ٹھک سے بند کیے وہ نا صرف اٹھے بلکے گلاس وال تک پہنچ کر دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبیوں میں دیے تا حد نگاہ پھیلی چھل پہل پر مرکوز کر گئے مگر جلد ہی شور و غل کے باعث انکو سوچیں جھٹک کر واپس آنا پڑا کیونکہ سیکرٹری کے لاکھ منع کرنے کے باوجود زویا آفس روم تک پہنچ چکی تھی۔
ڈارک گرے ڈریس میں اپنے گرد باریک سی چادر اوڑھے، بلکل ویسی جیسی وہ کئی سال پہلے تھی، ہر منصوعی حسن سے عاری، جسکی بھاری پلکوں کو اسکے چشمے نے ڈھانپ رکھا تھا۔

اس سے پہلے سیکرٹری جواز پیش کرتی، نہال کے ہاتھ بلند کر کے خفگی میں کیے اشارے پر مودب سی باہر نکل گئی۔

زویا نے دھیمی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس شخص کو دیکھا جو کبھی اسکی رگوں میں مثل لہو گردش کرتا تھا۔

وہ آج بھی ویسا ہی تھا، چارمنگ، ڈیشنگ، پروقار، پلوں میں روح تک سرائیت کرنے والا۔

وہ بھی ویسی ہی تھی، دیکھنے سے ہی جوگن، ہاری ہوئی، جلتی سلگتی ہوئی راکھ بن جاتی ہوئی۔

"کیوں آئی ہو یہاں؟"

اسکا سوال زویا کو ڈسنے کو کافی تھا، اتنی اجنبیت بھلا سب جان کر بھی کیوں، کیا وہ پتھر دل بن گیا تھا۔

"ایسے ہی دل چاہا دیکھنے کو تو چلی آئی، برا لگا کیا؟"

بس دو قدم قریب چلی آتی وہ نہال بخاری کے ہر منظر میں چلی آئی تھی، اسکی سادگی آج بھی اسکے لہجے سے ٹپکتی مگر اب پہلے جیسی نہ وہ کمزور تھی نہ بے بس نہ اس شخص کی دیوانی۔

"دیکھو زویا جو بیت گیا اسے بیتا رہنے دو، میری زندگی میں پہلے ہی بہت مسائل اور الجھنیں ہیں۔ اس پر تم سے جڑا یہ احساس جرم افورڈ نہیں کر سکتا"

شاید وہ اب جھکنا بھی سیکھ گیا تھا مگر کہاں، انا پرست انسان ٹوٹ تو سکتا ہے پر جھک نہیں سکتا۔

وہ بھلے نہیں تھا پر پھر بھی کسی بوجھ نے اس پر حاوی ہونا شروع کر دیا تھا۔

وہ آنکھیں جو زویا کی من پسند تھیں، یہ کہتے ہوئے ملال سے بھرتی گئیں، کچھ کھو دینے کا ملال۔

وہ تو واقعی ذہنی الجھن ہٹانے کو گھر سے پارک کے لیے نکلی مگر قدم تھے کہ نہال بخاری کے آفس کی سمت اٹھ گئے۔

"میں آپکو صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ اپنی پوری کوشش کروں گی کہ کاشان آپکی وفا کو کبھی کوئی تکلیف نہ دے۔ یہ سچ ہے کہ اس نے میرے ہی کہنے پر میری تکلیف کا آپ سے بدلہ لینا تھا سود سمیت مگر وہ بھائی کی اولاد ہے بھلے لیکن اسکی پرورش اس کمزور اور ہاری زویا نے کی ہے۔ محبت میں محبوب کے نام سب کر دیا جاتا ہے، تکلیف نہیں دی جاتی اور اسکا احساس مجھے تب ہوا جب میں نے کاشان کی آنکھوں میں وہی جذبہ روشن دیکھا جو کبھی میری آنکھوں میں آپکے لیے تھا"

مترنم آواز لیے وہ آج یہاں کھڑی اپنا سب پلوں میں ہار گئی، شاید ٹھیک وقت پر ٹھیک فیصلہ لینا مقدر والوں کے نصیب میں آتا ہے۔

زویا کی بات پر نہال تڑپ کر دو قدم مزید فاصلہ کاٹے عین اس ہاری ہوئی لڑکی کے روبرو ہوئے، متغیر سانسیں، آنکھوں کا ملال سب ہی جرم کی تلافی چاہتا تھا۔

"کیا وہ اسے واقعی تکلیف نہیں دے گا؟ میں اسکی تکلیف دیکھنے سے پہلے مر جاوں گا زویا۔ تم میری جان لے لو لیکن وفا کو اس بیچ مت لانا۔ تمہاری تکلیف میں بنا تھا، سزا مجھے دو بس"

آج وہ اپنا وقار بھلائے اس لڑکی کے سامنے گڑگڑا رہے تھے جسکو انکی زرا سی اذیت مارنے لگتی تھی، وقت بھی کتنا ظالم ہے، رلانے والے ایک دن اسی جگہ آکر روتے بھی ہیں۔

"نہیں دے رہی کوئی سزا، کاشان سر پھرا ضرور ہے لیکن آج تک اس نے کبھی اپنے وقار سے گر کے کوئی عمل نہیں کیا۔ وہ چاہتا ہے اس پر یقین کرنا لیکن وہ وفا کا باڈی گارڈ۔۔۔ اگر آپ وفا کو سمجھائیں کہ وہ کاشان کے ساتھ وفادار رہے تو یقین سے کہتی ہوں وہ اسے اپنی آنکھوں کا نور بنائے گا"

یہ معاملہ بہت اہم تھا اور شاید آج بھی زویا اپنے لاڈلے ہی کی خوشی اور سکون چاہتی تھی تبھی تو اس دیار تک چلی آئی جہاں آنے کا سوچ کر ہی اسکا دل کٹ گیا تھا۔

وھاج کا ذکر گویا نہال بخاری کے چہرے پر حقارت لا چکا تھا، مگر اگلے ہی پل اسکے کومہ جانے پر خود غرضی کے سنگ خود کو مطمئین بھی کیا۔

"میں وفا سے بات کروں گا، وہ وھاج سکندر کی جانب نہ دیکھے گی نہ اسکا نام لے سکے گی اب۔ ویسے بھی وہ کومہ میں ہے۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں اتار سکوں گا۔ تھینک یو"

شروع میں غائبانہ کڑواہٹ لیے آخر تک وہ جن مشکور نگاہوں سے زویا کی جانب نظر ڈالتے بولے، کچھ لمحے کے لیے وہ بس اس شخص کو دیکھتی ہی رہی۔

وہ کب خود غرض تھا؟ اپنوں کے لیے اپنی انا وار دینے والے خود غرض کب ہوتے ہیں۔

کب دیکھتے دیکھتے زویا کی آنکھیں دھندلائیں اور ہونٹ مسکرائے کہ اس متضاد کیفیت کے رنگوں میں ڈوبتی زویا کی جانب فکر سے اٹی نظر نہال بخاری کی گہری سے گہری ہوتی گئی۔

"آپ آج بھی اتنے ہی ہنڈسم ہیں، لگتا ہے ہادیہ نے بہت پیار سے ساتھ نبھایا آپکا۔ وہ کہتے ہیں ناں، من پسند ساتھ جتنا بھی طویل کیوں نہ ہو، آدمی کی عمر گھٹنے نہیں دیتا"

اس بار وہ جیسے بولی، اسکے لہجے کا درد اور اک ان کہی سی حسرت نہال نے بھی شدت سے محسوس کیے مسکرا کر دیکھا۔

ہاں وہ مسکراہٹ بہت دلخراش تھی۔

"لیکن اسکی جدائی بوڑھا کر گئی، خوشی ملی تو مگر پوری نہ ملی۔ تم نے شادی کیوں نہیں کی؟"

وہ اب بہت دوستانہ انداز میں اسے بیٹھنے کا کہے خود بھی اسکے سامنے صوفے پر بیٹھے، فون اٹھا کر کافی منگوائی اور ساری توجہ سامنے دی جہاں انکے سوال پر زویا نے افسردگی سے نگاہ اٹھائے دیکھا۔

"محبت آپ تھے تو شادی کس سے کرتی؟"

وہ انتہائی معصوم آج بھی تھی، بس اب وہ پر اعتماد زیادہ تھی۔

"شادی کے لیے محبت اتنی بھی ضروری نہیں زویا، کیا تم نے میرے لیے اتنا سفر کیا جو تمہاری اس وابستگی کے لائق بھی نہ تھا۔ ابھی بھی ویسی ہی ہو، ہو سکے تو کسی بہترین کا ہاتھ تھام لو"

مشورہ دیتے وہ ظالم ترین لگے، وہ احتجاج بھی نہ کر سکی، اس شخص کا گریبان تھام کر رو بھی نہ سکی۔

کوئی ایسے کب کرتا ہے بھلا؟

"اب میری زندگی کاشان کے نام ہے، اسکی کامل خوشی اور سکون چاہتی ہوں۔ رہی بات ایسے جذبات کی تو وہ میری اسی قبر میں دفن ہیں جو بہت پہلے بن گئی تھی۔ بس آپ کوئی رخصتی کی مناسب تاریخ دے دیں تاکہ یہ معاملہ خیر سے پورا ہو جائے"

وہ اپنے لیے آئی ہی کب تھی کہ کوئی پرانا حساب کھول لیتی، رخصتی کی بات نے نہال کے تنے ہوئے اعصاب ہر ممکنہ بحال کیے تھے۔

"ٹھیک ہے، میں وفا سے پوچھ کر بتادوں گا تمہیں۔ آگین تھینک یو سو مچ"

وہ اسے ممنون ہر گز نہ بھایا تھا، پر وہ اعتراض کیے بنا بس خاموش تھی۔

کافی آنے کے بعد بھی کتنی دیر وہ چپ رہے، وہ اسے دیکھتے تو وہ دیکھتی دیکھتی نظر چرا کر دھیما رسانیت سے مسکرا دیتی۔

کیا کسی کی آنکھیں ٹالنا اتنا آسان تھا، نہال بخاری کی تو ہر گز نہیں۔

خاموشی تو یوں تھی جیسے وہ سارے شکوے کر چکی ہو، خاموشی تو یوں تھی جیسے وہ اپنی صفائی میں کہنے والے ہر لفظ کو گنوا چکے ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاشان کی دی دھمکی اور زلالت کے باعث فی الحال عائش نے آج کے لیے اپنا کام رکوا دیا تھا اور ابدال نے بھی اس آدمی کی بات چھپ کر نا صرف سنی بلکے فون کیے یہ خبر فوری وحید صاحب کو دی جو خود بھی آفس سے جلدی آف لیے سیدھے ہوسپٹل ہی آئے۔

وھاج کو دیکھا اور پھر ابدال ہی کے ساتھ باہر نکلے۔

"اس آدمی کو دوبارہ نہیں دیکھا میں نے تایا جان، وہ وھاج لالہ کو نقصان دینے ہی آیا تھا اور جب اس نے سیکورٹی دیکھی تو بھاگ نکلا۔ آپ کو کیا لگتا ہے کون کر سکتا ہے ایسا۔ بھلا ان سے کسی کی کیا دشمنی"

ساتھ چلتے ہوئے ابدال نے مزید بتایا جس پر وہ نا صرف رکے بلکے آزردگی سے مڑ کر روبرو ہوئے ابدال کی جانب دیکھا اور شفقت آمیز انداز سے اسکی گال سہلائی۔

"دشمنی تو تم سے بھی کسی کی نہیں تھی، ہم سب کہیں نہ کہیں کسی دوسرے کی جنگ لڑ رہے ہیں مائی سن۔ سب سامنے آئے گا بس ایک بار وھاج ہوش میں آجائے"

انکی اس بات پر ابدال بھی افسردہ ہوا مگر وہ ناامید نہیں تھا۔

"میرے یوں سکول سے نکالے جانے پر آپ غصہ نہیں ہیں؟"

نجانے کیوں مگر وحید صاحب کی جانب تکتا وہ بنا سوچے ہی پوچھ بیٹھا۔

"میرا بہت اچھا دوست ہے کبیر، یہاں کے بیسٹ سکول کا پرنسپل۔ ابھی اسکی کال آئی تھی، نہ صرف تمہارا ایڈمیشن ہو گا وہاں جلد بلکے ہلال ہمیشہ کی طرح تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور تم پر غصہ وہ کرے جسکی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ گدھا ہے تمہارا باپ، عقل گٹوں میں ہے اسکی سو ریلیکس مائی چائلیڈ"

پیار اور شرارت سے وہ اسکا اترا چہرہ پلوں میں گلاب کیے زور دار انداز سے خود میں سمو کر کمر تھپکائے مسکرائے، اسے کمی کب تھی محبتوں کی۔

لیکن کمی تھی بس بابا کے یوں گلے لگانے کی جو ابدال مصطفی کو سب سے ناممکن لگتا۔

وہ ناچاہتے ہوئے بھی آنکھوں میں اتر آتا ملال دبا گیا، وہ بہادر تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ ابدال غلط نہیں؟"

وہ ابھی بھی الجھا تھا، وحید صاحب اسکی نیچر سے واقف تھے کہ اسے تقین دلانا آسان کام نہیں ہے۔

"ہر اس فرد کو یقین ہے جو تمہیں جانتا ہے، نہال کی بے حسیاں آج تک ڈھانپتا آیا ہوں لیکن کبھی میں نے اور فریال نے تمہیں اور عناب کو اپنے سائے سے محروم نہیں کیا۔ نہال کو بھی جب دھکا لگے گا تو سارے بند راستے واضح ہو جائیں گے اس پر۔ تم ان سب کو مت سوچو۔ یہ عمر تمہاری پڑھنے کی ہے۔ ٹنشن اور پریشانی میرے پر چھوڑ دو"

شاید جب ایک من پسند رشتہ حسرت بنے تو قدرت کئی طرح کی محبتیں نچاور کرتی ہے، لیکن اس ایک کی حسرت تب بھی دل میں سلگتی رہتی ہے۔

"تھینک یو تایا جان"

شاید وہ ٹھیک سے شکریہ بھی نہ کر سکا اور اسکی آنکھوں میں مچلتی حسرت نے وحید صاحب کا بھی دل اذیت میں مبتلا کیا۔

"تم میرے لیے عون جیسے ہو بچہ، خیر اب چلو گھر۔ گارڈز کو میں نے کہہ دیا ہے وہ مکمل نظر رکھیں گے۔ یہاں رکنے کا فائدہ نہیں۔ لٹس گو"

انکی بات فوری مانتا وہ انکے ساتھ ہی نکل گیا، دوسری طرف عون سارا دن ری اوپن ہوئے کیس میں ہی بزی رہا تھا، عائش ہمانی کے زندہ ہونے کی خبر اور پھر جس گاڑی میں وہ دیکھا گیا تھا اسکے نمبر سے نکلوائی معلومات کے مطابق وہ گاڑی کاشان ہمانی کے نام رجسٹر تھی۔

وقت آگیا تھا کہ عون بھی اس معاملے میں کاشان ہمانی سے ملاقات کرتا مگر کورٹ نے پولیس کو تفتیش کا اجازت نامہ کل کے لیے دیا تھا۔

آفس کا کام مکمل کیے وہ منیہا کو لینے نکل گیا، میڈم پیر دیے ویسے ہی ویٹنگ روم میں ٹانگیں جھولتی بیٹھی تھی، ہارن پر گاڑی تک پہنچے بیٹھی اور منہ بسورے مڑ کر عون کو دیکھا جو سنجیدہ سا گاڑی سٹارٹ کیے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"رات زیادہ لگ گئی تھی کیا؟"

اپنی جانب متوجہ ہوتی منیہا سے پوچھے وہ ساتھ ہی شرارت سے مسکرایا۔

"آپکو کیا؟ آپ نے کونسا میرے کمرے میں آکر خیریت پوچھی۔ ویسے کل کو میں آپ سے اپنی کوئی بھی تکلیف چھپانا چاہوں تو کتنی آسانی سے چھپالوں گی۔ آپکو تو خبر بھی نہ ہو گی"

باقاعدہ رونے والا منہ بناتی وہ شکوہ کناں ہوئے عون کو اپنی جانب دیکھنے پر مجبور ہی تو کر گئی۔

"کیا ایسا لگتا ہے تمہیں؟"

گاڑی روکے وہ مطمئین سا رخ موڑے بولا۔

"میرا گھٹنا سوجھ گیا ہے، چلا تک نہیں جا رہا۔ اور آپ ہنس رہے تھے یاد کریں"

نروٹھی سی وہ عون کی لاپرواہی یاد دلاتی باقاعدہ آنسو روکے بولی جس پر عون نے اپنا ہاتھ منیہا کے سامنے پھیلایا۔

ناسمجھی سے وہ اس کو اپنا ہاتھ پکڑاتی دکھ سے دیکھنے لگی جو ابھی بھی نہایت پرسکون تھا۔

"تمہیں پتا ہے میری ایسی کوئی رات نہیں جب میں تمہارے کمرے میں نہ آوں، آیا تھا میں۔ یہ جو تھوڑا بہت چل رہی ہو یہ میرے دیے ٹریٹمنٹ ہی کی وجہ سے ہے۔ آئنٹمنٹ لگادی تھی، تم سوچکی تھی"

اس انکشاف پر گویا منیہا کی آنکھیں پھیلیں، دل اتنئ زور سے دھڑکا کہ لگا وہ اسکی شدت سے ہی دہل اٹھی ہو۔

فلر کرتا تھا وہ اسکی؟ مگر اتنی زیادہ۔

ساری اداسی ہٹ کر محبت کا روپ بدل گئی تھی۔

"کیا سچ میں عون؟"

خوشی کی زیادتی کے باعث سوال کرتے منیہا کی آواز بھی بھرا گئی۔

"ہمم۔۔۔ اتنا لاپرواہ ہوں نہیں جتنا دیکھائی دیتا ہوں"

ہاتھ بڑھا کر اس جان سے پیاری لڑکی کے رخسار تر کرتے سارے آنسو جذب کرتے جتایا۔

جو منیہا کی مسکراہٹ کا باعث بنا۔

باقی کا راستہ مسکراتی خاموشی کی نظر ہوا وہیں گاڑی بخاری ولا میں پارک کیے وہ جب اترا تو اس تک خود وہ خاموش پری گھوم کر آئی۔

دونوں ایک دوسرے کے روبرو کھڑے ایک دوسرے سے زیادہ حسین تھے۔

"میں نے مس کر دیا وہ مومنٹ، کیا جب سے نکاح ہوا تب سے آپ میرے کمرے میں روز آتے تھے۔ کیا کرتے تھے آکر؟"

یہ سوال تجسس سے زیادہ آج منیہا کی خواہش کا افسانہ تھا جسے وہ جان چکا تھا، وہ خوشبو سے بھی نازک تھی، اور وہ چٹان سے زیادہ مضبوط۔

"کر کے دیکھاوں کیا؟"

کمر میں نازکی سے بازو باندھے قریب لائے وہ اسکی قربت سے لال ہوتی گال لبوں سے چھوئے سرگوشی کرتا منیہا کے دل کی دھڑکن اک نئی لے پر دھڑکا گیا۔

"بتائیں عون، ابھی والا ٹرانس نہیں توڑیں ناں۔۔۔ سننا چاہتی ہوں۔ ویسے بھی اگر مجھے اچھا لگا تو ممکن ہے آگلا پیپر بھی دھمال والا دے آوں"

لالچ بھی محترمہ عجیب دیتی چمکی، عون نے بھی متاثر کن ہوئے دیکھا، تو میڈم سننا چاہتی تھیں۔

"چپکے سے آتا ہوں، پاس آکر بیٹھ جاتا ہوں، کیا تمہیں پتا ہے سوتی ہوئی تم سنو وائیٹ لگتی ہو۔ جسکی خوشبو، جسکی سانسیں، جسکے چہرے کا ایک ایک زاویہ یہ شہزادہ سیر ہونے تک تکتا ہے"

وہ ایسے منیہا کی روح سہلا رہا تھا جیسے کوئی مدھر گیت بہت مدت بعد کسی سماعت تک سرائیت کر جائے، جسکی دھن عام سے مختلف ہو۔

"مجھے ایسی پکی نیند نہیں پسند اب جو یہ سب میسر ہونے کے باوجود خواب بنا دیتی ہے، عون مجھ سے میری نیند لے لیں۔ تاکہ چپکے چپکے میں بھی وہ سب جی سکوں"

وہ اسکے پاس، اسکے قریب عون کا حصہ بنی اسکی کی طرح پیاری اور محبت کا پیکر بنی شکوہ کرتی منہ پھلائے بھلی لگی، جیسے بہت ہی شفاف سی جھیل کا منظر، ہلچل تو وہ مچا گیا تھا، بے خودی میں اس ٹھہرے پانی میں جذبات کا کنکر اس شدت سے پھینکا گیا کہ مجرم کو جب رہائی ملی تو سارے سوال اور جواب بھولے وہ اپنا آپ چھڑواتی شرمگیں مسکراہٹ بخشے اندر بھاگ گئی، اسکے پیروں میں باندھی پائل کی چھن چھن دور تک گونجتی ہی رہی۔

اور پھر تیسری جانب کسی سنسان سڑک کنارے گاڑی روک کر ٹیک لگائے کھڑا کاشان صبح سے اب یوں ڈھلتے دن تک یہیں بے مقصد کھڑا نا جانے کیا سوچ رہا تھا۔

اسکا وجیہہ سراپا ہر رنگ میں قابل ستائش لگتا، جیسے جذبات اسکی شخصیت کو نکھارتے ہوں۔

بھلے وہ جذبہ اذیت ہی کا کیوں نہ ہو۔

کب کسی مانوس سی آہٹ پر وہ چونکا، سامنے لگ بھگ دس سالا بچہ سفید سوٹ پہنے، چہرے پر بچگانہ محبت اور رشک سجائے ہاتھوں میں لاتعداد پھول پکڑے کاشان کو دیکھنے میں گم تھا۔

کاشان نے مسکرا کر اسکے بکھرے بال مزید بکھیرے، وہ بچہ کھکھلا سا گیا۔

"سکول بھی جاتا ہوں اب، لیکن اس وقت پھول بیچتا ہوں۔ اس سے خوشی ملتی ہے۔ بہت سارے مہینے بعد دیکھا آپکو۔ ہمارے محلے میں سجاد انکل کے گھر بڑا ٹی وی ہے وہاں بھی دیکھا آپکو۔ پھول لیں گے آپ، خاص گجرے بنائے ہیں یہ؟"

بنا کاشان کے کچھ پوچھے وہ بچہ خود ہی سب بولتا گیا مگر پھر آخر میں دو خوبصورت گلاب اور موتیے کے گجرے اسکی جانب بڑھائے مان سے سوال کیا۔

وہ یہ گجرے کس کے لیے لے؟ سوال ظالم تھا۔

"خوب دل لگا کر پڑھو، ہاں دے دو۔۔۔۔۔ کتنے کے ہیں؟"

پہلی بات کا جوش اگلی میں تھما تو اسکے قیمت پوچھنے پر وہ بچہ شاہانہ مسکرایا۔

"آپ کے لیے فری، بھلے تو میرا پورا شاپر لے لیں"

سادگی سے وہ اپنا تھیلا کاشان کی طرف بڑھاتے پھر سے مسکرایا اور شاید ایسی مسکراہٹ کاشان کو ہمت دیتی تھی۔

"تم دعا کرو کہ گجرے والی مان جائے، پھر پورا شاپر لے لوں گا"

اسکے ہاتھ سے دو گجرے لیے وہ اپنے والٹ سے کڑکتا نوٹ نکالے اس بچے کے دیکھنے سے پہلے اسکی سینے والی جیب میں رکھتا بولا جس پر اس بچے نے فوری سر ہلائے ہامی بھری جیسے وہ اب ساری دعائیں ہی تا عمر یہی کرے گا۔

"دعا کروں گا بہت ساری، وہ مان جائیں گی۔ اچھا اب چلتا ہوں"

کاشان کی ہمت بندھاتا وہ رخصت ہوئے چند پلوں میں سڑک پر بھاگتا اوجھل ہو گیا اور وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ان گجروں کو سونگتا دل جلاسا مسکرا دیا۔

"کیا گجرے پسند ہیں تمہیں؟"

ناجانے کیا سوجھی کہ انکو احتیاط سے گاڑی میں رکھے فون نکال کر وفا کو میسج کیا، چہرہ اب بہت پر سکون تھا۔

وفا آفس سے اس وقت ہوسپٹل ہی کے لیے نکل رہی تھی جب میسج دیکھ کر نہ صرف رکی بلکے کاشان کا نام دیکھتے ہی تمام تر تکلیف کے فوری اوپن کیا۔

"نہیں"

فوری ٹائپ کرتی وہ وہیں بیگ واپس رکھے صوفے پر بیٹھی، توجہ بس فون کی جانب تھی۔

"میں نے تو لے لیے، پسند تو کرنے پڑیں گے۔ کہاں ملو گی؟"

میسج اوپن کیے وہ کتنی دیر تو دم سادھ گئی، گویا دل اس قدر مدھم ہوا جیسے جسم کا خون جامد اور دھڑکن تھم گئی ہو۔

"کہیں نہیں ملوں گی اب"

شاید یہ وفا کا غصہ اور تکلیف تھی جسکا اظہار وہ کرتی خود بھی رنجیدہ ہوئی۔

مقابل تو جیسے سانس رک گئی۔

وہ چاہتا تھا نہ رکے مگر رک گئی۔

کتنی ہی دیر وفا موبائیل کی خاموش سکرین دیکھتی اسکے کسی اگلے سوال کی ناچاہ کر بھی منتظر رہی۔

جب کافی دیر کاشان کا جواب نہ آیا تو وفا اداس ہوئے بار بار فون آن کر کے دیکھنے لگی، کیا وہ اسے خود سے باندھنے میں اسکا کہیں دل بھی متاثر کر گیا تھا۔

وفا کو وہاں بیٹھے آدھا گھنٹہ ہو گیا مگر نہ تو موبائیل سکرین روشن ہوئی نہ اسکی الجھن کم ہوئی مگر پھر دروازے پر ہوتی آہٹ کے ساتھ ہی اس ساحر کے اندر آنے پر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ایک ہاتھ میں فون اور دوسرے میں دو تازہ گجرے لیے وہ پر اعتماد چال چلتا کب وفا کے سامنے آیا، وہ تو جنبیش تک پر قادر نہ رہی۔

بس چند آنسو ٹوٹ کر اندر کی کیفیت عیاں کر گئے۔

" دینی تو سزا تھی لیکن تمہارے نام پر رک گیا ہوں، لاو ہاتھ دو مجھے۔ مسکین سے شوہر کی طرف سے یہ مہنگی منہ دیکھائی حق ہے تمہارا"

وہ چپ چاپ آیا، حکم دیا، قابض ہوا اور اب وفا سے اسکا رہا سہا اختیار چھین لینے پر اتر آیا، اسکی دونوں کلائیاں باری باری پکڑے ان میں گجرے پہنائے، مقابل کی تکلیف دہ شکوہ کناں آنکھیں نظر انداز کیے وہ اب بس اسے دیکھ رہا تھا، رغبت و خفگی کی ملی جلی کیفیت سے۔

" جو کر چکے ہو میرے ساتھ اسکے بعد ان پھولوں سے وحشت تو ہو سکتی ہے مگر انسیت نہیں، اب ایسے ڈرامہ مت کرو۔ تمہاری اصلیت مجھ پر کھل چکی ہے"

نظر جان بوجھ کر اس پر سے ہٹائے وہ ان پھولوں کو چھو کر زہریلا بولتی گئی، آخر میں نظر اٹھائے دیکھا وہاں تو وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکا تھا۔

"وھاج سکندر سے ملنے پہنچ گئی تم، یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے لیے رونے کا حق نہیں ہے تمہارے پاس۔ مجھے اتنی جلدی بے وفائی کی چابک رسید کرو گی امید نہیں تھی"

لاپرواہی سے ہی سہی پر وہ یہ کہہ کر وفا کی جان نکال چکا تھا، وہ رحم طلب کے ساتھ ساتھ آخری جملے پر استہزایہ ہوئے ہنسی۔

"وفا کی ہے کب ہے وفا نے تم سے جو بے وفائی کا گلہ کر رہے ہو، ہاں اسکے لیے روئی تھی اور اس سے ملنے ہمیشہ پہنچتی رہوں گی۔ تم جو کر سکتے تھے وہ کر چکے ہو اب مجھے تمہاری کسی بات سے کوئی ڈر نہیں۔ تم نے بہت بعد والی ناکردہ گناہ کی سزا بہت پہلے دی ہے مجھے، اب اور کیا کرو گے۔۔۔"

دردناکی اور سرد مہری کی انتہا لیے وہ سسک اٹھی تھی، لیکن آج آنسو نہیں بلکے نفرت کی مقدار زیادہ تھی۔

"برباد کر دوں گا تمہیں"

اپنی گرتی سانسیں بحال کیے وہ غرایا تھا۔

"کیا آباد ہوں میں؟"

تندہی سے وہ بھی چینخی تھی۔

غصے کے سنگ وہ اسکی وہی کچھ دیر پہلے محبت سے تھامی کلائی اب وحشت سے تھامے خونخوار تھا، کئی پھولوں کی کلیاں ٹوٹ کر زمین پر بکھرتی گئیں۔

"مت کھیلو مجھ سے، آباد کا لفظ تمہاری حسرت بن جائے گا وفا"

بے رحمی سے وہ اسکی تکلیف کی پرواہ کیے بنا وارننگ دیتے بولا، ہنوز آنکھیں جلتی ہوئی راکھ ہوئیں۔

"بن گیا، تمہارے چھوتے ہی بن گیا تھا سنا تم نے۔۔۔ آگ تو لگا دی ہے تم نے، اب اس راکھ کے آنکھوں میں چبھنے کا انتظار کرو۔ میرا مقدر اتنا تاریک ہے تو ٹھیک، اس سے بہتر موت ہے۔ میں کبھی رخصتی ہونے نہیں دوں گی، تم ہار جاوگے۔ ہرادوں گی تمہیں۔ چلے جاو یہاں سے کیونکہ تمہارا سایہ بھی جلا رہا ہے مجھے، تمہاری موجودگی سانس گھوٹ رہی ہے میرا، گیٹ آوٹ"

پوری قوت سے اسے پیچھے کر اپنی کلائیوں سے گجرے نوچتی وہ حلق کے بل چلائی، وہ پتھر کا بت بنا یہ سب دیکھ کر چپ تھا، سوگوار تھا۔

"حساب چکاوگی تم اسکا بھی"

تنبیہ کیے وہ اک نظر فرش پر بکھری پتیوں پر ڈالے باہر نکل گیا اور از سر نو جسم و جان کی اذیت محسوس کرتی وہ انہی بکھری پتیوں کے قریب ہی گرتے ہوئے بیٹھی، آنسو تھے کہ اب بے لگام ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"کل بڑی مجھے ہوسٹل چھوڑ آئیں گے، لیکن ہر سیچرڈے اور سنڈے ہم ساتھ ہوں گے۔ میرے سارے ٹوائیز اب سے تمہارے ہیں"

فریال صاحبہ ابھی کچن سے واپس آئے مالی بابا کو لان کی دیکھ بھال کے لیے ہدایات کر رہی تھیں، وہیں لان میں سر سبز گھاس پر ڈھیر سارے کھلونے، بلاکس اور پزل گیمز پھیلا کر اس سے کھیلتی عناب، یوئی کے بتانے پر فوری سر ہلا گئی۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اپنی دونوں بازو پوری کھول کر معصومیت سے یو آن کو دیکھنے لگی۔

"اتا سالا متھ تلوں دی، یوئی آپ دلدی آو دے ناں (اتنا سارا مس کروں گی، یوئی آپ جلدی آو گے ناں"

یاد کرنے کی پیمائش بتاتا اسکا ننھا منھا انداز یو آن کی مسکان بنا، پورے یقین سے وہ سر ہلائے مسکرایا تھا۔

گاڑی کے ہارن پر وہ سب ہی متوجہ ہوئے تھے، وحید صاحب اسے ڈراپ کیے خود واپس چلے گئے تھے۔

وفا کی گاڑی نہ پا کر وہ انھیں کال کر کے ہوسپٹل نہ جانے کا کہنا چاہتا تھا مگر عناب اور یو آن کو کھیلتا دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا خود بھی انکی طرف چلا گیا۔

ابدال کو دیکھ کر پری تو پگلا ہی گئی، جس طرح وہ اٹھ کر جھمپ مارے ابدال سے لپٹی، یہ فریال اور یو آن دونوں کی مسکراہٹ کا باعث تھا۔

"بھیو۔۔۔ آدئے ہو۔۔۔ میلے بھیو آدئے۔۔۔(بھیو آ گئے ہو، میرے بھیو آ گئے"

آنکھیں خوشی سے بھرتی وہ ابدال کی سرپرائز آمد سے کھکھلا تو گئی ہی مگر بے یقینی بھی عیاں تھی۔

جب وہ آیا تھا تب میڈم سکول تھیں تبھی ملاقات کر کے کھل اٹھی تھیں۔

"آ گیا ہوں اپنے بچے کے پاس اور اب یہیں رہوں گا، ہے یوئی کیسے ہو چھوٹو"

گود میں لیے وہ خود بھی عناب کی گال چومے وہیں بیٹھا اور یو آن سے مخاطب ہوا جو آگے سے مسکرا کر فٹ کا اشارہ کیے خاصا کیوٹ لگا۔

"تم بھی سنا ہے جا رہے ہو بورڈنگ، دعا ہے کامیاب لوٹو۔ ویسے عناب بہت مس کرے گی تمہیں"

یوئی کی جانب دیکھے وہ اس بار دوستانہ انداز سے گویا تھا جس پر یوئی نے اک نظر ابدال کی گود میں بیٹھی اسکے ساتھ لگ کر اسے دیکھتی عناب کو دیکھا۔

"میں بھی کروں گا، لیکن بڈی نے کہا ہے ویک اینڈ میرا اس کے ساتھ گزرے گا۔ ویسے بھی اب آپ آ گئے ہیں ناں، ہو سکتا ہے یہ مس کرے مگر زیادہ سارا مس نہ کرے"

سادگی سے بتائے وہ آخر تک نجانے کیوں اداس ہوا جو ابدال نے بھی بھانپ لیا۔

جبکہ چھٹکی ہرنی نے یوئی کو اس بات پر اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکال کر گھوری دی۔

"دندے یوئی، دوتھ نی بوتی می۔۔۔ مس تلوں دی ناں۔۔۔ بھیو تہیں ناں یوئی تو مس تلوں دی۔۔ دیادہ تھا مس تلوں دی (گندے یوئی، جھوٹ نہیں بولتی میں۔ مس کروں گی ناں۔ بھیو کہیں ناں یوئی کو مس کروں گی۔ زیادہ سا مس کروں گی)"

اپنے ننھے ہاتھوں سے ابدال کا کندھا ہلا ہلا کر یقین دلائے وہ واقعی اس وقت چھوٹی سی کیوٹی پائی ہی لگی، میڈم کے انداز دیکھ کر وہ دونوں ہی دھیما دھیما مسکرائے۔

"ہاہا اچھا میری دادی، یقین آگیا اسے بھی اور مجھے بھی۔ چلو پھر مل کر مزے دار سا کچھ بناتے چل کر۔ آج تم دونوں کو اپنے ہاتھ کا پاستا بنا کر کھلاوں گا۔ کیا یاد کرو گے کہ ابدال مصطفیٰ نے کبھی پاستا کھلایا تھا۔۔۔ لٹس گو"

شروع میں وہ جیسے عناب کی گال کھینچے لاڈ کرتا خود میں گھوٹ گیا، لگا ہی نہیں کہ وہ سنجیدہ مزاج ابدال تھا بلکہ عناب کے لیے وہ کسی بھی روپ میں ڈھل جانے والا سایہ ہی تھا۔

اسکی آفر نے جہاں عناب کی آنکھیں روشن کیں وہیں یو آن بھی رغبت سے ہامی بھرتا ابدال کا دوسرا ہاتھ پکڑے اٹھ کر ساتھ ہی اندر لپکا، ایک ہاتھ تو آل ریڈی میڈم عناب کے قبضے میں تھا جسے پکڑ کر وہ اچھلتی ہوئی اب اندر جا چکی تھی۔

دوسری طرف وفا ہوسپٹل نہ جا سکئ تھی، نہال بخاری نے میسج کیے ڈنر کے لیے ریسٹورنٹ بلوایا تھا۔

وفا کو لگا تو عجیب مگر وہ پھر بھی آٹھ بجے تک آفس سے نکل کر سیدھا نہال بخاری کی بھیجی لوکیشن پر پہنچی۔

ڈنر وہ پہلے ہی آرڈر کر چکے تھے اور وفا کی آنکھوں کی سرخی بھی گہرائی سے بھانپ چکے تھے۔

وہ بے دلی سے کھانا کھانے کے بجائے بس دیکھ رہی تھی، بھوک تو مر چکی تھی۔

"مجھے لگا کہ گھر میں آپ سے بات نہیں ہو سکے گی کیونکہ وہاں آپکی توجہ کا مرکز بدل جاتا ہے، تبھی سوچا ڈنر کیا جائے آپکے ساتھ"

کافی دیر وفا کی سوگوار چپ بھانپنے کے بعد آخر نیپکن سے ہونٹ صاف کیے وہ کھانے سے ہاتھ روکے گفتگو کا آغاز کر گئے، وفا نے رسان سے سر ہلائے پھیکا سا انداز اپنایا۔

"وھاج سکندر سے نہ اب آپ ملیں گی نہ آپکی زبان پر اسکا نام آئے گا، یہ میرا پہلا حکم ہے آپکے لیے"

سپاٹ مگر زرا سے نرم بناوٹی انداز میں یہ پہلا حکم ہی وفا کی ہستی کو لرزانے کو کافی تھا۔

وہ بھی کھانے سے ہاتھ روکے شکوہ کرتی آنکھیں پٹ سے نہال بخاری کی آنکھوں میں ڈال گئی۔

"آپ کے دل میں صرف ایک نام دھڑکنا چاہیے اور وہ نام کاشان ہمانی کا ہے، وفادار رہنا ہوگا آپکو اس شخص کے ساتھ۔ مجھے یقین ہے اپنے نام کا تقدس نبھانے سے بھیو کی یہ ننھی جان بہت اچھے سے واقف ہے"

گہری نظریں شیریں اور لہجہ شفیق کیے وہ وفا کے شکستہ وجود اور بکھرے دل پر کاری وار کر رہے تھے، کیا وہ ہمیشہ یونہی بے مول رہے گی، کیا اسے ہمیشہ ادھاری سانسیں حلق میں گھسیٹنی ہوں گی۔

"مجھے وہ انسان بہت برا لگتا ہے، سچ بتاوں تو اسکا نام لینے پر بھی دم گھٹتا ہے۔ وفا کیسے کرے گی وفا اس وحشی کے ساتھ۔ میری آسانی کو کوئی تو در کھلا رہنے دیں، یہ حبس کھا جائے گا بھیو"

وہ نظریں جھکائے حلق میں اگتے کانٹوں کے باعث بولتے بولتے کانپ گئی تھی، نہال نے آزردگی سے وفا بخاری کی بے جان آنکھیں اور ان سے رستی بے بسی دیکھی، یہ بے بسی اتنی کربناک کیوں تھی آخر؟

"نکاح میں بہت کشش ہوتی ہے، آپ بھی جلد اس کشش کی اسیر ہو جائیں گی۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر آپ صرف کاشان کی بن کر رہیں گی تو وہ آپ کو کانٹا چبھنے جیسی تکلیف بھی ہونے نہیں دے گا۔ آپ بھیو کا مان رکھیں گی ناں وفا؟"

سارے ستم ڈھانے کے بعد اب نہال بخاری کا یہ سوال وفا کو قہرناک لگا تھا۔

آج تک وفا بخاری نے گرم ہوا تک نہ سہی تھی، وہ پھول کی طرح پلی بڑھی تھی مگر اس شخص نے ایک پل میں جھلسا دیا تھا اسے، وہ مجبور سی خاموش تھی۔

دل تو یہی چاہا ساری دنیا کو چیخ چیخ کر اپنی بربادی بتائے، بین کرے، ماتم کرے مگر اس ظالم نے وار ہی ایسا کیا تھا جسے سات پردوں میں رکھنا ہی وفا کی مجبوری تھی۔

"آپ کے لیے جان بھی حاضر ہے"

نظر جھکائے اپنی شکست تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ تھا ہی کب، نہال کو دلی خوشی اور طمانیت میسر آئی۔

"دس دن بعد آپکی اور منیہا دونوں کی رخصتی فائنل کر دی ہے میں نے، عون یا وحید بھائی نے کچھ کہا تو نہیں لیکن مجھے مناسب لگا کہ یہ دونوں فرض ایک ساتھ ادا ہو جائیں۔ عون اس پاگل کو سب سے بہتر سنبھال سکتا ہے اور بھیو کی اس جان کو کاشان بہت پیار سے اپنی آنکھوں کا نور بنا لے گا"

سانس اٹکنے کے باوجود وہ اس حکم پر سلامت تھی، دل ڈہل گیا تھا مگر پاس انکار کا اختیار تھا ہی کب۔

آج ہی تو وہ اس وحشی کو چیلنج کر کے آئی تھی اور اب نہال بخاری کے سامنے انکار کرنے کی سوچ تک بے ادبی محسوس ہوئی۔

وہ بھی وفا کی سوگوار چپ کے باوجود بے حس بنے بیٹھے دل راکھ کر رہے تھے۔

"عون اور منیہا خوش رہیں گے ساتھ، لیکن میری خوشی کی دعا قبول نہیں ہو گی اب۔ آپکا فیصلہ منظور ہے"

آنکھیں چرائے وہ بنا نہال کو دیکھتی کہہ رہی تھی، درد کا اک سمندر اسکی آواز کو لپیٹ چکا تھا۔

"ہمم۔۔۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی وفا۔ فی الحال آپکی تکلیف محسوس کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ جلد میرے اس فیصلے پر مطمئن ہو جائیں گی"

وہ بظاہر تو نہال کی یہ تسلی آمیز بات سن رہی تھی مگر دل سے بس کاشان ہمانی کے لیے نفرت بھرے انداز سے سوچ رہی تھی۔

"آخری دم تک اپنے کہے جملے کی لاج نبھائے گی وفا، ہر وہ کام کروں گی جس سے رخصتی ڈھیلے ہو سکے۔۔۔ تمہارے پاس آنا گویا وفا کی رہی سہی موت۔۔۔ یا اللہ مجھ پر رحم کریں"

نہال تو دوبارہ کھانا شروع کر چکے تھے البتہ وفا کی آنکھیں تھیں کہ اس شخص کے پاس جانے کا سوچ کر ہی جہنم کی طرح سلگ اٹھی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اس نے کھانا نہیں کھایا، ایسے تو مر جائے گی۔ تم بھی صبح کے گئے اب لوٹے ہو اور آتے ہی یہ سگریٹ پھونکنے شروع کر دیے۔۔۔ ٹھیک تو ہو؟"

جب سے وہ ہمانی حویلی آیا تھا، کمرہ بند کیے خود پر روشنی کا بھی آنا ممنوع کیے صرف دھوئیں کے غبار کے رقص میں اپنی اذیت پھونکتا جا رہا تھا، زویا خود ہی کئی بار اسکو بلوانے ملازمہ کو بھیج چکی تھی مگر کاشان نے دروازہ نہ کھولا، اب بھی وہ دوسری چابی سے دروازہ کھول کر اندر آئی، کھڑکیوں کے پردے ہٹا کر کمرے میں جمع ہوتی حبس کو باہر کا راستہ دیا اور بنا آہٹ کیے کاشان کے صوفے سے ٹیکے سر کو تکتی اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ساتھ ہی بیٹھی۔

"مرتی ہے تو مرے، میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔۔۔"

سانس بھرتے بھرتے وہ یکدم بوجھل سا تھکے مگر بیزار لہجے میں تلملایا، سگریٹ ایش ٹرے میں بے دردی سے مسل دی۔

"کیا ہوا ہے، شئیر نہیں کرو گے۔۔۔؟ مت کرو ہلکان۔ آخر ایسا کیا ہوا ہے جو تم پھر سے اندھیرا ہو رہے ہو۔ وفا کی وفا چاہتے ہو ناں؟ ملے گی۔ تھوڑا انتظار کرو"

وہ اسکے ہر موسم کی ساتھی، اسکے ہر کرب کی رازدان تھی تبھی تو سیدھا زخم لگاتا نوکیلا دکھ پکڑ بیٹھی۔

"مانگ کر وفا نہیں ملتی زویا، زندگی میں پہلی بار گہری ترین چوٹ کھا بیٹھا ہوں۔ میں اب وفا کو معاف نہیں کر سکتا۔ جیسا میرا پلین تھا اب اسی پر عمل درآمد ہو گا۔ ویسے بھی وہ رخصتی نہ چاہتی ہے نہ ہونے دے گی تو میں کیوں اپنی انا کو اس بے حس عورت کے لیے مجروع کروں۔ اب بتاوں گا اسے برباد کرنا کسے کہتے ہیں"

زویا سے نظر چراتا وہ تھکے ہارے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا، کھڑکی سے رات ہوتے ہی وارد ہوتی خنک ہوا تک اسے سانس میں آسانی دینے میں ناکام تھی۔

زویا کا دل گویا کاشان کی اس بات پر کانپ اٹھا۔

وہ بھی اٹھ کر فاصلہ طے کرتی لمحے میں اس تک پہنچی اور بازو سے پکڑے بمشکل اس آتش فشان پہاڑ کا چہرہ اپنی جانب موڑا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، میں نے نہال سے وعدہ کیا ہے کہ تم انکی وفا کو تکلیف نہیں دو گے"

پریشانی کے عالم میں جو وہ کہہ بیٹھی، کاشان ہمانی کے چہرے پر لہو چھلکنا فطری تھا۔

اب کی بار زویا کی بازو کاشان کے ہاتھ میں دبی تھی جس پر وہ باقاعدہ نرم گرفت پر بھی کراہ اٹھی۔

"یہ کیا بیوقوفی کی زویا؟ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔۔۔ اس منحوس کے لیے آپ نے سوچنے کی ہمت بھی کیسے کی۔ دل تو چاہ رہا ہے جان لے لوں آپکی اس کارنامے پر"

جبڑے بھینچے وہ ہر ممکنہ اشتعال دباتا بھی غرا اٹھا، زویا کی آنکھیں جس رفتار سے بھیگیں ویسے ہی کاشان تڑپ سا اٹھا، گرفت میں نرمی ملائے آہستگی سے اس نازک وجود کو اپنی پناہ میں مقید کیے معذرت بھی اپنے شایان شان کی۔

زویا کے آنسو آج ناچاہ کر بھی کاشان کے سینے تک اتر گئے تھے۔

"معاف کر دیں، لیکن آپ نے بہت غلط کیا۔ ایسی محبت جو فقیر کر دے بہت بری ہوتی ہے زویا۔ مجھے فقیر نہیں ہونا، دیکھیں مجھے۔۔۔ ایک جھٹکا مجھے ہرے سے سیاہ کر گیا۔۔۔۔"

اس روتی ہوئی ماں سے عزیز پھپھیا کی تڑپ، آنسو اور آہیں جیسے کاشان کے دل تک ہلچل مچا رہی تھیں، وہ اسے اپنا بنجر ہونا باور کرواتا اس سے زیادہ آزردہ تھا۔

"میں چاہ کر بھی بے رحم نہیں بن پائی، وہ شخص سامنے آیا اور میری نفرت، تکلیف، اذیت سب ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ سب نئے سرے سے شروع کرتے ہیں۔ تم میری خاطر ایک قدم اور بڑھا کر دیکھو وفا کی طرف۔۔۔۔ میرے لیے، میرے وعدے کے لیے۔ تم مجھے کبھی انکار نہیں کرتے کاشان۔۔۔ میں تھک گئی ہوں یار، پہلے اپنی اذیت جھیلتے اور پھر تمہاری۔۔۔۔ اس سلسلے کو ہم ختم کرتے ہیں۔ تم مان رکھو گے ناں؟"

وہ تمہید باندھے اپنی ہتھیلی پھیلائے اس سے بھی اک وعدہ مانگنے آئی تھی، اور وہ سر تا پا مسمار کھڑا تھا جسے اس وعدے کی ٹھوکر ریزہ ریزہ کرنے کو تھی۔

"پلیز کاشان، وفا کو ایک موقع دے دو"

آگ کی طرح جلتے کاشان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے منت بھرے لہجے میں گزارش کی گئی، وہ اب بھی پتھر کی طرح جما کھڑا تھا۔

"اور اگر اس نے یہ موقع گنوا دیا تو مجھ سے مزید کوئی انسانی رویہ امید مت کیجئے گا"

سپاٹ لہجہ بہت کچھ باور کروائے تیز ہوا، فی الحال کے لیے کاشان کا ہار ماننا گویا زویا کے بوجھ ہلکے کرنے کو کافی تھا۔

"تمہیں پتا ہے تم میری زندگی کا سرمایہ ہو، تھینک یو میری بات سمجھنے کے لیے۔ نہال بخاری کا میسج آیا تھا، دس دن بعد رخصتی فائنل کی ہے۔ ان شاءاللہ تمہارا یہ موقع دینا تم دو کے رشتے کی نئی شروعات کرے گا"

اپنی جانب سے وہ اس وقت بھی کاشان کی زندگی کے چند سکھ سمیٹنے کی جدوجہد میں تھی مگر وہ کب جانتی تھی کہ وفا بخاری یہ تو کیا ہر موقع اب ضد میں گنوانے کا فیصلہ لے چکی ہے۔

بخاری ولا میں رات ڈنر پر نہال بخاری نے دونوں رخصتیوں کو اناونس کر دیا تھا جس پر خود عون اور وحید صاحب حیران تھے کیونکہ انہوں نے عون کے کہنے کے باوجود ابھی نہال سے رخصتی کے متعلق بات نہ کی تھی نہ انکا نہال سے بولنے کا دل چاہ رہا تھا تو تبھی اس اچانک نہال بخاری کی جانب سے آئے فیصلے نے پہلی بار ہر فرد پر کچھ پر سکون تاثر چھوڑا۔

وفا سے وحید صاحب اور فریال نے خود بھی رائے جانی جس پر وہ اس فیصلے پر راضی ہونے کا کہے ڈنر کے بیچ ہی اٹھ کر چلی گئی تھی۔

ابدال نے اس فیصلے پر کوئی تاثر نہ دیا بلکہ وہ عناب اور یو آن ہی کے ساتھ باتوں میں لگا دکھائی دیا البتہ وفا کے یوں اٹھ کر جانے پر وہ تھوڑا فکر مند تھا۔

فریال صاحبہ سب سے زیادہ خوش تھیں، اور منیہا کے لیے یہ سب متوقع تھا تبھی وہ بھی خوش ہی دیکھائی دی تھی۔

وفا آج بھیو کے حکم پر ہوسپٹل بھی نہ جا سکی تھی، وھاج کو نہ دیکھنے کا افسوس اسے شدید تھا، وہ بے جان ہاری ہوئی بیڈ کے ساتھ ہی فرشی قالین پر بیٹھی تب دھیما سا مسکرائی جب ابدال اپنا گٹار لیے اسی کے پاس آکر بیٹھا۔

وہ جانتا تھا اسکے پاس ایک اور کوالٹی بھی ہے، کبھی کبھی سروں سے چھیڑ خانی کرنے کی کوشش جو وفا کی پسندیدہ تھی۔

"تو فائنلی آپ اس ہاتھی کو پیاری ہونے والی، مجھے امید تھی کہ نہال بخاری مجھ پر اگلا ستم ایسا ہی کریں گے۔ آفٹر آل انھیں اپنی ذلت کا حساب بھی تو چکانا تھا۔ لیں، چکا دیا۔ مجھ سے آپکو پھر سے دور کر کے۔۔۔۔۔۔"

گٹار کی خفیف سی مدھر دھن چھیڑ کر وہ بولتے بولتے جب رخ موڑے وفا کو دیکھنے مڑا تو وہاں ان من پسند آنکھوں میں بھی کہرام تھا۔

"اتنے بدگمان کیوں ہو ان سے، اتنی تو وفا بھی نہیں جو انکے حکم پر سولی چڑھنے والی۔۔۔"

وہ اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھے اسے دھن بکھیرنے سے روکے آنکھوں میں بے رحمی لیے بولی، گویا وجود میں اک دردناک لہر سرائیت کر گئی ہو۔

"کاش میرا بس چلتا تو کاشان ہمانی کا مرڈر کر آتا، سانڈ، دریائی گھوڑا اور ڈائناسار کا بچہ۔۔۔ یار آپ اسے دیکھ کر ہی ڈر جائیں گی۔۔۔ مجھے آپکی بہت فکر"

یہ شاید شام عناب اور یوئی کے سنگ مستی کا اثر تھا کہ اسے اس وقت اٹکیلیاں سوجھ رہی تھیں جب وفا دم دینے کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

پھر بھی وہ تھکا سا مسکرائی۔

"ہوش تو اسکے ٹھکانے لگاؤں گی۔ تم بے فکر رہو، جانتی ہوں اس وحشی کی کونسی رگ دبانی ہے۔ تم بس اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ رہی بات دور ہونے کی تو تم میرے بیٹے ہو ابدال، میری جان، میرا دل، میرا پیارا بچہ۔۔۔ ہمیشہ وفا تمہارے ساتھ ہے اس لیے ایسا کبھی مت کہنا دوبارہ"

شروع میں ناجانے وہ اپنی کونسی پلاننگ کے تحت کہہ کر ساتھ ہی بات بدلے رخ موڑے ابدال کی جانب متوجہ ہوئی، اسکی گال سے مرمریں ہتھیلی جوڑے اپنے ساتھ کا یقین دلایا مگر وہ جانتا تھا اب سب بدلنے والا ہے۔

"وھاج سکندر کا کیا ہو گا وفا؟ آپ جانتی ہیں انھیں کوئی مارنے والا تھا۔۔ ان پر مجھے لاکھ غصہ سہی مگر فکر بھی ہو رہی ہے۔۔۔۔"

یہ ٹاپک اسے چھیڑنا ہی نہ تھا، بس وہ رسان سے بات ٹالے ابدال کو کچھ سنانے کا اشارہ کرتی مسکرادی۔

یہ وفا کے بات ختم کرنے کا انداز تھا جسے وہ سمجھ چکا تھا۔

تیسری طرف منیہا کب سے عناب کو سلانے کی کوشش میں لگی تھی مگر وہ میڈم آنکھیں کھولے بس منیہا کو ہنس کر دیکھتی جا رہی تھی۔

ڈنر کے بعد عون بھی یوآن کو کمرے میں چھوڑنے کے بعد خود بھی وہیں آیا تو عناب اور منیہا کو مستیاں کرتا دیکھ کر مسکراتا ہوا وہیں رک گیا۔

"سو جاناں ماسی، آج تجھے نیند نہیں آ رہی۔۔۔ ویسے جلد ہی میں تیرے اس کوجے روم سے جانے والی۔۔۔ عون کے بڑے سارے کمرے میں۔۔۔ پھر تو اکیلئ یہاں پھیل کے سو جانا یار پر ابھی ٹانگیں اور مکے کم مارا کر"

پیپر کی تیاری تو لگتا تھا آج بنا پڑھے ہو گئی تھی تبھی عناب کے دونوں ہاتھ دبوچے اب وہ اسے خود پر لٹائے قابو کر چکی تھی جس پر عناب مسلسل بتیسی نکالے گدگدی پر کھلکھلا رہی تھی۔

"میہا دیدو، درنی لدے گا تیو تے میلے بھیو دو آدئے۔۔۔ تم دندی ہو، تپت داتی ہو، میلا شانش بن تل دیتی ہو (منیہا دیدو، ڈر نہیں لگے گا، کیونکہ میرے بھیو جو آ گئے، تم گندی ہو چپک جاتی ہو، میر اسانس بند کر دیتی ہو)"

فر فر اپنی تھتھی پاشا میں الزام تراشیاں کرتی عناب کی اس تقریر پر نا صرف منیہا ہنسی ساتھ ہی کمرے میں آتے عون کو دیکھتے ہی عباب صاحبہ منیہا پر سے اٹھے باقاعدہ جھمپ مارے سیدھی بیڈ پر کھڑی ہوتے ہی عون کی پھیلی بازوں میں جا سمیٹی جس پر وہ جو اس وقت عام سے ٹراوز شرٹ میں نیند کی ہلکی پھلکی خماری میں لپٹا آفت لگ رہا تھا، منیہا پر اک بے خود نظر ڈالے اسے نظر جھکا کر اٹھ بیٹھنے پر مجبور کیے پدی ہرنی کی جانب متوجہ ہوا جو آج کل ویسے بھی کھلی دیکھائی دے رہی تھی۔

"دون، دندی میہا تو لے داو دے تیا۔۔"

دونوں بازوں کو عون کی گردن میں باندھے بڑے اشتیاق سے بولی، خود عون زرا فاصلے پر منہ بسورتی منیہا کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"یس تاکہ تمہاری جان نہ کھائے یہ چڑئیل، ویسے بائے داوے اب تو ہمارا بچہ بہت اچھا ہو گیا۔ نہ تو پین ہوا نہ کوئی الرجی"

عون حقیقی طور پر بہت مطمئین تھا کیونکہ عناب کی طبعیت جب یوں ہری بھری ہوتی تو یہ سب ہی کے لیے باعث آرام ہوتا تھا۔

"دون، میلے کو دلدنی ہولا۔۔۔ میں دیادہ سالا تھیت ہو دئی ہوں"

اپنی معصوم آنکھیں گماتی وہ اسے اپنے ٹھیک ہونے کا بتاتی خود منیہا کو بھی پیاری ہی لگی۔

عون اسے لیے خود بھی وہیں بیٹھا، کتنی دیر وہ عون کے گھٹنے پر سر رکھے منیہا سے ٹانگوں کے ذریعے شرارتیں کرتی رہی مگر پھر جب تھک گئی تو وہیں عون کا ہاتھ پکڑ کر سینے پر رکھے سو گئی۔

دونوں نے ایک نظر عناب کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو۔

"جیلس ہو رہی ہوں"

اپنی طرف بے خود نظر آتی دیکھتے ہی منیہا کے رنگ اڑے، فوری شکوہ لیے وہ اٹھ کر قریب ہو کر الٹی پالتی مار کر بیٹھے اطلاع دیتی بولی۔

"اس بچی سے؟ شرم کرو۔۔۔ کل کو جب ہمارے بچے ہوئے تو۔۔۔"

عون کے منہ بگاڑ کر ڈانٹنے پر منیہا کا منہ حیرت سے کھلا، ساتھ پڑا کشن پوری زور سے عون کے سر پر مارا جس پر عناب بھی ہلچل پہ کسمکسا کر پھر سے سو گئی۔

"شرم آپ کریں، اب یہ بچے کدھر سے آ گئے۔۔۔"

کانوں کو ہاتھ لگائے گھوری سے نوازتے منمنائی جس پر عون کی شرارت آمیز مسکراہٹ فطری تھی۔

"یہ تمہیں دس دن بعد بتاؤں گا ڈارلنگ، فی الحال تو بس خوشی کے مارے سخت نیند آ رہی ہے"

ذومعنیت سے آنکھ ونگ کرتا وہ منیہا کو پھر سے متذبذب کرتا آہستگی سے عناب کا سر تکیے پر رکھے کمبل کرواتا جب تک اٹھا، منیہا بھی گھوم کر تیزی سے جاتے ہوئے عون کی راہ میں آئی۔

"مہکار والی باقی سچائی کب بتائیں گے آپ؟"

وہ مکمل سنجیدہ تھی، جس کے باعث عون کو بھی ہونا پڑا۔

"جلد بتا دوں گا، اتنی مختصر کہانی نہیں ہے۔ پوری رات چاہیے تمہاری۔۔۔"

نرمی سے بات سمجھائے وہ جانے کو پلٹا تو پھر سے منیہا نے اسکا ہاتھ پکڑے روکا، اس بار وہ تھوڑی اداس تھی۔

عون نہ صرف مڑا بلکے پوری شدت سے پکڑ کر خود میں بھینچ ڈالا، نازک سے وجود پر ایسے ظالمانہ تشدد کی آج کسے پرواہ تھی، الٹا وہ زرا سا چینختے چینختے مسکراتی ہوئی خود بھی اپنی بازو اس پہاڑ کے گرد حائل کیے چپ چاپ بس دھڑکن سنتی رہی۔

اور وہ اسکے بالوں کی بھینی مہک محسوس کرتا مسرور ہوئے جارہا تھا۔

"عون"

جذبات کے روح سہلاتے وار تلے وہ اسے پکاری۔

"ہمم"

بند آنکھیں کیے وہ زرا سا متوجہ ہوا مگر وہ تو اسکی پوری توجہ چاہتی تھی۔

"کیا مجھے بھی اپنے گھٹنے پر سر رکھ کر پیار سے سونے دیں گے رخصتی کے بعد؟"

منیہا کی فرمائش پر عون مسکراہٹ دباتا اس لڑکی سے یہی امید کیے شانوں سے پکڑے سامنے لایا جسکی اتنی کم خواہش پر بھی عون بخاری کا روم روم مہک گیا تھا۔

"تم اتنی پاگل کیوں ہو یار، یہ بندہ سارا تمہارا ہے۔۔۔ جہاں چاہے آپنا آپ لکھ لینا۔۔۔ تمہاری یہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں گرویدہ کر رہی مجھے مزید۔ تمہیں میری ہی نظر لگ جائے گی"

ناجانے اتنی محبت پل میں وہ کہاں سے لے آیا کہ ان جملوں کی بازگشت تو منیہا کو بعد میں سنائی دی مگر پہلے جسم و جان کو جنھوڑ دیتے لمس جان لیوا ہوئے، ایک آخری مہر ماتھے پر لگاتا وہ اسے اپنے جادو میں منجمد ہی کیے کمرے سے نکل گیا اور وہ سرشار سی بیڈ کے کنارے ٹک کر سرخ گلاب کی طرح مسکائی۔

کھلھلائی، مگر نظر تو شاید واقعی لگ جانے والی تھی وہ بھی شدید۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عون کے نام خفیہ معلومات کی فائیل بھیجنے کے بعد وہ تھکن سی حاوی ہونے پر لیپ ٹاپ بند کیے بیڈ کی طرف آیا اور بیٹھا، آج کا پورا دن بھی اسکا مصروف رہا تھا مگر تھکن اور نیند کے باوجود دل کے اندرون کوئی تپش موجود تھی، وہ ہوٹل میں رکا تھا، یونہی بے دھیانی میں اپنا والٹ کھولے اس میں آویزاں تصویر دیکھتے ہی سر پشت سے ٹکادی، وہ مہکار اور یو آن کی سب سے پیاری اور مکمل تصویر تھی اور شاید فارس شاہ کی تمام دنیا اس ایک فوٹو میں آکر جذب ہو جاتی۔

پھر دوسری طرف قید کی اذیت جھیلتی مہکار جسے ابھی سے اپنا آپ خالی اور نجس محسوس ہونے لگا تھا، جیسے وہ خود کو گہرے کنویں میں جھونک کر اب مدد کی منتظر تھی، مگر باہر سیاہ رات ڈھل چکی تھی، سیاہ راتیں سفیدی میں ضرور بدلتی ہیں مگر انکی نہیں جو سیاہ بخت ہوں۔

دونوں ایک ہی رات میں، ایک ہی آسمان تلے، ایک ہی خسارے پر سوچ رہے تھے، فارس شاہ نے اک عمر جلن کے بعد بھی رہائی نہ پائی، اسے اب بھی مہکار کے ہونے کا احساس تھا، وہ اس روح زمین پر تھی۔

لاچار، بے بس، اور رہ رہ کر وہ پور پور اذیت میں مبتلا شخص اسی فریب کو کھوجتا جا رہا تھا۔

جو اسے زندگی نے دیا، محبت میں زبردستی کا قائل نہ ہو کر بھی اس نے زبردستی کی تھی، اس لیے کہ ممکن تھا وہ عورت سنبھل جائے، جس سے محبت ہو اسکے اچھے برے کو سوچ کر چلنا پڑتا تھا، وہ مہکار کے پاوں میں اولاد کی زنجیر ڈال کر بھی ہار گیا تھا، کتنی بار تو اس عورت نے اس نو مہینے میں اپنی کوکھ میں پلتے بچے کو مارنے کی کوشش کی، اس نو ماہ وہ وحشی، سفاک اور سنگدل روپ دھار گئی، وہ سب سہنا، اس وقت کا ایک ایک لمحہ آج بھی فارس شاہ کے سینے پر الم کا بوجھ ڈالے تھا۔

جس اولاد کو اس عورت نے اچھوت کی مانند کئی بار ختم کرنے کی کوشش کی جب وہ روئی کے گالے سا بچہ اسکی گود میں آیا تب مہکار کے اندر رحم بھی اترا، فارس کے لیے نہیں بلکہ اس ننھے بچے کے لیے۔

فارس تو وہیں کا وہیں رہا، لیکن اسے اتنا سکون ضرور رہا کہ وہ عورت اسکے بچے کی ایک اچھی ماں ثابت ہوئی۔

کیا محبت کرنا اتنا بڑا گناہ تھا؟ وہ آج بھی یہ سوال خود سے کرتا، اور کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں پتھرا جاتیں، تب دھیان ہٹتا جب بصارت آنسوؤں سے دھندلا جاتی۔

آج بھی آسمان و زمین کا رب گواہ تھا کہ ان دو کی آنکھیں کھرے آنسوؤں سے نم تھیں، کسی اور کی تکلیف کے احساس میں بہتے آنسو بہت پاک ہوتے ہیں، یہ پاک کر دیتے ہیں۔

اب وہ پچھتاتی تو کس کام کا، آج اس قید کی شروعات ہی اسے فارس شاہ کی قید کا سکھ سمجھا گئی تھی۔

کئی آنسو اس نڈھال ہوتی مہکار کے رخسار بھیگو رہے تھے اور وہ اتنی شدت سے اسے یاد کیے رو رہی تھی کہ اسکے آنسو فارس شاہ کی آنکھوں میں ابھر آئے۔

اب انکی منزل کچھ الگ طے تھی، بے بسی اور بے رحمی سے بھری ہوئی۔

اگلی صبح نمودار ہو چکی تھی، موسم بہار کی صبح اور اتنی سوگوار! حیرت تھی۔

عون بخاری کی کاشان ہمانی کے آفس پولیس کے اہلکاروں کے ساتھ آمد گویا باسط اور کاشان دونوں کے لیے صبح کا پہلا جھٹکا تھا۔

"جس گاڑی میں عائش کو دیکھا گیا وہ آپکے نام رجسٹر ہے مسٹر کاشان، اس بات کی کوئی وضاحت ہے آپکے پاس"

کاشان کے سامنے صوفے پر تفاخر سے براجمان ہوئے عون کے استفسار پر کاشان ہمانی نے ایک بیزار نظر اس پر ڈالی اور پھر باسط کو اشارہ کیا۔

کچھ دیر میں باسط، ایک دوسرے وکیل کے ساتھ اندر آیا۔

"میرا وکیل دے گا تمہیں جواب، اتنا فارغ نہیں ہوں کہ عائش سے جڑے کیس کے متعلق تمہاری تفتیش کے جواب دوں۔۔۔ دو سال پہلے ہی میں نے اسکے مردہ ہونے کو تسلیم کر لیا تھا، اب وہ تم سب سے بچ جائے یا پھانسی چڑھے، مجھے نہ اس میں دلچسپی ہے نہ اس معاملے سے مجھ پر کوئی فرق پڑتا ہے"

کاشان کے یوں تنفر سے عائش کا ذکر کرنے اور خفیف سا تلملانے نے عون کو لطف سا دیا، نا جانے کیوں مگر آج کاشان ہمانی کے تیور خاصے بیزار و مشکوک تھے۔

"فرق کیسے نہیں پڑتا مسٹر کاشان، آفٹر آل وہ خبیث آپکا بھائی ہے۔ سگا نہ سہی سوتیلا ہی سہی۔ دو سال کی پر اسرار چپ کے بعد اگر وہ سامنے آیا ہے تو یہ آپکے لیے فکر کی بات ہونی چاہیے۔ اس پر چلتا کیس اسکی گمشدگی اور ثبوت کے مٹ جانے پر آپکی درخواست پر بند ہوا تھا، جہاں تک ثبوت کی بات ہے وہ ڈھونڈنا پولیس کا کام سہی مگر یہ کیس اسکے والدین کی مرضی کے بعد ری اوپن ہو چکا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں"

مقابل کے مشتعل رویے پر چوٹ کیے عون نے بھی کاری وار کیا، وہ کاشان کی جنبش تک پر پتھر نظر رکھے پر اعتماد اور بے باک انداز لیے بولا۔

"دیکھو وکیل، میرا میٹر شارٹ کرنے کی کوشش نہ کرو۔۔۔ جب کہہ دیا ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ پوچھ گچھ بند کرو اپنی۔ جا کر ڈھونڈ لو اسے، لیکن مجھ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش مت کرنا۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ کیس میں نے بند کروایا؟"

دونوں ہاتھ میز پر رکھے وہ باقاعدہ اٹھ کر غرایا، لہو آنکھیں غضب کی ترجمان تھیں۔

عون کے سکون میں گویا اضافہ ہوا تبھی وہ ایک فائیل اٹھ کر عین کاشان کے سامنے کھولے پھر سے آرام دہ انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھا۔

"ثبوت تو نہیں ہے لیکن آپ نے کورٹ میں اپلیکیشن دائر کی تھی، اس کیس سے آپکی یعنی دی گریٹ چمپئین کاشان ہمانی کی ریپو خراب ہوئی تھی۔ میرے سننے میں تو یہ بھی آیا تھا کہ اس حادثے کے بعد آپکی فین فالونگ کم ہو گئی تھی اور یہ نیوز تب بریکنگ تھی۔ ظاہر ہے اتنا بڑا نام، اپنے سوتیلے بھائی کے کرتوت سے خراب ہوا۔ دو سال وہ کہاں تھا؟ اب کیسے ایک دم باہر آیا۔ حتیٰ کہ پچھلے دو سال اس نے کسی اوٹ آف کنٹری ٹریول تک نہ کیا۔ دو سال سے پولیس کے خفیہ لوگ اسکی تلاش میں تھے کیس بند ہونے کے باوجود مگر سراغ تک نہ ملا، اب اچانک یہ سب؟ کیا ایک میچور انسان اس بچگانہ آنکھ مچولی کے کھیل پر یقین کرے گا؟"

اپنے علم میں آئی تمام معلومات کے تحت کیے سوال سے وہ کاشان کو ٹف ٹائم دے چکا تھا، جسکا خدشہ تھا سب وہی ہو رہا تھا۔

اور حالات اس قدر خراب ہوتے دیکھائی دے رہے تھے کہ کاشان کا ارادہ اس عائش کی زندہ قبر گاڑنے کا بن چکا تھا۔

"دیکھیں مسٹر عون، آپ خوامخواہ میرے کلائنٹ پر دباو ڈال کر بے چین کر رہے ہیں۔ یہ سب سوال آپ مت کریں کیونکہ یہ آپکا کام نہیں ہے۔ رہی بات گاڑی کے رجسٹر ہونے کی تو ہمانی حویلی کی ہر گاڑی انہی کے نام پر رجسٹر ہے۔ جب عائش غائب ہوا تھا تب سے وہ گاڑی بھی اسی کے پاس تھی۔ یہ کوئی اتنی بڑی وجہ نہیں"

اس بار کاشان کے بجائے اسکا وکیل فراز پرفیشنل انداز سے عون کے مد مقابل آکر وضاحت پیش کرتا بولا مگر عون کی نظریں گویا کاشان کے تپے چہرے کی جانب ہی تھیں۔

"ارے واہ دو سال سے گاڑی کو بڑا سنبھال کر رکھا تھا اس نے، بلکل جس بل میں وہ خود گھسا تھا، وہیں گاڑی بھی ہوگی۔۔۔ رائیٹ۔۔۔۔ ٹھیک ہے تو ہم خود ڈھونڈ لیں گے اس کو۔ آپکے تعاون کا شکریہ۔ اگر وہ آپ سے رابطہ کرے تو ایک اچھے انسان کی طرح ہمیں انفارم کیجیئے گا۔۔۔ ہم چلتے ہیں"

پولیس کے دونوں اہل کاروں کو اشارہ کیے وہ خود بھی سلگتے طنزیہ انداز سے کاشان پر بجلی گراتا آخر تک اجازت طلب کیے آفس سے نکل گیا اور اسکے جاتے ہی کاشان ہمانی نے پوری قوت سے گلاس میز پر مکا مارا جس سے نہ صرف اسکا ہاتھ کانچ کے باعث لہولہان ہوا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا آفس کا فرش کانچ کے ٹکڑوں سے بھر گیا۔

باسط نے خود ہی وکیل کو ایک طرف لے جاکر ضروری ہدایات کیے روانہ کیا اور خود وہ بپھری بلا کی جانب چلتا ہوا آیا جہاں اس وقت وہ صرف پائزن تھا۔

"اپنے چار پانچ لوگ عائش کی نگرانی پر فائز کرو، پتا بھی ہلا تو عائش کا کام تمام کر دینا۔۔۔ اس حرام زادے کی وجہ سے ٹکے کا وکیل اٹھ کر میرے سامنے آیا، جس جگہ پولیس آج تک نہ آئی وہاں قانون کے لوگ وردی سمیت آئے۔۔۔ اسی دن کے لیے تجھے زندہ چھوڑا تھا کیا عائش۔۔۔۔ دن گننے شروع کر دے۔۔۔ تیری موت کا پروانہ جاری کر چکا ہوں۔۔۔"

کاشان کا بس نہ چل رہا تھا آفس کی ہر چیز الٹ ڈالتا، دنیا کو آگ لگا کر نیست و نابود کر ڈالتا۔

اس کی ہدایت پر باسط سر ہلائے روانہ ہو چکا تھا مگر کاشان ہمانی پر زندگی میں پہلی بار بے بسی اتری۔

وہ تو آج تک اپنی ماں کی قاتل تک کو زندہ رکھے ہوئے سزا دے رہا تھا پھر عائش کی یکلخت جان کیسے لے؟ کیا اسکے لیے جان لینا آسان تھا۔

عائش ہمانی جس جگہ تھا وہاں پولیس کبھی پہنچ نہیں سکتی تھی مگر کاشان پھر بھی سوچ چکا تھا کہ عائش کو مزید مہلت نہیں دے گا۔

آخری وارننگ پر وہ بھی دھندے کا کام فی الحال روکے صرف ان دو بچوں کی پہرہ داری کا حکم دے چکا تھا۔

یو آن کو صبح ہی عون بورڈنگ چھوڑ آیا تھا اور اس جگہ بلڈنگ کے گرد و نواح میں عائش کے دو لوگ ہمہ وقت نگرانی پر لگ چکے تھے۔

اسکے علاوہ صبح سکول کے گیڈ سے اندر جاتی عناب پر بھی اسکے آدمیوں کی نظر تھی۔

اس وقت عائش کسی جلد بازی میں غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا، پارٹی اسے مل چکی تھی جنھیں دو بچے درکار تھے، وہ لوگ بھی عائش پر دباو ڈال رہے تھے اور ہفتے کا ٹائم دیا تھا۔

ان دونوں بچوں کے متعلق ساری معلومات ایک فائل میں موجود تھی جو اس وقت عائش کے پاس ہی تھی۔

یو آن کے متعلق تو اسے پہلے ہی خبر تھی اور فارس اور مہکار کی طلاق کے بعد اسے وہ بچہ جیسے اپنی ہی پراپرٹی لگا، رہی بات نہال کی بیٹی عناب کی تو اسکے بارے جان کر بھی وہ درندہ نجس مسکرایا۔

ایک تیر سے دو شکار کرنے کا ایسا موقع پھر کیسے ملتا، فی الحال وہ ایک ہفتہ خاموشی سے کاشان ہمانی کی دھمکی پر عمل درآمد کیے اپنا اعتماد بحال کرنا چاہتا تھا تاکہ عین وقت پر اپنی چال چل سکے۔

جو لوگ اس سے بچوں کی مانگ کر رہے تھے انکا ہیڈ بھی دراصل کاشان ہمانی کے خریفوں میں سے تھا، اور عائش کو خفیہ طریقے سے ملک بدر کر کے بچانے کی آفر بھی کر چکا تھا کہ عائش اسکی آفر جھٹلا ہی نہ سکے۔

اس وقت عائش کے لیے کاشان کو برباد کرنے سے بھی ضروری معاملہ اپنا بچاو تھا، ایک طرف پولیس، پھر ری اوپن ہوتا کیس، تیسری طرف کاشان ہمانی، یہ ایک ہفتہ وہ اپنے بچاو کو یقینی بنانے کے بعد ہی بچوں کو اٹھوانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اپنی ٹانگ کا علاج بھی وہ ان حالات میں یہاں کے کسی ہوسپٹل سے نہیں کروا سکتا تھا تبھی اپنے دھندے کا یہ آخری بڑا مشن پورا کیے وہ پاکستان سے بھاگنے کا پلین کیے بیٹھا تھا۔

لیکن وہ جانتا ہی کب تھا کہ اسکی موت لکھی جا چکی ہے، عنقریب۔

اسکے لوگ ہوسپٹل میں بھی موجود تھے جو وہاج سکندر پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

اسکے سب لوگ اسکے اشارے کے منتظر تھے مگر ابھی عائش ہمانی خاموشی سے بس تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔

اگلا پورا ہفتہ ہر ممکنہ حد تک غیر معمولی خاموشی سے گزرا۔

سب سے پہلے برہان علی جو ابدال سے نا صرف رابطے میں تھے بلکہ اس ایک ہفتے اپنے طور سے سکول کے عملے پر نظر رکھے ہوئے تھے اور آخر کار ایک آدمی پر انھیں شک تھا جسکی آج ہی وہ تفتیش کا فیصلہ لے چکے تھے۔

منیہا کے پیپرز ختم ہو چکے تھے، اور ساتھ ساتھ بخاری ولا میں شادیوں کی تیاریاں بھی عروج پر تھیں، عناب کی روٹین سکول سے گھر اور گھر میں سب کے ساتھ مستیاں کیے بھیو کی کمپنی انجوائے کرنا تھا، ابدال کے آجانے کے باعث اسکی طبعیت ایک بار سے زیادہ خراب نہ ہوئی، وہ بھی سکن الرجی جو اسے ڈسٹ تک سے ہو جاتی۔

عون اس ایک ہفتے عائش والے کیس میں ہی مصروف رہا تھا، اسکی کوششوں کے باعث کورٹ کی جانب سے ہمانی حویلی کا سرچ وارنٹ بھی ہاتھ آگیا اور جب کاشان کو اسکی خبر ہوئی تو اس نے مہکار کو بھی اپنے فارم ہاوس منتقل کر دیا، جہاں اس نے اپنی دادی کو قید کر رکھا تھا۔

مہکار کی یہ ایک ہفتے کی قید کافی تھی، پائزن اسے اب اپنا بدلا لینے کی اجازت دینے کا سوچ چکا تھا، پورے ہفتے وہ اپنے نجی اور مخفی کاموں میں مصروف رہا، عائش کی جانب سے خاموشی اسے مزید مشتعل ہونے سے روک چکی تھی مگر پھر بھی وہ محتاط تھا۔

وفا سے ہزار بار رابطہ کرنے کے باوجود اس نے نہ ایل دو دن تو کاشان کا فون پک کیا نہ کوئی میسج سین بلکہ اسے پورا ہفتہ دھمکاتی رہی کہ وہ اسے رخصتی کے لیے منع کر دے ورنہ وہ عدالت جا کر اس سے علیحدگی کا کیس دائر کر دے گی۔

وفا بظاہر تو گھر میں ہوتی شادی کی تیاریوں پر سب کے ساتھ تھی مگر ساتھ ساتھ وہ یہ پورا ہفتہ مسلسل کاشان کو زچ کرتی رہی، یہاں تک کہ اسکے گھر سے آئے تحائف کو جلا کر اسکی تصویریں کاشان کو بھیجتی، اور دھمکیاں دیتی کہ اگر رخصتی سے اس نے خود منع نہ کیا تو وہ سب سچائی گھر میں بتا دے گی۔

یہاں تک کہ وھاج سکندر سے اپنی وہ محبت تک مہرہ بنا لی کاشان کو ستانے کو جو اسے نا جانے تھی بھی یا نہیں، اب کی بار وہ سب سہہ سکتا تھا مگر بے وفائی نہیں۔

کاشان نے صرف زویا کی وجہ سے انسانیت روا رکھے یہ ہفتہ وفا کی جانب سے ہوتا ٹارچر برداشت کر لیا مگر تھا تو وہ سر پھرا، آج مہکار کی آزادی کے ساتھ ساتھ وہ وفا جیسی بے حس کو بھی خود سے رہائی دینے کا بھیانک فیصلہ لے بیٹھا تھا۔

بقول اسکے، اب اس سے زیادہ انا کو بھینٹ وہ نہ چڑھا سکتا تھا نہ یہ اس جیسے کے لیے ممکن تھا۔

یو آن کا دل تو فارس اور مہکار ہی کی جانب تھا، ہفتہ وہ بھی اپنی پڑھائی میں گم رہا مگر پھر واپسی پر عناب کا چہرہ گویا ہر اداسی اور تنہائی مٹا گیا۔

ابدال یہ ہفتہ پھر سے سکول جوائن کر چکا تھا، سکول سے واپسی پر اسکا کچھ وقت ہلال اور وھاج سکندر کے ساتھ ہوسپٹل گزرتا اور پھر باقی عناب کے ساتھ۔

وفانے خود کو یہ ہفتہ صرف کاشان ہمانی کو ٹارچر دینے کو وقف کر دیا تھا مگر قسمت کو تو واقعی کچھ اور منظور تھا۔

کچھ ایسی قیامت آگئی جس پر اب ہفتے کے اس ساتویں دن وہ آگہی کے بعد ماتم میں تھی، کل آفس میں معمولی سے چکر آنے پر وہ یونہی واپسی پر ہوسپٹل چلی گئی اور اسے یہ پتا چلا کہ جس قیامت کو سہہ لینے کے بعد وہ اس جلاد سے بدلا لینے میں برابر آچکی ہے وہ اسکی زندگی بھر کا ناسور بن گیا ہے۔

وہ امید سے تھی، اسکے دل کے بعد اب اسکے وجود کو گرہن لگ گیا تھا۔

کل کی شام سے آج کے دن پھوٹنے تک وہ صرف روئی ہی تھی، اس پر بھی روئی کہ یہ دن اسکی زندگی میں اسکی خوشی نہیں بلکے اذیت بن کر آیا ہے۔

آج فیصلے کا دن تھا، ادھر کاشان نے وفا سے جڑی رہی سہی محبت اپنے سینے سے کاٹ کر اسے خود سے پٹخ دینے کا فیصلہ کیا اور وہیں وفا نے اپنی ضد اپنی اولاد کے لیے چھوڑ دینے کا فیصلہ مگر ایک فیصلہ مقدر کا تھا، اور مقدر کے فیصلے بعض اوقات زندہ درگور کر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسلسل ایک ہفتے سے برہان کو جس آدمی پر شک تھا آخر کار وہ نا صرف اسکے محلے پہنچ آئے بلکے ارد گرد گھروں سے اس آدمی کے بارے معلومات بھی لیں۔

زیادہ تر لوگوں کی رائے اس آدمی کے بارے مشکوک تھی، تھا تو وہ غریب سا چھوٹا کلرک مگر اسکے محلے والوں سے ہی برہان کو یہ خبر ملی کے کل ہی وہ نئی بائیک لے کر آیا ہے، اب سوال یہ تھا کہ ایسا آدمی جو ایک کمرے کے بوسیدہ گھر میں کرائے پر رہتا ہو، اسکے پاس بائیک لینے کے پیسے کہاں سے آئے۔

اپنے اسی شک کو دور کرنے وہ مطلوبہ گلی تک پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

دوسری دستک پر وہ لگ بھگ تیس سالا گندمی صورت والا آدمی ٹاول سے بال رگڑتے باہر نکلا تو برہان علی کو دیکھ کر اسکا چہرہ پہلے تو زرد پڑا مگر پھر یکدم وہ منصوعی سا مسکرائے مودب ہوتا او بگت کیے برہان کو گھر کے اندر لایا۔

گھر واقعی بہت خستہ حال تھا مگر صحن میں کھڑی نئی نکور بائیک پر وہ ایک مشکوک نگاہ ڈالتے اس آدمی کے لائے موڑے پر سنجیدگی سے بیٹھے۔

"آپ میرے غریب خانے کیسے آئے سر جی، کوئی کام تھا تو مجھے حکم دے دیتے بندہ حاضر ہو جاتا"

خوشامدی لہجے میں وہ برہان علی کی تنقیدی نظریں بھانپ چکا تھا تبھی میٹھا بنے دریافت کرنے لگا جس پر وہ خفیف سی اونہوں کیے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"بس کام ہی ایسا تھا کہ آنا پڑا، بائیک تو بہت زبردست ہے۔ ساٹھ ستر ہزار کی تو ہو گی؟"

اپنے آنے کو مخفی رکھے وہ اس آدمی کے چہرے کو مرکوز کیے استفہامیہ ہوئے جس پر اس آدمی کی چھٹی حس اسے خطرے کا آلارم دے چکی تھی۔

"ارے سر جی کہاں ہم غریبوں کے بس کا ہے یہ، قسطوں پر لی ہے۔۔۔"

فوری اپنی گھبراہٹ چھپائے وہ پھر بھی بوکھلا اٹھا مگر برہان علی نے بہت دنیا دیکھ کر ہی اپنے بال سفید کیے تھے تبھی لمحے کے ہزارویں سیکنڈ نہ صرف اٹھے بلکے پوری قوت سے لپک کر اس آدمی کا گریبان دبوچے ہاتھ سے اس قدر دباوڈالا کہ اس شخص کی تکلیف سے سانس گھٹ گئی۔

"بکواس نہیں۔۔۔ سچ بتاو، تم وہی ہو ناں جس نے ابدال کو وہ ڈرگ کا انجکشن لگایا۔ جھوٹ بولنے کی کوشش بھی کی تو یہیں سے سیدھا جیل لے جاوں گا، پھر پولیس کے جلاد لوگ خود اگلوالیں گے"

وہ نرم مزاج کے حامل انسان اس معاملے میں ابدال کو رنج دینے والے ہر فرد کی جان لینے کے درپر تھے اور انکی یہ کوشش اور پولیس کی دھمکی اس سامنے والے کی روح فنا کرنے کو کافی تھی۔

برہان صاحب کا ہاتھ چھوٹتے ہی وہ انکے پیروں میں گر پڑتے گڑگڑانے لگا۔

"سر جی خدا کے لیے جیل مت بھجوائیں۔ مجھے ایک نمبر سے کال آئی تھی اللہ کی قسم، اس نے مجھے ایک لاکھ روپے کی آفر کی اور کہا کہ میں وہ انجکشن ابدال کو لگادوں۔۔۔ مجھے معاف کردیں سر میں تو پہلے ہی اس بچے کے سکول سے نکلوانے پر شرمندہ ہوں۔۔۔۔"

سسکتا بلکتا وہ سارا سچ اگلے برہان علی کو مشتعل کر رہا تھا جنکا بس نہ چلا اس شخص کی جان لے لیتے۔

اسکو جھک کر گریبان سے پکڑ کر کھڑا کرتے حقارت سے دیکھتے اگلے ہی پل افسوس میں مبتلا ہوئے۔

"تمہیں زرا غیرت نہیں آئی اس بچے کے ساتھ ایسا کرتے، کون تھا وہ آدمی۔۔۔ نمبر بتاو مجھے۔۔۔"

شروع میں تو وہ اسے مار دینا چاہتے تھے مگر پھر غصہ دبائے اس کی گردن دبوچے پوچھا جس پر وہ فوری ہانپتا کانپتا اپنی کرتی کی جیب سے اپنا فون نکال کر وہ نمبر انھیں بتانے لگا۔

برہان صاحب نے اس نمبر کو اپنے فون میں نوٹ کیا اور جیب میں ڈالے اس بار دونوں ہاتھوں سے اس شخص کا گریبان دبوچا اور قہرناک نگاہ ثبت کی۔

"اللہ کا کوئی خوف نہیں تم جیسے بے ضمیروں کو، پیسے کی لالچ میں اندھے ہو جاتے ہو۔ یاد رکھنا یہ معاملہ ختم نہیں ہوا، ضرورت پڑی تو پھر آوں گا میں تم سے اس ظلم کا حساب لینے۔ شرم سے ڈوب مرو کمبخت۔۔۔۔ میرا بس چلتا تو تمہاری جان لے لیتا۔۔۔۔ خبیث"

گرج دار آواز کے زیر اثر وہ شخص مقابل کا رعب و حقارت سنتا شرمندہ اور پشیمان تھا مگر برہان صاحب اس پر ایک کراہت آمیز نگاہ ڈالتے جھٹک کر تیزی سے اسکے گھر سے نکلے۔

اپنی گاڑی تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے فون سے آڈیو ابدال کو بھیج چکے تھے۔

ابدال کو انہوں نے وہ نمبر پہلے ہی بھیج دیا تھا۔

"یہ اس آدمی کا نمبر ہے جس نے تمہیں ڈرگ انجیکٹ کرنے کا آرڈر دیا تھا، تمہارا کزن عون ان معاملات کو اچھے سے جانتا ہے۔ تم اسے یہ نمبر دے کر معلومات نکلوا لینا"

فون دیکھتے ہی برہان صاحب کی جانب سے ملتی ہدایت پر ابدال جو ابھی سکول سے واپس آیا تھا، کمرے میں آتے ہی اپنی ڈائری کھولے اس میسج میں آئے نمبر کو لکھا۔

"تھینک یو سر، آپ کا احسان نہیں بھولوں گا۔ آپ نے میری اتنی ساری مدد کی"

جوابی آڈیو بھیجے وہ ممنون سا ساتھ ہی عون کا نمبر ملا چکا تھا جو آج اپنی ٹیم اور پولیس کے لوگوں کے ہمراہ ہمانی حویلی کی تلاشی لینے جانے والا تھا اور دوسری طرف فارس کے خفیہ طریقے سے بتائی سمگلنگ کی خبر پر بھی پولیس ایکشن لینے کو تیار تھی۔

"ہاں ابدال، کیا ہوا؟"

وہ کال سننے آفس سے باہر آیا۔

ابدال نے وہ نمبر اسے پہلے ہی بھیج دیا تھا اور پھر اس بارے ساری تفصیلات بھی عون کو بتائیں۔

"ٹھیک ہے میں پتا کرواتا ہوں کہ یہ نمبر کس کا ہے، تم بے فکر رہو۔ جس نے بھی یہ کیا اسے سزا ملے گی جونئیر"

تسلی آمیز لہجے میں برادرانہ محبت سے یقین دلائے عون نے رابطہ منقطع کیا اور ابدال فون رکھے اسی سوچ میں تھا کہ اس نمبر کے پیچھے اب اسکی زندگی کا کونسا نیا در کھلنے والا ہے۔

وفا نے صبح آفس سے جانے سے پہلے کاشان کو ملنے کا میسج کیا تھا مگر وہ آج اس درجہ مصروف تھا کہ نہ اس نے میسج دیکھا نہ زحمت کی۔

وہ مہکار کے ساتھ فارم ہاوس آیا تھا، مہکار کے ساتھ اسکی ڈیل ہونی تھی۔

سرچ وارنٹ کی کاشان کو خبر تھی اور وہ مطمئین تھا کہ حویلی میں نہ تو کوئی ثبوت رکھا تھا نہ ثبوت کا سایہ، اسکے علاوہ آج ہونے والی سمگلنگ کی مخبری ہو چکی ہے یہ بھی پائزن کے ہیکرز اسے بتا چکے تھے۔

فارس شاہ اور ایزل دونوں ہی توقع کے مطابق پائزن کے شک کے حصار میں آچکے تھے مگر فی الحال وہ کاشان ہمانی تھا، اور کچھ معاملات طے کرنے کے بعد وہ پائزن بن کر غداروں کا معاملہ دیکھنے والا تھا۔

سمگلنگ کی مخبری ہونے کی وجہ سے پائزن کو آج یہ سب روکنا پڑا جسکا اسے کئی کڑور کا نقصان متوقع تھا، مگر اپنی ساکھ برقرار رکھنے کو اسکے پاس پانی کی طرح بہانے کے لیے بہت سی بلیک منی موجود تھی جسے وہ کئی طرح وائیٹ کیے انہی کاموں میں لگاتا تھا۔

ایزل اور فارس شاہ انڈر گراونڈ ہو چکے تھے، تب تک وہیں رہنے والے تھے جب تک پائزن کی خاموشی نہ ٹوٹ جاتی۔

تیسری طرف وحید صاحب اور انکا میڈیا ہاوس سب ہی عائش ہمانی کے کیس کو ہائی لائیٹ کرنے میں مصروف تھے، ایک مہینے بعد اس فائیٹ کے بعد اس پاس کورڈ کا معمہ بھی حل ہو جانا تھا مگر فی الحال وہ ہاتھ پے ہاتھ دھرے بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔

میڈیا میں کھلبلی مچ چکی تھی، ہر چینل اسی ریپ اینڈ مڈر کیس کے بارے بات کرتا دیکھائی دے رہا تھا۔

عائش ہمانی کے کرتوت ایک بار پھر دنیا کے سامنے اسکی زرا سی موجودگی لے آئی تھی اور وہ خود بھی ہر طرف اپنے بارے باتیں ہوتی دیکھ کر بھنا چکا تھا۔

کاشان ان سارے میڈیا ہاوس کی ڈور اپنی جیب میں لیے پھرتا تھا مگر اس بار اس نے بھی کوئی معمولی غلطی بھی نہ کرنے کا سوچ لیا تھا، جس طرح میڈیا، اخبارات اور چینلز کے پاس عائش ہمانی اور اس لڑکی کا ٹاپک تھا وہیں کاشان ہمانی بھی نیوز پیپر کے فرنٹ پیج کی زینت بنا گواسپس اور اڑتی خبروں میں موجود مل رہا تھا۔

وفا صبح سے اب دن تک کاشان سے رابطے کی کوشش میں تھی مگر وہ مسلسل اسکی کالز اگنور کیے فی الحال مہکار کے سامنے تھا۔

اب وقت آگیا تھا کہ وہ اس عورت کو اسکی اصل اوقات یاد دلا دیتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا تکلیف ہے تمہیں وفا، کس لیے اب بے آرام کر رہی ہو؟"

مہکار سے بعد میں بات کرنے کا ارادہ کیے وہ پہلے اس مسلسل بجتے فون کے پار کی الجھن جاننے کو فارم ہاوس کے کھلے سرسبز لان میں نکل آیا، مکمل سیاہ میں اسکا توانا و پرکشش سراپا چھپا وہیں اسکی سرخ عتاب و غضب سے بھری بھیانک آنکھیں مناظر ساکت کر دیتیں۔

وہ جواب اپنی بے بسی سے تھک کر خود ہی ہمانی حویلی جانے کے لیے ریڈی ہوئے پورچ میں جا رہی تھی، فون پک کرتے ہی کاشان کی بیزارئیت سے بھری ڈپٹتی آواز اسکے درد کو مزید بڑھا گئی۔

"مجھے بے سکون کر کے تم خود بھی بے قرار رہو گے بد دعا ہے میری، ملنا چاہتی ہوں۔ انکار کیا تو تمہاری ہمانی حویلی آ کر جلا دوں گی"

بے قرار تڑپتی ہوئی وحشت ناک دھاڑ پر گویا کاشان کو اک لمحے فون کان سے ہٹانا پڑا، وہ اس رویے کو امید تو نہیں کر رہا تھا مگر جیسی تکلیف اس وقت وفا کی آواز میں تھی، وہ اپنا سارا غصہ بھولے فکر مند سا ہوا۔

ایک ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں سے کن پٹی سہلائے اس پار چند اکھڑی سانسیں محسوس کیں، جیسے وہ اپنی تکلیف کہنا چاہتی بھی تھی مگر کاشان کو اس لائق بھی نہیں سمجھتی تھی۔

"شام کو آجانا حویلی، فی الحال تمہارا وہ ایفیشنٹ بھتیجا سرچ وارنٹ لیے تلاشی لینے پہنچ گیا ہو گا۔ بائے"

سخت اکتائے انداز اور بھینچے چہرے کے سنگ ناپسندیدگی سے عون کا ذکر کیے وہ کال کاٹتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس اندر بڑھا مگر وفا کا دل یہی چاہا اس شخص کے ٹکڑے کر ڈالے۔

جب تک کاشان واپس مہکار والے کمرے تک پہنچا، وہ کھڑکی کے پاس کھڑی، سر ٹکائے، بے آواز ماتم میں ہچکیاں بھر رہی تھی۔

اسکے آنسو تو ختم ہو گئے تھے مگر درد اور اذیت بڑھ چکی تھی۔

کاشان کی موجودگی اسے اس شخص کے وجود سے اٹھتے حواس شل کر دیتے کلون سے ہو چکی تھی تبھی وہ بنا مزاحمت کیے مڑ کر بے جان نظریں کاشان پر گاڑ گئی۔

"میری طرف سے تم عون بخاری کا مڈر بھی کر سکتی ہو، کل تک مجھے اس سے مسئلہ نہیں تھا مگر اب پالا پڑا تو احساس ہوا کہ خاصا اریٹیٹنگ ہے۔۔۔ خس کم جہاں پاک۔۔۔ خیر بیٹھو بات کرنی ہے"

لاپرواہ سا وہ یکسر مہکار کے پر کشش سراپے کو نظر انداز کیے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنائے نہ صرف خود بیڈ پر بیٹھا بلکے اسکے کہنے پر مہکار بھی پاوں گھسیٹے عین اسکے سامنے رکھے سنگل صوفے پر جا بیٹھی۔

"میں اسے نہیں، اسکی منیہا کو مارنا چاہتی ہوں۔ وہ بھی تڑپا تڑپا کر۔ عون بخاری کو سامنے بٹھا کر میں اسکی نظروں کے سامنے اسکی منیہا کی سانس چھین لینا چاہتی ہوں۔ اسکے بعد تم میرے ساتھ جو مرضی کرنا"

رک رک کر لرزہ طاری ہونے کے باوجود وہ نفرت اور حقارت سے کہتی کہتی سرخ ہو گئی، اسکی آنکھوں میں ہلکورے لیتا انتقام تو کاشان کو بھی بل کھا کر رہ جانے پر مجبور کر گیا۔

ایک عورت، دوسری عورت پر اتنا بڑا قہر ہے یہ وہ اچھے سے جانتا تھا، اب تو بس کاشان ہمانی ایک تماش بین تھا، بے فکر، ہر ٹنشن سے آزاد دور بیٹھ کر اپنی کٹ پتلیوں کو نچا نچا کر مارنے والا تھا۔

"ٹھیک ہے اجازت ہے تمہیں، لیکن تم جانتی ہو اس کے بعد تمہیں عون بخاری کے غضب سے صرف میری پناہ بچائے گی۔ لہذا تم آج اسی وقت یہ بھول جاوگی کہ تم پائزن سے ملی، میرے لوگ اس وقتی آزادی میں تم پر سیاہ سائے کی طرح حاوی رہیں گے۔ زرا سا لڑکھڑاو گی تو یو آن شاہ کا مرا منہ اگلے قدم پر تمہارے لیے سرپرائز ہو گا"

وہ پائزن تھا، کب کس کی کونسی رگ دبانی ہے یہ اسے اچھے سے علم تھا، اور اب تو عون بخاری جیسے اس کھیل کے بے گناہ کھلاڑی کو بھی وہ حلق کا کانٹا مان چکا تھا، مہکار کے ہاتھوں اب عون کی اذیت دیکھنا ایک ریلکسنگ تماشا ہونے والا تھا۔

وہ کچھ کام اپنی تسکین کے لیے بھی کرتا تھا، جیسے یہ، جیسے مہکار کو ذہنی اذیت سے دوچار کیے یو آن شاہ یعنی اسکی کمزوری کا ذکر۔

مہکار اس ایک ہی بات پر اب تڑپ سکتی تھی۔

یو آن شاہ پر آئی آنچ۔۔۔

"میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی، بس عون کی اذیت اور اسکی تکلیف ہی مجھے پر سکون کرے گی۔ میں اسکے بعد صرف تمہاری قید میں رہوں گی، میرے بچے کو کچھ مت کرنا۔ وہ جہاں ہے اسے وہیں رہنے دو کاشان ہمانی، میں تم سے غداری نہیں کروں گی"

وہ جسکی آنکھوں کی پتلیاں ٹھہر گئی تھیں، وہ اس وقت کاشان کو اپنے حواس میں تو ہرگز نہ لگی۔

جیسے وہ پس لب یہ کہہ رہی تھی کہ اس انتقام کے بعد اسکے زندہ اور مردہ ہونے کا فرق مٹ جائے گا، کاشان کا دل چاہا اس عورت کی تہہ دامنی پر تمسخرانہ سا قہقہہ لگائے۔

"چچ چچ بچاری مہکار، یوں گڑگڑاتی ہوئی نہایت حسین لگ رہی ہو۔ تم ہر روز مجھ سے یوں سسک سسک کر رہائی مانگنا او کے، مجھے اچھا لگے گا تمہارے منہ پر انکار مارتے۔۔۔ آج تم اس نہج پر ہو کہ مجھے فارس شاہ کے لیے خوشی ہو رہی جو تم سے تو نجات پا ہی گیا۔۔۔ جلد اسکا ٹکٹ بھی کروا دوں گا، بچارے نے بہت دکھ جھیل لیے"

اپنی بات مکمل کرتا وہ شان بے نیازی سے اٹھ کر اس بار آنسو ہوتی مہکار کی آنکھوں کو تکتا اسکا مزاق اڑا گیا، مگر یہ ایک اور معاملہ تھا جس پر وہ سر دپڑتی عورت بے ساختہ اٹھ کر پائزن کے قریب چلی آئی۔

"نہیں، اسے تم کچھ مت کرنا۔ میرا اور اسکا تعلق رہا سہا ختم ہو چکا ہے لہذا اسکی جان بخش دو اب تم۔۔۔۔۔ میں نے تمہاری بات مانی ہے اب تم میری بھی مانو"

ناجانے کس زعم میں وہ پائزن کی نظروں سے گر کر بھی پورے حق سے اسے حکم سنا گئی، کتنی دیر تو کاشان ہمانی اسکی اس جرت پر صدمے کی سی کیفیت میں رہا مگر پھر یکدم ہی مہکار درد سے بلبلائی کیونکہ کاشان کی انگلیاں مہکار کے بالوں میں جکڑی اسکے بالوں کو بے دردی سے کھینچ چکی تھی۔

"مجھے حکم دے مہکار، اور میں حکم بجا بھی لاوں۔۔۔ اتنی اوقات نہیں رہی اب تمہاری۔۔۔ یہ سچ ہے پائزن نے تمہیں اپنے سر کا تاج بنانے کی خواہش کی تھی لیکن یہ۔۔۔۔ یہ تمہارا دل، قابل نفرت تھا کیونکہ اس میں کاشان ہمانی نہ تھا۔۔۔ ہر وہ عورت میرے لیے حقارت کے لائق ہے جو میرے ساتھ مخلص نہیں۔ لہذا دوبارہ اپنی اوقات سے نکلنے کی کوشش بھی کی تو وہ لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا"

لمحہ لگا تھا اس بپھرے آتش فشان کو پھٹنے میں، وہ باقاعدہ اسکے دل پر انگلی اس کراہٹ سے رکھے تلملایا کہ اپنی اس درجہ تضحیک پر مہکار کا چہرہ زردی میں ڈھل گیا۔

"حکم نہیں دیا، التجاء کی بس۔۔۔ پھانسی گھاٹ جانے والوں سے تو جلاد بھی انکی آخری خواہش پوچھتے۔ تم کیسے جلاد ہو پھر مہکار کے، تم آخری خواہش پوچھو گے تو میں اس انسان کی زندگی مانگوں گی جسے میں اپنے نام کا داغ دے کر آئی ہوں۔ خدا کے لیے اتنا تو رحم کر سکتے ہو مجھ پر، میرا خالی دامن، میرے بے مراد ہاتھ، میرا اجڑا وجود سب ہی تو قابل ترس ہیں۔ ترس ہی کھالو، میرے یوآن کے سر پر اسکے باپ کو کم از کم رہنے دینا"

درد سے کراہٹیں کھوٹتی وہ روتی سسکتی آج خود بھی نہ جان پائی کہ وہ کیا مانگ رہی ہے، اسکی نس نس میں اذیت کا زہر اتر کر اسے موت کے پل پل قریب کر رہا تھا مگر کاشان اسکی اس دردناک سی غیر متوقع کیفیت سے خود تھوڑا ڈسٹرب ہوا تھا۔

"سوچوں گا، دل مانا تو بخش دوں گا۔۔۔ لیکن اگر وہ میرے خلاف ہوتے پلین میں شامل ہوا تو تمہارے سامنے اسکی قبر کھود ڈالوں گا"

ایک بار پھر وہ مہکار کے بال نوچ لیتا اسکے عین چہرے کے روبرو دھاڑا، اتنا کہ اسکی وحشت ناک ہستی کے باعث مہکار کی پہلے سے متورم آنکھیں پھر سے چھلک گئیں۔

"خیر اب تم یہاں سے جاسکتی ہو میرے لوگ تمہارے ساتھ ہیں، لیکن جو بھی کرنا وہ عون اور منیہا ہی تک محدود ہو۔ کوشش کرنا کہ تشدد وغیرہ ہی تک معاملہ رہے، قتل وتل مت کر دینا واقعی میں۔ یا پھر عون کو کوئی گہرا زخم لگا دینا جس سے ساری عمر ناسور رستا رہے۔۔۔ کم از کم اسکی اس کیس اور مجھ سے تو توجہ ہٹے گی"

دانستہ مہکار کو خود سے پرے دھکیلتا وہ اسے احکامات دیتا اپنے آدمیوں کو اشارہ کیے خود بھی فارم ہاوس سے نکل گیا۔

جب تک حویلی پہنچا، پولیس کے لوگ، میڈیا والے جمع تھے، سپیشل سرچ آرڈرز کے تحت پولیس پوری حویلی کی جانچ کر رہی تھی اور کاشان ہمانی ان سب کے بیچ سارا وقت اس قدر مطمئین کھڑا رہا جیسے اس سب سے اسکی جوتی تک کو پرواہ نہ ہو۔

عائش ہمانی کے کمرے میں سے اسکی رہی سہی چیزیں اس سے پہلے ہی کاشان گھڑا کھدوا کر دفن کروا چکا تھا اور جس وقت وہ صبح سحر کی روشنی تلے اس دفن سامان کے پاس کھڑا مسکرایا تھا وہ اس بات کی دلیل تھی کہ جلد یا بدیر وہ ایسی ہی ایک قبر ان چیزوں کے مالک کی بھی بنائے گا۔

ہمانی حویلی کی دیواریں تک کاشان ہمانی کی مخلص تھیں، وہاں کام کرتا ہر آدمی، ہر ماتحت، ہر ملازم اپنے سینوں میں ایک قبر رکھتا تھا۔

وہ سب عام ایرے غیرے نتھو خیرے نہ تھے بلکہ وہ سب کاشان ہمانی کے وفادار تھے، پتا بھی ہلتا تو اس انسان کو خبر پہنچ جاتی۔

پولیس کے لوگ مایوس سے باہر آچکے تھے اور شاید آج کے دن کی یہ پہلی دل و جان مسرور کرتی خوشی تھی جو اس وقت کاشان ہمانی کو عون بخاری کے بھینچے چہرے کو دیکھ کر ہوئی تھی۔

"مل گیا پھر تمہیں وہ جو درکار تھا وکیل؟"

اس سے پہلے کہ وہ سب جاتے، کاشان کی سلگتی آواز میں پھیلے استہزاء کو محسوس کیے عون جاتے جاتے پلٹا۔

دونوں کی آنکھوں میں اک تپش تھی۔

"مل ہی جائے گا، ڈھونڈنے سے تو کچھ بھی مل جاتا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب عدالت میں آپ مجھے اپنے مدمقابل پائیں گے۔ پھر چاہے وہ اس معصوم لڑکی کے قتل کا کیس ہو، آپکے اپنے مفرور مجرم بھائی کو سپورٹ کرنے کے معاملات ہوں یا پھر وفا بخاری کے دائر کیے گئے علیحدگی کے کیس کی بات۔۔۔۔۔۔ جلد ملیں گے"

جوابی کاروائی وہ کاشان کے سخت الفاظ سے دگنی کرتا لوٹ گیا اور کاشان ہمانی فقط ان لفظوں کی بازگشت محسوس کیے اپنے جبڑے بھینچتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"سر، مس وفا آئی ہیں"

ملازم کے آکر بتانے پر کاشان میز پر رکھی فائیل اٹھائے مڑا اور اسے اشارے سے اندر بلانے کا کہتا چہرے پر فتح کا رنگ سجائے کدورت سے اس جانب دیکھنے لگا جہاں سے وہ سوگوار سی اندر داخل ہوئی۔

وہ مبہوت ہوئے کئی لمحے تو اس سفاک اور خود سے بھی زیادہ سنگدل عورت کو دیکھتے ہوئے خود کو سرزنش کیے منہ موڑ گیا، وہ بھی کچھ لے کر آئی تھی۔

ضد چھوڑنے کا سرٹیفیکیٹ، یا پھر کاشان پر اک نیا ستم ڈھانے۔

"تم اس لائق تھی ہی نہیں کہ تمہیں دل میں بسایا جاتا، یہ واحد معاملہ ہے جس میں اپنی انا کو بری طرح مسل دیا۔ لیکن تم نے اپنی اوقات دیکھا کر مجھے بروقت سنبھل جانے کا اشارہ دے دیا"

آج وہ کر رہا تھا ستم اور وہ ہاری، متورم آنکھیں کاشان کے ان زخمی کر دیتے لفظوں کو نازل کرتے ہونٹوں کی جانب دیکھتے ہمت کیے ان گرے آنکھوں کے اشتعال کو دیکھنے لگی جہاں دھتکار درج تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی تم؟ کہ میری جائز حق وصولی کو دنیا کے سامنے بے آبرو کرو گی"

فائیل کچھ دور اچھالے وہ جھٹکے سے طیش میں آئے وفا کی کمر پکڑ کر اپنی جانب جھٹکا دیے حقارت سے بولا۔

وفا کی آنکھیں بوجھل کے ساتھ بھیگ سی گئیں۔

"یہ بھی کہا کہ نفرت کرتی ہو،"

اپنی جانب اس مزاحمت کرتی لڑکی کو پھر سے کھینچ کر غصے سے کہا، اور وہ ضبط کے دہانے کھڑی نم آنکھیں لیے بس شکوہ کناں تھی۔

"یہ بھی کہ بے وفائی کی اور کرتی رہو گی۔۔۔"

اس بار وہ شخص اسکی ذات کی نرمی نظر انداز کیے اسکے ملائم کھلے بالوں میں انگلیاں ڈالے اپنے چہرے کے بلکل مقابل وفا کا چہرہ لائے سلگتے لفظ کہے اسے سلگا رہا تھا، اس بار کاشان ہمانی کی آنکھوں میں تکلیف وفا نے بھی دیکھی۔

"سب منظور لیکن اب تم جیسی عورت کو اپنے نام کا سایہ دینا نامنظور ہے۔۔۔ یہ طلاق کے پیپرز بنوا لیے ہیں، ختم کرتے ہیں یہ کھیل"

اور یکدم وہ اسکی سانسیں کھینچ لیتا، روح شگاف قہر برسانے اپنے سائے تک سے پرے پٹخ کر فاصلہ بنا گیا، وہ جو آنسو روکے دم دینے کی کیفیت میں تھی، اس بار روئی تھی۔

"تم۔۔۔ ت۔۔ تم مجھے طلاق نہیں دے سکتے کاشان"

سسکتی تڑپتی کراہٹ گھونٹتی وہ کاشان کا گریبان دبوچے حلق کے بل دھاڑی، یہاں تک کہ اسکا شدت گریہ سے سرخ ہوتا چہرہ ابھرتی رگوں سے مزید سرخ ہو گیا۔

"رخصتی بھی نہیں کرواوں گا اب، سو اچھا ہے اپنی محبت کے ماتم میں باقی کی عمر کاٹوں۔ تم وھاج سکندر سے محبت کرتی ہو، اس کے لیے تم نے مجھے دھتکارا تو اوکے فائن۔۔ بنا کسی انتقام کے میں راضی اور خوشی تمہارا فیصلہ تسلیم کر رہا ہوں۔ نہ میں تمہیں آواز دوں گا نہ تمہیں مڑ کر پیچھے دیکھنا پڑے گا"

نفرت چھلکاتے ہوئے اسکے تیور مگر لفظ تھے کہ وفا کی جان نکال رہے تھے، اپنے کیے پر وفا نادم تھی، لیکن کاشان کی بے اعتنائی اسے ریزہ ریزہ کر رہی تھی۔

وہ چینخنا چاہتی تھی مگر حلق میں تو کانٹے اگ آئے تھے۔

"رخصتی کروالو، میں اپنی ضد چھوڑ رہی۔ مجھے مت چھوڑو"

ٹوٹتے جڑتے لفظ لیے وہ بہت مشکل سے یہ کہہ پائی، آواز میں بے بسی اور کہرام تھا۔

کاشان کو تو یہ سن کر شدید ہنسئ آرہی تھی۔

وہ وفا کا نیا ڈرامہ دیکھ کر خاصا متاثر تھا۔

"وفا پلیز جوک مت سناو مجھے، ہنسنے کا ائز سچ موڈ نہیں۔ جاو سر سے اتر جاو۔ زندگی بھر تمہاری شکل نہ دیکھوں۔ چپ چاپ، چالاکی سے جیسے تم پر مسلط ہوا ویسے ہی جا رہا ہوں۔ تم جاو خوشیاں مبارک ہوں۔ میں باز آیا تم سے محبت کرنے کی خطاء تاعمر سلگانے اور تڑپانے کو کافی ہے"

اپنے ہاتھ کے گرد وفا کے نرم گرم ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے ہی وہ باقاعدہ اسکے ہاتھ بے دردی سے جھٹک کر گرج دار آواز میں تنبیہہ کرتا آخر تک وفا کے سوگوار چہرے پر آن رکا جہاں وہ اس وقت خوشی امید کر رہا تھا مگر وہاں تو اذیت کی نئی داستان رقم تھی۔

"کیا وجہ کھینچ لائی تمہیں اس وحشی کے سامنے، بتاو۔ ضد چھوڑنے والی ہو تو نہیں"

اپنا غصہ زائل ہوا تو اسے وفا کی حالت ٹھیک نہ لگی تبھئ ہر بات بھولے وہ اس آنسو پی کر کرب زدہ ہو کر دیکھتی وفا کو پھر سے پکڑے قریب لایا، ہاتھ کی پشت گال پر پھیرے ان ٹپکتے آنسوؤں کی وجہ جاننے کو کریدتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہ۔ ہماری اولاد۔۔۔۔"

یہ لفظ جیسے اذیت سے وفا نے ادا کیے، ویسی تکلیف ایک پل کو اس کو سننے والے کو ہوئی، وہ جو سن سی اسے دیکھ کر یہ ستم ڈھا چکی تھی اب کاشان ہمانی کی پر عتاب آنکھیں یکدم بیگانگی اور حقارت سے بھرتی دیکھ کر جی جان سے کانپئ۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ یہ کونسا نیا کھیل کھیلنے آئی ہو۔۔۔ یہ کہو کے تمہاری وفا کی نشانی۔۔۔۔ چچ چچ"

وفا نے جس طرح اسے مارا تھا اب اسکی باری تھی، وہ پتھر بنی اس شخص کی یہ بات سنے کئی ٹکڑوں میں ایک ساتھ بٹ گئی۔

"ک۔۔کاشان پلیز"

اسکی تضحیک کرنا وفا سہہ نہ سکی، تبھی چینخی، مگر وہ ہنوز ویسا ہی تھا، بے حس۔

"اب تو یہ رخصتی کبھی نہیں ہو گی"

اپنی اذیت کا بدلا لینے کو وہ وفا بخاری پر چھت گرا چکا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے اسکی تکلیف کی نمی سے آنکھیں دھندلا گئیں۔

"گھٹیا انسان میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں، مجھے زلیل مت کرو کاشان۔ تم میرے ساتھ ایسا گھناونا کھیل نہیں کھیل سکتے"

بے یقینی لیے وہ تکلیف سے چینخی تھی اور وہ قہقہہ لگائے ہنس کر وفا کی گال چھوئے جس زہریلے طرز سے مسکرایا، وفا نے بمشکل اپنے آنسو روکے۔

"۔۔۔بچہ۔۔۔ہاااا۔رخصتی سے پہلے ماں بن گئی وفا بخاری۔ چچچ۔۔۔۔کس کا بچہ ہے یہ، توبہ توبہ تم تو بہت وہ نکلی۔۔۔"

مزاق اڑاتا وہ وفا کی آنکھوں سے بہتے آنسووں پر اپنی اذیت پر لعنت بھیجے مسکرایا جو شاید زندہ دفن ہو چکی تھی۔

"میرے ساتھ یہ مت کرو۔۔۔۔مجھے رسوا مت کرو۔ تمہارا بچہ ہے یہ۔۔۔۔"

وہ اسکا گریبان جکڑ کر سسکی تھی اور وہ اسکے ہاتھ بری طرح جھٹک کر خونخوار ہوا۔

"تم نے کیوں کیا میرے ساتھ وہ سب ؟، خدا گواہ ہے تمہارے ساتھ زبردستی کر کے خود پر ملامت کی میں نے اب تک، لیکن جو اس ایک ہفتے تم نے میرے ساتھ کیا، مجھے افسوس ہوا کہ آخر تمہیں خود تک رسائی کیوں دے دی۔ اب تم بھی تڑپو وفا۔۔۔۔"

مسلسل وفا کے گڑگڑانے پر وہ بھی اپنی تکلیف لیے پھٹ پڑا، آنکھوں کے کنارے سرخی کی موجودگی اس شخص کے اندرون کی مسماری کا ثبوت تھی۔

"پ۔ پلیز کاشان، وہ سب ضد میں کیا۔۔۔۔ میں تکلیف میں تھی، لیکن تم اتنا مت گرو۔ بے آبرو تو مت کرو"

وہ جو خود اسے بے آبرو کرنا چاہتی تھی اب اپنی رسوائی سے کانپ اٹھی، اس عورت کی سفاکی پر اس بار بھی کاشان آزردگی سے اسے دیکھنے لگا، نجانے کیوں مگر ملال تو اسے بھی تھا۔

ناچاہ کر بھی اس نے ایک ایسی عورت کو خود سے بندھنے پر مجبور کر دیا جو اب اسے بلکل درکار نہ تھی۔

آج کوئی پائزن کی بے بسی دیکھتا، تو دہل جاتا۔

"تم بے وفا عورت ہو، خدا نے نا جانے کیوں مجھے اس کڑے امتحان میں ڈال دیا"

پہلو بدل کر وہ تھک ہار کر چلتا ہوا صوفے پر بیٹھا اور وفا کے دیکھتے ہی ڈائورس پیپرز پھاڑ دیے، کئی آنسو وفا کی رخساروں کو بھیگو گئے۔

"کب پتا چلا؟"

بنا دیکھے ہی پیپرز کے ٹکڑے دل جلے انداز میں چھوئے پوچھا جس پر وفا نے کڑواہٹ سے بھری نظر اس پر ڈالی۔

"کل شام"

دو لفظی جواب دیے وہ خاموش ہوئی۔

کاشان نے نظر اٹھائے ایسی نگاہ ڈالی جو خنجر کی طرح وفا کے آر پار ہوئی۔

"کل شام سے ابھی تک تبھی خاموشی تھی تمہاری طرف، مجھے افسوس ہے میری اولاد تم جیسی مطلبی اور بے حس عورت دنیا میں لائے گی۔ میں نے جس شدت سے تمہاری چاہت کی تھی وفا تم نے اسی شدت سے خود کو میرے لیے ممنوع کر دیا۔ رخصتی اسی وقت پر ہو گی جب طے ہے"

وہ بکھرا ہوا تھا، دل پر لگی اس ضرب سے ٹپکتا لہو اسکی آنکھوں میں تھا اور وفا کا دل چاہا کاش اس شخص کی سانس روک سکتی، جان لے سکتی۔

"مری نہیں جا رہی تمہارے لیے کم ظرف انسان، تم ہی مجھے اس پستی تک لائے ہو۔ میرا اعتماد ریزہ کر دیا، کس منہ سے مجھے سفاک کہہ رہے ہو؟ خود کیا کر دیا میرے ساتھ۔۔۔۔ تم نے مجھے جیتے جی مار تو دیا ہے مگر کم از کم میں اس ننھی جان کو ہم دو کی جنگ کے بیچ قربان نہیں کر سکتی۔۔۔ سنا تم نے"

وہ اس شخص کے رویے سے کٹ گئی، تبھی اسے خاموش دیکھ کر وہ سب بھڑاس نکال گئی جو وفا کی جان کھا رہی تھی۔

وہ اسی خاموشی سے اٹھا اور خود پر قہرناک آنکھیں تنی پائے چلتا ہوا عین وفا کے روبرو کھڑا اس پر اپنی جلتی بصارت مرکوز کی۔

"میں نے بہت صاف لفظوں میں تمہیں آگاہ کیا تھا پھر بھی تم نے وہی کیا، محبت میں انسان کی مت ہی تو ماری جاتی ہے جیسے میرے ساتھ ہوا۔ اپنے کہے لفظوں سے پھرنا تک پڑ رہا ہے مجھے، ایک بار اپنے دل سے پوچھا تک نہیں تم نے کہ یہ سب کرنے کے بعد تم معافی کس منہ سے مانگو گی؟"

ساری خفگی تو جیسے وفا کی تڑپ سے ختم ہو گئی تھی، ان ہیزل گرے آنکھوں میں ہلکورے لیتی وحشت کسی پرانے درد کا روپ دھار گئی، وہ ناچاہ کر بھی وفا سے منہ موڑنا چاہتا ہی نہ تھا، محبت غلط وقت پر ہوئی تو تھی پر ایک دم درست تھی۔ اور وفا کے پاس جواب کی صورت گہرا سانس کھینچ کر نظر پھیر لینے کے سوا آپشن ہی نہ تھا۔

"میں تم سے معافی ہرگز نہیں مانگ رہی نہ مانگوں گی، میں اس وقت صرف اپنی اولاد کے لیے جھک گئی ہوں۔ یہ مت سمجھنا کہ تمہاری جیت ہو گئی"

مقابل کے افشار خون کو از سر نو دہکانے کے سارے ڈھنگ جانتی تھی وہ، کدورت بھرے لہجے میں اک اک لفظ جتائے وہ بے خوفی سے کاشان کو دیکھ رہی تھی جو یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ قدرت اسکے سارے گناہوں کی سزا ایک ہی جھٹکے سے کیوں دے رہی ہے۔

"جیت تو ہو گئی ہے میری، تم مانو یا نہ مانو۔ اس بار تم خود لوٹی ہو، وجہ جو بھی ہو"

سلگتے تبسم میں دل جلی سی کیفیت کا شامل ہونا کاشان ہمانی کو اک الگ ہی انسان دیکھا رہا تھا۔

"اس بچے کی پیدائش کے بعد تم مجھے چھوڑ سکتے ہو۔ یہ ایک طرح ڈیل ہو گی۔ میں تمہارا پردہ رکھوں گی اور تم میرا۔ اسکے بعد نہ تمہئں خود پر جبر کر کے مجھے پاس رکھنے کی ضرورت ہو گی نہ مجھے تمہارے سر پر مسلط رہنے کا اشتیاق۔ مجھے یقین ہے تم اپنی محبت کے دعوے کا اتنا پاس ضرور رکھو گے، ورنہ میں یہی سمجھوں گی کہ تم نے واقعی محبت کے نام پر اپنی ہوس پوری کی تھی"

اپنی پوری زندگی کی ہمت جمع کیے وفا نے یہ چند سوہان روح جملے ادا کیے نظر بھر کر جب کاشان ہمانی کے چہرے کو دیکھا تو وہاں نا جانے کتنا ضبط کیا گیا کہ اسکی آنکھیں لہو چھلکاتی وفا پر لرزا طاری کر گئیں۔

وہ اس عورت نہیں بلکے جذبوں کی سوداگر سے ایسی امید ہر گز نہ رکھتا تھا، غیر ارادی طور پر وہ اسکی دونوں بازو جکڑے اس شدت سے دبوچ بیٹھا کہ وفا کی ہنوز اس درجہ شدید درد دیتی گرفت کے باوجود پتھر آنکھیں اس شخص کے دل کا رہا سہا ہر احساس اکھاڑ گئیں۔

جب انسان کو یہ احساس ہو کہ اس نے محبت ایک پتھر سے کی ہے تو اسی پتھر سے سر پٹخنا بھی فرض ہو جاتا ہے، اس ہتک کا احساس کاشان کو بری طرح محسوس ہوا تھا۔

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

سخت لہجہ اختیار کیے وہ دھاڑا تھا، مقابل کے وجود پر کپکپی طاری دیکھ کر وہ اگلے ہی لمحے شانت سا ہوا مگر دیکھ وہ اب بھی وفا کو بہت عتاب سے رہا تھا۔

"تم نے ہی ت۔۔۔ تو کہا کہ بے وفا پر تم اپنا سایہ نہیں رکھنا چاہو گے، میں نے تمہیں آسانی دی ہے۔ کیونکہ وفادار تو میں تم جیسے سنگدل سے کبھی نہیں ہونے والی۔ محبت کا بھی کوئی چانس نہیں۔ اس لیے"

اسے کاشان کے غصے سے آج ڈر سا لگا تبھی اپنی کیفیت کہتے کہتے آواز رندھ سی گئی، وہ اب بھی اس عورت کے بدلتے رنگ سمجھ نہ سکا۔

"ٹھیک ہے آبارٹ کروا دو اس بچے کو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ لیکن ایسا کوئی سودا نہیں کروں گا۔ اب جا سکتی ہو تم"

کچھ دیر خاموشی سے وہ وفا کو دیکھتا رہا اور پھر ایک اور ہار تسلیم کیے دو قدم فاصلہ بنائے حکم دیتا اس وقت وفا پر ناگہانی قیامت ڈھا گیا۔

وہ بے یقین اور بھرائی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی، جیسے اپنی سماعت پر شبہ گزرا ہو۔

ناجانے کیوں مگر وفا کو اسکی اس ظالم بات نے اخیر رنج دیا تھا، یہی تو غلطی تھی وفا کی کہ وہ خود رنج دیتے دھیان نہ رکھتی تھی۔

کیا وہ اس کی بے وفائی پر اس کے وجود سے اس قدر متنفر ہو چکا تھا کہ اپنی اولاد تک سے منہ موڑ بیٹھا، کیا یہی تھی کاشان ہمانی کی محبت، اسکی شدت پسند دیوانگی کا سفر کیا بس یہاں تک تھا۔

وہ منہ موڑ گیا تھا تو وفا نے بھی آنکھوں میں کرچیاں سمیٹ کر واپسی کا سفر چن لیا۔

وہ واپس آکر صرف اور صرف روئی ہی تھی، پلوں میں وہ شخص اسے خود سے بے دخل کیے کتنی آسانی سے حل فراہم کر گیا تھا۔

کئی گھنٹے اسی اذیت کی نظر ہو گئے، وفا اور کاشان کے بیچ اس کے بعد نہ بات ہوئی نہ بات کے آثار باقی رہے۔

زویا خود مسلسل کاشان کی چپ سے پریشان تھی، وہ اسے کچھ بتا بھی نہئں رہا تھا۔

ہر کام سے دل بیزار محسوس ہوا، یہاں تک کہ پائزن کو لگا وہ ایک ہی لمحے میں آپاہج ہو گیا ہے۔

اسے محسوس ہوا دنیا جہاں کی ہر چیز اس پر قہقہے لگا رہی ہو، وہ چینخ چینخ کر رونے کی حسرت میں بس سوگوار سی آنکھیں نم کیے اک لمبا سفر طے کرنے کا فیصلہ لے بیٹھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ مجھے بلا لیتے بھائی"

اپنے ماتم کو ہر ممکنہ خود سے اتار کر وہ فریش ہوئے ابھی نکلی جب وحید صاحب اسکے کمرے میں آئے، رسان سے بنا نظر ملاتی وہ انکے قریب آکر کھڑی بولی، انکا پائزن کو لے کر کاشان کے متعلق شک تھا جو بار بار وفا تک لے آتا، وہ سمجھ نہ پائے کہ آخر انکی پھولوں جیسی بہن اتنی بے بس کیوں ہے کہ ایک ناپسند قید پر راضی ہونے کا کھیل کھیل رہی ہے۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی بچہ آخر ایسی کیا مجبوری ہے کہ تم اس رخصتی کے لیے مان گئی، تمہارے تو بہت سے خواب ہیں۔ اپنی این جیو کو بڑھانے کے، اپنا نام بنانے کے۔ میں ہوں ناں وفا، مجھے بتاو کہ آخر ایسی کیا مجبوری ہے"

کافی دن سے وہ اس متعلق وفا سے بات کے خواہش مند تھے مگر یا تو وہ گھر نہ ہوتے یا وفا موجود نہ ہوتی تو بات کا موقع ہی نہ ملتا۔

اب جب کل مہندی تھی، پرسوں رخصتی تو انکا بے قرار دل ایک آخری خواہش پر وفا سے بات کرنے کو مچل گیا تھا، اور وہ پور پور شکستہ لڑکی اپنے اعصاب پر بڑھتے بوجھ سے اپنا سانس بھی بھاری محسوس کر رہی تھی۔

قسمت نے اسکے ساتھ جو مزاق کیا تھا وہ اتنا بھیانک تھا کہ وہ اپنی بربادی کا تذکرہ بھی نہ کر سکتی تھی۔

چپ چاپ بنا بھائی کے سوال کا کوئی مناسب جواب تلاش کرنے کی زحمت کیے وہ انکے سینے سے جا لگی، انکے ہاتھ باندھ کر وفا اس بار ان پر بھی ظلم ڈھا رہی تھی۔

"مجھے اس لیے اعتراض نہیں کیونکہ نکاح ہو چکا ہے اور رخصتی کبھی نہ کبھی تو ہونی تھی۔ دوسرا یہ فیصلہ نہال بھیو کا ہے، جب مان لیا ہے تو اعتراض کی گنجائش نہیں بچتی۔ آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوں"

گو وہ وحید صاحب کی پریشانی دور کرنے کو ہر ممکنہ ہمت اور صبر سے وضاحت کر رہی تھی مگر وہ وفا کے ہر ڈھنگ سے بخوبی واقف تھے۔

اسکی آواز میں پھیلی نامرادی انھیں کھلے تپتے آسمان تلے کھڑا کیے ہر سائے سے محروم کر دینے کو کافی تھی۔

"وفا میرا دل بے قرار ہے"

پیار اور افسردگی کے سنگ اسکا سینے پر ٹکا سر سہلائے آزردہ سی کیفیت بیان کی تھی، وفا نے گہرا سانس بھرے خود کو بہتر کرتے زرا فاصلہ بنائے بھیو کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے تھکی سی مسکراہٹ سونپی جو انکو مطمئین کرنے کے بجائے مزید فکر میں جھونک گئی۔

"اتنا لاڈلہ رکھا مجھے، اب جا رہی ہوں تو دل بے قرار کر کے تو جاوں گی ہی۔ میں خود کو سنبھال لوں گی، ویسے بھی آپ سب ہیں ناں میرے ساتھ تو مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے"

نمی سی آنکھوں میں جھلملانے نے وحید صاحب کے دل میں بھی ٹیس سی جگائی، وہ خود جذباتی سے ہوئے وفا کا من موہنا چہرہ ہاتھوں سے پیالے میں بھرے اسکی پیشانی چومے سر اثبات میں ہلائے مسکرائے۔

"میرا بہادر بچہ، دعا ہے تمہارا دامن تا عمر خوشیوں سے بھرا رہے، کبھی تم کو پریشان نہ دیکھنا پڑے۔ ٹھیک ہے اگر تم واقعی اس رخصتی کے لیے فیصلہ لے چکی ہو تو میں ساتھ ہوں۔ خوش رہو"

وہ اتنا تو وفا کو جانتے تھے کہ کب انکی اس چھوٹی سی بہن کی ہنسی سچی ہوتی ہے اور کب وہ صرف چہرے پر مسکان سجا کر فریب دیتی ہے۔

وہ بھی اپنے ذہنی اور قلبی انتشار کو بنا حل کیے اسے چند دعائیں دیے کمرے سے چلے گئے اور وفا انکے جاتے ہی لپک کر دروازہ بند کرتی وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھی۔

درد ہر رگ میں بڑھتا، شور مچاتا ہوا اس سے جینے کا احساس چھین چکا تھا، لاشعور میں اٹھتی اذیت کی لہر اسکو کپکپا سی گئی۔

وہ چاہتی تھی اپنی کوئی نس کاٹ لے، آنکھیں سیلن زدہ مادے سے بھرنے لگیں، بے بسی کا یہ مقام تو اس نے کبھی نہ سوچا تھا جب ہر دروازہ بند ہو جانے والا تھا۔

اب تو کوئی در نہ بچا، صرف اللہ سے صبر مانگنے کے سوا، نہ وھاج سکندر کی ڈھال تھی اسکے پاس نہ اب اس شخص کی محبت کا حصار جسکا عکس وہ اپنے آپ میں اترتا محسوس کر رہی تھی، دھتکار کر سمجھ گئی تھی کہ کیا کر بیٹھی ہے۔

پھر دوسری سمت وہ وفا کو یہ ظالم حکم دے کر خود پر زندگی حرام کر بیٹھا۔

اس نے ہر ضروری کام پس پشت ڈالے ماتم چن لیا، وہ اپنی گاڑی کی چابی کے ساتھ لگے نوکیلے کی چین کی ہک سے اپنی ہتھیلی زخمی کرنے کے اذیت ناک شغل میں مصروف اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا تھا، کمرے کی وحشت پائزن کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی، ایش ٹرے جلے بجھے سگرٹوں سے بھر چکی تھی، لیکن اتنا سب کرنے کے باوجود وہ اپنے اندر کی گھٹن نکالنے میں ناکام تھا۔

ہتھیلی کی لکیروں سے خون کی بوندیں پھوٹ پھوٹ کر اب جم چکی تھیں مگر وہ ہنوز یہ ستم ڈھاتا جا رہا تھا۔

"کیوں وفا کیوں، تمہیں میری نس نس میں اترنا نہیں چاہیے تھا۔ کیا تمہاری اذیت میں کمی کو میں اس درجہ بے بس ہو گیا کہ اپنی اولاد کو تکلیف دینے کا حکم دے دیا۔۔۔ یہ مجھ سے کیا ہو گیا، یہ تمہاری تکلیف مجھ سے کیا کروا گئی"

آج پھر سے پائزن پر ہیبت ناک دکھ اترا تھا، محبت کا دکھ، ملال، جسے وہ اپنی ان لکیروں کو مٹا کر کم کرنے کی کوشش میں انکو گہرا کر بیٹھا تھا، وفا کے نام کی لکیر بس مدھم تھی، اپنی بد قسمتی پر وہ کتنی دیر ہنسا تھا، مخبوط الحواس سا آدمی، جس نے ابھی ہی تو محبت پائی تھی۔

محبت تو الزام بن کر رہ گئی تھی، ہوس کا میڈل پا چکی تھی، اس کی نس نس میں تکلیف بنے دوڑ رہی تھی۔

"میں اس ہاں اور ناں کی کیفیت سے مر جاوں گا، میرے گناہوں کی سزا ایک ساتھ نہیں دیں۔۔۔ سنیں تھوڑی تھوڑی دیں، قطرہ قطرہ۔۔۔ زرا زرا۔۔۔ میرے حال پر ترس کھائیں، مجھ سے میری حسین چھین لیں لیکن میری اولاد کی حفاظت کریں"

وہ اپنے ہاتھ کی رفتار تیز کیے ہانپتا کانپتا چینخنے لگا، اسکی مظبوط ہتھیلی خون سے سرخ ہو کر جگہ جگہ سے ابھر آئی تھی، خون کے قطرے فرش پر ٹپکنے لگے تھے، شدت بڑھتی جا رہی تھی، کاشان ہمانی نے زندگی میں پہلی بار دعا کی تھی، اپنے لیے نہیں، وفا کے لیے نہیں، بس اپنی اولاد کے لیے۔

تیسری جانب مہکار ہوٹل میں آچکی تھی، کاشان کے لوگ ہمہ وقت اس پر نظر رکھے ہوئے تھے، آتے ہی اس نے سب سے پہلے یو آن کی خبر پتا کروائی، وہ بخاری ولا تھا، وہاں ہوتی شادیوں کے لیے چھٹی پر آیا ہوا تھا۔

یہ خبر مہکار کو تمام تکلیفوں کا مداوا لگی۔

وہ بدلے اور انتقام کے لیے تیار تھی۔

مگر کچھ پل کو قدم لڑ لڑھرانے لگے تھے۔

جس انسان نے اسکے بچے کو حفاظت دی، کیا وہ اس سے پھر بھی اپنی نو سالا اذیت کا بدلا لینا چاہتی ہے۔

مگر پھر اگلے لمحے وہ اپنی تکلیف کا پل پل سوچ کر اپنے اندر امڈ آتی مہربانی کا گلا گھوٹ دیتی۔

"تم نے میرے یو آن کو حفاظت دی، صرف اس لیے تمہیں تمہاری منیہا کے ساتھ رخصتی کے بعد کا ایک دن دیتی ہوں عون۔ ممکن ہے تمہارا احسان جھکا دوں یوں۔ لیکن کیا کروں، کسی اور عورت کو تمہاری زندگی میں برداشت کرنا اب بھی ناممکن ہے۔ یہ ایک رات مہکار کی طرف سے تحفہ تاکہ تم مجھے احسان فراموش نہ سمجھو"

وہ خود سے عہد لیے نرم پڑی تو سہی مگر وقتی، لمحے بھر کو وہ انسان سے درندہ صفت عورت کا روپ دھار گئی۔
جسے منیہا اور عون کا سکون غارت کرنا تھا، جسے اب ایک انتہائی بڑا کھیل کھیلنا تھا۔
ایک انتہائی بھیانک رات کٹ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عون۔۔ کتنی غلط بات ہے، کل مہندی ہے اور آپکی ہونے والی پکی ترین وائف نے دو عدد گجرے منگوائے اور آپ لانا بھول گئے"
ایک تو کل سے عون کا دماغ ویسے ہی گھوما تھا اوپر سے آج اگلے دن شام گھر جلدی آنے پر منیہا کی فرمائش کرتی آواز گویا کانوں میں گھسی، وہ کل رات گھر بھی نہیں آیا تھا مگر منیہا نے ایک میسج تک کر کے نہ پوچھا کہ وہ کہاں ہے اور کیوں نہ آیا، الٹا صبح فرمائشی میسج میں گجروں کو لانے کا حکم ضرور دیا۔
عون نے روم میں آتے ہی اپنا لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھا اور خفگی سے ٹائی ناٹ ڈھیلی کرتا کوٹ ایک طرف پھینکے منیہا کو یکسر نظر انداز کیے جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹ گیا۔

"عون۔۔ آپ سن رہے ہیں؟"

اس درجہ اگنورنس پر وہ منہ پھلائے قریب کھڑی اسکے سر پر مزید بوجھ ڈالنے میں مصروف تھی، ایک تو ابدال والے معاملے کا جب سے اسے علم ہوا تھا وہ زیادہ ڈسٹرب تھا۔

جو نام اس نمبر کے پیچھے نکلا تھا وہ نام عون کو بہت سنا اور جانا پہچانا لگ رہا تھا، مگر ساری رات بھی وہ سوچ بچار کرتا رہا مگر اس نام کی گھتی نہ سلجھی۔

اوپر سے ہمانی خاندان گویا دماغی اذیت بنا محسوس ہو رہا تھا پھر فارس شاہ کی جانب سے مہکار کی وقتی رہائی کی خبر بھی اسے مل چکی تھی۔

ان سارے مسائل سے وہ تن تنہا ساری رات لڑتا تھک چکا تھا۔

"پلیز منیہا اس وقت جاو یہاں سے، کل لے آوں گا"

اپنی مضطرب کیفیت کے پیش نظر بیزاریئت سے کہتا وہ بنا منیہا پر نظر ڈالے اٹھ کر نہانے چلا گیا جبکہ وہ اتنا سا منہ لے کر رہ گئی، آج عون نے اسے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا حالانکہ فریال تائی جان کے کہنے پر اس نے آج بھی پیلا جوڑا پہنے بالوں کی پونی بنائے ہلکا پھلکا میک اوور بھی کر رکھا تھا، اور جان لٹانے والا عون بخاری اسکی ایک زرا سی فرمائش بھی پوری نہ کر پایا تھا۔

ناچاہتے ہوئے بھی ساری خوشی کہیں دور جا کر مفقود ہوئی تو وہ بھی شکووں کی لمبی لائن یاد کرتی جانے کے بجائے وہیں بیڈ پر ٹک کر عون کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

دس منٹ کے بعد وہ نیوی بلو شرٹ اور وائیٹ ٹرواز میں نکھرا سا سر کے بال ٹاول سے رگڑے نکلا تو منیہا کو ابھی تک بت بن کر بیٹھا دیکھ کر کچھ وقت پہلے کی افسردگی خوبخود مسکان بن گئی، وہ نکھرے سورج مکھی کے پھول کی طرح چمکتی نازک پری اتنا سجی تھی یہ تو عون نے اب دیکھا، بلکل مایوں کی دلہن سی۔

عون بخاری کی موجودگی منیہا کی دھڑکن نے دی تھی تبھی وہ اسے دیکھتے فوراً سے بیشتر اٹھ کر چہرے پر دنیا جہاں کی اداسی سجائے چلتی ہوئی عین عون کے روبرو جا کر کھڑی اجنبیت سے دیکھنے لگی۔

ٹاول ڈریسنگ پر رکھے وہ کچھ دیر پہلے والے حول سے نکلتا بے خود ہوئے منیہا کے حسن کی تابناکی سے مسرور ہوتا محسوس ہوا۔

"کل میں گھر نہیں آیا، تم نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ عون آپ کہاں ہیں؟ کیوں نہیں آئے۔۔۔۔وائے منیہا؟"

عون نے زرا ہاتھ بڑھا کر منیہا کی بے آس کی آنکھوں کو دیکھتے بھنویں چھو لیں، مگر وہ اپنی غائب دماغی پر پشیمان سی نظریں جھکا گئی۔

"وہ دراصل کل میں کچن چلی گئی تھی تائی جانو کے ساتھ، ہم نے مل کر آرڈز ڈیلیور کیے، یوئی اور عناب بھی میرے ساتھ ہی گئے۔ پھر رات اتنے لیٹ آئے کہ میں تو ڈنر کیے بنا ہی جا کر سو گئی۔ صبح بھی کسی نے مجھے نہیں جگایا۔ جب مسیج کیا تھا آپکو گجروں کے لیے تبھی تو جاگی تھی میں"

اپنی لاپرواہی کی وضاحت پوری سچائی سے دیتی وہ عون کی ناراضگی سے پہلی بار خوفزدہ تھی، اس کا تو کوئی قصور نہ تھا تبھی عون کو اسکی اداسی بھانپ کر اک الگ ہی سرور ملا، یعنی اب وہ اسکے لیے اس کی طرح وابستہ ہونے لگی تھی۔

اسے فرق پڑنے لگا تھا عون کے ہونے سے، عون کی خوشی سے، عون کے روٹھ جانے سے۔

"اممم۔۔ مجھے لگا تم بھول گئی عون کو۔ کل گجرے لا دوں گا۔ تھوڑا الجھا ہوا ہوں آجکل ایک کیس کو لے کر۔۔۔۔بائے دا وے مہندی تو کل ہے، یہ آج کس خوشی میں قہر ڈھایا جا رہا ہے"

فورا سے پہلے موڈ بہتر کیے وہ اسے کمر سے حصار لیتا رخسار کی جانب جذب سے مہر چاہ ثبت کیے زرا فاصلہ بنائے خود سے بے خود ہوئے دریافت کرتا منیہا کی بھی بدلتی کیفیت سے مسرور ہوا جو اس حصار میں جان لیوا حد تک جاذب لگی تھی۔

سمٹی ہوئی، نکھری ہوئی، قربت کی شر انگیزیوں سے سہمی ہوئی۔

"ایکچولی یہ ڈریس تائی جانو نے پہنایا ہے، وفا کو بھی دیا تھا بٹ انہوں نے نہیں پہنا لیکن میں نے پہن لیا"

مقابل کے بڑھتے خمار کو سنجیدگی سے جواز دیے سمیٹ لیتی گویا ہوئی وہیں عون اس ذکر پر تھوڑا فکر مند سا ہوا، وفا کو لے کر وہ بھی وحید صاحب ہی کی طرح پریشان تھا اور کئی دن سے وفا کی ہر چیز سے علیحدگی بھی اسکے لیے قابل غور تھی۔

"ہمم۔۔۔ تم جانتی ہو یو آن کی ماں کون ہے؟"

خفیف سا سر ہلائے وہ ساتھ ہی یہ سوال کیے منیہا کو بھی حیران کر گیا۔

"ن۔۔ نہیں، بس یہ پتا ہے وہ آپکے دوست کا بیٹا ہے"

منیہا نے فوری نفی میں سر ہلائے کہا۔

"مہکار"

عون کے اس انکشاف پر منیہا کے چہرے پر حقیقی بے چینی درج ہوئی، یہ اسکے لیے واقعی نا قابل یقین سا تھا۔

"مطلب مہکار کی شادی بھی ہوئی، بیٹا بھی۔۔۔ پھر بھی وہ آپکے پیچھے کیوں تھی عون۔۔۔ پلیز بتائیں ورنہ سوچ سوچ کر میرا سر گھوم جائے گا"

اپنے دونوں ہاتھوں میں عون کے چہرے کو بھرے خالص پریشانی سے استفسار کیا، عون نے کچھ لمحے خاموشی سے منیہا کو دیکھا اور پھر اسکے دونوں ہاتھ اپنے چہرے سے نرمی سے ہٹائے فاصلہ طے کیے بیڈ پر بٹھائے خود بھی سامنے بیٹھے ساری توجہ منیہا کے مضطرب چہرے کی جانب مبذول کی۔

"میں، فارس اور مہکار ایک ہی یونی میں پڑھتے تھے۔ میرے تو وہ دونوں دوست تھے مگر میں ان میں سے کسی کا دوست نہ رہا۔ ایک کا جنون اور دوسرے کا رقیب بن گیا۔ فارس، مہکار سے عشق کر بیٹھا اور وہ مجھ سے اک لاحاصل جنون جوڑ بیٹھی"

عون کی یہ مختصر سی کہانی منیہا کو عجیب سی کیفیت سے دوچار کر گئی، وہ صاف صاف جیلس اور برہم لگ رہی تھی۔

"مہکار کا باپ اپنی عیاشیوں کے تحت اپنا سب ہارے ایک ایسے سوداگر کے ہتھے چڑھ گیا جس نے اسے قرض دیے دوسروں کا مقروض ہونے سے تو بچا لیا مگر اسے اپنی کٹ پتلی بنا لیا۔ قرض کے بدلے مہکار کو اسکے باپ نے اس درندے کے آگے بیچ دیا"

عون کے مزید بتانے پر منیہا ساکت رہ گئی، ایک باپ ایسا بھی ہو سکتا ہے، اسکے رونگٹے کھڑے ہونا فطری تھا۔

عون نے اسکا ڈر زائل کرنے کو نرمی سے اسکے سرد پڑتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے دباو ڈالا۔

"وہ میرے واحد یار فارس شاہ کا عشق تھی، وہ کیسے اپنے عشق کی رسوائی سہتا، اگر وہ درندہ مہکار کو چھو بھی لیتا تو فارس اپنی جان سے چلا جاتا۔ میں نے فارس کی اس تکلیف کی نجات کے لیے اپنے حصے کی ساری پراپرٹی بیچ کر وہ رقم اس درندے کو دیے مہکار کو اس سے رہائی دیے فارس کو سونپ دیا۔ ان دو کا نکاح کروایا، لیکن نو سال بیت جانے کے بعد بھی وہ عورت مجھ سے جڑے جنون کو سر پر سوار کیے جیتی رہی، فارس کو ناکردہ گناہ

کی سزائیں دینے کے بعد وہ مجھ سے تمہیں چھیننے پر اتر آئی۔ کیونکہ میں نے نو سال پہلے ہی مہکار کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا کہ عون بخاری اگر کسی کا ہو گا تو وہ صرف منیہا ہے"

اپنے جذبات اور اپنی اس لڑائی کا اعتراف کرتا وہ نم آنکھوں سے اسکو تکتی منیہا کی گال چھوئے کہتا گیا اور وہ عون کی یہ کہانی سنتی سنتی دلبرداشتہ ہو گئی۔

کیا نو سال پہلے سے وہ اسے اپنے لیے سوچتا تھا؟ یہ احساس منیہا کو یکدم اپنی عمر سے بہت بڑا کر گیا۔

کسی من پسند انسان کی اتنی شدید محبت ہونا ہواؤں میں اڑانے کو کافی تھا، ذات کی ہر خلش مٹ جانے والی تھی، جب سے فارس نے اسے مہکار کے آزاد ہونے کی خبر دی تھی وہ خود بھی اپنے اور منیہا کے لیے ڈرا تھا تبھی آج بے وقت ہی بقیہ کہانی کو تکمیل دے دی۔

"آپ نے اتنا سب سہا، عون م۔۔ مجھے آپ نے ان سب تلخیوں سے ہمیشہ کیوں دور رکھا۔۔ دو سال پہلے تو آپ کم از کم بتا سکتے تھے یہ سب، جب منیہا پورے حق سے آپکی ہو گئی تھی۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ آپ مجھ سے اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں کہ مجھ سے کہیں زیادہ پیاری اس عورت کو ٹھکرا دیا جو میری طرح نہ پاگل تھی نہ بیوقوف بلکے آپ سے شدید چاہت رکھتی تھی"

رندی آواز اور بھیگے لہجے میں شکوے کرتی وہ جو منہ میں آیا وہ کہتی گئی اور اسکے یہی انداز تو عون بخاری کے لیے چلچلاتی دھوپ میں سایہ تھے۔

"مجھے لگا تھا میں اکیلا سب ہینڈل کر سکتا ہوں، اور کرتا بھی آیا ہوں۔ سچ پوچھو تو اس عورت نے نو سال پہلے مجھے یہ بد دعا دی تھی کہ تم مجھے بھی ویسے ہی ٹھکرا کر تکلیف دو گی جیسے میں نے مہکار کو دی۔ یہی وجہ تھی کہ دو سال تک ہر حق ہونے کے باوجود میں تم سے تمہارے سامنے کسی قسم کے جھکاؤ سے ڈرتا تھا۔ ڈرتا تھا کہیں

میری اتنی لمبی ریاضت تمہاری کمی پر ختم نہ ہو جائے، محبت کرنے والے بیک وقت بزدل اور بہادر دونوں ہوتے ہیں"

انگوٹھے کی پور کے سنگ منیہا کی آنکھوں سے بہتی نمی اسکے رخسار پر سے جذب کرتا وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں اسے خود میں سمولیتا کہہ رہا تھا، وہ اک احساس سکون خود میں اترتا محسوس کرتی عون کی گرفت میں شامل ہوتی شدت پر مزید آنسو بہانے لگی جو توجہ کے ہاتھوں سے اسے بکھرنے سے پہلے ہی سمیٹ چکا تھا۔

رہاسا مکمل دسترس کے بعد سمیٹنے والا تھا جب وہ پورے حق سے صرف اور صرف اسی کی ہو جانے والی تھی۔

"عون۔۔۔م۔۔مجھے ڈر لگ رہا ہے اس سے"

وہ اتنی دیر عون کے ہونے کو محسوس کرتی جب عون کے وجود کی ٹھنڈک اپنی سانسوں تک اترتی محسوس کیے کچھ بہتر ہوئی تو اپنی بازو جو اس نے عون کی چوڑی کمر پر باندھ رکھی تھیں، کھولے زرا روبرو ہوئے گھبراتے ہوئے بولی، ڈر تو منیہا کی آنکھوں میں سرائیت کرتا محسوس ہوا۔

"میرے ہوتے ہوئے کیوں ڈر لگ رہا ہے، عون تمہیں خود میں چھپالے گا میری جان۔ تمہارے سائے تک کو وہ عورت چھو نہ سکے گی۔ تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں یاد رکھنا منیہا، یہ کہانی اس لیے تھوڑی سنائی کہ میری بہادر شیرنی یوں خوفزدہ ہو جائے۔۔۔ میں ہوں تمہارے ساتھ، بے حد پاس"

اسکے ڈر کو زائل کرنے کو وہ محبت اور جذب سے منیہا کی خوف میں ڈوبی آنکھیں باری باری چومتا مضبوط بنانے لگا، اور وہ بہادر شیرنی پر ناچاہتے ہوئے بھی معصوم سے تفاخر کے سنگ اترائی تھی۔

"میں کوشش کروں گی آپکے ہوتے کبھی نہ ڈروں، لیکن آپکو تو پتا ہے بابا کی لاڈلی ہوں۔ چھوٹا سا تو سا دل ہے منیہا کا"

وہ جیسی تھی ویسی ہی پسند تھی اسے، سچی، کھری، اپنے جذبات چھپانے پر قدرت نہ رکھنے والی، ہر فکر و اضطراب سے دور آباد، خوش، مسکراتی ہوئی اسکی زندگی۔

ماتھے پر لبوں کی نرمی اور عون بخاری کی چبھتی مونچھوں سے ہوتی گدگدی پر وہ شرمگیں کے ساتھ ساتھ شرارت سے مسکرائی، اپنے مزید رکنے کو خود نہ افورڈ کرتی وہ آج کی یہ ملاقات یہیں ختم کرتی عون کا ہاتھ چھوڑتی اٹھی۔

"تھوڑی دیر تو رکو میری مایوں والی دلہن"

خماری سے اپنا کچھ دیر پہلے والا چھڑوایا ہاتھ منیہا کی جانب بڑھائے شوخ حسرت سے جملہ اچھالا۔

"کل گجرے لا کر دیں گے تو پورے دس منٹ آپکو دوں گی"

آنکھ ونگ کرتی وہ دو قدم مزید پیچھے ہٹے اترا کر خاصے احسان جتاتے چہکاری۔

عون نے دبے تبسم کے سنگ نظر اس جان لیتے سراپے پر ڈالے امڈتے جذبات دبائے۔

"اور پرسوں میں دوں گا تمہیں وہی دس منٹ واپس وہ بھی سکھ کا سانس لینے کو، یو نو واٹ آئی مین"

آفت خیز خندہ پیشانی سے منیہا کے حواس آڑا چکا تھا جو اسکی بات کا مفہوم سمجھ کر کانوں تک سرخ ہوئے پہلے تو عون کے بے ساختہ قہقہے پر گھوری اور پھر بوکھلاتی ہوئی صوفے کا کشن مارتی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوئی۔

اسکے کتنی دیر بعد بھی عون مسکراتا رہا، اب ارادہ وفا سے بات کا تھا مگر ابدال کو اپنے روم میں آتا دیکھ کر وہ کھلا لیپ ٹاپ بند کیے اپنے پاس آکر بیٹھتے ابدال کی جانب متوجہ ہوا جو کل سے عون کے جواب کا ہی منتظر تھا۔

"آپ کل آئے ہی نہیں گھر، کیا اس نمبر کا پتا چلا عون بھائی"

ابدال کے پوچھنے پر عون نے سر ہلائے اسے دیکھا۔

"ہمم۔۔وہ کسی باسط کا نمبر ہے۔۔۔۔۔۔"

عون کے بتانے پر ابدال کے دماغ میں گویا نس پھڑکی، وہ کوئی شکل، کوئی نام اور یہاں تک کہ کوئی جگہ نہ بھولتا تھا۔

اسے اچھے سے یہ نام یاد تھا، اس روز جس دن اس نے کاشان پر حملہ کیا تھا، تب اسکے آنے سے پہلے آفس روم میں رکھے کاشان کے دوسرے فون پر ایک کال آئی تھی، ابدال نے اپنی جگہ چھوڑے یونہی اٹھ کر دیکھا جہاں باسط کالنگ لکھا تھا۔

عون کے چہرے پر بھی ابدال کو صدمے میں دیکھ کر حیرت اتری۔

"یہ۔۔۔۔یہ ضرور وہی آدمی ہے۔کاشان ہمانی کا آدمی"

ابدال کے کہنے کی دیر تھی کہ عون کے دماغ میں بھی جیسے جھماکہ ہوا، اسے کاشان ہمانی سے کی گئی پچھلی ملاقات یاد آئی جب وہ اسکے اہم ساتھی باسط سے بھی ملا تھا، عون کو تبھی یہ نام سنا لگا۔

آگاہی نے جیسے دونوں کے چہروں پر تاریکی پھیلا دی۔

"ہاں ابدال۔۔۔تمہارے ساتھ کیے گئے اس گندے فعل کے پیچھے وہ کمینہ کاشان ہی تھا۔ اللہ غارت کرے، کیسا بدبخت ہے۔۔۔۔ہمیں وفا کو بتانا ہو گا چلو۔۔۔۔۔"

اس سر پر گر پڑتی قیامت کا ادراک پائے وہ دونوں ایک ساتھ وفا کے روم کی طرف بڑھے، وہ بیڈ پر لیپ ٹاپ کھولے کسی کام میں گم تھی جب یکدم دروازہ کھلنے پر اندر آتے عون اور ابدال کی سپاٹ اور غصیل صورتیں دیکھتی خود بھی اٹھ کر ان دو کی جانب لپکی۔

"ابدال کو ڈرگ دینے والا اور کوئی نہیں کاشان تھا وفا، جس نمبر سے اس سکول کے کلرک کو کال آئی وہ کسی باسط کا تھا، اور باسط نامی آدمی کاشان کے لوگوں میں موجود ہے۔وہ انسان اتنا کم ظرف ہے کہ اس نے ایک

بچے تک سے اپنا بدلا لیا۔ میں اب ایسے شخص کے پاس تمہیں ہر گز نہیں جانے دوں گا، بابا ٹھیک پریشان تھے اس حوالے سے۔۔۔ اس آدمی کی سچائی اتنی بھیانک ہی ہے"

وفا کو تو لگا آوازیں آنا بند ہو گئیں تھیں، سنائی دی تو بس اپنی وہ سسکیاں جو اس نے قیمت چکانے کو بربادی کے وقت ساتویں آسمان تک پہنچائیں تھیں، وہ بے یقینی سے اپنے زندہ دفن ہونے کی منادی سن کر ویران و بے جان ہوتی لڑھک کر بیڈ پر گرتے ہوئے بیٹھی۔

عون اور ابدال نے تکلیف کے سنگ اک دوجے کو دیکھا جیسے وفا سے ایسی اذیت ناک چپ امید نہ کر رہے ہوں۔

"آپ انکار کر دیں وفا، رخصتی سے۔۔۔ آئی ہیٹ کاشان ہمانی، میں اسے اپنی وفا نہیں دے سکتا۔ پلیز وفا"

بے آواز سسکیاں گھوٹتی وفا کے قدموں میں بیٹھا اسکی جان سے عزیز ابدال اس سے کیا مانگ رہا تھا، کیا وہ واقعی برباد ہونے والی تھی۔

اس شخص نے واقعی آباد کا لفظ وفا کی حسرت ہی تو بنا دیا تھا۔

"تم دونوں اس معاملے میں خاموش ہو جاو، رخصتی ہو گی۔ اس سے اسکا حساب میں خود لوں گی"

اپنی ماتمی آنکھیں باری باری دونوں پر ثبت کرتی وہ مردہ آواز لیے منمنائی، عون کا تو دل چاہا اسے اس بیوقوفی پر جنجھوڑ دے مگر ابدال کا دل وفا کے صاف انکار سے شمار میں نہ رہتے ٹکڑوں میں بٹا تھا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے کیا"

اپنے غصے کو ہزار ہا دبانے کے باوجود عون کی آواز گرجی جس پر وفا نے رحم طلب نظریں ڈالے عون کو بھی بے بس کر دیا، وہ افسوس بھری نظر ڈالے پیر پٹختا کمرے سے باہر نکل گیا مگر ابدال اب بھی اسکے قدموں میں بیٹھا جواب کا منتظر تھا۔

"آپ میری تکلیف کی وجہ کیسے بن سکتی ہیں، غرور ٹوٹنا تھا ٹوٹ گیا۔ میں اپنی وفا کو ٹوٹا نہیں دیکھ سکتا، مت جائیں اس کے پاس پلیز"

وفا کی جانب آس سے مزین نظریں ڈالتا ابدال گڑ گڑا اٹھا، لیکن وفا کے پاس انکار کی مہلت سلب ہو چکی تھی۔ اب تو بس مرنے کا ہی آپشن باقی تھا۔

"مجھے جانا ہو گا ابدال، میری مجبوری ہے۔ اس انسان کو سکون نہیں ملے گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے"

وفا نے نم آنکھیں رگڑے اسکا چہرہ تھامے بہلانا چاہا مگر وہ وفا کے دونوں ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ گئیں تو مجھے کھو دیں گی وفا، میں چلا جاوں گا آپ سے بہت دور۔ آواز دیں گی تب بھی نہیں آوں گا۔ مجھے نفرت ہے اس انسان سے جس میں انسانیت تک نہیں، کاش وہ مجھے بھی ویسے ہی زخم دے دیتا لیکن نہیں، اس نے میرے اعتماد کو میرے وقار کو پاش پاش کیا۔۔۔۔۔وفا آپ مجھے کھو دیں گے سن لیں"

وہ پھر سے ویسی ہی جنونی کیفیت میں چینختا گیا، وفا کا دل تڑپ اٹھا، وہ اٹھ کر اسکی اس جنونی کیفیت کو سمیٹنا چاہتی تھی مگر وہ بیگانہ بنے دور سرک گیا، یوں وفا کو دیکھا کہ وہ نظر وفا کا دل کا دامن چاک کر گئی۔

"میری جان میری بات۔۔۔۔۔"

وفا اسے اپنی صفائی پیش کرنے کو قریب آئی مگر وہ گریز کا اشارہ کرتا تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا، وفا اسکے پیچھے باہر تک آئی مگر پورچ تک پہنچنے پر ابدال کو ڈرائیور کے ساتھ شام کے اس وقت بخاری ولا سے جاتے دیکھ کر دہل گئی۔

نظر بس اک بار اٹھا کر آسمان پر ڈالی اور خود بھی بنا کچھ سوچے اپنی گاڑی لیے نکل گئی۔

"مجھے معاف کر دینا میرے بچے"

وہ روتی رہی، اپنے لیے فیصلے پر۔

اس بچے سے نجات کے لیے وہ ہوسپٹل گئی، اب شاید راہ نجات یہی تھی، ہر طرف سے بند راستے بس یہیں کھلے تھے۔

رات نو بجے آپریٹ ہونا تھا، سب تیاری مکمل تھی مگر شاید کسی دعا نے قبولیت کا باب چھو لیا، وہ عین وقت پر اپنا ارادہ بدلے واپس نکل آئی، بھاگتے ہوئے، مسلسل روتے ہوئے، یہ راستہ بھی باقی اطراف کی طرح بہت مشکل تھا۔

وہ اسکی کوکھ میں پلتی معصوم جان اسکی روح کا حصہ بنا دی گئی تھی، وہ ماں تھی اب، اور ایک ماں نے اس بار اپنی قبر وہیں بنائے اپنی اولاد کے لیے گلے کا طوق قبول کر لیا۔

مہندی کی صبح ہی ابدال کا میسج موصول ہوا، وفا پر اترتی قیامت ابھی باقی تھی۔

"آپ میری تکلیف بن گئیں وفا، کبھی نہیں بولوں گا آپ سے۔ اب مروں یا جیوں آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے، میں اب اس گھر نہیں آوں گا جہاں میری وفا نہیں رہتیں۔ اگر یہ دربدری ہی میرا مقدر ہے تو ٹھیک، آپ جیئں اپنی زندگی، میں تو ویسے بھی سب پر ایک بوجھ کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ حافظ"

کل کی اذیت سے دگنی اذیت ابدال کے اس ایک میسج نے دی تھی، اس نے عون کی منتیں کیے ابدال کے پیچھے بھیجا مگر پھر اسکے ہلال کے گھر ہونے پر وہ تھوڑی پر سکون ہوئی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ ابدال کے غصے کے اترنے کے بعد خود اسے منا لے گی، عون کو بھی سختی سے اس معاملے پر چپ کروائے وہ اپنی اذیت پر راضی تھی۔

اور وہ کیسا تھا؟؟؟؟

کاشان ہمانی بلکل یوں تھا جیسے طوفان سے پہلے کی خاموشی۔

زویا نے اسے بارہا آکر پوچھا مگر وہ خود تک سے فرار کیے سیاہ نشینی میں خود کو مبتلا کیے اپنے آپ کو انوکھی سزا دے رہا تھا، بنا کھائے پیے، سوئے، روئے اور ماتم کیے بھی وہ جی سکتا تھا، بہت آرام سے۔

ہمانی حویلی بھی مہندی کی تھیم کے مطابق سجائی گئی تھی، اس حویلی میں آتی خوشیاں زویا کو عزیز تھیں مگر کوئی کاشان ہمانی سے پوچھتا کہ خوشی کے یکدم ماتم میں بدلنے کا قہر ٹوٹ پڑا تھا اس پر۔

چنکارتی میسج ٹون نے اسکی مسلسل کئی گھنٹوں کی سیاہ نشینی میں ارتعاش پیدا کیا۔

گھڑی کے ہندسے شام کے سات بجانے والے تھے۔

مگر ان دو کا تو وقت رک چکا تھا۔

یہ حقیقت جب کاشان کے علم میں آئی کہ وفا واقعی اس بچے کو ابارٹ کروانے گئی تھی، وہ واقعی زندگی میں پہلی بار ٹوٹا تھا مگر اسے آدھی حقیقت معلوم تھی، یہ تو پتا تھا کہ وفا وہاں گئی، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اسکی اولاد کو چاہ کر بھی نقصان نہیں دے سکی۔

"تم اب پل پل تڑپو گی وفا، چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔ یہ رخصتی پھر بھی ہو گی، تا عمر تم جلو گی اس گناہ کی بھرپائی نہ ہو سکے گی پھر بھی۔۔۔ اور مجھے تو ویسے بھی ہر جلن راس ہے"

فون اٹھا کر اس پر وفا کے میسج کو آتا دیکھ کر وہ جبڑے بھینچے غرایا، یوں لگا وہ ہر شے تہس نہس کر ڈالے گا مگر اسکی نفرت، جلن اور تکلیف سب دھری کی دھری رہ گئیں۔

"وہ صرف میرے وجود کا حصہ ہوتا تو شاید تم سے نفرت میں اسے نوچ بھی ڈالتی کاشان مگر اللہ نے نجانے کونسی محبت اتار دی اس کے لیے کہ وہ احساس بن کر میرے دل سے آن جڑا ہے۔ میں نہیں کر سکی تمہارے دیے سفاک حکم پر عمل، اگر ایسا کر دیتی تو شاید خود بھی مر جاتی"

ابھی منیہا اسے ہلکا سا تیار کیے جیولری لینے باہر گئی تھی اور وہ پیلے جوڑے میں سوگوار سی دلہن فون پر ٹائپ کر کے کچھ دیر پہلے سینڈ کیے میسج کو پتھرائی آنکھوں سے سین ہوتا دیکھ رہی تھی۔

پورا کمرہ رنگ برنگے پھولوں سے سجا، مہک سے اٹا، بصارت کو مسرور کر رہا تھا اور اس خوبصورتی کی حد کو پھلانگتی وفا جواب کی منتظر تھی مگر وہ جواب دینے کے بجائے فون پٹخ کر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

مہندی کی رسمیں اک طرح سوگواری کی نظر ہوئیں اور اگلا فیصلے کا دن چڑھ آیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آج تم دونوں بچوں کو بہت رازداری سے یہاں پہنچاو گے، میں مزید تاخیر نہیں کر سکتا۔ یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا سائرن ہے، اس سے پہلے کہ یہ طوفان مجھے اپنی لپیٹ میں لے میں یہ کام مکمل کر کے یہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں"

بیساکھی کی مدد سے ہی سہی مگر وہ اب چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا تھا، اسکے سامنے اسکے چار بھروسے مند آدمی مودب ہتھیاروں سے لیس اسکے اشارے پر مضطرب اور حکم پر چوکس ہوئے۔

سب کی آنکھیں ایک دوسرے سے زیادہ وحشی معلوم ہو رہی تھیں، کل مہندی کی رسم کے نام پر چھوٹی سی تقریب گزر چکی تھی، دونوں طرف ایک پراسرار سی خاموشی اور چپ رہی تھی۔

عائش ہمانی اپنے کھیل کو تکمیل پہنچانے کا فیصلہ لے چکا تھا، یا شاید اس نے اپنی قبر قبل از وقت چن لی تھی۔

بارات کا مین فنکشن ہال میں تھا، شہر کا سب سے بڑا اور خوبصورت وینو سیلیکٹ کیا گیا تھا۔

عروسی لباسوں میں ملبوس دلہنیں ایک ہی وقت میں ایسی جیسی دلربا ہو کر بھی اپنے بیچ زمین و آسمان کا فرق رکھتی تھیں۔

ایک جانتی تھی وہ برباد ہو کر اب کبھی دوبارہ آباد نہ ہو پائے گی اور دوسری کو گماں تک نہ تھا کہ زندگی کے اصل امتحان تو اب آنے والے تھے۔

نازک ہونٹوں پر گہری سرخ لپ سٹک، آنکھوں کی دہلیز مبہوت کرتے رنگ کے آئی شیڈو سے مزین تھے، ناک میں پہنی بالی نما نتھ جسکا ایک سرا گداز ہونٹ کا صدقہ اتارتا اس آپسراہ کی جنبشوں پر مچلتا دیکھائی دیتا، گلے میں گلوبند اور نگینوں سے بھرا کندن ہار اسکی نازک سی گردن پر خاصا بوجھ ڈالے چمک دمک رہا تھا، پھر ملائم سے بدن پر چھائے عروسی سرخ جوڑے کی شادابی، آنکھیں اک نئے حق کو پانے کی سرشاری سے مسرور، لب مسکراتے، گالوں پر لکیریں بناتے خوشی کو سوچتے گدگداتے لمحے، وہ منیہا عون بخاری تھی جس پر سہانا روپ سجا تھا۔

اپنے ساجن کی دل و روح جھنجھوڑتی نظروں سے بوکھلاتی، مسکراتی، اپنے جیت پر نازاں اس سے بے خبر کے یہ روشنی پلوں میں نفرت کی آگ بھیانک اندھیرے میں بدل دے گی۔

پھر وہ سراپا جسکی ہر نظر خود امام ضامن بنی، کیونکہ اس آنکھ کی سوگواری خود ہی نظر اتارنے کو کافی تھی۔

گولڈن شیڈ دیتے فرش بوش لباس میں چھپا وہ نازک وجود، ماتھا پٹی کی باریک نگوں کی لائن کے بیچ و پیچ لہراتی موتیوں کی لڑی پاگل ہوئے مچلی، آنکھوں کے اردگرد پھیلی سوگواری کو منصوعی حسن کی چھیڑ خانیاں چھپا چکی تھیں، کانوں میں لہلہاتے جھمکے جنکی لڑی رخسار کو چھومے ناک کی نتھ سے جا مل رہی تھی۔

ہاتھوں میں مہندی نہ تھی، باقی اہتمام پورا تھا، وہ اس سنگدل کے نام کی مہندی لگا ہی کب پائی تھی، تن من جل اٹھا تھا، اک مسلسل قید دم گھوٹنے کو پر تولے موجود کا سکھ بھی نوچ چکی تھی۔

باہر پورچ میں کاشان ہمانی کی گاڑی رکی اور اس سے پہلے زویا خوشی خوشی باہر نکلتی، خوشی کو گرہن لگاتے کاشان ہمانی کے حکم پر بل کھا کر رہ گئی۔

"آپ اسے لے کر گھر چلی جائیں، مجھے کچھ کام ہیں زویا"

بیگانگی بھرے عکس پر زویا کی ناراض نظریں آ کر جم چکی تھیں، ڈارک براون تھری پیس میں وہ وجاہت اور سحر انگیزی کا پورا جہاں بنا اپنے اس روپ سے یکسر الگ سخت اور بے رحم لفظ کیسے کہہ گیا تھا، زویا کو اسکی بے حسی پر افسوس ہوا۔

"بارات لینے دلہا نہ گیا تو بہت برا ہو گا، پلیز میری جان ہم زیادہ نہیں رکیں گے۔ میں کہہ دوں گی کہ تمہیں کام ہے اس لیے ہم جلدی رخصتی کرنا چاہتے ہیں۔ یوں آخر وقت تم مجھے سب کے سامنے شرمندہ نہیں کرنا" اپنے پرپل اور بلیک سلک بلاوز اور شفون کی ساڑھی سنبھالتی وہ کاشان پر برہمی سے باور کرواتی باہر نکلی تو بارات کے استقبال کے لیے بہت سے لوگ موجود تھے، جبڑے بھیجتا وہ چارو ناچار باہر نکلا مگر اسکے گاڑی پہنچنے پر سب ہی لوگ اسکی جانب متوجہ ہوئے بنا نہ رہے، زویا نے مڑ کر خاموشی سے غصے کے سنگ دیکھا اور استقبال کے لیے کھڑے افراد تک پہنچی جہاں فریال، وحید صاحب، نہال، اور چند اور خواتین کھڑی تھیں جبکہ پھولوں کی پتیوں سے بھری ایک ایک پلیٹ چھوٹی سی دلہن عناب اور پیارے سے ہینڈسم شیروانی میں لپٹے یو آن شاہ کے ہاتھ میں تھی جن دو کو دیکھ کر ویسے بھی کسی کا بھی دل مسکرا اٹھتا۔

"خوش آمدید، ماشاء اللہ بہت پیارے لگ رہے ہیں آپ دونوں۔ نظر نہ لگے"

فریال صاحبہ نے آگے بڑھ کر پھولوں کا بکے زویا کی جانب بڑھائے دونوں پر نثار نظر ڈالے خوش آمدید کہا، زویا کی نظریں تو نہال پر تھیں جو خود بھی اسی کی جانب متوجہ تھے۔

البتہ وحید صاحب کے چہرے پر کہیں گہرائی سے درج ناپسندیدگی از سر نو عود چکی تھی، وفا اور کاشان کی رخصتی کے متعلق وہ خوش نہیں تھے، کم از کم تب تک جب تک کاشان ہمانی کی اصلیت نہ جان لیتے لیکن وفا سے ان سارے دنوں کئی بار پوچھنے پر بھی وفا کی سمت سے چاہ کر بھی انکار نہ پا سکے تھے اور اب یوں تھا جیسے ہاتھ بندھ گئے ہوں۔

وفا کا ایک دل تو یہ چاہا تھا کہ وہ اس ہتک آمیز زندگی سے چھٹکارہ پا جائے، یا کم از کم کوئی ایک تو ہو جو اسکی آہ و بکا سننے والا ہو۔

بارات کی آمد کی خبر پر وہ خوف سے کانپ سی گئی، دل اتنی زور سے دھڑکا جیسے لگا ہو کہیں دور زمین کی تہہ میں کوئی آتش بھڑکی ہو۔

ہوسپٹل کے سپیشل روم میں زندگی اور موت کے بیچ کے لمحے جیتا ہوا وھاج سکندر آگاہی کی جانب بھی اسی لمحے پلٹا، اسکے بے جان ہاتھ نے حرکت کی تھی، سوکھے ہونٹ پھڑپھڑائے تھے۔

بھلا اس زبان پر ایک نام کے سوا اور کیا آتا۔

عین اسی وقت ہوسپٹل کے اس روم میں چار خفیہ لوگ بھیس بدل کر اندر داخل ہوئے، چاروں نے منہ پر ماسک اور ڈاکٹر کوٹ پہن رکھا تھا۔

"وہ ہوش میں آرہا ہے" ایک آدمی نے دوسرے کو ہانک لگائے اطلاع دی مگر اسی لمحے وہ دوسرا آدمی اپنے ہاتھ میں پکڑی کلوروفارم کی شیشی کو جیب سے نکالے رومال پر الٹ کر وھاج کی جاگتی کیفیت کو مزید کمزور کر گیا۔

ان میں سے تیسرا آدمی روم میں لگے سپیشل سیکورٹی کیمرے کو ہیک کیے آف کر چکا تھا جبکہ چوتھا باہر کے ایریا کی نگرانی پر فائز کلئیر کا اشارہ دے رہا تھا۔

وھاج سکندر کی سیکورٹی پر لگے تینوں گارڈز غائب تھے، دو لوگوں نے نیم بیہوشی میں مبتلا ہوتے وھاج کو وہیل چئیر پر بیٹھایا اور دوسرے سے ایک ماسک اسکے منہ پر بھی چڑھا دیا اور باہر نکلے۔

دو آدمی کچھ فاصلے پر آگے تھے جبکہ تیسرا وہیل چیئر پر جبکہ چوتھا خفیہ راستے کی جانب بریفنگ دیے آگے بڑھ رہا تھا۔

کوریڈور میں اکا دکا مریض لوگ اور نرسیں اپنے معمول کے مطابق آجا رہے تھے جبکہ کسی نے بھی ان لوگوں پر توجہ نہ دی۔

تیسرے کوریڈور کو عبور کرتے ہی وہ چاروں آدمی کچھ فاصلے پر موجود یکے بعد دیگرے ایک ہی کمرے میں داخل ہوئے۔

وہ کمرہ نیم روشن تھا۔

اسکے ساتھ ہی ایک خفیہ میڈیکل سٹور تھا جسکی پچھلی دیوار ہوسپٹل کی بیسمنٹ میں کھلی تھی جہاں سے وہ لوگ اینٹیں اکھاڑ کر اندر آئے۔

وھاج سکندر کو بھی دو آدمیوں نے ٹانگوں اور بازووں سے پکڑے وہاں سے باہر نکالا اور واپس اس جگہ اینٹیں لگا کر دیوار بنا دی۔

بیسمنٹ میں پہلے ہی تین لوگوں کی لاشیں پکڑی تھیں، جو وھاج سکندر کے گارڈز تھے۔

فوری طور پر وہ لوگ وھاج کو گاڑی کی ڈگی میں ڈالے اپنے ماسک اور کوٹ پھینک کر فوری اندر بیٹھے۔

پانچ منٹ کے اندر اندر وہ لوگ ہوسپٹل سے باہر نکل آئے۔

وھاج سکندر کو اگلے ایک گھنٹے میں اڈے پہنچایا مگر عائش اسکی سزا کا تعین اپنے دوسرے پلین کی کامیابی کے جشن میں کرنا چاہتا تھا۔

اسکے باقی لوگ یو آن اور عناب کو کنڈنیپ کرنے نکل چکے تھے۔

پھر تیسری طرف ہوٹل میں اضطراب سے چکر کاٹتی مہکار جسے کل آنے کے بعد سے دھمکی خیز پیغامات مل رہے تھے جسکے باعث وہ ابھی تک منیہا کو کوئی نقصان پہنچانے کا پلین تک نہ بنا سکی تھی۔

پہلے دن تو اسے کاشان پر ہی شک ہوا مگر پھر وہ اپنا یہ خیال جھٹک گئی۔

وہ جو بھی تھا اسے نہ صرف مہکار کی لوکیشن پتا تھی بلکہ اسے مہکار کے ارادے بھی معلوم تھے۔

دو قمیص شلوار میں ملبوس سادہ لوح آدمی اس ہوٹل کے باہر بھی مٹر گشت کر رہے تھے جہاں پچھلے ایک دن سے مہکار موجود تھی۔

کمرے کے روم پر ہوتی دستک پر مہکار گھبرا کر مڑی، ماتھے پر نمی یوں تھی جسے اس وقت خوف سے وہ سخت پریشان ہو۔

ڈرتے ڈرتے دروازے تک پہنچے خشک حلق تھوک نگلے تر کرتی وہ ڈور ناک پر ہاتھ جمائے قریب ہوئی۔

"کون ؟"

ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"روم سروس میم، آپ نے فریش جوس منگوایا تھا"

باہر سے ویٹر کی مودب آواز پر وہ اپنا خوف ختم کرتی دروازہ کھول گئی جہاں کھڑا ویٹر ہیٹ سے چہرہ چھپائے ٹرے لیے اندر آیا، مہکار نے توجہ نہ دی مگر وہ ویٹر جوس کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا پیپر چالاکی سے بیڈ کے تکیے کے پاس اچھالتا جیسے آیا ویسے نکل گیا۔

مہکار نے گہرا سانس کھینچے بیڈ تک کا فاصلہ طے کیا اور گلاس اٹھائے ابھی ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ نظر اس کاغذ پر گئی۔

ڈر سے جھرجھری لیے وہ گلاس واپس پٹخ کر جلدی سے وہ پیپر اٹھائے اسے کھولنے لگی۔

سرخ رنگ کی سیاہی سے لکھا یہ اب تک کا تیسرا دھمکی آمیز خط تھا۔

"تمہارے لیے بہتر ہو گا مہکار کہ تم اسی جگہ کو اپنی مستقل قبر سمجھ لو، یہ آخری وارننگ ہے۔ غلطی سے بھی کچھ غلط مت کرنا ورنہ مجھے مجبوراً تمہارا کام تمام کرنا پڑے گا، پائزن سے زیادہ میں خطرناک ہوں تمہارے حق میں۔ تم سمجھدار ہو، غلطی سے بھی ایک سر پھری دیوانی سے الجھنے کی کوشش مت کرنا، اس وقت تمہارا بیٹا خطرے میں ہے لہذا اگر تم چاہتی ہو کہ میں اسکی حفاظت کروں تمہیں عون بخاری اور منیہا بخاری کی جان چھوڑنی ہو گی۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے، اپنا بدلا چاہتی ہو یا پھر اپنے بیٹے کی زندگی؟ پائزن تمہیں اور تمہارے بچے کو اس انتقام کے بعد بھی نہیں چھوڑے گا لہذا عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی اور اپنی اولاد کی پائزن سے جان چھڑواؤ نہ کہ تم خودکسی کی جان لو۔ میری نظر پل پل تم پر ہے۔ اور ہاں تمہارے تجسس کے خاتمے کو بتادوں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک پاگل عورت ہوں"

اس تحریر کو پڑھنے کے بعد مہکار نے حیرانگی کے پیش نظر ان لکھے لفظوں کو کتنی ہی دیر سوچا، آخر اسکی کہانی میں اتنے سارے مردوں کے بعد اب یہ عورت کہاں سے آئی تھی۔

جبکہ دوسری طرف ایزل نے ویسی ہی تحریر کا اپنے فون میں تصویر بنائے فارس کو دیکھایا جو خود بھی ایزل سے ایسا سب امید نہ کر رہا تھا۔

"اگر میں اپنے آپ کو شو نہ کرتی تو اسکا شک آپ پر جاتا فارس سر، لہذا اسے الجھانے کے لیے یہ سب کیا۔ اب مجھے اجازت دیں کیونکہ ایک اور اہم مشن میرا منتظر ہے۔ تب تک آپ یہاں سے مت نکلیے گا"

بلیک ہڈی میں ملبوس وہ چہرہ ڈھک کر روانگی کے لیے بلکل تیار تھی، اپنے اور فارس کے خلاف پائزن کے لوگوں کے ہتھے لگتے ثبوت اسے پائزن کی واپسی سے پہلے مٹانے تھے، ان لوگوں کو فی الحال یہی بتایا گیا تھا کہ پائزن پچھلے ہوتے نقصان کے باعث کچھ دن خود بھی ہولیڈیز پر چلا گیا ہے اور وہ اپنی واپسی پر اس سمگلنگ کے خلاف ہوتی مخبری کی تفتیش کرے گا اور یہی وہ موقع تھا جس سے ایزل اپنی اور فارس کی جان بچانے کی سر توڑ کوشش کرنے والی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا، جس خونی سفر پر تم نکلنے والی ہو اس میں زندہ سلامت واپسی ممکن نہیں ہوتی ایزل۔ میں تمہارے لیے دعا گو رہوں گا"

زبان جہاں ایزل کے احسان کی معترف تھی وہیں ذہن اسکے تحفظ کے تانے بانے بنتا جا رہا تھا، فارس کا دھیمے مگر اضطرابی انداز میں اسے اپنے آپ کا خیال رکھنے کی تاکید کرنا اس وقت ایزل کو تھکا سہی پر مسکرانے پر اکسا گیا تھا۔

"زندہ واپسی کی حسرت تو مجھے رہی نہیں کبھی، لیکن کچھ قرض ہیں جنکو چکائے بنا مرنا نہیں چاہتی۔ اگر بچ کر آ گئی اس بار تو واپسی پر آپکو میرے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ اور دوسرا قرض پائزن کی موت ہے۔ جب آپ مجھے اس سوال کا جواب دیں گے تو اسکے بعد ہی میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کروں گی"

وہ دبے دبے جوش اور وافع خلش سے اپنی حسرت کا ذکر اور انھیں پوری کرنے کی یقین دہانی کرتی مقابل کی تسلی بھری نگاہ وصول کرتی اس ملگجی اندھیارے کاٹیج سے باہر نکل گئی، اسکی مسافت کا آغاز سنسان اور ویران تھا لیکن ہر انسان کی کوئی نہ کوئی منزل ضرور ہوتی ہے۔

وہ اسے چپ چاپ دیکھتا رہا، اسی سمت جہاں اس نے الوداع کہے ایک اور فرد رخصت کر دیا تھا، آنکھوں میں اک احساس جگا تھا، بے بسی کا، اپنی حیات کی رائگانی کا، اور اب شاید اپنے آپ پر اترتی سب سے بڑی قیامت کا جسکا اشارہ اسکے لاشعور میں پہنچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یوئی وہ لاتے دو مدے، پولے دو (یوئی وہ لا کے دو مجھے، پورے دو)"

بارات کو ابھی کچھ دیر تھی جب ہال میں سے یوئی کا ہاتھ پکڑتی وہ باہر آئی جہاں دیواروں کے ساتھ بہت سارے سلور اور گولڈن غبارے لگے تھے، ہر غبارے کے اندر گلیٹر تھا اور اس پر چمکدار سے ہارٹ بنے تھے۔

جب تک عناب باہر سے اندر گئی تھی وہ بس یوئی کو بار بار باہر جانے کا کہہ رہی تھی تبھی وہ عون سے پرمیشن لیے اسکا مضبوطی سے ہاتھ پکڑے باہر لایا اور دیوار کے ساتھ لگے دو غبارے اتار کر عناب کی مٹھی میں انکے سلور دھاگے پکڑائے جنکو دیکھ کر اس پری کی آنکھیں مسکرا دیں۔

"اب خوش، کہیں ان کے ساتھ تم بھی نہ اڑ جانا۔ ہلکی سی تو ہو"

عناب کے سر پر لگا ہیر بینڈ اسکے قدموں میں بیٹھ کر ٹھیک کرتا وہ اسکا غباروں سے کھیلنا دیکھ کر مسکرایا جو ان دونوں غباروں کے دھاگے کبھی کھینچ کر نیچے لاتی تو کبھی انکو ڈھیلا چھوڑے انکے یکدم ہوا میں چلے جانے پر ہنسنے لگتی۔

"یوئی آپ تو پتا با حل دک بی دیتھی، تلیں ناں دیتھنی مئں نے۔۔۔۔(یوئی آپ کو پتا باہر ڈک بھی دیکھی، چلیں ناں دیکھنی میں نے)"

غبارے ملنے کے بعد چھوٹی سی پرنسز کی اگلی فرمائش پر وہ پہلے تو تھوڑا فکر مند ہوا کیونکہ وہ عون سے بس یہاں تک جانے کی پرمیشن لے کر آیا تھا مگر کچھ دور ہی باہر لان کی جانب بنے پول میں وہ بطخ تھی جسکے بارے عناب بول رہی تھی تبھی وہ دیکھانے اسکا ہاتھ پکڑے باہر نکلا۔

باہر دونوں طرف گارڈز تھے، کچھ میرج ہال کے جبکہ دو عدد باہر کھڑے گارڈز کاشان ہمانی کے تھے۔

بطخوں کو پانی میں تیرتا دیکھ کر عناب تو باولی ہوئی، ایکسائٹمنٹ میں ہاتھ سے بلوون بھی چھوڑ دیے جنھیں یوآن نے باقاعدہ جھمپ مارے پکڑا تھا۔

"یوئی تیا تل لی ہیں دکس، تینی پالی ہیں۔ میں بھیو تو تہوں گی مدے بی لاتے دیں۔۔۔(یوئی کیا کر رہی ہیں ڈکس، کتنی پیاری ہیں۔ میں بھیو کو کہوں گی مجھے بھی لا کے دیں)"

عین پول کے پاس پیروں کے بل بیٹھتی دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹیکے ٹھوڑی ساتھ لگائے وہ بطخوں کو دیکھ کر بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی اور اسکے سوال کے جواب میں یوآن بھی اسکے پاس ہی بیٹھا دھیما سا مسکرایا۔

"یہ تیر رہی ہیں، سوئمنگ۔۔۔ بھیو کو ضرور کہنا۔ تم ڈک کو اپنی دوست بنا لینا"

نایاب مشورہ دیتا وہ اگلے ہی پل کرنٹ کھائے اٹھا، اسکے چہرے کے زوایے اور اچھلنے پر عناب منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی جو آگے سے گھوری نواز تا فوری واش رومز کی طرف جاتے جاتے مڑا۔

"ہلنا مت عناب، میں ابھی آیا"

جاتے جاتے وہ پھر سے عناب کو تاکید کرتا فوری بھاگا، تقریبا اسے جانے اور آنے میں لگ بھگ چار یا پانچ ہی منٹ لگے تھے جب واپسی پر وہ پول کے پاس آئے صدمے سے پتھر بن گیا، اس نے خوف و ہراس کے مارے زرا زرا کانپ کر اپنی آنکھیں اس وہم میں اپنی ہتھیلوں سے مسلیں کہ شاید اب اسے عناب دیکھائی دے جائے، مگر تا نگاہ نہ عناب تھی نہ اسکا سایہ، اسکا ایک بلون اڑ کر کچھ فاصلے پر بنی ڈیکوریشن روشنی کی لڑیوں کے ساتھ جا کر اٹکا ہوا تھا۔

سامنے گارڈز بھی نہیں تھے، یوآن اس سے پہلے عناب کو ڈھونڈنے اندھا دھند باہر بھاگتا، کھلی سڑک تک آتے ہی ایک تیز رفتار گاڑی آئی اور اسکے کھلتے ہی ایک آدمی جھٹکے سے یوآن کا منہ اپنے بھاری ہاتھ سے بند کیے اسے گاڑی کے اندر کر گیا، اگلے ہی لمحے وہ گاڑی وہاں سے چلی گئی۔

اندر رخصتی کی تیاری ہونے والی تھی مگر عون کا دھیان مسلسل باہر تھا، رخصتی سے پہلے وہ سب سے معذرت کرتا یوآن اور عناب کو دیکھنے باہر آیا مگر ایک زخمی گارڈ کو اپنی سمت آتا دیکھ کر عون کے پیروں تلے زمین سرک گئی۔

درد کی کئی سوہان روح لہریں جسم و جان تک اترتی محسوس ہوئیں، خوف اور تکلیف کے باعث اس نے اضطراری کیفیت میں اپنے بال نوچنے چاہے، بے بسی اور خود پر اخیر ملامت محسوس ہوئی۔

وہ دونوں بچے اسکی امانت ہی تو تھے، ایک فارس شاہ کی تو دوسری ابدال کی جسے وہ بخاری ولا سے جاتے ہوئے عون بخاری کے حوالے کر کے گیا تھا۔

یوں لگا عون کا وہاں کھڑا رہنا محال ہو رہا تھا، یہ سوچنا تک کہ ان بچوں کو کچھ ہوا ہو گا، اسکی نبض سے جان سرکا گیا۔

"سر، وہ لوگ یو آن اور عناب کو لے گئے۔ میرا دوسرا ساتھی جان ہار بیٹھا، کاشان صاحب کے گارڈز اس گاڑی کے پیچھے گئے ہیں لیکن میرا بازو زخمی ہو گیا اور ٹانگ بھی اس لیے میں پیچھا نہ کر سکا"

زخمی گارڈ کی یہ روداد سن کر عون کے اعصاب پر گویا بجلی گری، اندر کاشان کا فون بھی مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا جسکی وجہ سے وہ زویا کو اپنی بات سمجھاتا بنا وفا پر نظر ڈالتا خود بھی تیزی سے ہال سے باہر آیا جہاں عون پہلے ہی اذیت اور تکلیف میں لپٹا مسلسل کسی نمبر کو ملانے میں غرق تھا۔

"میں دیکھتا ہوں، تم اندر سنبھالو۔۔۔"

فی الحال اپنی آپسی کدورت بھلائے وہ عون کو تسلی دیے خود بھی فوری باہر نکل گیا، عون کی جان تو سولی پر آن لٹکی تھی۔

ہال سے سب لوگ گھروں کو تو روانہ ہو گئے مگر بخاری ولا پر قیامت تو تب ٹوٹی جب عون نے یہ روح کھینچ لیتی خبر دی۔

ہر فرد پر الگ نوعیت کی قیامت ٹوٹی تھی، ایک ہی لمحے میں مناظر آہوں اور سسکیوں سے دہل اٹھے تھے۔

گویا اس گہری ہوتی رات کے ساتھ ان سب کی ذات بھی ڈوبنے لگی تھی۔

پولیس کا پورا محکمہ عناب اور یو آن کی تلاش میں سرگرم ہو چکا تھا، دوسری طرف فارس اور مہکار تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔

کاشان کے گارڈز کو صرف پیچھا کرنے کا آرڈز تھا کیونکہ اگر کاشان کا شک درست ہوتا تو جلد یا بدیر اس فعل کے پیچھے والے کو وہ زندہ زمین میں ضرور گاڑنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم !

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

یہ ایک اندھیرے میں ڈوبا وحشت اور بدبو سے اٹا ڈربا نما اڈا تھا جہاں کھردری زمین پر دو بچے بے سدھ پڑے تھے، وہ یو آن اور عناب ہی تھے۔

اسی کمرہ نما تہہ خانے کے دوسرے کنارے پلر سے بندھا وجود ایک لمبی غفلت کے بعد پھر سے حرکت میں آرہا تھا، اسکے احساسات ناک میں گھستی تیز سی شراب کی بدبو سے تیزی سے بیدار ہوئے۔

عائش ہمانی نے لوگ دونوں بچوں کو کڈنیپ کیے بہوش کر کے یہیں پھینک گئے تھے کیونکہ یہیں سے ان دونوں کو بجھوایا جانا تھا اور پھر وھاج سکندر کو مارنے کے بعد آج رات ہی عائش فرار ہونے والا تھا، صبح سحر ٹائم اسکی سمندری راستے غیر قانونی طور پر پاکستان سے نکلنے کی تیاری تھی۔

عناب کو وہ لوگ کچھ دیر پہلے کہیں لے کر گئے تھے مگر پھر اسکی حالت بگھڑنے پر وہ اس معصوم کو واپس یہیں پھینک گئے جو اپنی ساڑھے پانچ سالا زندگی کے بعد موت کے راستے پر گامزن تڑپ تڑپ کر اپنے اوپر نازل ہوتی درندگی کے بعد کچھ دیر سسکنے کے ہوش سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

وھاج سکندر کے سر میں درد سے ٹیس اٹھی جس پر وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش میں اسکی پپٹلوں کے سامنے کمرے کے عین وسط میں لہراتے بلب کی مری روشنی تک سے آنکھیں چندھیا گئیں، کچھ لمحے اسے مکمل بیدار ہونے میں لگے مگر پھر اپنے ہاتھ پیر مفلوج محسوس کیے وہ اس گھپ اندھیرے میں آنکھیں کھول کھول کر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آیا وہ ہے کدھر۔

"یا میرے اللہ میں کہاں ہوں؟"

اپنے آپ کو قبر جیسی اس بھیانک جگہ پائے، وہ پوری جان سے کانپا، اردگرد کی سیاہ دیواریں اسے اپنے وجود میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں، مگر لمحے کے ہزارویں سیکنڈ اسکی ہر حس اپنے سامنے کے اس منظر کو دیکھ کر مفلوج ہوئی، زمین پر بے سدھ پڑی عناب کو پہنچاننے میں اسے لمحہ بھی نہ لگا البتہ یو آن کی اسکی جانب کمر تھی۔

باہر ہوتی کھٹ پٹ پر وھاج نے فوری اپنی آنکھیں بند کیے سماعت اس جانب ٹکائی جہاں وہ بوسیدہ دروازہ کھولے دو آدمی اندر آئے جس میں سے ایک کے ہاتھ میں فون تھا۔

"اس سے پہلے کہ پولیس کتوں کی طرح بو سونگتی ان دو تک پہنچے، آپ انکا سودا کریں۔ تا کہ آپ کو بھی اب تھوڑا سکون ملے۔۔ جو کچھ آپ کر چکے ان کے ساتھ، ایسا نہ ہو یہ دونوں سودے سے پہلے ہی مر کھپ جائیں۔۔ رہی بات وھاج سکندر کی تو آپکی ایک گولی کی مار ہے یہ حرام زادہ۔۔۔ جلدی آجائیں اس سے پہلے پھر سے کاشان سر ہمارے پلین چوپٹ کر دیں"

وہ بلاشبہ غفار ہی تھا، آخر کار اس نے کاشان کے بجائے عائش کے ساتھ وفاداری کو چن کر اپنے کم نسل ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

عائش کسی اہم اطلاع پر اپنے کارنامے کے بعد بہت اجلت سے اڈے سے نکلا تھا جسکے اس نجس فعل کے بعد اسکی پکڑ طے ہو چکی تھی۔

اسکی نظر مسلسل اس نازک سے خدوخال والی بچی پر تھی جو مدھم مدھم سانس لیے زمین پر پڑی ہوئی کانپ سی رہی تھی، اندھیرے کے باعث اسکو دیکھنا کٹھن لگ رہا تھا۔

وھاج سکندر انکی یہ سفاک پلاننگ سن کر بہت مشکل سے اپنے آپ پر جبر کیے بے جان بننے کی اداکاری کر رہا تھا۔

وہ دو آدمی اب ایک دوسرے کی جانب غلیظ انداز سے دیکھتے پھر اس معصوم بچی اور بچے کو ہوس ٹپکتی نظروں سے دیکھنے لگے، لیکن کسی کال پر ان دو کو باہر جانا پڑا۔

انکے جاتے ہی ٔ وھاج نے اپنی آنکھیں کھولے، پوری قوت لگائ ٔ درد کرتے سر کے باوجود اٹھنے اور اپنی جگہ سے سرکنے کی کوشش کیے دقت سے بیٹھے ہی عناب اور یو آن تک فاصلہ طے کیا اور جھک کر اپنی کہنی سے یو آن کی کمر ہلائی۔

تین چار بار وھاج کے یوں کرنے پر یو آن جو اب بے ہوشی کے زائل ہوتے اثر پر جاگ رہا تھا، پہلے تو اس اندھیرے پر خوفزدہ ہوا مگر پھر جیسے وھاج سکندر کو دیکھ کر وہ آنکھیں رگڑے اٹھا اور وھاج سکندر کے منہ سے آرام سے ٹیپ اتاری۔

عناب پر ان دونوں کی دردناک نظر تھی جو اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دیکھائی تو نہ دے رہی تھی مگر اسکی سانس مشکل میں تھی۔

"وھاج بھائی۔۔۔ ہم کہاں ہیں۔"

ڈرتے ڈرتے وہ زمین پر بے سدھ لیٹی عناب کی گال تپک کر روتا روتا سسکا، اسکی آنکھیں اس اندھیرے کو دیکھ کر خوف سے نم ہوتی گئیں۔

"شش رومت یوئی، جلدی سے میرے ہاتھ کھولو۔ ہمیں نکلنا ہو گا یہاں سے۔۔۔ جلدی کرو بچے"

اپنے ہاتھوں پر بندھی رسیاں مڑ کر یو آن کے روبرو کرتا وہ فوری حکم دیتا بولا جس پر یو آن رونا بھولے فورا سے بیشتر اٹھ کر اپنی پوری قوت لگاتا وھاج سکندر کے ہاتھوں پر بندھی رسیاں کھولنے لگا۔

اسکے ننھے ہاتھ، اتنی جکڑی رسیاں کھولنے پر ناکام ہوتے تو وہ رونے لگتا، آخر کافی دیر کی کوشش کے بعد رسیاں کھلی تو نہیں مگر ڈھیلی ضرور ہوئیں۔

وھاج نے پوری قوت لگائ ٔ اپنے ہاتھ آزاد کیے اور ساتھ اپنے پیر بھی کھولے اٹھ کر یو آن کو گلے لگایا جو بچہ بلکل سہما ہوا تھا، وہ دونوں پھر زمین پر بے جان پڑی عناب تک آئے۔

وھاج نے اسے بھی احتیاط سے اٹھا کر بازووں میں بھرا اور خود یوئی کو اپنے پیچھے رہنے کی تاکید کیے وہیں پڑے شیشے کے گلاس کو توڑ کر نوکیلا حصہ اٹھالیا، عناب کو ایک بازو سے کندھے سے لگاتا وہ یوئی کو لیے باہر نکلا۔

باہر ایک گلی نما راستہ تھا جو سنسان پڑا تھا۔

"یو آن۔۔ میرے بچے تم وہ سامنے جھاڑیاں دیکھ رہے ہو۔ پیچھے مت دیکھنا اور بھاگ جاو۔ میں اسے لے کر اس طرف سے نکلتا ہوں۔ جاو"

سامنے مٹر گشت کرتے آدمی کا ہیولہ دیکھ کر وھاج ہانپتا ہوا مڑا اور کچھ فاصلے پر ٹوٹی دیوار کے پار دیکھائی دیتی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا مگر یوئی ہر گز جانے پر راضی نہ تھا تبھی بلکتے ہوئے وہ وھاج کا بازو پکڑے نفی میں گردن ہلانے لگا۔

وھاج نے مڑ کر اسکی گال سہلائے بے بسی سے دیکھا۔

"ن۔۔۔ نہیں۔ ڈر لگ رہا م۔۔ مجھے بھائ۔۔ ئی"

وہ وھاج کی بازو جکڑے تڑپا، مگر اس وقت عناب کے بیہوش ہونے کے باعث وہ نہ تو دونوں کی ایک وقت خفاظت کر سکتا تھا نہ عناب کو لے کر اس چھوٹی سی جگہ سے نکل سکتا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں ناں یو آن، بھاگو۔۔۔ وقت نہیں ہے۔۔۔"

وھاج اس بار اسکے ہاتھ سے اپنی بازو چھڑوائے سختی سے بولا جس پر وہ بچہ آنسو ضبط کرتا سر ہلائے اس ٹوٹی دیوار کی جانب بڑھا۔

"م۔۔ میری ڈال۔۔۔"

رک کر وہ پھر سے پلٹا، اسکا ننھا سا دل گویا سینے میں مچل گیا۔

"میں اپنی جان سے بڑھ کر تمہاری ڈال کی حفاظت کی کوشش کروں گا یوئی، بھاگو اب۔۔۔ کچھ بھی ہو جائے مڑ کر مت دیکھنا۔۔۔۔"

وھاج نے اس بار مدھم آواز سے مڑ کر کہے یو آن کو بھاگنے کا اشارہ کیا جس پر وہ اگلے ہی لمحے اس جگہ سے نکل کر گھنی جھاڑیوں کی سمت بھاگ نکلا، خود وھاج ایک قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ آگے سے آتے دو آدمی اچانک سامنے آئے جن میں سے ایک نے اپنے ہاتھ میں پکڑی لوہے کی گن اسکے پیٹ میں دے ماری، اس اچانک حملے پر اسکے کندھے سے لگی عناب چھوٹ کر کچھ دور خشک گھاس کے گھٹے پر جا گری اور اس جھٹکے سے عناب کا رکا سانس یکدم تیز ہوا اور وہ بنا آنکھیں کھولے نا جانے کون کون سے درد سے کراہنے لگی۔

وھاج کے اندر اس کے بعد بھی اتنی ہمت تھی کہ اس نے اپنے ہاتھ سے گر کے دور جا گرتے شیشے کے اس ٹکڑے کو باری باری ان دونوں کے سینوں میں پیوست کر دیا، وہ ان دو کو ڈھیر کرتا جب تک ہچکیاں بھر کر روتی عناب تک پہنچا اسکے اکھڑتے سانس کو دیکھ کر دہل گیا۔

اس جگہ زرا روشنی تھی تبھی وھاج نے عناب کو دیکھا جسکے جسم پر بظاہر کوئی چوٹ نہ تھی مگر اسکی آسمانی فراک پر لکھی نوچ لینے کی داستان اسکے رونگٹے کھڑے کر گئی، وہ کانپتا ہوا ہاتھ اسکی جانب بڑھائے عناب کے ننھے وجود کو دیکھ کر اپنائیت کی تسلی چاہتا تھا مگر اسکے نازک وجود پر جگہ جگہ لکھی کہانی وھاج سکندر کو اپنی جگہ دفن کر گئی، عناب سے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا اور اس آگہی کے بعد وھاج سکندر کو بھی اپنا آپ ہوا میں منتشر لگا۔

اپنے آپ کو اس سکتے سے نکالتا وہ یوں ہاتھ پے ہاتھ دھرے عناب کو مرتا دیکھنے کے بجائے اسکے تنکا تنکا بکھرے وجود کو سمیٹے سینے لگائے لڑکھڑا کر وہاں سے اٹھا اور باقاعدہ باہر دوڑا۔

اس اڈے نما جگہ سے نکلنے کی دیر تھی کہ ایک گولی نہ جانے کہاں سے آکر وھاج سکندر کے دل سے زرا فاصلے پر جا کر ثبت ہوئی مگر اپنی جان کی پرواہ کیے بنا وہ اللہ کے خضور اس ننھی پری کی زندگی مانگتا بھاگتا رہا۔

نجانے کب تک وہ فرار جاری رہا۔

ہوسپٹل کے کوریڈور تک پہنچے وہ ہاتھوں میں عناب کو اٹھاتا زرد پڑتے چہرے سے چینخا، وہ چینخا کہ ہے کوئی جو اس ننھے وجود کی اکھڑی سانس بحال کرے، ہے کوئی ایسا جو اس مسلی کلی کی خوشبو اسے لٹا دے، ہے کوئی ایسا جو اس بچی کی اذیت ختم کر دے۔

یا اسے پوری زندگی دے دے یا پھر اس اذیت سے چھٹکارا۔

ہوسپٹل کا عملہ فوری اس جانب دوڑا، وھاج سکندر کی آنکھوں کے آگے اپنے فرض کو ادا کرتے ہی اندھیرا چھا گیا اور وہ بے جان ہوئے عین آئی سی روم کے باہر گر پڑا۔

کہرام مچ چکا تھا، اس بچی کے ساتھ آخر ایسا بے رحم سلوک کرنے والا درندہ کون تھا، اس بچی پر اتری قیامت پر زمین نہ کانپی نہ آسمان لرزا، زیادتی کا نشانہ بننے والی ایک اور بچی، ایک اور معصوم کلی، جو مسل دی گئی تھی۔

یہ اذیت ناک قہر ہر فرد کی روحوں پر ہتھوڑے سا برسا تھا، ہر کوئی ماتم میں تھا، ایک سی قیامت کئی جگہوں پر ٹوٹ گری تھی۔

عائش ہمانی کو کچھ نامعلوم لوگ دبوچ کر گھسیٹ رہے تھے، سڑکوں پر، کھلے نالوں کے آس پاس، پتھریلی ڈھلوانوں پر، کچی مٹی سے بنی زمین پر، اینٹوں سے بنے راستوں پر۔۔۔۔۔

کاشان ہمانی کو علم تھا بس سچائی کا، اور وہ آگہی کے بعد ویسا ہی کانپا تھا جیسا آج زمین کانپی تھی۔

یو آن کا سفر لامتناہی تھا، آٹھ سال کی عمر میں شروع ہوتی اسکی دوڑ اب کہاں رکنی تھی یہ وقت طے کرنے والا تھا یا پھر وہ انسان جسکی گاڑی کے سامنے آجانے پر اور اسکے بروقت بریک لگانے کے باوجود یو آن گر کر

بیہوش ہو گیا تھا، اسکے ماتھے پر چوٹ آئی تھی، وہ آدمی نا جانے کون تھا مگر اس نے یو آن کو اپنی بازوؤں میں اٹھائے رازداری سے اپنی گاڑی میں ڈالا اور گھپ اندھیرے میں اندھیرے کی طرح حلول ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج کی اس ہیبت ناک زردیوں میں ڈھلی سحر کے دامن میں یاسیت اور قنوطیت کی انتہا تھی وہیں اردگرد حبس زدہ ملگجی اندھیرا اب تک جنگل نما اس دشت کی مانند دیکھائی دیتے ویرانے پر چھایا ہوا تھا۔

دور کسی جن زادے کی طرح کسی انسان کو گھسیٹ کر لاتا وہ شخص اس تک کی پرواہ نہ کر رہا تھا کہ اس گھسیٹے جانے میں اس زمین پر رگڑے جاتے، دھاڑیں مار کر سسکتے، روتے، تڑپتے وجود کے جسم میں کیسی اور کس طرز کی اذیت نمودار ہو رہی ہے۔

" نجس وجود، تجھ پر زمین و آسمان کیوں نہ ٹوٹے بدذات۔۔۔۔"

تاریکی کے بیچ دھاڑ نما گرج پر زمین پر گھسیٹے جاتے وجود کے حلق سے دلخراش چینخ نکلی، کیونکہ کاشان ہمانی کا بھاری ہاتھ اسکی ٹانگ کے گرد دباو بڑھائے اپنے بھاری قدموں کی رفتار بڑھا چکا تھا جسکے باعث کھردری زمین پر پڑے پتھروں سے اس گھسیٹے جاتے مجرم کے سر سے خون کا فوراہ پھوٹ پڑا۔

جیسے جیسے اسے پٹخا گیا وہ گلا پھاڑ کر دھاڑ رہا تھا، آج وہ اس درندے کو پچھاڑ کر رکھ دینے والا تھا۔

ہلکی ہلکی سحر میں زمین پر اب گھسیٹنے سے بنتی لکیریں لہو سے بھرتی جا رہی تھیں لیکن آج وہ ہرگز ترس کھانے والا نہ تھا۔

آج اس نے اپنے سینے میں جلتی ایک آگ بجھانے کا فیصلہ لے لیا تھا۔ ایک ایسی جنگ کا خاتمہ کرنا تھا جسکی تباہ کاریاں اسے اب نوچ کھانے لگی تھیں۔

کچھ دیر بعد فاصلہ تھما وہیں کچی زمین کو اسکے آدمی پہلے ہی کھود کر گھڑا بنا چکے تھے، اس گھڑے کے ایک طرح اس سے نکلی مٹی کا ڈھیر لگا تھا، عبرت پر ہنس رہا تھا، زمین پر رگڑا گیا وہ شخص اس کھودی زمین کو دیکھ کر بلبلانے لگا، خوف اور اذیت سے اسکی آنکھیں سرخی میں ڈھلیں۔

کاشان ہمانی کو یہ ساعت منحوس لگی، ایسا فرض بوجھ لگا جسے اتارنا اسکی جان پر عذاب سا تھا، وہ جانتا تھا جس دنیا کا وہ پائزن ہے اس میں مجرم کی کوئی پکڑ نہیں تھی، خاص کر ایک زانی کی، ایک قاتل کی، انصاف ملنے میں یہاں جوان بوڑھے اور بوڑھے قبر نشئین بن جاتے تھے، وہ یہ انصاف خود اپنے ہاتھ سے کرنا چاہتا تھا۔

"آج رونے، چینخنے یا گڑگڑانے کی ضرورت نہیں تجھے۔ جو کر کے آیا ہے اس پر تیرے جسم کی بوٹی بوٹی نوچنی ہے مجھے۔ سب سے پہلے اسکے ہاتھ آپاہج کرو۔۔۔ جن سے اس نے اس معصوم اینجل کو چھوا۔۔۔"

عائش کی ٹانگ چھوڑ کر اپنے ہاتھ جھاڑے وہ دو قدم کا فاصلہ بنائے اپنے سامنے کھڑے جلاد نما گن مین گارڈ کو حکم دے چکا تھا جس نے فوری سر ہلائے زمین پر ہاتھ پیر چلا کر دھاڑیں مارتے عائش کے دونوں ہاتھ باری باری زمین پر لے جا کر جوڑے دونوں میں باری باری کیل ٹھونکی، عائش کی لرزا خیز چینخیں اس سنسان جنگل کو تھرا کر رکھ گئیں، خود کاشان نے ناگواری سے منہ موڑے گہرا سانس اس گھٹن کے سپرد کیا۔

لگاتار پانچ منٹ تک عائش درد سے بلکتا رہا، اور کاشان خاموشی سے اسکی تکلیف سے لرزنے، کانپنے اور بے جان ہونے کو دیکھتا رہا۔

"اب ایک گولی اسکی دوسری ٹانگ میں مارو جو میرے معاملات میں اڑانے میں سب سے آگے تھی، ویسے بھی ایک ٹانگ کا کیا فائدہ۔ یا تو دو ہوں یا ایک بھی نہ ہو"

تمسخر اڑاتا وہ ہراساں خون برساتی آنکھوں والے بے حال عائش کو دیکھتے اگلا آرڈز دیتا بولا، گولی کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی عائش کی دلخراش کپکپی طاری کر دیتی دھاڑیں از سر نو اس سنسنان جنگل میں گونجیں۔

"بس۔۔۔۔ باقی کا عذاب اسے یہ قبر خود دے گی"

رو تڑپ کر جب عائش کی آواز بند ہوئی تو وہ اپنے آدمیوں کو رک جانے کا اشارہ کیے عین زمین پر بمشکل سانس لے کر بلکتے روتے اور کراہٹیں گھوٹتے عائش ہمانی کے پاس ہی زمین پر پیروں کے بل بیٹھے اسکی اس حالت پر استہزائیہ ہنسی سے دیکھا۔

"م۔۔۔ مجھے م۔۔ معاف ک۔۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ عائش درد کی زیادتی کے باوجود ہمت کیے گڑگڑاتا، کاشان نے اسکا زخمی جبڑا اس شدت سے اپنے ہاتھ میں لیے دبوچا کہ وہ کراہ اٹھا۔

پورے وجود میں ویسے ہی تکلیف انتہائی رچ بس چکی تھی۔

"دو سال پہلے وہ لڑکی بالغ تھی، خوبصورت تھی۔ مغرور تھی، مائل کر دیتا حسن تھا اسکا تبھی تو بہک گیا، تب بھی سزا میں نے اپنے ہاتھ رکھی کہ غلطی تو انسان سے ہی ہو جاتی ہے۔ میں نے تجھے دو سال تب بھی اس گندے فعل کی پوری سزا دی تھی عائش، کیونکہ تو نے اس دنیا کا سب سے بڑا گناہ کیا تھا۔۔ وہ بھی دانستہ۔۔۔۔"

ہنوز جبڑا دبوچے وہ عائش کی نجس آنکھوں میں آنکھیں گاڑے اسکے رونے کو یکسر نظر انداز کیے بول رہا تھا جو اب اپنی موت آنکھوں کے سامنے ناچتی دیکھ کر تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"لیکن جو تو نے اب کیا ہے وہ نہ تو غلطی تھی نہ جرم بلکہ وہ انسانیت اور معصومیت کا قتل عام اور گناہ کبیرہ تھا۔ وہ بچی تھی، کم سن، معصوم، ابھی تو اسکا نازک سا جسم کسی صنف نازک کے سانچے میں بھی نہ ڈھلا تھا، ابھی تو وہ گلاب کے پودے پر لگی نئے پھول کی آمد جیسی شفاف تھی، پانی جیسی صاف اور نرم، گدلا کر دیا تو نے اس شفاف پانی کو۔

اگر میں نے تجھے آج ختم نہ کیا عائش تو کل کو تو اپنی اولاد بھی کھا جائے گا، تو آدم زاد ہے۔ جب کوئی انسان آدم زاد بنے تو اسے انسانیت کی بقا کے لیے کاٹ کر زمین کی تہہ میں گاڑ دینا ہی عقل مندی ہے"

کاشان ہمانی کی وحشت ناک آنکھوں میں اس تکلیف کا احساس دہک رہا تھا جو اس بچی پر ٹوٹی تھی، وہ تو اب تک کانپ رہا تھا، اسکا پورا وجود سن تھا، اسے سننے والا پور پور ملامت اور تعفن زدہ وہ وجود ایک قاتل کے ساتھ ساتھ ایک زانی کا تھا۔

جسکا مکمل فیصلہ کاشان ہمانی نے لینا تھا۔

"م۔۔ مجھ پر شیطان حاوی ہ۔۔ ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔ ایک ب۔

بار معافی د۔۔۔۔۔"

اپنی موت سے مفر کو وہ پھر سے سسکنے لگا مگر کاشان اسکے ان لفظوں تک سے بدبو آتی محسوس کرتا اسکی زبان روک دینے کو اسکے جبڑے اس سختی سے نوچ گیا کہ عائش زمین پر سر تا پا پھڑکنے لگا۔

اسکی سانس بھی اب اتنے درد پر متاثر ہو رہی تھی، دونوں ہتھیلوں میں گاڑی گئی کیلیں خون بہا بہا کر تھک چکی تھیں، عائش کی دوسری ٹانگ بھی اسے مفلوج محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک بار پھر وہی غلطی نہیں کروں گا، لوگ تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جائیں گے لیکن تیرا پتا تیری جہنم جیسی قبر کے سوا کسی کے پاس نہ ہو گا۔ میں تجھے زندہ گاڑوں گا آج عائش، تا کہ کل کو اس بچی کے سر پر ہاتھ

رکھتے مجھے شرمندگی نہ گھیرے، بلکہ رشک محسوس ہو کہ میں ہوں وہ جس نے اس معصوم بچی کے ایک مجرم کو جہنم واصل کیا"

سر تا پا اس زرا زرا کانپتے نجس وجود پر اک آخری متنفر نگاہ ڈالتا وہ اٹھا اور اسکی وہی ٹانگ پکڑے بنا عائش ہمانی کی چینخ و پکار کی پرواکیے اسے اس گھڑے میں دھکیلا، گرنے کے باعث عائش ہمانی کے جسم کی ناجانے کتنی ہڈیاں ایک ساتھ چیخ گئیں مگر کاشان اپنے آدمیوں کو اس پر مٹی پھینکنے کا اشارہ کر گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے عائش ہمانی کی دھاڑیں، روح جنجھوڑتی چینخیں اور دہائیاں مٹی کی تہہ تلے دب گئیں، اسکے لوگ مٹی ڈالتے رہے اور کاشان پتھر کا بت بنا کھڑا اس گھڑے کو پر ہوتا دیکھتا رہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسکی آنکھوں میں نمی اتر آئی، وہ سارے لمحے آنکھوں کے سامنے لہرائے جب جب اس نے عائش پر اپنا پیار لٹایا، اسکی جانب سے دھتکار پر بھی وہ پہروں بیٹھ کر روتا رہتا۔

پھر بھی اس فتنہ پرور عائش کو تسلی نہ ملتی تو وہ اپنی دادی کے پاس جاتا، فردوس ہمانی پھر کاشان کو سزا دلواتی۔

کاشان کی شرٹ اتروا کر وہ دادی ایک چھوٹا سا ہنٹر عائش کو تھما دیتی جو تب تک وہ ہنٹر کاشان پر برساتا جب تک عائش تھک نہ جاتا، یہ کھیل کئی سال تک جاری رہا تھا، آج بھی کاشان کو محسوس ہوا کہ اسکا یہ سوتیلا بھائی اسکی روح پر اب تک کا سب سے گہرا ہنٹر برسا گیا ہو۔

گھڑا ابھر گیا تھا، اسے ہموار بنا کر قبر جیسی کوئی نشانی نہ دی گئی، گناہ گاروں کو قبر نہیں ملتی، وہ یا تو فنا ہوتے ہیں یا پھر زندہ در گور۔

دیکھتے ہی دیکھتے صبح کا سویرا اپھیل گیا، وہ یہ کھیل ختم کر چکا تھا، اس جگہ اس نے اپنا ضبط بھی دفنایا تھا۔

وہ اسے اب تک صرف بابا کی اولاد کے ناطے عزیز تھا لیکن اسے محسوس ہوا جیسے اسکے یوں کرنے نے اس شخص کی سلگتی روح بھی شانت کی تھی۔

"میں بھی تو گناہ گار ہوں، ایک دن مجھے بھی کوئی یونہی زندہ گاڑ دے گا۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا"

اپنے لوگوں کو جانے کا کہتا وہ خود کچھ دیر وہیں رکا، کچھ فاصلے پر درخت کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر بیٹھ کر نظر اسی عبرت ناک جگہ ڈالے خود کو آئینہ دیکھایا۔

"میں تھک گیا ہوں، اس سے زیادہ مت آزمائیں۔ یا پھر میرے نامراد دامن میں صبر ڈال دیں۔ ایسا صبر کہ میں وفا سے دور رہنے کے فیصلے پر قائم رہ سکوں، مجھ سے مزید کچھ ہو گیا تو۔۔۔۔ مجھے پھر سے پھول بیچنے والا بچہ بنا دیں، جو زمانے کی ٹھوکروں پر تو تھا لیکن پاک تھا، گندا میلا اور ناپاک مجھ سا شخص کہاں جائے۔۔۔۔۔"

وہ پل بھر میں مسمار ہو گیا تھا، اپنے ہاتھ سے کیے اتنے بڑے انصاف کے بعد اسکے بھاری اور توانا وجود میں ہمت مفقود ہو چکی تھی۔ نا جانے وہ کتنا چلا تھا کہ جنگلی راستہ کہیں دور چھوٹ کر وہ در آ گیا جہاں گندا، میلا اور ناپاک، دھل جاتا تھا۔

وہ کتنی دیر بے یقینی سے اس شہری آبادی سے یکسر دور بنی اس سفید مسجد کے باہر کھڑا دیکھتا رہا، اتنی دیر کے اسکی آنکھیں پتھرا اور بصارت دھندلا کر رہ گئی۔

"یہ جگہ میرے لیے نہیں"

اپنی کم عقلی پر دلخراش سی بے آس کیفیت طاری کیے وہ پلٹا ہی جب کسی شفیق، روح سہلاتی پکار پر کاشان ہمانی کے مڑتے قدم تھم گئے۔

"مسجد تک آئے ہو تو کیا بنا اس رب سے ملاقات کے چلے جاؤ گے بچہ"

وہ مڑا تو سامنے مدھم گلابی اور سفید آمامہ پہنے سفید سوٹ میں ملبوس نورانی صورت والے بزرگ مسکراتے نقوش کے سنگ حیرت سے گویا ہوئے۔

کاشان کے وجود نے اک جھرجھری لی، کیا وہ ملاقات جو اس نے ضد میں ترک کی اب تک وہیں رکی ہو گی، اپنی خوش فہمی پر وہ تڑپ سا اٹھا۔

وہ بزرگ مسلسل ہی کاشان کی اذیت سے بدلتی کیفیت پرکھتے رہے جو فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ اب اسکا راستہ کس جانب ہے۔

"میرا یہاں کوئی کام نہیں، میں بے دین آدمی ہوں"

سپاٹ چہرے کے سنگ وہ اپنی بات باور کرواتا بہت کٹا ہوا لگا، اک لمحے کو ان بزرگ کے ماتھے پر شکنیں اتریں مگر اگلے ہی پل وہ پہلے سے زیادہ گہرا اور طمانیت بخش مسکائے۔

" تمہیں کس نے کہا کہ یہ بس دین والوں کے لیے ہے، یہاں تو ہر کسی کا کام نکلتا ہے بچہ، گناہ گار کا بھی، پرہیز گار کا بھی۔۔۔ آو اور اپنا حصہ ڈالو۔۔۔ اگر دس الجھنیں یہاں لاو گے تو ایک تو سلجھ ہی جائے گی، اور اس ایک کے سلجھنے کی خوشی تم کو باقی نو کی فکر سے آزاد کر دے گی"

وہ اپنے نرم لہجے سے کاشان ہمانی کو اپنے لفظوں کے سحر میں مبتلا کیے اس الجھے شخص کو دیکھ رہے تھے۔

" دس گناہ لاو گے، کم از کم ایک کا اعتراف تو کر ہی بیٹھو گے، اس ایک کا اعتراف ہی تمہاری بخشیش کے سفر کی ابتدا بنے گی، اس ایک ہی سے تم ابتداء کرو گے۔ ایک گناہ بخشوانے کی کوشش ایک دن تمہارے وہ دس گناہ بھی مٹانے تک ضرور پہنچے گی"

وہ مزید بولتے گئے اور کاشان ہمانی پر گہرے راز کھلتے رہے، وہ اپنے اندر سے اٹھتی کرنوں کی روشنی کی پیروی کیے ان کے ساتھ اندر بڑھا، اسکے قدموں میں لرزا تھا، وہ ہر قدم پر ڈگمگا رہا تھا۔

فجر کی نماز اس نے نجانے کتنے سالوں بعد ادا کی تھی، بے چینی، اذیت، تکلیف اور بے قراری کم ہونے پر آنے لگی تھی، بس اتنی ابتدا کافی تھی، وہ یہ بھاری فرض ادا کیے فوراً سے بیشتر مسجد سے نکل گیا، بہت اجلت، بہت بے قراری کے سنگ، جیسے یہ سفر ابھی اسکے لیے طے کرنا ناممکن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ڈاکٹرز کسی کو بھی ملنے کی پرمیشن نہیں دے رہے۔ جیسے ہی اسکی حالت سٹیبل ہو گی میں تمہیں انفارم کر دوں گا"

آئی سی یو روم کے باہر کوریڈور میں کھڑا عون فون کان سے لگائے کانٹوں پر رینگتی، آگ پر جلتی وفا کو بہت تحمل سے تاکید کرتا خود سامنے قیامت خیز ماتمی چہروں کو دیکھ رہا تھا، ابھی تو یہ آغاز تھا۔

اپنے روم میں تکلیف کی زیادتی سے چکر کاٹتی وفا کے تو آنسو تک خشک ہو گئے تھے، اوپر سے اس ننھی جان کو دیکھ نہ سکنے کا دکھ، اور بخاری ولا پر ٹوٹتے قیامت خیز دن کی اذیت کم کرنے کو وہ جا بھی نہ سکی تھی۔

"کس نے کیا ہے یہ عون؟"

بمشکل بیڈ کا سہارا لے کر بیٹھتی وہ اس درجہ ملال سے بولی کے آواز آنسوؤں نے نگل لی۔

"وھاج ہی بتا سکتا ہے وفا، اسے گولی لگی تھی۔ جب تک وہ ہوش میں نہیں آتا، ہم سبکی یہ سوہان روح کیفیت نہیں بدل سکتی"

عون کی یاسیت بھری بات وفا کو بھی گھائل کر گئی تھی۔

"مجھے اب ڈیٹ دیتے رہنا عون۔ میں بھی کاشان کا ویٹ کر رہی۔ وہ آئے تو میں آتی اجازت لے کر، ابدال ٹھیک تو ہے؟"

گھڑی کی جانب بیتابی سے تکتی وہ رات کے گزرنے کے بعد اب صبح کے نو بجنے کے باوجود کاشان کے نہ آنے پر سخت غصہ بھی تھی، اوپر سے ہمانی حویلی کے گارڈز کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ اسے کاشان سر کی اجازت کے بنا جانے نہیں دے سکتے۔

صبح سے تو زویا بھی حویلی میں موجود نہ تھیں۔

"پتا نہیں وفا، وہ کچھ بول نہیں رہا۔ بس چپ چاپ منیہا کے ساتھ لگ کے بیٹھا ایک ہی جگہ گھورے جا رہا ہے۔ میں باقی سب کو تو سنبھال لوں گا مگر ابدال کی حالت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی، تم آو اور اسے گھر لے جاو"

اس بار عون کی آواز بھی تکلیف سے لرزی تھی۔

"آہ ابدال، میں تمہاری کون کون سی تکلیف پر رووں، میں جلدی آتی ہوں عون"

وہ اس سے زیادہ بات کر ہی نہ سکی اور رندی آواز سے کہتے ہی فون بند کیے بیڈ پر بیٹھے ضبط قائم نہ رکھ سکی، وہیں منیہا کی آنکھیں بھی اس حواس پر بھاری تکلیف کو سہہ کر متورم ہو چکی تھیں اور وہ ابدال کی پتھرائی سی کیفیت پر عون کے فون رکھتے ہی خوفزدہ ہوئے اسے دیکھنے لگی جو خود ابدال کے پاس ہی آ کر بیٹھا اسکے یخ سرد پڑتے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے اسکی تسلی کے لیے لفظ ڈھونڈنے لگا۔

منیہا کی حالت بھی ابدال سے مختلف نہ تھی مگر نا جانے کیسے وہ ضبط کرتی کرتی اب خود بھی کمزور ہو رہی تھی، ایک کے بعد ایک دل چیرتی حقیقت اسکے نازک سے دل کو کرچیوں میں بانٹ گئی تھی۔

نہال بخاری گہری رات کی جان سوز آگاہی کے بعد کس ویرانے کو کوچ کر گئے تھے یہ ابھی تک وحید صاحب کو پتا نہ چلا، کل رات سے اب صبح تک وہ نہال کی تلاش میں تھک چکے تھے مگر پھر کسی ان نون نمبر سے آتے میسج نے انکی نہال کی طرف سے تکلیف کم کی جس پر وہ بھی اسکے بعد تھانے چلے گئے، عائش ہمانی کی ہر جگہ تلاش کی جا رہی تھی، وہ چند لوگ جو وھاج نے مارے اور جو زخمی کیے، ان سے پوچھ گچھ کے نتیجے میں عائش ہمانی کے چند خفیہ اڈے معلومات میں آئے تھے تب سے پولیس ایکٹیو تھی، جگہ جگہ ناکے لگ چکے تھے، پولیس کا پورا محکمہ حرکت میں آچکا تھا، لیکن عائش ہمانی کہاں تھا یہ تو اب بس اسکی قبر جانتی تھی۔

کیا وہ اس قابل تھا کہ اسے زمین قبول کرتی؟ کیا یہ کہانی واقعی اتنی جلدی ختم ہو گئی تھی، یہ تو کوئی نہ جانتا تھا سوائے آسمان و زمین کے مالک کے۔

عون کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی مردہ انسان کا ہاتھ تھاما ہو، اس معصوم صدمے سے حواس کھوئے ہوئے بیٹھا، جسکی آنکھوں میں تیرتا پانی اور چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان اک خاموش ماتم کے ترجمان تھے، وہ جیسے چپ تھا بلکل یوں کہ اس سب کے بعد رہا سہا مر گیا ہو۔

آزردگی سے وہ ابدال کا زرد سپید چہرہ اپنی جانب موڑ رہا تھا مگر ابدال نے فوری اسکا ہاتھ نفرت اور تکلیف سے جھٹکے خود کو واپس پتھر کر لیا۔

کچھ پل پہلے جس طرح ابدال نے عون کو دیکھا وہ نظر عون وحید بخاری کو اپنے سینے پر چلتے خنجر کی مانند لگی۔

اسکی حالت سمجھنا عام انسان کے بس کی بات ہی کب تھی، اسکی پری اندر زندگی اور موت سے لڑ رہی تھی اور وہ واقعی سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

جبکہ عون پر تو دگنا بوجھ تھا، امانت کھو گئی تھی اور مسکراہٹ جیسی عناب اس اذیت زدہ سفر پر گامزن تھی جسکا سوچنا بھی اسکی روح نکال رہا تھا۔

اس وقت صبر ملنا ناممکن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اگر میں بروقت نہ آتی تو آپ۔۔۔۔۔۔"

سحر سے صبح ہوگئی لیکن وہ اس شخص کی نہ تو تکلیف میں کمی کر پائی نہ دکھ ہلکا کر سکی، خودکشی کرنا آسان تھا کیا؟

نہال بخاری جیسے انا پرست، خود غرض اور گھمنڈی کے واسطے۔۔۔۔

خودکشی کرنے والا اس لمحے کتنا بے بس ہوتا ہوگا یہ تو وہی جانتا ہے، ایک بار تو وہ کرب سے سوچتا ہی ہوگا کہ یہ موت ہی کیوں آخر؟

مار دینے والا کب جانتا ہے موت کی اذیت، یہ درد تو صرف موت کو گلے لگانے والا ہی جانتا ہے کہ وہ بے موت مر رہا ہے۔

زویا اس ویرانے میں، اس غیر معروف شہری آبادی سے پرے کی سڑک کنارے بیٹھی اس پور پور شکستہ شخص کو بے موت مرنے کے تو بچا گئی لیکن اب اس انسان کو بچوں کی طرح سسکتا اور روتا دیکھ کر اپنے آپ کو بے جان محسوس کر رہی تھی۔

"وہ ٹھیک تھا عناب کے لیے، لیکن میں نے اپنے ان بدبخت ہاتھوں سے اپنی بچی کا سایہ چھین لیا ہر قدم پر۔ وہ ٹھیک تھا زویا کہ وہ اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل کرنے پر روتا تھا، بلکتا تھا۔ کیونکہ اسکا محافظ صرف وہی تھا، جب جب وہ اس سے دور ہوا، عناب تکلیف میں چلی جاتی تھی۔ اس بار بھی وہ میرے کیے فیصلے سے ٹوٹ گیا، وہ بکھر گیا تبھی چلا گیا۔ اور عناب پر یہ قیامت ٹوٹ گئی۔

اس سب کا قصوروار اگر کوئی ہے تو وہ نہال ہے، میں ساری زندگی ابدال اور عناب کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔ بس اب مزید مجھ پر زندگی حرام ہے"

زویا کو تو بس ڈوبتی ابھرتی سسکیوں، آہ و بکا سے اٹی اذیتیں اور بے پناہ رنج سنائی دیا۔

"یہ سب مقدر کے فیصلے ہیں، ایسے تہامت کریں اپنے بچوں کو۔ اس وقت اس معصوم زندگی اور موت کی جنگ لڑتی پری کو سب سے زیادہ اپنے بابا چاہییں۔ وہ جس قیامت سے گزری ہے، اس پر سب بہت بھاری ہو گیا ہے۔ پلیز خود کو سنبھالیں۔ اس بچی کے گناہ گار کو قیامت تک تکلیف سہنی پڑے گی ان شاء اللہ، وہ قبر میں بھی چھپ جائے، کاشان اسے زمین کھود کر بھی نکال لائے گا۔ اگر ایک بار پھر آپ نے اپنے بچوں کو نظر انداز کیے اپنی تکلیف اور اذیت کو اہمیت دی تو وہ مزید بکھر جائیں گے۔ خدارا اس بار انکو سمیٹ لیں"

شاید اس وقت اگر زویا نہ ہوتی تو واقعی وہ اس ذہنی ابتری کے باعث اپنی جان لے لیتے، زویا نے تاسف اور رحم طلب انداز لیے اپنی ساری ہمت ہی اس شخص میں منتقل کر دی جو کہیں دل کے نہاں خانے میں اب بھی پوری آب و تاب سے دھڑکتا تھا۔

وہ خبر ملتے ہی حویلی سے نکل آئی تھی، بس نہال بخاری کی تلاش میں اور تب سے وہ اس شخص کے رنج کی ساتھی بنی اسکا غم اپنے دل میں بھی کہرام مچاتا محسوس کر رہی تھی۔

کون کودتا ہے پرائی آگ میں؟ صرف محبت کرنے والے، خود کو دوسروں کے زرا سے سکھ کے لیے مٹا دینے والے۔

"وہ کیسے سروائو کر سکے گی زویا، اسے تو زرا سے ان سیوچ سے بھی کئی تکلیفیں ہلکان کر دیا کرتی تھیں۔ وہ جو سورج کی تپش اور سردی کی لہر تک نہیں سہہ پاتی وہ کیسے اس سب کے بعد جی سکے گی۔ اگر اسے کچھ ہو گیا زویا

توک۔۔کیا منہ دیکھاوں گا کل کو ہادیہ کو، اسکی آخری امانت میرے ہوتے ہوئے نوچ کر مسل دی گئی۔۔۔۔۔اس دن کو دیکھنے سے پہلے کاش میری سانس رک گئی ہوتی۔۔۔۔۔۔"

اپنے سینے پر بنی ہادیہ کی قبر کے بعد وہ ایک اور قبر کا بوجھ سہنے کے قابل کب تھے، آج تو بس آنکھیں بنجر، وجود دہکا ہوا انگارہ اور دل بھڑکتی آتش کا روپ دھارے تھی، وہ شخص اتنی اخیر اذیت میں دیکھنے کو ملے گا یہ تو زویا کبھی نہ جانتی تھی۔

"ہم سب ہیں ناں، اسے کچھ بھی نہیں ہو گا۔ دیکھیے گا وہ اس سب سے لڑ جائے گی۔ ڈاکٹرز اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ سب کی دعائیں اسکی اکھڑتی سانس کو بحال کریں گی۔ مت روئیں، مت تکلیف دیں۔ چلیں۔ اسے آپکی ضرورت ہے، اب اسے آپکی سب سے زیادہ ضرورت ہے"

وہ جو خود رو رو کر تھک سی گئی تھی، اس شخص کو اس راستے کے لیے قائل کرتی بھرائی آنکھوں میں امید کا دیا روشن کیے اپنا ہاتھ نہال بخاری کے آگ کی طرح جلتے ہاتھ پر رکھے بولی اور وہ اسکی جانب دیکھ کر یہی سوچ رہے تھے کہ اس عورت نے آج بھی انکا تماشا بننے سے بچا لیا تھا۔

کیا ایسی محبت گنوا دینا ہی نہال بخاری کا سب سے بڑا خسارہ نہیں تھا؟ کیا زویا کو تکلیف دینے کے بعد اب وہ اسکے کسی حق نہ ہونے کے باوجود تکلیف کم کرنے پر تڑپے نہ تھے۔

آج وہ خود اندھیرا ہو کر بھی اپنا ہاتھ بڑھانے آئی تھی تاکہ آخری سانس تک نہال بخاری کے لیے بہترین کرنے کے دعوے پر پوری اتر سکے۔

محبت تو وہی ہے جو لگ جائے، کسی وبا کی طرح یا پھر کسی دعا کی طرح۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہمم۔۔۔ تو یہ ہے یو آن فارس شاہ۔ خیال رکھو اسکا۔ وحشیوں کی جنگ میں یہ ایک انسان کی امانت ہے میرے پاس۔ اسکا خیال ہے کہ اسکا میڈیکل چیک آپ کروایا جائے"

یہ ایک نیم روشن سے بیڈ روم کا منظر تھا جس میں ہر چیز براون شیڈ دیتی نظر آ رہی تھی، دیواریں اور فرش پر بچھے ایرانی قالین بھی کتھئی رنگ کے نقش و نگار سے مزین تھے، جہازی سائز بیڈ جس کے ایک کنارے بے سدھ ہو کر لیٹا یو آن جسکے ماتھے پر بندھی سفید پٹی سے خون کا دھبہ آویزاں تھا، اس کے عین روبرو کھرے سیاہ قمیص شلوار میں لپٹے اس آدمی نے کمر پر ہاتھ باندھے اپنے سامنے کھڑے سادہ لوح پکی عمر کے ان آدمی سے بات کرتے کہا، اس سیاہ سوٹ میں لپٹے انسان کی پشت دیکھائی دے رہی تھی، سیاہ سوٹ پر بھوری چادر اوڑھے وہ یو آن شاہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا انکو شبہ ہے کہ اس کے ساتھ بھی کچھ کیا گیا؟"

اس پر اسرار آدمی کی یہ بات سن کر وہ بزرگ خاصے تفشیشناک ہوئے مگر مقابل کے ساکت وجود میں جنبیش نہ ہوئی۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا خیر دین، لیکن ہمیں مکمل اطمئینان کرنا ہو گا۔ تم میری ٹیم کو خبر دو کہ وہ تیاری کریں۔ اور کوشش کرنا جب تک اسکا زخم مندمل نہ ہو جائے، یہ جاگنا نہیں چاہیے۔ اسے دو تین ہفتے یہاں رکھنے کا آرڈر ہے اسکے بعد وہ ہی بتائے گا کہ اسکو کہاں بھیجنا ہے"

ہنوز چھپا ہوا وہ چہرہ اب بھی ویسا ہی تھا مگر اسکی نرم طبعیت اور مہربان انداز اسکے میٹھے لہجے سے عیاں تھا۔ خیر دین نے اثبات میں سر ہلائے اسے پوری تسلی دیے یو آن شاہ کا خیال رکھنے کی یقین دہانی کروائی جسکے بعد وہ شخص بھی اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

ساری رات مہکار جس اذیت سے گزری تھی یہ تو اب تک کی تکلیفوں سے کہیں گنا تھی، اپنی اولاد کی گمشدگی اور پھر وہ جذبہ جو عون کے لیے رحم بن کر اسکے بچے کی حفاظت میں مہکار پر طاری تھا، یو آن کی گمشدگی اس جذبے کو ایک ہی پل میں نوچ چکی تھی۔

ساری رات رو رو کر یو آن کی زندگی مانگنے کے بعد اب وہ اجڑی معلوم ہو رہی تھی، کاشان ہمانی اسکی کوئی کال ریسو نہیں کر رہا تھا۔

وہ ایک طرح واقعیٔ اس قبر نما کمرے میں بے بس پڑی تھی۔

دوسری طرف مسجد سے نکل کر وہ گاڑی لیے سیدھا ایک کچی بستی میں گیا تھا، کاشان نے اپنی شناخت چھپانے کو سر پر ہیٹ پہن رکھی تھی، وہ یہاں صرف غفار کی تلاش میں آیا تھا۔

اپنے دونوں گارڈز کو گاڑی میں ہی انتظار کا کہتا وہ ان تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہوتا گیا، صبح کی پرنور روشنی پھیلتی جا رہی تھی، ارد گرد روز مرہ زندگی کے کام تیزئ سے سرانجام دیے جا رہے تھے۔

لگ بھگ تین گلیاں عبور کرتے ہی ایک جامنی رنگ کے گیٹ والا گھر آیا جسکے سامنے کاشان رک چکا تھا۔

بیل پر ہاتھ رکھے گھنٹی بجائے خود وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔

اندر سے کسی آدمی نے باہر نکل کر گیٹ میں بنے سوراخ سے باہر دیکھا، سامنے کوئی نہ تھا۔

پھر کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا ہی تھا کہ باہر سے پڑتے دباو پر وہ جھٹکے سے دور جا گرا۔

کاشان نے اندر داخل ہوتے ہی دروازے پر کنڈی لگائی اور بنا زمین پر خوف سے تھر تھر کانپتے غفار کے دوسرے ساتھی عامر کو گریبان سے دبوچ گھسیٹ کر کھڑا کیا جسکی اب تکلیف سے آنکھیں باہر ابل آئیں۔

"کہاں ہے وہ بد بخت، کس گندی نالی میں جا کر چھپا ہے۔۔۔۔"

دانت نکوسے کاشان پوری قوت سے دھاڑ تا اس آدمی کا جبڑا دبوچ چکا تھا اور غصے میں اس قدر شدت تھی کہ کاشان ہمانی کی انگلیاں اسے اپنے جبڑے کو مسلتی محسوس ہوئیں تبھی وہ حلق کے بل دھاڑا۔

"ن۔۔۔ نہیں پتا ک۔۔۔ کاشان سر۔۔۔ وہ کل ہی ی۔۔ یہاں سے چلا گیا اپنا سامان لے کر"

بولنے کی کوشش میں اس آدمی کی آواز لرز گئی اور خوف سے وہ پورا کانپ بھی گیا۔

کاشان نے رحم کھائے اسکا جبڑا ڈھیلا چھوڑے اس بار اسکے سر کے بال ہاتھوں میں لپیٹ کر نوچے۔

"کہاں گیا ہے؟ کچھ بھی جو تجھے پتا ہے فوری بتا مجھے۔۔۔۔ چھوٹی سے چھوٹی بات۔۔۔۔۔ ورنہ آج تیری قبر یہیں کھود دوں گا"

اس بندے کے جلال سے تو زمین بھی کانپتی تھی پھر ان چھوٹے موٹے مجرموں کی تو جان نکل جاتی، کاشان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے بھی اس شخص کو ڈھونڈ کر ویسی ہی قبر کھود کر گاڑے جس نے کاشان ہمانی کو دھوکہ دینے کی جرت کی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ ڈینمارک جانے کی بات کر رہا تھا۔۔۔۔ نا جانے کیسے لیکن غلط طریقے سے ہی۔۔۔۔ مجھے بس اتنا پتا ہے کہ وہ عائش صاحب کے ساتھ پہلے سری لنکا پھر وہاں سے ڈینمارک جانے والا تھا۔۔۔۔ اور مجھے کچھ پتا نہیں"

آخر کار اس آدمی نے اپنی جان بخشی کو سارا سچ اگل ڈالا، لیکن تب بھی کاشان کو چین نہ آیا تو اسکی گردن گھسیٹ کر وہ اسکے گھر کے اندر آیا۔

دو کمروں، ایک باورچی جانے اور ایک باتھ پر مشتمل چھوٹے سے صحن والا یہ گھر تھا جسکے چپے چپے کی کاشان اسے ساتھ گھسیٹتا تلاشی لے رہا تھا۔

ایک کمرہ کھولے وہ اس عامر نامی آدمی کو ایک طرف پٹخ کر پورا کمرہ تہس نہس کر گیا لیکن کچھ خاص نہ ملا۔

پھر دوسرے کمرے میں بھی وہ اسے یونہی گھسیٹ کر لے کر گیا۔

وہاں ایک گدا تھا فرشی جس پر گہری بھوری چادر تھی اور ایک طرف دو کرسیاں اور میز اور ساتھ فریج۔۔

کاشان نے اس کمرے کو بھی لمحے میں اجاڑ دیا مگر پھر اس سے پہلے وہ باہر نکلتا، نظر اس گدے کے پاس پڑی کسی چمکتی چیز پر پڑی۔

وہ عامر نامی آدمی کھڑا اپنے حلق کو تر کرتا پھٹی آنکھوں سے کاشان کو دیکھنے لگا جسکے ہاتھ میں چھوٹا سا بریسلٹ تھا۔

وہی جو یوآن نے عناب کو دیا تھا۔

وہ دیکھنے سے ہی کسی بچی کا لگا اور لمحے کے ہزارویں سکینڈ کاشان کی آنکھوں میں خون اترا۔

"کیا کل عائش یہاں لایا تھا ایک بچی، جھوٹ مت بولنا ورنہ اپنے پیدا ہونے پر پچھتائے گا"

پھر سے اپنی گردن پر بڑھتی گرفت پر وہ کھڑے کھڑے کانپ اٹھا، فوری ہراساں ہوئے گردن ہاں میں ہلائی۔

اسکے بعد بھی کاشان نے اس سے جاہ و جلال کے سنگ کچھ پوچھا تھا اور وہ آدمی بھی کتنی ہی دیر ایک لمبی تفصیل سناتا رہا جسکے بعد کاشان کا عتاب یکدم ہی عائش کے لیے اخیر نفرت کا روپ دھار گیا۔

"اسکا سانس زرا سی دیر میں رک گیا تھا، وہ مسلسل روتی اور چینختی جا رہی تھی۔ میں کیا کرتا سر، وہ مجھے گن دیکھا کر مداخلت سے روک چکے تھے ورنہ ایک چھوٹی سی بچی کے ساتھ ایسا ہوتا دیکھ کر میری روح بھی کانپی

تھی۔ لیکن جب اس بچی کی حالت بگھڑی تو وہ اسے جیسے لائے ویسے ہی لاٹھی گھسیٹتے کندھے پر ڈالے لے گئے۔ وہ اسکے رونے اور چینخنے کو روکنے کے لیے اسے مار بھی رہے تھے، وہ بہت زیادہ نشے میں تھے۔ وہ بچی شاید بیمار تھی کیونکہ اسکی سانس عام بچوں کی طرح رواں نہیں تھی۔ جب وہ اسے لے کر گئے تو یہی لگا تھا کہ وہ مر گئی ہے۔۔۔ اس کے آگے میں کچھ بھی نہیں جانتا"

یہ اذیت ناک کہانی اس بتانے والے کے لیے بھی مشکل تھی اور سرخ رنج سے بھری آنکھوں سے اس بریسلٹ کو دیکھ کر سننے والے کے لیے بھی جسے وہ کرب سے اپنی ہتھیلیٔ میں دبوچے اس آدمیٔ کی جان بخشی کیے باہر نکل گیا۔

"آپ میری جان بخش رہے ہیں؟"

لڑکھڑاتا ہوا وہ بھی کاشان کے پیچھے ہی باہر بھاگا۔

ایسا تو ممکن نہ تھا کہ کاشان اسے اتنی آسانی سے بخش دیتا۔

" جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے دفع ہو جا، آگ لگا کر جانا اس جگہ کو۔ ان نجس جگہ کو۔۔۔۔"

اس آدمی پر قہر ڈھاتا وہ اسی رفتار سے کنڈی کھولے باہر نکلا۔

ناجانے کیوں مگر تکلیف اتنیٔ تھی کہ کاشان کو لگا اس نے عائش کی اتنی کم سزا تعین کیے کوئی غلطی کر دی ہے۔

وہ جس طرح اپنے اندر کا غبار ضبط کرتا گاڑی تک پہنچا یہ اسکی آنکھوں کے ماتم سے عیاں تھا۔

"ن۔۔۔ نہیں، یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ اتنی کم سزا کیسے دے سکتا ہوں میں اس کافر ملعون کو، خدا تجھے غرق کرے عائش ہمانی۔ کتنی اذیت دی تو نے اس بچی کو، کاش میں ٹھہر جاتا۔۔۔ کاش میں صبر کر لیتا۔۔۔۔ یہ میں نے کیا کر دیا۔۔۔۔"

اپنے بال جکڑے وہ حلق کے بل چینخا تھا، اسے لگا جیسے اس نے عائش کو بہت آسان سزا دی ہو۔

اپنی زندگی کی اس غلطی پر وہ خود کو نوچ ڈالنا چاہتا تھا۔

"سر آپ ٹھیک ہیں؟"

اسکے دونوں گارڈز اسکی ہیجانی کیفیت پر پریشان تھے، اپنی اس کیفیت کو فورا دباتا وہ انکو فوری چلنے کا کہے خود بھی وہ نازک سا بریسلٹ ویسے ہی اپنی مٹھی میں دبائے خود بھی گاڑی میں جا بیٹھا۔

وہ لوگ اب اسی جگہ کی جانب گامزن تھے جہاں آج صبح ہی اس نے عائش ہمانی کو گاڑا تھا۔

دھوپ کی کرنیں چارو جانب پھیل گئی تھیں۔

اسکے دونوں گارڈز اسکے حکم پر وہی زمین کھود رہے تھے۔

کاشان کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

"جلدی کھودو۔۔۔۔تیز ہاتھ چلاو"

کاشان انکے سر پر کھڑا مسلسل انکو ہدایت کرتا سختی سے تلملایا۔

تقریبا آدھے گھنٹے میں ان دونوں گارڈز نے وہ جگہ کھود تو دی مگر اس جگہ کو خالی دیکھ کر کاشان کے اعصاب تن کر رہ گئے۔

وہ خود جھمپ مارے اس گھڑے میں اترا۔

وہاں بیٹھے ہاتھ بڑھا کر گیلی مٹی کو چھوا تو اس میں لگا خون کاشان کے ہاتھوں پر لگ گیا۔

گھڑے میں اترنے کے باعث چند خراشیں، خون اور گرد کے ملے جلے دھبے اسکی شرٹ پر بھی لگ گئے۔

کاشان نے پوری تسلی کیے گارڈ کی جانب ہاتھ بڑھائے لپک کر باہر نکلتے ہی اپنے ہاتھ جھاڑے۔

"ٹھیک ہے، اسے ویسے ہی بھر دو۔۔۔جلدی سے"

ان دو کو پھر سے ہدایت کرتا وہ خود کچھ فاصلے پر کھڑا اارد گرد پھیلے جنگل کو دیکھنے لگا۔

"تو تیرے خرام خور تجھے نکال کر لے گئے، بہت خوب۔۔۔ آپ نے مجھے اس پچھتاوے سے نکال کر میری ایک تکلیف کم کی، وہ ایسی کئی طرح کی موت کے لائق ہے۔۔۔اور اب اسے عناب کو دیے ایک ایک درد کے بدلے موت ملے گی۔۔۔"

کچھ دیر کی اذیت گویا اک تسلی اور سکون بن گئی تھی، آسمان یکدم بادلوں سے اٹ گیا تھا، دھوپ نرم ہو گئی تھی، سائے چھپ گئے تھے۔

کاشان ہمانی کے خوبصورت چہرے پر اک تھکی مگر پر سکون سی مسکراہٹ تھی۔

" یہاں اپنے ایک دو آدمی لگا دو پہرے پر، اس جگہ کوئی بھی آیا اسے دبوچنا تم دو کی ڈیوٹی ہے۔۔۔ اسے بھرنے کے بعد ان پتوں سے ڈھک دینا۔ مجھے یہاں کے بارے تم دونوں کی اب ڈیٹ کا انتظار رہے گا۔ تم دونوں اپنا کام کرو، مجھے ایک ضروری معاملہ دیکھنے نکلنا ہے۔۔۔۔ گڈ لک"

اپنے آپ سے لگے عائش کے گندے خون سے اسے کراہت محسوس ہو رہی تھی اسکے علاوہ مہکار نے الگ جان کھا رکھی تھی لیکن سب سے پہلے وہ واپس ہمانی حویلی جانا چاہتا تھا جہاں وفا کو ہوسپٹل لے جانا سب سے اہم تھا۔

وہ ان دو کو ہدایت کرتا خود ایک حقارت سے لیس نظر اپنے وجود پر لگے نجس خون اور گرد پر ڈالتا تیزی سے اپنی گاڑی کی جانب لپک گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب تک وحید صاحب تھانے سے واپس ہوسپٹل آئے، اسی وقت نہال اور زویا کو آتا دیکھتے وہ تیزی سے ان دو کی جانب آئے۔

زویا اور نہال کو یوں ساتھ دیکھ کر وہ کچھ زیادہ خوش نہ تھے مگر اس مشکل وقت اس نے نہال کو سنبھالا تھا یہ بات وہ ہرگز فراموش نہیں کر سکے تبھی ان دو کے بیچ کے اس تعلق کے بارے پوچھنے کو بعد کے لیے ٹالتے وہ بیقراری سے نہال کے قریب آئے جو سخت تکلیف میں تھا، اور آج بھائی نے بھی بنا کسی دھتکار کے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

بھائیوں کا یوں دلخراشی سے گلے ملنا، زویا کو بھی روہانسا کر گیا تھا۔

"ہمت نہیں ہارنی، وہ جیے گی۔ اسے جینا ہو گا۔ اللہ کبھی ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ہم پر۔ مجھے امید ہے اس بار تم فرار نہیں کرو گے، تمہارے بچوں کو ضرورت ہے تمہاری۔ اسکے مجرم کو ایسی سزا ملے گی کہ وہ اپنے جنم لینے پر پچھتائے گا، لیکن اس وقت ہر معاملے کو پس پشت ڈال کر ہم سبکو اس پری کو دیکھنا ہے۔ ہوپ سو تم اس بار مجھے مایوس نہیں کرو گے"

برادرانہ شفقت سے لبریز وہ اس ضدی بچے کی طرح کسی من پسند پیاری شے کے کھو جانے پر تڑپ اٹھتے نہال بخاری کا چہرہ تھپکائے اسے مضبوط بنا گئے لیکن وہ ٹوٹا بکھرا شخص بس سر ہی ہلا پایا اور ان سے نظر چراتا بھاری قدموں کے ساتھ ہوسپٹل کی اندرونی سمت چلا گیا۔

زویا اس سے پہلے اپنا فرض پورا کیے جاتی، وحید صاحب کی پکار پر اسے چاروناچار رکنا پڑا۔

"تھینک یو زویا، مجھے علم نہیں تھا کہ تم دو کے بیچ کوئی ایسی کشش ہو گی جو نہال جیسے بکھرے شخص کو سمیٹ کر یہاں پہنچا دے گی۔ مجھے علم نہیں کہ نہال اور تم ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہو لیکن اس وقت جب اس اکڑے مزاج والے پتھر دل پر قیامت ٹوٹی ہے تو تم نے اسکو سنبھال کر ہمیں ایک اور قیامت سے بچایا ہے"

وہ بہت نرمی سے زویا کے اس احسان کے معترف تھے، ممنون تھے مگر زویا کی آنکھیں تھیں کہ نا چاہتے ہوئے بھر آئیں۔

"نہیں سنبھلے وہ، گھن کھایا ہوا زینہ ہیں وہ۔ ایک ٹھوکر کی دیر ہے وہ ٹوٹ جائیں گے پھر سے۔ میں وقت آنے پر آپکو اس کشش کا بتادوں گی وحید بھائی لیکن فی الحال آپ انکا خیال رکھیے گا۔ مجھے اجازت دیں۔ ہمت جمع کرلوں تو اس پری سے پھر ملنے آوں گی۔ اللہ حافظ"

آنکھوں میں کرچیاں سمیٹ لیتی وہ اپنی درد بھری آہیں دباتی کہہ کر فوراً سے رخصت ہو گئی اور نا چاہتے ہوئے بھی وحید صاحب آزردہ ہو گئے۔

کچھ دیر وہیں کھڑے زویا کو جاتا دیکھتے رہے اور پھر اندر بڑھ گئے۔

وہ اذیت اور تکلیف کے کچوکے برداشت کرتا شخص اپنے تھکے قدم بڑھائے اس جانب آتو نکلا تھا مگر پہلی ہی نظر اسکے ضرب لگے دل کو کرچی کر گئی۔

منیہا کی گرفت جھٹک کر وہ اس ہارے جواری کی طرح آتے نہال بخاری کی جانب جھپٹا، یہ تو عین وقت پر عون نے ابدال کی اس حرکت پر اسے پکڑ لیا ورنہ وہ شاید آج اس ظالم باپ پر بھی ٹوٹ پڑتا۔

"ک۔۔۔کیوں آئے ہیں۔۔۔۔کیوں آئے ہیں آپ بولیں۔ تماشا دیکھنے، اپنے بچوں کو مرا دیکھنے۔۔انکی میت پر ماتم کرنے۔۔۔۔چلے جائیں یہاں سے کیونکہ وہ مر بھی گئی تو اسکی شکل نہیں دیکھنے دوں گا۔۔۔۔آئی ہیٹ یو نہال بخاری، یہ تھی حد۔۔۔۔پار ہو۔۔۔۔گئی۔۔۔۔میری وہ۔۔ن۔نازک سی جان سے افضل عناب مر رہی ہے۔۔۔۔۔۔صرف آپکی وجہ سے۔۔۔۔اب اسے نہیں چاہیں بابا، اب اسے نہیں چاہیے آپکا سایہ۔۔۔۔اب کیا کرے گی وہ آپکو دیکھ کر۔۔۔۔۔اب کس کام کے ہیں آپ اسکے لیے۔۔۔۔۔

ک۔۔۔ کہو کوئی انکو۔۔۔یہ چلے جائیں۔۔۔۔۔ میں ن۔۔ نہیں دیکھنا چاہتا انکو۔۔۔۔۔۔۔ آئی ہیٹ یو، شدید نفرت ہے مجھے آپ سے۔۔۔۔۔۔۔۔"

عون نے لاکھ اسے خود میں بھینچ کر اسکی اس جنونی اذیت ناک حالت کو قابو کرنے کی کوشش کی مگر ابدال اپنے حواس سے نکل چکا تھا، اسکی سرخ نفرت سے بھری سوجھی آنکھیں سید ھا سید ھا نہال بخاری پر قہر تھیں اور پھر اسکے سسکیوں اور کراہٹوں کو گھونٹ گھونٹ کر کہے لفظ اس باپ کا قتل عام ہی تو کر رہے تھے۔

وہ اسقدر ابتر ذہنی حالت میں تھا کہ لگا ابھی اسکی دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

خود عون اور منیہا کی آنکھیں جہاں بھیگیں وہیں اسی طرف آتے وحید صاحب کا دل بھی یہ منظر دیکھ کر کٹ گیا۔

"ابدال سنبھالو خود کو، وہ بابا ہیں ہمارے۔ اس سب میں انکا کیا قصور میری جان"

اپنے بابا کو رزا رزا مرتا دیکھنا منیہا سے برداشت نہ ہوا، تبھی وہ ہزار ہا تکلیف کے بھی اس بپھرے کٹے اور زخمی ہو جاتے بدحواس ابدال کو یہ کہہ کر شانت کرنے قریب آئی مگر ابدال نے اسے بھی اس بار خونخوار آنکھوں سے دیکھا۔

"انہی کا قصور ہے، اور آپکے یہ شوہر۔۔۔۔ پوچھیں انکے حوالے کر کے گیا تھا ناں میں اسے۔۔۔۔ وہ اپنے انہی اپنوں کے ہوتے نوچ دی گئی۔ ص۔۔۔ صرف اس لیے کہ اسکے بھیو اسکے پاس ن۔۔۔ نہیں تھے۔ میں اس لمحے پ۔۔۔ پر لعنت بھیجتا ہوں جب میں اسے تم سب سنگدلوں کے بیچ تنہا چھوڑ گیا۔۔۔۔۔ کاش مجھے موت آجاتی یہ سوچتے ہی۔۔۔۔۔۔ میں ہوں وجہ۔۔۔۔۔ اپنی گڈی کی موت کی وجہ ہوں گا میں۔۔۔۔۔"

اپنی بازو بری طرح عون کے ہاتھ سے چھڑوائے وہ اس پر بھی نفرت سے اٹی آنکھیں گاڑے چینخا، اسکی دلخراش دھاڑیں ان سب لوگوں کو احساس جرم بخش رہی تھیں، وہ اپنے بال نوچتا زور زور سے روتا رہا، اور سب زندہ ہو کر بھی مردوں کی طرح جم چکے تھے۔

"ابدال۔۔۔۔ میرے بچے کیوں اذیت دے رہے ہو"

ابدال کی حالت بھی ٹھیک نہ تھی، اور اسکی سب سے نفرت اور حقارت بھی اس وقت جائز تھی۔

وحید صاحب نے خود ہی آگے بڑھ کر اسکے اس ہیجانی انداز میں بال نوچنے کو روکتے ہاتھ جکڑے سمجھانا چاہا مگر وہ اس وقت کیسے سانس لے پا رہا تھا یہ بس وہ ہی جانتا تھا۔

منیہا تو پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور عون بخاری پر آسمان گر چکا تھا، ایک ایسا بوجھ جو اسے کھا رہا تھا، نوچنے لگا تھا۔

"م۔۔ میری وجہ سے وہ اس حال کو آئی۔۔۔۔ اس نے میرے اپنے پاس نا ہونے کی قیمت چکائی۔۔۔۔ میں کیسے اذیت نہ دوں خود کو۔۔۔۔ وہ مر گئی تو کیا ہو گا، میں نہیں جی سکوں گا۔۔۔۔۔ م۔۔ مجھے میری عناب ویسی ہی لوٹا دے کوئی۔۔۔۔۔۔ اس کو ایسے نہئں د۔۔ دیکھ سکتا۔ یا اللہ اسے ٹھیک کر دیں۔۔۔۔۔۔ وہ مر رہی ہ۔۔۔ ہے میں ک۔۔۔ کچھ بھی ن۔۔۔ نہیں کر پا رہا۔۔۔۔۔۔۔"

فرش پر بے جان ہو کر گرتا وہ دلخراش چینخا، وحید صاحب اتنے مضبوط دل کے باوجود ابدال کی اس حالت پر کانپ رہے تھے، اسے اپنے سینے میں بھینچے اسکی سسکیوں، اور تکلیف پر خود بھی درد میں تھے۔

اور نہال بخاری جیسے لگا اسکا دل چلتے چلتے رک گیا ہے۔

وہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے دل میں اٹھتی تکلیف سے لڑکھڑا گئے، عون صدمے سے نکلتے ہی انکو گرتا دیکھتا انکی جانب دوڑا مگر منیہا کی چینخ و پکار، نہال بخاری کے جسم کا جامد ہونا، وہیں ابدال کے حواس سے بیگانہ ہو جانے نے جیسے ایک نئی قیامت ڈھادی تھی۔

کچھ دیر تک انھیں سپیشل کیئر روم کی جانب لے جایا گیا، ہارٹ کا میجر اٹیک آیا تھا نہال بخاری کو۔

ہر دل کٹ گیا تھا، ابدال پھر سے پتھر بن گیا تھا، اسے لگا جیسے اسکی تکلیف بھی اسکے سکھ کی طرح منحوس ہے۔

وہ اب بس تکلیف پینا چاہتا تھا، تب تک جب تک اسکی سکت تھی، تب تک جب تک اسکے دماغ کی نس نہ پھٹ جاتی، تب تک جب تک اسکی روح اسکے بدبخت وجود سے پرواز نہ کر جاتی۔

منیہا کی حالت اس قدر رو رو کر خراب تھی کہ وحید صاحب نے زبردستی عون کو اسے کچھ دیر گھر لے جانے کا کہا، وہ ہر گز نہیں جانا چاہتی تھی مگر عون کی حالت کا احساس کیے وہ مان گئی۔

عون اسے گھر ڈارپ کیے فریال صاحبہ کو ہوسپٹل چھوڑنے کے بعد پھر سے واپس منیہا کے پاس چلا گیا۔

تب تک وہ فریش ہوئے اس اذیت سے تھوڑی ہی سہی پر نکل چکی تھی۔

تیسری طرف فارس شاہ کا فی الحال کوئی اتا پتا نہ تھا، وہ اپنے بیٹے کی گمشدگی پر چپ کیوں تھا؟ یہ وقت بتانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرے کا دروازہ کھلنے پر وفا بیقراری سے اٹھ کر اندر داخل ہوتے اس وحشی کو دیکھ کر ہی دہل کر رہ گئی، وہ اسکے عین سامنے آتا شخص کاشان ہمانی تو ہرگز نہ تھا۔

سرخ لہو رنگ سوجھی آنکھیں، زرد نفرت کے جذبات سے بھرا بھینچا چہرہ، اور گرے شرٹ پر لگے لاتعداد خون کے داغ جن سے وہ درندہ معلوم ہو رہا تھا، اسے سزا دینے کے بعد خبر ہی کہاں رہی تھی کہ وہ خود بھی اس سزا کے عکس اپنے سراپے پر چپکا لایا ہے۔

"ت۔۔تم۔۔۔تم کہاں تھے؟ اور یہ خون۔۔۔۔۔کیا کر کے آئے ہو بولو"

حلق تر کرتی وہ مرے قدم لیتی سیدھی کاشان کے پیچھے ہی لپکی جو اسکے راہ سے دھکیل کر اپنے اوپر لگے داغوں کو دھونے اٹیچ باتھ کی سمت گیا تھا۔

"اپنے ایک مجرم کو سزا دے کر آیا ہوں، جو مجھ پر بہت پہلے سے قرض تھی"

واش بیسن کے سامنے آکر تنے وہ بے دردی سے اپنی شرٹ اتار کر سینک پر سینے پر بنے نشان اور کھروچی بازووں کے سنگ مڑ کر وفا کے سوگوار چہرے کو تکتا سنجیدگی سے بولا۔

اس گھڑے میں کودتے وقت اسکے بازووں پر خراشیں آچکی تھیں۔

اور وہ اپنی جگہ پتھر بنی، یکدم ہراساں ہوئے کاشان ہمانی کی آنکھوں میں جھانک بیٹھی جہاں ہلکورے لیتی وحشت وفا کا دل مسل رہی تھی۔

"ت۔۔تم کسی کا قتل کر کے آئے ہو؟"

زرا سا مزید قریب ہو کر سرگوشی کی حد تک آہستہ ہوئے پوچھ رہی تھی، آواز کا مدھم ہونا تکلیف کے باعث تھا جو اس نے وفا کے دامن سے لپٹی آتے ہی محسوس کر لی تھی۔

"نہیں، قاتل تھوڑی ہوں۔ قاتل تو بس تمہارا ہوں میں،"

ناجانے کیوں مگر وفا کا اس وقت پاس ہونا اور اتنی بڑی قیامت کے باوجود اسکی اجازت کے لیے حویلی میں رکے رہنا، کاشان کو تھوڑی سی زندگی دے گیا تھا، مگر اس نے وفا کا بکھرا دامن سمیٹ لینے کی ہزارہا شدید حسرت کے باوجود فاصلہ برقرار رکھے ہی کہا اور وفا کی تکلیف کو پرسے لگے۔

"ہمم۔۔بس ایسا سمجھ لو کہ میرے سینے میں اک آگ جل رہی تھی جسے مجھے خود ہی ٹھنڈا کرنا تھا۔کچھ لوگ اس دنیا میں آتے ہی وبا بن کر ہیں، انکی زندگی فریب، خوشی فساد، دکھ ناٹک، اور آجا کر گناہوں اور ناقابل معافی جرائم کے بعد موت اک ناقابل فراموش عذاب بن جاتی ہے۔۔۔۔۔ میں اس مردود کا یہ گندا خون خود پر لگا برداشت نہیں کر پارہا، جاو۔۔۔ فریش ہو کر آتا ہوں پھر چلتے ہیں ہوسپٹل"

وفا کی پریشانی اور چہرے کی ماند تروتازگی کے پیش نظر وہ خفیف سی پراسرار وضاحت دیتا واپس آئینے کے سامنے مڑا جہاں وفا پر اک سرسری سی نظر ڈالے وہ نل سے نکلتے پانی کو ہتھیلوں میں بھر کر چہرے پر چھپکے مارنے لگا تھا، پانی کی چھینٹیں وفا تک بھی پہنچیں مگر وہ ہنوز وہیں کھڑی کاشان کی پشت کو تکتی گئی۔

وفا کی کوئی حرکت نہ پائے اس بار وہ حیرت سے مڑا، ننھے ننھے آنسو اس لڑکی کی آنکھوں میں جھلملا رہے تھے جو اسکی کل سے منتظر تھی، کئی دکھ کہنے کو، کئی تکلیفیں بتانے کو، کئی شکایات کرنے کو، کئی جوابات مانگنے کو، ابدال کے ساتھ اس شخص نے جو کیا وہ بعد کا معاملہ تھا، ابھی تو وہ سمجھ نہ پائی کہ وہ کیوں اس انسان کے سامنے کمزور ہو رہی ہے۔

"میں جانتا ہوں اس ننھی بچی پر ہوتی اس درندگی نے تم سب کو بہت رنج اور درد سونپا ہے، اسکے مجرم عبرتناک موت پائیں گے ان شاء اللہ۔ وہ سروائیو کر جائے گی، ٹف ٹائم ہو گا لیکن اسکے پاس بہت اپنے ہیں جو اسکے زخم بھرنے میں معاون رہیں گے۔ کل سے اب تک غائب ہونے کے لیے معذرت چاہتا ہوں لیکن

میرا کام بھی اہم تھا۔ ہم اپنے بیچ کی نفرت اور جھگڑا فی الحال ایک طرف کرتے ہیں۔ اس وقت وہاں سبکو ہی مارل سپورٹ کی ضرورت ہے"

دانستہ نرمی اختیار کرتا وہ ہتھیلیوں کی نرم پوروں میں وفا کے رخسار سہلائے اسکی نم، شکوہ کناں، ظالم اور بیتاب آنکھوں میں جھانکے شاید پہلی بار اس قدر الگ نرم اور گداز محسوس ہوا، وفا کو کیسے یقین آتا کہ وہ شخص ایسا نرم روپ بھی رکھتا ہے۔

"ابدال کے ساتھ وہ سب کیوں کیا تم نے کاشان؟ حالانکہ میں نے تمہیں آپنا آپ سونپ کر قیمت بھی چکائی تھی ناں۔ میرا دل نرم پڑ گیا تھا ہماری اولاد کی وجہ سے لیکن تم نے میرے بیٹے سے بڑھ کر پیارے ابدال کے ساتھ یہ بھیانک رویہ اختیار کیے میرے دل میں اپنے لیے نفرت کو دوام دے دیا"

شاید اسی وقت ہی وہ یہ پوچھنے کی ہمت کر سکتی تھی، یہ جواب کاشان دے تو سکتا تھا مگر اپنے احسان جتانے اسکا شیوا تھا ہی نہیں۔

"میں انسان بن جاوں گر کچھ وقت کے لیے تب بھی ہر سوال کا جواب نہیں ملے گا تمہیں وفا، اچھا ہے کچھ معاملات پر پردہ ہی رہنے دو۔ ایک سوال تمہارے لیے چھوڑتا ہوں، کچھ دنوں بعد جواب دینا۔۔۔۔"

بے نیاز بنا وہ اپنے وقار کا مان رکھے بہت ملائمٹ کے سنگ وفا کا وجود ہوا کے نرم جھونکے سا حصار کرا اسکی گرم پیشانی پر اپنے تپتے لبوں کی شدت پسند مہر ثبت کرتا وفا کے اس لمس پر ناپسندگی سے آنکھیں بھینچ لینے کو زرا فاصلہ بنا کر تکتا خفیف سا مسکرایا، اور وہ آنکھیں کھولے خفا ہوئی۔

"کیا محبت میں محبوب اور محبوب سے جڑے پیاروں کو نقصان پہنچانا ممکن ہوتا ہے ایک دیوانے کے لیے؟ نہ تو میں دیوانہ ہوں اب تمہارا نہ تم میری محبوب لیکن پھر بھی تم وھاج سکندر کا سوچ کر یہ جواب دینا مجھے۔۔۔۔۔"

اس قدر اطمینان سے وہ اپنے رقیب کا خیال خود فراغ دلی سے وفا کو تھمائے سادہ عاجز مگر گھمبیر لہجے میں بولا، وفا اسکے اس ایک اور ستم پر نالاں لگی۔

اب جب وہ اسکی اولاد کی ماں تھی تب بھی وہ اسے بے وفائی کی چوٹ لگا رہا تھا، اسے پہلے ہی ملاقات پر باور کروا گیا تھا کہ وفا نے اس سے اخیر بے وفائی کی ہے۔

"تم اب ہر لمحہ یوں انتقام لو گے بے وفائی کا؟(وہ جو میں نے درحقیقت کی بھی نہیں)"

رہ رہ کر اسے کاشان کے رویے کی جلن سلگا رہی تھی، یہ تو وفا بھی سمجھ نہ پائی کہ کیوں اس انسان کے اوجھل ہو جانے پر کل سے اب تک دھڑکن جامد تھی، وہ جیسا بھی تھا نجانے کیوں یوں دور دور سے بہت تڑپا رہا تھا، وہ کل سے اب تک آدھی تو اپنی اس کیفیت پر روئی تھی۔

جسے دھتکارا ہو اسی کی طلب لگ جانا، وفا بخاری کی انا پر پڑتا پہلا کاری وار تھا۔

"یہ صرف ہماری اولاد کا اثر ہے وہ بھی وقتی کہ تمہیں میری جانب سے کہے گئے سچ بھی تکلیف دیں گے اور تم میری دوری، میرے فرار پر تڑپ محسوس کرو گی، یہ سچ تم نے ہی میری رگوں میں اتارا ہے کہ تم نہ تو مجھ سے وفا کرو گی نہ محبت۔۔۔"

اس وقت وہ سیدھا سیدھا جان لیوا ہی تو لگ رہا تھا، وفا کی نظریں پشیمانی اور دکھ سے جھک سی گئیں تو نظر بھٹک کر کاشان کے سینے پر بنے لاتعداد پرانے مدھم نشانات پر گئی، دو تو واقع گولیوں کے تھے۔ پھر وہ کندھے پر ابدال کا دیا زخم اب تک اویزاں تھا، بلاشبہ وہ پرکشش اور خوبصورت شخص تھا پر اسکی ذات اور روح کے دھبوں کے ساتھ ساتھ اسکے وجود پر بھی نشانات تھے۔

تشدد کے، پرانی ٹیسوں کے، اذیتوں کے۔

"تو جب تک ہماری اولاد دنیا میں نہیں آتی، اسکے لیے تو سوچ ہی سکتا ہوں اس بے وفا عورت کو چھونا، دیکھنا، محسوس کرنا اور اپنے آپ میں جذب کر لینا"

شاید ہی کسی سفید پوش کی عزت یوں بچائی گئی ہو جیسے وہ رحم کرتا دیکھائی دیا، وفا کی تو احساس جرم سے آنکھیں مزید جھک گئیں، پلکوں کی باڑ نمی سے لبریز اپنی اک اور بے بسی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"مجھے بے وفا مت کہو کاشان، بھلے ہوں۔ لیکن تم کہہ رہے ہو تو زیادہ تکلیف ہو رہی ہے"

وفا کا دل شدت سے بلک اٹھا تھا، وہ چاہ کر بھی اس کمزور لمحے کاشان کو یہ نہ کہہ پائی تھی، وہ خود ہی اسے اپنے وجود کی حدت اور سختی میں شامل کرتا سینے میں جذب کر چکا تھا، وفا کی آنکھوں سے نکلتی نمی چپ چاپ خاموشی سے اس شخص کے وجود کی تہہ جذب کر گئی، بنا وفا کے کمزور پڑنے کا مزاق اڑائے، بنا وفا پر احسان جتائے، بنا وفا کو درد دیے وہ اسے کچھ دیر کے احساس سکون حاصل کرنے کے بعد خود سے الگ کیے جانے کا اشارہ کر گیا جس پر وہ چپ چاپ وہاں سے باہر چلی گئی۔

مگر کاشان ہمائیٰ کی نظریں اس درجہ حسین قربت کے بعد بھی حسرت لیے اس جانب لگ گئیں جہاں وفا جا کر اوجھل ہوئی تھی۔

وہ آگ جس سے کاشان ہمانی کا وجود جل کر خاک ہو رہا تھا، بس وفا کے اپنی رضا سے وجود و روح سے آن جڑنے سے بجھ گئی، وہ اپنے اندر سکون اترتا محسوس کر رہا تھا۔

"وہ اپنی بار مجھے اپنی حسرت سے مارے گی جانتا ہوں، لیکن کیا کروں اسے رد کرنے کا سوچنا ہی جان نکال لیتا ہے۔ میرے جلتے وجود پر برستا ساون عکس تمہارا۔۔۔

میری بجھتی سانس پر ادھار دھڑکن، فقط موجودگی اسکی۔

میں مروں گا تو صرف اسی ظالم پر۔۔۔۔"

تکان حاوی ہو رہی تھی اس پر، محبت میں عاشق پر رحم نہ اترے تو خاک محبت ہے وہ، زرا سی دیر وہ پرندہ نما عکس بیٹھا اس پر، اور اس بنجر پیڑ پر اپنی تکان چھوڑ چکا تھا۔

سکوں افزا بہت ہے درد الفت'

قرار اب عمر بھر آئے نہ آئے!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ششش۔۔۔بہت رولیا۔ تمہیں کچھ دیر گھر اس لیے لایا تھا کہ تم کچھ دیر خود کو سنھالنے کی کوشش کر سکو"

اس وقت بھی اپنے بہن بھائی اور پھر بابا تینوں کے لیے سخت تکلیف میں لپٹی عون کو دبوچے اسکی گردن میں چہرہ چھپائے ہچکیوں سے روتی جارہی تھی جو اسے حصار کر آہستگی سے بیڈ پر بیٹھائے پوری توجہ اور پیار سے روبرولایا مگر دل تو منیہا کی سوجھی، سرخ و متورم آنکھیں اور دردناک رونا دیکھ کر کٹ گیا تھا۔

ابھی بھی وہ عون کی بازو سے شرٹ دبوچے بہت برا رو رہی تھی اور جتنے عون اسکے آنسو صاف کرتا، ان رخساروں پر لکیریں بناتا غم پہلے سے دگنی شدت سے اترنے لگتا۔

"م۔۔مم ٹوٹ گئی ناں، وہ بچی تھی ع۔۔عون۔ساڑھے پانچ س۔۔سال کی گڑیا، ہماری پ۔۔۔پری۔جس کو ہ۔۔۔ہم سب نے گرم سرد ہوا ت۔۔تک سے بچائے لاڈ سے پالا، اسے جانوروں ن۔۔نے نوچ ڈالا۔۔۔۔ک۔۔کتنا روئی ہ۔۔ہوگی۔۔۔ک۔۔کس کس کو بلایا ہوگا میری گڈی ن۔۔نے۔۔بابا کو

ہارٹ اٹیک آگیا، ابدال کی حالت دیکھ کر دل خون ہو گیا۔۔۔مم۔۔میں ک۔۔کیسے س۔۔سہوں عون۔۔۔۔"

ہچکیوں کی زد میں منیہا کا پورا جسم کانپ رہا تھا اور عون کا تو خود تکلیف سے دل تڑپ رہا تھا لیکن منیہا کو بکھرتا دیکھنا زیادہ سوہان روح تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا، وہ سروائیو کرے گی منیہا۔ اسکے ساتھ کیے اس ظلم کا بدلا لیں گے۔ تم ہمت کرو، اس وقت تم بھی بکھر گئی تو نہال چاچو اور ابدال کو کون سنبھالے گا۔۔۔میری بھی تو ہمت ہو یار، میں بھی تو تکلیف میں ہوں۔۔۔۔۔۔"

لفظ جوڑتا، بہت مشکل سے وہ منیہا کو حوصلہ دے پایا مگر حوصلہ ممکن ہی کب تھا، وہ رونا روک نہ پا رہی تھی اور عون کو یہی ڈر تھا کہ اب منیہا کو بھی کچھ ہو نہ جائے۔

"مسل دیا گیا ہے اسے، اسکی زندگی تاریک ہو گئی عون۔۔۔۔اسکا بچپن تباہ ہو گیا۔ اسکا اعتماد، اسکی خوشیاں، اسکی زندگی، اسکے سکون سب کو گرہن لگ گیا۔ وہ کیا جی سکے گی عون۔۔۔۔وہ قطرہ قطرہ مر جائے گی، ہ۔۔ہمارے سامنے وہ تڑپ رہی ہے، تکلیف سے سسک رہی ہے، ہمیں بلا رہی ہے لیکن ہم۔۔۔۔۔۔یہ کیوں ہوا اس کے ساتھ۔۔۔۔وہ اپنی ا۔۔اس تاریک زندگی میں اپنی روشنی ک۔۔کیسے ڈھونڈ سکے گی عون۔۔۔۔۔"

منیہا کا غم غلط کرنا تو عون کے اختیار میں بھی نہ تھا، وہ اسے بس سینے سے لگائے شانت کرنے کی سعی ہی کر سکتا تھا۔

لیکن اس لڑکی کا پورا وجود خوف اور تکلیف سے لرز رہا تھا، اس لعرزش پر قابو پانا عون کے لیے فی الحال ناممکن تھا۔

"ع۔۔۔ون"

زرا دیر رو کر سنبھلی تو ہولے سے لہجے اور زبان کی ہکلاہٹ پر قابو پائے پکاری، عون جو اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرے اسے سینے سے لگائے اپنے نقصان کو سوچ کر پریشان تھا، منیہا کے پکارنے پر اپنی درد دیتی سوچوں کے گرداب سے باہر آیا۔

"ہاں کہو"

دھیرے سے اپنے روبرو کیے گال سہلائے ملائمت سے پوچھا۔

"ی۔۔یو آن کہاں ہو گا، اگر وہ نہ ملا تو آپ فارس بھائی کو کیا جواب دیں گے۔۔۔۔مجھے تو بہت ڈر لگ رہا۔ یہ نہ ہو مہکار آپ سے اسکا بھی بدلا لینے آجائے، عون اسے ڈھونڈ لیں آپ۔۔۔پلیز"

منیہا کی ملتجی گزارش پر گویا اسکا دل حلق میں آگیا تھا، اک خسارہ تھما تھا کہ دوسرے نے انگڑائی لیے اپنے سر اٹھانے کی منادی کروادی۔

صدیوں کی تھکن اس وقت عون بخاری کے چہرے پر آن درج ہوئی۔

"تم پریشان مت ہو، پولیس ایکٹیو ہے۔ وہ مل جائے گا ان شاء اللہ، بس تم خود کو سنبھالو"

اسے اپنی فکر اب بھی نہ تھی، منیہا کی تھی جو بہت نازک دل کی مالک یکدم اتنے بڑے دکھ سے روشناس ہو گئی تھی۔

"آپ بھی پریشان ہیں ناں، میں نے اپنے رونے میں آپکو بھی ہلکان کر دیا۔ آئی ایم سوری۔ آپکی تکلیف بھی سمجھ سکتی، وہ آپ کے پاس امانت تھے۔۔۔۔"

روروکر تھک جانے کے بعد اسے عون کی تکلیف بھی دیکھائی دی تھی، وہ اسکا کھلا ہوا شیر یکدم مرجھایا ہوا اسے بلکل نہ بھایا لیکن تسلی کے چند ٹوٹے حرفوں اور جملوں کے سوا پاس تھا ہی کیا۔

"ہمم۔۔۔ میری چھوڑو۔ کچھ دیر سو جاو۔ پھر رات کو میں تمہیں لے جاوں گا ہوسپٹل۔ مجھے خود بھی ہاتھ پیر ہلانے ہوں گے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا"

اپنی تکلیف نظر انداز کیے وہ منیہا کے بال سہلاتا اسکی رخساریں ہاتھ بڑھا کر چھوئے انگوٹھے کی پور سے پھر سے نم ہوتی آنکھوں کے آنسو جذب کیے تھکا سا جواز دیے بولا مگر منیہا کو بلکل اچھا نہ لگا۔

"عون۔۔۔۔ مجھے پتا ہے آپکی کوئی غلطی نہیں۔ مقدر کا لکھا ہر صورت ہوتا ہے۔ آپ خود کو بلیم نہیں کریں پلیز، یوئی مل جائے گا۔۔۔۔ رہی بات نیند کی تو نہیں آئے گی۔۔۔۔ چلتے ہیں ہوسپٹل۔۔۔۔ یہاں بیٹھ کر تو میں بس رووں گی ہی"

اپنی کیفیت کے ابتر ہونے کے باوجود اسے عون کی جگہ خود کو رکھ کر سوچنے کی ضرورت پڑی تھی، اور درد تو اس جگہ بھی اخیر تھا تبھی اپنا فرض ادا کرتی وہ اپنے نرم ہتھیلیوں کی ٹھنڈک عون کے چہرے تک پہنچائے یقین اور پھر گزارش سے بولی مگر فی الحال عون اسے لے جانے پر راضی نہ تھا۔

"میرے کہنے پر تھوڑی دیر آرام کرلو، اور کوئی معاملہ مجھے توڑے یا نہ توڑے۔ تمہاری تکلیف برداشت نہیں ہو گی منیہا۔ چلو لیٹ جاو، میں بھی تب تک کچھ کام کر کے آجاوں گا۔۔۔۔"

منیہا کا اعتراض رد کیے وہ نہ صرف اسے پکڑ کر تکیہ درست کیے لٹا گیا بلکہ خود اٹھ کر اسکی ٹانگیں درست لیے تاکید کیے جھک کر پیشانی پر تھکا سا احساس درھرے واپس اٹھا تو منیہا اسکی بازو جکڑے روک کر پھر سے اٹھ بیٹھی۔

"عون خود کو پریشان نہیں کریں گے پہلے پرامسس کر کے جائیں"

وہ اسے یوں بنا وعدہ لیے جانے دینا نہ چاہتی تھی اور اسکے یوں فکر لٹانے نے عون کی الجھی کیفیت قدرے بحال کی۔

"پرامسس، لیکن تم رو گی نہیں۔ جلدی آتا ہوں"

نرماہٹ کے سنگ جھک کر اس سراپا جواب کی منتظر منیہا کا رخسار چوم کر وعدہ دیے وہ اک بھرپور تسلی بخش نظر اس کی جانب اچھالتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسکا مسلسل پولیس کے لوگوں سے رابطہ تھا، ہوسپٹل سے وھاج کے غائب ہونے کا معاملہ بھی اسی نے دیکھا تھا۔

کسی بھی طرح فارس شاہ سے رابطے کی کوشش اسکی اولین ترجیح تھی مگر خفیہ سارے اکاونٹس کل سے آف تھے، یہ کیفیت زیادہ جان لیوا تھی کہ ایک تو امانت میں خیانت ہو گئی تھی دوسرا وہ خود اپنی مرضی سے فارس شاہ سے رابطہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیسی کنڈیشن ہے ہماری پری کی، پلیز کچھ تو بتائیں؟"

آخر کار رات سے مسلسل ڈاکٹرز کی نگرانی میں زندگی سے جنگ لڑتی عناب کے متعلق خبر آنے کو تھی، ڈاکٹر الماس عناب کی سپیشل ڈاکٹر تھیں اور اسکے کیس کو وہ ہی ہینڈل کر رہی تھیں۔

ابدال کو بہت مشکل سے ہلال کچھ دیر باہر کھلی فضا میں لے کر گیا تھا، وحید صاحب بھی ابھی نہال ہی کو دیکھ کر آئے تھے۔

فریال نے ہی آئی سی یو روم سے نکلتی ڈاکٹر کو باہر آکر قریب آتے دیکھ کر بے قراری سے پوچھا۔

"آپ سب کو بہت سٹرونگ ہونا پڑے گا، کیونکہ جو کچھ اس ننھی جان کے ساتھ ہوا ہے۔ اسکا زندہ بچ جانا بھی اللہ کا ایک کرشمہ ہے"

ڈاکٹر الماس کا تمہیدی انداز تو جان نکالنے کو بہت زیادہ تھا، فریال اور وحید صاحب دونوں ہی کسی ان کہی اذیت کو سننے کی سکت کہاں رکھتے تھے۔

"اسکی فیزیکل انجریرز کی بات کی جائے تو وہ کرٹیکل نہیں ہیں ایز سچ لیکن وہ اس سب کے بعد ٹروما میں جا چکی ہے۔ اسکی ہارٹ بیٹ بہت ابنارمل ہو چکی ہے۔ اور اسکی ٹانگیں اور کمر اس سب سے بہت متاثر ہوئی ہے، ریڑھ کی ہڈی محفوظ ہے لیکن اسکے چلنے پھرنے کی فی الحال کوئی گارنٹی نہیں۔ لیکن اگر وہ خود چاہے تو اپنے ننھے پھول سے جسم کو بے جان ہونے سے بچا سکتی ہے۔ وہ بہت ڈر گئی ہے اس حادثے سے، اور ایسے بچے اپنے اس ڈر کو آسانی سے ختم نہیں کر سکتے"

گویا یہ پہلے سے بے جان دلوں پر اک صدمے کا پہاڑ ہی تو تھا، وہ ان دو کی بے آس ہوتی آنکھیں دیکھتیں خود بھی افسردہ تھیں لیکن ایسے کیسیز میں بچے سے جڑا کچھ بھی چھپانا ٹھیک نہیں ہوتا۔

"وہ ٹ۔۔ٹھیک تو ہو جائے گی ناں؟"

فریال صاحبہ کی آنکھیں اس بچی کی اذیت محسوس کیے بھیگیں تو آواز بھی جیسے لرز گئی۔

"ابھی وہ بچی ہے، اسکا جسم ابھی بھی تعمیر کے مراحل میں ہے۔ امید کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ ہوتے اس حادثے کو وقت کے ساتھ ریکور کر لے گی۔ لیکن اسے ایک ڈاکٹر کے علاوہ ایک ذہنی سکون فراہم کرتے کسی

ایسے انسان کا ساتھ درکار ہو گا جس سے وہ ڈرے نہ، شاید اسکے بھیو۔ باقی ایک ماہ تک ہم اسے یہاں رکھ کر ہر ضروری ٹریٹمنٹ دیں گے۔ اسکی ذہنی ابتری اور قلبی خرابی کے ساتھ ساتھ اسے اپنی نگرانی میں آبزور کریں گے۔ آپ سب دعا کریں ان شاء اللہ وہ پیاری سی گڑیا پھر سے جینے لگے گی اور پوری کوشش کروں گی کہ وہ ایک ماہ بعد جب یہاں سے جائے تو اسکی مسکراہٹ واپس آچکی ہو"

وہ نرم اور مہربان سی الماس تو گویا عناب کے لیے فرشتہ ہی تھیں، وہ اسے سنبھال لینے کا یقین دلاتی اپنے فرض کی آخری کوشش تک کرنے کا فیصلہ لے چکی تھیں۔

وحید صاحب اور فریال دونوں ہی کے دل آمین کی پکار میں لبیک کہہ بیٹھے۔

"تھینک یو سو مچ، اب آپ ہی امید ہیں ہماری۔ اسے ہمیں ویسا ہی لوٹا دیں۔ وہ ہم سب کی دھڑکن ہے، ہمیں اللہ کے بعد اب آپکا ہی سہارہ ہے ڈاکٹر الماس"

اس بار وحید صاحب گویا تھے، آواز میں اتری کپکپاہٹ انکے کہے جملوں کی سچائی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

"اسکے مجرم کو عبرتناک سزا دلوایئے گا، انصاف تو جیسے ایک نام رہ گیا ہو۔۔ لیکن میری فیملی پرسنلی اسکے مجرم کو سزا دلوانے میں آپکے ساتھ ہے۔ میرے ہسبنڈ یہاں کے نئے ایس ایس پی ہیں۔ امید ہے عناب کو انصاف ملے گا"

ڈاکٹر الماس کی ڈھارس گویا ان دو کو زندگی لگی مگر وحید صاحب دھیما سا مسکرا دیے۔

جہاں داد انکے بچپن کا دوست ہی نہ تھا بلکے شاید انکی سچ اور انصاف کی جنگ کا اہم حصہ تھا۔

"ان شاء اللہ، جہاں داد سے رابطے میں ہوں۔ اس نے پورا یقین دلایا ہے۔ دشمن کا نام سامنے آنے کی دیر ہے، عبرت کا نشان بنے گا"

وحید صاحب کی بھی گرم جوشی قابل دید تھی۔

وہ ان دونوں پر اک مہربان سی نگاہ ڈالے واپس جا چکی تھیں اور فریال کو روتا دیکھتے وہ انھیں آہستگی سے پکڑے خود سے لگا گئے مگر وہ فی الحال بہت زیادہ دلبرداشتہ تھیں۔

دوسری طرف کب سے آنسو روک کر پتھر کی طرح منجمد ابدال، ہوسپٹل کے لان میں لگے بینچ پر بیٹھا سر جھکائے زمین کو دیکھ رہا تھا۔

ہلال کا اپنا دل گھٹا پڑا تھا تو وہ ابدال کے اتنے بڑے نقصان پر کیسے تسلی دیتا۔

"ابدال۔۔۔ یار یوں چپ تو مت بیٹھ۔ مجھے خوف آرہا ہے تیرے سے۔۔۔ دیکھ ناں مجھے"

زرا سا ہاتھ بڑھائے وہ ابدال کا ہاتھ ہلائے اسکی توجہ چاہنے کو بیقراری سے سسکا، آنسو تھے کہ پہلے ہی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔

"اور مجھے اپنے زندہ ہونے پر شرم محسوس ہو رہی ہے، کاش میں اور عناب پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔ یا مما کے ساتھ ہی موت آجاتی ہمیں بھی۔ نہ وہ اکیلی اس دنیا میں سروائیو کر سکتی نہ میں۔۔۔"

زندگی سے مایوس، وحشت سے بھرا وہ بہت آہستگی سے بولا، آواز میں اسکی نامرادی عود سی آئی۔

"نہ کر ایسی بات، دل گھٹ رہا پہلے ہی۔۔۔ ہو سکتا ہے یہ مشکلیں آخری ہوں۔۔۔ وہ بہت بہادر ہے، دیکھیں تو پہلے جیسی ہو جانا اس نے۔۔۔ پھر سے دانت نکال کر ہنستی بھیو بھیو کرتی تھتھی پاشا میں کان کھایا کرنے اس نے"

یار کا بھرا دل یار ہی تو ہلکا کر سکتا تھا، یہ بات تو ابدال کو اس وقت دیوانے کا خواب ہی لگی تبھی وہ ہونق بنا چہرہ پھیرے ہلال کی اس بات کے جواب میں زخمی سا ہوا۔

"لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے ہلال جیسے میں اب۔۔۔ اپنی گڈی کی آواز دوبارہ سن نہیں پاؤں گا۔ اسکی آواز نہ سنائی دی تو میری سانسیں رک جائیں گی۔ وہ ہنستی دوبارہ نہ ملی تو میں آخری سانس تک مسکرا تک نہ پاؤں گا۔

یار میں ٹھیک نہیں ہوں ہلال، ایسا لگ رہا ہے کسی نے مجھے زندہ قبر میں گاڑ دیا ہو۔ جو سانس لیتا ہوں وہ مجھ پر بھی آ کر ق۔۔۔ قہر بن رہی ہے۔ سانس گھوٹ رہی ہے"

کبھی بھی وہ اتنا سنگین بکھرا نہ تھا جتنا اب تھا، ہلال نے اسکی یہ تکلیف دہ اذیت سنے ملال سے ہاتھ بڑھائے اس کی آنکھ سے نکلا وہ آنسو جذب کیا وہ اتنا رو لینے کے بعد بھی اسکی اجڑی بینائی سے چمٹا رہ گیا تھا۔

"بس ناں، کہہ رہا ہوں ناں وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اب اسکا ایک بھائی نہیں دو ہیں۔ ہم مل کر اسے زندگی کی طرف لائیں گے۔ وہ جتنی نازک لگتی ہے دیکھنا اندر سے کتنی بہادر نکلے گی۔۔۔ یہ سب اللہ سوہنے کے ہاتھ میں ہوتا ابدال، وہ سوہنا ہر دکھ کا مرہم پہلے بناتا ہے۔۔۔ تیرے اس دکھ نے بھی بھر جانا میرے جان سے پیارے دوستا۔۔۔ بس تجھے ہمت کرنی ہے"

بہت دھیان سے وہ ابدال کے اس درد کو کم کیے شافی لفظ کہتا اسکی اجڑی ذات پر رحم اتار رہا تھا، اور ابدال مصطفی نے سب سے پہلے اس روح زمین پر یہ سچی یاری ہی تو پائی تھی، کھری، ابھی سے سو پاک پانیوں سے دھلی ہوئی۔

"تجھے پتا ہے اسے جب دل کی تکلیف کے باعث سانس نہیں آتا تھا تو میری جان بھی ویسے ہی میرے جسم سے نکلنے لگتی تھی۔ جب وہ ایک سال کی ہوئی تھی تو میں مما کی تصویر سے رو رو کر جانے کتنے شکوے کرتا تھا کہ وہ عناب کو ادھوری سانس دے کر کیوں بے فکر ہوئے دنیا سے چلی گئیں۔ کیا وہ تڑپتی نہیں جب عناب سانس رکنے پر روتی ہے۔ تب مجھے لگتا تھا دنیا سے جانا مرضی والا کام ہے، لیکن اب سمجھا ہوں کہ سب سے بڑی بے بسی تو زندگی خود ہے۔۔۔ اسکی ہر تکلیف اللہ مجھے دے دے بس وہ پوری سانس کے ساتھ جیئے۔ اور کچھ بھی نہیں چاہیے اب مجھے، میں اگر اپنی زندگی دے کر اسکی زندگی بچا سکتا تو بھی یہ میرے لیے قبول ہوتا"

اس وقت ابدال کے لیے زندہ ہونا اور رہنا بہت مشکل تھا، خاص کر اب ایک اور پچھتاوا کہ اس نے نہال بخاری پر بھی ظلم کیا تھا، کب نفرت تھی اسے بابا سے، وہ تو خود ترسی تھی جو نفرت کا روپ بدل لیتی تھی۔

وہ نہال بخاری کے وہ لفظ تھے جو ابدال کو کاٹ کر زہریلا کر چکے تھے، کہ وہ پاگل ہے، وہ ناکارہ ہے، وہ نحال بخاری کے لیے باعث شرمندگی ہے۔

"نہال انکل اب بہتر ہیں، یہ وقت ایسا ہے کہ وہ بھی تڑپ اٹھے۔ مجھے نہیں لگتا اب وہ تجھے یا عناب کو خود کے لیے ترسائیں گے یا دور رکھیں گے۔ وہ اس حادثے کے بعد بدل جائیں گے لکھ لے میری بات"

یار تھا وہ اسکا، بنا کہے ابدال کی اصل تکلیف پکڑے پھر سے پر امیدی کے سنگ بولا مگر امید جیسا کوئی لفظ فی الحال ابدال کی ڈکشنری میں نہ تھا۔

"اب ہم ترسائیں گے انھیں، لیکن دعا ہے انکو دوبارہ دل کا دورانہ پڑے۔۔۔ نہیں تو کمزور بھی پڑ سکتا ہوں، ۔۔۔۔۔۔۔۔یہ دونوں یہاں کس حق سے آئے اب"

اپنی ترنگ میں کہتا کہتا وہ سامنے گاڑی رکنے پر وفا اور کاشان کو آتا دیکھ کر جبڑے بھینچے تلملا اٹھا، جی تو یہی چاہا اس راستے تک کو آگ لگا دے جہاں سے وہ دو چل کر اسکی جانب گامزن تھے۔

ہلال نے بھی سامنے حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھا اور پھر ابدال کا ہاتھ رسان سے دبائے اسکے اپنی جانب سپید پڑتے خونخوار چہرے کو دیکھ کر رحم طلب ہوئے اشارہ کیا۔

"اب مزید تو کسی سے بتمیزی نہ کرنا، نہیں تو پھر سے تماشا لگے گا۔ اس الو کے پٹھے کو ہم بعد میں مزہ چھکائیں گے۔۔۔ فی الحال تیرے لیے یہ منحوس اہم نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ اگنور کر۔۔۔۔"

جانتا تھا کہ بھری دنیا میں ہلال واحد ہی ہے جسکی تاکید بھی حکم تھی لیکن کاشان ہمانی کو وفا کے ساتھ آتا دیکھ کر ابدال کے تن من میں جو شرارے پھوٹے انھیں دبانا اس پندرہ سولہ سالہ ابدال کے بس کا کہاں تھا۔

وفا اسکے پاس آتے ہی ہلال کے اٹھتے ہی اسکی جگہ بیٹھے خود میں سموئے اسکی پیشانی چومنے لگی مگر وہ تو کاشان کو تپی آنکھیں گاڑے باقاعدہ کاٹ کھانے سا گھور رہا تھا جس پر خود ہی کاشان ہمانی نے اس جذباتی چیتے کو نہ چھیڑنے کا فیصلہ لیے ہلال کے ساتھ اندر کی طرف چلے جانے کو مناسب سمجھا۔

وفا کی آنکھیں بھی سوجھی تھیں مگر ابدال کا دردناک حال دیکھ کر وہ از سرِ نو اپنے آپ کو کمزور محسوس کرتی رو سی دی تھی۔

ابدال کے گرم آگ کی طرح تپتے ہاتھ باری باری چومتی وہ اسکی ناراض آنکھوں سے بہت زیادہ اذیت میں تھی۔

"بہت جلدی آگئیں ہیں، ابھی کوئی نہیں مرا وفا۔۔۔ آپ کو کیا کوئی جیے یا مر جائے۔ آپ اپنی شادی شدہ زندگی انجوائے کریں، زحمت کی ہم اجڑوں کی خبر گیری کرنے آئیں"

اپنے چہرے کو وفا کے ہاتھوں سے چھڑوائے وہ اتنا ظالم بھی بول سکتا ہے یہ تو نہ وفا کے لیے یقین کرنا آسان تھا نہ خود ابدال کے لیے جسے اس وقت ہر کسی سے ہی سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

"بکواس نہیں۔۔۔۔۔ دو تھپڑ لگاؤں گی۔ یہ نہ ہو کسی اور کی خبر کے انتظار میں تمہیں وفا کا مرا چہرہ دیکھنے کو مل جائے۔۔۔۔ کل سے جس تکلیف میں ہوں، وہ میں جانتی ہوں۔ تم تو ثابت کر رہے ہو کہ تم نے اپنی وفا کو دفنا کر فاتحہ بھی پڑھ لی۔۔۔۔ اتنے ظالم کیسے ہو گئے تم بولو۔۔۔۔ تم تو۔۔۔ میری مجبوریاں سمجھتے تھے"

بنا ابدال کی ذہنی حالت کی پرواہ کیے وہ بھی جیسے ابدال کا یہ رویہ برداشت نہ کر پائی تھی، اور وفا کا جواب بھی ابدال کو ویسا ہی خنجر سا لگا۔

"میری بہن موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہی ہے، مجھ سے اچھی توقع رکھنا بیوقوفی ہے آپکی۔ جائیں جا کر عیادت کریں اپنی بھیو کی جس کے لیے آئی ہیں۔ میرا اب آپ سے کوئی تعلق نہیں، میں اس دنیا میں اب

صرف ہلال اور عناب سے واقف ہوں۔۔۔میری بکواس سننے سے بہتر ہے آپ مجھ سے اتنی ہی دور رہیں جتنی جا چکی ہیں۔۔۔۔"

اپنا آپ وفا سے چھڑوائے وہ اس سے پہلے بے رحم بنے یہ ساری قیامت ڈھا کر اٹھ کر جاتا، وفا اسکی بازو پکڑے گھسیٹ کر واپس بیٹھائے اس بار غصے اور دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور میری آخری بات کا جواب؟"

وفا بھیگی آنکھیں لیے یہ سوال کرتی دلبر داشتہ تھی۔

"میں خود بہت مجبور ہوں، اب مجھ سے کسی کی بھی مجبوری سمجھنے کی توقع نہیں رکھے کوئی۔۔۔"

وہ تو آج جان لے رہا تھا، بے رحم بنے۔

"میں کوئی ہو گئی؟ وفا کوئی ہو گئی۔۔۔۔؟"

وفا صدمے میں کہتے آواز رند جانے کو روک نہ پائی۔

وہ ویسا ہی پتھر بناہٹ دھری کے خول کو خود پر چڑھائے مسلسل اپنی بازو چھڑوا رہا تھا۔

"ہاں ہو گئیں آپ، آپ نے مجھے تکلیف دی وفا۔۔۔آپکی دی تکلیف میں پاگل ہو گیا تھا اور چلا گیا تھا۔۔۔دیکھیں وہی تکلیف آج کتنی بڑھ کر مجھ پر اتر چکی ہے۔۔۔۔نہ میں جاتا نہ عناب کے ساتھ یہ ہوتا۔۔۔سو آپ بھی مجرم ہیں میری۔۔۔میں خود بھی ہ۔۔ہوں۔۔۔چلی جائیں یار مجھ سے دور، اب مجھے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے۔۔۔"

شاید ابھی وہ چھوٹا تھا تو سہنے کی قوت بھی کمزور تھی، وہ ساری تکلیف جو وہ سہہ چکا تھا، ایک ایک کر کے کہہ بیٹھا، اپنے دل کا سارا غبار اس نے وفا کے سامنے نکال تو دیا لیکن یہ وفا پر کتنا بھاری تھا یہ صرف وہی تو جانتی تھی، اور مجبوری کہ اسے اب ابدال کی یہ نفرت سہنی ہی تھی۔

مزید اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ ابدال کو کوئی صفائی دیتی۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی، تم ایسا نہیں ک۔۔ کرو میرے ساتھ۔۔۔۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو میں تمہیں ا۔۔اپنی ساری مجبوریاں بتاؤں گی۔ لیکن اس وقت مجھے اتنی تکلیف مت دو، میں سب برداشت کر س۔۔ سکتی ہوں لیکن تمہاری ب۔۔ بدگمانی اور نفرت نہیں۔۔۔۔۔ دیکھو میری طرف"

اس درجہ ابدال کی دھتکار نے وفا کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، اپنی بے بسی پر وہ رو ہی سکتی تھی۔

ہاتھ بڑھا کر اسکا موڑا چہرہ اپنے سامنے کرتی وہ سخت دکھ میں مبتلا التجاء کر رہی تھی جسے رد کرنا ابدال کے لیے دقت طلب تھا۔

"آپکو دیکھنا نہیں چاہتا وفا پلیز، مجھے فی الحال میرے ساتھ اکیلا رہنے دیں۔ ابھی آپکو میری ذات سے صرف مایوسی اور دکھ ہی ملے گا۔ میں نہیں چاہتا آپکی بے ادبی کر جاؤں۔۔۔۔ سو لیو می آلون"

وفا کا ہاتھ جھٹک کر وہ اس بار واقعی وفا کے ضبط سے کھیل کر اٹھ گیا اور تیزی سے قدم اٹھاتا چند لمحوں میں ہی اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وفا کے چہرے پر اذیت کا گہرا زرد رنگ پھیل گیا، وہ ہچکیوں کی زد میں روتی، ماتم مناتی اس وقت قابل رحم تھی۔

اس وقت وہ ابدال کو تو کیا، خود تک کو سنبھالنے کی کنڈیشن میں نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اب آپکا پیشنٹ خطرے سے باہر ہے، زرا جاگتے ہی ان سے آپ بیان لے سکتے ہیں"

وھاج سکندر کی زندگی بچ تو گئی تھی مگر عناب کو مکمل بچا نہ سکنے کا دکھ اسے سینے میں پیوست تیر سے زیادہ زخم دے رہا تھا، پولیس کے دو لوگ نرس کے آکر اطلاع دینے پر سر سری سا سر ہلائے اپنی آپسی گفتگو میں منہمک ہوئے وہیں تھوڑی دیر تک زہرہ صاحبہ اور ہلال کو وھاج سے ملنے کی پرمیشن بھی دے دی گئی۔

پولیس کے لوگ اس سے پہلے اس ہوسپٹل سے بھی ہو کر آئے تھے جہاں سے وھاج سکندر کو وہ لوگ اتنی سیکورٹی کے باوجود نکال کر لے گئے تھے، تینوں گارڈز کی نماز جنازہ بھی ادا کر دی گئی تھی۔

ہوسپٹل کے پارکنگ ایریا میں لگے کیمرے کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں ان چاروں آدمیوں کی تفصیل پولیس حاصل کر چکی تھی اور ان چاروں کی تصویریں مختلف جگہوں پر بھیجوا دی گئی تھیں۔

ہوسپٹل کے سٹاف پر بھی شک وشبہ کے ناطے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی کیونکہ اتنے بڑے ہسپتال سے، تین گارڈز کی موجودگی میں ایک کومہ پیشنٹ کا غائب ہو جانا خود اس کے اونر کے لیے بدنامی کا باعث بن چکا تھا۔

وہ چاروں لوگ کرمنل ریکارڈ کے مطابق چھوٹے موٹے غنڈے تھے اور انکی تلاش شروع ہو چکی تھی۔

جبکہ اس معاملے کے بعد اب قانون کے لوگ پہلی فرصت میں وھاج سکندر سے اسکا بیان لینا چاہتے تھے۔

زہرہ صاحبہ کی تو جان میں جان لوٹ چکی تھی، وھاج بہت زیادہ تکلیف میں ہونے کے باوجود انکو دلاسہ دے رہا تھا اور خود اس نے ہلال کو بہت پہلے سے اس وقت ابدال کے ساتھ رہنے کی سختی سے تاکید کی ہوئی تھی۔

پولیس کے لوگوں کے ساتھ ہوسپٹل کے ہیڈ اور دو نرسیں بھی اب وھاج سکندر والے روم میں موجود تھیں۔

"وہ لوگ مجھے ایک جنگلی راستے کی طرف بنے کاٹیج میں لے کر گئے تھے، جب مجھے ہوش آیا تو یو آن اور عناب بھی وہیں تھے۔ وہ لوگ عائش ہمانی کے ساتھی تھے اور ان دونوں بچوں کو بیچنے والے تھے۔ عناب کے ساتھ وہ جانور پہلے ہی بد سلوکی کر چکا تھا۔ جسکا علم مجھے بھاگ نکلنے کے بعد ہوا"

کندھے میں شدید درد کے باعث وہ چہرے کے آزردہ تاثرات کے سنگ پولیس کو بتا رہا تھا، ہر کوئی جیسے ساکت کھڑا تھا۔

وحید صاحب بھی آ چکے تھے اور انکے ساتھ کاشان بھی تھا جس پر نظر پڑتے ہی وھاج کی آنکھوں میں اخیر نفرت اتر آئی۔

کاشان ہمانی اس وقت کئی معاملات ایک ساتھ نمٹانا چاہتا تھا، فی الحال اگر وھاج پولیس کو یہ بتا دیتا کہ عائش کو اسی نے پناہ دی تھی تو شاید کاشان مشکل میں پھنس سکتا تھا لیکن اپنے مزاج سے برعکس چلنے کا فیصلہ لیے وھاج نے یہ بات فی الحال اوپن کرنی مناسب نہ سمجھی۔

"اور یو آن شاہ؟"

پولیس کے ایک اہل کار کے استفسار پر وھاج نے گہرا سانس بھرے اک کدورت سے بھری نظر کاشان ہمانی پر ڈالی جو اس وقت اخیر سنجیدہ سا کھڑا تھا۔

"اسے میں نے ٹوٹی ہوئی دیوار سے بھاگ جانے کا کہا تھا، آپ اسے ڈھونڈ لیں۔ ایسا نہ ہو وہ کسی مشکل میں پھنس جائے۔ اگر میں اسے بھاگنے کا نہ کہتا تو شاید ہم تینوں میں سے کوئی بھی وہاں سے نکل نہ پاتا"

وھاج کے مزید بتانے پر پولیس کے دونوں آدمی اب مڑ کر کاشان ہمانی اور وحید بخاری کے روبرو ہوئے جبکہ وھاج سکندر کی کھا جاتی نظر اس وقت کاشان پر ہی تھی۔

"ہم نے جنگل کے ہر طرف اپنے لوگ روانہ کیے ہیں، ارد گرد کے سبھی علاقوں کی چھان بین ہو رہی ہے۔ امید ہے ہم یو آن کو جلد ڈھونڈ لیں گے۔ رہی بات اس سب کے پیچھے عائش ہمانی کے ہونے کی تو کاشان صاحب آپکو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا"

شروع میں پر امید مگر آخر تک سپاٹ انداز سے پولیس کا آدمی کاشان ہمانی سے مخاطب تھا جس پر وہ فوری جانے کی حامی بھر چکا تھا، پولیس کے ساتھ تعاون ہی فی الحال مصلحت آمیز راہ تھی مگر وہ کہیں اس بات سے بھی الجھ گیا تھا کہ آخر وھاج سکندر جیسے اتھرے آدمی نے رقیب ہونے کے باوجود اسکے خلاف سچ کیوں نہ اگلا تھا۔

یہ معاملہ کاشان ہمانی کو گما کر رکھ دینے والا تھا جسے وہ بعد میں دیکھنے کا فیصلہ لیے پولیس کے لوگوں کے ساتھ ہی گیا تھا۔

وھاج سکندر کے سینے میں جلتی آگ ایک طرف لیکن وہ بے صبرا انسان ہر گز نہ تھا، زہرہ صاحبہ اسکی گرم پیشانی چھوئے اسکے آنکھیں بند کرنے کے ساتھ ہی بھیگی آنکھوں سے اپنے بچے کی مشکل پر رونے لگیں۔ اور ماں رو رہی ہے، یہ وھاج کو بنا دیکھے بھی معلوم تھا۔

"کیا وفا کی رخصتی ہو گئی ہے والدہ؟"

بند آنکھیں وا کیے وہ اپنا ہاتھ بڑھائے ان کی آنسوؤں سے بھیگی رخسار خشک کیے تاسف سے پوچھنے لگا۔

"ہاں کل ہی ہوئی ہے لیکن قسمت دیکھو۔۔۔ اتنی بڑی قیامت ٹوٹ پڑی۔ اللہ نے جس طرح مجھے میرا پیارا بچہ لوٹا دیا ویسے ہی وہ ننھی پری بھی جان آور ہو جائے۔۔۔ قسم سے ابدال کو دیکھ کر روح کانپ اٹھی میری۔۔۔ پتا نہیں ہلال سے سنبھالا جائے گا بھی یا نہیں۔۔۔ تمہیں پتا ہے وہ تو وفا سے بھی خفا ہو کر چلا آیا تھا ہمارے گھر۔۔۔ اس وجہ سے زیادہ اذیت میں ہے کہ وہ عناب کے ساتھ نہیں تھا"

اپنے دست شفا سے وہ وھاج سکندر کے ماتھے پر ڈھلکے بال سہلاتیں اپنی ہی تکلیف کہتی گئیں اور وہ تو پہلے اقرار پر ہی ٹوٹ پھوٹ سا گیا تھا۔

تو قسمت نے واقعی اسے زندہ چھوڑ کر سسکنے اور تڑپنے کا حکم دیا تھا۔

اسکی سوجھی آنکھیں، نیلگوں پن کھا سا بیٹھی تھیں۔ زردی، سرخی اور یاسیت کی بھرمار تھی اس خوبصورت چہرے پر، اب تو اسے تاعمر لاحاصلی ہی سہنی تھی۔

"یعنی ایک اور ناکامی،

میں عناب کو اس مردود بدبخت سے بچا سکتا تھا، لیکن یہ منسب میرے حصے میں لکھا ہی نہیں گیا۔ اللہ اسے زندگی دیں، حالانکہ اسکی زندگی آسان کہاں ہو گی والدہ۔۔۔ پھر بھی وہ بہتر کارساز ہے۔ ناجانے یو آن کہاں ہو گا، جاتے ہوئے اس نے اپنی ڈال مجھے سونپی تھی۔ کیا جواب دوں گا اسے کہ اتنا سب کیسے ہو گیا۔۔۔ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی تو ابھی کھیلنے کی عمر تھی۔۔۔۔۔۔"

اک حسرت تھی جو چھلنی کر رہی تھی کلیجہ، اسے آرام کی تو طلب ہی نہ تھی، اسے سکون اب درکار تھا ہی نہیں۔

وہ بہت مایوس سا تھا، بکھرا ہوا، خود کے زندہ بچ جانے پر ملال میں۔

زہرہ صاحبہ بھی اپنی جگہ افسردہ تھیں۔

"سب بہتر ہو جائے میرے بچے، تم آرام کرو۔"

وھاج کی اس وقت خود کنڈیشن ایسی نہ تھی کہ وہ یہ سب ذہنی دباو لیتا، والدہ کا کہا مان کر وہ آنکھیں تو بند کر گیا مگر سکون تو رخصت ہو چکا تھا۔

اسے نیند کی دوا کے باوجود نیند کی نہ طلب محسوس ہو رہی تھی نہ شدت، پورا جسم سلا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ درد ظاہری مگر وھاج سکندر کے اب کچھ درد اندرونی بھی تھے، جن میں اول وفا کا سکون اور خوشی کے کاشان سے وابستہ ہونے کا درد بھی شامل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یا اللہ مجھے کوئی راہ دیکھائیں، کہاں ہو تم یوئی۔۔۔ کدھر ڈھونڈوں تمہیں"

سڑک کنارے گاڑی روک کر کھڑا وہ فارس شاہ کے تمام خفیہ اکاونٹس اور میلز پر میسج بھیج چکا تھا مگر کہیں سے بھی جواب نہیں آیا تھا۔

تبھی اسکے فون پر سوشل اکاونٹ کے میسنجر میں کسی بلیک نامی سکیور اکاونٹ سے میسج موصول ہوا۔

عون نے فوراسے میسج اوپن کیے پڑھنا شروع کیا۔

"میں ف۔۔۔ ارس، ی۔ یو آن ٹھیک ہے، مجھے خبر ملی ہے کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ تجھ سے جلد ملتا ہوں، اپنے تمام اکاونٹس فی الحال بند کر دیے ہیں۔ بس تجھے یہ خبر دینی ضروری تھی"

گویا رکی ہوئی دھڑکن اس میسج کو پڑھ کر بحال ہوئی تھی، عون نے اللہ کا شکر ادا کیے فون واپس اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا اور خود بھی آفس گیا، ان چاروں آدمیوں کے بارے اس نے پولیس سے خود بھی معلومات منگوا رکھی تھیں، اسکے علاوہ پائزن والا کیس بھی فی الحال اسکی بھرپور توجہ چاہتا تھا، اگر فارس نے اس سے ملنے کی ان نامناسب حالات میں حامی بھری تھی تو یقیناوہ یو آن کے معاملے کے علاوہ بھی کچھ عون کو بتانا چاہتا تھا تبھی عون کی ایک فکر کم ہوئی مگر دوسری بہت حد تک بڑھ گئی تھی۔

کاشان تھانے میں پہنچ چکا تھا، اس نے ہر معاملے میں خود کو موجود رکھنے کی بھرپور کوشش کرنی تھی تا کہ سب سے پہلے اگر عائش کی خبر کہیں سے آئے تو وہ پائزن یا کاشان ہمانی کے لوگوں کو ہی ملے۔

"ہیو آ سیٹ مسٹر کاشان ہمانی"

تھانے کا ایس ایس پی کل ہی سپیشل ڈی آئی جی کے آرڈرز پر اس تھانے پہنچا تھا اور اسے یہی کیس ملا تھا، عائش ہمانی کی تلاش اس وقت ہر پیش رفت سے پہلے کا وہ پتھر تھا جسے ہٹانا اب مقصود ہو چکا تھا۔

ایس ایس پی جہاں داد کے رکھائی سے کہنے پر کاشان کرسی پر براجمان ہوا، انداز خاصا پر اعتماد تھا۔

"عائش ہمانی۔۔۔ آپکا سوتیلا بھائی۔ اب قانون کو چاہیے، اسکی عبرت تو اسکا نام سر عام ہوتے ہی طے ہو چکی ہے۔ ہم پر اس کیس کو لے کر انتہائی پریشر ہے کہ بھلے وہ مردود زمین میں دفن بھی ہو جائے تو ہم اسے ڈھونڈ نکالیں۔۔۔ اس معاملے میں آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

نرم مگر سنجیدہ لہجے میں جہاں داد نے بنا تمہید سیدھی بات کی تھی، کاشان کی سنجیدگی اور اسکا پر وقار خاموش توجہ طلب انداز سامنے والے کو ویسے ہی زیر کر رہا تھا، اور اتنے نامی گرامی ریسلنگ چمپیئن سے بات کرنے میں خاصا احترام بھی عود آیا تھا۔

"میں جانتا ہوں وہ میرا سوتیلا بھائی ہے لیکن میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں، دو سال پہلے ہی اسے مردہ سمجھ لیا تھا۔ اسکے کسی عمل سے ہمارے خاندان کا کوئی واسطہ نہیں۔ اور جو اس نے اب کیا اسکے بعد تو وہ اگر قانون سے پہلے مجھے مل گیا تو نجانے کتنے ٹکڑے کروں گا اسکے"

اپنی بات واضع کرتے کرتے کاشان کے لہجے میں جس طرح عائش کے لیے حقارت اتری یہ جہاں داد نے بھی خاص طور پر نوٹ کی۔

"ہمم۔۔ آپ اسے ہمارے حوالے کریں گے مسٹر کاشان۔ ایک اچھے انسان ہیں آپ، آپکی نیک نامی ہی ہمیں آپ سے پوچھ گچھ میں مشکل سے گزار رہی ہے لیکن یہ معاملہ اب بہت اوپر تک جا چکا ہے۔ آپ کو اگر عائش ہمانی کے بارے کوئی بھی خبر ملے تو آپ مجھے انفارم کریں گے"

ایس ایس پی کی دی عزت اور احترام خاصا ستائشی تھا مگر کاشان جیسے مزید الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔

ایک لمبا سفر اسے پھر سے اپنے سامنے دیکھائی دے رہا تھا۔

عائش اسکے لیے سب سے بڑا مسئلہ بھی بن سکتا تھا اور اپنی ساکھ پر آنچ آنے دینا کاشان کو ہرگز قبول نہ تھا۔

"میں ہر تعاون کے لیے تیار ہوں، مجھے جیسے ہی کوئی خبر ملے گی میں انفارم کروں گا۔ اسے دو سال پہلے کے جرم کی سزا اور اب اس معصوم بچی پر سفاک درندگی اتارنے کے گناہ پر خود سزا دلواوں گا۔ میری طرف سے آپ بے فکر ہو جائیں"

کاشان اپنی پوری یقین دہانی کروا چکا تھا، جہاں داد کو بھی امید تھی کہ اس نے ٹھیک انسان پر یقین کیا ہے۔

"ڈی آئی جی سر بھی چند دنوں تک یہاں خود وزٹ کریں گے، وہ اس بچی سے بھی ملنا چاہتے اسکے علاوہ اس لڑکی کی فیملی سے بھی ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ امید ہے آپ جلد ہمیں کوئی طمانیت بخش خبر دیں گے"

جہاں داد اسے جو کچھ بتا رہا تھا، وہ کاشان ہمانی کو تو نہیں البتہ پائزن کو پتا تھا، کیونکہ پائزن وہ معاملات بھی جانتا تھا جو وہ نہ جاننے کی ادکاری کیا کرتا تھا۔

تھانے سے وہ واپس تو نکل گیا مگر ذہن زوال و عروج کی کشمکش سے الجھا ہوا تھا، کچھ اہم معاملات دیکھنے وہ نکل گیا مگر پہلے مہکار کی طبعیت صاف کرنے گاڑی کا رخ ہوٹل کی جانب کیا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارا، کیوں کالز کر کر کے دماغ خراب کر رکھا ہے"

ہوٹل کے روم کا دروازہ بری طرح دھکیل کر اندر آتا وہ اس وقت مہکار کی جان لینے کے در پر تھا، وہ بھی مسلسل اس سوہان روح کیفیت سے تنگ آچکی تھی۔

"میرا یو آن، کچھ پتا چلا اسکا؟"

بیتابی سے لپک کر کاشان سے استفسار کیے وہ قدرے روہانسی ہو گئی۔

"ہاں محفوظ ہے وہ، اب دوبارہ اگر تم نے مجھے کالز کیں مہکار تو یاد رکھنا بہت برا انجام کروں گا۔ جو کرنے آئی ہو وہ کرو اور واپس اپنی قید میں جاو۔ پولیس کے لوگ ہر وقت ایکٹیو ہیں لہذا کوئی بیوقوفی مت کرنا۔ دوبارہ اگر مجھے یہاں آنا پڑا تو یہ تمہارے حق میں انتہائی برا ہو گا"

درشتگی اور سرد مہری سے وہ ایک ایک لفظ تنبیہی انداز سے اس پر وافع کیا اس سے پہلے واپسی کے لیے نکلتا، مہکار اسکی بازو پکڑے پھر سے روکتی اپنی ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی روبرو آئی۔

"اور فارس شاہ؟"

یہ پوچھنے میں اس عورت کا ضبط صرف ہوا تھا، کاشان نے اچٹتی نگاہ مہکار کے ماتمی چہرے پر ڈالی اور اپنی بازو ایک ہی جھٹکے سے چھڑوائے دگئی شدت سے مہکار کی بازو اپنی مٹھی میں جکڑے خونخوار ہوا۔

"تمہارا وہ فارس شاہ، میرے خلاف جانے کی غلطی کر بیٹھا ہے۔ فی الحال تو زندہ ہے لیکن زیادہ دیر رہے گا نہیں۔ تمہیں بس اپنی جان کی فکر ہونی چاہیے۔ یو آن شاہ میرے ہوتے کبھی کسی مشکل یا تکلیف سے نہیں گزرے گا یہ ڈیل تب تک رہے گی جب تک تم اپنا منہ بند رکھو گی۔ صرف ایک مہینہ ہے تمہارے پاس اس بدلے کے لیے، اسکے بعد تمہارا کیا ہو گا یہ پائزن طے کرے گا۔ اب غلطی سے بھی کال مت کرنا، میں خود رابطہ کروں گا۔۔۔۔۔"

صاف صاف لفظوں میں وہ دھمکیاں دیتا اس سارے فساد میں پھر سے کود چکا تھا، مہکار کو اپنی پرواہ کب تھی اب، اسے بس یوآن کی زندگی درکار تھی۔

ان دھمکی خیز پیغامات کا اس نے پائزن نے چھپالیا تھا کیونکہ ابھی اسے یہ وقت مناسب نہ لگا۔

وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی بپھری موج بنا واپس لوٹ گیا تھا۔

اتنے تھکا دیتے دن کے بعد اسکے اب کچھ دیر صرف آرام کی طلب تھی اور آرام و سکون کی نیند فی الحال تو دیوانے کا خواب لگ رہی تھی۔

عائش ہمانی کی فی الحال کوئی خبر نہیں ملی تھی، زمین سے اسے نکال کر اسکے لوگ نا جانے کہاں جا کر غرق ہو گئے تھے کہ انکا کوئی نام و نشان نہ مل رہا تھا۔

پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی، کلب تک جا کر تلاشی لی گئی تھی، عائش ہمانی کے تمام خفیہ اڈوں کو آج کے پورے دن چھان مارا تھا مگر وہ پور پور زخمی سفاک درندہ نا جانے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا تھا۔

پائزن نے اپنے ہیکرز، جاسوس اور لوگ ایکٹیو کر دیے تھے، ملک سے باہر جانے والی ہر غیر قانونی روانگی اسکے لوگ اسکے نوٹس میں لا رہے تھے، ٹرکس اور بڑے بڑے مال بردار ٹرکس، ٹرینیں اور پرائیوٹ فلائیٹس کی نگرانی پائزن اپنے طور سے خفیہ طریقے سے جتنی کروا سکتا تھا کروا رہا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عائش اس سے کہیں زیادہ چالاک اور شاطر ہے، وہیں اسکے چند اکا دکا وفادار ساتھی جو اسے اس دردناک موت سے بچا کر لے گئے تھے وہ اسے چپ چاپ ملک سے باہر بھی نکال سکتے تھے۔

اور ساری ٹنشن ہی اسی بات کی تھی کہ اگر عائش کسی طرح ملک سے فرار ہونے میں اگر کامیاب ہو جاتا ہے تو اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہونے والا تھا، دوسرا پائزن کے عتاب کے بعد کم از کم وہ اپنی اصل شناخت کے ساتھ بھی منظر عام پر اب آنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا، تیسری ٹنشن اپنے رکے معاملات کی جو اسے تھکا چکے تھے،

فارس اور ایزل کی غداری کا سر سری ساذکر اسکے ہیڈ ٹیم ہیکر نے کیا تھا لیکن ابھی پائزن خود ان دو کی غداری اپنے ہاتھ سے بے نقاب کرنا چاہتا تھا، سزائیں بعد میں مقرر ہونی تھیں۔

اگلا مسلئہ وھاج سکندر تھا، اسکی چپ کسی بڑے طوفان کا پش خیمہ تھی، وہ وفا کے لیے جتنا بھی صاف دل ہو جاتا لیکن وھاج سکندر کے وفا کے لیے جذبات جھٹلا نہیں سکتا تھا۔

سب سے اہم معاملہ ابدال کا بھی تھا، وہ چاہتا تو تھا کہ اس معاملے سے پردہ اٹھا دے مگر اسے یہ فی الحال مناسب نہ لگ رہا تھا۔

وفا بخاری کچھ دیر بھیو کی بیمار پرسی اور انکی دل جوئی کیے رکی، عناب کو کچھ دیر آئی سی یو روم کے مرر سے دیکھے اسکے ننھے وجود اور پاکیزہ دل کے بہتر ہونے کی دعا کی، ابدال اس سارا وقت اسے نظر انداز کیے بس عناب کے لیے دعا گو تھا۔

وھاج کے بہتر ہونے کی خبر اسکے لیے کافی تھی لیکن وہ چاہ کر بھی اس انسان کا اب سامنا نہیں چاہتی تھی، یا شاید اسکا دل ہی راضی نہ تھا۔

فریال صاحبہ اور وحید صاحب نے اسے اپنی سمت سے عناب کی طرف کی بہت سی تسلی تو دی، یہ بھی کہا کہ اب اسے صرف وہی سنبھال سکتا ہے لیکن وہ تب تک تڑپتا رہنے والا تھا جب تک عناب کی بند آنکھیں خود پر تنی نہ دیکھ لیتا، اسکی آکیسجن ماسک سے آزاد سانس نہ رواں محسوس کر لیتا، وہ جو مسلسل ڈر اور تکلیف سے کانپ رہی تھی، اسے ہر درد سے آزاد نہ دیکھ لیتا۔

"میں اسے سنبھال لوں گا، میں اسے اب کوئی درد سہنے نہیں دوں گا۔ بس وہ میرے جینے کی وجہ بن کر مسکرانے کا وعدہ کرے۔۔۔ میں اسے ک۔۔ کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا، اللہ نے اسے مجھے لوٹایا ہے تو میں

ثابت کروں گا کہ اسے سمیٹ سکتا ہوں۔ دنیا اب میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اب میری دنیا صرف میری عناب ہوگی"

تھک ہار کر وہ فریال کی آغوش میں کسی چھوٹے بچے کی طرح دبک کر آنسو آنسو ہوتا عہد لے رہا تھا، اور وفا کے پاس اتنی ہمت بچی ہی نہ تھی کہ وہ کچھ دیر وہاں مزید رکتی تبھی شام ہوتے ہی وہ واپس چلی گئی۔

ابدال نے اسے جاتا دیکھ کر بس کدورت اور تکلیف سے بھر کر نگاہ ہی ڈالی، احساس تھا اسے وفا کا لیکن وہ جان بوجھ کر اب احساس سے عاری ہو جانا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر الماس سے خود وہ عناب کے پاس جانے کی خواہش کرنے گیا جس پر وہ پہلے تو منع کر دینا چاہتی تھیں مگر جس طرح صبح سے وہ اس بچے کی حالت دیکھ رہی تھیں، انھیں ابدال کو منع کرنا مناسب نہ لگا۔

وحید صاحب اور فریال بھی رات تک گھر نکل جانے والے تھے کیونکہ وہاں زیادہ کو رکنے کی پرمیشن نہ تھی، ویسے بھی منیہا اور عون بھی رات تک آجانے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاشان کو واپسی پر بارہ بج گئے تھے، وفا کے بارے اسکا یہی خیال تھا کہ وہ ہوسپٹل ہی رکے گی لہذا وہ واپسی پر اسے لینے کا خیال بھی جھٹک کر سیدھا حویلی ہی آیا۔

چوکیدار کے دروازہ کھولنے پر کاشان کی حویلی کے پورچ میں رکتی گاڑی پر لان میں ٹہلتی زویا نے رخ موڑے دیکھا، موسم ہلکی پھلکی ٹھنڈی ہوا سے خوشگوار ہو رہا تھا۔

گاڑی کی چابی گارڈ کو پکڑاتا وہ زویا کو لان میں ٹہلتا دیکھ کر وہیں چلا آیا۔

بنا جانے بھی سب جان لیتا وہ کسی شفیق سائے سا قریب آئے زویا کو اپنی ایک بازو حصار کر سینے سے لگا گیا، جیسے وہ یہ کر کے کہ اسے مضبوط بناتا ہو، بلکل ویسے جیسے وہ اسے بناتی رہی تھی۔

وہ بھی اس ڈھارس دیتی گرفت میں اپنا آپ کاشان کے سہارے چھوڑ کر اپنی اب تک متورم آنکھیں میچ گئی۔

"یہ دن دیکھنے باقی تھے کہ اس نہال کے لیے آپ ماتم منائیں گی زویا صاحبہ، میرا تو بس نہیں چلتا یار اسے کل کے بجائے آج ٹکٹ کٹوا کر بھجوا دوں"

دن بھر کی تھکا دیتی مسافت کے بعد وہ بھی جیسے ہر بوجھ کندھے سے اتارتا دانستہ مسکراتے ہوئے اسے حصار کر اب لان میں خود بھی چلنے لگا، زویا اسکے اتنے ریلیکس ہونے پر تھوڑی متذبذب تھی۔

"پلیز کاشان، تنگ مت کرو ناں۔ کتنی بری حالت میں تھا وہ انسان۔ بے بس کا مزاق نہیں اڑاتے۔ تم یہ بتاو کہ کچھ پتا چلا کہ اس بچی کے ساتھ یہ سب کس نے کیا؟"

شروع میں وہ یکدم ہی پھپھیا بنی خفیف سا ڈانٹ گئی مگر اسکی ناراضگی اگلے ہی پل سوال بن گئی جس پر کاشان کے ماتھے پر بھی ناگواری سے بل اترے۔

"عائش نے، اس لعنتی نے جس کو دو سال بعد زندہ چھوڑ کر گناہ کیا میں نے۔۔۔۔ لیکن یو ڈونٹ وری اباوٹ دس۔۔۔ آئی ول ہینڈل۔۔۔ فی الحال تو آپ مجھے ایک کپ سٹرونگ سی کافی بنا دیں۔ جو بکھیر اسمیٹ کر آرہا ہوں سوچ ہے کہ کتنی برداشت دیکھانی پڑی"

پولیس اور عائش کی تلاش یہ سب ہی کاشان کو اس وقت ایک ہی روپ میں جکڑے ہوئے تھا، اپنے پائزن ہونے کی ذمہ داری وہ اس وقت مکمل باسط کے سپرد کیے اپنی پوری توجہ موجودہ معاملات پر ہی رکھے تھا۔

عائش کی تلاش اس لئے بھی ضروری تھی کہ وہ کمینہ اسکی پائزن کی حقیقت سے واقف تھا، لیکن جتنے زخم کاشان اسے دے چکا تھا، اسکا خیال یہی تھا کہ کم از کم سال تک تو وہ ان دردناک زخموں سے سسکتا رہنے والا تھا جو کاشان کو فی الحال دلی سکون دے رہا تھا۔

"اللہ غارت کرے اس بے غیرت کو، ہمارے خاندان کا نام پلید کر دیا۔ کیڑے پڑیں تجھے عائش، ہمیں کیا خبر تھی کہ آدم خور پال رہے ہیں۔۔۔ آہ فراز بھائی، آپکی اس امانت کا خیال رکھنے کے چکر میں ہم نے ڈسوا لیا اس سپولے سے خود کو۔۔۔۔"

یہ سچائی زویا پر قیامت سی ٹوٹی اور وہ دل دہل جانے پر دل پر ہتھیلی سہلائے غائبانہ کو سی، کاشان کی آنکھوں میں بھی گویا نفرت ابلی۔

"اسکا زہر نکال کر سر کچلنا بھی خوب آتا ہے مجھے"

کاشان نے پر یقینی سے کہا، زویا پھر بھی سخت دکھی تھی۔

"ہمم وفا واپس آگئی، جب سے آئی ہے روم میں ہی ہے۔ ڈنر کے لیے بلانے گئی تھی لیکن اس نے رسان سے منع کر دیا"

زویا کے ساتھ چلتا جب تک وہ اندر پہنچا، اس سے ملتی اس غیر یقین خبر پر کاشان کو صدمہ ہوا۔

وہ وفا کے آجانے پر حقیقی چونکا۔

زویا کے ہاتھ سے مگ لے کر واپس رکھے وہ اسکی پیشانی چومتا مڑا۔

"کافی رہنے دیں، میں آپ سے صبح ملتا ہوں۔ سو جایئے گا اس محبوب کے راگ نہ الاپتی رہیے گا۔۔۔"

فوری اپنی حیرانگی کو ور کرتا وہ سرپٹ فرار ہوا اور اسکی بات کے باوجود زوئیا اسکے یوں اتاولے پن پر پھیکا سہی پر مسکرادی۔

"میرے کاشان کی خوشی اور اسکی عزت سلامت رکھیے گا، آپ جانتے ہیں وہ کن معاملات میں کیوں اور کب کب برا بنا۔۔۔ زندگی اسکے لیے بہت مشکل رہی ہے، بس اس سے وفا مت لیجئے گا"

اسے جاتا دیکھ کر زویا نے صدق دل سے دعا دی تھی۔

وفا کے آجانے کا اسے اپنے کمرے میں داخل ہونے تک یقین نہ تھا، مخصوص انداز لیے وہ بنا آواز کمرے میں آیا، سرسری سی نظر بیڈ کے ایک کنارے ترچھی ہو کر گال تکیے سے لگا کر کروٹ پر لیٹی وفا کو دیکھا، اسکا رخ دوسری جانب تھا۔

دل کو اک الگ ہی سکون سا آیا، وہ ہوسپٹل رک بھی سکتی تھی لیکن اسکے واپس آنے نے کاشان کو خوشگوار سی خوشی سونپی۔

اپنے جذبات ظاہر کیے بنا وہ پہلے آتے ہی واڈراب کھولے اپنا ٹراوز شرٹ نکالے، اک نظر وفا کے بظاہر بے جان مگر بہت کچھ کہتے سراپے پر ڈالتا اٹیچ باتھ میں گھس گیا۔

تقریباً دس منٹ تک وہ تروتازہ ہوئے باہر نکلا، تولیے سے بال رگڑے نظر ہنوز لیٹی وفا کی پشت پر ٹکائے کچھ گہرے خیالات میں مبتلا ہوا۔

"مجھے تو لگا تھا تم رکو گی وہیں، خیریت تو ہے؟"

تولیہ ایک طرف سٹنڈ پر ہینگ کیے وہ شرٹ کی بازویں ابھری بازو پر فولڈ کرتا مدھم سا استفسار کیے وفا کے پاس ہی دوسری جانب آن ٹکا، وہ جاگ تو رہی تھی مگر نجانے کیوں وہ چپ رہی۔

وفا ہوسپٹل جا کر بھی وہاج سے نہ ملی نہ اسے دیکھا، یہ خبر اسکا آدمی پہلے ہی اسے دے چکا تھا تبھی آج وفا پر کچھ نرمی کرنے کا دل بھی شدت سے مچل رہا تھا۔

"وفا، کیا ہوا ہے؟"

اسکی مسلسل چپ جب کاشان کو کاٹنے لگی تو وہ جھک کر اسکی بازو پکڑے اسے سیدھا کیے وہیں ساکن سا ہوا، کیونکہ وفا جب سے آئی تھی بس رو ہی تو رہی تھی، بھلے اس نے خود بھی وفا کو صرف آنسو ہی دیے تھے لیکن اب ایسا لمحہ تھا کہ وہ اس لڑکی کی آنکھوں سے سارے دکھ چرا لینے کی خواہش میں پورا دھڑک رہا تھا۔

"و۔۔۔ہاں سانس بند ہو رہا تھا، ت۔۔۔تم نے مجھ سے میرا ابدال بھی چھین لیا۔ اسکی نفرت نہیں سہی جائے گی م۔۔۔مجھ سے۔۔۔۔تم نہیں جانتے وہ میرے لیے کتنا اہم ہے۔۔۔۔آج جو بیگانگی اسکی آنکھوں میں تھی وہ مجھے مار گئی، ک۔۔۔کیوں کاشان۔۔۔تم نے اس سے اتنا سنگین بدلا کیوں لیا۔۔۔۔اسکے پاس و۔۔۔وفا ہی تو اپنی تھی"

پلوں میں وہ خود پر جھکے اس سنگدل کا گریبان دبوچے پھٹ سی پڑی، اتنی تکلیف کہ خود کاشان کو احساس ہوا کہ بھلے اس نے نیکی کی ہو لیکن ایسی کر دی جو اسی کے گلے پڑ گئی تھی۔

"عناب کی کنڈیشن خطرے سے باہر ہے یہ تسلی بخش ہے، تمہارے بھیو اب سٹیبل ہیں یہ مزید بہتر ہو گیا۔۔۔تمہارا وہ دیوانہ باڈی گارڈ بھی کومہ سے نکل کر گولی کھانے کے بعد بھی سلامت ہے، اور ابدال جسے کچھ دن بعد عقل آجائے گی کہ کیا سہی تھا اور کیا غلط۔۔۔۔لیکن تم مجھ سے وہی الٹا سوال کیے جا رہی۔۔۔۔گرو اپ۔۔۔۔"

صاف صاف برہمی لیے وفا کو باور کرواتا وہ تھوڑا بے رحم اور ڈھیر سالا پرواہ لگا تبھی تو وفا کو غصہ آیا۔

"ٹھیک ہے پھر رونے دو، سوال نہیں کرو۔۔۔۔۔"

پھر سے دکھی سی منہ موڑے ضدی سی ترنگ میں بولے رخ موڑ گئی اور کاشان نے بنا سنبھلنے کا موقع دیے اس مومی گڑیا کو کمر سے ہاتھ گھسا کر دبوچے اگلے ہی لمحے اسے گما کر نہ صرف پلٹایا بلکے خود پر گرائے اپنا سر تکیے پر جمالیا۔

اس اچانک افتاد پر وفا کی آنکھیں خوف سے پھیلیں، ایک لمحے تو وہ کاشان کے اس نازک اور ملائم جھٹکے پر دہل اٹھی۔

وہ اسے شکوں کناں ہو کر دیکھ رہی تھی، اسکی قربت ابھی وفا کے کسی زخم کو مندمل نہ کر سکتی تھی۔

"تمہارے اندر میری اولاد پروان چڑھنے والی ہے، میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم رو رو کر اسے بھی روتو شکل بنا دو۔ مجھے اپنی جیسی سر پھری، نہ رونے والی اور جنونی اولاد چاہیے ورنہ تم مشکل میں پڑ جاو گی۔ کیونکہ اگر ایک رزلٹ میری منشاء کے مطابق نہ آیا تو میں اگین ٹرائے کروں گا"

لمحے میں شدید جنونی ہو کر وفا کے رخسار سے ہونٹ سہلائے وہ من مانی بھرے انداز سے جو جسارت کر تا فرما بیٹھا، وفا پوری جان سے کانپی، سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر یہی لگا کہ اس لڑکی کا اس بے بس کرتی گرفت میں خون جامد ہو گیا تھا۔

"چ۔۔ چھوڑو مجھے"

اس جان لیوا لمس سے سلگ کر تلملاتی وہ اسکے اپنی کمر کے گرد نرم حصار تک کو چھڑوا نہ سکی، وہ اسے سخت انداز سے اب آخری سانس تک چھو نہ سکتا تھا، لیکن اخیر نرمیٔ اختیار کرنا بھی کافی کہاں تھا۔

وہ اتنے قریب اسکی ہر سوئی حس جگا چکی تھی، اسکے دل کو دھڑکانے کو اپنا بمشکل نکلتا سانس ہموار کرتے تھک ہار کر اپنا چہرہ کاشان کے سینے سے لگائے دم سادھ سا گئی۔

"تم ب۔۔۔بہت برے ہو کاشان۔ تم مر جاو"

جب درد رگ رگ میں ناچا تو وہ یہ تک کہہ بیٹھی جو سن کر اس دل جلے دیوانے کو قرار سا آیا۔

وہ اس وقت نازک سا وجود تھی جسے پہاڑ سی گرفت نے خود میں حلول کیا تھا، لیکن وہ کاشان سے دور جانے کو مزاحمت بھی ترک کر چکی تھی۔

"مر جاوں گا تو تم خوش ہو جاو گی کیا؟ پھر بھی تم نے رونا ہی ہے کہ میرے بچے کا باپ چلا گیا۔۔۔ بہت امپارٹنٹ ہوں اب، تم مانو یا نہ مانو"

منہ بسور کر اسکی سچی بد دعا کو بھی اپنی دلکش طبعیت کے رنگ سے جھوٹا کرتا وہ اس وقت شاید اپنے سب سے بہترین روپ میں تھا، اور وہ کاشان کو بہترین کے دائرے میں دیکھ کر خوش نہ تھی، کیونکہ وہ اسے دھتکار چکی تھی، اب اپنی ہار کاٹ رہی تھی۔

"تمہاری موت پر ایک آنسو نہیں نکلے گا، بلکے خوشی ہو گی تم سے جان چھوٹی"

اس کے وجود کے حصار میں اپنا کھویا چین پانے کے باوجود وہ اسے لفظوں سے زخم لگاتی گئی لیکن فی الحال اسکا کوئی لفظ کاشان کو کاٹ نہیں رہا تھا۔

"تو مطلب آزما لیا جائے۔۔۔ اگر ایک آنسو نکل آیا تو کیا سزا پھر تمہاری؟"

کان کی لو کو چوم لیتا وہ اس نازک وقت اٹکیلیاں کرتا بڑے مزے سے جاننے کا طلب گار ہوا، وفا نے گہرا سانس کھینچے سر اٹھائے ویری نظریں لیے اسے دیکھا جو شدت سے جواب کے لیے بیتاب تھا۔

"کیوں نکلے گا بھلا، نہ تو محبت جیسی کوئی فضولیات لاحق ہیں مجھے نہ تم مجھے پیارے ہو۔ ہم دو کے بیچ صرف اس بچے کی ڈور بندھی ہے۔ اور کیا تعلق ہے ہمارا؟ کیا تمہیں میرے درد کی خبر ہوتی ہے؟ کیا جب وفا روتی ہے تو اسکی آنکھوں کے آنسو تمہارے دل پر گرتے ہیں؟ کیا تم نے مجھے انسانیت ہی کہ ناطے مہلت دی تھی اس رات؟ کیا تمہارا دل نہیں کانپا تھا اس لمحے جب تم نے میرے کردار پر سوال کیا بھلے مجھے نیچا دیکھانے کو ہی۔۔۔۔ بولو اس بچے کے علاوہ اور کونسا ایسا تعلق ہے کہ تمہاری تکلیف پر میری آنکھوں سے آنسو نکلیں"

اتنے قریب ہو کر وہ اتنا سخت اور کڑوا بول گئی تھی، بنا رکے، بنا کاشان کے چہرے پر کھنڈ جاتی زردی کی پروا کیے۔

وہ خود کو روکنا چاہتا تھا لیکن وفا کے یہ لفظ بھاری قیمت چکانے کے بعد ہی جواب کے مستحق تھے، وہ سانس سانس ہوتی کاشان کے بے خود بڑھتے اقدام پر اپنے پورے وجود میں کہرام محسوس کرتی آنکھوں کو نم کرتی اس سے رحم کی التجاء کرنا چاہتی تھی لیکن وہ جا بجا اس پر حاوی صرف اسکی خوشبو کی زبان سے محاطب تھا، اسے قطرہ قطرہ حلق میں انڈھیل لئنا چاہتا تھا، تا کہ وہ حقیقت میں زہر بن کر اسکی رگوں میں ڈورتی رہے۔ تکلیف دیتی رہے۔

آج وہاں شدت نہ تھی، بس نرمی تھی، ان جاندار ہونٹوں کی نرمیاں دریافت کرنا گداز تھا، پھر شیو کی چبھن حواس سلب کرتی چہرے پر جگہ جگہ مس ہوئے وفا کو بے حال کرتی رہی۔

"تم رو کر دیکھو، تمہارے آنسو گرنے کی آواز اس سینے سے نہ آئی تو کہنا۔۔۔

تم سانس لو، اسکی خوشبو تمہیں میرے ہونٹوں سے نہ آئی تو کہنا۔

تم خواہش کرو، اعتراض کروں تو سزائیں تمہاری، ذات میری۔

تم دور جانے کو ایک قدم بڑھاو، میں تمہارے خیال تک سے نکل نہ جاوں تو کہنا۔۔۔

تم قریب آنے کو ایک قدم بڑھاو، تمہئں نس نس میں اتار نہ لوں تو کہنا۔۔۔۔

تم محبت کرنے کی ابتدا کرو، میں انتہا نہ کر دوں تو کہنا۔۔۔

تم وفا بن جاو تو اپنے آسمان کا واحد چاند بنا لوں تمہیں، تم اب بھی اس ڈور کے معمولی ہونے کی بات کر رہی ہو۔

جسکا ایک سرا میری سانس سے جڑا ہے"

اپنے کانوں کی اور بھاری جذب سے سرد پڑتی سرگوشیوں نے وفا کی دھڑکن روک دی، اپنے کندھے پر دھرے ہونٹوں کا لمس، جان لیوا ہوا وہیں وہ نرمی سے اسکی دونوں میچ لیتی آنکھوں کو چومتا آزردہ ہوا۔

" جھوٹے ہو تم، تمہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ تم سانس نہ لینے پر تو راضی ہو سکتے لیکن میرے ساتھ جڑے رہنے پر نہیں"

دکھ، تکلیف، اذیت، تکان اور بے بسی وفا سے بہت برا سچ کہلوا بیٹھی، یہ سن کر بھی ان سنی کرتا وہ گہرا مسکرا کر اگلے ہی لمحے مسکراہٹ معدوم کر گیا۔

"تم پر ڈیپنڈ کرتا ہے، تھوڑا انا پرست ہوں۔ تم قریب آو گی تو جان تک وار دینے والا ریسپانس ملے گا۔ دور جاو گی تو میری طرف سے مر بھی جاو میں پلٹ کر نہیں دیکھوں گا۔ چھوڑ جانے والوں کے پیچھے نہ تو بلکنا منظور مجھے نہ دھتکارنے والوں کو پکارنے کی غلطی کرتا ہوں۔ میرا تو ایک ہی اصول ہے، مر جاو یا مار دو"

انتہائی سفاکیت سے اپنی ظالمانہ عادات کا اظہار کیے وہ صرف اس وقت وفا کو ستانا چاہتا تھا، تا کہ محسوس کرے اس عورت کے رویے سے کہ وہ تھوڑا سہی پر اسکے لیے اہم ہے اب۔

"لیکن تمہارے لیے مر بھی سکتا ہوں، اور خود کو مار بھی سکتا ہوں۔ سچ"

ہلکورے لیتے درد اس سے پہلے آنسو کا ریلا بنتے، وہ اسے حکایت دل بھی ظالم طرز سے سنا تا شاک کر چکا تھا۔

"میں نہیں مانتی، فریبی انسان۔۔۔بس تم بہت برے ہو، مجھ سے زندگی اور موت دونوں کا حق چھیننے والا کم از کم مجھ سے محبت نہیں کر سکتا۔ جب تمہیں کوئی تکلیف لگے گی پھر سمجھو گے میری اذیت، دیکھنا میں چلی جاوں گی بہت دور۔ اور دیکھنا تمہارے سارے اصول بھی ٹوٹیں گے۔ تم تب سمجھو گے، تم کبھی شمار بھی نہیں کر سکتے ان آنسوؤں کو جو ابھی تک تمہاری وجہ سے بہائے۔"

دل اتنا دکھا تھا کہ وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

کاشان بس اسے فی الحال بے حس بنے سن ہی سکا۔

"وہ وقت جب ایک لڑکی کی شخصیت مکمل ہوتی ہے، وہ سکھ اور سکون کی نئی شکلیں دریافت کرتی ہے تب تم نے مجھے صرف تکلیف دی، مکمل کرنے کے بجائے ادھورا کر دیا۔ معاف نہیں کروں گی، اب تم ڈھل کر بھی آجاو تب بھی مجھے زہر لگو گے"

گرفت جھٹک کر وہ نا صرف اٹھی بلکہ کاشان کے اس بار مزے سے چوڑا ہو کر لیٹنے پر اسے کچا چبا جانے سے خونخوار انداز میں تکتی پیر پٹختے خود کو واش روم میں بند کر گئی۔

دروازہ زور سے پٹخنے کی آواز پر کاشان نے سلگتی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس سمت دیکھا جہاں وہ طوفان بنی جا سمائی تھی۔

"ابھی تم جانتی ہی کہاں ہو مجھے، ایک بار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تم وفا تو تمہارا ذکر بھی خود پر حرام کر لوں گا۔۔۔"

اس کے گم ہو جانے پر وہ اسے شدت ڈھونڈ رہا تھا، اپنے دل اور وجود کی طلب کے جواب میں صرف تسلی اور بے بسی تھما رہا تھا خود کو، اپنے حواس پر اتری اس عورت کے ستم گراں تھے اب، وہ جھک سکتا تھا اگر وہ

صرف جھکانے کی خواہش کرتی مگر وہ تو خود نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے توڑ دینا چاہتی ہے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اسکا کاشان سے تعلق کیسا ہے، وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ جڑھ چکی ہے، تاحیات کے لیے ایک ہی زمین تلے دفن ہو چکی ہے، اب اسکے وجود کی شاخیں اسی آسمان تلے پھیل سکتی تھیں۔

کسی پودے کو اکھاڑ کر جب ایک جگہ سے دوسری جگہ لگایا جاتا ہے تو دوبارہ سے زندہ ہونا پودے کا کمال نہیں ہوتا بلکہ اس مٹی کا ہوتا ہے جو اسے خود میں سمو لیتی ہے، جڑیں پکڑنے کی راہ دیتی ہے۔

لیکن شاید کاشان ہمانی نے خود کو اکھاڑ کر ایک ایسی مٹی میں آن گاڑا تھا جو زرخیز تو نہ تھی البتہ بنجر ضرور تھی، اور اسکا بنجر پن اسکے جسم کا سارا لہو مانگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

محبت کے سنگ وہ اپنا ہاتھ آہستگی سے ہوش سے بیگانہ ہو کر نیند لیتے یو آن شاہ کے ماتھے پر سہلا رہے تھے، ناجانے کیوں انکا چہرہ منظر عام پر آنے سے گریزاں تھا، خیر دین کچھ فاصلے پر ہی مودب کھڑا انثار ہوتی نظریں اس منظر پر ڈالے دیکھ رہا تھا۔

" تمھیں پتا ہے خیر دین، زندگی کتنی مشکل ہے۔ خاص کر میرے لیے۔ بیک وقت برائی اور اچھائی دونوں کا ساتھ دینا پڑتا ہے مجھے۔ لیکن کم از کم اس خونی جنگ میں ان معصوم پھولوں کا کوئی قصور نہیں "

بھاری، مگر مہربان سی وہ آواز آج ان کہے دکھ سے بھری ہوئی تھی، وہ اب بھی منظر عام پر نہ تھے بس انکا چہرہ راز تھا تبھی مخفی تھا۔

" جانتا ہوں، مشکلات سے نمٹنا آپ خوب جانتے ہیں۔ فی الحال تو اللہ کا شکر ہے کہ یو آن شاہ کے ساتھ کوئی جنسی تشدد نہیں کیا گیا۔ یہ بچہ محفوظ ہے۔ امید ہے یہ خبر اسے بھی تسلی دے گی "

خیر دین مقابل کے شاید کھوئے تاثرات دیکھ کر پر امید ہوا تھا مگر وہاں تو تھکن کا اخیر بسیرا تھا۔

" الحمد اللہ، لیکن تسلی جیسا کچھ نہیں ہو گا خیر دین۔ جب تک ہر الجھن سلجھ نہ جائے۔ وہ تمام تر برائیوں کے بھی جب جب مجھے مدد کے لیے پکارتا ہے تو میں اسکی مدد کو لپک پڑتا ہوں۔ یہ سوچے بنا کہ وہ ظالم ہے، مجھے بس اتنا یاد رہتا ہے کہ وہ انسان ہے اور انسانیت سے ہم سب سے کہیں درجے زیادہ واقف ہے "...

وہ پراسرار سے انسان آخر کون تھے، کیوں انکا چہرہ راز میں دفن تھا، کیوں انکے لہجے میں بے بسی اور تکلیف تھی۔

خیر دین بھی افسردہ سا ہوا۔

"کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا سرکار، ہر کسی میں عیب ہوتے ہیں۔ معافیہ کے چکر میں جب کوئی پھنس جاتا ہے تو اس سے انسان ہونے کا حق سلب کر لیا جاتا ہے یہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ ایک انسان، اپنے اخلاق اور انسانیت سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ فرشتہ کوئی کیسے بن سکتا ہے آخر، یہ دنیا آپ ہی تو کہتے ہیں بہت ظالم ہے"

خیر دین نے وضاحت اور دلیل ایک ساتھ پیش کیے بہت نرمی سے اس انسان کو لاجواب کر دیا تھا۔

"میں بیک وقت اپنی کئی سالا زندگی کے اس لمبے سفر میں کبھی ایک ہی انسان سے دو جذبوں کا مرتکب نہ ہوا تھا سوائے اسکے، وہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ کب اسے شیطان بننا ہے اور کب فرشتہ.....

اچھائی اور برائی کے جھگڑوں سے دُور اک جہاں انسانیت اور پراسرارئیت کا بھی ہے جس کا وہ Dark Horse ہے"

اس آواز کا اتار چڑھاو عجیب ہچکولے کھا رہا تھا، خیر دین خاموشی سے انھیں سن رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔ زندگی سیاہ اور سفید کا مرکب ہوتی ہے، سیاہ چکھے بنا سفید کا ادراک نہیں ہوتا۔ پہلے ہی جھٹکے میں سفید پا لینے سے سیاہی کی گہرائی کے راز چھوٹ جاتے ہیں۔ خیر تم نے یوآن شاہ کی خیریت کی خبر وہاں پہنچا دی جہاں کہا تھا میں نے"

وہ گھمبیر لہجے میں زندگی کا گہرا راز کہتے کہتے اختتام تک کچھ یاد آنے پر فکرمندی سے خیر دین سے مخاطب تھے جو فرمابرداری سے سر اثبات میں ہلا رہا تھا۔

"بہترین۔۔۔ اسکا خیال رکھو۔ اگر اٹھے تو کچھ کھلا دینا، فی الحال اسکا آرام کرنا ہی بہتر ہے۔ کوئی سوال کرے یا کچھ پوچھے تو تم نظر انداز کر دینا"

چند ضروری ہدایات کرتے وہ خیر دین کا جاتے ہوئے کندھا شفقت سے تھپک کر کمرے سے باہر نکل گئے اور خیر دین نے اک نظر یو آن کو دیکھا جو نا جانے کونسی گہری نیند اوڑھ چکا تھا، شاید یہ لاعلمی ہی فی الحال اس ننھے وجود کی اذیت سے چھٹکارہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منیہا کو عون رات لے تو آیا تھا مگر ہوسپٹل واپس آ کر وہ پھر سے رونے لگ گئی تھی، عون اسے خود ہی نہال بخاری کے پاس چھوڑ گیا تھا جو اب بھلے بہتر تھے پر اپنے بچوں کے آنسو انھیں نڈھال کر رہے تھے۔
وہ انکے سینے پر سر رکھے بازو پھیلا کر دبوچے پچھلے ایک گھنٹے سے بس رو ہی رہی تھی۔
عون کو انہوں نے ابدال اور عناب کو دیکھنے بھیجا تھا جو ڈاکٹر الماس کی پرمیشن کے بعد سے اپنی پری کے پاس ہی تھا۔
ہلال بھی اسکے ساتھ تھا مگر ابدال نے سب کو جانے کا کہہ دیا تھا، وہ اکیلا رہنا چاہتا تھا اس پری کے ساتھ جسکی سانسیں اکھڑتی دیکھنا جان لیوا تھا، وہ بے یقینی سے اپنی درد کرتی آنکھیں رگڑتا ہوا عناب کے نرم روئی سے ہاتھ کو تھامے کبھی اسکی ہتھیلی چومتا تو کبھی اسکی ہتھیلی اپنے چہرے سے جوڑے خود کو عناب کی چلتی سانسوں کا یقین دلاتا۔

اسکے پھول سے وجود پر آ جاتے بے رحم نشان، ابدال مصطفیٰ کو کاٹ رہے تھے، وہ اسے اس حالت میں دیکھ نہ سکنے کے باوجود اسکے پاس تھا۔

"تم جیو گی ن۔۔ناں عناب، تمہارے بھیو اپنی سانسیں تم پر وار دینا چاہتے ہیں۔ تمہارے مجرم کو بھیانک سزا دلواوں گا، میں تمہیں اب دوبارہ اپنے سائے سے کبھی نہیں نکالوں گا۔م۔۔مجھے معاف ک۔۔کر دو اس بار، بہت برا بھائی ہوں۔۔۔۔تم نے مجھے کتنا بلایا ہو گا، ت۔۔۔تمہاری پکار۔۔۔۔۔۔۔"

ضبط ٹوٹا تو وہ آواز بھی بھرنے سے روک نہ سکا، اسکی تکلیف کے گواہ باہر کھڑے عون اور ہلال دونوں تھے جو بس ابدال کے صبر کو ہی مانگ سکتے تھے۔

"تمہاری پکار م۔۔۔مجھ تک نہیں پہنچ سکی، اس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گا خود کو۔۔۔۔تم اپنے بھیو کو معاف کر دو گی ناں، میں ت۔۔۔تمہاری مسکراتی ہری آنکھوں کو دیکھنے کے لیے ترس گیا ہوں، تم پکارو ناں مجھے۔۔۔۔میرا بچہ مجھے بلائے اور میں اپنی ساری خوشیاں، سارے سکھ، ساری سانسیں، سارے آرام تم پر وار دوں۔۔۔۔۔۔"

وہ رو رہا تھا، نظر بس اس مرجھائی عناب پر تھی جسکی منصوعی سانس پر اٹکی زندگی ابھی بھی پائیدار نہ تھی، وہ صبر نہیں کر پا رہا تھا، عناب کی حالت اسے تڑپا رہی تھی۔

"اسے کچھ ہو نہ جائے ہلال، تم اسے اس وقت حوصلہ دو۔ نہیں تو عناب کی تکلیف کھا جائے گی اسے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں بچے، اس وقت تمہارے دوست کو تمہاری اشد ضرورت ہے"

آئی سی یو روم کے باہر کھڑا عون، آنکھیں رگڑ کر ابدال کی اس حالت پر دلبرداشتہ ہوتے ہلال کو شانوں سے پکڑے سمجھا رہا تھا، وہ خود ابدال کے لیے اب بہت پریشان تھا۔

"و۔۔وہ بہت تکلیف میں ہے عون لالہ، میرے سے کدھر سنبھالا جائے گا۔ میرا تو اتنا پورا دامن نہیں جتنی اسکے ایک درد کی وسعت ہے۔۔۔۔اللہ ہی دے سکتا ہے اسے صبر، پھر بھی میری جان قربان ہے اسکے لیے۔ میں اسے کبھی اکیلا نہیں چ۔۔چھوڑوں گا"

ابدال کے لیے ہلال کی محبت واقعی قابل تسلی تھی، عون نے آزردگی سے اسکی گال سہلائے سر ہلایا جس پر وہ پھر سے دروازے میں نصب شیشے سے لگ کر ابدال کو دیکھنے لگ گیا۔

" بھیو کی جان، بھیو کو دیکھو آنکھیں کھول کر۔۔۔۔ میری تو ساری دولت تم ہو ناں، مجھ سے دور ن۔۔ نہیں جانا، واپس آجاو میرے پاس، میں اپنی یہ غلطی سدھاروں گا۔۔۔۔"

وہ اس ننھی پری کی آنکھوں پر دستک دے دے کر آنسو ہو رہا تھا، عناب کی اٹکتی سانس ایک لمحے کو رواں ہوئی تو ابدال کے خوفزدہ ہوئے جھک کر غور سے دیکھا تو عناب کی پلکیں گردش کرتی نظر آئیں۔

اپنے ہاتھ میں رکھا روئی سا ہاتھ بھی ہلا۔

اسکے ہوش میں آنے نے بھی ابدال کو تکلیف کے پاتال میں جھونک دیا کیونکہ عناب کی کھلتی بند ہوتی آنکھوں سے نمی نکل رہی تھی۔

کیا وہ اتنے درد میں تھی کہ اسکے آنسو تھمنے پر نہ آرہے تھے۔

"ب۔۔۔بھ۔۔۔۔"

وہ آکسیجن ماسک کے باوجود ابدال کو اپنے پاس دیکھ کر بلک پڑی، اسکے آنسو ابدال کو ڈسنے لگے تھے، سمجھ نہ آیا اس لمحے مر جائے یا جیے۔

" بھیو کی جان، میرا بچہ۔۔۔۔ بھیو پاس ہیں، ک۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہوا میری گڑی کو، میری عناب تو بہادر ہے"

جھک کر اسکی آگ سے زیادہ گرم پیشانی چومتا وہ خود ٹوٹ سا گیا تھا، وہ اپنے ہاتھ کو دبا رہی تھی جیسے اس وقت ابدال کو کہیں نہ جانے دینا چاہتی ہو۔

ہلال ہی ڈاکٹر الماس اور باقی ٹیم کو بلا لایا تھا۔

عناب ہوش میں تو آگئی تھی مگر وہ اس وقت بہت تکلیف میں تھی، خود ڈاکٹر الماس اسکے پاس آئے نرمی سے اسکا ماسک ہٹائے نرس کو انجکشن کے لیے ہدایت کر چکی تھیں۔

وہ بس ابدال کا ہاتھ بری طرح جکڑے اسکو ہی دیکھ کر روتی اور تڑپتی جا رہی تھی۔

"خدا کے لیے اسکی تکلیف کم کریں، یہ ٹھیک نہیں ہے"

یوں عناب کا رونا ابدال کے لیے برداشت کرنا نا ممکن تھا اور اسکے یوں پھٹ پڑنے پر نرسیں اور خود ڈاکٹر الماس آزردہ ہوئیں۔

"بس ناں میری جان، بھیو پاس ہیں۔ ابھی درد ختم ہو جائے گا۔۔۔ مت رو عناب، مت روناں بھیو کی جان"

دونوں ہاتھوں سے جھک کر عناب کے آنسو صاف کیے وہ اسے چپ کروانے کی ادنی کوشش کرتا خود بھی ناجانے کیسے یہ سہہ رہا تھا اور وہ رونا روک سکنے پر قادر نہ تھی تب بھی ابدال کے خود میں سمو لینے پر کچھ پل پر سکون تو ہوئی مگر ابھی اس بچی کی تکلیف میں کمی اسکے بھیو کے بس کی بات نہ تھی۔

"بس لٹل اینجل، بچہ۔۔۔۔ ادھر دیکھو۔"

الماس صاحبہ نے بہت پیار سے عناب کو واپس لٹائے اسکی بازو پر انجیکشن لگایا جسکا درد اس بچی کو مزید تکلیف دے کر رلا چکا تھا۔

ابدال نے بے رحمی سے ڈاکٹر الماس کو دیکھا جو انجکشن دے کر اب نرس سے بات کر رہی تھی، اسکا بس نہ چلا یہی انجیکشن اسکے سر میں کھونپ دیتا جس نے عناب کو لگایا۔

وہ صرف ابدال کو جکڑے ہچکیوں سے روتی اس وقت اک دلخراش سماں باندھ چکی تھی، ابدال اسکی کمر سہلائے رونا روکنے کی سعی میں اب خود رونے والا ہو چکا تھا۔

"ایسے وحشی طریقے سے کیوں لگایا آپ نے اسے انجکشن، وہ پہلے ہی درد میں ہے۔ تھوڑا رحم کریں یہ بہت چھوٹی سی بچی ہے"

ناجانے کیوں مگر وہ کہے بنا نہ رہ سکا، الماس بھی جوابا تھوڑی اداس تو ہوئیں مگر عناب کے چپ ہو جانے اور رونا روک کر یکدم پر سکون ہونے پر ابدال نے اب کی بار پشیمانی کے سنگ دیکھا مگر وہ پیار سے اسکی شرمندگی رفع کیے اسکا گال سہلاتیں چلی گئیں۔

"عناب۔۔۔۔ درد کم ہوا میرے بچے کا"

بے جان سے اس وجود میں کوئی جنبیش نہ محسوس کیے وہ ڈر کر اسکی اور جھک کر بولا جواب پوری طرح ابدال میں چھپی ہوئی، اسکی شرٹ اپنے ننھے ہاتھوں میں جکڑے ہولے ہولے سانس کھینچ رہی تھی، اسکی سانس کی گرمائش ابدال کو اپنے دل پر پھیلتی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"ب۔۔۔ بھیوا تھ نے مدے مالا۔۔۔۔ دلیگن (بھیو اس نے مجھے مارا، ڈریگن)"

زرا سا سانس روک کر وہ یہ واحد دردناک جملہ ہچکیوں کی زد میں کہہ پائی تھی، ابدال اسکی آواز سن کر خود بھی آنسو روک نہ سکا، اور تکلیف اتنئ تھی کہ وہ سمجھ نہ پایا کہ اس ننھے پھول کو کیا کہہ کر حوصلہ دے۔

"ہم بھی اسے ویسا ہی ماریں گے، جلتی آگ میں جلے گا وہ۔۔۔۔ جس نے میری جان کو تکلیف دی، تمہارے بھیو اسے بھی ویسا عذاب دیں گے۔۔۔۔ میں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا اب تمہیں، کسی کی ہمت نہیں ہو گی تمہیں چھونے کی بھی۔ سب بھول جاو، بس یہ یاد رکھو کہ اب عناب کے بھئو اسکا سایہ ہیں"

اسکے ملائم بال سہلاتا وہ اسکی گال پر پیار دیے ان نازک کانچ سی نمی اور سرخی سے بھری آنکھیں تکتا جس طرح عناب کو سمجھا رہا تھا وہ آگے سے بس آہیں بھرتی ابدال کو رہا سہا بھی بجھا رہی تھی۔

"تیوں نی ا۔۔۔ آئے میلے پاش، دند۔۔۔ندے بھیو۔۔۔۔۔ نلااز ہوں م۔۔۔میں (کیوں نہیں آئے میرے پاس، گندے بھیو، ناراض ہوں میں)"

آپنی سوجھی آنکھیں پھر سے بہاتی وہ جس طرح قیامت ڈھاگئی تھی یہ شاید ابدال ہی تھا جو سہہ گیا تھا، دل تو یہی چاہا کہ اسکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے لیکن اب اسے عناب کے سامنے رو کر اسے مزید تکلیف بھی تو نہیں دینی تھی۔

"تم جو چاہے سزا دو، لیکن کبھی اپنی بھیو سے دور مت جانا۔ ہاں بہت گندا ہوں میں۔ ناراضگی جائز ہے ت۔۔ تمہارئ لیکن اب تمہیں اتنی سی بھی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ آئی ایم سوری، میری واحد خوشی میری گڈی ہی تو ہے۔۔۔۔ میں تمہارا ہر درد، تمہاری ہر تکلیف دور کر دوں گا۔ بھروسہ ہے ناں تمہیں مجھ پر"

ناجانے کہاں سے ہمت جمع کیے وہ بول سکا تھا، آواز بھاری اور لہجہ دردناک تھا، آہستگی سے عناب کو واپس نرم سے بستر پر لٹائے اسکے سر کو چومتا اسکی نم رخساریں خشک کیے آخری سوال پر عناب کے زرا اسے سر ہلانے پر تھکا سا مسکرایا جو ابھی بھی ٹھیک سے سانس نہیں لے پا رہی تھی لیکن پہلے سے بہتر تھی۔

لیکن کچھ دیر پہلے بازو پر لگتے انجکشن پر وہ درد محسوس کیے بار بار اپنا ہاتھ بازو پر رکھ رہی تھی جس پر خود ہی ابدال نے اسکی بازو آہستگئ سے دبانی شروع کی جس سے عناب کو تھوڑا آرام سا ملا۔

"میں خود خیال رکھوں گا تمہارا، میری نازک سی پری۔۔۔۔۔"

وہ جلد ہی سکون والے انجکشن سے شانت ہوئے اب ابدال کا ہاتھ جکڑے اپنی آنکھیں بند کر رہی تھی، اسے ابدال کو دیکھنے کے لیے دقت کر کے آنکھیں کھلا رکھنا مشکل لگ رہا تھا۔

"سو جاو، پاس ہوں تمہارے"

جھک کر اسکی پیشانی چومتا وہ اسے اپنے پاس ہونے کا تحفظ سونپے اسکے سکون سے آنکھیں موند لینے پر جیسے ضبط ہار سا گیا، یہ تو ہلال کے کندھے پر رکھے ہاتھ کی ڈھارس تھی کہ وہ باقی آنسو پی گیا۔

"وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ اسے مارا گیا ہے، یا اللہ مجھے صبر دیں۔۔۔ جس نے بھی میری عناب کے ساتھ یہ کیا اسے بار بار موت دیجیئے گا، اسے اتنی تکلیف دیجیئے گا کہ وہ موت مانگے تو اسکی زندگی بڑھ جائے۔۔۔ اور وہ اتنی بری عبرتناک موت مرے کہ زمین کی ساتویں تہہ تک لرز جائے"

اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا وہ نم آنکھوں سے بے جان سی ہو کر ہولے ہولے سانس لیتی عناب کو دیکھتا اذیت سے گویا ہوا اور ہلال کے دل نے بھی جیسے آمین کا ورد کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ خود کو قصوروار نہیں کہیں بابا جان، م۔۔ میں جانتی آپ جتنا مجھ سے پیار کرتے اس سے بڑھ کر ان دونوں سے کرتے۔۔۔ مجھے پتا ہے آپ بس اپنا ان کے لیے پیار چھپاتے تھے۔ آ۔۔ آپکو کچھ ہو گیا تو میں کیسے جیوں گی بابا"

اپنا سر نہال کے سینے پر رکھ کر آنسو بہاتی وہ اس باپ کی تکلیف کم کرنے کو پاس تھی، یک دم بوجھل، اداس سی، کبھی بھی اس نے نہال بخاری کو اتنا بیمار نہ دیکھا تھا جتنا وہ ان گاہے بگاہے سینے پر لگتے زخموں سے ہو گئے تھے۔

"تم یہ سب چھوڑو، مجھ سے آج ایک وعدہ کرو"

منیہا کی تڑپ فی الحال نظر انداز کرتے وہ اسکے سر کے بال سہلائے جو بولے اس پر منیہا نے فوری سر اٹھائے اپنی نم آنکھیں ہتھیلیوں کی پوروں سے جذب کیے آزردگی سے نہال کو دیکھا جو اخیر تڑپ کے دہانے کھڑے بے قرار سے دیکھائی دیے۔

"جی کہیں"

منیہا فوری جاننے کو بیتاب ہوئی۔

"اگر مجھے کچھ ہو جاتا ہے تو تم ان دو کی ماں بن جانا، میں جانتا ہوں منیہا جو بے رحم سلوک میں ان دو سے کر چکا اس کے بعد مجھے اتنی آسانی سے معافی نہیں ملے گی۔ اگر اس معافی مانگنے کے سفر میں تمہارے بابا کا یہ نامراد دل دائمی رک گیا تو مجھے تمہارا وعدہ کچھ راحت دے گا۔ تم خیال رکھو گی ناں ان دو کا، کل کو اگر تمہاری اولاد بھی ہوتی ہے تب بھی تم عناب اور ابدال کو زیادہ ممتا دینا۔۔۔۔وعدہ کرو مجھ سے بابا کی جان"

اس وقت اسے بابا کا وعدہ لینا نہیں البتہ وہ بیقراری اور بے بسی رلا گئی جس میں اسکے کبھی نہ ہارنے والے بابا مبتلا ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔

کئی آنسو منیہا کی رخساریں تر کرتے لکیریں بناتے چلے گئے اور وہ اپنے جواب کے لیے اسے تاسف سے دیکھتے رہے۔

"وہ اب ب۔۔ بھی میری جان ہی ہیں، آئی نو میں نے کبھی ان دو سے اپنے پیار کا اظہار نہ کیا ہو لیکن اللہ پاک گواہ ہیں انکے دل میرے س۔۔ساتھ دھڑکتے ہیں۔ آپ کی راحت کو اگر میرا یہ وعدہ اتنا اہم ہے تو آئی پرامسس۔۔۔میرے لیے اب سے وہ دو سب سے اہم ہیں۔۔۔۔"

اس سینے پر بھاری بوجھ تھا جو منیہا نے اتار کر رحم کیا تھا، وہ بوجھل سی سانس بھرے اپنے ہار جانے پر افسردہ تھے۔

"رہی بات معافی کی تو آپ نہ دیں خود کو تکلیف، میں آپکے ساتھ ہوں۔ وہ دونوں معاف کر دیں گے۔۔ مما بھی کر دیں گی مگر۔۔ آپ ب۔۔ بھی پرامسس کریں ناں۔۔چ۔۔ چھوڑیں گے نہیں۔۔۔ مما کے ب۔۔ بعد اگر آپکو بھی کچھ ہو گیا تو آپکی یہ منیہا سچ میں ٹوٹ جائے گی۔۔۔"

ہچکیوں کی زد میں جہاں منیہا کا تنفس بکھرا وہیں وہ پھر سے بابا سے لپٹ کر روتی گئی اور نہال بخاری کیا بتاتے کہ اس وقت وہ کس لمحہ قہر سے گزر رہے ہیں۔

عون کے اندر آنے اور اس دلخراش منظر کو دیکھنے پر وہ اشارے سے منیہا کو لے جانے کا کہہ رہے تھے، کیونکہ جس طرح وہ نہال بخاری سے کلوز تھی اب انکی تکلیف پر بھی سب سے زیادہ بکھر رہی تھی۔

"نہیں چھوڑوں گا، رونا بند کرو۔۔۔ عون میری شیرنی کو لے جاو۔۔۔ اسے ساتھ رکھنا۔ اور رونے مت دینا۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں"

نقاہت زدہ لہجے میں وہ عون سے مخاطب ہوئے بولے جو سر ہلائے قریب آتا منیہا کو پکڑ کر اٹھائے نہال بخاری کے آنکھیں بند کرنے پر ہاتھ پکڑے باہر لایا جس نے رو رو کر آنکھیں سوجھالی تھیں۔

"عون۔۔۔۔م۔۔ مجھے لگتا ہے میں ان تکلیفوں سے مر جاوں گی"

بچوں کی طرح سسکتی، روتی وہ عون کے سینے میں منہ چھپائے رندی آواز سے جو بولی یہ عون بخاری کا دل کاٹ گیا۔

خود سے لگائے ہی وہ کچھ فاصلے پر لگی کرسیوں تک پہنچا اور خود کے ساتھ اسے بھی بٹھائے حصار میں سمو کر پرسکون کرنے کی کوشش کی مگر منیہا کا رونا اب اسکے جسم کی لرزش میں بدل چکا تھا۔

گہرے ہوتے صدمات کے ساتھ اسکی پھول سے نازک منیہا بھی گہرے اندھیرے میں اتر رہی تھی، عون بخاری کا دل شدت سے لرزا۔

"ایسی باتیں کرو گی تو شدید خفا ہو جاؤں گا، کچھ نہیں ہو گا۔ سب دوبارہ سے خوبصورت ہو جائے گا، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی دیکھا ہی کیا ہے جو مرنے کی بات کی۔۔۔۔۔ بولو"

شروع میں وہ توجہ کے ہاتھوں کے سنگ اسے سمیٹ چکا تھا، اسکے گال خشک کرتا، اسکی پلکوں کا بھیگا پن لبوں سے چھو کر جذب کیے، گہرا سانس اس طرح قریب آکر بھرے آخری سوال پر رکا کہ منیہا کے ہونٹوں تک اسکی سوالیہ سانس کی گرمائش پہنچی، پلکوں کا جھکا جھالر اٹھائے صدمے کے سنگ نظر عون کی آنکھوں سے ملائی تو اسے احساس ہوا زندگی ابھی بھی کہیں تھوڑا وجود رکھتی ہے۔

"عون۔۔۔ زندگی بہت مشکل ہے، مجھے تو یہ سب ق۔۔ قیامت جیسا لگ رہا۔ میں اس سے زیادہ نہیں سہہ سکوں گی۔۔۔ ہماری زندگی کا یادگار دن، اک دکھ بن کر رہ گیا۔۔ میرے تینوں عزیز جان سے پیارے دل کے ٹکڑے تکلیف میں ہیں، اور آپ۔۔۔۔ آپ کو بھی اپنے آنسوؤں اور اپنے کمزور پڑنے سے بس افسردہ ہی کیا میں نے۔۔۔ ا۔۔ ایسی زندگی نہیں گزار سکتی۔۔۔"

وہ اسکے ساتھ تھا، ساتھ رہنے والا تھا، اپنی مرمریں ہتھیلیٔ، عون کے چہرے سے جوڑے اپنے لازوال درد کہتی گئی، ان آنکھوں سے لمحے بھر کو غفلت نہ برتی۔

"دکھ اور خوشی تو زندگی کا حصہ ہیں منیہا، آج دکھ ہیں تو کل خوشیاں بھی ہوں گی۔۔۔ اب تم روگی نہیں بلکے صرف ان تینوں کے لیے دعا کرو گی۔۔۔۔ رہی بات میری۔۔۔۔"

بجھتی کرن اجال دیتا وہ اسکی ناامیدی کو امید میں بدل گیا، توقف لیے رک کر خفیف سا تر و تازہ لمس ان افسردہ سانسوں کو سونپے پیشانی چومی جیسے اپنے آپ سے جوڑ لینے کا عہد از سر نو باندھا تھا۔

"میں تو ہر حال میں اب تمہارے گرد ہی محصور ہوں، تم شمع اور میں آخری سانس تک تمہارے مدار میں گردش کرتا پروانہ۔۔۔"

زرامنیہا کا دکھ ٹالنے کا بہانہ تھا یہ، وہ عون کے شاعرانہ انداز پر ناچاہتے ہوئے بھی تھکا سا مسکرائی لیکن جب مسکراہٹ اسکے لبوں کو چھوئی تو تلخ سے ملال کے خیال کے باعث دل میں اٹھتی ٹیس پر خوبخود آنکھوں کا صحن بے وقت کن من سے بھیگ گیا۔

"پھر سے نہیں منیہا، سٹرونگ بنو۔ اب رونا نہیں حیات قلب۔۔۔ اب میری سانسیں گھٹانے کی کوشش مت کرنا، وصولی بہت دل دہلا دینے والی ہوگی"

خفیف سا بے وقت بے خود ہوتا وہ جس ذومعنیت سے منیہا کے آنسو روکوا چکا تھا یہ حسین تھا، خود سے ہی کتراتی وہ بس دل اور سر ایک ساتھ جھٹک کر عون کے سینے سے سر لگا لیتی دم سادھ گئی اور عون بخاری کے ہونٹوں پر اس دم نکالتے دلکش فرار پر وقتی اور تھکی ہی سہی پر جاندار مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھڑی کی سوئی ایک بج کر بیس منٹ بجا رہی تھی، نا جانے کب کاشان کی آنکھ لگ گئی تھی۔

ہڑبڑا کر اٹھنے پر وہ بیتابی سے یہاں وہاں گردن گما کر دیکھنے لگا، وفا کہیں نہ تھی۔

دل کو دھکا لگا تھا، فوری بیڈ سے اترے شرٹ کی سلوٹ درست کیے وہ واش روم کی طرف لپکا، دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ کھل گیا۔

وہ اندر باتھ ٹب کے ساتھ بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے آہٹ پر چونکی جس پر کاشان نے اپنی خفگی دباتے، غصے کو ہر ممکنہ ضبط کیے لپک کر جھکتے ہی وفا کی بازو پکڑی اور اسے کھڑا کیا۔

اس اچانک افتاد پر وہ نہ صرف لڑکھڑا گئی بلکے سہارے کو کاشان کی شرٹ بھی دبوچے اسے سخت دکھ سے اپنی سرخ متورم آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

"تم پاگل واگل ہو، یہاں ڈیرا لگا کر کیا ثابت کر رہی ہو۔۔۔۔ فرش دیکھا ہے کتنا ٹھنڈا ہے۔۔۔ میں اگر نہ جاگتا تو تم نے تو اپنا دھرنا یہیں دیتے رہنا تھا۔۔۔۔ خاصا سمجھدار سمجھتا تھا پر تم تو مجھ سے بھی بڑی باولی نکلی"

بنا وفا کی مزاحمتی ناراض نظروں کی پرواہ کیے وہ اسے بازووں میں اٹھاتا باہر کمرے میں آیا اور ہنوز ویسے ہی ڈپٹے انداز میں اسے بیڈ پر بیٹھائے خود بھی چتون تانے، برہم سا اسکے مقابل ہی بیٹھا جو اب اس پر سے نظریں پھیرے پتھر کا مجسمہ تھی۔

"وفا۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس پتھر کے بت سے سر ٹکراتا، اسکا موبائیل رنگ کیا جس پر وہ فوری اٹھ کر سٹنگ ایریا کی جانب سے موبائیل کی آواز پر وہاں بڑھا اور فون پک کیا۔

دوسری جانب باسط تھا۔

"سوری سر اس وقت ڈسٹرب کیا لیکن ایزل آپ سے ملنا چاہتی ہے، اسکا کہنا ہے بہت اہم بات ہے"

وفا پر اک سرسری سی نظر ڈالے وہ فون کان سے لگاتا وہیں اوپن گلاس ڈور تک آیا جہاں سے گہری رات میں ڈوبا نیم روشن لان دیکھائی دے رہا تھا۔

"ہمم۔۔ٹھیک ہے، کل کی اونلائن آڈیو ملاقات ڈن کرو اس کے ساتھ۔۔۔۔ دیکھتے ہیں کیا صفائی پیش کرتی ہے وہ۔ اسے یہی علم ہونا چاہیے کہ میں ہولیڈیز پر ہوں"

ایز آ پائزن وہ باسط کو ہدایت دیے کال کٹ کرتا واپس آیا تب تک وفا ویسے ہی بیٹھی تھی، عجیب سی ایریٹیٹ کرتی ہوئی۔

"ٹیل می ناو، کیا ہے۔۔۔۔۔"

مکمل توجہ اس رات کے پہر وفا کو سونپے وہ نا جانے کیوں اس سے سر کھپانے پر بھی راضی تھا۔

"کچھ نہیں ہے"

تین لفظی بیزار سا جواب دیتی وہ رخ پلٹ کر نہ صرف بیڈ کی دوسری طرف سے اٹھ کر اتری بلکے کاشان کے دیکھتے ہی وہ جا کر صوفے پر لیٹے کشن دبوچے آنکھیں موند گئی۔

"وفا تم مجھے گمار ہی ہو، بدروح کہیں کی۔۔۔۔۔"

چڑ کر بپھرا طوفان بنے وہ اٹھ کر صوفے پر اسکے ساتھ ہی جا کر بیٹھا کشن جھپٹ کر غرایا مگر وفا نے دوسرا کشن اب منہ پر رکھے مزید سلگانے کا سامان کیا۔

"یہ کونسا ٹارچر ہے، میں ایسے نہیں سو پاوں گا۔۔۔۔ تم مجھ پر دل کی بھڑاس نکال لو لیکن یہ نشئیوں جیسا ایٹیٹوڈ نہیں۔۔۔۔۔"

اسکے منہ پر رکھا کشن بھی اس سے کھینچ کر لمحے میں وفا کی دونوں کلائیاں ہاتھوں میں جکڑے اس بار رسان اور خفیف سی اداسی کے سنگ بولا۔

"آئی ہیٹ یو۔۔۔۔اب سکون ہے"

مسلسل اسے جھٹک کر پر سکون ہوئے یہ کہتی وہ جس طرح اندر ہی اندر تلملائی، کاشان کو نا چاہتے ہوئے بھی اس لڑکی کی دماغی حالت شدید خراب لگی۔

"اگر پیار و یار چاہیے تو بول دو، یہ کونسی بھاشا ہے تمہاری چپ چاپ تڑپانے کی۔ رہی بات نفرت کی، تو ہاں بھئی میں تو محبت سے زیادہ نفرت کی وصولی پر خوشی محسوس کرتا ہوں۔۔۔۔"

وفا کے حواس منجمد کیے وہ اسے مکمل لاک کرتا بے بس کیے مخاطب تھا، جھک کر اپنی پیشانی وفا کی پیشانی سے جوڑے اگلے ہی لمحے فاصلہ بنائے اٹھا اور ہاتھ بڑھا کر اگلے ہی لمحے اسے بھی اٹھا کر دوسری بازو بنا مہلت دیے وفا کے گرد باندھی۔

وہ پوری قوت لگاتی، کاشان کو جلتی بصارت سے جلاتے گھوری۔

"تم بہت ضدی ہو"

چیلنجنگ ہوتا وہ وفا کی آنکھیں کھوجتا بولا جس پر وہ مزاحمت روکے اب اسے نفرت سے تک رہی تھی۔

"ہاں ہوں۔۔۔تو"

فوراََ سے ثبوت بھی اتھر آیا تھا۔

"تو اس ضد میں اپنا اور میرا جتنا چاہے نقصان کر و لیکن اس بچے کو آگر آنچ بھی آئی تو جان لے لوں گا تمہاری

"

لمحے میں سرور اور بے خودی کی جگہ اشتعال نے لی، وہ اخیر جلال میں لپٹا وفا کے زرد پڑتے چہرے پر نظریں جمائے اسے اپنی غصیل آنکھوں میں سموئے بولا تھا۔

"میں نے کب دی آنچ اسے؟"

وفا کی آنکھوں میں نا جانے کیوں اس شخص کے ڈانٹ کر غصہ کرنے پر تکلیف اتری تھی۔

"وہاں ٹھنڈے فرش پر اتنی دیر بیٹھی چلا کاٹ رہی تھی کیا، ہاں مجھ سے لڑو۔ مجھے برا بھلا کہو لیکن ہماری اس ڈیل کے بیچ تمہیں اپنا خیال رکھنا ہو گا۔۔۔ تمہارے لیے نہ سہی لیکن اس بچے کے لیے میں بہت حساس ہوں سو بی کیئر فل۔۔۔ اب جاو وہاں جاکر سو جاو اور اب اگر تم نے یہ پتھر کی طرح شکل بنا کر مجھے اریٹیٹ کیا تو لمحہ لگے گا اپنی آگ سے ہر پتھر پگھلانے میں۔۔۔۔ گو ٹو یور بیڈ اینڈ گڈ نائیٹ"

ہوائیاں اڑی وفا کی رنگت پر اپنی بمشکل چھپائی مسکراہٹ واپس جذب کرتا وہ اصل روپ میں واپس آئے رعب جھاڑتا بولا اور اپنی بازو ایک بار ٹائٹ کیے وفا کی بھاری آنکھیں دیکھے چہرے کے عین روبرو سانس بھرے اسے آزاد کرتا بولا۔

وفا دانت نکوستی مڑی اور سیدھی جاکر بیڈ سنبھالے اگلے ہی لمحے باریک سا بلنکٹ سر تک تان کر لیٹ گئی۔

"اگر تو یہ اس بچے کا اثر ہے پھر نہیں خیر تیری کاشان ہمانی، یہ تو انگلیوں پر نچائے گی مجھے۔۔۔۔ کہیں اپنے جیسی اولاد والی دعا قبول ہی نہ ہو جائے، ایک وقت میں ایک کاشان ہمانی ہی رہ سکتا زمین پر۔۔۔۔۔"

کچھ دیر وفا کو دیکھتا وہ خود صوفے پر ہی نیم دراز ہوئے لیٹ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا، دعا والی قبولیت پر تو کاشان کو ہول اٹھے، برا سا منہ بنائے خود بھی لاحول پڑھے آنکھیں بند کر لیں، اس سے پہلے کہ یہاں کوئی نیا ڈرامہ شروع ہوتا۔

لیکن جو بھی تھا، زندگی کی تلخیوں سے بہت دور تھا انکا رشتہ، نہ وفا نہ بے وفائی، شاید کوئی تیسری شے۔۔۔

اِک ایسا شخص خدایا سبھی کو دے دینا

کہ جس سے بات کرو تو تھکن اتر جائے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک سیاہ رات گزر چکی تھی، کچھ پر اسرار رازوں سے بنا پردہ ہٹائے، موسم بہار میں اتری بارش، سب سے ٹھنڈی اور پیاری تھی، جیسے یہ بہت سی گرد اتارنے کو برسی تھی۔

ساری رات ابدال کو عناب کے پاس رکنے کی خاص اجازت خود ڈاکٹر الماس نے دلوائی تھی، بھلے اس وقت عناب ایک ہی وقت میں ذہنی، جسمانی اور جنسی تینوں طرح بہت زیادہ تکلیف میں تھی مگر اسکے زخم اب صرف وقت ہی بھر سکتا تھا۔

پولیس کے لوگ، سپیشل انجیوز اور نیوز چیلنز سبھی اس کیس کے لیے متحرک تھے، شاید وجہ ایک ہی مجرم کے دہرے جرم کا بے نقاب ہونا تھا، لیکن عائش ہمانی وہ ناسور تھا جسے اتنی جلدی کاٹنا ممکن تھا۔

اگر وہ اب تک کے سب سے طاقتور انسان پائزن سے ڈھونڈا نہ جا سکا تھا تو یقیناً باقی ہر ادارہ بھی فی الحال اسکی تلاش میں ناکام ہی رہنے والا تھا۔

عائش ہمانی کے کیس کے متعلق کاشان ہمانی کا تعاون ایک ایسا عجیب معاملہ تھا جس نے نا صرف میڈیا میں کھلبلی مچا رکھی تھی بلکے وحید بخاری کو بھی الجھا دیا تھا۔

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ سب جان کر بھی بندھ سے گئے تھے، نور گل کی موت وہیں کی وہیں ٹھہرا ہوا معاملہ تھی، کاشان ہمانی کے بدلتے اور سامنے آتے روز کے نئے روپ انھیں اک ان کہی اذیت میں بھی جھونک چکے تھے۔

ساری رات وہ مضطرب سے لان میں ٹہلتے رہے تھے، کئی گھتیاں تھیں جنھیں سلجھانے کی ضرورت تھی، اگر اس پاس کارڈ نمبر والی فائیٹ واقعی کاشان ہمانی کی تھی تو آخر نور گل نے اسے اتنا خفیہ کیوں رکھا تھا۔

ابھی صبح کے ابر آلود موسم میں لان میں الجھے ہوئے خلیے میں وہ کئی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے دور نظر آتے نظاروں کی جانب متوجہ تھے جب فریال کے آنے اور پکارنے پر وہ چونکے۔

وہ انکی مارننگ کافی لیے آئی تھیں اور انکی سمت مگ بڑھائے جانے کے بجائے وہیں رک کر اپنے صاحب کی یہ بکھری سوچیں دیکھیں جو انکے چہرے پر جابجا پھیلی ہوئی تھیں۔

"رات عون نے بتایا کہ ہماری پری ہوش میں آئی اور ابدال سے بات بھی کی، اس ننھی جان نے یہ سب کیسے برداشت کیا ہوگا میں تو سوچ کر بھی کانپ گئی۔ کیا ہوگا ان درد دلوں میں سمیٹ لیتے بچوں کا۔ کس طرح ہم عناب کو واپس جوڑیں گے، ابھی تو وہ کم سن ہے۔ جب اسے شعور آئے گا اصل امتحان تو تب ہوگا"

لہجہ بھیگا سا اور آواز میں دکھ کی اخیر لرزش تھی، فریال کی آنکھیں بھی اس خسارے پر نم لیے تھیں، انکے سوال پر وحید صاحب نے اک لمبا سا سانس لیے نکھری خنک سی صبح کی ہوا کے سپرد کیا جیسے یہ دل پر غبار کم کرنے کی ادنی کوشش تھی۔

"دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں ہرا سکے گی فریال، تب تک جب تک وہ خود مضبوط رہے گی۔ اللہ بہت مہربان ہے، جس نے اس ننھے وجود کو یہ آزمائش عطا کی ہے وہ بہتر کارساز دیکھنا اسکا مرہم بھی دنیا سے جدا بھیجے گا۔ تم پریشان مت ہو۔ یہ وقت گزر جائے گا"

آپنی ساری الجھنیں پس پشت ڈال کر وہ اس وقت تشفی بھرے انداز میں بس فریال کی افسردگی کم کرنے کی لگن میں تھے، وہ آنکھیں تو بس دیکھ لینے سے ہی فریال بخاری کی ڈھارس بن جاتی تھیں۔

"ان شاء اللہ، آپ بتائیں۔ ساری رات سوئے نہیں۔ کچھ الجھن ہے تو شئیر کریں مجھ سے میری جان، ایسے خود کو تھکا لیں گے آپ"

ملائمٹ اور پیار بھرے فکر مندانہ لہجے میں وہ جس طرح شادی کے اول اول دنوں میں بولتی تھیں، آج بھی ویسے ہی رنگ لیے گویا ہوئیں اور ایک لمحے کو وہ ساری پریشانی بھلا کر جاندار سا مسکرائے۔

یہ الگ بات تھی کہ اب ان سب ہی کی مسکراہٹیں بہت ادھوری لگ رہی تھیں۔

"تمہارا یوں پوچھنا آدھا وبال ٹال دیتا ہے فریال، اللہ تمہیں آخری سانس تک میرے ساتھ رکھے"

کافی کا مگ میز پر رکھے، نرم سا حصار کر وہ پہلے تو اپنے درد کے اس درمان کی روشن پیشانی چوم کر خود پر سکون ہوئے اور انکے کہے شاداب و سرشار کرتے جملے نے فریال کو بھی تر و تازہ کیا تھا۔

انکا دل شدت سے آمین کی صدا میں دھڑکا۔

"آمین، تو پھر بتائیں مجھے۔"

نہال و مخمور اتراہٹ لیے وہ اگلے ہی پل جاننے پر مصر ہوئیں۔

"دراصل کچھ ایسی باتیں سامنے آئی تھیں جس سے مجھے کاشان ہمانی پر پائزن کا شبہ تھا، تم جانتی ہو نور گل کی کچھ وقت پہلے ہی موت ہوئی جسکا قاتل وہ پائزن ہے۔ لیکن اب میرا دل عجیب سے خوف کا شکار ہے"

یہ بات وہ ابھی عون سے بھی شئیر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ عون جتنا بھی سمجھدار ہوتا، اس حساس معاملے میں وہ جنونی پن دکھا سکتا تھا خاص کر وفا کے معاملے میں وہ اپنی آئی پر آتا تو سب بگھاڑ دیتا تبھی وہ یہ سب فریال سے کہہ گئے۔

کچھ دیر تو وہ بھی انکے اس شک پر پریشان ہوئیں، کیونکہ اب تو واقعی یہ خاندانی رشتہ داری اور پھر وفا کی ساری زندگی کا سوال تھا۔

"آپ وفا کے لیے پریشان ہیں؟" فریال کے رسان سے کیے استفسار پر وہ بیچارگی سر ہلا گئے۔

"دیکھیں جو جرم کرتا ہے وہ کوئی بھی ہو، سزا کا حق دار ہوتا ہے۔ پہلے اسکا سوتیلا بھائی، جس نے دو سال پہلے گناہ کیا اور ایک بار پھر۔۔۔۔ ایسے خاندان کو فطری طور پر مشکوک گردانا جائے گا کیونکہ جرم کرنے والا مجرم بھی اپنے ارد گرد کے لوگوں کی پوری بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ اب اگر کاشان ہمانی کو دیکھا جائے تو نہ تو وہ کوئی فرشتہ ہے نہ ہی شیطان لگتا ہے۔ اب حقیقت تو اللہ جانتا ہے۔ وفا سمجھدار ہے، اگر اسکا شوہر مجرم نکلتا ہے تو مجھے یقین ہے وہ سزا دلوانے والوں کی فہرست میں اول پر ہو گی"

پوری توجہ وہ وحید کی جانب ٹکائے بہت صاف لفظوں میں یہ سب کہے توقف کو رکیں، وحید بخاری کے چہرے پر ٹھہرا اضطراب بھی بڑھا۔

"آپ اپنے شک کو ہر ممکنہ دور کرنے کی لگن جاری رکھیں، آر یا پار بہتر ہے بجائے اسکے کے بیچ میں لٹکا جائے۔ اگر کاشان ہی پائزن ہے تو ہم سبکا فرض ہے اس درندے کو سزا تک پہنچایا جائے۔ اور اگر کاشان ہمانی بے قصور ہے تب بھی سچائی سامنے آنا اہم ہے۔ رہی بات اس مردود ملعون عائش کی تو وہ اب میڈیا، قانون اور دنیا کے سامنے ایک مفرور مجرم ثابت ہے۔ جلد یا بدیر اسے اسکے گناہوں کی سزا مل ہی جائے گی۔ یہ معاملہ چھوڑ کر آپ صرف اپنی جنگ لڑیں۔ وفا اور عون آپ کو اس معاملے میں پورا ساتھ دیں گے"

ڈھارس بندھاتیں، سچائی کی تمام کڑیاں سامنے رکھتیں وہ سنجیدگی سے یہ سب کہے آخر تک زرا دھیما سا مسکرائے انکا مضبوط ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے دانستہ انھیں بھی الجھن سے نکال کر آسودہ ہوئیں۔

"میں اپنی جنگ کسی طور پر معطل نہیں کروں گا فریال لیکن بہت سی زندگیاں بدل جائیں گی اس سے، وفا کی زندگی ادھوری ہو جائے گی۔ بہت سارے لوگ متاثر ہوں گے۔ میں اس جنگ میں اپنے کئی ساتھی اس پائزن کی بھینٹ چڑھا چکا ہوں، پیچھے ہٹنے کا تو سوال ہی نہیں بنتا۔۔۔۔۔"

وہ مسکرا نہ سکے زیادہ، زندگی کا یہ لمحہ انھیں انتخاب کرنے کے لیے بہت بھاری لگا۔

آواز بھی بے بسی سے رندی تو وہ لمحہ بھر خاموش ہوئے۔

اپنے مرنے والے سارے لوگوں کی صورتیں انکی بصارت کے آگے لہرائیں، ان سب کا قصور کیا تھا؟ یہی کہ وہ مافیہ ڈان پائزن کو بے نقاب کرنے کی جدوجہد کرتے سپاہی تھے، یا شاید ایک ایسی چھپی چیز کو کریدنے کا جرم کر بیٹھے تھے جسکا پردہ ضروری تھا۔

اور کچھ چیزیں پردے کے بنا جچتی نہیں، یہی گناہ تھا انکا۔

"لیکن اس بار اگر میرا شک درست ہے تو ممکن ہے میرے قدم ایک بار ضرور لڑکھڑا جائیں گے، تم بس دعا کرنا کہ زندگی ہم سے مزید کوئی تاوان نہ لے"

لہجہ ان کہے شوریدہ کہرام کا پتا دیتا ہوا، جلتا اور ملال و دکھ کے لبادے میں چھپا تھا، جس کے بعد تو فریال کے پاس بھی انکی تسلی کو لفظ باقی نہ رہا۔

دوسری طرف عون صبح ہوتے ہی سب کے لیے ناشتہ تو لایا مگر کوئی بھی کچھ کھانے پر راضی نہ تھا۔

ابدال نے تو جیسے اک گھسیٹی سانس حلق میں اتارنے کے سوا سب خود پر حرام کر لیا تھا، ہلال بھی جند تھا اسکی، وہ بھی دو دل سے عزیز پیارے بھائیوں کی باری باری تکلیف دیکھتا اور کمی میں دعا کرتا رہا تھا۔

منیہا کو عون نے زبردستی تھوڑا سا بریک فاسٹ کروا دیا تھا، خود وہ وفا کی آتی کال پر منیہا کو واپس آنے کا کہے باہر کھلی فضا میں نکل آیا۔

وفا فریش ہوئے روم میں ہی کھلے گلاس ڈور کے پاس کھڑی باہر سے آتے ٹھنڈی ہوا کو محسوس کیے بھی دم گھٹتا محسوس کر رہی تھی۔

تیاری سے لگتا تھا وہ آفس جانے کے لیے ریڈی ہے مگر اسکا ارادہ آج پھر ہوسپٹل جانے اور وھاج سے بھی ملنے کا تھا کیونکہ رات تک وھاج کو ڈسچارج کر دیا جانا تھا اور دو تین ہفتے اسے مکمل بیڈ ریسٹ سجیکٹ کیا گیا تھا۔

"کیا کچھ پتا چلا کہ عناب کے ساتھ یہ کس نے کیا؟"

وفا سپاٹ چہرہ لیے کال لگتے ہی مدعے پر آئی، عون جو ایک ہاتھ میں فون پکڑے دوسرے میں کافی لیے باہر آرہا تھا، سٹنگ ایریا کی جانب بڑھا اور بیٹھتے ہیٔ کافی میز پر رکھے ٹیک لگائے ساری توجہ فون کی اس جانب سانس سادھ کر جواب کی منتظر وفا کی طرف مبذول کی۔

"ہاں۔۔۔ آگین عائش ہمانی"

عون کے انکشاف پر وفا کے دماغ کی کوئی رگ پھڑکی تھی، چہرہ لمحوں میں نفرت اور حقارت سے تمتما گیا۔

اسی لمحے ٹاول گلے میں لٹکا کر بنا شرٹ ہی فریش ہو کر نکلتے کاشان کو سلگتی آنکھیں گاڑ کر دیکھتی وہ فون بنا عون کو کوئی جواب دیے ہی بند کرتی آتش فشاں کے لاوے کی طرح اپنے پیروں کی مٹی چھوڑے نوچ کھانے کی طرح اس تک پہنچی جو وفا کے اس جھٹکے پر خفیف سا بوکھلایا۔

"گھٹیا بھائی تمہارا۔۔ اسے چوک میں لٹکا کر سنگسار نہ کروایا تو نام بدل دینا۔۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں ہے تمہارا وہ مردود بھائی"

رات کی بنسبت وہ اس وقت جن زادی بنی بنا اس نازک سچویشن کا لحاظ کرتی اسکی گردن میں ہینگ ہوا ٹاول ہی دونوں طرف سے جکڑ کر عین کاشان کی ہیزل گرے آنکھوں میں آنکھیں گاڑے چلائی، وہ جو نہا کر خاصا فریش اور تروتازہ ہو کر آیا تھا، ایسے رویے پر وفا کی جانب ناچاہتے ہوئے بھی غصے سے دیکھنے لگا جسکی آنکھیں سرخ اور ہلکی سی سوجھی تھیں وہیں نازک خدوخال اس درجہ تن کر بھیانک تھے کہ چہرے کی رگوں میں دوڑتا خون واضح ہو رہا تھا۔

"میری جیب میں ہے، نکال لو"

اسکے دونوں ہاتھوں کو جھٹک کر آزاد کروائے، ٹاول ڈریسنگ پر رکھے بے نیازی سے پلٹ کر وہ وارڈاب کی طرف بڑھ گیا۔

کاشان کا یہ رویہ گویا وفا کے پیروں لگا اور سر پر بجھا، لہو چھلکاتی آنکھیں اس کی پشت پر گاڑے وہ پھر سے فاصلہ کاٹے لمحوں میں اس پہاڑ تک پہنچی اور بھاری بھرکم بازو جو وفا کی پوری ہتھیلی میں زرا سی آئی، سے پکڑے اسے پھر سے اپنے روبرو کیا جسکے ماتھے پر اس بار شکنیں خاصی وافع تھیں۔

"اگر تم اس سب میں کہیں بھی مددگار نکلے تو خدا کی قسم اپنے انہی ہاتھوں سے تمہارے سینے پر گولی ماروں گی کاشان ہمانی۔ تمہارا یہ سفاک دل بند کر دوں گی اگر تم اس سارے معاملے میں ایک فیصد بھی شام۔۔۔ مل ہوئے"

نفرت کی اخیر کوشش بیکار ہو چکی تھی کیونکہ وہ یہ ظالم تنبیہہ کرتی خود اپنی آنکھوں کی دھندلاہٹ پر جبر نہ کر سکی، اسکے لفظ ٹوٹے وہیں آواز کرچیوں میں بٹی۔

"مار لینا، اور کچھ"

ہنوز اس دلکش مگر ظالم سراپے سے بے نیازی برتتا وہ جان چھڑوانے والے انداز میں بولا لیکن وفا کی آنکھوں میں نمی نے پھر سے حقارت کا روپ دھار لیا۔

"ماروں گی، یاد رکھنا یہ بات۔۔۔"

پھر سے دھمکاتی غرائی لیکن اس سے پہلے آنکھوں کے راز کھلنے کے ڈر سے وہ کمرے سے جاتی، کاشان نے نرم سی گرفت اسکی کلائی پر جمائے ایک لمحے میں واپس اپنے مقابل موڑا جہاں وہ بمشکل سرخ آنکھیں بھیگنے سے روکے نظر اٹھا کر دلخراش نگاہ کاشان ہمانی کے بھینچے چہرے پر ڈال پائی تھی۔

"ایک بات یاد رکھنا وفا، کاشان ہمانی ظالم ہو سکتا ہے، قاتل بھی ہو سکتا ہے، نشئی اور شرابی بھی ہو سکتا ہے لیکن درندہ نہیں۔۔۔ نہ درندوں اور زانیوں کا مددگار"

یہ اپنی زندگی میں پہلی اور آخری صفائی تھی جو کاشان نے اس عورت کو پیش کی لیکن جس طرح اس پور پور زخمی وفا کی آنکھوں میں استہزا پھوٹا وہ کاشان کے دل کی رگوں کو لہو سے خالی کر گیا۔

"ایک بات میری بھی یاد رکھ لو بلکہ لکھ لو۔۔۔ کاشان ہمانی بھلے کسی کے لیے درندہ نہیں ہو گا لیکن میرے لیے تم بنے تھے۔۔۔۔۔۔ بنے تھے تم یاد ہو گا ناں؟"

ایک ٹھوکر لگی تھی اور وہ سارے درد پھر سے اٹھا لائی تھی، خود پر بھی ظلم ڈھا رہی تھی اور اب کاشان پر بھی۔

وہ بھی غصہ ترک کیے بوجھل ہو کر وفا کی بے رحم بات کا بھاری ہونا، دل کے دبنے سے محسوس کر رہا تھا۔

وفا کی ہتھیلی بے دھیانی میں کاشان کے سینے جا جمی تو وہ لرز اٹھی، وجود کی تہہ تک اس ہتھیلی میں دھڑکتے سست رو دل کی دہائی اتری۔

دونوں کی آنکھیں بہت نامرادی سے ملیں، اک طرف شکائیت تھی تو دوسری طرف مایوسی۔

"وہ میرا حق تھا وفا۔۔۔ جائز حق"

گھمبیر مگر بوجھل سی سرگوشی کیے وہ لمحہ ضائع کیے بنا وفا کو اپنے وجود کی گرمائش میں محصور کر گیا اور وہ سمجھ نہ پائی کہ کیوں کٹی پتنگ کی طرح وہ اسکی ہو گئی تھی۔

اسے لگا کاشان کے دل کی دہائی اسکی دھڑکن سے الجھ گئی ہو۔

"وہ میری ہار تھی، ناجائز ہار"

وہ اسی کے لہجے میں ہارتی، دم دیتی اذیت سے بولی۔

وہ خود ساختہ اسے خود کی پناہ میں مزید گہرائی سے جذب کرتا وفا کے ملائم خوشبودار بالوں کی مہک سانسوں میں چپکے سے اتار بیٹھا، یہ سوچے بنا کہ اک اک معطر سانس اسے کاٹے گی۔

"میں تمہیں اپنی کسی تکلیف، وحشت، ناکامی، ہار یا پھر بے بسی کے سبب ضرور گہرا زخم دوں گی کاشان۔ کم از کم اتنی تکلیف تو جائز ہے جتنی تم نے مجھے دی۔۔۔۔"

وہ اسکے فولادی جسم کی قید سے رہائی طلب کیے پنجرے کی بے بس چڑیا کی طرح پھڑ پھڑائی مگر کاشان اس کیفیت سے جلد ہی نکلتا اسے خود سے رہائی دیے بنا کوئی جواب دیے واپس مڑا، وارڈاب میں ہینگ ہوا سوٹ نکالا اور خاموشی ہی سے وفا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"کاشان ہمانی کا وہ دل، جو تمہارے لیے لمحہ بہ لمحہ عقیدت و محبت سے سرشار ہوتا تھا، اسے آگ لگا رہی ہو۔ یہ کیوں نہیں سمجھ رہی کہ اس آگ کی لپیٹ میں آتا پہلا وجود خود تمہارا ہو گا"

وفا اسکے پتھرائے فرار پر دلبراشتہ سے اک نگاہ اٹیچ باتھ بند ہوتے دروازے پر ڈالتے چلی گئی مگر وہ اندر آئینے کو دیکھ کر دونوں ہاتھ سنک ایریا کے گرد جمائے خوفناک آنکھوں سے خود ہی کو باور کروانے میں لگ چکا تھا۔

"موت سے قبل یہ احساس سکوں دے گا مجھے

تیرا دیکھا ہوا میں ہوں میرا دیکھا ہوا تو

ہاتھ در ہاتھ کئی ہاتھ جھٹکتا ہوا میں

لوگ در لوگ بھرے شہر سے ملتا ہوا تو

پتیاں پھول کی مٹی سے اٹھائیں تو مجھے

یاد آیا مری آغوش میں بکھرا ہوا تو

آنکھ کھلتے ہی مرے ہاتھ سے چھن جاتا ہے

حالتِ نیند میں اک خواب سے مانگا ہوا تو

اس قدر اونچی ہے سینے کے مدینے کی فصیل

جس سے ٹکرا کے پلٹ آئے گا بھاگا ہوا تو"

اسکی بے بسی اس سے زیادہ کیا ہوتی کہ نہ تو وہ وفا کے اعتبار کے لائق تھا نہ محبت کے۔

ایسی زندگی پر تو دو حرف بھیج دیتا وہ لیکن وہ رک جانا چاہتا تھا، یہیں، اسی موڑ پر۔

اسے معلوم تھا اسکا دامن جھٹکنے والے ایک دن اسی کی حسرت میں روتے بھی اخیر ہیں۔

وہ اس پر بھی دکھی تھا۔

ایسا دن جب اسکی حسرت میں وفا روئے، اسے لگا روح زمین پر اسکا آخری دن نہ ثابت ہو۔

پھر تیسری سمت زویا بھی دن تک ہوسپٹل آئی، عناب کی کنڈیشن خود ڈاکٹر سے دریافت کیے ابدال، ہلال، منیہا اور عون سبھی کو تسلی سونپی۔

عون کو آفس جانا تھا تو منیہا کو بھی وہ گھر لے گیا تھا۔

ابدال ہرگز جانے پر آمادہ نہ تھا مگر عون نے اسے سمجھایا کہ تھوڑا فریش ہو کر آرام کیے وہ ایک دو گھنٹے تک واپس آجائے جس میں ڈاکٹر الماس کی سفارش بھی شامل تھی۔

تبھی وہ مان تو گیا مگر ڈاکٹر الماس کو ان دو گھنٹوں عناب کے پاس رہنے کی درخواست بھی کی جس پر وہ اسے پورا یقین دلا کر بھیجوا چکی تھیں۔

عناب ویسے بھی جس سپیشل روم میں تھی وہاں دو نرسیں ہمہ وقت موجود تھیں، کیمرہ نسب تھا، اور کمرہ بھی ہائی سیکورٹی تھا۔

عناب کی میڈیکل رپورٹ اور ضروری تمام ثبوت جو اس کیس کے لیے اہم تھے سب ہی ہوسپٹل ٹیم عون کے سپرد کر چکی تھی۔

عائش ہمانی کے خلاف سب ثبوت پولیس کے پاس مکمل تھے مگر وہ خود کہاں جا کر غرق ہوا تھا ابھی تو کسی کو علم نہ ہو سکا تھا۔

وھاج کے ساتھ ساتھ رات تک نہال کو بھی ڈسچارج کر دیا جانا تھا، زویا ایک پھول کا گلدستہ نہال کے لیے بھی لائی تھی اور ایک عناب کے لیے جو وہ اس والے روم میں خود واس میں لگا کر بھی آئی تھی۔

زویا کو تر و تازہ موسمی سرخ گلاب سے سجے گلدستے کے ساتھ آتا دیکھ کر نہال بخاری کے چہرے پر نا چاہتے ہوئے بھی مشکور سے رنگ اترے لیکن وہ تکلیف کے غلاف میں تھے۔

"جب کوئی بکھر جائے تو سمیٹنے والا احسان نہیں کرتا بلکہ اللہ کا دیا فرض نبھاتا ہے، اتنی ساری طبعیت بگھاڑ لی آپ نے۔ دعا ہے ان مہکتے پھولوں کی طرح آپکا یہ نازک دل بھی خوشبو بکھیرنے لگے"

دھیمی چال چلتی، بے آواز مگر اپنے لفظوں کو ہر ممکنہ میٹھا کرتی وہ پھولوں کا گلدستہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے مہربان نظروں سے نہال کو دیکھتے بولی جو اسکی جانب چہرہ پھیرے اسے دیکھ کم، آنکھوں کے اندر جذب زیادہ کر رہے تھے۔

کیا شرف نہیں ہوتا؟ محبوب جب یوں دیکھے، دنیا کے سارے غم ایک طرف کر کے عاشق پر اپنی نظر کرم تا دیر کرتا چلا جائے۔

"تھینک یو"

دو لفظی جملہ بھی اس وقت اس شخص کے لیے بھاری تھا، گراں تھا وہ درد بیان کرنا جو انکے سینے پر سانپ بنا رینگ رہا تھا۔

وہ زرا فاصلہ بناتی انہی کے بیڈ پر بیٹھی، رخ موڑ کر نڈھال سے نہال کو دیکھا، دل میں ٹیس اٹھی پر زویا نے دبا لی۔

"آپ کو پتا ہے، کسی نے مجھ سے بھی ویسی محبت کی تھی جیسی میں نے آپ سے۔اس شخص کی زندگی بھی زویا کی طرح خالی ہے۔جب محبت دل کا کل جہاں ہو ناں نہال تو اسکے خارج ہونے کے بعد سینے پر اک قبر کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا"

بہت ہمت چاہیے تھی کہ وہ نہال کا بے جان سا ہاتھ چھو لیتی، آج تک وہ اسے آنکھوں سے چھوتی آئی تھی، وہ اسکے خوابوں کا واحد شہزادہ رہا تھا۔

لیکن آج وہ چاہتی تھی اس شخص کے ہاتھ کو چھو کر دیکھے، کیا پتا وہ اسکی سوچ سے زیادہ خوابناک نکل آتا۔

پہلا چھونا، بنا کسی حق کے زویا کی آنکھوں میں نمی سی لے آیا۔

نہال بخاری کا دل چاہا اس لڑکی کی آنکھوں سے بہتی نمی اپنے ہاتھوں سے جذب کرے پر وہ بس سوچ کر ہی رہ گئے۔

"کون ہے وہ؟"

ہر بات نظر انداز کیے وہ بس اس شخص کو جاننے کو بیتاب تھے۔

زویا بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔

"ہے اک پاگل، وہ شخص مجھ سے ایک بار بات تک کو ترستا رہا، اور میں نے اپنے ہر سو نہال بخاری لکھ رکھا تھا، دائرہ بنا دیا تھا آپکے نام کا۔اس دائرے میں نہ کسی کا خیال آسکتا تھا نہ کوئی دوسرا انسان"

اس وقت وہ کوئی دیوانی لگی، نہال حیرت اور حسرت سے اسے دیکھ رہے تھے جسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"بہت غلط کیا تم نے، اس انسان کو خوامخواہ کی سزا دے کر۔۔۔میری مانو تو اسکی تکلیف کم کیے اپنا ساتھ سونپ دو۔ تم ایسی ہی شدید محبت کی مستحق ہو"

نہال اسے مشورہ دے کر بھی ظلم کر رہے تھے اور وہ خوامخواہ پر خوامخواہ ہی دل جلا مسکرائی۔

"اب تو وہ مجھے بھول گئے ہوں گے، اپنا آپ وہ میرے بعد اپنے فرض پر قربان کر گئے۔ میری طرح آج بھی وہ خالص کنوارے ہیں۔۔۔ مطلب کوئی ایک گرل فرینڈ بھی نہیں بنائی میری یاد اور میرا غم مٹانے کو"

اداس سا بتاتی بتاتی وہ آخر تک حسین سا مسکرائی تو یوں لگا اسکی مسکراہٹ اک پل کو نہال کے ہونٹوں پر اتری ہو اور وہ لمحہ جب زویا نے اس تکلیف کے وقت بھی نہال کے ہونٹ تبسم کی خفیف کرن میں ڈھلے دیکھے تو اسکی آنکھوں کی چمک دگنی ہوئی۔

"مجھ سے امید باندھے ہوئے ہو تو توڑ دو زویا، میں لائق نہیں تمہاری اس قدر چاہت کے۔ میرا رہا سہا لمحہ، ہر سانس اب میرے بچوں کا ہے۔۔۔ تم ہو سکے تو اس انسان کا انتظار ختم کر دو۔ شاید اس انسان ہی کی کوئی دعا لگ جائے مجھے"

زندگی سے تھک ہار کر عاری ہوئے وہ زویا کو ایک بہترین مشورہ دے رہے تھے مگر وہ جو ساری عمر گنوا کر بھی نہال کی تھی، اب کیسے اس انجان کی ہو جاتی جسکا کوئی ذکر تک دل کے کسی حصے میں کبھی ورد کی طرح جاری نہ ہوا تھا۔

"وہ کہتے ہیں انکی ہر دعا صرف زویا کے لیے ہے، سوری ٹو سے آپکو تو کوئی دعا نہیں دیں گے۔ رہی بات امید باندھنے کی تو اب ایک ادنی سی ہمدرد بننے سے زیادہ کی سکت مجھ میں ہے ہی نہیں۔ میں بس اتنا ہی چاہتی کہ آپ کے پاس ایک دوست کی طرح آتی رہوں۔ زندگی میں شریک نہ سہی لیکن آپ اپنی پریشانیوں، الجھنوں میں شامل کر سکتے ہیں مجھے۔ میری تو اپنی ہر سانس، ہر لمحہ میرے دل کے ٹکڑے کا شان کے لیے

ہے۔اب تو رشتے اور وقت دونوں بدل گئے۔ بھلا تب زویا آپکی پریشانی نہیں بنی تو اب آپ پر ایویں زبردستی مسلط ہو کر سر درد کیوں بنے گی"

وہ مسکراتی ہوئی، بجھنے کے باوجود زندگی سے بھری تھی،اب نہال سمجھے تھے کہ خسارہ کسے کہتے ہیں۔

کسی کی لازوال محبت کی شدت سے نکل جانا خسارہ ہی تو تھا۔

نہال کا درد، انکی ساری تکلیف اس نے ہمدرد بنے بھلے چن لی تھی مگر وہ اک دوسرا پر اسرار شخص، لاحاصل عشق کی بھٹی میں جل کر کندن بن جاتا، باریک شال شانوں پر اوڑھے پھر سے رخ موڑے روشنی کے مدھم ہالے میں کھڑا تھا۔

وہی وجود جو چھپا تھا، مخفی تھا۔

جسے روگ لگا تھا محبت کا، زندگی کا، بے بسی کا۔اس مضبوط اعصاب والے انسان کے نامراد ہاتھ میں پکڑی تصویر کسی اور کی نہیں زویا کی تھی۔

انکے لاشعور میں اس لڑکی کی کمی اک علیحدہ دکھ تھی۔

اک علیحدہ کرب تھی جس پر ہجر اختیار کیا گیا تھا۔

"بس یہی سوچ کے خوش باش رہا جانے لگا

تجھ کو افسوس تو ہو، ہاتھ سے کیا جانے لگا

میں نے اک شعر ترے نام کیا ہے جب سے

میرا ہر شعر توجہ سے سنا جانے لگا

لوگ اک دور میں دیواریں چنا کرتے تھے

پھر تو دیوار میں لوگوں کو چنا جانے لگا

تجھ کو اک بار مرے دکھ پہ ہنسی آئی تھی
پھر ہر افتاد پہ دنیا میں ہنسا جانے لگا
میں نے اس شخص کو جانے کی اجازت کیا دی
میں اسے بھیجنے والوں میں گنا جانے لگا
میں نے دھو ڈالے نشانات لہو سے اپنے
جب یہ دیکھا کہ تری سمت کھرا جانے لگا
مجھ کو اک شخص سے ملنے کی بہت جلدی تھی
اتنی جلدی تھی کہ نیندوں میں چلا جانے لگا
مجھ کو بھگوان کا اوتار سمجھ بیٹھا تھا
آنکھ جھپکی تو پرستار اٹھا، جانے لگا
جیسے شہروں کے کبھی نام پڑا کرتے تھے
ایسے اک دن سے مجھے تیرا کہا جانے لگا
منقول"

گہرے صدمات میں ڈوبی وہی مہربان آواز، جو دکھ درد پال کر ہی گہری ہوئی تھی، وہ اب بھی پردے میں تھے، راز بن کر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سرکار، گستاخی معاف لیکن کیا وفا میڈم کے پیچھے آج بھی آدمی بھیجوں؟"

کاشان کو ناشتے کے نام پر صرف سیاہ کافی حلق میں انڈیل کر ہی باہر نکلتا دیکھ کر شیر علی مودب سا اسکے ہمقدم ہی پورچ تک آیا، گہرے سیاہ بادل ناجانے آج بے وقت سا قہر ڈھانے کے موڈ میں کیوں تھے۔

کاشان نے اپنا کوٹ اتار کر فرنٹ سیٹ پر رکھا اور شرٹ کی بازو فولڈ کرتا شیر علی کو جواب دینے مقابل آیا۔

"نہیں شیر علی، دکھ ہوتا ہے۔ یہاں ادھر تکلیف ہوتی ہے۔ آج سے اسکا پیچھا نہیں کرواوں گا۔ وہ جہاں جائے اسکی مرضی لیکن جب اسکے قدم ہمانی حویلی کے اندر آجائیں تو اسکی حفاظت اس حویلی کے ایک زرے زرے کی ذمہ داری ہے"

ناجانے کیوں مگر خود کو بہت مضبوط کرنے کے باوجود یہ جان لیوا جذبے کاشان کو توڑ رہے تھے، آج شیر علی نے بھی اسکے کڑکتے اور سفاک سے لہجے کی ہر تلخی غائب محسوس کیے اک ان کہا سا رنج پر کھا، جیسے وہ شخص دکھ بتانا تو نہ چاہتا تھا پر کہہ بیٹھا تھا۔

اپنے نامراد سینے پر آج خوامخواہ کی تپش اسے بجھا سا رہی تھی، یہ جانتے بوجھتے کہ اسکی زندگی بہت سے رکے معاملات کے لیے ضروری ہے پھر بھی وہ مر جانے کی عجیب سی خونخوار خواہش کا دل میں پنپنا محسوس کر رہا تھا۔

" جن سے محبت ہو جائے، پرندے ہوں، جگنو ہوں یا پھر انسان انہیں مٹھیوں سے، قفس سے اور آرزوئے طلب سے آزاد کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔

محبت نفرت کی بندش سے رہا ہونے کا نام ہے،

محبت دل کے قفس سے، ہر آرزو سے آزاد کر دینے کا نام ہے"

وہ خود کو خود بہلا رہا تھا، نیا سبق پڑھا رہا تھا، اسکے سینے پر دھرا بوجھ سہنا اسکے لیے محال تھا۔

یہ کیسی جنگ لڑ رہا تھا وہ جو ختم ہونے کے باوجود اپنی تباہ کاریاں پھیلائے ہوئے تھی۔

شیر علی کے چہرے پر درج ہم نوا سی رنج کی لکیریں گہری ہوئیں تو کاشان اسکا کندھا تھپکا تا ہر سوگواری کے الم کو مہارت سے چہرے پر سے ہٹائے گاڑی میں بیٹھ گیا، اسکے گارڈ بھی ہمراہ سوار ہوئے اور شیر علی تب تک اس جانب تاسف سے تکتا رہا جب تک کاشان ہمانی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

باسط اسکے آفس میں پہلے ہی آڈیو کال کے لیے سیٹ آپ ارینج کیے موجود تھا، ایزل اس وقت مین آفس ہی تھی جہاں وہ لوگ پائزن کے ہیکنگ ڈیپارٹمنٹ کو سنبھالتے تھے۔

کاشان کے سپید چہرے اور انتہا کی سنجیدگی سے باسط بھی اسکی اندرونی کیفیت بھانپ چکا تھا مگر کام کے بعد ہی وہ کچھ حاصل ہوتیں خبریں ہی پائزن کو سنانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف ابدال گھر آیا تو نقاہت اور تکلیف نے واقعی اسے اپنی حالت زار درست کرنے پر اکسا دیا تھا، اسے عناب کی ہمت بننا تھا اور اس پری کی ہمت بننے سے پہلے اسے خود مضبوط ہونا تھا۔

شاور لیے بلیک جینز اور وائٹ شرٹ پہنے وہ جب تک ٹاول سے بال خشک کرتا نکلا، منیہا کھانے کی ٹرے لیے اندر ہی آ گئی۔

اک اداس سی نگاہ ابدال پر ڈالے، ٹرے بیڈ کے کنارے رکھتی وہ خود لپک کر ابدال تک آئی جسکی آنکھیں بلکے دنیا کی سب سے پرکشش بھوری آنکھیں، غم کے بوجھ تلے زرد پڑ چکی تھیں۔

"میری جان"

قریب آئے وہ پیار سے اسکا چہرہ تھامے نثار ہوئے پکاری تو ابدال نے اچنبھے سے بہن کے یہ بدلے تیور دیکھے، اسے کم از کم منیہا سے یہ لاڈو غیرہ کی امید نہ تھی۔

"آپا، لگتا ہے صدمے میں ہیں، ورنہ مجھ بیکار کو ایسے گلے تو نہ لگاتیں"

وہ جو اپنی محبت کی آخری حد اسے خود سے لگا کر ہی ظاہر کر سکتی تھی، ابدال کے کڑوے سے استفسار پر بنا برا منائے تھکا سا مسکراتی زرا فاصلہ بنائے اپنے پیارے اور ہنڈسم سے بھائی کو دیکھنے لگی جو اسکی جان تھا۔

"قیمتی چیزوں کو خود سے دور رکھنے کی بیوقوفی پہلے کرتی تھی لیکن اب نہیں کروں گی، تم خود کو کبھی تنہا مت سمجھنا ابدال۔ میں ہمیشہ تمہیں سننے اور یونہی پیار سے گلے لگا لینے کو پاس ملوں گی۔ لاپرواہ تھی بہت، لیکن اب کم از کم تمہارے اور عناب کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گی"

آج منیہا میں نا چاہتے ہوئے بھی ابدال کو ہادیہ کی جھلک نظر آئی اور ایک لمحے کو وہ منیہا سے ہادیہ کی خوشبو تک محسوس کر گیا۔

"آپا، آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔ آپ نے نہ کبھی پہلے دل دکھایا میرا نہ آگے دکھائیں گی۔ اداس نہ ہوں"

اب جب وہ آگے بڑھی تھی تو ابدال نے بھی پوری محبت لٹائے پھر سے گلے لگ کر گہرا سانس بھرا۔

وہ اپنی آنکھیں مزید سرخ ہونے سے روک نہ سکے۔

منیہا نے پیار سے اسکے گیلے بال سہلائے اور روبرو ہوئے اسکی گال پر پیار دیے مسکراتی ہوئی اسے بیٹھائے خود بھی بیٹھی۔

جانتی تھی وہ حلق سے اک نوالہ بھی نہیں اتارے گا تبھی فرئال صاحبہ کے بجائے خود کھانا لائی تھی تاکہ اسے کھلا سکے جو نجانے کب سے بھوکا پیاسا صرف اذیت سہہ رہا تھا۔

"انکار نہیں ابدال، زندہ رہنا ضروری ہے ناں۔ تو زندگی کے لیے کھانا بھی اہم۔ جب تم میں درد سہنے کی ہمت ہی نہیں ہو گی تو کیسے لڑو گے حالات سے۔ کہو تو میں خود کھلا دیتی اپنے شہزادے کو"

ہر تکلیف ایک طرف مگر ابدال کو منیہا کا یہ بڑا بڑا روپ بہت پیارا لگا تھا، وہ ایک دم بڑی سی ہو گئی تھی، ماں جیسی۔

ابدال کے بیزاریئت سے کھانے کی جانب دیکھتے ہی وہ اسکے کچھ کہنے سے پہلے ہی تمہید باندھ کر اسے لاجواب کر چکی تھی۔

"آپا۔۔۔ شہزادہ نہیں ہوں پلیز۔ آپ پیار کریں لیکن مجھے ایسے جھوٹے لفظ مت کہیں۔ بائے داوے اگر مجھے پتا ہوتا آپ شادی کے بعد مما جیسی بن جائیں گی تو دو سال پہلے ہی پیٹنا ڈال کر بھیجوا دیتا آپکو آپکے ان کے پاس"

دانستہ اپنی اداسی اور منیہا کی بھی افسردگی ہٹائے وہ نرم اور گداز سے لہجے میں بولا، لیکن نجانے کیا ہوا کہ اگلے ہی پل عون کے ذکر پر خود ابدال کو لگا اسکی زبان کڑوی ہو گئی ہے۔

خود منیہا نے اسکی عون کے لیے یکدم ابل آتی ناپسندیدگی بھانپ کر تاسف سے دیکھا۔

ابدال کی بھوک از سر نو مر سی گئی تھی۔

"عون جان بوجھ کر ایسی لاپرواہی نہیں کر سکتے، یہ سب ایسے ہی طے تھا۔ جانتی ہوں تکلیف میں ہو مگر جس طرح عناب تمہاری جان ہے ویسی وہ انکے لیے بھی قیمتی ہے۔ اپنی تکلیف میں بھی کسی دوسرے کی تکلیف کا سبب بن جانا خسارہ ہوتا ہے ابدال۔ امید ہے تم میری یہ چھوٹی سی نصیحت یاد رکھو"

وہ نہ صرف بڑی ہو گئی تھی بلکہ ایک بہن کے ساتھ بیوی کا بھی فرض نبھاتی رسان سے ابدال کو سمجھا بھی رہی تھی۔

وہ اس وقت بس سرد مہری سے منہ پھیرے ہوئے تھا، بیزار سا۔

"میں اس معاملے میں لاپرواہی برتنے والے ہر فرد کو نہیں چھوڑوں گا بھلے وہ آپکا شوہر ہی کیوں نہ ہو، امید ہے آپ مجھ سے اس ٹاپک پر دوبارہ بات نہیں کریں گی"

سپاٹ لہجہ لیے وہ حتمی طور پر اپنی خفگی ظاہر کر چکا تھا، نروٹھا سا پلیٹ میں تھوڑے سے رائس ڈالے باقی کھانے کی ٹرے ہاتھ بڑھا کر پیچھے سرکا دی۔

شاید گنتی کے چھ یا سات نوالے لیے وہ اپنا ہاتھ روک چکا تھا اور چہرہ بھی پھیرے مزید کوئی بات نہ کرنے کا اشارہ بھی کر چکا تھا۔

"مجھے تم سے بے ادبی کی نہ کبھی پہلے توقع تھی نہ اب ہے، امید ہے تم مجھے ناامید نہیں کرو گے۔ کچھ دیر آرام کرو پھر ڈرائیور چھوڑ آئے گا ہوسپٹل"

اٹھ کر زرا قریب آئے جھک کر ابدال کا سر چومتی ڈھکے لفظوں میں اسے پھر سے اپنے حصار میں مقید رہنے کا کہتی وہ ٹرے اٹھائے کمرے سے نکل گئی اور ابدال نے جبڑے بھینچ کر اسکے جاتے ہی اس سمت دیکھا۔

"آرام نہیں کرنا، عناب کے مجرموں کی عبرت دیکھنے تک ہر خوشی، ہر سکھ ہر آرام حرام ہے ابدال مصطفی پر"

وہ خود سے بھی خفا تھا، بدتمیزی کی حد تک بدمزاج ہو رہا تھا، سر میں اٹھتی ٹیس جگر تک درد پہنچا رہی تھی۔

فون کی رنگ پر وہ ان درد دیتی سوچوں کے گرداب سے نکلا تو اسکے فون پر برہان صاحب کی کال تھی۔

ابتدائی علیک سلیک کے بعد وہ بھی اس وقت گھر جانے والے راستے پر گاڑی میں سوار تھے۔

"ایک بہت بڑی خبر دینی تھی تمہیں، مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ تمہیں کیسے بتاوں ابدال"

گاڑی سڑک کے کنارے روکے وہ اپنا سیٹ بیلڈ اتار کر اس ابر آلود زرا زرا برستے دن میں باہر نکلے بے قرار سے گویا ہوئے۔

انکی بیقراری نے ابدال کو بھی مضطرب کیا۔

"ایسا کیا ہوا ہے سر؟ آپ بتائیں پلیز"

ابدال کو بھلے اس وقت اور کسی معاملے کی خبر نہ تھی مگر وہ اپنے استاد کی بات جاننے کو ناچاہتے ہوئے بھی بیقرار لگا۔

"ایکچولی آج میں اتفاق سے پرنسپل آفس کے پاس سے گزر رہا تھا تو میرے کانوں میں کچھ باتیں پڑیں، ستار قریشی اس اتنے بڑے سکول کا پرنسپل نہیں بلکے یہاں پڑھتے بچوں کے مستقبل سے کھیلنے والا سوداگر ہے"

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے وہ اب بھی عجیب سی کشمکش میں لپٹے بولے، ابدال کو حقیقت میں انکی بات سمجھ نہ آئی تبھی وہ الجھ سا گیا۔

"میں سمجھا نہیں سر، پلیز کھل کر بتائیں"

ابدال کی الجھن بڑھی۔

"دراصل وہ تمہارے اور چند اور برائیٹ سٹوڈنس کی پراگرس کے عوض کچھ خفیہ اداروں سے پیسے وصولتا ہے، اسکے سکول کے اکادکا وہ بچے جو ہر چیز میں آگے تھے، انکی ہر کامیابی پر اسے بہت سا پیسہ ملتا تھا۔ میں نے اسے بات کرتے سنا کہ انکا یہ کاروبار تمہارے جانے سے ٹھپ ہو گیا کیونکہ آدھی سے زیادہ کمائی تو انکی تمہاری وجہ سے تھی۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے سکول کی ساکھ بچانے کو یہ قدم اٹھا تو لیا لیکن اسکے باوجود انکے ادارے کو ملتی مراعات، فنڈز اور تحائف نہ صرف رک چکے ہیں بلکے وہ لوگ اب ستار قریشی کو

الٹا حرام کمائی پر دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ سکول کے نام پر پیسہ بنانے کی مشین لگائے گھن بنا تعلیمی نظام کی جڑیں کاٹ رہا ہے"

برہان صاحب کی یہ ساری باتیں ابدال کے دماغ پر ہتھوڑے سی برسیں، وہ سر تا پیر ایسے حقائق سے گھوم سا گیا۔

شفاف اور اتنے بڑے ادارے کی حقیقت ایسی غلیظ نکلے گی یہ تو اس نے کبھی نہ سوچا تھا، کیا وہ لوگ اسکی قابلیت پر حرام پیسہ کما رہے تھے؟ کیا اس دنیا میں ایسا گند انظام بھی رائج تھا۔

"مجھے یہ سن کر حقیقی تکلیف ہوئی سر"

ابدال کی آواز یہ کہتے کانپ سی گئی، آنکھوں میں حقیقی درد سرائیت کرتا گیا۔

"مجھے بھی، میرا دل یہی کیا جاب اس سوداگر کے منہ پر دے ماروں لیکن میری بیٹی کا آپریٹ ہے کچھ دن تک۔۔۔ لیکن میں نے خود سے عہد کر لیا ابدل کے ابھی سے کوئی اور جاب ڈھونڈنا شروع کر دوں گا۔ اس باسط نامی آدمی نے تمہیں جیسے بھی سہی وہاں سے نکلوا کر ان دبی تلخ حقیقتوں کو ظاہر کیا ہے جو ویسے سامنے آنا ناممکن تھیں۔ ڈرگ جیسا پاور فل آپشن بھی شاید تبھی چنا گیا تھا تا کہ ہر صورت وہ ستار تمہیں نکالے اور دیکھو ہم جو سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ نکل آیا"

وہ خود اس سب سچائی پر ملال میں تھے اور ابدال کو ایک لمحے میں آسمان سے زمین پر پٹخنے کی اذیت سمجھ آئی تھی۔

کاشان ہمانی کے لیے دل میں پنپتی نفرت تھم سی گئی تھی، لیکن غصہ اور تکلیف ہنوز برقرار تھی۔

"میں اپنے تایا جان سے بات کروں گا، یہاں کے پرنسپل انکے دوست ہیں۔ اگر آپکی جاب میرے نئے والے سکول ہو جائے تو یہ میرے لیے اعزاز ہو گا سر، رہی بات اس معاملے کی تو میری بد دعا ہے اس بیغیرت کا سکول بند ہو جائے اور وہ سڑک پر بھیک مانگے۔ تب سکون ملے گا"

شروع میں وہ اپنا اشتعال ہر ممکنہ دبائے بہت مان سے یہ پیشکش کر گیا اور آخر تک ستار قریشی کو غائبانہ بد عائیں تک دے دیں۔

دوسری سمت بھی جیسے مایوسی ہٹ سی گئی۔

"تھینک یو بچے، یہ تمہارا اعزاز نہیں بلکے میرے لیے شرف ہے کہ اللہ نے مجھے تمہارا استاد بننے کی یہ مسند عطا کی۔ میں تمہاری طرف سے اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔ اللہ کی امان میں رہو میرے بچے"

شفقت کے سنگ وہ اپنی محبت کو لفظوں میں سموئے کہہ کر رابطہ کاٹ گئے، انھیں شاید ابھی ابدال پر ٹوٹتی قیامت کا بھی علم نہ تھا لیکن اس ساری سچائی کے کھلنے پر ابدال ضرور مزید افسردہ ہو گیا تھا۔

تو کیا اس انسان نے اسکی آنکھیں کھولنے کے لیے یہ سفاکانہ طرز اختیار کیا؟ کیا دنیا کی نجس حقیقت کھولنے کا یہ ظالم طریقہ ہی بچا تھا۔

"تم کیا ہو؟ تم کون ہو کاشان ہمانی؟ میں نہیں چاہتا میرا دل تمہارے لیے نرم پڑے۔ تم نے جو بھی کیا اس پر نہ تو تمہارا شکریہ ادا کروں گا نہ اپنے کسی رویے کی معافی مانگوں گا۔ تم اب بھی میرے مجرم ہو کیونکہ تم نے مجھ سے میری وفا چھین لیں۔ اب انکا دل ابدال کے لیے نہیں دھڑکتا۔ اس لیے ہماری دشمنی برقرار رہے گی"

بہت دنوں بعد وہ کاشان ہمانی کے لیے نرم ہو رہا تھا، اس شخص نے اسکے ساتھ جو کیا اسکی اتنی بڑی وجہ تھی۔
اگر ابدال وہیں رہتا تو شاید وہ لوگ اسے یونہی بیچ بیچ کر اپنی جیبیں حرام کمائی سے بھرتے رہتے، اسکی قابلیت کو زنگ لگاتے رہتے۔

وہ نرم پڑتے پڑتے پھر سے کاشان ہمانی کے خلاف ہو گیا تھا صرف وفا کی کمی پر اسکی نازک سی آنکھیں بھر اگئی تھیں۔

لیکن کچھ تھا ایسا جذبہ جسکو لے کر وہ وفا کے لیے تھوڑا سہی پر پر سکون لگا۔

وہ شخص وحشی تھا، ابدال مان چکا تھا۔

وہ شخص بے حس تھا، ابدال کامل یقین لا چکا تھا۔

وہ شخص الجبرے کی طرح مشکل تھا یہ بھی ابدال کو سمجھ آچکی تھی۔

مگر وہ شخص انسان تھا، آج ابدال کو احساس ہوا تھا۔

اور اسکی وفا ایک مشکل سہی پر انسان کے پاس تھی یہ ابدال کے لیے کہیں دلی اطمئنان کا باعث بنا دیکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کہو ایزل، کیا بات تھی جو میرے سکون کے دنوں میں بھی کرنی اہم تھی؟"

ہیڈ فون کان سے لگائے وہ اپنی آواز قدرے بھاری کیے مخاطب تھا، دوسری سمت لیپ ٹاپ پر چلتی آڈیو کال اور اس سے ابھرتی پائزن کی گھمبیر بھاری رعب دار آواز ایزل مہران کے کانوں سے ٹکرائی۔

ایزل کے قریب پائزن کے چار گارڈز چوکس کھڑے تھے جبکہ دوسری طرف کاشان کے کچھ فاصلے پر صرف باسط کھڑا مودب ہوئے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"آپ تک پہنچی کچھ غلط خبروں کی تردید اہم تھی پائزن، آپ جانتے ہیں اپنی پوری زندگی آپکے لیے خوشی خوشی وقف کی ہے۔ لیکن مجھے خبر ملی ہے کہ سینیر ہیڈ میرے اور مسٹر فارش شاہ کو لے کر مشکوک ہیں"

ایزل نے اپنی بات بہت پروفیشنلی شروع کی تھی، کاشان نے استہزایہ ہوئے اک نظر اپنی سمت سلگتے تبسم میں ڈوبے باسط پر ڈالی جو جانتا تھا ائزل اس وقت صفائی ہی دے رہی ہو گی۔

"جب کسی کو لے کر کوئی شکوک وشبہات کا معاملہ مجھ تک پہنچتا ہے تو میں آنکھیں بند کیے یقین نہیں کرتا، میرے بھی کچھ طریقہ کار ہیں۔ کچھ اصول ہیں۔ تم ہیکنگ چھوڑ کر اپنے خلاف آتی شکائات پر کان دھرے بیٹھی ہو یہ تو مزید مشکوک چیز ہوئی۔ وہ سنا نہیں چور کی دھاری میں تنکا"

ائیر فون سے پائزن کی مطمئین مگر سرسراتی طنزیہ آواز پر ایزل کے چہرے کا رنگ بدلا، وہ جانتی تھی پائزن شاطر ہے مگر اسے اتنی جلدی پکڑ لے گا یہ امید نہ تھی تبھی وہ خفیف سی خوفزدہ ہوئی۔

"آپ بھول رہے ہیں پائزن کہ آپ میری زندگی کی وجہ بھی ہیں، اسکے باوجود آپ اگر اس شک پر کان دھر چکے ہیں تو ٹھیک۔ زندگی جب آپکی ہے تو میری موت کا بھی اختیار آپکے پاس ہے"

لمحے میں وہ جذباتی سی ہوئے شاید پائزن سے کھیلنا چاہتی تھی، اور وہ تو عجیب سی مسروری میں مبتلا تبسم میں اپنے چہرے کے خدوخال ڈھال گیا۔

اس وقت پائزن کی آنکھیں جان لیوا حد تک پرکشش تھیں، اسکی خاموشی پر ایزل کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔

"تو پھر ڈرنا نہیں چاہیے تمہیں، جب موت اور زندگی میرے اشارے کی محتاج ہے تو تمہیں چل کرنا چاہیے۔ ویسے بھی تمہارے معاملے میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند ہیں پائزن کی"

عجیب آنچ دیتا جوابی لہجہ ایزل کے ماتھے پر نمی لا چکا تھا، اپنے مقصد کو پورا کیے بنا وہ مرنا نہیں چاہتی تھی اور اسکا مقصد پائزن کی موت تھی۔

"میں وفادار ہوں آپکی اور وہ فارس شاہ بھی، میں نے مکمل جانچ کی ان کے حوالے سے۔۔۔ میری طرح وہ بھی آپکے بے بس وفادار ہیں پائزن۔ بے بسی سے بڑی مجبوری اس روح زمین پر ہوتی ہے کیا؟"

ایزل کی آواز اس بار دکھ کے بوجھ سے رند گئی تھی، کاشان نے کچھ دیر خاموشی سے فون کے اس پار سانس لیتی ایزل کو سنا۔

وفادار لفظ پر کاشان کو مسکرانا پڑا تھا، وہ تو خود تک سے وفادار نہ تھا۔

"ہوتی ہے، محبت۔۔۔۔ اور تم دونوں ہی اس دوسری بے بسی کے ڈسے ہو۔ خیر تم کہہ رہی ہو تو مان لیتا ہوں کہ وفادار ہو۔ کیا کروں ہوں ہی بہت سیدھا انسان"

پائزن کے ان جملوں نے ایزل کی روح لرزائی تھی، وہ جانتی تھی پائزن کے میٹھے لفظ اصل میں زہر کی شدید بری قسم تھے۔

"ہمم۔۔ آپ کی ہولیڈیز اچھی گزریں"

اپنا ڈر چھپائے وہ بس کال بند کرنا چاہتی تھی تبھی رسمی بات کی طرف مڑ آئی۔

" تھینکس، اور کچھ "

بے نیاز سا سرسری استفسار آیا تھا۔

ایزل کو نا جانے کیوں جلن سی ہوئی۔

"سوال پوچھ سکتی ہوں؟"

زرا جھجکتے ہوئے وہ مدھم ڈری سی منمنائی۔

کاشان نے دلچسپی سے متوجہ ہوئے ہوں کیے اسے اجازت دی۔

"کیا کوئی لڑکی بھی ہے آپکے ساتھ؟"

ایزل کا یہ سوال کاشان کے ماتھے پر خفگی سے لکیریں بنا گیا۔

"فضول سوال پوچھنے سے بہتر ہے اپنے کام پر فوکس کرو ایزل"

تندہی سے جھاڑ دیتا وہ اگلے ہی لمحے کال کٹ کر گیا، ایزل کی آنکھیں ناچاہتے ہوئے بھی سرخی میں نہا سی گئیں۔

ڈپارٹمنٹ سے باہر آنے تک وہ اپنے آنسو دباتی رہی، کیوں وہ ہر بار اس سفاک شخص کے لیے بکھر جاتی ہے، کیوں اسکے انتقام میں اس شخص کی محبت آکر ایزل کا سانس گھوٹنے لگتی ہے۔

"میرا مقصد بس تمہاری جان لینا ہے پائزن، کاش مجھے تم سے محبت نہ ہوتی۔ کاش میں تمہارا ہر احساس اپنی ان رگوں سے نوچ سکتی۔ کاش تم نے مجھے اپنے قریب رکھ کر عمر بھر کا روگ نہ دیا ہوتا۔ کیوں گارڈ، کیوں۔۔۔ کیوں اس بے رحم کو میرے دل کا مکیں بنایا۔

کیوں میرے اندر اب بھی اسکے لیے رحم موجود رکھا ہوا ہے۔۔۔ پلیز گارڈ اسے مجھ سے نکال دیں اور مجھے اپنے ڈیڈ کے قاتل کی موت کا شرف دے کر اس اذیت ناک زندگی سے چھٹکارہ دلا دیں۔

مجھے سن لیں میرے خدا"

ہچکیوں سے پھوٹ پھوٹ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ بہت ہی اذیت میں تھی، اتنی کہ یہ زندگی تک اسے تکلیف دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وفا سیدھا ہوسپٹل ہی آئی تھی، اپنے ماتم اور تکلیف کو ہر ممکنہ دباتی وہ بس ادھورے کام پورے کرنے آئی تھی۔

ڈاکٹر الماس سے پرسنلی مل کر عناب کی موجودہ کنڈیشن پر بات کی تھی، فی الحال بھلے عناب کی زندگی بچ گئی تھی لیکن اس حادثے نے اس بچی کی روشنی چھین لی تھی، وہ اجالا لے لیا تھا جس نے عناب کو کلی سے پھول بنانا تھا۔

ڈاکٹر الماس نے کوئی بھی بات وفا سے چھپانی مناسب نہ سمجھی تھی، اسکی زندگی پر پڑنے والے اثرات بہت تفصیلا کھول کر بتائے تھے۔

"اسکی زندگی میں اک خلاء رہ جائے گا وفا، اور شاید شعور کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ پیچھے چلی جائے۔ اسکی زندگی کا اندھیرا صرف اسے دی توجہ، حفاظت اور محبت دور کر سکے گی۔ جب وہ ہمارے پاس لائی گئی تھی تو اس نے بے ہوشی میں یوئی نام بھی پکارا تھا، کیا یہ وہی گمشدہ بچہ یو آن ہے"

وفا اور الماس دونوں روم میں ہی تھیں، وہ وفا کو عناب کی زندگی کے اس حادثے کے اثر کا بتاتی سوال پر رکیں تو وفا تھکا سا مسکرائے سر ہلا گئی۔

"جی یو آن، دونوں بہت کلوز ہیں۔ اور اللہ نہ کرے کہ وہ بھی کھو جائے۔ شاید عناب کی بجھتی زندگی میں آدھی روشنی یوئی کے نام کی ہی ہے۔ ایکچولی وہ بھیو کی جانب سے محبت کو ترسی ہوئی بچی ہے، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اسے ہم سب نے بہت محبت سے پروان چڑھایا ہے لیکن یوئی اور ابدال سے وہ سب سے زیادہ اٹیچ رہی۔ ان شاء اللہ وہ جلد مل جائے گا"

وفا کی اپنی آنکھیں اس ذکر پر نم سی ہوئیں جس پر الماس صاحبہ کو خاصی حیرت نے گھیرا۔

لیکن فی الحال وہ گہرائی میں نہ گئیں۔

یہ کسی اور موقعے پر رکھ چکی تھیں۔

"عناب کی فیزیکل ہیلتھ کیسئ ہے؟"

وفا کے اگلے سوال پر الماس بھی سنجیدہ ہوئیں۔

"کچھ مائنز انٹرنل انجریز ہیں لیکن امید ہے اسکی باڈی کوور کرلے گی، لیکن بعد کی اسکی زندگی کئی مسائل کا شکار ہو سکتی ہے۔ یہ مسائل جسمانی کے ساتھ ساتھ دماغی بھی ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی حادثہ ہمارے لاشعور میں ثبت ہو جاتا پھر وہ کبھی مٹتا نہیں۔ اسکی زندگی آسان نہیں ہوگی لیکن ہم سب اسکی ہر طرح کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں"

وہ امید کی کرن تھما کر وفا کو ہرگز مایوس نہیں چھوڑ رہی تھیں، وفا کو یہ سب ابھی سے مشکل لگ رہا تھا، اسکا دل عناب کی کیفیت کا زرا سا 'احساس کرنے پر ہی ڈوب رہا تھا۔

اسی طرح بھرے دل سے وہ وہاج کے کمرے میں آئی، زہرہ صاحبہ بھی کچھ دیر پہلے ہی ہلال کے ساتھ گھر گئی تھیں کیونکہ وحید صاحب نے وہاج کو خود شام گھر چھوڑنے کی ذمہ داری لی تھی اور ویسے بھی جب سے وہاج یہاں تھا وہ بھی یہیں تھیں اور اب خاصی تھکی دیکھائی دے رہی تھیں۔

وفا کمرے کے باہر کھڑی یکدم کسی ان کہے رکاوٹی احساس پر تھمی، کاشان کے ساتھ بے وفائی کا جذبہ سینے میں لمحہ بھر کو سلگا مگر جلد ہی وہ اپنی اس کیفیت کو جھٹک کر اندر داخل ہوئی۔

وہ جو سر ٹیکے آنکھیں موندے لیٹا تھا، اس دشمن جان کی آمد کی خوشبو تیز سانسوں میں گھلتی محسوس کیے آنکھیں کھول کر زرا رخ موڑے دیکھنے لگا جہاں وہ سالم اور سلامت کھڑی وہی عورت تھی جسے اس نے اول و آخر رب سے مانگا تھا۔

"آپ نے کیوں زحمت کی، مرا نہیں ہوں وفا۔۔۔ خیریت سے زندہ ہوں"

طنزیہ ہوئے وہ ناچاہ کر بھی دل کا درد کہہ کر جتا گیا، وفا اسکی جرت پر سلگئ۔

"یہاں تمہاری خیریت پوچھنے نہیں آئی بس کچھ سوال کے جواب جاننا چاہتی ہوں، بہت بڑا دعوی کیا تھا تم نے وھاج سکندر کے تم مجھے اس درندے سے بچاو گے لیکن تم مجھے اس جگہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔۔۔۔ جواب ہے کوئی"

وہ بھی تو روح چھیننے آئی تھی، اسکے جسم سے رہی سہی سانس اچکنے، پہلے ہی سرد مہر سوال نے وھاج سکندر کو منجمد کر دیا تھا۔

وہ بھلے پاس تھے پر اب بیچ میں صدیوں کا فاصلہ آن ٹھہرا تھا۔

"سچ سننے کی سکت ہے آپ میں؟"

جواب دینے کے بجائے وہ الٹا سوال کر رہا تھا، وفا کی ہمت نے جواب دینا شروع کر دیا۔

"اب مجھ میں ہر سچائی سن کر برداشت کرنے کی ہمت ہے وھاج سکندر، تم صرف سچ کہو گے"

اسکے استفسار پر وفا تلملائی۔

وھاج نے سرد سا سانس کھینچے دل کے غبار کو کم کیا جیسے اب اپنی چپ توڑنا ضروری تھا۔

"میں عائش ہمانی کے پیچھے گیا تھا حویلی سے باہر، آپکو میسج بھی کیا تھا۔ لیکن اس نے مجھ پر وار کر دیا۔ آپکے اسی درندہ صفت شوہر نے پناہ دے رکھی تھی اس مفرور قاتل اور زانی کو"

وھاج کے جلتے لفظ وفا کو سر تا پیر جلا کر بھسم ہی تو کر گئے، وہ بے یقین سی اذیت سے یہ سچ برداشت کیے اگلے ہی پل جھک کر وھاج کا گریبان پکڑ چکی تھی۔

اسکے جسم کا سارا لہو چہرے پر چھلکا جس پر خود وھاج اک لمحہ بوکھلا اٹھا۔

"تم ہوش میں ہو کہ کیا کہہ رہے ہو، کونسا میسج؟ ہاں۔۔۔ مجھے تمہارا کوئی مسیج نہیں ملا۔ اور تمہیں زرا بھی اندازہ ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو، عائش ہمانی کو کاشان نے اپنی حویلی میں پناہ دی؟ یہی کہا تم نے"

وفا کی آواز صدمے سے لرزی وہیں وہ تکلیف کی سرحد کو چھوتی لفظ لفظ جوڑے وھاج سے پوچھ پائی تھی۔

وہ اپنے سامنے وفا کی کرچیاں بکھرتی دیکھ کر بھی سچ بتانے پر مجبور تھا۔

"آپ اسی درندے سے پوچھنا کہ کونسا میسج، میں نے اس میں آپکو کاشان سے بچ کر رہنے کی تاکید کے ساتھ یہ اطلاع دی تھی کہ میں عائش ہمانی کے پیچھے جارہا ہوں۔ اور یہی سچ ہے وفا کہ کاشان ہمانی نے اس قاتل اور زانئ کو اپنی حویلی میں ہی پناہ دی تھی۔ آخر وہ اسکا بھائی ہے۔۔۔۔"

وھاج سکندر کا ایک ایک لفظ وفا کی حسیں مفلوج کر گیا، وہ اسکا گریبان پتھرائی سی ہوئے چھوڑے یکدم دو قدم پیچھے ہٹی، آنکھیں سکتے کی مانند ٹھہر گئیں تو وہیں اگلے پل ان کانچ سی آنکھوں میں نمی اتری۔

"ت۔۔۔ تم جھوٹ بول رہے ہو، تم صرف مجھے تکلیف دینا چاہتے ہو وھاج"

اس وقت وہ کئی بھرم ایک ساتھ ٹوٹنے پر تڑپ کر سسکی، وھاج خود یہ سب یوں کبھی نہ بتاتا مگر وہ چاہ کر بھی وفا سے غلط بیانی نہ کر سکتا تھا۔

"میں کیوں دوں گا تکلیف آپکو وفا جسکا ایک آنسو میرے سینے پر قہر بن کر اترتا ہے، اگر دو سال پہلے ہی کاشان ہمانی اپنے بھائی کو پناہ دینے کے بجائے سزا دلوا دیتا تو آج عناب کے ساتھ وہ یہ نجس حرکت نہ کر پاتا۔ یہی حقیقت ہے۔ میں نے خود سنا تھا اپنے کانوں سے، پولیس کو یہ بات نہیں بتائی میں نے کیونکہ سب سے پہلے آپ جاننے کی مستحق تھیں"

وہ جواز پے جواز دیتا بولتا گیا اور وفا پر ٹوٹتی قیامت اسے زندہ مار چکی تھی۔

"وفا۔۔۔ یہاں آئیں"

وفا کے آنسو اس سے سہے نہ گئے تو تاسف سے اپنا ہاتھ بڑھا کر وفا کو پکارا تو وہ جن نظروں سے وھاج کو دیکھنے لگی وہ نظریں اس شخص کا سینہ کاٹ گئیں۔

"تم سب مرد ایک ہی جیسے سفاک اور سنگدل ہو، اپنے بس میں۔۔ آئی عورت کو قطرہ قطرہ موت دینے کے شوقین۔۔۔۔زندہ مارنے پر بضد۔"

وفا اسکے پھیلے ہاتھ کو ناگواری سے تکتی اپنی آنکھوں سے رستی نمی رگڑے گھٹی سی آواز میں کہے دروازہ پٹخ کر اسے شش و پنج میں مبتلا چھوڑے باہر نکل گئی۔

وہاں سے پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی تک آتی شاید وہ سارا ہی رو بیٹھی تھی۔

درد شدید تھا، بہت زیادہ تکلیف کہ اسکی نس نس میں اذیت گردش کر رہی تھی۔

اپنی سیلن زدہ آنکھیں رگڑتی وہ فوراً سے پہلے گاڑی میں بیٹھی اور فون آن کیے کاشان کا نمبر کھولے پہلے کوئی لوکیشن بھیجی اور پھر اسے آنے کا کہا۔

وہ باسط کے ساتھ کچھ نجی معاملات پر غور و فکر کیے تھانے جانے والا تھا جب آفس روم میں ہی اس نے وفا کے بھیجے میسج کو اوپن کیا۔

"اب اسے کیا تکلیف ہے، گھر کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اور اب شہر کی سب سے منحوس ویران جگہ بلا کر نجانے کونسا بم پھوڑے گی"

بیزاریئت اور کوفت سے زیر لب بڑبڑاتا وہ اپنا کوٹ بازو پر ڈالتا منہ بسورے لیپ ٹاپ بند کیے بولا مگر باسط اسکی گن اسکی سمت بڑھائے خاصا محتاط لگا۔

"سر جو بھی ہے مجھے عجیب سا لگ رہا، آپ گن رکھ لیں پاس احتیاط کے طور پر"

باسط کا فکرمندانہ مشورہ سن کر کاشان نے دل جلی سی مسکراہٹ دیے دیکھا۔

"یار بیوی ہے، اب جان سے مارے گی تھوڑا۔۔۔ویسے بھی گارڈز ہیں ساتھ۔ تم کام دیکھ لینا یہاں کا"
لاپرواہی سے باسط کی دی تجویز ٹالتا وہ یونہی گن کے بنا ہی آفس سے نکل گیا۔

اسکے چار عدد گارڈز ہمہ وقت اسکے ساتھ تھے، یکدم ہی موسم اخیر ابر آلود ہو رہا تھا، اور یوں بے وقت دن کے پہر چھا جاتی اس شام نے کاشان کا دل بھی عجیب سی بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا۔

لیکن اسے ہر صورت جانا تھا، وفا کا حکم ہر شے سے اول تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو
آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو
ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

جب سے وہ ابدال سے بات کر کے آئی تھی، اداس تھی، ملازمہ سے کمرے کی صفائی کروائے وہ عون کا سوٹ نکال کر بیڈ پر رکھتی چلتی ہوئی اوپن گلاس وال تک آئی اور باہر کے بیتاب و دلکش موسم کو دیکھنے لگی۔

وہ آفس جانے کے لیے آج دیر سے نکلنے والا تھا، ایک اہم میٹنگ تھی ورنہ وہ اس ابر آلود موسم کبھی نہ جاتا۔

وائٹ شرٹ کے بٹن بند کیے کف لنکس لگاتا وہ کمرے میں آیا تو منیہا کو خاموشی سے باہر کی جانب دیکھتا پائے نرم سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسکی جانب بڑھا جو عون کی موجودگی اسکے باہوں میں حصار لینے پر محسوس کیے وہیں عون میں سما سی گئی۔

وہ صاف صاف بوجھل تھی، اسکی مسکراہٹ تو کھو چکی تھی، لیکن اس وقت وہ بہت سی باتیں بیک وقت سوچ کر ہلکان تھی۔

"موسم بہار کی پہلی بارش ہم سبکے حق میں اچھی رہے، کیا بات ہے۔ الجھی ہوئی ہو"

اپنی بازو لپیٹ کر منیہا کو پلٹتے ہوئے حصار کر اپنے مخصوص پر اثر لہجے میں کہے وہ آخر تک اسکی بہت کچھ کہتی آنکھوں کے الجھاو پر پوچھ بیٹھا۔

"جی، ابدال کے رویے کو لے کر۔ اچھا نہیں لگے گا مجھے اگر وہ آپکو اس سب کا یونہی ذمہ دار مانتا رہے گا"

اپنی فکر میں گھلتی منیہا کی یاس میں ڈوبی پریشانی جان کر عون کے چہرے پر تھکی سہی پر حسین مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"یہ پریشانی کی بات تھوڑی ہے، اس وقت اسکی کیفیت ہم سب سے ہزار درجے ملول ہے منیہا، وقت لگے گا اسے سمجھنے میں۔ اور وہ غلط بھی نہیں، مئں اپنی حفاظت میں ناکام رہا ہوں جو جھٹلانا ممکن نہیں۔ اس سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگتا رہوں گا، بھلے وہ دل سے معاف کرنے میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگا دے"

عون کے اس سب کے جواب میں ایسے مطمئین جواب کی منیہا کو توقع نہ تھی، وہ حساس تھی بہت، اب سے شاید سب سے زیادہ عون بخاری کے لیے تھی، جس سے اسکا رشتہ فطری سب سے افضل تھا۔

"عون۔۔۔ میں نہیں دیکھ سکتی آپکو معافی مانگتے ہوئے۔ یہ سب قسمت میں تھا ناں، میں نہیں مانتی کہ اس میں آپکی کوتاہی ہے کوئی۔ جتنی محبت آپ عناب اور یوئی سے کرتے، شاید اتنی کوئی نہیں کرتا ہو گا۔ مجھے پتا ہے یہ معاملہ کہیں نہ کہیں آپکو دکھ دے رہا ہے"

وہ حساس تھی لیکن اس درجہ کہ عون اک لمحے حیرت سے اسے دیکھے گیا، کیا وہ دنیا جہاں کی ساری محبتوں پر عون بخاری کو اول کر رہی تھی، حالانکہ منیہا کا رشتہ ابدال اور عناب سے زیادہ قریبی تھا۔

یہ اہم ہونے کا وہم یکدم حقیقت کا روپ دھارے ہوئے عون کے روبرو تھا، اسے اپنے بخت ور ہونے پر یقین آیا۔

"تم جانتی ہو تمہارا یہ حساس ہونا ہی عون کی کمزوری ہے، تم نے میرے لیے اتنا سوچا یہ میری راحت بنا۔ اس سب کو مت سوچو منیہا، میں یہ سب اپنے طریقے سے دیکھ لوں گا، نہ تو ابدال مجھے اس سب کا ذمہ دار سمجھے گا نہ تمہیں یوں افسردہ ہونا پڑے گا۔ میری، عناب اور یوئی کے لیے محبت کسی ثبوت کی محتاج نہیں، جلد یا بدیر سب پہلے کی طرح پیارا ہو جائے گا"

نرماہٹ کے سنگ منیہا کے ریشمی ملائم بال سہلاتا، اسکے رخساروں کی بوجھل نرمیاں ہتھیلیوں کے لمس کی تہہ سے محسوس کرتا وہ پورے یقین سے اسے سمجھاتا بولا، لیکن منیہا نمی لے کر آنکھوں میں اب بھی حسرت اور آن کہے سے ملال میں مبتلا تھی۔

"آپ بہت اہم ہیں میرے لیے عون، آئی ڈونٹ نو کیوں لیکن آپ کے بعد ہو گئے ہیں سب۔۔۔ آپ اول ہیں، ہر شے سے پہلے، ہر انسان سے افضل"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس شخص سے وابستہ جذبے یوں کم پر نمٹائے اداس ہو کر حکایت دل بتا دے پر پھر بھی وہ اسے کہنا چاہتی تھی، کہہ رہی تھی۔

یہ اقرار یوں تھا جیسے گرم جھلساتی دھوپ میں کسی گداز برستے بادل کا ٹکڑا، کسی گرم دہکتے لاوے پر گرتی ٹھنڈی ٹھار برف، کسی صحرا میں گم ہو جاتے مسافر کو ملنے والا سیدھا اور پر لطف منزل کی رسائی والا راستہ۔

"میں کبھی تمہارے ان انمول جذبوں کو جھٹلا نہیں پاؤں گا، نہ ان کے بنا گزارا ہے۔ تمہاری چاہ بننا، تمہارے لیے ہر خاص و عام سے افضل ٹھہرنا، تم پر ہر حق رکھنا اور اپنی آخری حد تک تمہیں چاہنا ہی میری ابتدائی خوش بختیاں ہیں منیہا"

نرمی اور اپنائیت کی آخری حد کو چھوتا ہوا وہ شیریں لفظ کہے منیہا کی روشن جبین پر حرف اقرار میں لپٹا لمس دھرے ان لبوں کی نرمی سے لے کر ان دل کے افق پر چمکتی آنکھوں کے ہر رنگ پر اپنی نگاہ خاص کرتا اسکے ہر ہر نقش کی زیبائش تکتا دنگ سا تھا، خدا کی تخلیق کا منہ بولتا ثبوت تھی وہ، نازک، سرخ گلاب کی نرمی جیسی، بادلوں کے گالوں سی، اور اب دل و جان سے عون پر فریفتہ پری۔

"بابا نے مجھے بھلے بہت سی ذمہ داریوں میں باندھ دیا ہے لیکن میں پوری کوشش کروں گی کہ آپکو ہر صورت اول ہی رکھوں، اس لیے نہیں کہ منیہا محبت ہے آپکی۔ اس لیے کہ آپ منیہا کا سکون اور قرار ہیں۔ آپکی بازوؤں کی اس جاندار مگر سکون پہنچاتی گرفت میرے ہر درد کو ٹال دیتی ہے عون، میں نے اللہ سے دعا کی ہے وہ مجھے بہن، بیٹی اور بیوی ہونے کا ہر فرض ادا کرنے کی ہمت دیں"

وہ کل تک لاپرواہ سی، غموں پر کان نہ دھرنے والی، جذبات کی گہرائیوں سے عاری، ہر معاملے کو ہوا میں اڑانے والی بے فکر منیہا آج نا جانے اس قدر سمجھدار کیسے ہو گئی، عون کو میٹھی سی خوشی ہوئی اسے یوں محبتوں

کی ادائیگی میں ہلکان دیکھے، تبھی اسکی نازک کمر میں اپنی بازوؤں کو پہلے سے دگنی مضبوطی سے حائل کیے وہ زرا جھٹکا دیے قریب کرتا بے خود ہونے لگا تھا۔

اس لڑکی کے حسن پر اب اسکی یہ جان لیوا محبت عون کو ہر پس و پیش فراموش کرنے پر آکسا رہی تھی، وہ اسکا ہوش چھین لینے کی حد تک قلب کی راحت بنی اسکے سب سے قریب تھی، اس روح و جان سہلاتے نرم مگر قریں تر حصار میں یکدم تنفس بگھڑنے پر عون کے جذبات کا طوفان بھانپے گھبرائی سی لگی۔

اسکی پلکیں حیا سے گریں وہیں عون نے مزید قریب بڑھے اسے اپنے پہاڑ وجود کی راحت بنائے خود میں سمیٹ لیا۔

وہ اسے یونہی سب سے قریب محسوس کیے وقتی ہر دکھ، الجھن اور فکر سے آزاد بس اسکی بھینی مہک سے سرشار ہوئے سانس لے رہا تھا، اور اسی سانس کے حصار میں منیہا نے بھی سانس لی۔

ہر گھٹن اس لمحے تمام ہو گئی، رہ گئی تو بس ایک دوسرے کی موجودگی، ایک دوسرے کا لمس، ایک دوسرے کی ذات، ایک دوسرے کے لیے جان نثار سے دل کی دھڑکنیں جو اک دوجے کے دل میں باآسانی منتقل ہونے لگیں تھیں۔

کچھ دیر اسے اپنے گلے لگا کر بہت سی محبت پلوں میں نچھاور کیے وہ اسے آزاد کیے دو قدم دور ہوا تو منیہا کی کچھ دیر پہلے دکھی سی آنکھیں محبت کے ساتوں رنگوں سے جگمگاتی ملیں۔

"اک دوجے میں کھو جانے کو زندگی پڑی ہے، لیکن جب تمہیں یوں دھڑکن بنا تا ہوں تو تمہارا دل دھڑکتا ہے مگر عون بخاری کا رک جاتا ہے۔ یہ شرف کم نہیں کہ اپنے محبوب کی آنکھوں کا نور ہے عون۔ میں ساتھ ہوں تمہارے، تمہاری ہر کوشش میں۔ بس تاعمر میری محبت میں مبتلا رہنے کا وعدہ کرو مجھ سے"

منیہا کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیے وہ دل سرشار کی اک دیوانی سی خواہش کہہ بیٹھا۔

یہ وعدہ بھی بھلا لینے کے لیے سوچنا پڑ سکتا تھا کیا؟ وہ بنا سوچے وعدہ کر لینا چاہتی تھی۔

عون کے وہی تھامے دونوں ہاتھ اپنے ملائم ہونٹوں سے چھو کر پورے یقین سے اقرار میں مسکرائی۔

اپنے ان نامرادہاتھوں کی قسمت چمکی محسوس کرتا وہ اسکے دلکش مان جانے پر فدا ہوا۔

"تم دل پر اترے صحیفے کی پوری داستان ہو، اسکی کسی قدیم اور مقدس عبارت کی مانند جسے ہمیشہ روشن اور پُر نور رہنا ہے۔

تمہیں ہمیشہ محبت رہنا ہے"

اسکی زندگی کی کتاب کے نفیس عنوان کی پہلی سطر ہی منیہا تھی، اسکی جان سے پیاری محبوبہ۔

وہ اپنے عہد میں کھرا تھا، منیہا کے چہرے پر روشنی اتر رہی تھی، اک ایسا لطف آرہا تھا جسکو کوئی نام دینا ممکن نہ تھا۔

وہ اس کے حواس جنجھوڑ دیتے لمسات سے بچ نکلتا جلدی واپسی کا کہے نکلا تھا، انتظار سونپ کر۔

لیکن عون بخاری کو زندگیٔ کا ایک اور شدید جھٹکا تب لگا جب اسکے آفس میں اس کی آمد سے پہلے ہی مہکار موجود تھی۔

وہ ساری خوشی اور سکون جو آتے سمے اسکی ذات سے منسوب تھا، سب اس عورت کی شکل دیکھ کر ہی غارت ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے گارڈز کو اس ویرانے سے کوسوں دور عین وفا کی مانگ کے مطابق چھوڑے وہ اس مطلوبہ جگہ پہنچا، وہاں تک پہنچتے پہنچتے اسکی عودی رنگ کی شرٹ بارش کے ننھے ننھے قطروں کے نشانات سے بھر گئی تھی، چہرہ متغیر اور سانسوں کے ناہموار تسلسل سے وہ ارد گرد نظریں گمائے وفا کا متلاشی تھا۔

"اب کہاں ہے یہ عورت، اسکی یہ الٹی حرکتیں جان لیں گی میری؟"

کوفت سے بڑبڑائے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا تبھی درخت کی اوٹ سے وہ پتھر کا مجسمہ بنی نمودار ہوئی اور کاشان کے دیکھتے ہی دیکھتے قریب چلی آئی۔

ارد گرد سر سبز درختوں، کھنے ویرانے اور سر پر گہرے سیاہ بادلوں اور ان سے نکلتے مبہم قطروں کے سوا کوئی ذی روح نہ تھا۔

"منافق، جھوٹے، گھٹیا، ظالم، سفاک، سنگدل"

ایک ایک کر کے وہ اس پر نظریں جماتی دہراتی گئی، ہر لفظ کے ساتھ کاشان کی خفگی بڑھی۔

"ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں تمہیں، کچھ نیا نہیں ہے کیا"

بیزار سا منہ بنائے وہ وفا کے اس لال بھبھوکہ چہرے کے ساتھ باندھی تعریفوں سے پل پر زرا خوش نہ ہوا۔

"ہے ناں، آج ایک منافق کی موت ہے، وہ بھی میرے ہاتھوں"

وہ اس وقت مکمل ہوش سے عاری صرف اپنی تکلیف کے ہاتھوں پاگل ہو چکی تھی، اسے دنیا جہاں میں صرف اب کاشان کی موت درکار تھی۔

وہ اگلے ہی پل کمر کی جانب چھپائے ہاتھ کو سامنے لائی اور اس میں پکڑی گن دیکھ کر کاشان نے دہل کر وفا کی سرخ وحشت سے بھری انتقامی آگ سے لپکتی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا مطلب؟"

اچٹتی نگاہوں میں وفا کا سراپا مرکوز کیے وہ سلگ کر تلملایا۔

"مطلب یہ کہ اب تم حرف بہ حرف سچ کہو گے کاشان ہمانی، صرف سچ۔۔۔۔۔"

ہاتھ ٹریگر پر جمائے وہ تنبیہی ہوئے دھاڑی تھی، آنکھوں میں ہلکورے لیتی اذیت کا موازنہ آج یہاں اس لمحے وہ انسان بھی اپنے درد والم کے پہاڑ سے نہ کر پایا تھا۔

آج کیا کہانی ختم ہونے والی تھی؟ کیا محبت کے ہاتھوں مر جانا ہی کاشان کا انجام لکھ دیا گیا تھا۔

بادلوں کی گھن گرج اک لمحے کو ہیبت ناک حد تک بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھے سیاہ آسمان سے بارش کے قطرے گرنے لگے۔

مٹی میں جذب ہوتے وہ قطرے، مٹی کی خوشبو ابھار رہے تھے، تیز ہوائیں ان دو کو لڑکھڑانے کی نہج پر لے آئی تھیں مگر وہ تو پتھر تھے۔

"ہمم۔۔پوچھو"

اچٹتی نگاہیں وفا کے حقارت سے پر چہرے پر ڈالے استفسار اور اقرار ایک ساتھ آیا تھا۔

"کیا اس روز تم نے وہاج کا میسج میرے فون سے ڈیلیٹ کیا تھا؟"

سلگتی نفرت آنکھوں سے چھلکاتی وہ پہلا سوال ہی کاشان کے اعصاب پر بجلی کی طرح مسلط کرتی قہرناکی سے بولی۔

"ہاں کیا تھا"

اپنی طرف تنی گن اور وفا کی گن پر گرفت ڈھیلی پڑتے دیکھ کر وہ بے خوفی سے جواب دے چکا تھا۔

"کیوں؟"

وہ چینخی، اسکے چہرے کی رگیں تن آئیں۔

"کیونکہ اس نے حویلی سے عائش کو نکلتے دیکھ لیا تھا"

نہایت اطمنان سے وہ سچ بتا تا زرانہ کانپا لیکن وفا کا دل لرز اٹھا۔

بارش کے قطرے آہستہ آہستہ تیز ہو رہے تھے، موسم بہار کی پہلی بارش ایسی قہرناک، حیرت تھی۔

"تم نے عائش ہمانی کو پناہ دی تھی؟ دو سال تک۔۔۔۔۔ کیا یہ بھی سچ ہے؟"

پہلے سوال سے جڑی وفا کی امید ٹوٹ گئی تو وہ ہمت کیے دوسرا سوال دہرانے لگی، اسکی بھینچی صورت پر اسکا جبر صاف ظاہر تھا۔

"ہاں دی تھی، لیکن پناہ نہیں، سزا"

اپنی ہار رد کیے وہ سچ کہنے کی ادنی کوشش کیے بولا، سپاٹ چہرہ ہر احساس سے عاری آواز، اسکے اندر کے کہرام کا پتا دینے سے قاصر تھی۔

وفا کی آنکھیں بے یقینی سے پتھر ہوئیں۔

نگاہوں کے زوایے کا ویری ہونا وقوع پذیر ہوا وہیں وفا نے اپنے ہاتھوں کی گرفت گن پر بڑھائی۔

آسمان پر کہیں دور تیز بادل گرجے تو انکا لرزا زمین تک اتر کر خوف وہراس پھیلا گیا۔

"جھوٹ، تم نے اسے اپنی ہی حویلی میں رکھا تھا۔ وھاج گواہ ہے اس بات کا۔ اور اسی مردود نے اسکے سر پر وار کیا تھا جس سے وہ کومہ میں گیا۔ ابدال کو اذیت دی، اسے ایسی سزا دی جس نے میرا بچہ ٹوٹ کر رہ گیا۔ تم اور تمہارا وہ بھائی ایک جیسے نکلے۔ تمہیں شرم نہیں آئی صبح دعوے کرتے ہوئے، تم ایک قاتل اور زانی کے مددگار ہی نکلے، اتنے گھٹیا ہو گے تم مجھے اندازہ تو تھا لیکن تمہارے اس خوبصورت چہرے کے پیچھے چھپا گھناونا فریبی اور منافق شخص آج مر ہی جائے تو بہتر ہے"

اپنی تکلیف اور ضد میں ڈوبی وہ سمجھ ہی نہ پائی کہ اس نے اس شخص کو تو پہلے ہی یہ لفظوں کے تیر چلائے مار ڈالا تھا، کیا وہ اتنا بے یقین تھا کہ صفائی کی مہلت کا بھی مستحق نہ نکلا۔

اسکے پاس ہر ثبوت موجود تھا، دو سال عائش کو دی سزا کا ایک ایک لمحہ کیمرے کی آنکھ میں محفوظ تھا، اس روز عائش کو زندہ قبر میں گاڑنے کی پوری فوٹیج اسکے لوگوں کے پاس موجود تھی، اسکے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے کئی ثبوت اور گواہ تھے مگر وہ تو مجرم ٹھہرا دیا گیا تھا۔

وفا کی عدالت میں اگر وہ اتنا نجس ٹھہرا دیا گیا تھا تو اسے اس وقت موت سے بہتر کچھ بھی قابل قبول نہ لگا۔

وہ نفرت انڈیلتی ہوئی یہ تک بھول گئی کہ وہ اپنے ہی دل پر ظلم ڈھا چکی ہے، وہ ٹھیک تھا، وہ صحیح تھا کہ اسکے دور ہونے کے بعد لوگ اسکی حسرت میں موت تک پہنچ جاتے ہیں، آج دل چاہا خود کی حسرت کے لیے وفا کو اپنی آنکھوں سے تڑپتا دیکھے۔

"میں نے تمہیں اس ویرانے میں جانتے ہو کیوں بلایا تھا کاشان ہمانی، تا کہ کوئی تمہارے زخم کی مسیحائی نہ کرے۔ کوئی تمہاری تکلیف سن کر تمہاری مدد کو نہ آئے۔ تم نے میرے ساتھ جو کیا وہ کیا، لیکن تم نے مجھ سے جھوٹ بول کر جو گناہ چھپائے یہ اسکی سزا ہے۔ تم اپنے کہے پر پورا نہیں اترے فریبی شخص لیکن وفا اترے گی۔ تمہارے اس سفاک دل کی کہانی آج ختم ہو جائے گی"

وہ وحشی بنی سزا سنا رہی تھی اور کاشان ہمانی اس درجہ نفرت پر بھی مسکرا دیا، اسکی آنکھیں اپنے انجام پر نم نہ ہوئیں لیکن اس عورت کی دی سزا پر ضرور ہوئیں جس نے اسے زندگی بھی خود دی اور اب اپنے لیے دھڑک اٹھتا خطا کار دل بھی خود بند کرنا چاہتی تھی۔

"مت کرو وفا، جی نہیں پاؤ گی"

مقابل کی نرم سی سرزنش پر وفا کا خون کھول اٹھا۔

"جیوں گی، میں نہیں چاہتی کہ کسی گندے، فریبی، جھوٹے اور گھٹیا انسان کی محبت، کمزوری بنے میری۔ اور ہاں تم فکر مت کرنا اس بچے کی۔ تمہارے گندے سائے سے محروم ہو کر ہی وہ خوش قسمت کہلائے گا"

وہ اپنے کڑوے لفظوں کا زہر فی الحال محسوس نہیں کر پا رہی تھی، اس پر بس کاشان کی موت سوار تھی۔

"مطلب محبت ہو سکتی ہے تمہیں مجھ سے؟"

ہر بات بھاڑ میں جھونک دیتا وہ باولا گن تنی ہونے کے باوجود لپک کر وفا تک پہنچا، وفا کے ہاتھ میں پکڑی گن اب عین کاشان کے سینے سے جڑی تھی۔

"تم صرف نفرت کے لائق ہو"

گن پر ڈھیلی ہوتی پکڑ بڑھائے وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے غرائی، آواز میں سلوٹیں اسکے اندرون درد کی غماض تھیں۔

"ٹھیک ہے چلاو گولی، یہ سستی سی جان قربان تم پر"

وفا کے جسم کی لرزش اور اسکی آنکھوں کی کہانی وہ پڑھ چکا تھا، ایسے ادراک کے بعد موت بھی سہانی تھی۔

وہ چاہا جا رہا تھا، اسی عورت کے دل سے جس سے چاہا جانا کاشان کی حسرت تھی۔

وفا کے جسم و جان میں درد کی لہریں اتر رہی تھیں، اس شخص کی انوکھی سی خوشبو حواس جامد کر رہی تھی۔

"تمہاری یہ سستی جان اس لائق نہیں کہ اسکی قربانی مجھے قبول ہو گی، بے موت مرے ہو تم یہی کہا جائے گا"

اپنے کمزور پڑتے ارادے از سر نو مضبوط کیے وہ آواز کی شکستگی پر قابو پائے اسے جلانے کو بولی، ایک ایک لفظ جتا چکا تھا۔

"تمہارے ہاتھ سے مرا ہوں، اہم یہ ہو گا۔ چلو مارو، اگلے جہاں بھی کافی کام ہیں مجھے۔۔۔۔ لیٹ نہیں کرو"

اسے یہ سب مزاق لگ رہا تھا، وفا نے جھرجھری لی، وہ شخص تو نہ کانپا لیکن وہ خود کانپ اٹھی۔

"آئی ہیٹ یو، آئی ہیٹ یو کاشان۔۔۔۔ تم نے مجھے بہت برا توڑا ہے۔ تم نے مجھے کئی بار موت دی، میرے یقین کو توڑ کر جو آخری وار کیا ناں۔۔۔۔۔ ہو بھی سکتی تھی تم سے محبت، کیونکہ شاید تم سے کرنی پڑ جاتی۔۔۔۔۔ بلاوجہ۔۔۔۔ لیکن سب ختم۔۔۔ تمہارے لیے اپنے دل، دماغ اور رگوں میں بنتی جگہ یہیں ختم۔۔۔۔۔۔"

بس اس سے زیادہ وہ قائم نہیں رہ سکتی تھی، وہ تو خود تھم سا گیا تھا۔

کب گولی اسکے سینے کو پار کر گئی، کب وفا کے ہاتھوں سے گن چھوٹ کر گری، کب وہ دھیمی دردناک مسکراہٹ کے سنگ اپنے خون آلود سینے پر ہاتھ رکھتا لڑکھڑا گیا، یہ اک جان لیوا لمحے کی دل سوز کہانی تھی۔

وفا کی آنکھوں سے اس سب سے بڑے خسارے پر آنسو بہہ نکلے۔

وہ درد کی زیادتی کے باوجود وفا کے کیے اقرار پر اب بھی سلامت رہا لیکن پھر لڑکھڑا کر زمین پر جھکا، وفا کی سسکیاں بلند ہوئیں۔

"مم۔۔ میری رگوں میں اترے زہر کے تریاق کے لیے لہو رنگ بھائے گ۔۔ گا، سرخ رنگ اشارہ ہے میرے اندر کے اندھیرے کو روشنی میں تبدیل کرنے کا۔۔۔۔

ت۔۔۔ تم نے واقعی مار۔۔۔ دیا، و۔۔۔ وفا م۔۔۔ میری سانس رکنے تک بھاگنا مت۔۔۔۔۔۔ وفا"

وہ ہراساں سی منہ پر ہاتھ رکھے ہچکیاں گھوٹتی اپنے قدم موڑتی اپنے کانوں میں اتری بازگشت پر ساکت تھی۔

جیسے جیسے وہ پیچھے ہٹی، کاشان ہمانی جھکتا گیا، اسکے اتنے مضبوط جسم کی جان تنکا ہو رہی تھی، درد سے وہ مر رہا تھا مگر وفا کے پل پل پیچھے ہٹتے وہ قدم۔۔۔۔۔ افف قیامت تھے۔

"وفا۔۔۔۔۔ت۔۔۔ تم م۔۔۔ مت بھاگنا"

وہ زمین پر ڈھے کر بند ہوتی آنکھیں کھولنے کی ہر ممکنہ کوشش کیے التجاء کر رہا تھا، اسکے سینے سے نکلتا خون زمین پر پھیل رہا تھا۔

دل کے مخالف ماردی تھی اس ظالم نے یہ گولی۔

دل پر مار ہی نہ سکی تھی وہ۔

"و۔وفا۔۔۔۔م۔۔ میں منافق نہیں تھا۔

میں بس گناہ گار۔۔۔۔۔"

اپنے آنسو سنبھالتی وہ اپنی پوری رفتار سے وہاں سے بھاگی، اندھا دھند، اپنے پیچھے کاشان ہمانی کی پکار اور بازگشت بہت پیچھے چھوڑے، وہ اسے دردناک موت مار آئی تھی، ٹھوکریں کھاتی، پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ اندھیارے رستوں پر دوڑتی رہی، اور وہ اس برستی بوندوں کے اپنے ناکارہ اور زخم ہو جاتے وجود پر برستا محسوس کیے خود سے بیگانہ ہو گیا۔

اسکی خوشبو ہوا کے ہاتھ وفا کی سانسوں تک ارسال ہوئی، سوندھی سوندھی خوشبو، ویسی خوشبو جو کم از کم کسی منافق کے وجود سے نہیں آتی تھی۔

وہ شدید طرز سے سر چکرانے پر وہیں ویرانے میں گر گئی تھی، کوئی سیاہ گاڑی رکی، اس میں سے نکلتے دو لوگ وفا کو بہت احتیاط سے اٹھائے گاڑی میں ڈالے اپنے ساتھ لے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم منہ اٹھا کر میرے آفس آ گئی، نکلو۔ ابھی کے ابھی نکلو یہاں سے فسادی عورت"

چھوٹتے ہی وہ لپک کر ہر ممکنہ اس کے عورت ذات ہونے کا خفیف بھرم قائم رکھے بازو سے پکڑ کر گھسیٹے دروازے کی جانب دھکیلتا ہانپا، اور وہ عون کے اس تضحیک کرتے رویے پر ساری نرمی ترک کرتی اسکے ہاتھ سے نہ صرف اپنی بازو چھڑوائے سیدھی ہوئی بلکہ ساتھ ہی مضبوطی سے عون کا گریبان دبوچ لیا۔

وہ اس عورت کی اس قدر گستاخ جرت پر عناد بھری آنکھیں سختی سے مہکار پر گاڑ گیا جسے عون کے عتاب کی اس وقت رتی برابر بھی پرواہ نہ تھی۔

"اپنی حد میں رہنا دوبارہ، اور مجھے ایسا رویہ بلکل پسند نہیں۔ یہ نہ ہو تمہارا کیا تمہاری بیوی کو بھگتنا پڑ جائے"

صاف صاف جتاتے لفظوں کے سنگ وہ استہزائیہ ہوتی عون کو دھمکا رہی تھی اور وہ اسکی ہمت پر بے بس بنا ہوا حقارت سے اپنا گریبان چھڑوائے اسے جھٹک گیا۔

ناجانے وہ کتنے ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ چہرہ لہو چھلکاتا دیکھائی دیا۔

"اپنی اس گندی زبان سے اسکا ذکر بھی مت کرنا، اپنے آنے کا مقصد پھوٹو اور نکلو یہاں سے۔ تمہیں اپنے سامنے تادیر برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں"

اپنے من کی ساری کڑواہٹ سمیٹ کر وہ خاصے تحمل کا مظاہرہ کر گیا تھا، مہکار کو اسکی غصے سے سرخ ہو جاتی صورت آج بھی عجیب سی مسکراہٹ بخش گئی۔

مہکار کی شاطر شیطانی مسکراہٹ گویا عون بخاری کے لیے ایک سائرن تھا۔

"دیکھو عون بخاری، تادیر تمہاری برداشت سے کھیلنا چاہتی بھی نہیں ہوں اب۔ بس تم میری ایک چھوٹی سی ڈیمانڈ پوری کر دو۔ ہمیشہ کے لیے تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی"

اپنے مطلب کی جانب آتی وہ ساتھ ساتھ عون اور اپنے بیچ کا فاصلہ بھی قدرے کم کیے اسکی شرٹ کی سلوٹیں بیٹھائے کندھے جھاڑ کر ذومعنیت سے بولی۔

عون کے ماتھے پر خفگی سے شکنیں اتریں۔

وہ بیچ کا فاصلہ بنائے ایک ہی ہاتھ سے مہکار کا سرکتا اسے چھوتا ہاتھ جھٹک گیا۔

انداز میں کوٹ کوٹ کر نفرت تھی۔

"کہو۔۔۔۔"

کچھ دیر اپنی سرد مہری اور ناپسندگی جاری رکھے وہ آخر احسان کرتے دریافت کرنے کی طرف آیا۔

اسکا جواب بیزاریئت سے بھرا تھا تب بھی مہکار کو اس کھیل میں بہت مزہ آرہا تھا۔

"منیہا کو چھوڑ دو، تمہاری اور اسکی جان بخش دوں گی۔ مسئلہ مجھے بس تمہاری خوشی سے ہے، میں منیہا کو خوامخواہ نقصان نہیں دینا چاہتی اس لیے اپنے کسی بھی انتہائی قدم کو اٹھانے سے پہلے تمہارے پاس یہ ڈیل لے کر آئی ہوں"

مہکار کے اس سفاکانہ طرز نے عون بخاری کا خون کھولا دیا، اس عورت کی یہ نجس اور ناقابل برداشت مانگ سن کر جس مشکل سے اس نے خود کو مہکار کا گلا دبانے سے روکا یہ بس وہی جانتا تھا۔

وہ تب بھی عون کی سیاہ خوفناک آنکھوں کی کاٹ کھاتی تیر سی چبھن خود تک باآسانی محسوس کر چکی تھی لیکن بس عون کو خالی دامن سسکتا تڑپتا دیکھنا ہی اسکی کل تسکین تھی۔

"اپنا یہ منحوس وجود اور یہ ڈیل دونوں اٹھاو اور دفع ہو جاو، میں منیہا کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔ تم جو کر سکتی ہو کر لو۔ اسے آنچ دینے کے لیے تمہیں پہلے میرا خاتمہ کرنا ہو گا۔ سمجھ آئی"

ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتا وہ جلتی آنکھیں اس عورت کے سفاک چہرے کی جانب گاڑے انکار بھی ڈنکے کی چوٹ پر کر رہا تھا۔

مہکار کو اسکی یہ اکڑ بہت کاٹی تھی، ڈنگ گیا تھا اسکا منیہا کے لیے ڈھال ہونا۔

"تمہارا خاتمہ کرنا کونسا مشکل ہے، تم نے بھی تو کیا تھا میرا۔ بدلا لینا اب ناممکن نہیں۔ تین دن دیتی ہوں تمہیں۔ تسلی سے سوچ لو۔۔۔ اسکے بعد تمہارا جواب ہی میرا اگلا لائحہ عمل ترتیب دے گا"

وہ اب بھی بنا عون کے زندہ مار دینے والے سنگین تیوروں کی پرواہ کیے اسے ہنوز دھمکیاں دے رہی تھی، عون اسکی کسی بات پر نہ تو خوفزدہ تھا نہ اس عورت کے کہے نے اسے دہلایا تھا بلکے اسے مہکار کی ذہنی ابتری جان کر ترس آرہا تھا اس پر۔

"آئی سیڈ گیٹ آوٹ، دوبارہ اپنی یہ شکل مت دیکھانا۔ ورنہ سب سے پہلے تمہاری باری آئے گی بے موت مرنے کی۔ نکلو یہاں سے اب۔۔۔"

تمام لحاظ بالائے طاق رکھے وہ اس وقت مہکار سے وہی سلوک روا رکھے تھا جسکے قابل تھی وہ ناشکری عورت، وہ تب بھی ڈھیٹائی سے مسکرا کر تین کا اشارہ دیے کمال بے نیازی سے اپنی انسلٹ کو چنداں اہمیت دیے بنا آفس سے نکل گئی اور اسکے جاتے ہی وہ حقیقی خوفزدہ ہوا۔

جلد ہی خوف نے حقارت اور کراہت کا روپ بدل لیا۔

"اس کی کمی رہ گئی تھی، یا اللہ مجھے صبر دیں"

مارے اضطراب کے وہ سر کے بالوں میں انگلیاں پھنسائے وہیں گلاس میز کے ساتھ ٹک کر بے بسی کے سنگ بڑبڑایا، یہ عورت جو کہہ کر گئی تھی اسے معمولی سمجھنا بیوقوفی تھی۔

وہ ایک جانے مانے وکیل کو دن دیہاڑے دھمکا کر گئی تھی، عون کے تن بدن میں شرارے اٹھ رہے تھے۔

وہ سوچ چکا تھا مہکار نامی اس جلد یا بدیر مسلط ہوتے عذاب کو اب کیسے ٹالنا ہے۔

دوسری سمت وہ زندگی ہارنے سے قبل ہی واپس اکھڑتی سانسیں دل سے جوڑنے میں کامیاب ہوا تو دھندلائی آنکھوں کے سامنے اسکے دو گارڈز تھے جو اسکی سمت لپک کر اسے ابتدائی ریسکیو دے رہے تھے، وفا کی گن کاشان کے انہی میں سے ایک گارڈ نے اپنے قبضے میں لی۔

وہ دھندلائی آنکھیں اسکے بعد آئی سی یو روم میں کھلیں، لب بے آواز 'وفا' کے ورد میں پھڑپھڑائے۔

تیسری طرف وفا کو کاشان ہی کے دو گارڈز ایک چھوٹے سے آفس ایریا میں لے کر گئے تھے جہاں دیوار پر تین بہت بڑے کمپوٹر سسٹم نسب تھے۔

وہ صوفے پر نیم جان سی جب تک ہوش میں لوٹی شام ڈھل چکی تھی، سر میں اٹھتے درد نے اسکے احساسات بیدار کیے۔

وہ مندی مندی سوجھی آنکھیں کھول کر اپنے آپ کو اس جگہ پا کر خوفزدہ ہو کر اٹھی ہی کہ کسی نرم سرزنش پر وفا نے دم سادھے اس آواز کی جانب دیکھا جہاں باسط بہت احترام آنکھوں میں لیے وفا کو دیکھ رہا تھا۔

وفا کو سمجھ نہ آیا آخر وہ اس جگہ کیسے پہنچی ہے، ذہن میں درد کی تیز لہر ابھری تو وہ لڑکھڑاتی اٹھی۔

"ک۔۔۔ کون ہو تم؟ ہاں۔۔۔ کیوں لائے ہو مجھے"

اپنے ڈر کو دباتی وہ تینوں مشکوک آدمیوں پر چلائی، باسط نے وفا کی جانب اک سرسری سی نگاہ ڈالے سسٹم ایکٹیویٹ کرتے دوسرے گارڈ کو اشارہ کیا جسکے بعد اس بڑی سے سکرین پر نیم سی روشنی پھیلی۔

وفا نے چہرہ موڑ کر سکرین کی جانب دیکھا۔

وہاں وہ کسی اور کو نہیں بلکہ کاشان ہمانی ہی کو دیکھ رہی تھی، اک آنسو درد کی اخیر زیادتی پر وفا کی آنکھوں سے بہا۔

پھر عائش ہمانی، دو سال کا ہر دردناک وہ لمحہ جب جب کاشان اس مردود اور زانی سوتیلے بھائی کو ہنٹر سے پیٹ رہا تھا، پھر وہ عائش کی سسکیوں، دھاڑوں پر اسے مزید ہنٹر برساتا۔

وفا کو یہ سب دیکھ کر تکلیف تو ہوئی، لیکن وہ پتھر کی طرح وہیں صوفے پر ڈھے جاتی ہر منظر اپنی خون ہوتی بصارت سے دیکھتی اور روتی گئی۔

کیا وہ واقعی پناہ نہیں سزا دیتا آیا تھا؟ وفا کو لگا اس نے زندگی اپنے ہاتھوں اجاڑ ڈالی ہے۔

اس سکرین پر چلتے روح دہلاتے تشدد کے مناظر وفا دیکھ کر ٹوٹ پھوٹ رہی تھی، کاشان ہمانی کے ہر وار پر عائش کی دلخراش آوازیں ابھر رہی تھیں۔

جیسے جیسے وہ قاتل اور زانی، ضرب لگنے پر چینختا ویسے ویسے کاشان ہمانی اپنا تشدد دگنا کرنے لگتا، ہنٹر سے تھک ہار جاتا تو وہ اسکے منہ، گردن، پیٹ اور ٹانگوں پر ٹھڈے رسید کرتا ساتھ ساتھ اس پر لعنت برساتا جارہا تھا۔

وفا کو لگا وہ یہ سب مزید دیکھ نہ پائے گی، اسکا دل بند ہو جائے گا۔

حلق پھاڑ کر چلاتے عائش پر کاشان ہمانی نے نہ اک لمحے رحم کھایا نہ ترس کیا، وہ اپنے ہاتھ سے سرزد ہوتے اتنے بڑے گناہ پر بے جان سی تھی۔

ایک گھنٹہ، لگتار وہ یہ خونخوار تماشا دیکھتی رہی تب بھی اسکے آنسو نہ تھمے۔

"یہ دو سال کی روداد تھی، کاشان سر کو اگر علم ہوا کہ میں نے آپکو یہ سب بتایا تو وہ مجھے شوٹ بھی کر سکتے لیکن جو آپ نے ان کے ساتھ کیا اسکے بعد آپ بھی تکلیف سہیں۔۔۔یہی نہیں انہوں نے عناب کے مجرم کو زندہ گاڑ دیا تھا لیکن وہ حرام زادہ بچ نکلا۔

یہ دیکھیں"

اپنی سماعت میں باسط کی رندھی آواز اور پھر اسکے اشارے پر اس روز قبر کھود کر عائش پر کیے گئے تشدد کے بعد زندہ درگوری کے مناظر وفا کو ذہنی اذیت سے دوچار کر گئے۔

وہ اک لمحے میں فنا ہو کر بکھر گئی تھی۔

اسکا پورا جسم کانپ رہا تھا، آواز سسکیوں نے نگل لی تھی۔

اسکے علاوہ ابدال والے معاملے کی ساری سچائی بھی باسط نے اسے بتائی اور وہ قیامت خیز سے اس دن اترتے اتنے سارے انکشافات پر ہوش سے نکلتی گئی۔

وہ ہمت کیے اٹھی اور باہر کی سمت دوڑی۔

وہ کاشان کا آفس ہی تھا، باسط یا کسی گارڈ نے وفا کو جانے سے نہ روکا۔

وہ وہاں سے کیسے بھی کر کے نکلی، قدم تھے کہ ساتھ چھوڑ رہے تھے، سانس تھی کہ اکھڑ رہی تھی۔

وہ وہیں روتی سسکتی پھوٹ پھوٹ کر ماتم مناتی سڑک کنارے بیٹھی، جیسے اسکا عمر بھر کا نقصان ہو گیا تھا۔

پچھتاوا، تکلیف، اذیت، رنج، اور لوٹ کھسوٹ کرتے اس دکھ نے وفا کی حسیں مفلوج کر دی تھیں۔

ٹیکسی لیے وہ نا جانے کیسے ہمت کیے گھر تو پہنچ آئی مگر آتے ہی خود کو کمرے میں بند کیے وہیں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھتی گئی۔

زرا زرا کانپتی، روتی، ضبط ہار جاتی وہ چہرے کی تمازت کے باوجود رونا روک نہ سکی، اسکی آنکھیں اجڑ سی گئیں، دل اس گناہ پر رک چکا تھا۔

"یٰ۔۔۔یہ ک۔۔کیا ہو گیا۔۔۔یا اللہ"

تڑپ کر پکارے وہ اس سانحے پر ریزہ ریزہ ہوئی، تنفس تک بگھڑنے لگا تھا، خوف سے زیادہ اب نس نس میں گردش کرتی تکلیف تھی جو اسے قطرہ قطرہ مار رہی تھی۔

"م۔۔میں نے اسے مار د۔۔دیا۔ میں نے ا۔۔اسے کیوں نہیں سنا۔۔۔ وہ س۔۔سچ کہہ رہا تھا۔ ک۔۔کیوں تم نے مجھے نہیں روکا۔۔۔ک۔۔کیوں کاشان"

وہ خود پر چینخی تھی، اسکی آواز میں درد کی سنگین نمکینی گھل آئی تھی۔

آنکھیں سیلن زدہ نمی سے کنارے تک بھری بار بار وفا کے رخسار بھیگو رہی تھیں، وہ اپنے دل پر ہاتھ سہلائے بہت مشکل میں تھی۔

"اسے ک۔۔کچھ نہ ہو، اسے م۔۔مرنے نہیں دینا پلیز۔۔۔ م۔۔میں التجاء ک۔۔کرتی ہوں اسے بچا لیں۔ ا۔۔اسے مت لیجیئے گا مجھ سے اور میری اولاد س۔۔سے۔۔۔ م۔مجھے اس تکلیف سے ن۔۔نکال دیں میرے اللہ۔ مجھے م۔۔میرے اس گ۔۔۔ناہ کی بڑی س۔۔سزا نہیں دیجیئے گا۔ ا۔۔اسے میری زندگی ل۔۔۔لگا دیں"

تیز تیز سانس لیتی وہ بنا سوچے ہی کاشان ہمانی کی زندگی مانگ بیٹھی، ہر سانس کے ساتھ اسکی سانس مانگ بیٹھی، وہ اسکے لیے تڑپ اٹھی تھی۔

وہ اس شخص کے اب فقط کہیں اوجھل ہو جانے پر ہی تڑپ گئی تھی، وہ واقعی سچا نکلا تھا۔

وہ واقعی کیچڑ میں لگا اک انمول کنول تھا، نہ پاک نہ گندا، نہ منافق، نہ جھوٹا۔۔۔بس گناہ گار تھا وہ، اس بھری دنیا میں لائے جاتے کئی گناہ گاروں کی طرح۔

ہوسپٹل کے بڑے سرجن کے زیر نگرانی اس گناہ گار کا آپریشن جاری تھا، وہ ایک ایک سانس پیچھے جا رہا تھا اور وفا سے بھی سانس لینا محال تھا۔

وہ خاموشی سے اسکی زندگی مانگ رہی تھی، اور اسے خاموشی سے موت سے زندگی چرا کر سانسیں بخش رہی تھی۔

اسکی دھڑکن رک رہی تھی، خون رک ہی نہ رہا تھا۔

سرجنز، ڈاکٹرز اور سارا اسٹاف اسکے ارد گرد، نامی گرامی انسان کی ٹوٹی بکھرتی سانسیں جوڑنے کی سعی کر رہے تھے اور وہ صرف اسے مانگ رہی تھی۔

وہ برا تھا، پر وہ اسے اپنا بنانا چاہتی تھی۔

اسے کسی اچھے کی حاجت نہ تھی، جتنی وہ بری تھی اسے اتنا برا کاشان قبول تھا۔

جتنی وہ بے وفا تھی، اسے اتنا بے وفا بھی وہ قبول تھا۔

جتنی وہ ظالم اور سفاک تھی، اتنا وہ بھی اسے قبول تھا۔

زندگی کے ہاتھ چھوڑتا چھوڑتا وہ موت سے دامن چھڑوائے لوٹ گیا تو اسکی رواں سانس ہوسپٹل سٹاف کے ہوائیاں اڑے چہروں پر خوشی دوڑا گئی۔

کاشان کے لوگ اس معاملے کو پولیس کیس بننے سے دبوا چکے تھے یہ کہہ کر کہ یہ حادثہ تھا کیونکہ کاشان نے بے جان ہونے سے پہلے اپنے گارڈ کو ایک جملی تاکید میں اس معاملے کو دبانے کا کہا تھا مگر یہ معاملہ تادیر دبا رہتا، ایسا ممکن نہ تھا۔

وہ بچ تو گیا تھا لیکن اسکے سینے پر گہرائی سے لگتے اس زخم نے اسے ہوش سے کچھ وقت کے لیے بیگانہ کر دیا تھا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا وہ ایک خطرناک اور رسکی آپریٹ میں کامیاب ہوئے تبھی کاشان ہمانی کی صحت کے پیش نظر اسے صبح تک سکون آور دواوں کے زیر اثر رکھنے کا فیصلہ لیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسے تمہاری بہت سپورٹ چاہیے، علاج سے زیادہ تمہارا اسکے ہر درد میں پاس ہونا ہی اسکی اصل شفاء ہے، مجھے یقین ہے میں اور تم مل کر جہاں عناب کو زندگی کی طرف واپس لائیں گے وہیں باقی سب مل کر اسکے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے"

وھاج اور نہال دونوں کو ہی ڈسچارج کر دیا گیا تھا لیکن نہال جانے سے پہلے ابدال کی غیر موجودگی میں عناب کو دیکھنے آئے تھے لیکن ابھی اس ٹوٹے پھوٹے شخص میں اپنی پھول جیسی بچی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی تبھی وہ بس اسے دعاوں کے حصار میں مقید کیے وحید صاحب کے ساتھ گھر چلے گئے تھے، شاید خود کو مضبوط کرنے۔

وھاج بھی اپنے گھر ہی گیا تھا، ابدال نے ہلال کو بھی والدہ اور بھائی کا خیال رکھنے آج کے لیے بھیج دیا تھا کیونکہ ابدال نہ کہتا تو ہلال سانس تک لینا بھول جاتا۔

جب تک ابدال واپس آیا، وہ پری گہری پر سکون نیند میں اتری ہوئی تھی۔

وہ سونے کی لاکھ کوشش کے باوجود اک لمحہ نہ سو سکا تھا، دل دماغ اور حواس سب عناب سے آن جڑے تھے۔

ابدال کو یونہی خاموشی سے عناب کے سرہانے بیٹھ کر اسکے ماتھے کو سہلائے دیکھتیں الماس بھی دونوں پر اک نثار سی نگاہ ڈالے اندر آئیں تو اسے گم صم سا دیکھ کر دھیرے سے سر کے بال سہلائے مخاطب کیے بولیں، وہ خود کو بھول چکا تھا۔

یاد بس عناب تھی، اسکی زندگی کی جانب واپسی تھی جو ابدال مصطفی کو درکار تھی۔

"میں بہت اداس ہوں اسکے لیے، یہ ابھی اتنی چھوٹی ہے کہ اپنا درد خود بھی نہیں سمجھ پائی۔ اسکا مجرم کئی موتیں مرے گا جسکا یقین ہے مجھے۔ اللہ نے مجھے تنہا نہیں چھوڑا، وہ مجھے اس معاملے میں بھی بے بس نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے یقین ہے اس بات پر کہ یہ عام زندگی جینے کے لیے ہر کوشش کرے گی، یہ تو اتنی حساس ہے کہ جب اسکے بھیوا اسے کہہ دیں کہ عناب رونا نہیں تو یہ خوشی خوشی اتنی سی عمر میں بھی اپنے آنسو پی لیتی ہے پر بات نہیں ٹالتی۔۔۔ مجھے اسکی تکلیفیں خود جاننی ہوں گی، یہی معاملہ سب سے زیادہ تھکانے والا ہے"

وہ ننھے معصوم سے دل کتنے آزردہ تھے کہ خود اتنی پروفیشنل اور مضبوط ڈاکٹر کا دل بھر آیا تھا، اللہ نے انکو اولاد نہیں دی تھی، لیکن پھر بھی آج انتہائی گہرائی تک انھیں ان بچوں کے درد محسوس ہوئے تھے۔

"پریشان مت ہو ابدال، جتنا ابھی تک میں تمہارا اور عناب کا رشتہ سمجھ پائی ہوں تو مجھے نہیں لگتا کہ اس ننھی پری کی تکلیف کبھی تم سے چھپ سکے گی۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے، تم دونوں کے زخم بھی بھر دے گا۔ رو لینا، چیخ لینا، لیکن کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا"

یکدم ہی وہ ممتا کا روپ دھارے ابدال کا چہرہ تھامے اسے روشنی تھما رہی تھیں، اور ابدال خوش نصیب تھا کہ اسے پیدا ہونے سے اب تک دکھی اور غم زدہ کرتے لوگوں کے ساتھ ساتھ اندھیرے سے روشنی میں لانے والے رہنماؤں کا بھی مکمل ساتھ ملا تھا۔

وہ ممنون سا الماس کو دیکھنے لگا جیسے انھیں خاموشی کی زبان میں خفیف سا شکریہ کہہ رہا ہو۔

"آپ کو مزے کی بات بتاؤں، میں رو بھی لیتا ہوں، چینخ بھی لیتا ہوں لیکن ناامیدی اور ہار میری کتاب کے لفظ ہیں ہی نہیں۔ مجھے آخری حد تک لڑنے کی عادت ہے اور یہی عادت میری مضبوطی ہے"

انھیں اس پندرہ سولہ سال کے بہادر، دلیر اور تھوڑے سے باولے جوان کی یہ بات مسکراہٹ دے گئی تو وہ خود بھی ہلکا سا مسکرایا۔

اسے یہاں شاید عناب کے ہر ہمدرد میں اپنا ہمدرد دیکھائی دے رہا تھا اور یہ فطری تھا۔

"تم ایک دلچسپ بچے ہو"

اس بار الماس نے رشک کے ساتھ ساتھ خاصی خوش دلی سے کمپلیمنٹ دیا۔

اور اپنی تعریف اسے کہاں قبول تھی۔

"دلچسپ کا تو پتا نہیں، خیر اب بچہ نہیں رہا"

اسکے اس خوبصورتی سے ٹالنے پر الماس نے نا جانے دل ہی دل میں اس حساس سے قیمتی ہیرے کو کتنی دعائیں سونپ دیں۔

وہ اسکے سر کے بال پیار سے سہلاتیں اسکی بات پر دل و جان سے سر ہلائے اک نگاہ عناب پر ڈالتے باہر چلی گئیں اور وہ اب مسکراہٹ ختم کیے پھر سے بوجھل تھا۔

جھک کر عناب کے ماتھے پر پیار دیتے سمے اسکی آنکھوں میں پھر سے نمی اتری، بہت مشکل تھا ابھی بھی، وہ اپنی جان کے اس انمول حصے کے لیے ہر سانس کے ساتھ تکلیف سے رہائی کا طالب تھا۔

"کہاں ہو تم یوئی؟ تمہیں دیکھ کر یہ مسکرائے گی۔ تم بھی چلے گئے، یہ تمہیں یاد کر رہی ہے۔ یا اللہ وہ جہاں بھی اسے اپنی امان میں رکھنا۔ وہ میری عناب کا واحد دوست ہے، یہ کھل اٹھے گی اسے دیکھ کر"

اپنی پریشانی میں وہ یوئی کو فراموش کر بیٹھا تھا مگر اب دل تھا کہ اس کھو جاتے بچے کے لیے بھی سوکھے پتے کی مانند لرز اٹھا تھا۔

ایک لمبی نیند کے بعد وہاں وہ بھی بیدار ہو رہا تھا، اسکے سر میں درد تھا جس کی گہری ٹیس ہی اسے نیند سے باہر لائی۔

اسکے کسمسا کر کراہنے پر رولنگ چیئر پر بیٹھے وہ انسان بھی چونکے۔

یوآن شاہ کی آنکھیں کھلیں تو وہ اجنبیت بھرے خوف سے اپنی سمت دیکھتے اس انسان کو دیکھنے لگا جو اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب سائیڈ میز پر رکھے اٹھ کر ڈرے سہمے یوآن تک پہنچے اور بہت پیار سے اسکے ماتھے پر ڈھلکے بے ڈھنگے ہوتے بال سہلائے مگر وہ ہنوز خوفزدہ سا انکا ہاتھ فوری جھٹک گیا۔

"آپ کون ہیں، م۔۔میری ڈال کہاں ہے۔ میں یہاں کیوں ہوں۔۔۔۔ وھاج بھائی مجھے لینے نہیں آئے۔۔۔۔۔ب۔۔بڑی۔۔۔"

یہ فطری تھا کہ وہ ایک تو حساس تھا دوسرا جاگتے ہی اس آٹھ سالا بچے کو وہ سارے لمحے یاد آکر مزید ہراساں کر گئے۔

وہ باقاعدہ خوف سے تھر تھر کانپتا منمنایا۔

"میں تمہارا دوست ہوں، ایسا سمجھو کہ یہ جتنے تم نے نام لیے میں ان سب سے واقف ہوں۔ تمہارے بابا فارس شاہ سے، تمہارے بڑی عون سے، تمہیں ان درندوں سے بچانے والے وھاج سکندر سے اور تمہاری زندگی کی سب سے اہم ڈال تک سے"

وہ ہنوز چھپا انسان شفقت اور پیار سے یوآن کی گھبراہٹ، ڈر اور خوف مٹاتے اسے شانت کر گئے۔

یوئی کی چمکدار رنگ بدلتی انمول آنکھیں کچھ اپنائیت سے بھر گئیں، کیونکہ وہ انسان اسکے بابا کی طرح نرم شفیق اور بڈی کی طرح سائبان سا لگا پھر وہ اسکے سب اپنوں کو جانتے بھی تھے۔

"م۔۔میں کدھر ہوں۔ مجھے جانا ہے گھر، بڈی کے پاس۔ عناب بیہوش تھی اسکا پوچھنا ہے ان سے۔۔اور اور و۔۔وھاج بھائی۔۔۔۔کیا آپ مجھے بخاری ولا لے جائیں گے پلیز، مجھے لے جائیں ناں۔ یا میرے بڈی کو کال کریں وہ مجھے خود لے جائیں گے"

زرا شناسائی کا احساس ملتے ہی یو آن شدید ملتجی ہوئے ان سے درخواست کرتا بہت مشکل سے رونا روکے ہوئے بولا تھا۔

وہ انسان اک لمحے کو خاموش ہوئے ٹھہر سا گیا۔

"ہمم۔ تم جلد جاوگے۔ تمہیں پتا ہے ناں کہ وہ برے لوگ تم سب کے پیچھے تھے۔ جب تک ہم بڑے سب ان گندے لوگوں کو مار نہ لیں تم سبکو چھپ کر رہنا ہوگا۔ رہی بات تمہاری ڈال کی تو وہ تھوڑی سی بیمار ہے۔ لیکن ٹھیک ہو جائے گی۔ میں اس سے ملنے جاوں گا پھر بتاوں گا اسے بھی تمہارا کہ تم ٹھیک ہو۔ تمہاری طرح وہ بھی فکر مند ہو گی"

یو آن شاہ نے باقی ہر بات پر رتی برابر توجہ نہ دی بس عناب کے بیمار ہونے پر اسکی معصوم آنکھیں سمندر کا روپ دھار گئیں۔

وہ رونا چھپانے کو جب سر جھکا گیا تو وہ انسان بھی آزردہ ہوئے، اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر یوئی کا چہرہ اوپر کیے اسکے بہتے آنسو جذب کیے۔

"و۔۔وہ اکثر بیمار ہو جاتی ہے، ل۔ لیکن تب میں اسکے پاس ہوتا تو فٹافٹ گڈ بھی ہو جاتی۔ وہ مجھے مس کر رہی ہو گی انکل۔ کیا اسے نہیں پتا کہ میں ادھر ہوں؟ وہ بہت روئے گی آپ اسے ابھی جا کر بتا آئیں کہ میں ٹھیک ہوں اور یہ بھی کہ یوئی نے بیسٹ ویشیز بھیجی ہیں"

وہ پھر سے اپنے آنسو روکتا بہت تکلیف سے گزارش کر رہا تھا اور اس چھوٹے سے بچے کی یہ تڑپ خاصی ذہنی دباو کا باعث تھی اس انسان کے لیے۔

"میں بھیج دوں گا اسے تمہاری بیسٹ ویشیز بھی اور ٹھیک ہونے کی خبر بھی لیکن جب تک تم یہاں ہو رونا نہیں۔ بس تھوڑے سے دن۔ پھر تم واپس گھر بھی جا سکو گے۔ آئی ہوپ کہ تم اس انجان سے دوست پر ٹرسٹ کرو گے"

انھیں ہر ڈھنگ پتا تھا اس بچے کو بہلانے کا اور وہ واقعی سنبھل بھی گیا، اس انسان کے پھیلے ہاتھ پر اپنا چھوٹا سا ہاتھ رکھے سر کو اثبات میں جنبیش دی۔

وہ انسان بھی شاید مسکرایا تھا کیونکہ یوئی کی تکلیف دہ صورت بھی بحال ہو کر پر سکون ہوئی۔

اسی لمحے خیر دین اندر اجازت طلب کیے آیا۔

"اب تم خیر دین بابا کے ساتھ جاو، ڈنر کرو جا کر اور پھر آ کر آرام کرنا۔ تمہاری سر کی چوٹ ابھی ٹھیک نہیں ہوئی"

ملائمٹ کے سنگ وہ خیر دین کے ساتھ یوئی کو بھیجتے اسے نرم سی تاکید کرنا نہ بھولے اور تب تک وہاں دیکھتے رہے جب تک یوئی اٹھ کر خیر دین کے ساتھ باہر نہ گیا۔

وہ پر سکون تو تھے لیکن انکے فون پر آتی ایک بے سکون کر دیتی کال اس وقت انکی چلتی حیات ساکت کر چکی تھی۔

انکی آنکھیں دوسری سمت سے ملتی اطلاع پر پتھرا چکی تھیں۔

یہ خبر اس مہربان سماعت کے لیے کسی ذہنی اور قلبی دھچکے سے کم نہ تھی۔

باسط ہی سے انھیں خبر ملی تھی۔

"واٹ؟ کس نے ماری اسے گولی؟"

وہ ہنوز پشت کیے کھڑے سخت افسوس سے استفہامیہ ہوئے۔

صرف وہی تھے اب جنھیں سچ بتانے کی باسط کو ہمیشہ اجازت تھی۔

"اسکی بیوی وفا نے"

باسط کا سپاٹ جواب اس مہربان وجود کو ساکت کر گیا۔

"کتنی بے رحم ہے اسکی وفا"

اس انسان کی یہ کہتے آواز لرز گئی، افسردہ تو باسط بھی اخیر تھا۔

"دعا کریے گا میری زندگی بچ جائے اب انکے ہاتھوں، میں نے بہت بڑی گستاخی کر دی۔ وفا کو سب بتا دیا"

باسط کی آواز میں واضع ڈر سرائیت کر گیا، جس پر وہ مخفی انسان بھی بے چین سا ہوا۔

"ہمم، مجھے بتاتے رہنا اسکی کنڈیشن۔۔۔ اور اسے کہہ دینا میری طرف سے بھی ایک گولی کھانے کے لیے تیار رہے وہ، آیا بڑا عاشق"

یہ پہلی بار تھی کہ وہ نرم، مہربان اور پیارے لہجے والا انسان سخت خفگی سے بولا اور کال بھی کاٹ دی تھی، وہ اب بھی افسوس میں پشت کیے کھڑے باہر پھیلتی شام سے ہمکلام تھے۔

آج انکی آنکھیں سامنے آئی تھیں، گہری سیاہ، راز کی طرح گمنام سی، پھر ان آنکھوں میں کسی دکھ کی لہر اتری، دیکھتے ہی دیکھتے ان مضبوط آنکھوں کے کنارے نمی سے چمک گئے، شاید خسارے کی نمی، عشق میں وہ بھی جان دے سکتے تھے پر ان سے نہ ہو سکا، وقت رک چکا تھا۔
اس شخص کی راز آنکھیں حرکت کرتی کائنات تھما چکی تھی۔

زویا کو اس سب کا شام کو پتا چلا تو وہ بھی بہت نڈھال سی ہوسپٹل پہنچی، کاشان پر زرا سی آنچ اسے رلاتی تھی اور زویا کی آنکھیں اس وقت کاشان کی تکلیف پر نم ہو رہی تھیں لیکن ان آنکھوں کی نمی اس پر اسرار انسان کے دل تک جا پہنچی تھی۔
چپکے سے، زار کی ہی طرح۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاشان ہمانی پر چلتی پر اسرار گولی رات ورات نا جانے کیسے معاملہ دبانے کے باوجود ٹاپ بریکنگ نیوز کا روپ دھار چکی تھی، آئی سی یو روم میں موت کی جنگ لڑتا وہ انسان جانتا ہی نہ تھا کہ اسکا ایک اور پاگل پن اسکی وجہ شہرت بن گیا ہے۔
بیٹھے بیٹھائے کاشان کو لگتی گولی ایک ایسا معمہ تھی جس نے ہر فرد کو ہلا دیا تھا۔

خود بخاری ولا میں یہ خبر بہت ہی زیادہ صدمہ پھیلا چکی تھی، نہال تو کچھ بول نہ سکے البتہ وحید صاحب اس جھٹکے سے مزید نڈھال ہوئے اوپر سے وفا کا اس وقت بخاری ولا میں ہونا اور اپنے آپ کو کمرے میں محدود کرنا انکے لیے مزید تشویشناک تھا۔

کئی وسوسے خوف میں مبتلا کر رہے تھے کہ آیا کہیں وہ سچائی جو کئی لوگوں کی چلتی کائنات ساکت کر دے گی وہ کھل تو نہیں گئی؟

لیکن کوئی بھی چینل یا میڈیا کا انسان اصل خبر نہ نکلوا سکا تھا۔

سب کو یہی علم تھا کہ کاشان ہمانی اس وقت بہت کرٹیٹیکل کنڈیشن میں زیر علاج ہیں، انکے لوگ پہلے تو اس بات کے لیک ہونے پر خوفزدہ تھے کہ کاشان انکی ایک ایک کر کے روح فنا کرتا اوپر سے اب میڈیا کا دباو اور پولیس تک کا اس حملے میں انولو ہونا ان لوگوں کے لیے مزید ذہنی اذیت لے آیا تھا۔

جہاں داد نے اپنے لوگ رات ہی ہوسپٹل روانہ کیے تاکہ وہ کاشان اور اسکے گارڈز سے بیان لے سکے لیکن کاشان کو صبح تک ہوش آنا ناممکن تھا تبھی وہ لوگ ہوسپٹل رک کر ہی بیان کا انتظار کر رہے تھے۔

باسط نے وفا کی گن بھی چھپا دی تھی لیکن پولیس اس معاملے میں اس نازک وقت بہت گہری دلچسپی لے رہی تھی جو باسط کو مزید پریشان کر چکا تھا۔

اسے تو اپنے کارنامے پر ویسے ہی جان کے لالے پڑے تھے اور اسکا خدشہ درست تھا۔

کاشان ضرور اس غلطی پر اسے سنگین سزا دیتا کیونکہ وہ جو بھی کرتا تھا، کبھی کسی صفائی کو دینا اسکا شیوا نہ تھا۔

اور باسط نے اسکے اتنے اہم سچ بتا بھی اس عورت کو دیے تھے جو کاشان کی اس ابتر زخمی حالت کی ذمہ دار تھی۔

دوسری سمت عون رات تک خود سے جنگ لڑتا تھک گیا تھا، وہ مہکار کی دی دھمکیوں پر کہیں نہ کہیں متاثر تھا تبھی رات گھر بھی دیر سے آیا پھر کاشان پر ہوتے حملے کی اس اچانک خبر نے تو دماغ کی لسی کر دی۔

وہ وفا سے ملنے اسکے کمرے میں بھی آیا لیکن وفا نے دروازہ نہ کھولا، وہ کس کرب سے گزر رہی تھی اسکی خبر شاید وہ خود کے سوا کسی کو ہونے نہیں دینا چاہتی تھی۔

عون جب تک کمرے میں آیا تو منیہا بھی اسکے انتظار میں صوفے پر ہی لیٹی سو چکی تھی، وہ اس پر اک زخمی سی نگاہ ڈالے اگلے ہی پل باہوں میں بھرے بیڈ کی جانب بڑھا اور احتیاط سے اسے لٹایا۔

باریک کمبل کھول کر اس پر دیا اور خود بھی تھکا سا ساتھ ہی جا بیٹھا۔

مہکار کی دی دھمکی پر چپ رہنا ایک ہار تھی اور وہ اتنی جلدی ہار نہیں مان سکتا تھا۔

اسے آج رات کاٹ کر اب اپنی اور منیہا کی حفاظت کا مضبوط پلین بنانا تھا اور اس وقت جب وہ ذہنی اور قلبی طور پر بہت پریشان تھا تو منیہا کا سونا ہی عافیت لگا، وہ اس پہلے سے ٹوٹی بکھری لڑکی کو یہ سب بتا کر مزید ہلکان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اک اور سیاہ رات گزر گئی لیکن یہ کتنوں پر اذیت کے پہاڑ توڑ کر گزری یہ صرف اللہ جانتے تھے۔

کاشان کو ہوش تو آ گیا تھا صبح چار بجے لیکن باسط کی کارستانی جان کر وہ حقیقی تکلیف سے دوچار ہوا، غصے سے اسکی پہلے سے سوجھی آنکھیں مزید لہو ہوئیں۔

"یا میرے خدا، کیا بھوسہ بھرا ہے تمہارے دماغ میں۔۔۔ یہ کیا کر دیا ہے تم نے۔ دل چاہ رہا ہے کھڑے کھڑے تمہارے اس خالی دماغ میں حقیقی سوراخ کر دوں۔۔۔"

درد اور تکلیف کے باوجود کاشان ہمانی، سر جھکا کر روداد سناتے باسط پر خفگی اور عتاب سے چڑھ دوڑا، اسکی یہ حرکت کاشان کو آگ کی طرح سلگا چکی تھی۔

"سر وہ۔۔۔۔"

باسط نے خفت دباتے ہمت جمع کیے کچھ صفائی کو منہ کھولا ہی کہ نیم دراز سے کوفت سے جھنجھلاتے خونخوار کاشان کو دیکھے وہ خود بخود خاموش ہو گیا۔

"بکواس بند، سارے نکمے اور ناکارہ لوگ مجھے ہی ملنے تھے۔ تم نے دماغ سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ کیا ضرورت تھی اس بکواس حرکت کی۔ باسط میرا بس نہیں چل رہا میں سچ میں تمہاری گردن مڑور دوں"

اس وقت کاشان سینے پر لگے گہرے زخم سے بے نیاز بس بیقرار اور پریشان سا باسط کو ڈپٹ رہا تھا جسکی اب پشیمانی سے نظر جھک چکی تھی۔

"سر بس مجھ سے انکی آنکھوں میں آپکے لیے نفرت نہیں سہی گئی اور میں نے انکو وہ سارے ثبوت دیکھا دیے"

زندگی کی ساری ہمت مجتمع کیے وہ اس بار سہا ہوا منمنایا لیکن کاشان ہمانی کی روح شگاف اچٹتی نگاہ اسے ہراساں کرنے کو کافی تھی۔

"افف۔۔۔ یہ کیا کر دیا تم نے جذباتی انسان۔ نہیں۔۔۔ وفا کو یہ سب نہیں پتا چلنا چاہیے تھا۔ وہ۔۔۔ وہ اس وقت ٹھیک نہیں ہو گی۔۔۔۔ فون لاو میرا فورا"

بے قراری کے سنگ خود ہی بڑبڑاتا وہ آخری حکم دیے باقاعدہ دبنگ غرایا مگر اسکے اس حکم کے باوجود باسط کے ہونق بن کر وہیں جمے رہنے پر کاشان کا ضبط جواب دے گیا۔

"س۔۔ سر پلیز آپ کال نہیں کریں، یہ مناسب نہیں۔ تڑپنے تو دیں انھیں تھوڑا۔"

اس وقت وہ کاشان ہمانی کے لیے انتہائی ٹچی ہو رہا تھا جبکہ کاشان کو اس کی عقل پر اکیس توپوں کی سلامی پیش کرنے کی شدید ضرورت پیش آ رہی تھی۔

"باسط، مر نہ جانا میرے ہاتھ سے۔ فون لا کے دو۔۔۔ جاووووو"

جبڑے بھینچ کر تنبیہی طرز سے اسے دیکھتا باسط کا سانس سوکھا چکا تھا، چاروناچار باسط کو اسکا فون لانا ہی پڑا۔

فون اس کے ہاتھ سے باقاعدہ وحشی بنے جھپٹنے کے باعث کاشان کے زخم میں بھی اخیر دردناک لہر اتری جس پر وہ اتنا مضبوط اعصاب والا بھی ہل سا گیا۔

فوری باسط کو باہر دفعان ہونے کا اشارہ کیے وہ جلدی سے وفا کا نمبر ڈائل کیے فون کان سے لگا گیا، وہ جو اپنی طرف سے اپنی زندگی کی رہی سہی ہر روشنی گل کر آئی تھی، ماتمی سیاہ نشینی میں فون کے بجنے نے اسے آنسو آنسو ہونے سے روکا تھا۔

رو رو کر وہ آدھی ہو چکی تھی، اب تو مزید آنسو بھی ختم تھے لیکن فون پر کاشان کے لکھے نام کو دیکھ کر وہ پتھر کا مجسمہ بنی سانس تک روک گئی۔

دل اس بری طرح دھڑکا جیسے یہ دل داغ دار کی آخری دھڑکن ہو۔

"Heartless woman pick up the phone"

بے چینی کے باعث وہ اسکے کال نہ اٹھانے پر تلملایا، دل یہی کیا اب اپنا سر کہیں دے مارے۔

"ک۔۔کاشان۔۔۔۔"

کانپتے ہاتھوں سے فون پک کیے وہ دم سادھے سسکی، اسکی آواز میں اسکی پشیمانی، تکلیف اور درد کی گہرائی سموئی تھی جسے محسوس کیے وہ سکھ کا سانس بھرے ہتھیلی دل پر سہلائے وفا کی خیریت پر پرسکون سا ہوا۔

"یہ اداس اداس اداسیاں

اور دور دور کی دوریاں

مجھے اشک اشک بکھیر کے

پھر ہنس ہنس کر سمیٹنا

یہ آگ آگ کا کھیل ہے

اسے روز روز نہیں کھیلنا

مجھے ورق ورق کھولنا

پھر حرف حرف پہ سوچنا

یہ جفا جفا کے راستے

اور وفا وفا کی منزلیں

مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کے ڈھونڈنا

پھر چھوڑ چھوڑ کے چھوڑنا"

وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں اتنا شدید کبھی نہ ٹوٹا تھا جتنا وفا اسے توڑ چکی تھی۔ وہ خاموش تھا، آج معافیہ ڈان پائزن جیسے شاطر کھلاڑی کے پاس لفظ تک نہ بچا تھا۔

"ت۔۔۔ تم ہوناں؟ کاشان یہ تم ہوناں؟"

پھر سے وہ کوئی جواب نہ پائے اس طرح پکاری کہ اسکی آواز کا بھیگا پن نا چاہتے ہوئے بھی کاشان کی آنکھوں کے کنارے لال کر گیا۔

"Come to me wafa"

بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہو سکا تھا، لیکن اسکا اصرار سنگدل تھا۔

"ت۔۔۔ تم ٹھیک ہو،۔۔ آ۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔ ت۔۔ تم مجھے بھی ویسا ہی زخم د۔۔۔" اسے خاموش کروایا گیا۔

"سٹاپ، ابھی آو یہاں"

شاید وفا نے اسکی خاموش ناراضگئ جان لی تھی تبھی التجاء پر اتری لیکن وہ بری طرح اسکی اس بے جا تڑپنے کے تسلسل کو روک کر بات کاٹ گیا۔

"ک۔۔ کہاں؟"

وہ غائب دماغی سے پوچھ رہی تھی۔

"پاس، میرے پاس"

نرم سی گزارش نے وفا کی آنکھیں سمندر کی طرح موجزن کی تھیں، وہ اسکی پکار پر جانا چاہتی تھی، لیکن نجانے کیوں دل کئ ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔

وہ اسکی مجرم بن گئ تھی، وقت ایک دم پلٹ گیا تھا۔

"میں اب۔۔ بھی تمہارا سامنا نہیں کر سکتی ورنہ شاید وہ جذبے کہہ بیٹھوں جنکا ادراک تمہاری کمی کے احساس نے کروایا اور جنھیں میں چھپانا چاہتی۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ تم پر گن چلانے کی وجہ بھی وہی جذبہ تھا جس میں تمہاری موجودگی جکڑ چکی ہے۔ میرا دل منافق نہیں تھا، وہ کتنا چیخا کہ نہیں تم اتنے ب۔۔ برے نہیں۔ بری تو وفا ہے جس نے دل کو جھٹلایا۔۔۔ م۔۔ میں تمہیں اسطرح بے جان اور نڈھال بستر پر دیکھنے کا حوصلہ ن۔۔ نہیں رکھتی۔ م۔۔ مجھے تم سے معافی مانگنے کے لیے کچھ دن چاہیں"

اسکی بند ہوتی کال کو دیکھتی وہ اب بھی کاشان کی سچی پکار جھٹلا رہی تھی، وہ اسکے لیے تڑپنا چاہتی تھی۔

وہ اپنے دل کی ہاں اور ناں کی کیفیت سے نکلنا چاہتی تھی، وہ خود کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ کاشان ہمانی کے سحر میں سر تا پیر بندھ کر رہ گئی ہے، جتنا برا وہ اسے ناراض کر رہی تھی، دعا کر رہی تھی اتنی شدت سے منانے کی ہمت بھی خود میں بھر پائے۔

وہ جانتا تھا وہ اسے اب بھی تڑپائے گی، وہ کسی کمزور لمحے اسے ہر ناراضگی جتانے کو بلا تو بیٹھا لیکن اپنے ٹوٹ جاتے وجود کی اس درجہ بے بسی پر اذیت میں تھا۔

اتنا بے بس تو وہ تب نہ تھا جب اسکی ماں آگ کی لپیٹ میں آ کر جل رہی تھی، اس نے تب بھی آگ کی پرواہ نہ کیے حد پھلانگ ڈالی تھی۔

ماں تو نہ بچ سکی لیکن وہ اپنی ایک بازو جلا بیٹھا تھا، آج بھی اسکی بازو وہ نامرادی کا نشان رکھتی تھی جس پر یونہی نظر پڑتے ہوئے ان شیر جیسی آنکھوں میں دنیا جہاں کا درد آن اترا تھا۔

اتنا بے بس تو وہ تب بھی نہ تھا جب جسم میں درد سہنے کی گنجائش ختم ہونے پر بھی اسے عائشہ ہمانی کی جانب سے مارے ہنٹر سہنے پڑتے تھے، سفاک دادی کی کھکھلاتی ہنسی دیکھ کر اپنے آنسو پینے پڑتے تھے۔

اس نے اللہ سے اپنا رابطہ ٹوٹنے سے پہلے صرف اپنا صبر مانگا جو عین اس عورت کے میسر آتے ہی ریزہ ہوا۔

وہ اپنی بچپن میں ادھوری چھوڑی وہ آخری نماز بھی پوری کر چکا تھا پھر بھی صبر ہاتھ سے جا رہا تھا۔

وہ اس نازک، اتھری، پاگل سی مگر اچانک دل کو لگ جاتی وفا سے کوئی عجیب ہی محبت کر بیٹھا تھا جس میں نہ اسکے دیے درد سکون دیتے تھے نہ اپنی ذات سے وفا کو ہوتی تکلیف سہی جاتی تھی۔

وہ اک لمحہ تھا شاید، جب کاشان کو سمجھ آئی کہ وہ محبت کے زہر کا شکار ہوا، تب جب اسے زبردستی حاصل کرنے کے بعد اسکے آنسوؤں کا دل میں جمع ہوتا پانی اسے اپنی آنکھوں سے رستا ملا۔

تب سے اب تک وہ بدل رہا تھا، کمزور ہو رہا تھا۔

پائزن، جو ہر دن کسی نہ کسی کو عذاب دیتا، اب چھوڑ رہا تھا۔

ہلکی سزائیں معاف کر رہا تھا، غداروں تک کو نظر انداز کیے بس خود کو کسی نئے سانچے میں ڈھلتا محسوس کر رہا تھا۔

مہکار تک سے بیزار ہو چکا تھا، ہر چیز میں شانت ہو رہا تھا، زہر سے امرت بن رہا تھا۔

محبت سنا تھا رحم دلی اور شفقت کا دوسرا نام ہوتی ہے، کہیں یہی درویش محبت تو نہ تھی وہ عجیب جذبہ۔۔۔؟

وہ درد دینے والی سے درماں کا طلب گار تھا، لیکن درد دینے والی اب بھی ظالم تھی۔

اس نے کئی بار سر جھٹکا لیکن کاشان ہمانی سے اس بار اپنا دل نہ جھٹکا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین دن، تین دن گزر چکے تھے۔ وقت اپنی رفتار تیز سے تیز کرتا ہوا کے گھوڑے پر سوار اڑتا جا رہا تھا۔

آج کی یہ صبح الگ سی تھی، پر نور سی، گزشتہ دنوں کی یاسیت اور قنوطیت سے پرے۔

وہ بہت مان اور محبت سے ہلکا سا تیار ہوئی تھی، شہتوتی رنگ کی کرتی تلے سفید کڑائی دار اجلا ٹرواز ر پہنے، نازک سے سفید پاؤں گہرے مرون سادہ مگر جاذب کھسے کی قید میں ہیروں سے چمک رہے تھے۔

کندھے کی ایک جانب بھاری مگر نیٹ کا لیس دار سنبھال کر لیا دوپٹہ، کھلے سنہری بال جنھیں وہ آج کھلا ہی رکھنا چاہتی تھی۔

چہرہ ہر منصوعی حسن سے عاری، بس نرم ہونٹوں کو لپ بام کا مدھم سا ٹچ دیے سیاہ آنکھیں لائنر اور مسکارے سے مزید گہری کیے وہ کلون لگاتی آئینے سے ہمکلام تھی۔

کیا وہ اتنا اہتمام اس انسان کے لیے کر رہی تھی جسے مارتے ہوئے وہ زرا نہ کانپی تھی، زویا سے اسے پتا چلا تھا کہ وہ گھر آ گیا ہے، اسکا فولادی جسم اتنا گہرا زخم سہن گیا ہے لیکن وہ پچھلے تین دن سے چپ ہو گیا تھا، زویا نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ صرف وفا کا منتظر ہے یہ اسکی آنکھوں میں درج تھا۔

وفا نے آج اسے منانے کی ہمت اکٹھی کی تھی، اور وہ آج اپنے اور کاشان کے بیچ کی ہر خلش مٹانے والی تھی۔

پھر دوسری طرف عناب ان تین دنوں کے اخیر دردناک ٹرانس سے نکل کر اب ابدال کی موجودگی میں تھوڑی سہی پر مسکرانے لگی تھی، اسکا سانس اب پہلے سے زیادہ کمزور تھا تبھی منصوعی سانس پر بھی اسے جینا پڑتا، لیکن ان تین دنوں وہ ابدال کی موجودگی میں ہر ممکنہ حوصلہ دیکھاتی رہی تھی۔

درد کے باوجود وہ ہمیشہ نم رہتی آنکھیں مسکا کر ابدال کو اپنے ٹھیک ہونے کا بتاتی تھی۔

وہ اپنے ننھے جسم پر پڑتے سکت سے زیادہ بوجھ اور ٹوٹتے اخیر سفاک ظلم کے باوجود خود اٹھ کر بیٹھ پا رہی تھی لیکن ابھی بھی اس سے چلنا ممکن نہ تھا۔

الماس اور ابدال اسکی ہر وقت ہمت بنے نظر آ رہے تھے۔

اور نہال بخاری بھی سیاہ نشینی اختیار کیے بلکل خاموش ہو چکے تھے، انکا دن اپنے کمرے میں یا پھر قبرستان میں ہادیہ کی قبر کے پاس گزرتا۔

وہ اپنے اندر ابدال اور عناب سے معافی مانگنے کی ہمت جمع کرنے کی کوشش میں تھے، ان تین دنوں زویا بھی نہ آ سکی تھی کیونکہ وہ کاشان کے پاس تھی۔

جب کاشان سامنے ہوتا تو اس کے لیے اپنی جان تک ثانوی ہو جاتی تھی۔

پھر تیسری طرف عون جس نے ان تین دنوں میں فارس شاہ سے خفیہ ملاقات کے علاوہ کاشان پر چلتی گولی کی وجہ اور سبب تک پتا کروالیا تھا لیکن وفا کی ایک بار پھر خاموش ہونے کی التجاء اسے یہاں بھی باندھ گئی۔

فارس شاہ نے اسے پائزن اور ایزل کی آڈیو ملاقات کے بارے بتایا تھا دوسرا یو آن کے خیریت سے ہونے کی یقین دہانی کروائے عون کا گلٹ بھی دور کیا تھا۔

جبکہ عون نے بھی اسے مہکار کی دی دھمکئ کے متعلق بتا کر تھوڑا الجھا دیا تھا۔

فارس نے اسے مہکار پر نظر رکھنے اور اس معاملے کے لیے تسلی تو دی تھی مگر وہ جانتا تھا وہ پاگل عورت کسی بھی حد تک جا سکتی ہے پھر بھی عون اور منیہا کے لیے وہ اس نامنظور عورت سے ملنے اور اسے اس فضول ضد کو ترک کرنے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

آج مہکار کی عون کو دی مہلت کا بھی آخری دن تھا مگر اسے فارس شاہ کے مہکار سے ملنے پر کچھ بہتری کی امید مل گئی تھی۔

یو آن ان سارے دنوں بوجھل رہا تھا، اسے صرف عناب کی فکر تھی۔ اسکا زخم قدرے بہتر تھا لیکن اسکی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔

وہ پر اسرار انسان کون تھا اسکا تو فی الحال علم نہ تھا مگر دوسری طرف ڈی آئی جی میکائیل رضوی صاحب کی جانب سے ان اہم کیسز کے حوالے سے چند ملاقاتوں کی خبر منظر عام پر آ چکی تھی۔

کہا جا رہا تھا کہ وہ اس کیس میں ہوتی چند معمولی مگر اہم پیش رفت سے بقلم خود میڈیا کو آگاہ کرنے والے تھے اور دوسرا وہ دو سال پہلے مرتی اس ریپ وکٹم لڑکی کے والدین کے ساتھ ساتھ موجودہ حادثے کا شکار ہوتی بچی سے بھی ملاقات کرنے والے تھے۔

یہ دونوں کیس اب میڈیا اور دنیا کے سامنے آ چکے تھے، عائش ہمانی کے متعلق فی الحال کوئی خبر نہ تھی لیکن کچھ خفیہ ایجنسیوں کی اطلاع کے مطابق ممکن تھا وہ پاکستان سے نکل چکا ہے۔

اسی حوالے سے ڈی آئی جی میکائیل رضوی پریس کانفرنس کرنے والے تھے، میڈیا کے پولیس کی ناقص اور آہستہ کارگردگی پر اٹھتے سوالات کے وہ خود جواب دینے بہت وقت بعد سامنے آنے والے تھے۔

وحید صاحب اپنے کاشان کے متعلق شک کے حوالے سے پچھلے تین دن سے کچھ خفیہ لوگوں سے ملاقاتیں کر رہے تھے لیکن انکی سرد پڑتی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ ابھی تک اپنے شک میں کسی پیش رفت کو حاصل نہیں کر سکے۔

ابدال نے ان سے برھان صاحب کے بارے بات بھی کی اور وہ ابدال کو مکمل مطمئین بھی کر چکے تھے۔

ابدال کم از کم تب تک سکول آف کیے رکھنا چاہتا تھا جب تک عناب ہوسپٹل سے ڈسچارج نہ ہو جاتی۔

رہی بات وھاج سکندر کی تو وہ بھی خاموش سا تھا، وفا کے لیے سوچتا رہتا، بنا یہ جانے کہ وہ لڑکی تو اسکی رہی سہی بھی نہ رہی تھی۔

وہ بھی اپنی جگہ بے بس ہی تھا، اپنے دل کو مطمئین کرنا اسکے بس کی بات نہ تھی۔

کسی لمحے تو اسے یہ تک لگتا کہ اب اپنی بیکار زندگی یہیں ختم کر دے مگر پھر بوڑھی ماں اور چھوٹے بھائی کے لیے سانس کھینچنے لگتا۔

وفا بخاری اسکی کبھی نہیں ہو سکتی یہ بات اسے پتا تھی لیکن وہ تب تک اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک جسم میں درد سہنے کی قوت باقی تھی۔

کاشان نے اپنے اوپر چلتی گولی کے بارے پولیس کو بھی گما ڈالا تھا کہ گولی چلانے والے کا ایسا نقشہ بتاہا جو جہاں داد کے پوری کرمینل ریکارڈ کی فائیلیں تہس نہس کر بھی بر آمد نہ ہو سکا تھا۔

اور یوں کاشان پر چلتی گولی کا معاملہ، بس ایک بند فائیل کی زینت بن گیا۔

جہاں داد کو یہی لگتا تھا کہ ہو سکتا ہے کاشان کے اس کیس میں تعاون کے سلسلے میں عائش کے لوگوں نے اس پر حملہ کیا ہو لیکن اسے یہ بھی پتا تھا کہ اس نازک وقت جب ہر طرف عائش ہمانی کو ڈھونڈا جا رہا تھا، اسکے شاطر لوگ ایسی غلطی ہر گز نہیں کر سکتے تھے۔

اب پولیس بنا کسی پکی تسلی کے مطمئین نہیں ہوتی لیکن شاید یہاں بھی اوپر سے آیا دباو تھا کہ تین دن بعد ہی سہی پر جہاں داد نے کاشان ہمانی کے اس معاملے کی جان بخش دی۔

فی الحال تو روٹھے شیر اور ظالم حسینہ کی ملاقات اہم تھی جو اس پر نور سے دن کا پہلا حسین لمحہ بننے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وارڈراب کھولے کھڑا وہ ڈارک چاکلیٹی شرٹ نکالے وہیں پہننے کی کوشش میں ہلکان ہو تا تب تھا جب نرم گداز ہتھیلئ اسکی پشت پر دھری گئی، وہ جبڑے بھینچتا بنا مڑے ہی وفا کے شرٹ ہاتھ سے جھپٹ لینے پر تلملایا۔

جو خود بھی کوئی جواب دیے بنا اسے مکمل دھیان اور احتیاط سے شرٹ پہنائے روبرو ہوئی تو ان ناراض آنکھوں کے وار سے دانستہ نظر جھکائے اپنی توجہ شرٹ کے کھلے بٹنز کو بند کرنے پر مرکوز کی۔

وہ اسکے حرکت کرتے ہاتھ غیر ارادی طور پر پکڑ کر ہٹانا چاہتا تھا مگر وہ اسکی ساری تکلیف رد کرتی سارے بٹنز بند کرنے لگی۔

وہ تھکا ہوا سانس لیتا لیتا گہرے دکھ کے پاتال میں جا اترا تھا، اب وہ کیوں آئی تھی اسکے پاس۔

"جب مجھے تمہاری ضرورت تھی تب ترسانے پر آمادہ تھی، اب نہیں ہے تو قریب کیوں آرہی ہو۔ میں تو منافق، گندا اور ناپاک ہوں۔ تو مت چھونا مجھے، میرے سائے سے بھی دور رہنا دوبارہ"

اپنے سائے تک سے اسے بوجھ کی مانند اتار پھینکتا وہ سینے پر بنے زخم پر ہاتھ سہلائے، وفا کی اس بے اعتنائی پر بکھرتی ذات کو چنداں اہمیت دیے بنا بیڈ کی جانب بڑھا مگر وفا کے یکدم ہی حواس بحال کر کے اسکی ہر راہ میں حائل ہونے پر سرد مہری سے اسے دیکھنے لگا مگر جلد ہی ناراضگی اور تکلیف کے پیش نظر ہٹالی۔

"تب نہیں آسکتی تھی، بہت کمزور محسوس کر رہی تھی خود کو۔ معافی مانگنے کے لیے ہمت نہیں تھی میرے پاس"

بھونڈا سا جواز کیا خاک کاشان کو مطمئین کرتا، الٹا وہ وفا کے اب ساری سچائی جان لینے کے بعد بھی سنگدل ہی رہنے پر مشتعل ہوتا دیکھائی دیا۔

قہرناک نگاہ وفا کے چہرے پر ڈالے ناراضگی سے دیکھا، کیا کچھ نہ تھا کاشان ہمانی کی ان ہیزل گرے بھیانک آنکھوں میں۔

ٹوٹتی ہوئیں بے پناہ امیدیں، وفا کا یہ کمزور سا یقین کیا اسے سچائی کے فیور کے بعد ہی ملنا تھا، وہ سچائی جو وہ خود جیتے جی کبھی مر کر بھی نہ کھولتا مگر آہ باسط! وہ اسے ایک بار پھر غائبانہ کوسا۔

کیا وہ ستم گر عورت اسکی روح پر لگائے زخموں کو اب بھرنے کے لائق تھی جو زندگی میں پہلی بار موت سے بچ تو نکلا لیکن دل زندہ نہ بچا پایا تھا۔

"اب ہے ہمت؟ اب میں کمزور محسوس کر رہا ہوں خود کو اس لیے چلی جاو، سمجھ لو مر گیا ہوں"

زندگی سے بیزار سا وہ سراسر ظلم ڈھاتا دامن چھڑوا گیا مگر وفا اسکی بازو پہلے سوال کے جواب میں ہی جکڑے اسے اپنی جانب موڑے متوجہ کر بیٹھی۔

"ہاں ہے ہمت، تم ویسے ہی میری جان لے لینا۔۔۔ لیکن مجھے معاف کر دو۔ میں نہیں جان پائی تھی اس لمحے کہ کیا کر بیٹھی ہوں"

آنسو آنکھوں میں لیے وہ ندامت سے بولی، کاشان گہرائی تک تکلیف میں اترا۔

دل تو ساری ناراضگیاں بھول کر وفا کو قبول کرنے پر بضد تھا اور دل کی اسی مردہ منافقت نے اسے جنجھوڑ کے رکھ دیا۔

"تم مجھ پر قہر ڈھا چکی ہو وفا، اب میں باز آیا معافی تلافی سے۔ تم جا سکتی ہو، میری قید سے بھی اور میرے دل سے بھی"

وہ بکھرا ہوا پور پور وفا کے ستم سے کس نہج تک آ پہنچا تھا کہ اسکی کبھی نہ نم ہوتی آنکھیں اب مسلسل سرخی میں پیوست ہوتی جا رہی تھیں۔

وفا کو لگا ایک لمحے میں جان نکلنا یہیٔ تھا، جب کاشان نے اسے اپنے دل کہ قید سے آزادی دے دی۔

"دل سے بھی؟"

وہ کاشان کا آزردگی سے پھیرا چہرہ ہاتھ بڑھا کر چھوئے اپنی سمت کیے بولی، آواز میں اخیر شکستگی عود آئی تھی۔

"میں تم سے مزید محبت نہیں کرنا چاہتا، ایسے تو ہر سانس مرتا رہوں گا، پھر مجھے جینے سے زیادہ موت میں لطف کی عادت ہونے لگے گی، اور مجھ سا انسان عادتوں سے چھٹکارا نہیں پا سکتا"

وہ زندگی میں پہلی بار ہارا تھا، اس عورت کے آگے جسے سچائی اور ایمانداری سے دل کی مسند پر بٹھانے کی خواہش کیے اس نے وفا کے تا عمر ساتھ کے خواب سجا لیے تھے۔

آج اس ٹوٹے خواب کی کرچیاں کاشان ہمانی کے وجود میں اتری معلوم ہو رہی تھیں، وہ زخمی ہو گیا تھا۔ اندر و باہر ہر سمت سے۔۔۔

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" وہ جانتی تھی جتنا برا کر چکی ہے، ممکن ہے دھتکار دی جاتی، سوال سا آنکھوں میں بسائے وہ اسکی ظالم آنکھیں کھوجتی سرگوشیوں میں ڈھلتی آواز کے سنگ بولی۔

"عبادت کے طریقے طے شدہ ہیں، لیکن محبت میں یہ آسانی نہیں ہوتی۔ نہ ہی داخل ہونے اور خارج ہونے کا اختیار ہے، میں تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ نہ لینے کا ارادہ باندھ چکا ہوں۔ اس بچے کی قید تک تم میرے نام کا بوجھ برداشت کر لینا، اسکے بعد جو ہو گا تمہاری مرضی پر ہو گا۔ یہ گندا، منافق، جھوٹا اور سفاک شخص تمہاری پہنچ سے دور چلا جائے یہی بہتر ہے"

زرا جھک کر وہ بازو ٹیکے بیٹھا، کمر آرام سے تکیے سے لگائے بنا وفا کی جبر و کرب سے زرد پڑتی صورت دیکھے فیصلہ سنایا۔ وہ چپ چاپ اسے سن رہی تھی، لفظوں کے گلے کاٹے، ہونٹ سیے، دل ساکت کیے، سانس روکے، دم سادھے۔

"کیا تم نہیں چاہتے کہ اب ساری محبت وفا کرے؟" اپنی انا کا بھرم قائم رکھنا آج وفا کے لیے بے وقعت ہو گیا تھا، وہ صاف گوئی سے اپنی لرزتی آواز پر قابو پائے اسکے پاس ہی پہلو نشین ہوئے دھیما سا ہوئے بولی۔ کتنے ہی لمحے وہ خاموش آنکھوں سے وفا کے رنگ جھڑتے دیکھتا رہا، وہ کیا کہہ رہی تھی کاشان کو سنائی دینا بند ہو چکا تھا۔

"ہنہ۔۔۔ تم کرو گی محبت؟ اور یہ کیسے ہو گا؟"

ٹھنڈا ٹھار سلگاتا لہجہ اپنائے وہ اسے ہوں پاس دیکھ کر دل جلا ہوئے بولا۔

"ہمم۔۔ تم اس پر خفا ہو کے میں نے بنا تصدیق کیے تمہیں سزا دی؟ میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے پہلے اس کا جواب دو؟"

زرا اٹھ کر مزید قریب بیٹھتی وہ اسکے ہاتھ پر اپنا مرمریں ہاتھ رکھ کر یہ سوال کیے کاشان کو بھی اک مرکز پر یکجا کر چکی تھی۔

وہ اتنی توجہ امید نہیں کر رہا تھا اور ایسا سوال تو ہرگز نہیں۔

"میں تمہاری جگہ ہوتا تو سیدھا تمہارے دل پر گولی مارتا، مہلت ہی نہ دیتا زندہ بچ نکلنے کی"

اس جنگلی سے وفا ایسے ہی جواب کی امید رکھتی تھی مگر اس وقت وہ وحشی نہیں بلکے بہت ہارا ہوا بیزار سا شخص تھا۔

وفا نے اسکے ہاتھ کو چھوتے اپنے ہاتھ کو دیکھا، وہ اسکے ہر لمس سے کترا رہا تھا اور یہ لمحہ جب کاشان اسکے نازک ہاتھ سے اپنا ہاتھ روٹھے پن سے چھڑوا گیا یہ عجیب سی خوشی بنا اسکی۔ وہ اول دن جیسا لپک پڑتا وحشی نہیں تھا اب، اس نے تو ابتدائی وصل میں بھی اپنی حدیں بہت محبت سے پھلانگی تھیں، پور پور گلاب جیسی اس لڑکی پر اپنی سختیاں ہر درجہ کمزور انداز سے برسائی تھیں لیکن اب وہ وفا کے لپکنے پر پیچھے ہٹ رہا تھا، بلکل نروٹھے سے بچے کی طرح، جو ضدی تھا۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کاشان کہ اگر بہت سا پانی آپکی سمت آئے تو اونچائی پر چڑھ کر جان بچائی جاتی ہے، عذاب آئے تو سجدے میں جھک کر لیکن کوئی انسان آئے تو ڈٹ کر۔ تم جیسے میری زندگی میں آندھی طوفان بن کر آئے، خود سوچو میں کیسے دوسرے نرم پہلو کو مدنظر رکھ کر سوچ سکتی تھی۔ میرے لیے تم پہلے ہی دن اعتبار کی حد سے نکل گئے، پھر کیسے اعتبار کر پاتی"

وہ اسے منانے کی بھی اب ہر حد تک اترنا چاہتی تھی، اور وہ بس یہ سوچ کر آدھا ٹھیک ہو گیا تھا کہ وہ وفا کی اس وقت مکمل توجہ کا مرکز ہے۔

وہ اسے خود چھونا چاہ رہی ہے، اسکے زخم سہلا کر مسیحائی کی تمنائی ہے۔

"میں اول دن سے تمہارے سامنے ڈٹ گئی، جو مجھے ضروری لگا وہ سب کیا۔ تم سے جان چھڑوانے کو اپنے اوپر بے وفائی کا الزام تک تھوپ دیا۔ تم بھلے اب بھی برے ہو، ظالم ہو لیکن کم از کم اتنے نہیں جتنا میں نے ثابت کیا۔ تم معاف مت کرو لیکن کم از کم میری طرف ناراضگی اور تکلیف سے مت دیکھو"

وہ ہنوز بولتی جارہی تھی، وہ اسکے ہاتھ کو پکڑنا چاہتی تھی لیکن وہ واقعی اس وقت ایک مغرور ضدی بچہ بنا نخرے دکھاتا اسکے ہاتھ سے بار بار اپنے ہاتھ کو جھٹک رہا تھا۔

وفا کو اسکی ناراضگی پر بھی پیار آیا، وہ ٹھیک سے اس ظالم پر غصہ بھی نہیں ہو رہا تھا، وہ وفا کو ایک ہی بار ساری تکلیف دے کر اب تکلیف دینا تک بھول گیا تھا۔

"میں نہیں مانوں گا"

حتمی فیصلہ آخر آ ہی گیا تھا، وہ ان تین دنوں خود کو واقعی بھول چکا تھا۔ اسکی ہر دم اک مناسب حد تک بڑھی شیو پھیلی سی دیکھائی دینے لگی تھی، سر کے بہترین ہیر کٹ میں آئے بال الجھ کر اسکی صبیح پیشانی پر ڈھل چکے تھے۔ اسکے نیم گلابی ہونٹ نقاہت اور حد درجہ سموکنگ سے زرا ڈارک ہو رہے تھے، تین دن اس نے بہت سے سگریٹ پھونکے تھے اور وہ ہر ممکنہ شراب سے دوری بنانے کو ترجیح دیتا اکثر و بیشتر سگریٹ ہی پھونکتا تھا۔ پھر اسکی وہ ہلکی ہلکی گلابی کناروں سے سوجھی آنکھیں جن میں نہ مکمل ہوتی نیند کا بسیرا تھا وہیں ٹوٹے خوابوں کے زرے۔

وفا پہلی بار اسے اس طرح دیکھ رہی تھی کہ نظروں کی مٹھاس اس دل جلے کو آرام پہنچا رہی تھی۔

اپنی خود ساختہ جنگ میں وہ کبھی دیکھ ہی نہیں پائی وہ انتہائی خوبصورت خدوخال کا مالک تھا، بہت کم مرد دیکھے تھے اس نے جو دیکھائی دینے میں اتنے مکمل لگتے ہوں، اسکے چہرے پر اک سلوٹ تک نہ تھی۔

اسکا توانا وجود اسکی محبت اور حفاظت سے اک کشش کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، وہ مضبوط تھا اور شاید اپنے سارے گناہ کے اعترافات میں بہادر بھی۔

وہ کسی دوسرے کے گناہ یا ثواب نہیں گنتا تھا، اسے صرف اپنی ذات نظر آتی تھی۔

اور کاشان ہمانی جانتا تھا اسکی یہ ظاہری خوبصورتی کچھ نہیں کیونکہ وہ گناہ گار ترین انسان تھا، اور اسکی شاید واحد خوش بختی بھی یہی تھی کہ وہ خود کو گناہ کار مانتا بھی تھا۔

یہاں دنیا بھری پڑی ہے ایسوں سے جو سفاک لوگ گناہ کے باوجود خود کو پارسا سمجھ کر اسی کھوکھلے زعم میں دنیا تباہ اور آخرت برباد کر دیتے ہیں۔

"میں منالوں گی"

بلا کا یقین لیے اسے گہری نگاہوں میں بھرے وہ خفیف سا اترائی تھی۔

آج اس ایک جملے نے کاشان کے ہر درد کا مداوا کیا تھا، کیا وہ واقعی وفا کے لیے اتنا اہم تھا کہ وہ دنیا کو جوتی کی نوک پر رکھنے والی عورت اسے منانے کو بیقرار اور پرجوش ہو رہی تھی۔

زہے نصیب!

"سر کو پھوڑا ہے نہ دامن کو کبھی چاک کیا
عشق میں یہ بھی نہ کر پائے تو کیا خاک کیا
تیری ہر بات پہ ہنستے تو رہے ہیں لیکن
تیری ہر بات نے ہم کو بڑا غمناک کیا"

وہ ایک دوسرے کو تادیر دیکھ نہ پا رہے تھے، دونوں ہی دل زخموں سے چور ہو گئے تھے۔

دونوں کا اک دوجے سے جذبات کی اخیر پکار پر آنکھیں چرا لینا اس صبح کا عاشقانہ، دلبرانہ اور محبوبانہ لمحہ تھا۔

انکے تعلق کے بہت سے کریہہ، دردناک اور خوفناک منظر بہت پیچھے جا سمٹے تھے، محبت اگر سچی لاحق ہو تو دلوں میں صرف نرمی اور چاہت کا جہاں باقی چھوڑتی یا پھر ایک دوسرے سے بچھڑنے کا خوف۔

ان دونوں کو اک دوسرے کا ملال نوکیلے کانٹے سا چبھ رہا تھا۔

وہ تو خود بھی نہ سمجھ پا رہی تھی کہ ایک لمحہ لگا اور اس نے سنگدل کاشان ہمانی کو اسکے ہر جرم کے لیے معاف کر دیا؟ وہ ایسی تو نہ تھی۔

اتنی نرم دل، فراغ دل، اتنی بے بس، اتنی پاگل۔

جس انسان نے اسکے مان اور غرور کی دھجیاں اڑا دی تھیں، اسے گہرے کبھی نہ بھرنے والے زخم دیے تھے وہ آج نا جانے کتنے پاک پانیوں سے دھل کر وفا کے دل میں انتہائی جاذبیت سے اتر گیا تھا۔

"ہم دونوں کی تکلیف لازوال ہے، مرہم بن جائیں؟"

اس بار وہ اسکی گہری دلخراش آنکھوں کی جانب دیکھ کر آس سے بولی تھی، وہ اسے دیکھنا، سننا اور محسوس کرنا چاہتا تھا مگر اس وقت اپنی خطائیں، اپنے سیاہ دل کی سیاہی اور وفا کو تکلیف کے صحرا سے گزارنے کا احساس اسے زخم دے رہا تھا۔

سرخ ڈوروں والی ان آنکھوں نے کاشان کا خفا اور سرد مہر چہرہ دیکھا۔

"اس کے آنے سے یہ بے نور فضایوں بدلی

جیسے بادل کو شعاؤں نے ابھی چاک کیا

ہم نے بھی اوڑھ ہی لی چنری شکیبائی کی

اس نے بھی صبر کو تھک ہار کے پوشاک کیا"

دل کے نہاں خانے میں کشش سلگی تھی، کہ وہ برے ہو کر بھی ایک دوسرے کے لیے اچھے بن رہے تھے، اسے وفا کے آگے ایک بار پھر ہارنا منظور ہی کہاں تھا۔

"میں اچھا مرہم نہیں، صرف اچھا زخم لگاوں گا۔ لگاتا جاوں گا۔ تمہاری سکت ختم ہو جائے گی وفا، اچھا ہے مجھے روٹھا رہنے دو، اس بھرم پر قائم رہنے دو جو میں نے تمہاری سلامتی کے لیے اپنایا ہے"

وہ اسے دیکھ کر، نرمی اور افسردگی سے اپنے ساتھ کی تباہ کاریوں سے وارن کر رہا تھا اور وہ دل جلا سا مسکرا رہی تھی۔

یہ الگ بات کہ اسکی مسکراہٹ نے کاشان کو دکھ دیا تھا۔

"جب میں وہ سب بھولنے کی کوشش پر راضی ہوں تو تم خود کو بھی معاف کر دو"

وہ اسکے بکھر جانے کی درست وجہ جان کر اسکی تھکی سانسوں، بوجھل آنکھوں اور اداس دل کی سرشاری بننا چاہتی تھی مگر وہ اسے قریب آنے سے روک چکا تھا۔

دل میں نہایت تند اور بے رحم لہر اتری تھی۔

"بول اٹھتے ہیں بھری بزم میں تحقیق بنا

آپ کی بات نے ہر شخص کو بے باک کیا

ہم نہ لاڈوں سے پلے اور نہ نازوں سے بڑھے

آتشِ زیست نے ہم کو خس و خاشاک کیا

اتنا بچہ تو ابھی "ح" بھی نہیں لکھ پاتا

حادثوں نے ہمیں جس عمر میں چالاک کیا"

پہلو بدل کر بھی وہ بیقرار تھا، دامن دل میں جدائی کی کاٹ کے ساتھ ساتھ ملن کے صدمے لوٹ کھسوٹ کر رہے تھے۔

"نہیں وفا"

وہ کسی صورت ماننے پر راضی نہ تھا، وفا سب معاملات کچھ دیر بعد حل کرنے کا تہیہ کیے پہلے کاشان کے لیے کچھ کھانے کو بنانا چاہتی تھی تبھی اسکے فرار کو نظر انداز کیے اسکے پہلو سے الگ ہوئی۔

وہ دور ہوئی تو اس شخص نے آس بھری آنکھیں اٹھائے سہم کر دیکھا۔

"کچھ کھاو گے؟"

اس سے پہلے کہ وہ خود کو اس شخص کی الجھی ذات سے توڑ ڈالتی، نظر چرائے اٹھ کھڑی ہوئی، بنا دیکھے ہی پوچھا جو آنکھیں گمائے پلوں میں اپنی کیفیت بدلے تفاخر سے ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے اسکی بنائی کوئی شے دیکھے گا بھی نہیں۔

"میں اتنی اچھی کک تو نہیں لیکن فریال بھابھی کے ساتھ کچن میں وقت گزار کر بہت کچھ سیکھ لیا ہے، کیا تم مجھے اپنی پسند بتاو گے کاشان؟"

کیا وہ واقعی خواب میں نہیں تھا؟ اسے اپنی بینائی پر یقین کرنا مشکل تھا، وہ کتنے پیار سے اس کی پسند پوچھتی تھوڑی متذبذب سی اسے ہی دیکھتے بولی تھی جو جواب کیا دیتا کہ وفا کو دیکھنا، اسکے کسی سوال کے جواب دینے سے کہیں زیادہ فرحت بخش تھا۔

"نہیں بتاوں گا"

وہ اب بھی ضد میں تھا، فوریً نفی میں گردن ہلائے ٹیک لگا کر اپنا فون نکالے خود کو اس میں لگائے بظاہر تو وفا کو اگنور کیا گیا لیکن وہ کچھ دیر دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

اسکا رنج زدہ دل کاشان کو یوں کمزور پڑتا دیکھ بھی نہ سکتا تھا تبھی اسکے واپس غرور میں آنے پر وہ مسکراہٹ روک ہی نہ سکی۔

"بتاو ناں، میں خود بنانا چاہتی ہوں تمہارے لیے لنچ"

تھوڑی سی نرمی اور اصرار ملائے وہ اس بے حس دیکھائی دیتے شخص کو پھر سے مخاطب کر چکی تھی، کاشان نے بھی اخیر ستانے کا تہیہ کیے جنبیش تک نہ دی۔

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، ویسے بھی جانا ہے مجھے اہم کام سے۔ تم زحمت مت کرو"

فون سائیڈ میز پر رکھتا وہ ٹیک ہٹائے تکیہ درست کیے کچھ دیر سونے کی نیت رکھتے وفا کا سیدھا سیدھا دل توڑتا بولا مگر وفا نے کچھ دیر تو کاشان کی بند آنکھیں خاموشی سے دیکھیں مگر پھر خود ہی نا جانے کیا سوجھی کہ جھک کر اپنے بکھرے سنہری بالوں کے لمس کاشان کے سینے پر بکھیرتی اسکے سر کے بکھرے ڈھلکے بال سہلائے اپنے ہونٹوں کی نرم شفا کاشان کی پیشانی پر دھری۔

وہ چاہ کر بھی اس دلفریب لمحے میں آنکھیں نہ کھول سکا، بس اسے اپنی سانسوں تک وفا کی خوشبو گھلتی محسوس ہوئے مسرور کر گئی۔

اسکی جلتی روح کو اس لمس نے سکون دیا، اسے لگا وہ مرتا مرتا جی اٹھا ہے۔

"آج تم کہیں نہیں جاو گے، لنچ، ڈنر سب گھر پر۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ صرف ایک دن تو دے سکتے ہو مکمل جو میرا ہو۔۔۔ آئی پرامسس دوبارہ کبھی ایسی خواہش نہیں کروں گی۔ تم آرام کرو میں تمہارے لیے جا کر اچھا سا کھانا بناتی ہوں"

وہ تھکا سا مسکرائی تھی کیونکہ کاشان نے اسکا بھرم نہیں توڑا تھا، اگر اس لمحے وہ اپنی خطرناک آنکھیں کھول دیتا تو شاید وفا یہ سب کہنے کے بعد ہوش و حواس سے بیگانی ہو جاتی، وہ اسے نرماہٹ سے مخمور لہجے میں تاکید کرتی اگلے ہی پل اپنی بکھری خوشبو ہر سو پھیلائے وہاں سے باہر چلی گئی۔

ان ہیزل گرے آنکھوں نے وا ہوئے ارد گرد پھیلی مہک دیکھی بھی اور محسوس بھی کی۔

"احمق ہیں جو کہتے محبت میٹھی ہے یہ سمندر کے پانی کی طرح کڑوی اور ریزہ ریزہ کر دینے والی ہے"

وہ اسکے جا چکے سراپے کو اب بھی اپنی آنکھوں میں بسائے ہوئے تھا اور کاشان ہمانی بے وجہ ہی سہی پر مسکرایا، ہاتھ بڑھا کر اپنے کشادہ ماتھے کو چھوا، اس محبت کے پہلے بوسے کا گرم سا گدگداتا احساس اب بھی ویسا ہی تھا۔

اور دروازے کی اوٹ میں کھڑی وفا نے اسے مسکراتے دیکھ کر دل کی ہارٹ بیٹ مس ہوتی محسوس کی۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ مسکراتے ہوئے؟

تم اپنے آپ سے بڑھ کر حسین لگتے ہو"

خفیف سا حسین تر مسکاتی وہ خود ہی کو دل کی یہ بازگشت سنواتی وہاں سے چلی گئی۔

آج تو زویا بھی اسکے آنے پر خوش تھی اور پہلی فرصت میں نہال سے ملنے اور ہوسپٹل جا کر عناب کو دیکھنے کی تیاری بھی کر چکی تھی۔

وفا کو کچن میں دیکھ کر زویا خوشگوار سی حیرت کے سنگ وہیں آئی اور چپکے سے وفا کو گھیرے پیار لٹایا۔

خود وفا اسکے یوں کرنے پر مڑتے ہی مسکرائی۔

"تم آئی ہو تو لگتا ہے اسکی زندگی بھی لوٹ آئی، کاشان کی طرح تم میری بھی جان ہو اب وفا۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ اس وقت اسے جسکی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اسکے پاس ہے"

زویا اسکی من موہنی صورت تھامے بہت پیار اور مان سے بولی، وفا نے بھی اعتراف میں سر ہلایا لیکن ابھی بھی وہ اس سے بہت دور تھا، بہت روٹھا ہوا تھا۔

"جی، آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

فرمابرداری سے اقرار کرتی وفا اب اسکی ہلکی پھلکی تیاری کی جانب متوجہ تھی۔

"ہمم۔۔یس۔۔تمہارے بھیو سے ملنے، اور ہوسپٹل جا کر عناب سے بھی ملوں گی۔۔۔"

زویا اسکے تجسس اور حیرت کو بھانپ چکی تھی تبھی پر اسرار سا ہنسی۔

"بھیو سے۔۔۔؟"

وفا کو سوال کرنا ہی پڑا تھا کیونکہ وہ تھوڑی الجھ سی گئی تھی۔

"حیرت زدہ ہو گئی تم، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ میں فرصت سے سناوں گی تمہیں۔ بس اتنا جان لو کہ تمہارے بھیو کو اس وقت ایک اچھے دوست کی ضرورت ہے اور میں بھی تین چار دن سے کسی کی خبر گیری نہ کر سکی۔ تم جانتی ہو میرا آرٹ سکول بھی ہے۔۔۔ اب ساتھ ہیں تو تمہیں سب کچھ پتا چلتا رہے گا۔ خیر ابھی مجھے نکلنا ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اچھے سے وقت گزارو۔ تھوڑا ٹیڑھا ہے لیکن دل کا ہیرا ہے وہ۔۔۔"

ہوا کے گھوڑے پر سوار زویا ایک ہی سانس میں نا جانے کون کون سی روداد سنائے جلدی جلدی نکل چکی تھی لیکن وفا کا تجسس تو قائم تھا پر زویا کی زرا سی فریش کر دیتی کمپنی اس تجسس کو خوشگوار کر گئی تھی۔

وفا نے فی الحال اپنا سارا دھیان صرف کاشان پر مرکوز کیا تھا کیونکہ آج اسکے لیے صرف وہ ہی اہم تھا۔

اگلے دو تین گھنٹے شاید وہ اپنی زندگی بھر کی ساری خوشیاں جی بیٹھی تھی، وہ خود کو گہری، مسلسل اور پر سکون نیند میں اترنے سے روک نہ سکا تھا، کھانا وہ خود بنا کر جب تک روم میں آئی وہ سو چکا تھا۔

مٹھاس سے بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ اسکے پاس آئی، دھیرے دھیرے قدم اٹھا کر، اسکے اک جانب ٹکائے سر کی جانب دیکھا تو کاشان کی بے آرامی وفا کو محسوس ہوئی۔

وہ اگر وفا سے سو کر دامن چھڑوانے پر بضد تھا تو کم از کم طریقے سے تو فرار کرتا لیکن شاید ابھی اس دل جلے کے درد ہی اتنے گہرے تھے جو اسے نیند کی وادیوں میں اتار کر لے گئے۔

وہ بس اسے دیکھ کر سمجھتی رہی، وہ اسے ہر گز نا قابل قبول نہ لگا، ہر طرح راس لگا۔

وہ اسے بنا تنگ کیے چلی گئی، کئی سوچیں تھیں جو وفا کے دامن سے لپٹی رہیں، وہ موسم بہار کے اس خوبصورت ٹھنڈے دن میں ہمانی حویلی کے وسیع و عریض لان میں ان پھولوں سے اس بیچ محو کلام رہی۔

انکی ہر پتی الگ داستان سناتی رہی، وہ پوری حویلی دیکھتے دیکھتے نہ تھکی، کیونکہ آج وہ جو بھی سفر کرتی سہانا تھا۔

وہ تین گھنٹے کاشان کے جاگنے کی منتظر رہی اور پھر نارنجی سی ابر آلود صبح ڈھل کر دھوپ کی کرنیں پھیلاتی حویلی کے گرد و نواح میں روشنی کا شربت انڈیلے زمین زادوں کو بھی روشن سا کر گئی۔ ظہر کی نماز ادا کیے وہ ملازمہ کو کھانا گرم کرنے کا کہتی خود کمرے میں آئی جہاں وہ اب بیڈ پر سیدھے طریقے سے ایک تکیہ سر کے نیچے اور دوسرا منہ پر رکھے گہری نیند میں تھا۔

"کتنا سوتا ہے یہ بندہ"

اتنا سارا انتظار کر کے بھی وہ اسکے انداز پر حسین سا مسکاتی قریب آئی اور پاس ہی بیٹھتے اسکی جاندار بازو کی گرفت میں لیا تکیہ چھینا۔

کمرے کی نرماہٹ سے بھری مدھم روشنی تک کاشان کو بے چین کر رہی تھی تبھی اسکی پلکوں کی خفا حرکت نے وفا کے ہونٹوں پر متبسم سے رنگ بکھیرے۔

"وفا مجھے تنگ مت کرو، یا مجھے باہر جانے دو یا سونے دو۔ تم سے دور رہنے کو میں ساری زندگی بھی سو یا رہ سکتا ہوں لہذا مجھ سے جیت نہیں سکتی تم"

کاشان کی بنا کسی نیند کی خماری میں ڈوبی دھمکی سن کر وفا نے اس بار حقیقی افسردگی محسوس کی، مطلب وہ سویا نہیں تھا بلکے سونے کی نوٹنکی کر رہا تھا۔

وہ اس شخص کی اب بھی ظلم ڈھاتی ذات سے خفا سی ہوئی، کیا وہ وفا کے لہجے، انداز اور فکر سے کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا؟ یہ سوچ وفا کے اندر سوگواری اتار گئی۔

"مطلب تم کب سے مجھے دھوکہ دے رہے ہو، اور میں اس لیے پاس نہیں آئی کہ تمہاری نیند خراب نہ ہو۔ اتنی بھی بے حسی اچھی نہیں کاشان"

اس شخص کے ایسے طویل سر گماتے ٹار چرنے وفا کے ہونٹوں پر شکوہ بکھیرا، وہ افسردگی سے اسکی بند آنکھوں کو تکتی دکھ سا آواز میں بھرے بولی۔

"یار وفا کہہ تو دیا ہے نہیں مانوں گا، نہ ہی تمہارے کسی احسان کو لوں گا۔ تمہارا کیا بھروسہ کہ ان وقتی عنایات کی عادت ڈال کر پھر سے سانس چھین لو میری۔ مجھے مرنے سے کوئی مسئلہ نہیں لیکن بار بار مرنے سے ہے کیونکہ یوں مجھ سے جڑے لوگ بھی مرتے ہیں۔ سو ہم دور ہی رہتے ہیں دو کناروں کی طرح"

بوجھل مگر بھاری آواز کے ساتھ وہ بنا وفا کو دیکھے ہی اٹھ کر بیٹھا اسکی آنکھوں میں اتری نمی کو نظر انداز کیے بہت سخت بول رہا تھا۔

اس بار جب وفا نے اسکا ہاتھ اپنے مرمریں سے بے جان ہاتھ میں لیا تو کاشان نے نہ جھٹکا نہ وفا کو دیکھنے میں جلدی کی لیکن جب نظر اٹھی تو وفا کی آنکھوں کی کرچیوں پر جا ثبت ہوئی۔

"کنارے تو کبھی نہیں ملتے"

تھوڑا خود کو بہتر کیے وہ کاشان کی بہت ناراض آنکھوں میں جھانک کر جتا گئی۔

اور وہ نا جانے کیوں ہر لمس کو آخری، ہر دیدار کو الوداعی اور ہر محبت کو حتمی سمجھ کر ڈرنے لگا تھا۔

محبت کا دماغ میں وہیں وقوف ہے جہاں عادت، نشہ، اکساہٹ اور لذت کا مقام ہے .

سگریٹ، ہیروین، چرس، بھنگ، افیون یہ سارے شوق "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتے ہیں .

کچھ ایسی کیفیت محبت کی بھی ہے یہ آخری بار مل لوں, آخری بار دیکھ لوں, بس یہی آخری لمس ہو گا، کے حصار میں ہی رہتی ہے۔

بڑھ جاتا ہے تشنگی کا دائرہ جب میسر دل و جان سے میسر ہونے لگے۔

"تو ہم کیا کر لیں گے مل کر، بتاو"

وہ کیوں تھم جاتا تھا وفا کے آنسو دیکھ کر، اب بھی نا جانے کہاں سے نرمی لیے وہ اسکی جانب دیکھ کر ایک اہم سوال پوچھ رہا تھا۔

"شاید برے وقت کے لیے کچھ اچھی یادیں جمع کر پائیں، برا وقت تو سب پر آتا ہے"

وہ بھی پہلیوں میں بات کہہ کر کاشان کو دیکھتی دیکھتی نظر جھکا گئی۔

"کیا تم وھاج سکندر کے لیے فیلنگ نہیں رکھتی؟"

نا جانے کیا سوجھی کہ وہ بے وقت سا یہ سوال کیے وفا کو چونکا گیا۔

وہ اسے اجنبی بنی دیکھ کر خاموش تھی۔

"وہ رکھتا تھا میرے لیے اور رکھتا ہے، میں اب تک فیصلہ نہیں لے پائی کہ میں حقیقت میں کس کی ہوں۔ اگر وقت ملتا تو شاید پتا لگوا لیتی کہ کہیں تمہاری تو نہیں"

وہ اسے یوں بکھرا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا، خاص کر وہ جب یوں کھلے عام کاشان کو اہمیت اور محبت کے بہت سے جذبے دان کرتی جا رہی تھی۔

وہ اب بھی کاشان کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھی جو اب وفا کی شفاف گلابی ہتھیلی پر اپنی انگلی پھیرے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"کس کا وقت ملتا؟"

کاشان نے یونہی پوچھ لیا۔

"تمہارا"

وہ یونہی جواب دے بیٹھی۔

دونوں کی نظریں اس ایک لمحے کو مل کر بہت سے درد گھٹا گئیں تھیں۔

"کیا میرا وقت اتنا قیمتی ہے کہ تمہیں چاہیے؟"

وہ جان لیوا بنا وفا کے صبر سے کھیل رہا تھا، اسکے سوال نے وفا کی ہستی ملول کی۔

"میں قیمتی چیزوں کی خاص دلدادہ رہی ہی نہیں"

وہ پھر سے اداس سی نظر جھکا گئی۔

اور وہ چپکے سے مسکرایا۔

ان ہیزل گرے آنکھوں کا مرکز وفا کا دلکش روپ تھا، اس نے تو اب نوٹ کیا تھا وہ موسم بہار کا اجلا پھول دیکھائی دے رہی تھی۔

"میں زبردستی محبت کروا نہیں سکتا تمہئں خود سے، یہ سیکھایا نہیں جا سکتا۔ یہ بہت اونچے معاملات ہیں۔ لیکن ان جھوٹ اور سچ کے جھگڑوں سے بہت پرے مجھے اب بھی اس بات کا سکھ زندگی دیتا ہے کہ میری

اولاد تم جنم دو گی۔ بس میرے لیے لفظ سکون یہی احساس ہے۔ تم پر کبھی بوجھ نہیں بنوں گا اور یہی شاید میری اس ادنی محبت کا ثبوت ہے جو تمہیں اول دن سے ہوس اور وحشت لگی۔ میں اپنے ہر شدید بڑھتے قدم پر افسردہ ہوں، جلد بازی پر نالاں ہوں اور اب اپنی بے بسی پر سراپا رنجیدہ"

بس کچھ ہوا تھا ایسا کہ وہ ہار سا گیا، زرا کروٹ بدل کر ٹھیک سے ٹانگیں لمبی کیے اپنا سر وفا کی گود میں رکھے یہ تھکی سی خوش بختیاں اور معذرتیں پیش کرتا گیا، وفا کا ہاتھ اپنے سینے پر جمائے ویران سے جوابات دے کر خود بھی وفا کو احساس ندامت کے پاتال میں پہنچا گیا۔

وفا نے خود ساختہ ہی دوسرا ہاتھ کاشان کے بکھرے بالوں کی جانب بڑھایا، سر میں انگلیوں کی حرکت کیے اسکے کسی ڈر کی لپیٹ میں اترتے دل تک جھانک لیا۔

"کیا تم تھکتے نہیں زہریلا بول بول کر؟"

کچھ دیر اسکے دل کی ماندسی دھڑکن محسوس کیے، دوسرے ہاتھ سے اسکے سر، چہرے اور گردن تک سہلاتے لمس پہنچائے وہ خاصی ناراضگی سے بولی۔

"ہمم۔۔۔ میں نے تمہیں بہت مس کیا وفا"

وہ پھر سے اسکی بات ٹال کر ہارے لہجے میں اقرار کر رہا تھا، وفا کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔

"کیوں کیا؟ پاس تو رکھنے پر راضی نہیں۔ تو مس کیوں۔۔۔؟"

اسکے اقرار کا بھرم رکھتی وہ اسکے تھکے چہرے کے اک اک نقش کو دیکھ کر روہانسی ہوئی۔

"کیونکہ۔۔۔ تم۔۔۔۔۔"

وہ یہاں بھی تھک ہار گیا، اٹھ کر بیٹھے وفا کی خود پر تنی بے تاب آنکھیں حسرت سے دیکھیں۔

"کیونکہ میں"

وہ خود ہی اس مغرور کے مزید قریب اٹھ کر پاؤں بھی اوپر کیے مکمل مڑ کر روبرو ہوتی سراپا منتظر اسکی آنکھوں میں جھانکی۔

" کیوں کہ تم بہت بری ہو"

یکدم ہی وہ تکلیف میں اترا، وفا سے دامن چھڑواتے اس سے پہلے جاتا، وفا نے اسکی بازو پکڑے روکا اور اپنا سر اسکی کندھے سے ٹکائے، اگلے ہی لمحے اسکی گردن میں منہ چھپائے بلکل اس پہاڑ میں جا سمٹی۔

"ت۔۔تم بھی"

وہ اپنے لبوں کی نرم سی معذرت اسکی گردن پر رکھے سانس لیتی سسکی، وہ محسوس کر رہا تھا اسکے آنسوؤں کی نمی بھی اور گردن اور چہرے تک وفا کی تھکی سی سانس کا پھیلاو بھی۔

"

And All I can think about is that I need you. I need your loving arms around me, hold me, hold me and whisper calmly that we will find a way to live together

میں صرف اتنا سوچ سکتی ہوں کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ مجھے اپنے ارد گرد تمہارے پیار سے پھیلائے) بازو درکار ہیں، مجھے تھام لو، پکڑ لو اور اک پر سکون کرتی سرگوشی کرو کہ ہم ایک ساتھ رہنے کا راستہ تلاش " (کریں گے۔

وہ خود بھی ہار رہی تھی اور اس شخص کو بھی بے بس کر رہی تھی۔

کاشان کی محبت سے پھیلائی بازو وفا کے نازک وجود کے گرد حائل ہوتی گئیں تو وہ آزردہ سا سہی پر مسکرائی، کاشان کی گردن میں ہنوز منہ چھپائے لبوں کی نرم مہر پھر سے دھری۔

"And all I can think of is that I have to sacrifice for your needs, I have embraced you with my arms outstretched with love, I hold on, and whisper calmly that we will find a way to live together.

اور میں صرف اتنا سوچ سکتا ہوں کہ مجھے تمہاری ضروریات کے لیے قربانی دینی ہے، مجھے تمہارے گرد) میرے پیار سے پھیلے بازو منظور ہیں، میں تھامتا ہوں، اور پر سکون انداز میں سرگوشی کرتا ہوں کہ ہم ایک ساتھ رہنے کا راستہ تلاش کریں گے۔ ("

اسے احساس سکون کی مانند قریں تر رکھے ہی وہ وفا کی اور جھک کر اسکی نم نم بھیگی آنکھیں باری باری ہونٹوں سے چھو کر اسکی کوشش میں ہم قدم بن گیا تھا۔

"اب جا کر کھانا لگاو، ہو سکتا ہے حلق سے اتر جائے۔ میں تھوڑا فریش ہو کر آتا ہوں "

چاہت کے ساتوں رنگ یہ جملہ ادا کرتے اس شخص کے لہجے میں اتر آئے، وہ نہ صرف خود اٹھا بلکے وفا کو بھی شانوں سے پکڑے اپنے روبرو کیے کھڑا کیا جو جذب سے کاشان کے یہ نرم بادل اور ہوا کے روح چھو لیتے لمس کی مانند رنگ دیکھ کر اپنے ہر کرب کا ازالہ ہوتا محسوس کر رہی تھی۔

"م۔۔میں تم سے محبت کرنا چاہتی ہوں، کچھ دیر ہی سہی۔ تا کہ جب تم م۔۔۔ جھ سے دور ہو جاو تو میرے دل اور دماغ کا اس باعث سکون بنے رہو کہ میں نے جس سے محبت کی وہ لائق تھا۔ اچھے تو سبکی پسند اور محبت بنتے ہیں، ہم برے یہ روایت تبدیل کر دیں گے۔ تم کچھ ظلم میرے معاف کر دینا، کچھ میں تمہارے کر دوں گی"

وہ آج کے دن کا ہر لمحہ اس شخص کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی، نرم ہتھیلوں کی جان پرور ٹھنڈک کاشان کے چہرے تک پہنچائے اسکی اب بھی کسی ان کہے بوجھ میں ڈوبی دل اور روح قبضے میں کر لیتی آنکھوں میں جھانک

کر بولی جو اور تو کچھ نہ کر سکا مگر اسے اپنی آغوش کے پر لطف، نرم، مگر شدت پسند حصار میں لیے خاموشی سے وفا کے سوال کا جواب دے گیا۔

آفرین تھی وہ محبت جو اک بے رحم کو رحم دل اور ایک نخوت پسند کو فقیر کر گئی۔

وہ اسکی سانس سانس اترتی سر شاری کا معترف تھا، وہ تو تب بھی اسکے نرم حصار میں شانت تھی جب کاشان کی قربت اسکے لیے اذیت تھی، اب تو وہ راس تھا اسے، دل و جان سے۔

وقتی ہی سہی ان دونوں کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ آب حیات کی مانند لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

ہوٹل میں وہ سیدھے طریقے سے ہرگز نہیں آسکتا تھا تبھی ویٹر کا بہروپ بدلے وہ مہکار کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا، کیا خبر تھی اسے جس عورت کا دیدار اپنی آنکھوں کے لیے ممنوع کر دیا تھا، آج پھر اسی کا سامنا کرنے کی مجبوری نے اسکے قدموں کو مہکار کے در کا راستہ سونپا۔

آسمانی شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے وہ سر پر ہیٹ لیے ہاتھ میں پکڑے ٹرے پر رکھا جوس کا گلاس تھامے عین مہکار والے کمرے کے سامنے رکا۔

یہاں وہاں محتاط ہوئے نگاہ ڈالی اور پھر دستک دی۔

دوسری ہی دستک پر دروازہ کھل چکا تھا، مہکار جو کہ روم سروس ہی سمجھ کر دروازہ کھولے خود بیڈ کی جانب رکھے بیگ کی جانب مڑی، اسکے نکھرے خلیے اور اجلت سے واقع تھا کہ وہ کہیں جانے والی ہے۔

یکدم دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز پر مہکار نے چونک کر دیکھا تو وہ آدمی دروازے کو بند کیے ٹرے میز پر باقاعدہ پٹخ کر اپنے سر پر لی ہیٹ اتارتا دو سیکنڈ میں مہکار کی جانب بڑھا جو اپنی جگہ تھم چکی تھی۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ تھا، وہ فارس شاہ ہی تھا؟ مہکار کو لگا اسکی سفاک آنکھیں جھپکنا بھول گئیں ہوں، لیکن فارس اسے جس حقارت سے دیکھ رہا تھا ایسی نظر کی تو وہ عادی نہ تھی۔

"ت۔۔۔ تم۔۔"

بیگ سے توجہ ہٹاتی وہ اسکی جانب دیکھ کر اپنی آواز کپکپانے اور لہجہ تاریک ہونے سے روک نہ سکی۔

"مجھے لگا تھا تمہارے اندر مجھے لے کر نہ سہی لیکن کسی کے لیے تو انسانیت یا رحم دلی کا احساس موجود ہو گا، اجڑ کر چین نہیں آیا تمہیں کہ ان دونوں کی زندگی اور دل اجاڑنے پر اتر آئی ہو۔ جو ہوا وہ ماضی تھا، گزر گیا لیکن

تم ان دبی چنگاریوں کو ہوا دینے کی سنگین خطا کر رہی ہو اور یاد رکھنا اس بار معاملہ ہم دو کا نہیں کہ تمہیں اتنی آسان خلاصی ملے گی، اب سچ میں فارس شاہ تم سے تمہاری ایک ایک سانس چھین لے گا"

بنا اس ناپسند بھلائی جا چکی عورت کے چہرے پر درج ان کہے ملال کو چنداں اہمیت دیتا وہ نفرت سے لہو چھلکاتے لہجے میں پست سا دھاڑا، اسکی آواز مضبوطی کے باوجود لرزی جو اسی اندرون کیفیت کی ترجمان تھی۔

وہ کچھ بولنے کے لائق بچتی تو لفظ ادا کرتی، اسے تو کسی جادوئی بے بس کرتے حصار نے بھینچ لیا تھا۔

"عون نے جو کیا تھا اپنی طرف سے بہترین کیا تھا، بجائے اس کے کہ تم شکر کرتی، تم نے ناشکری کی اور یہ اللہ کو ناپسند ہے۔ تم ڈرتی کیوں نہیں کہ خدانخواستہ اگر تم نے تمہاری واحد خوشی یوآن چھین لی گئی۔۔۔ کیا تمہیں اب بھی خود پر ترس نہیں آرہا، تم اب بھی ایک جنگ لڑنے پر تلی ہو۔ مجھے بتاو آخر تم یہ فساد کیوں ڈال رہی ہو"

وہ پھر سے خفگی سے اسے ڈپٹتا بول رہا تھا اور وہ اپنے آپ سے بیگانی بس نم ہوتی آنکھوں کا بھرم رکھنے پر سارے آنسو پی رہی تھی۔

"میری ہر عبادت، ہر بھلائی، ہر نیکی رائگاں جا رہی ہے، میرے ہاتھ سے کچھ بہتر ہو اب یہ قدرت بھی نہیں چاہتی۔ قفل لگ گیا مجھ پر، تم نے نجس بنا دیا اپنے آپ سے نجات دے کر۔ میں نے ہمیشہ تمہاری موت جانتے ہو کیوں مانگی تھی، تاکہ نجات کے بعد حقیقی نجات ملے۔ لیکن تم نے مجھے نجات نہیں دی بلکے اور بدترین بنا دیا"

وہ اسکی مہربان صورت پر لکھے بے شمار درد آج صاف صاف دیکھ رہی تھی، یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ اب وہ زندہ نہیں تھی، اسکی رہی رہی زندگی فارس شاہ کے ساتھ بنے تعلق کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی۔

فارس نے بے یقینی اور افسوس سے مہکار کو دیکھا، وہ اسے آج بھی سمجھ نہ سکا تھا۔

"یہی تمہاری سزا تھی کیونکہ تم اسی لائق تھی، تمہارے لیے میں کیوں جان واروں اپنی۔ زندہ درگور تو ویسے بھی کر چکی ہو، کم از کم کھوکھلا ہی سہی مگر اس جسم کی سلامتی کا بھرم لیے میں اب اپنی زندگی کے بچاؤ کی آخری دم تک کوشش کروں گا۔ تمہیں اجڑ کر تڑپتا دیکھنا پڑا تب بھی دیکھوں گا، تمہیں سسکتا ہوا دیکھنا بھی قبول ہے اب۔۔۔۔ یہاں گڑے مردے اکھاڑنے نہیں آیا، عون اور منیہا کی جان بخشی کی کیا قیمت لو گی وہ بتاؤ؟"

وقت پلٹ چکا تھا، اب تڑپانے والے خود تڑپ رہے تھے۔

نو سال تک اس شخص نے اسکی محبت میں اکھڑی، مر مر کر، تڑپ تڑپ کر سانس بھری تھی، نو سال تک اسے اپنا بنانے کی لگن لیے وہ کانٹوں پر چلا تھا لیکن آج وہ زندہ سلامت، مغرور، سنگدل اور لاپرواہ بنا یہاں مہکار کو اسکی حقیقی جگہ بتا چکا تھا۔

وہ اپنی بدقسمتی پر جتنا رو اور ہنس سکتی تھی، سب کر چکی تھی۔

اسے پتا تھا فارس شاہ اس سے جلد یا بدیر قیمت طے کرنے ضرور آئے گا۔

"قیمت بہت بڑی ہے، تم سے ادا نہیں ہو گی"

اپنے کرب کو ہر ممکنہ دبائے وہ سوداگر بنی ذرا قریب آئی مگر فارس کراہت سے یوں پیچھے ہٹا جیسے اس عورت کا سایہ بھی اچھوت ہو۔

مہکار کو یہ لمحہ موت سے بھی زیادہ اذیت ناک لگا۔

"تم قیمت بتاؤ، ادا کرنا یا نہ کرنا بعد کا معاملہ ہے"

فارس کا سپاٹ جواب سلگ کر آیا۔

"قیمت تم ہو"

مہکار کی زبان یہ کہتے زرانہ کانپی لیکن زمین کی ساتویں تہہ تک لرزش اتری، خود فارس شاہ کو لگا آسمان اسکے سرپر آن گرا ہو۔

"کیا مطلب ہے اس بکواس کا؟"

اسکا بس نہ چلا مہکار کا منہ توڑ ڈالے، بہت ضبط سے وہ اس واہیات مطالبے پر ضبط سے کام لیے پوچھتا استفہامیہ نظریں مہکار پر گاڑ گیا۔

"واپس آجاو میرے پاس، نو سال کی یہ جنگ ختم کرتے ہیں۔ یہی نہیں اس کے بدلے میں تمہیں پائزن کی حقیقت بھی بتاوں گی۔ اور عون اور منیہا کا پیچھا بھی چھوڑ دوں گی۔ یہ سب میں صرف تمہارے بدلے کروں گی"

مہکار کے پرسکون انداز کے برعکس فارس شاہ کی بصارت آگ سی بھڑکی وہیں وہ اس عورت پر جس کینہ کے سنگ نظر ڈالتا استہزایہ ہوا وہ مہکار کی شاطر سی مسکراہٹ نوچ دینے کو کافی تھا۔

کیا وہ عورت اسے اتنا بیوقوف اور سستا سمجھ بیٹھی تھی۔

"میں چاہیں ہوں تمہیں؟ میں۔۔۔ فارس 'شاہ۔ جسے بے موت مار چکی ہو۔ کیا میں کوئی بے جان کھلونہ ہوں تمہارا؟ کیا میں تمہارا زر خرید غلام ہوں؟ کیا میں تمہارے نام پر اب بھی بیٹھا بد دماغ عاشق ہوں۔۔۔ ہاہاہا مہکار تم نے تو یہ جوک سنا کر میرے غصے کو کہیں دور روانہ کر دیا"

فارس شاہ کی طنزیہ دل جلی مسکراہٹ اس وقت مہکار کی زندگی پر پڑتا موت کا سایہ تھی، وہ خالی ہاتھ کھڑی تھی اور اسے محسوس ہوا کہ اس پر صرف فارس نہیں ہنسا بلکے وہ سارے پرندے ہنسے ہیں جو اسے نجس قرار دے کر اسکی موجودگی تک سے بچ کر فرار ہو گئے تھے۔

وہ یہ سب ناجانے کس احساس کے تحت کر بیٹھی تھی، اسے یہ لمحہ منحوس لگا جب وہ شخص اسکی توہین کیے مسکرا رہا تھا۔

"ہمارے بیٹے کو ہماری ضرورت ہے، ورنہ وہ یونہی دربدر ہوتا رہے گا۔ بس یہی وجہ ہے"

اپنی انا پر لگتے روح دہلاتے وار نے اسے ہوش میں واپس لایا مگر فارس اسکے جواب پر اسے خونخوار ہوئے گھورا، وہ تو صرف اس شخص کی اذیت ناک نرم نگاہیں ہی سہتی آئی تھی، اسے فارس کا یہ وحشی انداز کاٹ رہا تھا۔

"واہ۔۔۔ واہ مہکار بی واہ۔ اب خیال آیا ہے تمہیں اس ننھی جان کا۔ اسے صرف اپنے بابا کی ضرورت ہے اور شاید فارس شاہ جو اب جینے پر بضد ہے تو بس اسکے لیے۔ میری خواہش ہے کہ اس وحشی دنیا سے دور پہاڑوں پر گھر ہو میرا جہاں میں یوئی کے ساتھ آباد ہو جاوں۔ اسے اسکی ڈال دے کر ان دو کی خوشیاں دیکھ کر اپنے سارے دکھ اسی گھر کے باغیچے میں دفنا دوں۔۔۔ ہماری زندگی میں اب کسی مہکار کی ضرورت نہیں۔ تم بدلہ لینا چاہتی ہو عون سے۔۔۔۔۔"

وہ اسکی آنکھوں میں جھانک کر ایک ایک لفظ سے قیامت ڈھا رہا تھا۔

وہ بھی مر رہی تھی پر اسے کہہ نہیں سکتی تھی۔

"تم لو بدلہ۔۔۔ میں حفاظت کروں گا عون اور منیہا کی۔ تم اتنا گرو جتنی تمہاری حد ہے گرنے کی۔ اب تمہارے مٹی میں مل کر غرق ہونے پر فارس شاہ کا دل نہیں کانپے گا۔ میں تمہاری بربادی اپنے ہاتھ سے طے کروں گا۔ رہی بات پائزن کے سچ کی تو مجھے اب تمنا بھی نہیں اسکو جاننے کی۔ وہ تو خود لگتا ہے تم سے بیزار آگیا تبھی اتنی جلدی آزادی دے دی۔۔۔ چچ چچ۔ اس پائزن نے ایک کام تو ڈھنگ کا کیا، تمہیں تمہاری

اوقات میں لے آیا۔ کہا تھا تم فارس شاہ کے سوا کسی در کی نہیں، اب جو کر سکتی ہو کر کے دیکھ لو۔ تم نے مجھے جیتے جی مارا تھا، میں تمہیں ان ہاتھوں سے حقیقت میں مار دوں گا"

لفظوں کے زہریلے تماچے اس عورت پر برسائے وہ شاید زندگی بھر کا غبار نکال کر اس کے اور اپنے بیچ فاصلہ بڑھا گیا، مہکار کی آنکھوں سے چند بے بس آنسو ٹوٹ کر اسکی رخساریں نم کر گئے لیکن وہ پتھر بنی اتنی ہمت نہ کر سکی کہ چینخ پاتی۔

"تم مجھے نہیں مار س۔۔سکتے، اس کے لیے نفرت ہونا ضروری ہے۔ جس دل میں مہکار کی محبت نے کئی سال بسیرا کیا تھا وہاں نفرت کیسے۔۔۔ آ آسکتی ہے"

مہکار کی تڑپ اور تکلیف اسکی لرزتی زبان پر آن سمٹی، وہ بھی اک پل مہکار کو دیکھ کر دہل سا گیا۔

"ٹھیک ہے، آزما لیتے ہیں۔ اب ایک میدان حشر سجے گا۔ تم اپنا آخری شر پھیلاو جتنا پھیلا سکتی ہو۔ میں بھی وقت پر اپنی نفرت کا ثبوت دوں گا تمہیں"

اپنی کمزور پڑتی کیفیت سے دانستہ نظر چراتا وہ یہ روح و جان کھینچتی ملاقات ختم کرتا جیسے آیا ویسے ہی اسے وہیں پر ساکت چھوڑے چلا گیا، مہکار کی پہنچ سے دور۔

"تم مجھ سے نفرت ن۔۔نہیں کرتے، اور یہ جاننے کے لیے میں یہ کھیل ضرور کھیلوں گی۔ اگر تم مجھ سے واقعی نفرت کرنے میں کامیاب ہوئے تو میں تمہارے ہاتھ اپنے خون سے گندے ہونے نہیں دوں گی فارس شاہ۔ خود مروں گی، اور مہکار کی دائمی سزا یہی ہو گی کہ اسکی بے موت مرتی لاش رکھتی قبر پر فارس شاہ درج نہ ہو گا"

وہ پڑ چکی تھی سیاہ گلی کے رستے میں، اس پر ٹوٹ پڑا تھا عذاب، اسے آزمایا جانا تھا اب، اسے فارس شاہ کو توڑنے کی سزا دی جانی تھی۔

کھیل ختم ہونے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا آپ واقعی یو آن کو بخاری ولا بجھوانے والے ہیں"

آئینے کے سامنے کھڑے اس پراسرار انسان کی پرچھائی دیکھائی دے رہی تھی جب مودب کھڑے خیر دین نے آہستگی سے استفسار کیا۔

"ہاں خیر دین، وہ بچہ یہاں رہ کر سہم سا جائے گا۔ اس وقت اسکا اپنے پیاروں کے پاس جانا ہی بہتری ہے۔ تم اپنے کسی بھروسے مند آدمی کو ساتھ بھیجوادو۔ یو آن کو باہر ہی چھوڑ کر واپس آجائے گا وہ اور ہاں فارس شاہ تک یہ خبر پہنچادو کہ اسکا بیٹا واپس اسکے محافظ کے پاس جانے والا ہے"

وہ نرم لہجے کے حامل انسان شاید خود بھی کہیں جانے کو تیار تھے تبھی سرسری سی نرم، مدلل اور تفصیلی وضاحت دیے مڑ کر اپنا بھاری ہاتھ خیر دین کے کندھے پر جمایا جو سر ہلائے فرمابرداری سے انکا حکم سن کر سمجھ بھی گیا۔

"اور آپ؟"

خیر دین کے تاسف سے کیے سوال پر مقابل ٹھہرا ہوا سکوت ہی قائم رہا۔

"میرا سفر طویل ہے، میں جلد آجاوں گا"

اسے مطمئین کیے وہ اور انکی پرچھائی وہاں سے اوجھل ہوگئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"امید ہے تنگ نہیں کیا ہو گا؟۔ کیا میں آ جاوں"

آتے سمے وہ نہال کو کال کر چکی تھی جس پر وہ انھیں گھر کے بجائے کہیں باہر ملنے کو بلا چکے تھے، غیر معروف سڑک کے کنارے، اکا دکا زندگی کا وجود رکھتے لوگوں کی چہل پہل کے بیچ جو یقینا قبر نشینوں کے ہی ملاقاتی تھے۔

قبرستان کے احاطے سے کچھ ہی دور لگے سیمنٹ کے بینچ پر ٹیک لگا کر وہ سر پر سایہ کرتے بہت بڑے جامنو کے درخت تلے بیٹھے کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے تھے جب ڈھارس بندھاتا لہجہ لیے وہ انکی سوچوں اور فکروں کے حصار میں داخل ہوتی اجازت لیے پاس ہی بیٹھی۔

دھیمی دھیمی دھوپ نکلی ہوئی تھی، دن چڑھا تھا مگر موسم بہار کی رنگینی نے دن کو اک نرم سی چادر میں لپیٹ کر نرماہٹ سونپ رکھی تھی۔

وہ بہت کمزور اور پریشان حال تھے، تنہائی کے چند دن کاٹ کر ہی تھکے تھکے، نیلی آنکھیں عجب سے سرخ پن کے حصار میں تھیں۔

"کاشان کیسا ہے اب؟"

زرا سرسری سی زویا پر نظر ڈالے نرمی سے استفسار کیا تو وہ بھی انکو دیکھ کر تسلی آمیز مسکائی۔

"الحمد اللہ بہت بہتر ہے، باقی کی بہتری وفا کی موجودگی سے متوقع ہے۔ اسے جب کوئی تکلیف ہوتی ہے تو میں چاہ کر بھی کسی اور کو نہیں سوچ پاتی۔ بہت حساس ہوں اسکے لیے، کیونکہ میرے لیے وہ میرے بیٹے جیسا ہے"

زویا کے لہجے میں کاشان کی محبت خود ہی عود آتی تھی، نہال نے اسے اس بار تھوڑی افسردگی سے دیکھا۔

"کیا تم نے اس عائش کو بھی ایسے ہی محبت سے پالا ہے؟ میری عناب کو اس درندے نے نوچ لیا۔۔۔۔"

نہال کی پرنم آنکھیں اور اس میں ڈھیر سی تکلیف نے زویا کو بھی بوجھل کیا۔

"ہرگز نہیں نہال، عائش کی پرورش میری ماں نے کی تھی۔ وہ بھلے ماں ہیں لیکن مجھے ان سے نفرت ہے۔ عائش سے بھی نفرت ہی ہے مجھے، جتنی تکلیف میں آپ ہیں اتنی میں ہم بھی ہیں"

وہ نہال کی آنکھوں کی اجنبیت پر صفائی دے رہی تھی لیکن وہ سچی تھی اسکا بھی نہال کو یقین تھا۔

وہ اک مشکل سی سانس کھینچ گئے، چہرہ بھی پھیر لیا۔

گویا آنکھ بہتے آنسوؤں کی بوندیں دل پر گرنے لگی تھیں، رگ رگ میں الم و غم کا کہرام برپا تھا۔

"وہ معصوم بچی تھی زویا، جسے کچھ بھی پتا نہیں تھا۔ جس نے اپنے بھیو کی محبت اور پیار کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا۔ جس نے درد کے نام پر صرف سانس رکتی محسوس کی تھی، ابھی تو وہ اتنی ناسمجھ تھی کہ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا کہ اپنے ظالم بابا سے نفرت کرنی ہے۔ اسے دیکھ کر، مل کر، اپنے سینے سے لگا کر دو حرف معافی کے کہنا موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے میرے لیے۔ ابدال سچ ہی کہتا ہے کہ اب وہ کیا کرے گی بابا کا، اب کس قابل اسکے یہ ناکارہ بابا"

تین دن کی خاموشی، اذیت اور ملال پھٹا تو وہ اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو روک نہ پائے، زویا کی بھی جان نکلی تھی، اس شخص کو اتنے کرب میں مبتلا دیکھ کر۔

"ایسا ک۔۔ کیوں کہہ رہے ہیں آپ، یہاں دیکھیں۔ وہ جتنی بھی بڑی ہو جائے اسے بابا چاہیں۔ ایسے بکھر جائیں گے آپ تو ان پھولوں کو کون سمیٹے گا۔ آپ کو ہمت کرنی ہے۔ صرف عناب کا سوچنا ہے۔ آپ کو یوں آنسو بہاتا نہیں دیکھ سکتی نہال، پلیز مت روئیں"

ہاتھ بڑھا کر بہت نرمی سے وہ رخ پھیر کر نہال کی جانب ہو کر بیٹھے اس شخص کی آنکھوں سے نکل کر بڑی شیو میں جذب ہوتے آنسو اپنی ہتھیلئ میں سموئے مگر وہ کیا کرتے، کہاں سے لاتے یہ صبر، یہ دکھ تو انکو دیمک کی طرح کھا رہا تھا۔

"ہر روز ہادیہ خواب میں آکر مجھ سے سوال کر رہی ہے زویا، کہ میں نے اسکی آخری امانت کیوں روند دی۔ و۔۔وہ مجھ سے ناراض ہے، وہ بہت تکلیف میں ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے درد میں ہے۔ میں کیا کروں زویا، میں کیسے خود پر لگے یہ داغ مٹاوں۔ میں کیسے سامنا کروں ان دو کا، میں بہت بے بس محسوس کر رہا ہوں خود کو"

وہ اسے بکھرتا دیکھنے پر مجبور تھی، کیا کرتی کہ نہال بخاری کو سمیٹنے کا کوئی حق نہ رکھتی تھی۔

" چلیں میرے ساتھ، ہم ملنے چلتے ہیں ان دو سے۔ ہر بے بسی اور تکلیف بھول کر آپ ہمت کریں۔ میں ہوں آپکے ساتھ"

شاید نہال کو اس کیفیت سے نکالنے کا واحد حل یہی تھا کہ وہ اسکی ہمت بن جاتی۔

وہ اٹھی اور اپنا ہاتھ اس اجڑے شخص کی جانب امید کے سنگ بڑھایا۔

"مجھ میں سکت نہیں زویا"

وہ اخیر بے بس تھے۔

"میں ہوں ناں ساتھ، آپکو گرنے نہیں دوں گی"

بلا کا یقین لیے وہ نہال کو زندگی تھما چکی تھی۔

وہ بنا سوچے اسکا ہاتھ تھام کر اٹھے، وہ ساتھ چلتی ہوئی نہال کا ہاتھ ہرگز نہ چھوڑ سکی تھی۔

اسے اس بکھرے شخص کی کم از کم اتنی سی مسیحائی ضرور کرنی تھی کہ وہ راتوں کو سکون سے سو پاتا، اسے اپنے بچوں کے دکھ کھانا بند کر دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"واٹ۔۔۔ ان بیلیو ایبل۔۔۔ وہ تم سے ایسی ڈیمانڈ کرے گی میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا فارس"

فون کان سے لگائے وہ اس وقت عناب کے کیس کی فائیل ہی دیکھ رہا تھا جب مقابل منتشر لہجے میں بے قرار کرتی یہ خبر عون تک پہنچی۔

"لیکن مجھے پتا تھا، میں نے بھی صاف کہہ دیا، جو کر سکتی ہے کر لے۔ یہ سب چھوڑو۔ تمہیں ایک اہم اطلاع دینی تھی۔ یوئی تمہارے گھر کچھ دیر تک پہنچ جائے گا۔ اب اسکا خیال رکھنا۔ مجھے اب کچھ دن شرافت دیکھانی پڑے گی کیونکہ مزید کچھ کیا تو پائزن کی نظر میں آجاوں گا۔ مجھے اسکے خلاف ایک زبردست پلین بنانا ہے۔ اس میں ایزل میرے ساتھ ہو گی۔ ہم پائزن کو بہت جلد بے نقاب کرنے کی ایک آخری کوشش کرنے والے ہیں"

سرسری سی خفگی دباتا وہ اصل مدعے کی طرف لوٹ کر عون کو یہ خبر دے کر خاصا حیرت زدہ کر چکا تھا۔

"ایک منٹ۔۔۔ یوآن کہاں تھا؟ وہ آدمی کون ہے جو بیک وقت پر معاملے کے پیچھے ہے"

عون کو شدت سے تجسس تھا کہ آخر اس سارے کھیل میں یہ پر اسرار کردار کون تھا۔

"وہ شاید کوئی انسان نہیں، پائزن ہی کی طرح کی ایک طاقت بھی ہو سکتی ہے عون۔ ہمیں علم نہیں نہ کبھی پتا چل سکا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں وہ نہ تو پائزن کے خلاف کام کرتے لوگوں کو نقصان دیتا ہے نہ اسکے ساتھ مل کر معافیہ کا حصہ بن کر اس نیٹ ورک میں شامل لوگوں کی غیر ضروری مدد کرتا ہے۔ اگر مختصر کہوں تو وہ صرف اسی معاملے میں شامل ہوتا ہے جس میں اسکا دل مطمئین ہو۔ اور وہ انسان جو بھی ہے، یقیناً پائزن سے لے کر اسکے وفاداروں اور غداروں سبھی سے واقف ہے"

اپنے گھر ہی کی مرکزی بالکونی میں کھڑا دور افق کے پار دیکھائی دیتے پہاڑوں پر نظر جمائے فارس نے اپنے علم میں آتی یہ باتیں عون کے گوش گزار کیے اسے گویا جنجھلا کر رکھ دیا تھا۔

آخر یہ کیسا کھیل تھا، یہ کون لوگ تھے جو گہرے راز بن کر دماغ کو پاگل کر دینے پر تلے تھے۔

"ہمم اگر ایسا ہے فارس تو وہ انسان کبھی پائزن کو بے نقاب ہونے نہیں دے گا، جب تم خود کہہ رہے کہ وہ پائزن ہی کی طرح طاقتور ہے۔ سوچو اگر وہ دونوں طاقتیں پہلے ہی گٹھ جوڑ کر چکی ہوئیں تو ہم سبکی لاکھ پائزن کو بے نقاب کرنے کی کوششیں بھی بے کار جائیں گی۔ میری مانو تو تم اس سب سے خود کو نکال دو۔ ختم کر دو یہ خونی جنگ اور اپنے یوئی کے ساتھ پہاڑوں پر بس کر اک پر سکون زندگی جیو"

شاید یہ فارس شاہ کی اس ایک اور کوشش میں شامل ہونے کی لگن تھی جس نے عون کو کئی ان کہے خدشوں میں مبتلا کیا تھا، یا شاید وہ یوآن کی حفاظت سے ڈر گیا تھا۔

یہ بہت مشکل فریضہ تھا، اور پھر ایسی گمنام معافیہ پاوورز سے لڑنا ایک بیوقوفی تھی۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جس دن فارس شاہ، پائزن کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جائے گا وہ دن اس شخص کی زندگی کا بھی آخری دن بنے گا۔

"رہی بات ان دونوں کیسیز کی تو میں اپنی پوری جان لگا دوں گا، یہ جنگ کم از کم نہ خود ہاروں گا نا کسی کو ہارنے دوں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں یوئی کے لیے تمہاری زندگی محفوظ رہے۔ بابا بھی ایک مدت سے پائزن کو بے نقاب کرنے کی کوشش میں اپنے کئی لوگ قربان کر چکے ہیں لیکن کچھ نہیں ملا۔ مجھے نہیں لگتا اس تلاش کا سفر ختم ہو گا کبھی"

عون بخاری کے لہجے میں پنپتی مایوسی فطری تھی، وہ خوامخواہ کی اس فضول جنگ میں اب مزید اپنے کسی قریبی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"تم ایسی باتیں کیسے کر سکتے ہو، یہ جنگ تمہاری بھی ہے عون۔ فی الحال تو اس مہکار سے نمٹ لیں۔ پھر تمہاری اس پیچھے ہٹنے کی جرت پر الگ کلاس لوں گا یاد رکھنا۔ یوئی کو اسکی ڈال سے لازمی ملوا دینا، میں وقت نکال کر موقع ملتے ہی ملنے آوں گا"

فارس اسے خفیف ساڈپٹے چند ہدایات دیے کال تو کاٹ چکا تھا مگر عون کے چہرے پر پھیلا انتشار اسکے ناجانے کون کون سے خوف کا ترجمان تھا۔

کسی گاڑی کے ہارن پر وہ سٹڈی سے باہر نکلا تو منیہا اور فریال صاحبہ لاونج میں ہی بیٹھیں عناب کے لیے پرہیزی کھانا اور اسکا سوپ ریڈی کروا رہی تھیں۔

عون کو اجلت میں باہر نکلتا دیکھ کر منیہا بھی پیچھے ہی لپکی۔

دروازے کے پار ہی کوئی سیاہ گاڑی، یوئی کو گھر کے پاس ڈراپ کیے مڑ چکی تھی۔

اندر داخل ہوتے ہی یوئی بے قرار سا دوڑ کر اسکی راہ میں بیٹھ کر بازو پھیلاتے عون تک پہنچا اور اس سے روتا ہوا جا لپٹا۔

اپنی حفاظت میں آتی اس ننھی جان کی سلامتی نے عون بخاری کو پر سکون کیا۔

منیہا بھی جب تک باہر آئی، عون اور یوئی کو لپٹ کر ملتا دیکھ کر اداس سا مسکراتی قریب ہی چلی آئی۔

"یوئی۔۔۔ تم ٹھیک ہو ناں۔ اللہ کا شکر ہے تم واپس آ گئے۔ مجھے معاف کر دو تمہارے بڑی تمہاری حفاظت نہیں کر سکے"

یہ یقین کرنا اس وقت عون کے لیے بہت مشکل تھا، اسکی مضبوط آواز بہت بھاری ہو چکی تھی۔ یوئی بھی جواب میں خاصا جذباتی ہوئے سر ہلا کر منظر تک دلخراش کر چکا تھا۔

"م۔۔ میں ٹھیک ہوں بڑی۔۔۔ عناب کدھر ہے۔ م۔۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔ وہ کیسی ہے اب۔ ان انکل نے کہا تھا وہ تھوڑی بیمار ہے"

عون کی تکلیف بھانپے وہ خود ہی ننھے ننھے ہاتھوں سے اسکا چہرہ چھوئے صرف عناب سے ملنے کو بیقرار تھا، اسکی تڑپ منیہا اور عون دونوں نے محسوس کی۔

"ہمم۔۔ چلتے ہیں اس سے ملنے۔ لیکن وہ انکل کون تھے؟ نام کیا تھا انکا؟ اور تم انکے پاس کیسے پہنچے"

یوئی کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے اندر لاونج تک لایا اور اٹھا کر صوفے پر بیٹھائے خود بھی ساتھ ہی بیٹھے اسکا ہاتھ تھامے استفسار کیا۔

یوئی نے ناسمجھی سے باری باری منیہا، فریال اور پھر عون کو دیکھا جو تینوں ہی یوئی کی جانب دیکھ کر سراپا منتظر تھے۔

"وہ۔۔۔ وہ شاید بھاگتے ہوئے میں انکی گاڑی سے ٹکرا گیا تھا بڑی تو وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ وہ سب کو جانتے تھے، بابا کو، وہاج بھائی کو، عناب کو بھی۔ وہ بہت آہستہ اور پیار سے بول رہے تھے م۔۔ میرے ساتھ۔ مطلب اچھے والا۔ وہ تھے بھی اچھے، انہوں نے پرامس پورا کیا اپنا اور مجھے آپکے پاس بھیج دیا اور"

معصومیت اور فکر کے سنگ وہ ساری تفصیل عون کو بتاتا بتاتا توقف کو رکا تو جیسے وہ تینوں بھی بے چین ہوئے۔

"اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ عناب سے ملنے بھی جائیں گے"

وہ مزید بولتا گیا تبھی عون کے چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں اتریں۔

"کیسے نظر آتے تھے وہ، کیا عمر ہوگی۔ کچھ سپیشل جو انھوں نے ہاتھ، بازو یا گلے میں پہنا تھا۔ اور کچھ ایسا دیکھا تم نے ان تین چار دنوں میں وہاں جو ٹھیک نہ لگا ہو تمہیں"

عون کو نا جانے کیوں اس آدمی پر اب شدید شبہ تھا تبھی وہ یوئی سے یوں کرید کر پوچھ رہا تھا۔

"برا تو ادھر کچھ نی تھا بڈی، ان انکل کے ہاتھ میں ایک بلیک رنگ تھی جس پر ایگل کا نشان بنا تھا لائٹ براون۔ باقی انھوں نے بلیک سوٹ کے اوپر براون چادر لی ہوئی تھی۔ وہ کافی اونچے اور بابا کی طرح ہینڈسم بھی تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں تو انھوں نے کہا میں تمہارا دوست ہوں۔ میں ادھر سویا ہی رہا زیادہ سا، بس یہی تھا"

اپنی تیز یاداشت اور حساس طبعیت کے باوجود بھی وہ کافی کچھ ایسا بتا چکا تھا جس سے عون کے دل کو الگ ہی تجسس گھیر گیا۔

بلیک رنگ پر اسکا دماغ کھٹکا تھا، اپنے گرد و نواح میں اسے اب ایسا انسان درکار تھا جو یوئی کے بتائے نقشے کے مطابق ہوتا۔

سرسری سا یوئی کو پیار کیے کسی سوچ کے زیر اثر وہ چینج کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

منیہا بھی پیچھے ہی گئی، اسے بھی اب عون کے سوالات بہت بے چین کر رہے تھے۔

"عون۔۔ یہ آپ کیا سوال کر رہے تھے یوئی سے۔ کیا کچھ ہوا ہے۔ اس بندے نے تو یوئی کی مدد کی ہے ناں، کیا آپ اسے ڈھونڈ کر شکریہ کہیں گے"

عون کی آسمانی شرٹ وارڈاب سے نکال کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے کسی گہری سوچ میں ڈوبے عون کو پکڑاتے وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی مگر وہ تو کہیں اور ہی پہنچا تھا۔

"ہمم۔۔ معاملہ کچھ اور ہے منیہا۔ ہم سبکی سوچ سے بھی بڑا۔ میں ضرور پتا لگوا کے رہوں گا اس آدمی کا جس نے یوئی کو پناہ دی۔ اگر وہ کوئی عام انسان ہوتا تو وہ خفیہ طریقے سے یوئی کے محفوظ ہونے کی خبر عام نہ کر پاتا۔ فارس بھی کسی ایسے ہی انسان کا ذکر کر رہا تھا۔ اب ہمیں اس انسان کی تلاش کرنی ہو گی تبھی یہ سارا کھیل سامنے آئے گا"

گہری سوچ میں ڈوبا وہ مڑ کر منیہا کی ناقص سی عقل میں یہ سب ڈال تو گیا مگر وہ آگے سے منہ بگھاڑے اتنی مشکل کہانی پر کوفت زدہ ہوئی۔

عون کے لبوں پر خود ہی تبسم مچلا۔

"عون آئندہ آپ نے مجھے یہ فضول داستانیں سنائی تو سر توڑ دوں گی، پتا نہیں کیا کیا کرتے آپ اور آپکے وہ ایلین نما دوست۔۔۔ مجھے یہ بتائیں بس کہ عناب کا مجرم کب پکڑا جائے گا"

وہ جو موڈ یکدم بدلنے پر اسے باہوں میں حصار چکا تھا، جنجھلائی سی منیہا کے آخری سوال پر یکدم بوجھل ہونے پر خود بھی سنجیدہ ہوا۔

"بہت جلد، بہت جلد وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔ دو دن بعد اس کیس کی پہلی ہیرنگ ہے۔ دیکھتے ہیں جج صاحبان اس معاملے پر کیا کہتے ہیں۔ جیسا کہ سارے طبی اور قانونی ثبوت عائش ہمانی کو گناہ گار قرار دے چکے ہیں جن میں اس لڑکی کی فارنسک رپورٹ کے علاوہ عناب کی میڈیکل رپورٹ بہت بڑا ثبوت ہیں اس

درندے کی موت بننے کے لیے، اسکے بعد بس اسکی تلاش ہی اصل کام رہ جائے گا۔ جو کچھ وہ کر چکا ہے اس پر اسے پھانسی سے کم کی سزا نہیں ہو گی۔ وہ اس کیس سے واجب القتل قرار دے دیا جائے گا۔ لہذا اس بات کے لیے تم بلکل مطمئین ہو جاو، ہم اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ لیکن اس سب میں وقت بھی لگ سکتا ہے"

بھلے عون اسے بہت سی تسلی تھما چکا تھا لیکن وہ اسکی آخری بات پر عون کے سینے سے جا لگتی تھوڑی خوفزدہ ہوئی۔

"کتنا وقت عون؟"

وہ بجھے لہجے میں آس سے سوال پوچھتی منمنائی۔

"یہ تو اللہ بہتر جانتے ہیں منیہا، بس ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔ اچھے دنوں کا، اچھے لمحوں کا اور سارے سیاہ بادلوں کے چھٹ جانے کا"

آس کا جواب وہ اسے پر امید کیے دے رہا تھا، شانوں سے تھامے منیہا کو روبرو لائے اسکا چہرہ نرمی سے تھامے پیشانی پر مہر چاہت درج کیے اسکی دھیمی مگر اداس سی مسکراہٹ دیکھی۔

"ان شاء اللہ، یہ انتظار رائگاں نہیں جائے گا"

وہ حوصلہ مند تھی، وہ اسے ایسا ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

"بلکل۔ میں فریش ہوتا ہوں۔ یوئی کو ہوسپٹل چھوڑ کر مجھے ایک کام سے جانا ہو گا۔ رات دیر ہو گئی یا کال نہ پک کر سکا تو پریشان مت ہونا۔ آج کی رات ہم تھوڑا سپیشل وقت دیں گے ایک دوسرے کو، جو ابھی تک نہیں دے سکے"

یکدم ہی محبت اور پیار سے وہ جو کہہ رہا تھا اسکا مفہوم منیہا کے چہرے کی رعنائی بڑھا کر رخساروں پر حیا لے آیا۔

وہ جھینپی سی مدہم مسکراہٹ دیے سر ہلا گئی جس پر عون اسے آنکھ ونگ کیے اچھے سے ہنستا فریش ہونے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کئی طرح کے لوازمات سے سجی ہیلتھی میز کاشان ہمانی کی منتظر تھی، زرا نم نم بھیگے خلیے میں وہ خوشگوار سی مسکراہٹ دیتا ابھی کچن کاونٹر تک ہی آیا تھا کہ وفا اسکی بھیگی زلفوں اور نکھرے تروتازہ روپ کو دیکھ کر لپک کر اس تک آئی۔

"ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا کاشان، تم نے تھوڑا سا فریش کا کہا تھا۔ نہا کر آرہے ہو کیا۔ اگر پانی زخم میں چلا گیا ہوا تو انفیکشن بھی ہو سکتا ہے"

کھانے سے یکسر توجہ ہٹائے وہ اس ساحر کی طرح حواس پر حاوی ہوتے دل جلے کو تشویش سے دیکھ کر بولی جو بس وفا کی فکر انجوائے کرتا بے نیازی سے کندھے اچکائے کرسی گھسیٹ کر کچن ٹیبل کے گرد ہی ڈیرا جما چکا تھا۔

اسکی اس بے چینی پر وفا بھی مسکرائی، چل کر اس تک پہنچی اور کاشان کو رغبت سے اسکی بنائی چیزوں کی جانب دیکھتی اسکے بالکل پاس کھڑی زرا جھک کر اسکے سامنے پلیٹ اور سپون رکھی۔

"سب سے پہلے تو یہ فریش سیلڈ کھاو تا کہ انرجی واپس آئے، آئی تھنک سو تمہیں سی فوڈ پسند ہے تبھی فریذر میں تھا۔ میں نے سوچا میٹ بالز کے ساتھ تھوڑی یہ ڈوز بھی ہو جائے۔ آئی ہوپ تمہیں سب اچھا لگے، اگر کچھ اور بھی کھانا چاہو تو بتاو میں ڈنر میں وہی بناوں گی"

اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں چھپانہ سکنے پر قادر وہ خود محبت سے اسے کھانا سرو کرتی ساتھ ساتھ ان چیزوں کی افادیت بھی بتارہی تھی۔

اور وہ گہری آنچ دیتی آنکھیں وفا کے چہرے پر جمائے اسکی جانب سے اتنی اہمیت پر بہت مدت بعد کھل کر سانسیں بھر رہا تھا، اسے اب تک صرف زویا کے لاڈ کی عادت تھی وہ بھی زیادہ نہیں بس تب جب وہ بیمار پڑتا، لیکن وفا شاید وہ دوسری عورت تھی جو اسکے لاڈ اٹھانے پر دل وجان سے راضی تھی۔

اور دلکش بات تو یہ تھی کہ وہ وفا کی توجہ یونہی خود پر چاہتا تھا، آخری سانس تک۔

"اور ایگ رائس بھی ٹیسٹ کرو، اسکے ساتھ میں یہ ساس بناتی ہوں میری سپیشل ریسپی۔ اپنی طرف سے تو میں نے تمہارے لیے ایک مکمل میل تیار کیا ہے۔ یہ سب چیزیں تمہئں طاقت بھی دیں گی"

کاشان کی بھینی بھینی سرشار مسکراہٹ اور چپ پر وہ اسکی پلیٹ میں اسکے مطابق سب تھوڑا تھوڑا ڈال کر اس بار چپ پر جنجھلائی۔

وہ اکیلے آخر کب تک بول سکتی تھی۔

"اتنا اہتمام تم نے میرے لیے کیا؟ کیوں اپنے ہاتھوں کو زحمت دی۔ میں تو تمہارے انداز دیکھ دیکھ کر ہی سیر ہو گیا ہوں۔ میں اتنی توجہ کا عادی نہیں ہوں، یہ سب مجھے بے چین کر رہا ہے"

وہ جو مسلسل کاشان کی چپ پر اب اداس سی تھی، لمحہ لگا وہ اسے کلائی سے تھام کر خود پر جھکائے جو بولا، وہ وفا سمجھ ہی نہ پائی، اسے تو اس جھٹکے سے سنبھلنے کا موقع نہ ملا اور وہ کاشان کی ایک بازو سے گردن حائل کیے اسکی گود میں ہی آن بیٹھی، اسکے حصار میں، اسکی بہت کچھ کہتی آنکھوں کے بے حد قریں۔

"جو زخم میں نے دیا ہے میں بس اسکا مرہم بننے کی کوشش کر رہی ہوں، بدلے میں تم بھی بن جانا مرہم۔۔۔"

اتنے قریب وہ اسے دیکھ کر بات کرتی خاصے اضطراب میں مبتلا تھی مگر وہ سنجیدگی سے وفا کے جواب میں اسکے کندھے سے چہرہ لگائے، وفا کو بازوؤں میں حصارے دم سادھ سا گیا۔

وفا خود اسکی خاموشی پر زرا چہرہ پھیرے پیچھے مڑی مگر وہ ہنوز بے جان سا نظر آیا۔

"اچھا مرہم ہو تم، پرسکون سا۔۔۔۔۔ لیکن میں بھی گہرا زخم ہوں بذات خود"

اسے اپنی صفائی دینا اب بھی غیر ضروری اور اضافی لگ رہا تھا، وہ اس شخص کی الجھی ہوئی ذات کے ہر راز کو کھوجنا چاہتی تھی۔

"تم نے ابدال کے ساتھ جو کیا، کیا انسان بن کر نہیں کر سکتے تھے؟ مطلب وہ بہت حساس ہے، کیسے سمجھے گا تمہارے اس سب کرنے کی وجہ کو۔ تم نے اسے خود سے نفرت کرنے پر مجبور کیا، حالانکہ تم اسکا اعتماد بھی جیت سکتے تھے"

اس وقت وفا اسے کچھ بھی کہہ لیتی وہ سننے پر راضی تھا، دانستہ وفا کی بڑھتی اداسی پر وہ اسکے نازک وجود کے گرد اپنی توانا بازو باندھے اسے خود کی سمت دیکھنے پر مجبور کیے وفا کی خفا سی آنکھوں میں جھانکا جہاں سوال ہی سوال تھا۔

"میں کچھ بھی انسانوں کی طرح نہیں کروں گا وفا یہ بات تم ابھی سے ذہن نشین کر لو، نہ مجھے کسی ایوارڈ جیتنے کی حاجت ہے۔ نہ میں اپنے ساتھ کی گئی زیادتی کو معاف کرتا ہوں۔ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے یا نہیں"

وفا کو امید نہ تھی مگر وہ اسے خفیف سا برہم لگا، اسکے ماتھے کی رگیں تن سی آئیں، چہرے کا ہر خدوخال اچانک ناراض ہو گیا۔

وہ پھر بھی اس سچویشن میں کچھ اور سوچتی ہوئی مسکرائی، وہ ہلکی سی مسکراہٹ کاشان کی ظالم نظر پڑتے ہی معدوم ہوئی جو کاشان کو دھڑکانے کا سبب تھی۔

"محبت پھر کیوں کی؟ یہ تو انسانی جذبہ ہے"

وہ اپنی دونوں بازو محبت سے کاشان کی گردن میں حائل کیے اسکے کرسی سے ٹیک لگا کر اپنی جانب متوجہ چہرے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ کر یہ سوال کرتی بولی، اسکی ٹھنڈی سانس کاشان کو اپنے ہونٹوں تک پھیلتی محسوس ہوئی۔

وہ اس کیفیت میں دیکھنے اور بولنے کا کام ایک ساتھ کر ہی نہ پایا۔

"پاگل۔۔۔ یہ انسانی نہیں، آسمانی جذبہ ہے۔ لافانی جذبہ ہے۔ عقل سے پیدل، دل سے سوچنے والوں کی نشو نما اور تباہی ایک ہی وقت میں کرتا ہے۔ ہاں سارے جھوٹ اور فریب سے الگ دور میرا یہی سچ ہے تمہارے نام، میں ہر معاملے میں جھوٹا ہوں۔ فریبی ہوں، بے یقین ہوں لیکن تم سے اپنا یہ سیاہ دل جوڑ چکا ہوں"

وہ ہر سانس کے ساتھ اپنے برے ہونے کی منادی کے ساتھ وفا سے محبت کا اگر یونہی اعتراف کرتا رہتا تو وہ بھی ممکن ہے اس ظالم کی دیوانگی میں مبتلا ہو جاتی۔

"کیا میں پہلی عورت ہوں تمہاری زندگی کی؟"

وفا کو مسکراتا دیکھ کر وہ دھیرے سے چہرہ قریب لائے اسکے گداز گال کو ہونٹوں سے چھوئے ساتھ ہی وفا کے اس نئے سوال پر حصار تنگ کیے وفا کی دھڑکن بڑھائے اس جیسا ہی مسکرایا۔

"نہیں، تم آخری عورت ہو میری زندگی کی"

اس بار وہ اسکی ناک کے کنارے محبت سے لب رکھے عجب مست سا ہوئے بولا، وہ خود اسکے ایسے جواب پر کتنی ہی دیر کچھ بول ہی نہ سکی۔

"مطلب بہت رنگ باز رہے ہو تم؟ گرل فرینڈز والے تھے کیا؟ پھر بھی تعداد یاد کرو ممکن ہے یاد آجائے"

اس بار وہ جان بوجھ کر کرید کر بولی تھی، اسکا یوں کم کم ہی سہی پر جیلس ہونا کاشان کو بنا کچھ کھائے بھر سا چکا تھا۔

اسے کھانے کی نہیں، جینے کی ضرورت تھی۔

وفا کے ساتھ ہر لمحہ امر کرنے کی حسرت کہ کب وقت کی بے رحم لہر انھیں پھر کسی موڑ پر جدا کر دے۔

"اممم۔۔ گننا ممکن نہیں۔ بہت زیادہ رنگ باز تھا"

وفا کی گداز گال سے اپنی بڑھی بیرڈ والی گال جان کے رگڑے وہ اسے اس بار تنگ کر رہا تھا اور وہ واقعی سلگی بھی تھی۔

"مطلب تم قابل یقین نہیں ہو؟"

ضدی سی خفگی لیے وہ منہ موڑ لینا چاہتی تھی مگر کاشان اسکی یہ ستم کی کوشش اپنے بہک جانے سے ناکام بناتا اسکی ناراض سی شکوہ کناں صورت کی افسردگی اپنے لمسات سے تازگی میں بدل گیا۔

وہ اسے منجمد سی لگی، ہر بار کی طرح، اسکے حصار میں ہر بار بے جان ہوتی سب سے عزیز عورت۔

"اتنا تو ہوں کہ تم اپنی خوشی اور تکلیف شئیر کر سکتی ہو، عائش کو لے کر تمہارے کئی سوالات ہیں سچائی کے بعد جانتا ہوں۔ لیکن سب کچھ ایک ساتھ نہیں بتاؤں گا۔ آہستہ آہستہ تم سب جان لو گی"

یقین کے قابل نہ ہونے والی بات وفا نے یونہی کہی تھی مگر پھر اسے کاشان کے یکدم سنجیدہ ہو جانے پر اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔

وہ اس شخص کی الفت سے سجے لمس کا ہر نیا ذائقہ دریافت کرنا چاہتی تھی، وہ بہت گہرائی میں ڈوبا ہوا تھا، اسے سمجھنا وفا کے لیے فی الحال ناممکن تھا۔

"کھانا کھالو، تھک جاوگے"

اسکی آغوش نرمی سے جھٹک کر وہ ساتھ ہی کرسی پر بیٹھے کاشان کو سرو کرنے لگی۔

وہ بھی اسے دیکھ کر ہی حلق میں زندگی کے واسطے رزق ڈالتا رہا، وہ ہر شے ذائقہ دار تھی مگر وفا کی قربت سے زیادہ لذت آمیز کہاں تھا اسکے لیے کچھ۔

کھانا وہ بہت اعتدال کے ساتھ اور طریقے سے کھاتا تھا، ایک ایک لقمہ بہت تحمل سے اور انجوائے کرتے ہوئے۔

پھر گاہے بگاہے وہ اپنا نوالہ وفا کے منہ کی جانب بڑھا کر یونہی سنجیدگی کو توڑے مسکرا دیتا۔

"مجھے تمہارا یہ روپ بھی دیکھنے کو ملے گا، سوچا نہیں تھا۔ اس رات والے کاشان میں اور اس دل جلے عاشق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ توڑ کر جوڑ رہے ہو، دھیان رکھنا پھر سے مت توڑنا مجھے"

کھانا ختم کرتی وہ برتن ملازمہ سے سمیٹنے کا کہے خود اسکی بازو سے لگی کچھ دیر لاونج میں آئی، وہ زرا اٹھنے بیٹھنے میں زخم پر کھنچاو محسوس کر رہا تھا تبھی وفا کے صوفے پر کشن رکھ کر ٹیک بنانے کے باوجود وہ اک لمحے درد سے تھرا سا اٹھا۔

مگر وفا کے پاس ہی بیٹھ کر اس دلکش سوال نے اسکی ساری تکلیف ثانوی کر دی۔

"وفا مجھ سے ٹوٹ بھی سکتی ہو تم، میں کہہ رہا ہوں کہ میں زخم لگاتا رہوں گا۔ یہ میری ذات کا حصہ ہے۔ جس دن تمہاری برداشت ختم ہوئی تم مجھے چھوڑ سکتی ہو، میں کبھی تمہاری راہ کی رکاوٹ نہیں بنوں گا۔ میری بد قسمتی یہ ہے کہ میں ایک صرف تمہارے معاملے میں بھی مکمل اچھا نہیں ہوں، ایسا ہی ہوں۔ بہت خطاکار"

اسے کاشان کی یہ حقیقت پسندی اس بار دکھ دے گئی، وہ یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ وہ اسے کبھی کہیں جانے نہ دے گا، مگر وہ تو اسکی رکاوٹ بننے سے صاف منکر تھا ابھی سے ہی۔

"کاشان۔۔۔ اگر تمہارے آدمی مجھے یہ سارے سچ نہ بتاتے تو تم خود کبھی بھی یہ سچ نہ کھولتے۔ کیا تم یونہی تڑپتے رہتے۔ مجھے تم سے، تمہاری شدت پسندی ڈرا رہی ہے۔ مجھے تمہاری خود سے یہ نپی تلی رشتہ داری خوفزدہ کر رہی ہے۔۔۔ جیسے اپنے ساتھ سوتیلا رشتہ ہو۔۔ اگر میں نہ رہی تمہارے پاس تو تم صبر شکر کر لو گے؟ کیا تم صرف ایک میرے معاملے میں مکمل اچھے نہیں ہو سکتے۔

کہ میں جو سوچوں وہ تم پورا کر دو، میں دور ہونے لگوں تو تم مجھے خود سے باندھ لو۔ ایسی بے نیازی نہیں کاشان۔۔۔ تم یہ کہو کہ تم مجھے کچھ بھی ہو جائے خود سے دور ہونے نہیں دو گے"

اسے کاشان کے یہ درویشی جملے، یہ ایثار کرتے لفظ جلا گئے تھے تبھی وہ اسکی جانب تڑپ سے بھری آنکھیں گاڑے بہت دکھ اور ملال سے بولی۔

"عشق انسان کو کائنات کے کسی دوسرے حصے میں لے جاتا ہے۔۔۔ زمین پر رہنے نہیں دیتا۔۔اور عشق لاحاصل۔۔۔ وہ تو رہی سہی زمین تک واپسی ممنوع کر دیتا ہے۔۔۔ یہ کسی ایسے غائبانہ سیارے کی کہانیاں ہیں جہاں ہمارے دل ایک ہو کر دھڑکتے ہیں۔۔۔ پھر

عشق کے بعد سب لٹا دینے کی ہمت آجاتی ہے، میں کیوں اور کس منہ سے تمہیں روکوں گا تب جب تم میری موجودگی سے جھلس جاوگی۔ ہے گرل! سوری ٹو سے۔ میں تمہارے لیے مزید ظالم نہیں بن سکتا"

اسے اپنی گرفت میں مبتلا کیے، نم نم بھیگی آنکھوں پر نظر ڈالے وہ جو آخری بات پیار سے اسکی ٹھوڑی پر ہاتھ کی پکڑ جمائے بولا وہ وفا کو واقعی رلا گیا۔

"تم نے مجھے ہر شے بھلا دی کاشان، کتنے برے ہو تم۔ میں ہر انسان کو بھول گئی، خود کو بھول گئی۔ اپنی ہ۔۔ ہر تکلیف بھول گئی۔۔۔۔ کیا پھونکا ہے تم نے ظالم انسان، بولو"

نجانے کیا ہوا کہ وہ اسکے اس پیار پر پھوٹ پھوٹ کر روتی اس پر چلائی۔

وہ اسکے اس بوکھلا دیتے ری ایکشن پر اسے بازووں میں مقید کیے زخمی سینے کی پرواہ کیے بنا خود میں سمو گیا، وفا کے شانت ہونے تک اسکے کھلے ملائم بالوں کی خوشبو کو سانسوں تک اتارتا رہا۔

"جھولی بھر کر تم سے محبت کی اور اپنا دامن تم سے بھر لیا، تم مجھ سے کبھی محبت مت کرنا وفا۔ تم بس محبت کو وصول کرنا۔ میں نہیں چاہتا کل کو میرے نئے نئے ظلم تم کو رنج دیں۔ اتنا دل لگانا مجھ سے جتنی سکت رکھتی ہو، ہم جیسے کب دسترس سے نکل جائیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ میں تمہیں آخری سانس تک اپنی وجہ سے کسی درد، تکلیف یا دکھ میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتا"

وہ اسے ظالم بنا جدائی کی تھپکیاں دیے ہر طرح سے وارن کر رہا تھا، اور وہ اب واقعی بہت اداس تھی۔

"مجھے ابدال کو منانے جاوں گی پھر، تم ساتھ چلو گے؟"

کچھ دیر وہ اپنی اپنی آزردہ کیفیت سے اک دوجے کو دیکھتے رہے مگر پھر وفا کے سوال پر کاشان نے خفیف سی برہمی سے دیکھا۔

"تم شام میں اکیلی چلی جانا ڈرائیور کے ساتھ، مجھے کچھ کام ہے۔ میں نہیں چاہتا وہ جوشیلا جوان مجھے دیکھ کر سیخ پا ہو۔ ویسے بھی انسپکٹر جہاں داد سے ملاقات کرنی اہم ہے ساتھ کچھ نجی معاملات دیکھنے ہیں۔ فی الحال مجھے تھوڑا سا سکون چاہیے"

سنجیدگی سے اپنے کچھ کاموں کی فہرست بتاتا وہ آخر تک جس طرح وفا کے چہرے کو تکتا یہ خواہش کہے مسکرایا، وہ تو کاشان کے ارادے اور لفظوں کے مفہوم سمجھتی اک پل چونکی۔

لمحوں میں وہ کاشان کے دل دہلاتے مظاہرے پر سرخ ہوئی، چہرہ حجاب آلود ہوا۔

سانسیں تھمنے لگیں، اور پلکوں کی ان روح تک آنچ پہنچاتی جنبش نے کاشان کے سارے حوصلے ہوا کیے۔

وہ ظالم پر شوق استحاق آمیز نظریں وفا کے لرزش زدہ وجود اور سرد پڑتے حواسوں پر ٹکی تھیں، وہ اسے دیکھ بھی نہ پا رہی تھی۔

"ک۔۔کاشان۔۔۔"

بنا وفا کو کوئی مزاحمتی حرف پورا کرنے کی اجازت دیے وہ اسے اگلے ہی لمحے اٹھ کر باہوں میں بھر چکا تھا، وفا کو اسکی زخمی ہونے کے باوجود ایسی بے رحم حرکت دہلا گئی۔

"ابھی تو تم نے کہا تھا کہ مرہم ہو، تو پھر ثابت کون کرے گا"

اسے لیے وہ کمرے کی جانب بڑھتا ہوا خاصے آنچ دیتے لہجے میں سہمی ہوئی وفا سے مخاطب ہوا جسکی پلکیں اس سوال نے گرا دی تھیں۔

الٹا وہ خفت چھپاتی کاشان کے ساتھ جا لپٹی، خود کو اسکی بیقرار کرتی نظروں سے بچا لینے کا یہ روح پرور منظر کاشان کے دل کی دھڑکن تیز کر گیا۔

"اتن۔۔۔نی جلدی کون ثبوت مانگتا ہے ظالم انسان"

کمرے میں پہنچتے ہی وہ اسکی جان لیوا گرفت سے نکلنے کو مچلی، کاشان نے بھی مسکراہٹ لبوں میں دبائے اسے بازووں کی گرفت سے اتارے آرام سے پاوں زمین پر لگائے کھڑا کرتے ہی اس فرار کرتی شکوہ کناں حسینہ کو دبوچا جو اس جکڑ لیتے ستم پر شرم وخوف کی ملی جلی کیفیت سے روہانسی ہوئی۔

چند جسم و جان کو معتبر کرتے روح شناس لمس پوری شدت سے سونپے، وہ ایسا تھا کہ اسکی کم سے کم شدت بھی وفا کے نازک ہونے پر اک بڑا ستم تھی۔

"کاشان ہمانی"

وہ اسکے فی الحال مغرور نقوش اور الجھے بکھرے بال، شرارت کی ترجمان گدگدی سے مزین صورت کو بہت دقت سے دیکھ رہی تھی، ان آنکھوں کے اُمڈتے جذبات پر وفا نے گہرا سانس کھینچے نظر جھکائی۔

"تمھارے ساتھ جو گُزریں

اُن لمحوں پہ دِل نثار،

جان نثار۔۔۔"

وارفتگی آنکھوں میں بھرے وہ وفا کا یہ دل موہ لیتا روپ دیکھ کر جذب سے بولا، وہ اس شخص کے تیوروں سے ڈر رہی تھی، اب تو وہ محبت میں حد کر دینے کے ارادے لیے ہوئے تھا، ہر پس و پیش جھٹلائے، وہ اسکی نظروں کی روح سہلاتی حدت سے گلاب ہو رہی تھی۔

"تُجھے یہ کس نے کہا ہے ہَماری پِیاس بُجھا

تُو گُنگناتی رہ، بِہتی رِہ اَبجُو، خوش رِہ"

چند لمس کافی نہ تھے، وہ اسے انتہائی پیارا بنانے کی دھن میں اسکے حواسوں پر چھانے لگا تھا، محبوب کی باہیں سکون پہنچاتی پناہیں تھیں، دل سے بڑا منافق کوئی کبھی ہوا ہے بھلا؟ سب بھلا بیٹھا، نرمی، رحم، التجاء، تلافی۔

"مجھے بُھلا دے کہ ایسے بھی میں تو تھا ہی نہیں

تُو جیسے رہتی تھی ویسے ہی ہو بہو، خوش رِہ"

اب اسکے لیے وفا کا ہونا معتبر، اسکی رضا اہم، اسکی خوشی اول، اور اسکا سکون افضل تھا۔

وہ جانتا تھا وہ وحشی، قاتل، ظالم اور بہت بے درد ہے پر وہ وفا کے لیے کچھ وقت کے لیے ہی سہی پر مکمل جہاں بننے کا خواہش مند تھا۔

"تمہیں گلے لگاوں تو لگتا ہے جیسے اک روشن ستارہ

آسمان سے اپنی جگہ چھوڑ کر میرے سینے میں پناہ گزین ہو گیا ہو، یہاں دھڑکن بن گیا ہو"

جذب وچاہ سے گلے لگاتے وقت کی یہ افضل سرگوشی وفا کو اپنا آپ یکسر فراموش کرنے پر مجبور کر گئی۔

وہ اسے بہت برا آزمارہا تھا، پھر سے مگر اب وفا کو کاشان ہمانی پر اعتبار تھا، نا جانے کب تک رہتا لیکن یہ لمحے وہ اسے اپنے قریب آنے کی اجازت پورے دل سے دے رہی تھی۔

"ہم دو کے رَنج ودکھ

ہم دو کے سوا

اور کون مٹا سکے گا بھلا"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوسپٹل میں میکائیل رضوی کی آمد ایک طرح ہلچل اور ہنگامی بنیاد پر وقوع پذیر تھی، وہ ڈارک بلو اور وائیٹ تھری پیس میں ایک وجیہہ اور خوبرو لگ بھگ پچاس سے پچپن کی عمر کے بیچ کے آدمی تھے۔

انکے آنے پر پولیس کا غیر معمولی پروٹوکول انکے ساتھ تھا۔

کہا جا رہا تھا کہ آج دو سال پہلے مری اس لڑکی کے والدین کو بھی اس پریس کانفرنس میں مدعو کیا گیا تھا۔

سب سے پہلے وہ اس بچی سے ملنے کے طلب گار تھے، ڈی آئی جی میکائیل رضوی صاحب نے بہت شفقت اور محبت سے عناب سے ملاقات کی، اس معصوم پری کو انصاف دلوانے کا از سر نو عہد باندھے اس کے ساتھ موجود ابدال کو بھی پوری ہمت سونپی تھی۔

وہ ہوسپٹل میں بذات خود اسی لیے آئے تھے تاکہ خود یہ تمام دیکھ سکیں۔

جہاں داد انکے ہمراہ ہی تھا، اسکے علاوہ وحید صاحب بھی انکے آنے کی خبر پر ہوسپٹل پہنچ آئے تھے۔

میڈیا کو جیسے ہی خبر ملی وہ ہوسپٹل کے محاصرہ کرتا نظر آیا اور اسی وجہ سے میکائیل رضوی نے میڈیا سے بات یہیں کرنے کا فیصلہ لیا تھا۔

سارا انتظام وہیں ہوسپٹل لان میں تھا، کافی سرکاری اور نجی چینلز کے رپورٹرز کئی طرح کے سوال لیے ہوسپٹل سٹاف اور قانونی لوگوں سے کرنے کو بیقرار تھے۔

"ہمارے علم میں آیا ہے کہ مجرم بے نقاب ہو چکا ہے ڈی آئی جی میکائیل صاحب، لیکن پولیس چار دن گزرنے کے باوجود اس وحشی درندے کو ڈھونڈنے میں ناکام ہے۔ کیا ایک بار پھر ایک معصوم زینب بنا انصاف کے موت سے جا ملے گی۔ کیا ایک بار پھر مجرم کے بھاگ نکلنے پر قوم کی بیٹیوں کے یہ کیس بند ہو جائیں گے"

مجمعے میں سے ایک پھرتیلا اور جوشیلا صحافی تنتنا کر اپنا سوال کیے میکائیل کی جانب دیکھ کر سرد مہری سے چمکا جس پر جہاں داد نے جس طرح لپک کر اس کا منہ بند کرنا چاہا، اس کے برعکس میکائیل خاصے تحمل مزاج تھے

اور وہ جہاں داد کو سختی سے کسی انتہائی رد عمل کو دینے سے روکنے کا اشارہ کیے اس غصیلے صحافی کی جانب متوجہ ہوئے جو اس وقت فطری خفا تھا۔

جب سے یہ دونوں کیس میڈیا میں آئے تھے، ہر طرف غم و غصے کی لہر آچکی تھی اور اسی وجہ سے ڈی آئی جی خود اس معاملے کی تلخی کم کرنے سامنے آئے تھے۔

"آپ سب ٹھیک سمجھے، مجرم بے نقاب ہو چکا ہے۔ اور وہ مشہور زمانہ ریسلنگ چمپیئن کاشان ہمانی کا سوتیلا چھوٹا بھائی عائش ہمانی ہے۔ جو دو سال سے لاپتہ تھا، ایسا نہیں ہے کہ پولیس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے۔ ہر جگہ اسکی تلاش جاری ہے لیکن وہ عام اور بیوقوف مجرم نہیں ہے جو اتنی آسانی سے قانون کی گرفت میں آجائے۔ وہ قتل، بدکاری، شراب بیچنے، ڈرگز کی سمگلنگ سے لے کر معصوم اور چھوٹے بچوں کو اغوا کر کے بیچنے کے کاروبار سے بھی منسلک تھا۔ اور نا جانے کیا کیا۔ آپ سب تھوڑا تحمل رکھیں، ہم جلد یا بدیر اس شاطر درندے کو نکیل ڈال لیں گے"

میڈیا کے لوگوں کی خفگی بھانپ کر وہ اپنی جانب سے بہت نرم اور مدلل وضاحت پیش کر کے اپنا جواب دے چکے تھے مگر نا جانے وہ اک لمحہ کیسا اترا جو اس پر اعتماد، مضبوط اور وجیہہ انسان کے چہرے پر صدیوں کی تھکن لے آیا۔

مجمعے سے کچھ پار وہ کسی کو دیکھ رہے تھے، وہ وہی تھی۔

انکے خواب کی اکلوتی آپسراہ، وہ خواب جو مدت سے ٹوٹا ہوا کرچیاں ہوئے انکے ناقابل شکست وجود پر ثبت تھا۔

وہ تونہال کے ساتھ آتی اور ہوسپٹل کے اندر جاتی دیکھائی دی اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

وہ اپنی آنکھوں کو اس کا تعاقب کرنے سے روک نہ سکے، یہ تو ایک صحافی کا تلخ سوال تھا جو انھیں واپس حقیقت میں پٹخ گیا۔

" ایسے بھیانک مجرم تادیر قانون کی گرفت سے باہر رہیں گے تو عوام کیسے چین کی نیند لے گی، دو سال تو آپ اسے ڈھونڈ نہ سکے۔ اب خاک ڈھونڈ پائیں گے۔ یہ کیس بھی بند ہو جائے گا اور اسکی فائل پر گزرتا وقت دھول ڈال دے گا۔ جھوٹی تسلیاں کب تک عوام کا پیٹ بھریں گی محترم، کیا یہ بہلانا جائز ہے"

ایک اور ناراض سا نیوز رپورٹر نا امیدی اور مایوسی کے سنگ پولیس کے لوگوں کو آئینہ دکھا رہا تھا، میکائیل کے ماتھے پر زرا دیر کو شکنیں سی اتریں۔

باقی کے میڈیا نمائندے بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

" آپ اپنی حد میں رہ کر سوال کریں، ہم یہاں اپنی دن رات کے سکون کو غارت کیے ہوئے ہیں اور آپ سب ہماری حوصلہ شکنی کرتے جا رہے ہیں۔ میڈیا آزاد ہے اسکا مطلب یہ نہیں کہ بدزبانی اور زبان درازی کا لائسنس مل گیا ہے آپکو" جہاں داد سے بھی اس بار اپنا عتاب دبایا نہ جا سکا تھا، اس رپورٹر کی بولتی بھلے وہ بند کر گیا لیکن میکائیل نے اسے اسکی اس حرکت پر افسوس سے دیکھا تو وہ خفیف سا پشیمان ہوا۔

" دیکھیں آپس میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں، انصاف ہو کر رہے گا یہ میرا آپ سب سے وعدہ ہے۔ بھلے اس میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے۔ عائش ہمانی کے بارے ملتی ہر خبر سے ہم میڈیا کو اپڈیٹ کرتے رہیں گے۔ آپ سب بھی اس معاملے میں جتنا کردار ادا کر سکتے ہیں کریں۔ دو سال پہلے مرتی اس بے گناہ بچی کی عصمت چھیننے اور اسے دردناک موت دینے کا معاملہ ہو یا اب اس ننھی کلی کو مسلنے کا، وہ کافر ملعون نہ تو اس دنیا کے عذاب سے بچے گا نہ آخرت کے۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ قانون کی مدد کریں نا کہ ان پر تنقید۔ میں آپکو پورا یقین دلاتا ہوں کہ پولیس کا محکمہ اس معاملے میں زرا بھی غفلت نہیں برتے گا"

نرم لہجے میں پر اثر لفظ ادا کرتے وہ سبھی خفا، برہم اور جوشیلے مجمعے کو قدرے شانت کر چکے تھے لیکن وہ خود بھی جانتے تھے کہ میڈیا کے پریشر کے بعد ان کے پورے محکمے پر بہت سا بوجھ آن دھرا ہے۔

"ہمیں آپ پر بھروسہ ہے ڈی آئی جی میکائیل صاحب، اگر اس بار بھی قوم کی ان مسلی ہوئی کلیوں کو انصاف نہ ملا تو ہم آواز بن جائیں گے انکی۔ اور آپ بہتر جانتے ہیں کہ ہمارے پاس کس قدر طاقت ہے۔ پھر اس مردود کو ہم خود موت دیں گے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ایسے زانیوں کو سرعام چوک پر لٹکا کر عبرتناک موت دی جائے تاکہ کوئی ایسا نجس عمل کرنے سے پہلے ہزار بار کانپے"

چند مزید سینیر صحافی ہم آواز ہوئے بولے تھے، وحید بخاری کے میڈیا ہاوس کے بھی کئی لوگ تھے ان میں لیکن وہ ایک طرف خاموش کھڑے بس سب پر غور کر رہے تھے۔

"بلکل۔۔۔ ہمیں قوم کی ان بیٹیوں کے لیے انصاف نہ ملا تو ہم اہل اقتدار والوں کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے بس بہت ہو گیا یہ درندگی اور سفاکی کا دردناک تماشا۔ اگر یہ کیس بند ہوا تو یاد رکھیے گا دوبارہ کوئی بھی انصاف کے لیے قانون کا در نہیں کھٹکھٹائے گا۔ لوگوں کا جو رہا سہا یقین قائم ہے اسکا مان رکھیے گا"

میکائیل تو بول ہی نہ پائے تھے نہ وہ بپھرے میڈیا کے لوگ انھیں موقع دے رہے تھے۔

"دیکھیں وقت دیں ہمیں، اور عوام میں انتشار کے بجائے وہ خبریں پھیلائیں جو اس درندے کی تلاش میں معاون ہو سکیں۔ بس مجھے مزید کچھ نہیں کہنا، امید ہے آپ سب سمجھداری کا مظاہرہ کریں گے"

اس وقت ان لوگوں سے جان چھڑوانا ہی بہتر حل تھا، میڈیا کے تمام لوگوں کو باری باری جانے کو کہا گیا تھا۔

پولیس کے لگ بھگ سات آٹھ لوگ اس وقت میکائیل اور جہاں داد کے آس پاس کھڑے تھے۔

میڈیا ان سبکی سوچ سے کہیں زیادہ اس کیس میں انوالو ہو چکا تھا جو اب ان سبکی ہی ذہنی الجھن کا سبب تھا۔

"ان لوگوں کی زبانیں صرف بے عزتی ہی بند کروا سکتی ہے، مطلب کوئی احساس نامی چیز ہی نہیں۔ سر میں بہت شرمندہ ہوں کہ آپکو ان جاہلوں کی بے جا تنقید برداشت کرنی پڑی۔ ایک بار یہ عائش ملے، ایک ایک ہار کا بدلا چکائے گا وہ حرام زادہ مفرور"

جہاں داد کا بس نہ چل رہا تھا کہ ان سب صحافیوں کو ایک ساتھ سولی لٹکا تا، تھا تو وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک کیونکہ پچھلے دو سال سے وہ عائش ہمانی کے معاملے میں صرف ہار ہی رہے تھے۔

" جہاں داد، تنقید تو سہنی پی پڑے گی۔ معاملہ اب ہر حد سے نکل چکا ہے۔ اب بات بہت آگے جا چکی ہے۔ عوام اور میڈیا کا یہ غصہ اور غم جائز ہے۔ آئے دن کتنی بچیاں درندگی کا شکار ہو رہی ہیں، سب مجرم کہاں پکڑے جاتے ہیں۔ کئی پیسہ دے کر ثبوت مٹوائے ضمانت پر بری ہو جاتے اور کئی امیر کبیر بیک گراونڈ اور اونچی سفارشوں سے بچ نکلتے، اور رہی بات ان دس بارہ فیصد قانون کے شکنجے میں آنے والوں کی تو انکے کیس مدتوں عدالتوں میں چلتے ہیں۔ دھمکا کر، قتل وغارت سے مجبور لوگوں کو ہراساں کیے یا تو کیس ہی واپس لے لیے جاتے یا پھر بار سوخ مجرم، کمزور ملزم کی جیب گرم کر کے خود کو صاف ستھرا کر لیتا ہے"

وہ بھلے قانون کا ایک بڑا حصہ تھے لیکن انکے لہجے میں یاسیت اور بے بسی رچی بسی تھی۔

جہاں داد بھی اس بے یارو مددگار سئ حالت میں بھنا سا گیا۔

"لیکن پھر بھی عائش کو بچانے والا کوئی نہیں ہے، اسکا بھائی اسکا مددگار نہیں ہے جسکا مجھے یقین ہوا اس سے مل کر۔ کاشان ہمانی جتنا بھی برا ہو جائے لیکن اس بدبخت کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ کیا آپکو لگتا ہے وہ اپنے سوتیلے بھائی کی مدد کر سکتا ہے"

وہ لوگ اب ہوسپٹل کی راہداری عبور کیے پارکنگ تک آ چکے تھے، جہاں داد اپنی تشویش سے با علم کیے گاڑی سے کچھ فاصلے پر رک کر میکائیل رضوی کی جانب پلٹا جنکا دھیان اس بار اندرونی سمت تھا۔

یہ جہاں داد نے بھی محسوس کیا۔

"بعض اوقات کسی کا بچ جانا آسانی نہیں، اسکے گناہ کے برابر عذاب کی تیاری کا ہولناک سائرن ہوا کرتا ہے جہاں داد۔ جو چیزیں ہو نہ رہی ہوں، انھیں کچھ وقت چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ تا کہ وہ وقت آجائے جب وہ ہونے لگیں۔ کیا خبر ابھی عائش ہمانی کے گناہوں کے برابر سزا کی تیاری میں وقت باقی ہو، کیا خبر ابھی اسکے گندے جسم کو جلانے والا جہنم خانہ تیاری کے مراحل میں ہو۔۔۔۔"

وہ صاف گوئی سے اپنی بات کہہ کر جو یہ جہاں داد کو لاجواب کرتے سوال پوچھ رہے تھے اس پر وہ بھی دنگ تھا۔

"سر۔۔۔ آپکی باتیں بہت گہرائی رکھتی ہیں۔ لیکن افسوس یہ معاشرہ آوٹ پٹ کا طلب گار ہے، بس سب جلدی جلدی ہو جائے یہ درکار ہے سکو۔ آپ نے کاشان ہمانی کے متعلق میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟"

اپنے سوال کے نظر انداز ہونے پر جہاں داد نے اپنا سوال جتا کر دہرایا جس پر وہ جہاں داد کا کندھا تھپک کر زرا مطمئین سا مسکرائے۔

"وہ کیسا ہے، کیسا نہیں۔ اس سے مل کر طے کروں گا۔ کسی کے منہ پر نہیں لکھی ہوتی اسکی نیت۔ اسکے گناہ، اسکے ثواب۔ خیر تم لوگ جاو۔ مجھے ایک اہم کام سے جانا ہے۔ کوئی بھی اب ڈیٹ ہو تو مجھے خبر کرنا"

اپنی سحر انگیزی کے سنگ بات ادھوری ہی چھوڑے وہ ان سکو تاکید کرتے خود بھی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔ کسی سنسان ہوسپٹل سے ملحقہ سڑک پر رک کر انھیں اسکا انتظار کرنا تھا تا کہ مدت سے تڑپتی انکی بینائی اس کا دیدار کرتی، تشنہ لب اسکی جدائی اور بے اعتنائی کے کرب بیاں کرتے اور بے جان سی سانس، اس دشمن جان کی سانس کی دور سے ہی سہی پر خوشبو محسوس کرتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عون اور یوئی اس سے پہلے ہی ہوسپٹل پہنچ چکے تھے، یوئی اسکا ہاتھ پکڑے اسکے ساتھ جس بیتابی سے اندر جا رہا تھا وہ قابل دید تھی۔

اسے بس اس وقت عناب کو دیکھنا تھا، اپنی ڈال کی سلامتی سے بڑھ کر اسے کچھ عزیز نہ تھا۔

ہلال بھی آج واپس ہوسپٹل آگیا تھا، عون نے اسے ابدال کے ساتھ رہنے کی تاکید کی تھی۔

عناب کو اب سپیشل کیئر روم میں منتقل کر دیا گیا تھا مگر ابھی بھی اسکے دل کی دھڑکن بہت مدھم تھی، ڈاکٹر الماس اور انکی ٹیم اس ننھی پری کے پھول سے وجود کی ہر تکلیف مٹانے کی ہر ممکنہ کوشش میں تھی، پھر ابدال کا ہر وقت عناب کے ساتھ ہونا بھی اس بچی کو تمام تر ذہنی اور جسمانی اذیت کے باوجود کچھ پل کا سکون میسر آجاتا تھا۔

عناب کی حالت اس وقت وہ بچی خود نہیں سمجھ سکتی تھی بس اسکے اندر اس حادثے نے ایک بے چینی اور خوف بھر دیا تھا۔

وہ تو پہلے ہی اتنا لوگوں سے ملتی جلتی نہ تھی مگر اب وہ بلکل اپنے بھیو تک محدود ہو چکی تھی، اسے کہیں بھی جانے نہیں دیتی تھی، جب وہ ہوش میں ہوتی تو اسے ابدال ہر وقت اپنے پاس چاہیے تھا۔

اس پر ابدال اور عون دونوں نے ہی گزرے دن ڈاکٹر الماس سے بات کی تھی مگر انکا کہنا یہی تھا کہ یہ عناب کی کنڈیشن فطری ہے، جیسے جیسے اسے شعور آئے گا اور خود کے ساتھ ہوتے اس حادثے کی سمجھ آئے گی تو وہ مزید کئی طرح کے مسائل کا شکار ہونے لگے گی، مگر اسکے باوجود انہوں نے مایوسی میں کمی کو عناب کی جلد ریکوری کی بھی نوعید سنائی تھی۔

اس وقت بھی ابدال کافی پریشان سا اسکے پاس بیٹھا اسکی ہتھیلی پر پیار دیے بدلے میں تکیے پر سر رکھ کر لیٹی عناب جو فیڈر پینے میں مگن تھی، ابدال کے شفقت بھرے انداز میں اسکے ماتھے پر جھک کر پیار دینے پر خود بھی مسکائی۔

"میری گڈی اتنی بڑی ہو کے بھی فیڈر پیتی ہے، ویسے اب تمہیں کپ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ایسے تو یہ چنا منا کا کا اتو وو سا ہی رہ جائے گا"

زرا جھک کر ایک بازو عناب کے سر سے پرے حائل کیے دوسرے ہاتھ سے اسکی گلابی گال دبائے شرارت سے بولا جس پر وہ ناں میں سر ہلائے ہمیشہ نمی کی تہہ اپنے اوپر رکھتی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

" بھیو اتھ میں اتھالتد اہے، میلے شے تپ میں نی پییے ہو تا۔ (بھیو اس میں اچھا لگتا ہے، میرے سے کپ میں نہیں پینے ہو تا)"

فیڈر منہ سے نکالے وہ بڑی فکر سے وجہ گوش گزار کرتی ابدال کو بھی یہ احساس دے رہی تھی کہ وہ پہلے جیسی نہ سہی پر ہونے کی پوری کوشش میں ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے، جس طرح ہمارا بچہ کنفرٹیبل ہو۔ یہ بتاو درد تو نہیں ہے اب، اپنی کوئی بھی تکلیف مجھ سے کبھی مت چھپانا عناب"

اسکے بولنے، کبھی کبھی مسکرانے نے ابدال کے زخم بھی مندمل کرنے شروع کر دیے تھے، بس وہ ابھی چل نہیں سکتی تھی اور الماس نے تسلی دلائی تھی کہ عناب کی کنڈیشن بلکل بہتر ہوتے ہی وہ اسکی فیزیکل تھراپی بھی شروع کروا دیں گی، ابھی وہ بچی تھی تبھی ڈاکٹرز پر امید تھے کہ وہ تھوڑے علاج سے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی۔

ابدال کے اس سوال پر عناب نے فیڈر ہاف سے بھی کم پیے واپس اسے دیا اور خود اپنے بگھڑتے تنفس پر قابو پاتی بہت نڈھال سی ہو کر بولنے کی کوشش میں اپنی ہمیشہ اک نمی کے حصار میں رہتی آنکھیں موند گئی۔

"کیا ہو گیا میری لاڈو کو؟۔۔۔"

بہت احتیاط سے وہ فکر مند ہوئے اسکا ماتھا چھوئے پوچھ رہا تھا مگر وہ ہمت کیے اپنی آنکھیں کھول کر پھر سے بے آس سی ابدال کو دیکھنے لگی۔

"دلد دنی ہے، تبھی تبھی ہو داتا بھیو۔ میں تھیت ہوں (درد نہیں ہے، کبھی کبھی ہو جاتا بھیو۔ میں ٹھیک ہوں)"

کافی ہمت درکار تھی اس ننھی پری کو یہ جھوٹ بولنے کے لیے، اور وہ عناب کی آنکھوں میں بجھتی جلتی زندگی کا ٹمٹماتا دیا دیکھ کر اپنے دل تک ٹیس اٹھتی محسوس کر رہا تھا۔

روم کا دروازہ کھلنے پر ابدال اور عناب دونوں دروازے کی جانب دیکھنے لگے، اور ساتھ ہی اندر داخل ہوتے یو آن کا لپک کر بیڈ پر لیٹی یکدم ہی یوئی کو دیکھ کر جی اٹھتی عناب تک آنا شاید ابدال کی زندگی کا سب سے خوبصورت منظر تھا۔

وہ بجھی ہوئی، پور پور درد سہتی بچی نے اپنے یوئی کو دیکھ کر پہلے تو زندگی سے بھری مسکراہٹ دی مگر اس سے پہلے کہ یو آن بڑھ کر اسکا ہاتھ پکڑتا، عناب نے سہم کر اس کے ہاتھ سے پہلے اپنا ہاتھ چھڑوایا پھر دلخراش سی چیخ مارے ابدال کے ساتھ جا لپٹی۔

عناب کے شدید رونے اور تڑپنے پر جہاں ابدال اور عون بوکھلائے وہیں یوئی کی کانچ سی تھکی آنکھیں بھی پانی سے بھر آئیں۔

"نالاض۔۔۔نالاض ہ۔ہوں۔۔۔۔دندے ی۔۔یوئی۔۔۔ نالاض ہ۔۔۔ہوں۔۔۔۔۔ نی بات تلوں دی۔۔۔۔دندے یوئی تلے دے تھے۔۔۔میلا۔۔۔میلا بلیشت بی دلیدن نے ایشے۔۔۔ایشے جول شے دبا تے اتال دیا۔۔۔۔دم دیاوہ۔۔۔ب۔۔ بھیو دم دیاوہ۔۔۔

)ناراص ناراض ہوں، گندے یوئی، ناراض ہوں، نہیں بات کروں گی۔ گندے یوئی چلے گئے تھے۔ میرا بریلسٹ بھی ڈریگن نے ایسے ایسے زور سے دبا کے اتار دیا۔ گم گیا وہ۔ بھیو گم گیا وہ"(

ابدال کے سینے میں ہانپتی کانپتی مکمل چھپی وہ سسکیاں بھرے مسلسل روتی جا رہی تھی، رونے سے اسکی سانس تک اکھڑ رہی تھی۔

خود یوآن سہم سا گیا تھا، عون تو یہ دلخراش منظر دیکھ کر خود بھی برداشت نہ کر سکا، ڈرے سے یوآن کو اپنے ساتھ لگائے اسکے بال سہلائے مگر وہ بس ابدال کے ساتھ لگ کر ہچکیوں سے روتی عناب کو دیکھ کر تکلیف میں تھا۔

"ششش۔۔۔رو نہیں۔ ہم ڈھونڈ لیں گے آپکا وہ بریلسٹ۔ بس میرا بچہ رو نہیں ورنہ سانس اٹکنے لگے گی اور درد بھی ہو گا۔یوئی کو بھی آپکی طرح چوٹ لگی ہے دیکھو اسکے ماتھے پر بھی بینڈ تج ہے۔۔۔لک"

خود ہی عون دوسری طرف سے آکر ابدال کو بھی رنجیدہ کرتی عناب کو پکڑ کر اٹھائے بہت پیار سے بہلا تو رہا تھا مگر وہ زرا زرا کانپ کر مسلسل روتی اب عون سے جا لپٹی تھی اور عون تب زرا گھبرایا جب وہ بلکل اپنا سانس سادھے اسکے کندھے سے چہرہ لگائے ایک آنکھ سے روتے یوئی کو دیکھ کر اس بچے کو مزید اداس کر گئی تھی۔

وہ اس سے اتنی سخت ناراض تھی یہ بات یوئی کا ننھا دل برداشت ہی نہ کر سکا تھا۔

"یوئی تیا ہوا آپ تو۔۔؟ دلد د ہوا، توت لدی ہے۔ ام۔۔امم مدے بھی دلد ہوا ہے، دیادہ شی توت لدی ہے۔۔۔۔

"(یوئی کیا ہوا آپ کو؟ درد ہوا، چوٹ لگی ہے۔ مجھے بھی درد ہوا ہے۔ زیادہ سی چوٹ لگی ہے)

عون کے کندھے سے بے جان سی لگ کر وہ یوئی کو کہتی بہت آہستہ سی بولی، اپنی نازک ہتھیلیئ سے ہری سرخ متورم سی آنکھیں رگڑے وہ عون کی گرفت سے نکلنے کو بے تاب ہوئی تو وہ اسے واپس بیڈ پر بیٹھائے خود بھی پاس بیٹھا۔

یوئی بھی قریب آئے اسکے پاس بیڈ پر بیٹھے اپنا ہاتھ بڑھا کر عناب کی گال پر لکیر بناتے آنسو کو ہٹانے لگا، یہ منظر عون تو آزردگی سے دیکھ گیا مگر ابدال نا جانے کیا ہوا کہ اپنی آنکھیں چراتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہلال باہر ہی تھا تبھی عون کو تسلی تھی کہ وہ ابدال کی اس بار بھی تکلیف کم کر دے گا۔

خود عون کو مہکار سے ملنا تھا تبھی وہ یوئی اور عناب دونوں کو پیار کرتا خود بھی باہر نکل گیا۔

یوئی کی روتی آنکھیں خشک تو تھیں پر وہ عناب کے جبراً مسکرانے کے باوجود مطمئین نہ تھا۔

"مجھ سے کبھی ناراض مت ہونا عناب، ابھی یوئی چھوٹا ہے۔ جب بابا اور بڑئی جتنا ہو جاوں گا تو کبھی چھوڑ کر نہیں بھاگوں گا۔ وھاج بھائی نے کہا تھا گندے لوگوں سے بچنے کے لیے بھاگ جاو، میں اس لیے گیا تھا۔ میں اب کبھی بھی نہیں جاوں گا۔ میں تم کو بہت سارے بریسلٹ لا کر دوں گا آئی پرامسس۔ تم کبھی نہیں رونا ایسے، زیادہ سارا نی رویا کرو۔ پرامسس کرو مجھ سے"

وہ معصوم سے بچے لاعلمی میں بھی ایک دوسرے کے سچے بہتے آنسو اپنے اپنے ہاتھوں میں چنتے جا رہے تھے، ابھی تو وہ دونوں ہی اس قیامت خیز زندگی کے الم سے ناواقف تھے مگر عناب کے ننھے دل کی وہ ابھی سے ڈھارس تھا۔

وہ پری اپنی ساری تکلیف اور ناراضگی بھلا کر سر کو یوں ہلا رہی تھی جیسے وہ سانس بھی یوئی کے حکم پر لیتی ہو۔

"دلد ہے، لونا خود خود آلا ہے، یوئی ادل دلد ہو لا تیا؟ (درد ہے، رونا خود خود آرہا ہے، یوئی ادھر درد ہے کیا)"

اپنی بے بسی میں وہ یوئی کو جس دردناک انداز سے وضاحت دے رہی تھی اسے سن کر باہر کھڑے ہلال اور ابدال کی آنکھوں میں بھی دو جہاں کا درد آن سمٹا تھا اور یوئی، اسے تو سمجھ نہ آئی وہ کیا کرے، کیسے عناب کا درد خود پر لے۔ وہ اسکے ماتھے پر لگے چھوٹے سے بینڈ تج پر اپنی چھوٹی سی انگلی احتیاط سے لگاتی اسکے درد سے بھی ناواقف نہ تھی۔

اس پر یوئی مسکرایا تھا۔

"نہیں درد نہیں، میں بلکل ٹھیک ہوں۔ تم بھی ٹھیک ہو جاو گی۔ تم بہت سٹرونگ گرل ہو۔ یوآن سے بھی زیادہ۔ میں دعا کروں گا تمہارے لیے، بابا کہتے ہیں یوئی کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ یوئی اب سے اپنی ڈال کے لیے اتنی سارے دعائیں کرے گا۔ تم پہلے کی طرح ہو جاو"

وہ یکدم بڑا، سیانا اور سمجھدار ہو جاتا تھا، کم از کم وہ عناب کے معاملے میں بہت زیادہ حساس تھا۔

"م۔۔میں دال ہوں آپ تی؟ (میں ڈال ہوں آپکی)"

وہ خوشبو کے پہلے جھونکے سی پیاری اور نیاری پری، اس شرف سے ابھی سے نہال ہوئی تھی۔

"یس، عناب، یوئی کی ڈال ہے، سب سے پیاری، اچھی، بہادر اور کیوٹو"

یوآن کا زندہ دلی کے سنگ عناب کے پھر سے تر ہوتے گال خشک کر کے اسے بتانا، عناب کو زندگی تھما رہا تھا۔

وہ تھک کر پھر سے سر تکیے پر رکھے بس مسکراتی آنکھوں سے یوئی کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا تو بھی وہی سوچ رہا ہے جو میں؟"

باہر دروازے کی اوٹ سے ہٹ کر کرسی پر بیٹھتے ابدال کو کسی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ہلال اسکے پاس ہی آکر بیٹھتے استفسار کیے بولا جس پر ابدال نے جھکی گردن اٹھائے، نظر پھیر کر ہلال کو دیکھا جو اسکے جواب کا منتظر تھا۔

"ابھی یہ سب سوچنے کے لیے بہت وقت ہے ہلال، لیکن ایک بات کی تسلی سی ہے۔ وہ یوئی کی موجودگی میں اپنے حصار سے نکل کر اسے اپنی تکلیف بنا چھپائے بتا رہی تھی۔ یہ لمحہ جتنا حسین ہے اتنا الم ناک بھی ہے۔ نہ جانے میری پری کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ بس میری دعا ہے کہ اللہ اس سے ابدال اور یو آن کو کبھی الگ نہ کریں۔ بس۔۔۔ وہ ٹھیک ہو جائے یہی سب سے اہم معاملہ ہے"
ابدال کے لہجے میں جہاں امید تھی وہیں اسکی آواز میں ٹوٹے کانچ کی سی چھنکار بہت سی اکھٹی تکلیفوں کی ترجمان تھی۔

"ان شاء اللہ، ایسا ہی ہو گا۔ ان دونوں معصوم بچوں کی یہ بے غرض، انمول، معصوم اور پاک سی محبت انکی مشکل زندگی کی پر نور آسانی بنے۔ تجھے ہمت کرنی ہے میرے عزیز دوستا! تیرے لیے، اور عناب کے لیے ہمیشہ حاضر رہوں گا"
ابدال نے ممنون ہوئے نظر پھر سے اپنی زندگی کی اس حسین دولت پر ڈالی، ہلال نے اسے واقعی اس مشکل وقت تنہا نہ کیا تھا۔

وہ اظہار میں بہت کچا تھا لیکن بہت بار ہلال کی محبت، اسکے قربان ہوتے انداز پر ابدال کا دل چاہتا وہ ہلال سکندر کے لیے اپنی جان وار دے۔

"تجھے پتا ہے ہلال، میرے پاس تیری صورت تسلی اور امید کا پورا جہاں موجود ہے۔ تو نے ہر قدم پر اس ناکارہ کو سہارہ دیا۔ میں تجھے کبھی بھی اتنا نہیں لوٹا سکا جسکا تو مستحق ہے۔ لیکن آج تیرے سامنے کہتا ہوں کہ میری زندگی اک تیرے نہ ہونے سے بہت ہی خالی ہوتی۔ مجھے تو آخری سانس تک اپنے ساتھ درکار ہے"

اس مشکل گھڑی جب خود ہلال تکلیف میں تھا، بھائی کے لیے، لیکن اس نے ابدال کے ساتھ رہنا افضل جانا تھا۔

ابدال اسکا ہاتھ تھامے اسکی زندہ دل، ہمیشہ ان کہی امید اور پیار سے بھری آنکھیں دیکھ کر اسکے ہونے کا معترف بنا اسے معتبر کر چکا تھا۔

ہلال سکندر تو اپنے یار کے لیے مر مٹنے والا جگر لیے آیا تھا اس جہاں میں۔

"او ہیلو، آپن وی اک جونک ہوں۔۔۔ تجھے چھڈ کے جانے بھی نہیں لگا۔۔۔ ایموشنل نہ ہو۔ مجھے پتا ہے تو نے آئی لو ویو صرف میری غریبنی بھابھی کو ہی کہنا ہے ان فیوچر۔۔۔ مجھے تو نہ امید ہے نہ توقع۔۔۔ سانوں نکا جیا آئی لائک یو وی اوکے ہے"

اس دکھ بھرے ٹرانس سے نکلنے کو جناب دی گریٹ ہلال صاحب کی شرارتی رگ پھڑک کر ماحول میں اک سکون برپا کر گئی، وہ سکون ابدال مصطفی کی کئی دنوں سے کھوئی مسکراہٹ کی واپسی کا تھا۔

"ہاں جو ابھی دنیا میں آئی بھی نہیں ہو گی؟"

ابدال بے نیازی سے کندھے اچکاتا یہ کہہ کر ہلال کا منہ صدمے سے کھلوا چکا تھا۔

لگتا تھا یہ قبولیت کی گھڑی ہی تھی۔

"ہاہا نہ کر یار، بھابھی نہ ہو گئی۔۔ گو دلی کا کی ہو گئی"

ہلال کا مسخرا پن ایک بار پھر پھڑک کر ابدال کی مسکراہٹ بنا۔

دونوں اس کے بعد بس مدھم سی گہری مسکراہٹ میں ہی اتر چکے تھے۔

دوسری سمت کئی دن کے آرام کے بعد بھی وھاج سکندر کے ظاہری زخم تو مندمل ہو گئے مگر اندر اک جنگ جاری ہو گئی تھی۔

ماں اور بھائی کے لیے جینا لازمی تھا ورنہ وفا اور کاشان کے ایک ساتھ ہمانی حویلی میں ہونے کی خبر کے بعد وہ اپنی بے وقعت ہوتی ذات سے چھٹکارہ پالیتا۔

وہ سمجھ نہ پایا کہ آخر وہ کیوں زندہ بچ گیا۔

جب اس سے اسکی زندگی کا نور چھین لیا گیا تھا۔

اسکی گہری دل آویز آنکھیں اب دل چیڑ دیتی افسردگی کا مسکن بن گئی تھیں، رت جگوں کی غماض ہستی، ملول دل، ریزہ ذات، شکستہ وجود لیے وہ بس بے وجہ سانسیں بھر رہا تھا۔

اسے لگتا کہ جلد لوگ اسکے بارے قیاس آرائی کرنے اٹھ آئیں گے کہ دیکھو محبت نے ایک شیر جوان چٹیل مرد کو دیمک بن کر چاٹ لیا، دیکھو وہ اچھا بھلا تھا نا جانے کیا ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے مٹی ہو گیا۔

"وفا کو میری کسی بات پر اعتبار نہیں، کیوں۔۔۔ کیوں بنایا آپ نے مجھے پھر جب میرے دل میں سانس لیتی اس لڑکی کی جدائی کو میری موت بنانا تھا"

وہ پہروں خلاوں کو تکتا خود سے یہی اذیت ناک باتیں دہراتا، اسے سانس سانس اذیت دینے لگی تھی۔

بولایا بولایا، اپنا آپ کھو کر زندگی گھسیٹنا۔

کیا اسکے نصیب میں کچھ بڑا درج تھا؟ کیا اسے ابھی موت نہیں آنی تھی؟ کیا اسکی نور حیات بھی ممکن تھی؟ کیا اسے اسکی لاحاصل محبت کے بدلے کوئی باولا عشق ملنا تھا؟ ہر حد سے پرے، دنیا سے الگ، ہر شے سے جدا۔

اسکے لہجے میں آنسو تھے، اپنی ہار کا ماتم تھا۔

"میں یوں والدہ کے سامنے نڈھال اور ہارا پھر تا رہا تو وہ میرے دکھ سے آدھی ہو جائیں گی، مجھے یا تو اپنے پاس بلا لیں یا پھر میری زندگی کو وفا کے سوا کوئی مقصد دیں۔ مجھے کسی فرض کے لیے چن لیں ورنہ میرا اپنا وجود مجھے نوچ کھائے گا"

آج اتنے دن کی ماتمی گرد کی تہہ جھاڑ کر اس نے دعا مانگی تھی، وہ دعا جو وھاج سکندر کے لیے قبول ہونی تھی۔ اسکی زندگی ایک دائرے میں آنے والی تھی۔

"عمر بھر کے روگ ہیں !!

تمہارے اِرد گرد چاہتوں کا اِک ہجوم ہے

قدم قدم، پلک پلک

بِچھانے والے لوگ ہیں

کسی کی بے پناہ چاہتیں

تمہیں نصیب ہیں !!!

خُدا کرے کہ عمر بھر یہ چاہتیں یونہی رہیں

یہ رونقیں، یہ قُربتیں، یہ راحتیں یونہی رہیں

ہمارا کیا؟؟

کہ ہم ازل سے بدنصیب لوگ ہیں !!

ہمارے خواب راکھ ہیں،،،،،، ہوا چلی بِکھر گئے

وہ شب گزار لوگ ہیں! جو دن چڑھا تو مر گئے

ہمارا غم نہ کیجیے

کہ جسم وجاں پہ سوگ ہیں

"یہ ہجر عمر بھر کے ہیں"

"یہ عمر بھر کے روگ ہیں"

وہ اک شام ہو رہا تھا، بھری جوانی میں اجڑا شخص جسکو آباد کرنے وہ آنے والی، اسکی نور حیات۔۔۔۔۔

پر کب؟ یہ تو وقت طے کرنے والا تھا۔

زویا اور نہال کو دوسری جانب ہوسپٹل آتا دیکھ کر ابدال اور ہلال جو قدرے پر سکون سے تھے، یکدم ہی خفگی سی چہرے پر اتار لائے۔

ابدال تو باقاعدہ انھیں ناراض اور تکلیف دہ انداز سے قریب آتا دیکھ کر خفیف سا سلگا۔

زویا کو بھی اس وقت لگا جیسے ابدال اسے بھی سخت ناراضگی سے بھری نظر میں سمیٹ چکا ہو۔

ہلال اندر کمرے میں گیا تو ابدال نے نہال کے بڑھتے قدم راہ میں حائل ہوئے بے رحمی سے روکے اور استہزائیہ نظر اپنے بظاہر سٹرونگ بے حس مگر اندر سے شکستہ بابا پر ڈالی۔

وہ نظر ایسی تھی کہ نہال کو اپنے پورے جسم میں کانٹے چبھتے محسوس ہوئے۔

"کہا تھا ہمیں ضرورت نہیں آپکی، وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی رو رو کر چپ ہوئی ہے۔ میں نہیں چاہتا آپکا سامنا ہو اور وہ ان ساری حسرتوں پر روئے جو آپ نے اسکی ذات کا حصہ بنا دیں"

اسے لفظ ترتیب دینے اور کہتے وقت تب بہت سوچنا پڑتا تھا جب اسکے سامنے نہال بخاری ہوتے تھے، وہ ظالم تو نہیں تھا مگر چاہتا تھا بن جائے۔

جنجھوڑ کر اس باپ سے جواب مانگے، ہر محرومی کا۔

"ابدال، تمہیں رحم نہیں آرہا میری حالت پر۔ دیکھ نہیں پا رہے کہ اپنے کیے گناہوں پر جیتے جی جہنم بگت رہا ہوں۔ کیا تم اس لمحے بھی مجھے سزا دو گے، کیا دے پاؤ گے سزا؟"

وہ بھی اپنے برداشت سے بڑھتے درد پر کراہ اٹھے، انھیں اپنے بیٹے کے سامنے سسکنا پڑا۔

ابدال کو انکی کوئی التجاء موم نہیں کر سکی تھی، وہ تو ساری دنیا کو اس وقت جوتی کی نوک پر رکھے جی رہا تھا۔

"وہ آپکو معاف کر دے گی تبھی میں چاہتا ہوں آپ دور رہیں اس سے، اسے روٹھنا نہیں آتا۔ اور بنا اسکے روٹھے اور آپکے منائے سب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا یہ یاد رکھیے گا۔ یہ مت سمجھیے گا کہ آپکے دل کی تکلیف مجھے کسی بے رحمی سے کبھی روک سکے گی۔ وہ آپکو بھلے معاف کر دے لیکن میں آپکو کبھی معاف نہیں کروں گا"

کڑی نظر نہال بخاری کے سوگوار چہرے پر ڈالے وہ انھیں تاعمر سولی پر لٹکانے کا عہد لیے اس وقت کسی نرمی کے حق میں نہ تھا۔

زویا چاہتی تھی وہ کچھ بولے مگر ابدال کے سامنے اسے بھی چپ لگ گئی تھی۔

"یہ بابا ہیں تمہارے، تمہیں ایک موقع دینا چاہیے ابدال"

آخر ان دو کی جلتی سلگتی ملاقات کا دکھ محسوس کیے زویا نے بھی سمجھانا چاہا مگر ابدال کو اسکی مداخلت بہت ناگوار گزری۔

وہ تو پہلے ہی زویا کو بابا کے ساتھ دیکھ کر انتہا کا جل بھن چکا تھا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، معاف کرنے نہ کرنے کا فیصلہ صرف میرا ہو گا۔ آپ مل لیں اس سے لیکن اگر وہ روئی تو یہ آپکے لیے بھی تکلیف بنے گا"

نجانے اسے نہال کی تکلیف نے زرا نرم کیا تھا یا عناب کی تکلیف اور حسرت کے خاتمے نے کہ وہ مان تو گیا مگر ہنوز روٹھا ہوا۔

زویا بھی دھیما سا مسکرائے نہال کو اندر جانے کا کہے خود بس دروازے سے ہی اک نظر عناب کو دیکھتے اس سے پہلے جانے کو مڑتی، ابدال کی پکار نے اسے رکنے پر مجبور کیا۔

نہال اندر کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

"زویا ہمانی صاحبہ؟"

وہ بہت اجنبیت بھری پکار تھی۔

"جی کہو"

زویا نے بہت پیار سے پوچھا۔

"اپنے اس بھتیجے کو میرا ایک سوال پہنچا دیجئے گا کہ اگر اس سے اسکی زویا پھپھو کوئی چھین لے تو اسکے دل پر کیا بیتے گی، اور یہی سوال آپ سے کہ آپ کاشان ہمانی کے دور ہونے پر جی سکتی ہیں اتنی آسانی سے جتنی آسانی سے وفا نے جی کر دیکھایا۔ مجھ سے میری وفا چھین کر وہ اب بھی میرا مجرم ہے یہ بھی کہہ دیجئے گا اسے۔ اور ایک پیغام ان دونوں کو دے دیجئے گا کہ میرے سامنے آنے کی کچھ وقت کوشش نہ کریں وہ۔۔۔"

تلخ، کڑوا، کسیلا، خفا، برہم، دردناک اور الجھا سا وہ یہ لفظ لفظ زویا کو کہے اپنی جگہ پتھرا گیا تھا۔

وہ اس چھوٹے سے جوان سے ایسی دردناک باتیں ہرگز امید نہیں کر رہی تھی۔

"نہ میں کاشان کے دور ہونے پر جی سکتی ہوں نہ وفا تمہارے دور ہونے پر جی ہے، وہ تو آج ہی آئی تھی حویلی۔ پچھلے تین چار دن سے وہ بخاری ولا تھی۔ کاشان کو گولی لگی تھی، وہ تو تب بھی نہیں آئی تھی۔ وہ دو ایک دوسرے کے لیے اچھے ہیں ابدال، نہ میرا کاشان برا ہے نہ تمہاری وفا بے رحم کہ وہ تمہیں بھلا دے"

زویا اسکی وفا سے اٹیچمنٹ جان کر اسے بہلانے سمجھانے بہت نرمی سے وضاحت دے رہی تھی مگر وہ تو گولی والی خبر پر ہی ساکن ہو گیا تھا۔

"گولی۔۔۔؟"

بے یقینی سے وہ زویا سے بولا۔

"ہمم۔۔اب بہتر ہے۔دیکھو ابدال ان دو کے بیچ اس دنیا کا سب سے مضبوط رشتہ جڑا ہوا ہے۔وفا کے لیے دل میلا مت کرو نہ کاشان کے لیے"

زویا اسے مزید سمجھاتی اسکے پاس آئی،اسکی گال سہلائے نرم سی تاکید کی مگر وہ ناچاہ کر بھی افسردہ سا تھا۔

یعنی اتنا سب ہو گیا تھا اور اسے خبر تک نہ تھی۔

"میرے سوال پھر بھی پہنچا دیجئے گا،سب سے مضبوط رشتہ وفا اور ابدال کا تھا لیکن اب نہیں رہا۔خیر اجازت چاہتا ہوں"

اپنی افسردگی دباتا وہ زویا سے آنکھ چرائے واپس پلٹا تو وہ بھی واپسی کے لیے نکل گئی،یہ جانے بنا کہ آج اسکی زندگی بھر کی کمائی لٹنے والی ہے۔

وہ پھر سے اک دیوانے سے ٹکرانے والی ہے۔

ابدال واپس جب تک روم تک پہنچا،اندر جھانکنے کی زرا ہمت کی تو نہال کو عناب کا ماتھا،گال اور ننھے ڈرپس کے تشدد سے نیلے پڑتے ہاتھ اذیت و تکلیف سے چومتے دیکھا،یوئی،ہلال اور اب نہال بھی عناب کی مسکرائی آنکھوں کا خفیف سا سہی پر سبب تھے۔

ابدال کو اس بات کی سب سے زیادہ تکلیف تھی کہ عناب نے بابا کے سینے میں چھپنے کے لیے اک لمحہ بھی اس شخص کے ظلم نہ سوچے۔

وہ سوچ بھی کیسے لیتی جسے واقعی اس وقت بابا کی آغوش چاہیئے تھی۔

آج نہال بخاری کو ہادیہ کی کھوئی خوشبو واپس مل گئی تھی، عناب کی خوشبو، انکی بچھڑی ہادیہ کی شدت سے یاد لائی تھی۔

آج تک عناب سے دوری کے سارے فیصلے انکو منحوس لگے، وہ اپنی بھیگتی بصارت کے سنگ یہی سوچ رہے تھے کاش وہ اس ننھی پری کو اپنے لمس دینے کے لیے اتنے بڑے حادثے کا انتظار نہ کرتے۔

وہ ناچاہ کر بھی اپنی آنکھوں کو بھرنے سے روک نہ سکا اور دروازے کی اوٹ سے ہٹ کر کرسی پر لڑھک کر بیٹھا۔

ایک کے بعد ایک آنسو ضبط کی توہین کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تو کیا سوچا پھر تم نے؟"

اپنے گارڈز کو کافی حد کے فاصلے پر رکنے کا کہے وہ سڑک کنارے عون کی گاڑی سے لگ کر کھڑی سپاٹ چہرے سے سامنے گھنے درختوں کے جھنڈ کو دیکھتے عون سے مخاطب تھی جو ناجانے کس طرح اس وقت یہاں کھڑا مہکار کی موجودگی برداشت کر رہا تھا۔

"تم پہلے یہ بتاؤ کہ فارس کو دوبارہ ایک ہونے کی بکواس آفر کرتے تمہاری روح نہیں کانپی، کس منہ سے تم نے یہ ہمت کی اس انسان کے سامنے۔ میرا بس نہیں چل رہا کہ میں تمہارا سایہ تک یوئی اور فارس پر پڑنے نہ دوں"

اسکی تمام شکستگی اور نرمی بھاڑ میں جھونکے وہ اسکئ باقاعدہ بازو پکڑے جھٹکا دیے تلملایا، انداز اتنا غصیلا تھا کہ مہکار اسکی بھیانک سرخ آنکھیں دیکھ کر لمحہ بھر کو دہل سی گئ۔

"کیونکہ ڈوب جانے کے بعد یہ آخری پھڑ پھڑاہٹ تھی عون بخاری، جس پر مدد کے لیے پکارا جاتا ہے۔ یا تو مدد مل جاتی ہے یا چپ چاپ ڈوبنا مقدر ٹھہرتا ہے"

وہ اسکی پتھر گرفت اور نہایت ناراض آنکھیں دیکھ کر سوگوار سی بولی، اسکے لہجے میں نمکینی سی گھلی تو لمحہ بھر عون کا دل بھی نرم سا پڑا۔

اسے مہکار ٹھیک نہ لگی تھی، تین چار دن پہلے مہلت سونپ کر جاتی اس پاگل عورت میں اور آج یہاں اسکے پاس بیزائیت سے جواب دہ کھڑی مہکار میں بہت فرق تھا۔

"تم نے اپنے ہاتھ سے اپنی جنت کو دوزخ بنا دیا، مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔ اچھا ہو گا رہی سہی زندگی اپنے اس خسارے کا ماتم منا کر گزارو۔ میں عون بخاری، اپنی زندگی، اپنی سانس اور اپنی روح جیسئ منیہا کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دیکھو مہکار بہت سالوں پہلے کی وہ معمولی بھلائی جا چکی دوستی کے ناطے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ اس سب سے دور ہو جاو۔ کیونکہ میں کبھی نہیں چاہتا کہ تم کو انتہائی قدم اٹھائے کوئی بھی اذیت دوں"

شاید یہ اس سفاک عورت کا اجڑا پن تھا جو اسکے چہرے پر ماتمی زردی لے آیا تھا اور عون بھی ترس کھائے اپنا غصہ اور ناپسندیدگی ایک جانب سر کا کر اسے بہت تحمل سے سمجھانے لگا، وہ اسے کچھ دیر شکوہ کناں سی ہوئے دیکھنے کے بعد اپنی آنکھیں دھندلا جانے پر چہرہ موڑ گئ۔

"اگر میں زندگی میں کبھی فارس شاہ کے لیے تڑپی تو اسکی وجہ بھی تم ہو گے، تم نے میرے کتنے نقصان کیے عون بخاری۔ کیا تمہیں اندازہ ہے۔ اگر میں خوش نہیں تو تم کیوں خوش رہو۔ کیوں تمہاری روح، سانس اور زندگی بھی میری طرح ہیبت ناک نہ ہو"

وہ پھٹ سی پڑی تھی، آج وہ نا جانے کیوں واقعی بہت بکھری ہوئی تھی۔

"تو اس میں میرا قصور کہاں تھا؟ مجھے تم سے محبت نہیں ہوئی تو میرا کیا عمل دخل اس میں۔ میں نے تو تب بھی تمہارے ساتھ ایک نیکی کی تھی مہکار، تمہیں ایک درندے سے بچا کر اس دنیا کے انمول اور پاکیزہ محبت کرتے مرد کے حوالے کیا تھا۔ کیا ان نو سالوں میں تمہیں کبھی بھی اس انسان کی تکلیف نے نہیں جنجھوڑا؟ تم نے اس جیتے جی مار دیا تھا، وہ مر چکا ہے۔ اب اسکے اجڑے دل میں تمہارا رہا سہا نام تک منہدم ہو گیا"

وہ اسے ایک آخری بار نرم پڑ کر سمجھا رہا تھا، کہ شاید وہ پاگل عورت خون خرابے کے بنا سنبھل جائے۔

مگر وہ مڑ کر یوں عون پر جھپٹی کہ وہ بھی اک پل کو بوکھلا گیا۔

"تم نے مجھے برباد کیا عون، صرف تمہاری محبت نے مجھے رسوا و زلیل کیا۔ صرف تم وجہ ہو میرے اجڑنے کی۔ آج تم میری حالت دیکھو۔ اب مجھے وہ درندہ تک منہ لگانا اپنی توہین سمجھ رہا ہے، اور وہ محبت کرنے والا پاکیزہ مرد مجھ ناپاک کے سائے تک کو اچھوت مان چکا ہے۔ پرندے روٹھ گئے عون جنکا رزق میرے ہاتھ میں تھا، مجھ سے دعا نہیں مانگی جاتی۔ میں رونا چاہتی ہوں تو دل لہو ہوتا ہے پر آنسو نہیں نکلتے، دیکھو عون بخاری تم میرے قاتل ہو۔ اور مجھے تھوڑا سا چین چاہیے تمہئں تکلیف دے کر"

تکلیف کی حد لیے وہ سسک سسک کر عون پر چینخی، اسکے گریبان کو پکڑ کر اس ویران سڑک پر حلق کے بل چلائی، یہ پہلا لمحہ تھا کہ عون کو واقعی مہکار کی تکلیف سے دکھ ہوا تھا، وہ جیسی بھی تھی شاید اسکا مقدر اسے ایسا ہی بنانے والا تھا۔

وہ اسے جتنا بھر لیتا، وہ بے پیند ابر تن کی طرح ازل سے خالی ہی رہنے والی تھی۔

وہ چپ تھا، اسکی آہوں، سسکیوں اور پچھتاوں پر۔

"مہکار۔۔۔ وہ تمہیں طلاق دے چکا ہے۔ اب وہ تمہارا مر کر بھی نہیں ہو سکتا۔ میری کی نیکیاں میرے گلے کا پھندا مت بناو خدا کے لیے۔ میری زندگی کا واحد اک سکھ وہ لڑکی ہے، میں اسے نہیں وار سکتا۔ میں مر جاوں گا اسے کھو کر۔ مجھے سانس نہیں آئے گی مہکار، سن رہی ہو۔۔۔۔۔"

عون کو اس وقت مہکار کی دماغی حالت بہت ابتر لگی پھر بھی وہ بے رحم بنا اسے جنجھوڑ کر اسکے اعصاب پر عذاب نازل کرتا بہت ہی تکلیف سے دھاڑا۔

"ع۔۔ عون۔ تم مجھ سے نکاح تو کر سکتے ہو ناں۔ پھر مجھے چھوڑ دینا۔ اور کچھ نہیں کر سکتے تم لیکن ی۔۔ یہ تو کر دو۔"

اس بار وہ باقاعدہ گڑگڑائی تھی، وہ ہاتھ جوڑے عون سے بھیک کی طرح مانگ رہی تھی جو وہ مر کر بھی نہ کر سکتا تھا۔

"تمہارا دماغ الٹ گیا ہے، میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ دوبارہ یہ کہنے کی ہمت بھی مت کرنا"

درشتی سے اسکو منع کیے وہ خونخوار ہوئے چلایا، اور وہ سہم سی گئی۔

"ٹھیک ہے، تم نے یہ آخری ظلم بھی خوب اچھے سے ڈھا دیا۔ آخری بار بھی تمہارے سامنے سسک کر سوال کیا عون اور تم نے جھٹلا دیا۔ کاش میری زندگی میں وہ لمحہ کبھی نہ آتا جب تم سے محبت کی تھی میں نے۔ اب انجام کے ذمہ دار تم ہو گے"

یکدم ہی سوگوار سے سفاک بنتی وہ آنسو رگڑ کر تنبیہہ کیے اپنے ازلی بے باک روپ میں لوٹی۔

یکے بعد دیگرے مہکار کے آدمی عون کی گاڑی کو گھیرے اسے گن نکالنے کی مہلت دیے بنا زرا سے تشدد سے ہی دبوچ چکے تھے۔

اسکے پیٹ میں لگتی ٹانگیں عون کو درد کی گہرائی میں اتار چکی تھیں۔

"یہ بہت مہنگا پڑے گا تمہیں مہکار" عون نے جبڑے سے نکلتے خون کی پرواہ کیے بنا حلق کے بل چلا کر اسے جلتی آنکھوں سے تکتے وارن کیا مگر وہ طنزیہ مسکراہٹ اچھالتی اپنے گارڈز کو اشارہ کر چکی تھی جو اسے باقاعدہ گھسیٹ کر کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی تک لے جاتے اسکی مزاحمت سے بچنے کو اسے کلوروفارم سونگھوائے زرا بے سدھ کر چکے تھے۔

"سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے عون صاحب، اب تمہاری اور تمہاری اس منیہا دونوں کی تکلیف واجب ہے مجھ پر۔ کوئی رحم نہیں کھاوں گی۔ نجس تو ہو ہی چکی ہے مہکار، تھوڑی اور سہی" اپنے ارادوں پر پتھر کی طرح ڈٹے وہ انتقامی ہوتی خود بھی اپنی دوسری گاڑی کی جانب گامزن تھی، وہ سب اب ہوٹل کے بجائے فارم ہاوس جانے والے تھے۔

پائزن تک مہکار کے ہر قدم کی خبر باسط پل پل پہنچا رہا تھا اور کاشان فی الحال بس چپ چاپ تماشا دیکھنے والوں میں شامل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شہری آبادی سے یکسر دور اس پسماندہ سے گاوں میں ایک گھر حاجی برکت اللہ کا بھی تھا، پیشے کے اعتبار سے وہ ایک کمہار تھے مگر اسکے ساتھ ساتھ پانچ وقتی نمازی، دین دار اور گاوں کی مسجد کے امام صاحب اور بہت ہی پرہیزگار آدمی مانے جاتے تھے۔

پورا گاوں گواہ تھا کہ آج تک ان بزرگ کے ہاتھ، آنکھ یا موجودگی نے کسی کو تکلیف نہ پہنچائی تھی، محلے کے تقریبا سب ہی نوجوان، بوڑھے اور بچے انکا جمعہ کا خطبہ تو خاص رغبت اور دل بستگی سے سنا کرتے تھے۔

مگر دو سال پہلے اچانک ایک رات کسی خبر کے ملنے پر وہ کچھ بتائے بنا، کچھ کہے بنا دل کے دورے سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انکی ناگہانی موت انکے پیچھے رہ جانے والی ان تینوں معصوم جانوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھی۔

گویا انکے ہنستے بستے خاندان کو انکی موت گہرے ٹھنڈے سائے سے نکال کی چلچلاتی، جسم و روح جھلساتی دھوپ میں لے آئی۔

زوجہ سعدیہ، اکلوتی بیٹی نمرہ اور پھر آگے سے ایک ہی پیاری اور دلاری نواسی شکران۔

دو سال تک ان تین جانوں پر زندگی جس طرح تنگ گزری یہ بس وہی جانتی تھیں، امام صاحب کی نیک نامی اور ایک بہترین انسان ہونے کی چھاپ گاوں والوں کے دلوں میں عقیدت اور محبت کا سبب رہی، گویا ان تینوں پر سے برکت اللہ کا سایہ بھلے اٹھ گیا مگر گاوں کا ہر بڑا ان کا سرپرست اور سایہ بن گیا۔

لیکن ان دو سالوں میں نمرہ، سعدیہ یہ نہ جان پائیں کہ آخر وہ کیا بات تھی جس نے انکے سر کے سائے کی جان لے لی۔

گاوں میں سہولیات کے فقدان کے ساتھ ساتھ ٹی وی، اخبار کی بھی کوئی باقاعدہ ترسیل نہ تھی جس کے باعث وہ لوگ اکثر و بیشتر دنیاوی حالات و واقعات سے باعلم نہ ہو پاتے تھے۔

امام صاحب کی وفات کے بعد سعدیہ بیگم نے سلائی کڑھائی کر کے اور بچیوں کو قرآن پاک پڑھا کر اپنی بیٹی اور نواسی کا بوجھ اٹھایا تھا مگر پھر نمرہ نے خود ہی اس سخت زندگی کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر لادنے اور اپنی بیٹی کی خود پرورش کے لیے گاوں کے نجی سکول نوکری کرلی، وہ دس سالہ شکران نانی اور اماں کی لاڈلی نازک اور ملائم نقوش کی مالک بچی تھی مگر وہ عام بچوں کی طرح چالاک اور تیز نہیں بلکے بہت ہی بھولی سی دیہاتن تھی۔

نمرہ نے پچھلے دس سال سے اپنے شوہر کے چھوڑ جانے کا غم تو شکران کی پیدائش کے ساتھ ہی بھلا دیا مگر بابا سائیں کی اچانک موت اسے بھری دنیا میں بلکل تنہا کر گئی۔

زندگی کا بوجھ گھسیٹتے گھسیٹے وہ کندن حسن کی مالک، گاوں کی سب سے نیک، پاپردہ، خوبصورت اور پیاری نمرہ بھی بے حال ہوتی گئی، اچانک سے اسکے جسم پر نمودار ہوتی گلٹیاں اسے رفتہ رفتہ موت کی طرف لے جانے لگیں۔

کئی ماہ گاوں کے حکیم نے علاج کیا مگر آخر کار نمرہ کی اس عجیب و غریب بیماری کو لاعلاج قرار دیے وہ انکے خاندان پر ایک اور ستم توڑ گیا۔

پچھلے دوماہ سے نمرہ بستر مرگ پر تھی، اسکی حالت اس قدر اذیت ناک تھی کہ اسکا پورا جسم گھرے زخموں کا مسکن بن چکا تھا، اسکی سانس اسکے حلق میں اٹکی تھی۔

سعدیہ بیگم تو رو رو کر نڈھال ہو چکی تھیں، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی پیاری بیٹی کو تڑپتا دیکھنا انکے لیے سوہان روح تھا پھر وہ دس سالہ ڈری سہمی شکران جب ماں سائیں کی آہیں اور سسکیاں سنتی تو مزید اپنے اندر دفن ہوتی۔

اس معصوم بچی کو یہ تک علم نہ تھا کہ اسکے بابا کون ہیں؟ اسکی نانی سائیں کیوں پہروں کمرے میں منہ پر کپڑا رکھے روتی ہیں، کیوں نانا سائیں کو لوگ جنازہ بنا کر ویران قبرستان جا کر دفن کر آئے اور کیوں اسکی اماں سائیں درد سے بلک بلک کر روتی ہے پر اس پر سکون نہیں اترتا۔

پچھلے دو ماہ سے اس گھر میں اترتی تکلیفوں پر اب تو گاؤں والے بھی چہمگویاں کرتے کہ یہ کسی بڑے گناہ کا سبب ہے، یہ کوئی بہت بڑا جرم ہے جسکی سزا برکت اللہ کا نفیس اور پرہیز گار خاندان بگت رہا ہے۔

یہ کسی اور کے نجس سائے کی وبا تھی جو انکے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ چکی تھی۔

بھلا کسی نیک پر اترتی وبا یا پریشانی، سزا ہوتی ہے کیا؟ ہم انسان اللہ کی حکمت کبھی نہیں سمجھ سکتے۔

نمرہ کی حالت کچھ دن سے ایسی تھی جیسے وہ قضا کی سختی جھیل رہی ہو، اسکی بصارت پتھرائی ہوئی تھی، اسکی خوبصورت آنکھیں حلقوں کی زد میں تھیں۔

اسکا خوبصورت اور دلکش وجود اب کمزور اور لاغر ہو چکا تھا، ہڈیاں گوشت سے الگ ہونے لگی تھیں۔

کمرہ ہلکی سی صحن کی روشنی سے منور تھا جہاں نمرہ نیم مردہ حالت میں پلنگ پر لیٹی اکھڑے سانس بھر رہی تھی اور سعدیہ بیگم اس پر قرآن پاک کی آیات پڑھ کر دم کیے اپنے آنسو روکنے پر قادر نہ تھیں۔

دروازے کی اوٹ میں چھپ کر اندر نمرہ کو تڑپتا دیکھتی شکران بھی رو رہی تھی، مگر اسے اپنی ہچکیاں دبانے کی عادت تھی۔

"م۔۔ مجھ سے وعدہ کریں اماں سائیں، ایک وعدہ کریں"

زرا اس لاغر جسم میں جان لوٹی تو وہ اپنا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہاتھ بمشکل سعدیہ بیگم کے ہاتھ تک لائے لرزتی آنسو ہوتی آواز سے سسکی جس پر سعدیہ نے اسکا ہاتھ نم آنکھوں سے چومے تھپکایا۔

"بول پتر، کہہ دے۔۔ کہہ دے جو کہنا ہے۔۔۔۔ او رب سوہنے میری پتری کی مشکل حل کر دے"

قرآن پاک دیوار پر لگے تختے پر رکھے وہ ماں قربان و نثار سی نمرہ کی تپتی پیشانی جھک کر چومے آزردہ ہوئے بولیں، آواز تھی کہ کرب سے گلے میں ہی گھٹ گئی۔

"ش۔۔۔شکران۔۔۔۔اسے کبھی م۔۔۔مت بتایئے گا ک۔۔کہ اسکا ب۔۔۔باپ کون ہے، وہ ی۔۔یہ سچائی ک۔۔کبھی نہ جان پائے ام۔۔ماں۔۔۔ وہ صرف۔۔۔ح۔۔حاجی برکت اللہ ک۔۔کی نواسی۔۔۔۔ک۔کہلائے گی۔۔۔۔و۔۔عدہ۔ک۔۔۔کریں اماں۔۔۔"

اس دم دیتے وجود کی آہیں اور سسکیاں جہاں سعدیہ اور شکران کے لیے جان لیوا تھیں وہیں یہ التجاء اک لمحے اس بچی کے ذہن پر ہتھوڑے سی برسی۔

"میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں، شکران کو کبھی اس درندے کے بارے نہیں پتا چلنے دوں گی۔ وہ حاجی برکت اللہ کی نواسی ہی کہلائے گی، وہ انکی گڈی کی پری کہلائے گی۔۔۔۔"

جواب میں وہ ماں بھی نمرہ کی اذیت میں کمی کو یہ وعدہ کر رہی تھی لیکن دروازے کی اوٹ میں گم وہ بچی جس کے لیے اسکے بابا ہیرو تھے، اب ایک نئے لقب کے ساتھ دل اور ذہن میں اترے۔

یہ پہلا لفظ تھا جو شکران کے ننھے وجود پر قیامت کی طرح گرا تھا۔

وہ دونوں نہیں جانتی تھیں شکران انھیں سن رہی ہے۔

ابھی چند دن پہلے ہی نمرہ کو ایک دور پار کی سہیلی سے جو موت جیسی خبر ملی تھی اس کے بعد وہ اپنی حقیقی موت مانگنا شروع ہوئی تھی۔

اسکی حلق میں اٹکی جان اس خبر سے اسکے وجود سے سرکنے لگ پڑی تھی۔

حاجی برکت اللہ کی موت کا بھی راز کھل گیا اور پہلے سے مرتی ہوئی نمرہ، بلکل موت کے دہانے جا پہنچی۔

"ن۔۔نمرہ ہمیں چھوڑ کے مت جانا پ۔۔پتری۔۔۔ تو ٹھیک ہو جائے گی"

نمرہ کے اٹکتے سانس پر سعدیہ اپنی بہتی آنکھیں رگڑے کرب ناک ہوئیں لیکن شاید نمرہ کی اس دردناک زندگی سے خلاصی کا وقت آن پہنچا تھا۔

"نن۔۔ نہیں اماں سائیں، اب چاہ ک۔۔ کر بھی زندگی قبول ن۔۔ نہیں، م۔۔ میری شکران آ۔۔ آپ کے حوالے۔ اسے اس زانی اور قاتل باپ کے سائے سے ب۔۔ بچا ل۔۔۔ لیجئے گا۔ م۔۔ میری ر۔۔ روح ہ۔۔ ہے شکران، م۔۔ مجھے م۔۔ معاف ک۔۔ کر دیں کہ۔۔ م۔ میں آپ۔۔ ک۔ کا اور ش۔۔ شکران ک۔۔ کا ک۔۔ کوئی حق ا۔۔ ادا نہ ک۔۔۔ کر سکی۔۔۔۔۔ ج۔۔۔ جتنی ت۔۔ تکلیف م۔۔۔۔۔"

وہ نزاع کی کیفیت میں تھی اور سعدیہ بیگم کا دل ڈوب رہا تھا۔

"میں ن۔۔ نے آپکو ا۔۔ اور با۔۔ با سائیں ک۔۔ کو دئ، اللہ۔۔۔ م۔۔ مجھے م۔۔ معاف ن۔۔ نہیں ک۔۔ کرے گا۔ اب۔۔۔ س۔۔ سمجھی ہ۔۔ ہوں ک۔۔ کہ بابا ک۔۔ کو ک۔۔ کس خبر ن۔۔ نے ما۔۔ را، "

نمرہ کی آنکھیں قیامت خیز سرخی میں لپٹیں تھیں، اسکے جسم کی ہر رگ میں خون بہنا تھم گیا تھا، باہر دروازے کی اوٹ میں چھپ کر سسکتی شکران ننگے پیر بھاگ کر باہر صحن میں آئی اور گھر کے سب سے تاریک کونے میں جا کر بیٹھی کپکاتی کانپتی سر گھٹنوں میں دیے اونچا اونچا بلکنے لگی۔

"درندہ"

"زانی"

"قاتل"

دس سال کی عمر میں اس بچی کے معصوم ذہن پر اپنے نامعلوم باپ کے لیے یہ تین نام ثبت ہوئے تھے، ابھی کچھ ہی وقت گزرا کہ شکران کی چینخوں اور سسکیوں کے ساتھ سعدیہ بیگم کی تکلیف بھی آن ملی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس ایک اور ناگہانی موت پر حاجی برکت اللہ کا خوشیوں سے بھرا رہنے والا گھر موت کا اذیت خانہ بن گیا۔

گاؤں کی سب عورتیں اس موت پر جمع ہوئے انکے درد والم کو بڑھا گئیں، ہر طرف سے وحشتناک چینخوں، سسکیوں اور رونے کی آوازوں کے اس ننھی شکران سے بھی زندگی بھر کی خوشیاں چھین لیں۔

نمرہ کی روح اسکے زخموں سے سلے وجود سے پرواز کر گئی تھی، بابا کی گڈی آج اپنے بابا کے پاس چلی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زویا باجی، آگے کسی گاڑی نے راستہ بلاک کر رکھا ہے"

زویا جو کب سے شیشے سے پار نگاہیں جمائے ابدال کی کہی باتوں کو سوچ رہی تھی، شیر علی کی پکار پر اپنی بکھری سوچیں سمیٹ کر چونکی۔

وہ سامنے کچھ پار ایک کھڑی گاڑی کی جانب اسکی توجہ دلا رہا تھا جہاں وہ عین سڑک کے بیچ کھڑی تھی اور اس کے آگے ٹیک لگا کر کھڑا کوئی وجود تھا جس پر زویا نے پہلے تو حیرت سے دیکھا پھر شیر علی کی جانب پلٹی۔

"جا کر کہو ان صاحب کو کہ ہٹائیں گاڑی"

اپنی جانب سے رسان کے سنگ شیر علی کو تاکید کرتی بولی جو فوری حکم کی تعمیل میں نہ صرف گاڑی سے باہر نکلا بلکے اپنے اور اس گاڑی کے بونٹ سے کمر ٹیک کر کھڑے آدمی تک پہنچا، زویا کی تجسس آمیز نظریں اسی جانب تھیں۔

"محترم، سنیں"

شیر علی گلا کھنکھارے اس سے مخاطب ہوا مگر وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے خاموشی کا اشارہ کیے بنا مڑے ہی نہ جانے کیا بولا کہ شیر علی ناگواریت اور سرد مہری سے اس پر اسرار انسان کی پشت گھورتا الٹے قدموں واپس زویا تک آیا جو بے تاب سی شیر علی کی خفگی جاننے کی منتظر تھی۔

"عجیب الٹی کھوپڑی کا مالک ہے باجی، کہہ رہا ہے زویار ضوی کو بھیجو۔ تبھی ہٹے گی گاڑی۔ آپ اجازت دیں تو چھینٹی لگادو خبیث کو۔ نام کیسے جانتا ہے یہ آپکا، اور ہمانی کے بجائے رضوی کیوں بول رہا"

حسب توقع شیر علی کے غصے کا سبب ہوتی بات اور یہ استحاق آمیز رویہ زویا کے چہرے کا ایک لمحے میں رنگ بدل گیا۔

وہ نہ صرف پریشان ہوگئی بلکے گاڑی سے فوراسے بیشتر نکلی، شیر علی کی متذبذب صورت دیکھ کر اسے جانے کا حکم دیتی خود سامنے کھڑی گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔

"اللہ جانے کون ہے یہ شوخا اب"

شیر علی بھولے پن سے سر کھجاتا زویا کو جاتا دیکھتے حکم پر عمل درآمد ہوئے گاڑی میں جا بیٹھا، اور اک اچٹتی نگاہ سامنے ڈالے گاڑی بھی واپسی کے لیے موڑ لی۔

اپنے پیچھے اس دشمن جان کے قدموں کی آہٹ میکائیل رضوی کے دل پر اتر رہی تھی۔

"اک اک کر کے ہوئے جاتے ہیں تارے روشن

میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں"

اس دل کی مرادیں بھی بر آئے گی، یہ تو وہ خود بھی نہ جانتی تھی۔

کئی سال اس نے اپنی مجبوری کے نام پر ہر حق کے باوجود میکائیل رضوی کو تشنہ رکھا تھا، یہ اس وقت کی بات تھی جب فردوس ہمانی نے اپنی اکلوتی بیٹی زویا ہمانی کا رشتہ بڑے چاؤ سے اپنی بڑی لاڈلی بہن کے اکلوتے بیٹے سے کروایا تھا، لیکن زویا کے دل، روح اور جان کی آخری حدوں تک اسکا عشق اترے اسے اجاڑ چکا تھا۔

وہ اکلوتا میکائیل ماں باپ کے مر جانے کے بعد فردوس اور فراز ہی کے پاس رہنے آ گیا تھا۔

فراز اور میکائیل دونوں خالازاد بھائیوں کی عمروں میں کافی فرق ہونے کے باوجود ان چند مہنیوں کی نزدیکی ایک ایسی لافانی دوستی استوار کر گئی جس کے باعث فراز ہمانی نے ان چند دنوں میں ہی بہت محبت سے اپنی لاڈلی بہن کا میکائیل سے نکاح کروایا۔

وہ اسکے بعد زویا کی خوشیاں دیکھنے زندہ نہ رہ سکے، نہ زویا سے کوئی وعدہ لینے کی مہلت پا سکے کہ وہ انکے بھائی سے زیادہ عزیز میکائیل کو کوئی ناکردہ سزا نہ دے گی، انھیں زویا کو نہال بخاری کی لاحاصل محبت سے نکالنے کا حل یہی لگا تھا۔

میکائیل چند مہینے ہی وہاں رہا اور پھر اسے ایک دن زویا کا خط موصول ہوا جسکے بعد وہ ہمانی حویلی تو کیا، وہ شہر تک چھوڑ کر چلے گئے۔

اس خط میں زویا نے طلاق کا مطالبہ کیا تھا، اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ آخری سانس تک صرف نہال بخاری سے محبت کرتی رہے گی۔ میکائیل نرم مزاج کے حامل انسان اس مطالبے پر بہت ٹوٹ گئے، زویا کو اپنے نکاح سے آزاد تو نہ کیا البتہ اسکی زندگی سے کسی اضافی بوجھ کی طرح نکل گئے۔

نکاح کے باوجود زویا نہ کبھی انکے سامنے آئی نہ کال پر بات کی، اسکے بعد میکائیل کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد زویا کو بھی کاشان کی کفالت کا ذمہ مل گیا، بھائی کی ناگہانی موت، سگی ماں کی سفاکیت، پیاری بھابھی کی

دردناک موت، عائش اور فردوس بیگم کے کاشان پر ظلم وستم، یہ سب زویا کی زندگی سے کاشان کے سوا ہر چیز کو مٹا گئے۔

آج اتنے سالوں بعد وہ شخص اگر زویا کے سامنے آیا تھا تو یہ اسکے صبر کے ختم ہونے کا ترجمان تھا۔

"کیوں واپس آئے ہیں آپ؟"

عین اس پتھر کی طرح زویا کی موجودگی کے زرا سے سکھ سے معطر ہوتے شخص کے پیچھے جا کر کھڑی وہ اسے آج بھی ستم گر بنے پکاری۔

وہاں اس دل میں قرار سمٹ رہا تھا، صرف زویا کی آواز سننے کو وہ پہروں کاشان سے باتیں کرتے تھے، اس سے زویا کی ہر عادت جانتے آئے تھے، وہ کب روتی ہے یہ سب انھیں پتا تھا، کب وہ ہنستی ہے یہ بھی وہ شخص جانتا تھا۔

کاشان کو اپنی زندگی میں سب سے پہلے جس انسان نے بابا کے بعد گلے لگایا تھا وہ میکائیل رضوی تھے، اسکے بابا کے چھوٹے مگر جگری خالا زاد بھائی، بہترین دوست، پھر اسکے بھی دوست، پھر اسکی زویا کو اس دنیا کی سب سے منفرد چاہت دینے والے۔

لیکن زویا! آہ، اپنے جنون کے ہاتھوں ایک ہیرے کو چھوڑ کر کوئلے کے پیچھے دوڑتی آئی تھی۔

لیکن اتنے سالوں کے باوجود اس دیوانے کے ہونٹوں پر حرف شکائیت نہ آیا تھا، کئی بار کاشان تک ان سے لڑ پڑتا، وہ زویا کو اس معاملے میں کبھی فورس نہیں کر سکتا تھا لیکن میکائیل رضوی کی دریا دلی اسے پہروں خفا رکھتی تھی۔

وہ کئی سالوں سے زویا کا خط اور اس میں لکھی حکم نامے کی فہرست اور دو وعدوں پر قائم و دائم اپنا دل زویا پر قربان کیے، جان اپنے پیشے سے منسلک کیے درویشانہ زندگی جیتے آئے تھے۔

پھر جب کاشان ہی سے چند دنوں پہلے انکو زویا کے دل کے جذبات پتا چلے کہ وہ نا صرف بدلہ چھوڑ چکی بلکے پھر سے نہال بخاری تک دسترس پا رہی ہے، اس کے بعد پہلی بار میکائیل رضوی نے اس حکم نامے کو مسترد کیے ایک اور عرضی کرنے کا فیصلہ لیا تھا۔

زویا کو احساس تک نہ ہوا کبھی کہ اس نے میکائیل پر کتنا بڑا ظلم کیا تھا، احساس ہوتا بھی کیسے۔ میکائیل نے کبھی زویا کو یہ جتایا ہی نہ تھا کہ وہ اسکے حکم سے تکلیف میں ہیں۔ بلکے وہ تو اس لیے مطمئین تھی کہ اس کاغذی نکاح نے شاید ان دونوں کا بھرم رکھا تھا۔

میکائیل نے اس سے صرف ایک چیز مانگی تھی، نہال بخاری کو معاف کرنے تک اپنے نکاح کی قید اور شاید اب جب زویا، نہال کو معاف کر چکی تھی تو وہ بھی آئے تھے، اس سرسری سے بوجھ کو زویا کے سر سے ہٹانے کے لیے۔

اسے اپنی لاحاصل، ادنی مگر اس دنیا کی سب سے پاکیزہ محبت کے حصار سے آزاد کروانے۔

"آپکو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی ایک آخری کوشش کرنے، کیا آپکو دیکھ سکتا ہوں زویا میکائیل رضوی"

وہ اب بھی باادب ہوئے، سانس روکے، دل کی دھڑکن جامد کیے بنا مڑے ہی زویا پر یہ کہہ کر صدیوں کا اور بوجھ اتار گئے تھے، وہ لمحہ بھر اس شخص کی آج بھی ویسی ہی درویشی پر تھم گئی۔

وہ اسے خط میں اس نام سے بلانے سے بھی منع کر چکی تھی، لیکن وہ تو زویا کو ہمیشہ اسی نام سے یاد کرتے تھے۔

"میرا نام زویا ہمانی ہے، حکم آخری سانس تک کا تھا۔ میں نے نہال کو معاف کیا ہے لیکن اس انسان سے محبت کے سوا زویا کوئی رشتہ نہیں بنائے گی۔ آپکا نقصان نہیں ہوا تو کیوں توڑا آپ نے یہ وعدہ۔ میں نے اس خط میں صاف صاف ایک وعدہ خود کے لیے بھی درج کیا تھا کہ میں آپکی محبت کے جواب میں صرف اتنا کر سکوں گی کہ آخری سانس تک اس نکاح میں رہوں"

وہ جتنا خود کو تلخ ہونے سے روکنا چاہتی تھی، ناجانے کیوں اس شخص کی ایسی غیر انسانی نرمی اور مہربانی پر لہجہ تیز ہونے سے روک نہ پائی۔

وہاں اک دلخراش مسکراہٹ کا جھونکا آیا اور سب تباہ کر گیا، مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ انسان اپنی آنکھوں کے کنارے سرخ ہونے سے بچا نہ سکا۔

"پلیز میکائیل مڑیں اس طرف"

پتھر بنے اس شخص کی مسلسل پشت گھورتی وہ بھناگئی تبھی سختی سے بولی اور وہ، مڑنے، دیکھنے، برداشت کرنے اور دل کو مرکز سے ہٹ جانے کے ان سارے لمحوں میں ریزہ ریزہ منتشر ہوئے۔

وہ انھیں اکثر ٹی وی، اخبار، اور سوشل میڈیا پر دیکھتی رہی تھی، اکثر و بیشتر کاشان کے فون میں انکی تصویریں ہوتیں جو وہ خود میکائیل سے منگوا کر پاسورڈ کھلا چھوڑے فون کبھی کبھی زویا کے آس پاس چھوڑ جاتا اور پھر کہیں کسی اوٹ میں چھپ کر زویا کو ان تصویروں کو دیکھتے دیکھ کر میکائیل رضوی کے حق میں دعا کرتا۔

وہ پائزن تھا، وہ سب کر سکتا تھا لیکن آج تک وہ زویا کو اسکی ضد سے آزاد اور میکائیل کو اسکی نرمی سے جدا نہ کر پایا تھا۔

وہ انسان تصویروں سے زیادہ ٹوٹا اور بکھرا یوں سامنے سے دیکھنے میں لگتا تھا، اس میں تو کوئی شک نہ تھا کہ وہ خوبرو اور نفیس انسان تھے لیکن کہتے ہیں ناں انسان کے اندر کی مسماری بس اسی کے سامنے باہر کے جسم پر آجاتی ہے جسکا وہ غلام ہو۔

اور انسان ہر شے، ہر فرد کے سامنے آزاد ہے سوائے اسکے جس سے محبت کرتا ہو۔

زویا کا دل تو ان نظروں نے کاٹا تھا، اتنی تکلیف کہ اس شخص کی ہمیشہ مسکراتی آنکھیں اب تھکی دیکھائی دے رہی تھیں، وہ اپنے امتحان پر پورا اتر کر بھی سلامت تھے، خوبرو تھے، دلکش تھے۔

"آپ ٹ۔۔۔ ٹھیک ہیں؟ کیا ہوا آپکو۔۔۔۔"

زویا کی آواز نا چاہتے ہوئے بھی لرزی تھی۔

"دیکھیں زویا، میں آپکے لیے عام مردوں جیسا نہیں ہوں یہ آپ جانتی ہیں۔ ہر حق کے باوجود آخری ملاقات اور بات تک کی ضد نہ کی میں نے۔ اب بھی صرف اسی لیے سامنے آیا ہوں کہ آپ پر اپنی گزارش عیاں کروں۔ اگر آپ نہال بخاری سے رشتہ ازواج میں بندھنے کی خواہش مند ہیں تو میں آپکو اس سرسری سے تعلق سے خوشی خوشی بری کر دوں گا۔ آپ کے دل میں اس انسان کی محبت سہہ سکتا ہوں لیکن میرے نکاح میں ہو کر اگر آپ اسکی جانب قدم بڑھائیں گی تو وعدہ قائم رہنے سے زیادہ وعدہ نہ ٹوٹنے کی تکلیف ہو گی مجھے"

نہ تو اس شخص نے تمہید باندھی، نہ آج کوئی التجاء کی، بس اپنی تڑپ کو لفظوں میں ڈھال کر حرف بہ حرف دل کی حکایت کہی۔

میکائیل کے یہ چند جملے زویا کو جنجھوڑنے کو کافی تھے، وہ سہم کر سرخ ہوتی آنکھوں سے میکائیل کو دیکھ رہی تھی جنکے چہرے کی رگیں بے بسی سے ابھر آئی تھیں اور پھر بھی خفگی انکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"میں نہال سے نکاح نہیں کرنا چاہتی، میرے اندر ایسی جرت اور ہمت نہ تب تھی نہ اب ہے۔ میں نے ایسی کوئی حد پار نہیں کی جو اس تعلق کے ٹوٹنے کی وجہ بنے جو ہم دو کے بیچ ہے۔ اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں، جانتی ہوں بہت بری ہے زویا لیکن خدانخواستہ میرا کرد۔۔۔۔"

اس مدت بعد کے سامنے پر میکائیل کے ایسے سوال نے زویا کو بھی بہت ہلا دیا تھا تبھی وہ اس شخص کی محبت، نرمی اور درویشی کا غلط مطلب نکالے بے وجہ صفائیاں دیتی اس سے پہلے اپنے کردار پر آتی، میکائیل کے ہاتھ کی بندش اسکے بولتے ہونٹوں کو بند کر گئی۔

ایک لمحہ تھا وہ لیکن دونوں کو مرکز پر لے آیا تھا۔
وہ زویا کی جانب شکوہ کناں نظریں جمائے اس سے ایسی بات کی ہرگز امید نہ رکھتے تھے۔
"بس زویا، آگے ایک لفظ نہیں۔ میں آپکے کردار پر نہ کبھی خود آیا ہوں نہ آپکو اجازت دوں گا کہ آپ میرے سامنے یہ حماقت کریں۔ میں وہ انسان ہوں جس نے آپکو نکاح میں لیتے ہی آپ سے اظہار محبت نہیں کیا تھا بلکے آپ سے نہال بخاری کی محبت کا احوال جانا تھا"
اپنے مزاج سے خلاف وہ زویا پر خفا تھے، اپنی سنگین غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ اپنا ہاتھ کھینچ گئے، زویا دکھ سے اس شخص کی جانب دیکھ رہی تھی۔
وہ او جھل تھا تو وہ کم از کم کسی احساس جرم کا شکار تو نہ تھی۔
اس روز نہال کا ہاتھ چھوتے وقت وہ تبھی کانپی تھی، کیونکہ جذبات کی رو میں بہکنا ممکن تھا اس وقت اور وہ کسی اور کی امانت تھی۔
لیکن پھر قبرستان کے احاطے میں وہ نہال کا ہاتھ تھامے کانپی نہیں کیونکہ تب صرف دوست بن کر وہ اسکے دکھ میں کمی کو گئی تھی۔
لیکن اس شخص کو تو اس نے چھونا دور، خود کو دیکھنے سے بھی منع کر دیا تھا۔
"آپ نے کہا تھا وہ شخص برا ہو کر بھی آپکے دل میں تاحیات سانس لے گا، تب میری سانس رکی تھی اسکی کیا خبر آپکو۔ آپ نے کہا تھا آپ مجھے سوائے اس نکاح میں رہنے کے کوئی سکھ نہ دیں گی، میں نے سینہ ٹھوک کر قبول ہے کہا تھا۔ آپ نے کہا تھا آپ مجھے چھونے اور دیکھنے سے محروم رکھیں گی، میں نے اس پر بھی ہاں کہی تھی۔ میں وہ انسان ہوں زویا میکائیل رضوی جس نے آپکو پا کر بھی آپ کی جانب نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ کیا میں کبھی آپکے اجلے کردار پر غلط سوچ بھی سکتا ہوں، آپ نہال بخاری سے محبت کے باوجود اگر میرے

ساتھ رہتیں، مجھے چھونے اور دیکھنے دیتیں تب بری ہوتیں۔ آپ منافق نہیں ہیں تبھی اتنی عزیز ہیں، تبھی آپکو فقط اپنے نام لگا رہنے کے اس موہوم سکھ پر بھی میں راضی رہا"

وہ زویا کے ان دردناک روک دیے لفظوں کے سارے جواب دیتے دیتے اندھیرا ہو گئے، انکے خوبصورت وجیہہ چہرے پر اس کھٹن مسافت کی تھکن اتر آئی۔

زویا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ کیا کرتی، وہ بہت بے بس تھی۔

"تو اب یقین کیوں ڈگمگایا آپکا؟ کیوں آپکو لگا کہ آپ سامنے آکر مجھے اس رشتے سے آزاد کریں۔ جب آپکو اس بات کا اچھے سے علم ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ آپکو ایسا لگا ہو گا کہ جیسے زویا اپنی پرانی محبت کے ہاتھوں بہک کر کوئی خطا کر دے گی جو آپکے اور میرے اس سرسری سہی پر ناطے پر حرف لائے گا"

وہ اب بھی ستم گر بنی زرا قدم بڑھائے عین اس مہربان آنکھوں والے بکھرے شخص کے قرین آئی اور کڑواہٹ بھرے لہجے میں وہ سب بول گئی جو کچھ دیر پہلے روکنے کے لیے میکائیل نے ادنی سی کوشش کی تھی۔

کتنے لمحے تو یونہی گزر گئے، وہ بات کرنے کے قابل ہوتے تو کچھ کہتے۔

" آپ مجھے قریب سے زیادہ دکھ پہنچا رہی ہیں، میں صرف آپکی خوشی کے لیے آیا زویا۔ کہ اپنے اس وعدے سے آزاد کروں آپکو۔ نہال بخاری کو بھی شاید اس وقت ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ محبت نئی اور پرانی نہیں ہوتی، وہ تو بس محبت ہوتی ہے۔ آپ اس کی زوجیت میں جا کر اچھے سے اس انسان کی مسیحائی کر سکتی ہیں اور شاید اپنی بھی"

زویا کو باقی کے جملے تو سنائی نہ دیے، وہ تو اس شخص کے ہونٹوں سے ادا ہوتے پہلے دلجراش جملے پر ہی پتھر بن گئی تھی۔

باقی کے لفظ تو زویا کو لگا ذہن کہ گنبد میں بازگشت بن گئے ہوں۔

"اور آپ دور سے جتنے بد دماغ تھے، قریب آ کر اس سے دگنے پاگل لگ رہے ہیں۔ مجھے آپکے اس نایاب مشورے کی ہر گز ضرورت نہیں۔ میں اپنا اچھا برا جانتی ہوں، نہ تو مجھے نہال بخاری سے نکاح کرنا ہے نہ میری ایسی کوئی حسرت ہے۔ رہی بات آپ پر میرے نام کے بوجھ کی۔۔۔۔"

درشت لہجہ لیتی وہ سنگدل بنی اک اک حرف قیامت ساڈھائے تب تھمی جب وہ بے ساختہ زویا کی کمر میں بازو حائل کیے اس بار رحم طلب ہوئے اسکی اس سفاکی پر سراپا التجاج ہوئے۔

زویا کو لگا اسکی جان اسکے جسم سے نکل گئی تھی۔

"خدا کے لیے خود کو بوجھ مت کہیں زویا، اگر آپ نے دوبارہ خود کو کچھ بھی کہا تو۔۔۔۔"

وہ زویا کی بوکھلاہٹ بھانپ کر فوری اپنی سرزد کی اس گستاخی کی تلافی کیے اسے حصار سے آزاد کیے پشیمان سے دور ہوئے، اپنی جانب ناراض اور غصیلی لیکن تھوڑی گھبرائی زویا کو دیکھتا پائے افسردہ بھی ہوئے۔

"تو کیا کر لیں گے۔۔۔۔، اپ نے سارے وعدے توڑے شائیل رضوی، نہ دیکھنے کا بھی، نہ چھونے کا بھی اور نہ لوٹ کر آنے کا بھی۔۔۔۔ میرا جواب سن لیں، میں اب بھی صرف کھلی فضا میں سانس بھرنے کی تمنائی ہوں۔ اب بھی میرے لیے اپنی نہال کے لیے اور آپکی میرے لیے محبت ثانوی ہے۔۔۔۔ میں بوجھ ہوں، ایک ایسی عورت جس سے آپکو سزا اور دکھ ملے۔ میں کبھی اس نکاح کو بھائی کی وفات کے بعد قائم نہ رہنے دیتی مگر صرف آپکی مجھ سے جڑی محبت پر یہ ستم کیا۔ کہ چلو اگر یہ پاگل اسی پر جی لینے کی حامی بھر رہا تو

ٹھیک ہے۔۔۔۔اب مجھ سے کیسا شکوہ! کیسی شکائیت۔۔۔میرے ان خالی ہاتھوں میں یہی تھا، بس اتنا ہی تھا"

وہ لمحہ بھر میں ہی بکھر سی گئی تھی، بلکل ویسے جب نہال کی جانب سے محبت کے رسوا کرنے پر بکھری تھی۔وہ سن سے کھڑے زویا کے درد اور دکھ سنتے گئے، بنا آہ کیے، وہ روتی تھی تو اسکے آنسو میکائیل کی آنکھوں میں اتر آتے تھے۔

"کس کم بخت نے شکوہ کیا آپ سے زویا، خدا گواہ ہے جو اس زبان پر آپکے نام کے سوا کوئی دوسرا حرف آیا ہو۔میری واپسی کو، میرے بے اختیار ہو کر آپکو چھو لینے کو، میری آنکھوں کی لمحہ بھر سرشاری کو میرا جرم تو مت بنائیں"

زویا کے بے رحم آنسوؤں پر وہ بے بس بنے التجاء ہی کر سکے، اس بار بڑھ کر زویا کے آنسو صاف کرنے کی ہمت ہی نہ تھی۔

"آئی ا۔ایم سوری،"

لہجے میں نمی کا ابھرنا اور زویا کا یہ تین لفظ کہنا میکائیل کے چہرے کی ساری افسردگی ختم کر گیا۔

"ہمم۔۔معافی نہیں مانگیں۔میں آپکو پریشان کرنے یا کسی احساس جرم میں مبتلا کرنے نہیں آیا تھا، میرا مقصد آج بھی آپکی خوشی ہے۔آپکا آزاد فضا میں سانس بھر کر سکون سے جینا ہی میرا جینا ہے"

اس عزیز سی زویا کے تھم جاتے آنسوؤں پر وہ بھی قدرے تاسف اور پشیمانی سے اپنی بات واقع کیے بولے مگر انکی نظروں سے زویا صاف صاف بے چین ہو رہئ تھی۔

"جی۔۔اپنی حدود جانتی ہے زویا۔اور آپکے پاگل پن کی حد بھی معلوم ہے۔آپکو آپکا جواب مل گیا تو اب؟"

ادھر ادھر ڈھلتی دھوپ سے ہمکلام ہوئے وہ دانستہ یہ سوال کیے میکائیل رضوی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں دل جلی سی مسکراہٹ پھیلی۔

"اب کیا؟ اب آپ سے پھر سے کنارہ"

گاڑی سے دوبارہ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے وہ جتنے آرام سے یہ کہہ رہے تھے، دل تو کہرام میں مبتلا تھا۔ زویا نے بھی اسکے ساتھ ہی ٹک کر کھڑے ہوتے اک بے نیاز نگاہ میکائیل پر ڈالی جنکے چہرے پر ہمیشہ والا اک تبسم لوٹ آیا تھا۔

"دیکھنے والی پابندی ہٹاتی ہوں"

بنا انھیں دیکھیے ہی وہ جو بولی، اس پر میکائیل نے حیرت اور بے یقینی سے نظریں پھیر کر کھڑی زویا کو دیکھا۔

"آپ چاہتی ہیں میں آپکو دیکھوں؟"

حیرت دبائے وہ نا جانے کیا سوجھی کہ زویا کے کندھے سے اپنا کندھا ملائے جذب کی کیفیت سے زرا اسکی جانب جھکے پوچھنے لگے۔

زویا نے گھبرا کر نہ صرف کندھا الگ کیا بلکہ بیچ میں قدرے فاصلہ لے لائی۔

اسے متذبذب ہونے نے انھیں خوشی دی تھی۔

"میں نے نہال نے سرسری ذکر کیا تھا آپکا، ایک دیوانے کے طور پر۔ انہوں نے پتا کیا کہا۔ کہ مجھے ہاتھ تھام لینا چاہیے تھا اس دیوانے کا۔ میں نے کہا وہ تو مجھے بھول گ۔۔گئے ہوں گے۔ میں نے جو کیا آپکے ساتھ وہ ناقابل برداشت تھا ناں میکائیل، مجھے یقین تھا آپ کبھی نہیں آئیں گے۔ میرے اس یقین کو غلط ثابت کیا تبھی آپکو یہ آسانی دے دی۔ ہاتھ نہیں تھام سکتی یہ کھوکھلی زویا آپکا، اب بھی میرے خالی ہاتھوں میں اتنا سا ہی ہے"

انکے پوچھنے پر وہ نجانے کیوں جو بولتی گئی اس میں زویا کی آنکھیں بھی چھلکیں اور آواز بھی کانپی، لیکن میکائیل بس زویا کو دیکھتے ہی رہے۔

اسے اپنی آنکھوں میں پروتے رہے۔

"آپ مجھے اس ستم کے حوالے کیے، میرے لیے پہروں روئی ہیں جانتا ہوں لیکن آپکی سفید پوشی کو مجروع نہیں کروں گا، آپ کو اختیار دوں گا اس بار بھی سارے"

وہ اسکی بھیگی، مسکرائی سی آنکھیں دیکھتے دل ہی دل میں اس عورت پر جان وار رہے تھے۔

"چلیں اس پر نہایت شکر گزار ہوں، دیکھوں گا آپکو اور یہی کہوں گا کہ پیاری ہیں۔ اور نام کی سہی پر ہماری ہیں"

وہ کب اسکے آنسو سہن کر سکتے تھے تبھی خفیف ہی سہی پر زویا کی مسکراہٹ کا سبب بنے تھے۔

"ہمم۔۔ مجھے حویلی چھوڑ دیں۔ اور کاشان سے بھی مل لیجئے گا"

جان بوجھ کر انکی بات نظر انداز کیے وہ اب ملاقات ختم کرنے پر مصر تھی۔

"چھوڑ آتا ہوں لیکن فی الحال اس سے نہیں ملوں گا، کچھ وقت باقی ہے اس سے ملاقات کو۔ بیٹھیں گاڑی میں"

فوری زوئا کی بات کا مان رکھے وہ اسے بیٹھنے کا کہے خود بھی بیٹھے اور بہت خوبصورتی سے کاشان ہمانی سے ملنے کو رد کیے اک مبہم سی مسکراتی نظر زویا پر ڈالی اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیہوشی کا اثر زائل ہوا تو عون کے اعصاب اور حواس دونوں چونکے، خود کو وہ کسی ڈربے، کھنڈر یا ویرانے کے بجائے آرام دہ بیڈ پر کنارے کی جانب لیٹا پا کر کوفت اور بیزارگی کی ملی جلی کیفیت سے اردگرد دیکھنے لگا۔

سر اس قدر بھاری تھا دوسرا زرا سے تشدد کے بعد جسم میں محسوس ہوتا درد بھی اپنی کہانی سناتا ملا، کمرہ شاہانہ طرز کا تھا، دیواریں بہت اعلی مصوری کے شہکار سے بھری تھیں، کمرے کے چھت میں بڑا سا سنہری کرنیں پھیلاتا فانوس تھا۔

"یہ بد دماغ عورت مجھے کہاں لائی ہے، آہ مہکار تم ہاتھ لگو میرے، کوئی رحم نہیں اب"

بمشکل اپنے درد کرتے سر کو بالوں سمیٹ جکڑ کر اٹھ کر بیٹھے وہ زور زور سے اپنی درد کرتی کنپٹی دباتا بڑبڑایا۔

اس سے پہلے مہکار کے لیے مزید کوئی سہانے کلمات کہتا، کمرے کا دروازہ کھلنے پر وہ مغرور چال چلتی ناصرف اندر آئی بلکے عون کے جاگ جانے اور کاٹ کھانے کے انداز میں گھورتا دیکھ کر طنزیہ ہنسی۔

عون کا بس نہ چلا، اسکے یہ دانت توڑ ڈالتا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا مہکار، کیوں لائی ہو یہاں۔ کیا چل رہا ہے اب تمہارے اس خرافاتی دماغ میں"

چھوٹتے ہی وہ ہمت کیے لڑکھڑاتا اٹھ کر مہکار سے جواب طلبی کو اسکی گردن دبوچتا دبوچتا رہ گیا، غصے سے جبڑے اور مٹھیاں بھینچ لیں مگر مقابل تو سرور تھا کہ کم ہونے پر نہ آیا۔

"میں بس انجوائے کرنا چاہتی ہوں، تم یہاں ہر ایک سے کٹ کر رہو گے میری قید میں اور سب تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر باولے ہو جائیں گے۔ اور تمہاری وہ منیہا تو ہے بھی نازک دل کی مالک، جب اسے میں یہ خبر پہنچاوں گی کہ اسکا عون میرے پاس ہے تو کیا حالت ہو گی اسکی؟"

عون کو بے بس کیے وہ اب اسکی برداشت سے کھیلنے پر اتر چکی تھی، عون کے جسم کا سارا لہو اسکے چہرے پر سمٹ آیا۔

"اس تماشے سے کیا ملے گا تمہیں؟ فارس شاہ کے ہاتھوں مرنے کا پورا انتظام کر کے بیٹھی ہو۔ ٹھیک ہے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ جو کرنا چاہتی ہو کرو۔ میری طرف سے بھاڑ میں جاو"

اس پاگل عورت سے بحث کا اس میں سٹیمنا ہی نہ تھا، تبھی کوفت اور حقارت سے کہتا وہ واپس جا بیٹھا، سر درد سے پھٹ رہا تھا تبھی کنپٹی کو انگلیوں سے دبائے اس اذیت سے نجات کی کوشش کر رہا تھا اور مہکار کو اسے یوں دیکھ کر خاصا لطف آ رہا تھا۔

"تمہاری منیہا کو کچھ پکس بھیجی ہیں میں نے، ساتھ لکھا ہے کہ ڈارلنگ ویٹ مت کرنا میں مہکار کے ساتھ ہوں۔ دیکھو تمہارے فون سے کیے ہیں۔ اب سوچو کتنا تڑپے گی وہ، کہ اسکا نیا نویلا شوہر، چاہتیں، شدتیں اور محبتیں لٹانے والا اپنی پاگل دیوانی کے ساتھ وقت گزارنے چلا گیا"

زرا عون نے اس پر لعنت بھیجے جان کیا چھڑوائی، وہ ہاتھ میں عون کا فون لہراتی نہ صرف عون کا عتاب از سر نو دہکا گئی بلکے اس بار عون نہ صرف اپنی جگہ سے بپھری موج بنا اٹھا بلکے اگلے ہی لمحے مہکار کو لے جا کر سیدھا دیوار سے پٹخا اور اس سے پہلے فون جھپٹ کر اسکے بتائے یہ خرافاتی میسج دیکھتا، باہر سے اندر آتے دو سانڈ نما آدمی یکے بعد دیگرے نا صرف اندر آئے بلکہ ایک نے مہکار کو اسکی جنگلی گرفت سے نکالا تو دوسرے نے عون کے ہاتھ سے موبائل لیے زور دار مکا عون کے منہ پر جڑا۔

جبڑے سے نکلتا خون وہ بے دردی سے رگڑے سنبھل کر سیدھا ہوا اور اس بار پوری قوت سے اس مردود ملعون آدمی کی نا صرف گردن دبوچی بلکے نا جانے کونسی رگ دبائی کہ وہ اگلے ہی لمحے پھڑ پھڑاتا ہوا زمین بوس ہوا۔

مہکار اور اسکا دوسرا ساتھی بھی عون کے وحشی پن پر بوکھلائے، عون اس سے پہلے اس دوسرے کو بھی جہنم کی سیر پر روانہ کرتا، مہکار نے اس آدمی کی پسٹل جلدی سے نکالے عون پر تانی جس پر وہ اس درندے پر لپکتا لپکتا تھما۔

اسکے پورے جسم میں اس وقت شرارے دوڑ رہے تھے۔

"ہلنا مت اپنی جگہ سے ورنہ ابھی کہ ابھی تمہاری جند جان منیہا کو بیوہ کر دوں گی"

گن عون پر تانے وہ اسے ڈرانے کی کوشش میں غرائی لیکن عون کا بس نہ چل رہا تھا مہکار کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کر دیتا۔

وہ اس وقت زخمی شیر بنا دھاڑ ہی سکا۔

"گھٹیا عورت، اگر منیہا کو کچھ ہوا تو تمہاری جان لے لوں گا۔ اسکی آنکھ سے بہا ایک ایک آنسو سود سمیت واپس لوں گا مہکار سازشی عورت۔ شیطان بھی تم سے پناہ مانگتا ہو گا۔ میری بددعا ہے کہ تم فارس شاہ کے لیے تڑپتی مر جاو لیکن وہ تمہیں نہ ملے۔۔۔۔"

عون کی قوت اسکی سرخ لہو چھلکاتی آنکھوں سے عیاں تھی اور جو وہ دھاڑ کر مہکار کو بددعا دے رہا تھا اس پر مہکار الٹا عون بخاری کے یہ جان لیوا وحشی عورتوں کی طرح ملامت کرنے کے انداز پر استہزایہ ہنسی۔

اس نجس ہنسی پر عون اپنی بے بسی پر دو حرف بھیجتا رہ گیا۔

"فارس شاہ یہاں کبھی نہیں پہنچ سکتا عون صاحب، یہاں سے نکلے گی تمہاری یہ جذباتی لاش۔۔۔ اب تم سڑو یہاں اور منیہا وہاں تڑپے گی۔ کل صبح تک جتنی بددعائیں دینی ہیں دے لو۔ مرنا بھی پڑا تو کم از کم تمہیں ضرور مار کے مروں گی۔۔۔ ہاہا بند کر دو اسے اور اگر یہ کوئی چالاکی کرے تو بھلے ایک بازو یا ٹانگ سیک دینا اسکی"

اس لڑھکے گارڈ کو دو آدمی باہر لے جا چکے تھے اور مہکار اس پر اپنے آدمیوں کی پہرے پر تعداد بڑھائے سلگتی ہوئی بنا عون کے غضب کو چنداں اہمیت دیے تاکید کرتی اہنی راج ہنس سی گردن تفاخر اور غرور سے اکڑائے باہر نکل گئی اور اسکے جاتے ہی کمرے کا دروازہ بھی وہ ملعون بند کر گئے۔

عون نے پوری قوت سے دروازے کو ٹھڈا رسید کیا مگر بے سود، اپنے بال جکڑتا وہ اس وقت شدید ذہنی بے سکونی کا شکار تھا۔

دوسری سمت منیہا رات کے لیے خود پر تھوڑا ورک اوٹ کرنے پارلر گئی تھی، فون وہ گھر چھوڑ گئی تھی۔، جب واپس آئی تو پہلے آکر سیدھا فون چیک کیا اور حسب توقع وہاں واٹس ایپ میسجیز کی چند نوٹیفکیشن تھیں۔ عون کے نمبر سے میسج تھے تبھی منیہا نے دھڑکتے دل کے ساتھ اوپن کیے مگر سامنے کھلتی اذیت ناک سچائی اسکے وجود تلے زمین سرکا گئی۔

وہ تین سے چار تصویریں تھیں جن میں ایک اس وقت کی تھی جب عون نے مہکار کو بات سمجھانے کے لیے شانوں سے پکڑا تھا، کسی کیمرے نے انکی یہ تصویر اس اینگل سے بنائی تھی کہ دیکھتے ہی کوئی بھی اچھا بھلا انسان ان کے بیچ کی نزدیکی بھانپ لیتا، چند انمول سے آنسو منیہا کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ آئے۔

دوسری تصویر مہکار کی سیلفی تھی جس میں عون کا صرف کندھا آیا تھا، اور ایک ہاتھ جسے مہکار نے اپنے ہاتھ میں انگلیوں سمیٹ جکڑا ہوا تھا، یہ تصویر مہکار نے عون کی بیہوشی کے وقت بنائی تھی۔

ایسی ہی ایک اور تصویر تھی اور وہ پیغام جسے پڑھ کر منیہا کا سانس تھم گیا تھا۔

فون کسی اچھوت کی طرح بیڈ پر پھینکتی وہ وہیں گھٹنوں کے بل زمین پر گری، پلوں میں آنسو ہچکیوں کے سنگ اسکے سنورے اجلے چہرے کو سوگوار کر گئے۔

"ن۔۔ نہیں عون، آ۔۔ آپ میرے س۔ ساتھ ایسا ن۔۔ نہیں کر سکتے، آپ م۔۔ مجھے ج۔۔ جیتے جی مار ن۔۔ نہیں سکتے"

عون کی بے وفائی کا خفیف سا خیال سوچ کر ہی منیہا کے پورے وجود میں درد کی لہر اتری، اسے لگا وہ سانس بھرتی بھرتی یہیں دم توڑ دے گی۔

کب ہچکیوں کی زد میں وہ وہیں فرش پر دہری ہوئے جا لیٹی، رونے میں تیزی آچکی تھی۔

اپنی سلین زدہ آنکھیں بار بار رگڑے وہ انھیں سرخ انگارہ کر بیٹھی، شاید اپنی زندگی کا سارا رونا اسے آج ہی رونا تھا۔

دوسری طرف وہاج کو کہیں جانے کے لیے تیار دیکھتیں زہرہ پہلے تو حیران ہوئیں مگر پھر اتنے دن بعد اپنے بچے کی حالت زار کی بہتری نے انھیں بھی مانو زندگی کے رنگ محسوس کروائے۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

وہ خود بھی بس جانے ہی والی تھیں، تبھی وہاج کے پاس آئے اسکی چوڑی کمر سہلائے پیار سے بولیں۔

"نہال لالہ نے بلوایا ہے ہوسپٹل، عناب اور یوئی سے بھی مل لوں گا اور ایک فیصلہ بھی لیا ہے"

سنجیدہ چہرے کے سنگ نپے تلے انداز میں وہ شرٹ کے تمام بٹنز بند کیے رخ موڑے والدہ کی سمت مڑا جو وہاج کے اس فیصلے والی بات سے خفیف سی پریشان نظر آئیں۔

"کیسا فیصلہ پتر"

زہرہ صاحبہ کی بیقراری دیدنی تھی، وہاج نے انکی جانب تاسف سے دیکھا اور چہرہ موڑے پلنگ پر جا بیٹھے جوتے پہننے لگا، اسکی یہ پر اسرار سی چپ زہرہ صاحبہ کو مزید بیقرار کر رہی تھی۔

"جاب چھوڑنے کا، میں بخاری ولا اور وہاں ہر فرد سے ناطہ توڑنا چاہتا ہوں۔ مزید مجھ سے حفاظت نہیں ہو گی نہ میرے اندر ہمت باقی ہے۔ ماسٹر تو ویسے بھی میرا کمپلیٹ ہے، ضرور کوئی اچھی جاب مل جائے گی"

اپنے فیصلے کی آگاہی کروائے وہ والدہ کو پریشان ہی تو کر گیا، وہ اسکے پاس ہی بیٹھے آس سے اسکی بازو پر ہاتھ رکھے اسکی توجہ اپنی جانب کیے خفیف سی خفا ہوئیں تو وھاج نے بیزاریت سے دامن چھڑوائے اٹھ کر چہرہ اور رخ دونوں موڑ لیے۔

"تیرے بابا کی وصیت تھی پتر کہ تو انکا ادھورا فرض نبھائے گا، نہال بھائی اور وحید بھائی نے تیرے بابا کے مرنے کے بعد کیا کچھ نہیں کیا ہمارے لیے۔ تجھے پڑھایا، ہلال کو پڑھا رہے ہیں۔ کتنے سال تک ہماری کفالت کی۔ ایسا بے حس تو نہیں ہے تو پتر، تجھے ہمیشہ ان سب کی حفاظت کرنی ہے یہی تیرا فرض ہے"

وھاج کے بے رحم فیصلے نے اس ماں کی ساری اذیتیں ہری کی تھیں، وھاج سکندر کیا بتاتا کہ وہ بہت برا محافظ ثابت ہوا ہے۔

وہ وفا کو بچا نہ سکا، وہ بکھر گیا ہے۔

اسے اب یہ فرائض تھکانے لگتے ہیں۔

پہلے ہی عناب کو نہ بچا سکنے اور عائش کو نہ مار سکنے کا کرب اسے کاٹ کھا چکا تھا، پھر وفا کا چھن جانا اسے دہرے عذاب میں مبتلا کر گیا۔

"والدہ، میں اتنا مضبوط اور باہمت نہیں ہوں کہ مسلسل ہارنے کے بعد بھی سلامت رہوں۔ ان کے احسان چکانا ناممکن ہے لیکن میں اس ماحول سے نکلنا چاہتا ہوں ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ خیر بعد میں بات کریں گے"

اپنی شکستگی ہر ممکنہ چھپانے کے باوجود وہ جس طرح بے بسی سے اپنے کرب کا اظہار کیے نظروں سے اوجھل ہوا وہ زہرہ صاحبہ کو کتنی ہی دیر افسردہ کیے رہا۔

وھاج سکندر ہر احساس سے عاری ہو چکا تھا مگر عناب سے ملنے کے لیے اس نے یونہی دل چاہنے پر کئی گلیٹر بلون خریدے، ہوسپٹل تک پہنچنے تک اسکے دماغ میں بہت سے معاملات گردش کر رہے تھے۔

یوئی تو اسکے آتے ہی دور سے ہی وھاج سکندر سے جا لپٹا تھا، کتنی ہی دیر وھاج بھی اس بچے کی سلامتی پر سراپا شکر رہا۔

اس نے محسوس کیا جیسے یوئی، ہلال، ابدال اور نہال سب کی آنکھوں میں وھاج سکندر کے لیے احترام سا درج تھا۔

عناب کے جاگنے سے پہلے ہی اسکا پورا روم اسکے فیورٹ بلونز سے ڈیکوریٹ کروایا گیا تھا اور جب ان ننھی پری کی آنکھیں کھلیں تو وھاج سکندر اسکی زندگی اور سلامتی دونوں کے لیے دعا گو ہوا۔

وہ سارے درد بھولے کمرے میں جا بجا خوبصورتی سے دیواروں پر نسب ہوئے غباروں کو دیکھ کر جیسے پھر سے جی اٹھی، ابدال جانتا تھا اگر آج اسکی عناب زندہ ہے اور یوئی سلامت ہے تو اسکی ایک وجہ وھاج سکندر بھی ہے لیکن ابھی وہ کسی قسم کے تکلف اور شکریہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

نہال بخاری اور وہ ایک ساتھ ہوسپٹل سے نکلے تھے، وہ انھیں بخاری ولا ڈراپ کرنے والا تھا مگر ہوسپٹل کی پارکنگ میں ہی وہ رک کر نہال بخاری کے پکارنے پر انکی جانب پلٹا۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں اتار سکتا وھاج، میں نے وفا والے معاملے میں تمہارا کتنا دل دکھایا لیکن تم نے ثابت کر دیا کہ تم میرے یار کا خون ہو۔ آج اگر عناب اتنے بڑے حادثے کے بعد سانس لے رہی ہے تو اسکی وجہ تم ہو۔ تم نہ ہوتے وہاں تو شاید یہ دونوں بچے اس سے بر تر حال میں ہوتے۔ مجھے معاف کر دو"

ہمیشہ اک غرور اور انا کے خول میں بند رہنے والے خود پرست نہال بخاری نے معافی مانگنی سیکھ لی تھی۔

وھاج لمحہ بھر کو لاجواب ہوا، وہ انھیں اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے دیکھ کر یہ برداشت نہ کر سکا تبھی لپک کر انکے جڑے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے انھیں اس عمل سے روکا۔

" میں تو خود کو انتہائی ناکارہ مان چکا ہوں نہال لالہ، یہ جو کچھ میں نے کیا اس میں بس وسیلہ بنا۔ مجھے یوں ہاتھ جوڑ کر شرمندہ مت کریں۔ وفا میری تھیں ہی نہیں، تبھی انکے معاملے میں وسیلہ بننے کا شرف بھی نہیں مل سکا۔ معافی کے بجائے آپ مجھے اس حفاظت کے بوجھ سے آزاد کر دیں بس یہی گزارش ہے "

انکی التجاء کے جواب میں وھاج ایسا کہے گا یہ تو وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے، فوری نفی میں سر ہلائے وھاج کے دونوں کندھے جکڑے اسے خفگی سے دیکھنے لگے۔

" نہیں۔ ہر گز نہیں۔ ایسا سوچنا بھی مت۔۔۔ اگر تم نے بخاری ولا کو چھوڑنے کا سوچا بھی تو بہت سخت انداز سے پیش آوں گا۔ ناکارہ نہیں ہو تم وھاج، تم مسیحا ہو۔ ان بچوں کے۔ میں چاہتا ہوں اب سے تم عناب کے باڈی گارڈ بن جاو۔ انکار مت کرنا۔ ابدال جلد یا بدیر اپنی تعلیم کے لیے تھوڑا سہی لیکن عناب سے دور ہو گا اس لیے میں چاہتا ہوں اسکی آدھی ذمہ داری اب تم بانٹ لو"

وہ جو اپنے بوجھ ہلکے کرنے آیا تھا، یہ اتنا بھاری فرض کندھے پر لدوا کر ہلکان ہوا، اسے یہ ذمہ داری بہت نڈھال کرتی معلوم ہوئی۔

وہ رحم طلب نظروں سے نہال کو دیکھ رہا تھا کہ شاید انھیں اس پر ترس آجائے مگر وہ اپنی بات پر پہاڑ سے ڈٹے تھے۔

" پلیز لالہ، اسے جب جب دیکھوں گا مجھے یہ احساس ستائے گا کہ کیوں اسے اس درندگی سے بچا نہ سکا میں۔ یہ مجھے بہت تھکا دے گا۔ ایسا ظلم نہیں کریں"

وہ وھاج کی اندرونی اجاڑ کیفیت سے بخوبیٔ واقف تھے مگر اپنی عناب کے لیے انھیں وھاج کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ تھا۔

" یہ ایک مجبور اور بے بس بیمار باپ کی التجاء ہے وھاج، اسکے سر پر اگر تمہارا ہاتھ ہو گا تو میں مر بھی گیا تو مجھے یہ تسلی ہو گی کہ وہ اب بھی بابا کے سائے کے حصار میں ہے۔ مجھے مایوس مت کرو، وہ تم سے، یوئی سے، ابدال سے سب سے زیادہ مانوس ہے"

نہال بخاری کے اصرار نے وھاج کے ہر انکار کو کہیں دور مفقود کر ڈالا تھا، اسے لگا جیسے ایک لمحے میں زندگی نے اسے بے مقصد راہوں سے اٹھا کر اسکی اصل منزل کی جانب رواں کر دیا تھا۔

" ہمم۔۔ ٹھیک ہے، آپکو انکار نہیں کروں گا۔ مجھے یہ فرض قبول ہے۔ آپ پریشان مت ہوں"

دل پسیج گیا تھا، وہ اتنی جلدی یہ سب مان جائے گا اسکی نہال کو بھی امید نہ تھی تبھی وہ اسے بڑھ کر خود میں بھینچ گئے، تشکر، ممنونیت سے بھرے جذبات لیے، انکی آنکھوں میں اک سکون سا تھا، عناب کے ارد گرد وہ مرنے سے پہلے حفاظت کا حصار کھینچنا چاہتے تھے، وھاج کے چہرے پر صدیوں کی سی تھکن تھی پر اب اسے یہ مشکل ٹاسک ہر صورت نبھانا ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تو تم نے معاف کر ہی دیا مجھے"

کھلے سنہری بال اپنے کندھوں سے ہٹا کر اک شان بے نیازی سے کمر پر ڈالے، جالی دار آنچل کندھے پر جمائے وہ اپنی سماعت میں پڑتی اس سر گوشی پر خفیف سا مسکرائی اور پھر نظر اس پر ڈالی جو اسکے ہر روپ کا دیوانا بنا اسے نرمی سے حصار میں لیے عام سے لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔

نہ صرف وفا ہوسپٹل جانے کو ریڈی تھی بلکہ ابھی شام میں کاشان نے بھی جہاں داد سے ملنا تھا تبھی وہ بھی چینج کیے خاصے سوبر خلیے میں جان لیوا حد تک پر کشش لگ رہا تھا۔

وفا کی خود سپردگی شاید دیوانے کا مانگا ثبوت تھی مگر یہ دل بھی کتنا بچہ تھا، اس لڑکی کی زبان سے سن کر دل بیقرار کو تسکین دینا چاہتا تھا۔

"معاف۔۔۔امم۔۔سوچ کے بتاوں گی"

یقیناً یہ محبت بننے کا غرور سا تھا کہ وہ نہ صرف اسکے پر سکون کرتے حصار میں پلٹ کر سامنے آئی بلکہ تفاخر سے ادا دیکھائے مسکرائی، اسکا چہرہ کسی نئی شرارت کا ترجمان سا تھا۔

"مجھے محسوس ہوا جیسے تم مجھ پر عاشق ہو گئی ہو، زویا اکثر مجھے کہتی ہیں کہ زیادہ سنورا مت کرو لڑکے، چڑیل عاشق ہو جائے گی۔ اب انھیں کون بتائے کہ کاشان ہمانی کا سب سے برا روپ جس نے دیکھا وہ چڑیل بھی دیوانی ہو گئی"

وفا کی لوٹ آتی تروتازگی کا اثر تھا یا چند من پسند لمحوں کی دل آویز خوشیاں، کہ وہ اپنے سخت، سنجیدہ اور مغرور خول سے نکل کر وفا کے سامنے اسی کی چاہت جیسے روپ میں بدل گیا تھا۔

وہ ہنسی، ہاں بلکل ہنسی اور کتنی ہی دیر وفا اسکی گردن میں مان سے بازو باندھے اسکے چہرے سے گال جوڑے کھلکھلاتی گئی۔

یہ لمحہ کاشان ہمانی کے دل نے دھڑکنا بھلا دیا تھا۔

"ہاہا جی نہیں، ہو سکتا ہے یہ ہمارے بے بی کا اثر ہو"

ہنس کر جب وہ تھک گئی تو چہرہ زرا روبرو لائے پھر سے کاشان کو دیکھ کر چہکی۔

دونوں کی مہکی ہر تھکن سے آزاد سانسیں دلکشی سے آن ملیں، ایسی الجھن پر تو نثار ہونا بنتا تھا۔

مقابل خمار میں اضافہ ہوا تو وفا کی کمر کے گرد حائل کاشان کی توانا بازو بھی جکڑیں اور وہ ٹوٹی شاخ کی مانند جتنا فاصلہ بنانے میں کامیاب تھی، سب وہ ظالم اک لمحے میں طے کرتا اسکے لفظوں اور لہجے کی رسائی تک قریب آیا۔

"مطلب اس بچے کے آنے کے بعد تم مجھے لفٹ نہیں کرواو گی؟"

انداز شدت بھرا اور لہجہ حق دار تھا جس میں مبتلا وہ اپنی غضبناک آنکھوں کی طاقت کا استعمال کیے وفا سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ظاہر ہے، اگر تو وہ بیٹا ہوا تو تمھیں ویسے ہی بزی رکھے گا۔ دودھ بنا کر دینا، ڈائپر چینج کرنا، نہلانا، وغیرہ وغیرہ اور اگر بیٹی ہوئی تو سوری ٹو سے وہ اپنی پیاری مماتم سے ہرگز شئیر نہیں کرے گی"

کمال خوش فہمی لیے وہ اپنے نیک ارادے ابھی سے گوش گزار کرتی جس مزے سے بولی، کاشان پہلے تو حیران ہوا اور پھر خود بھی ہنس دیا۔

وفا کو اسکی ہنسی نے مسمرائز کیا، وہ تھی ہی بہت انمول۔

"ہاں بیٹی ہوئی تو وہ دوسرا کاشان ہمانی ہو گی، یہ ماننے والی بات ہے کہ وہ مجھے وفا دیکھنے بھی نہیں دے گی۔ خیر اٹس اوکے، تمھاری ایک تصویر والٹ میں رکھ لوں گا۔ بہت شریف ہوں"

خفیف سی منصوعی شرافت اوڑھ کر تو وہ سہی نوٹنکی لگا تھا اور وفا بھی اسی لیے ہنسی تھی کہ اس بندے کو بیسٹ ڈرامے باز کا ایوارڈ ملنا بنتا تھا۔

"سنو وفا! کچھ بھی ہو جائے مجھے کبھی بھولنا مت"

وفا کی ہنستی، زندگی سے بھری آنکھیں یکدم کاشان کے اسکو گلے لگا لینے پر افسردہ ہوئیں، وہ سمجھ نہ پائی کہ اس انسان کے سارے رنگ ایک دم کیوں جھڑ جاتے ہیں، کچھ دیر اسکی بازوؤں میں گرفت کی نرمی محسوس کیے کاشان کے وجود سے اٹھتی بہت ہی دلکش کلون اسر خود اسکی اپنی موہنی سی مہک محسوس کرتی وہ اسکے حصار کو توڑے دوبارہ روبرو ہوئی۔

"یہ تم پر ہے کاشان، اگر دل توڑو گے پھر تو بھول جاوں گی۔ کچھ برا کرو گے تو جان لے لوں گی۔ میں نے بہت مشکل سے خود کو سمیٹا ہے، اپنی انا، خود پرستی، اپنا غرور ایک طرف کیے تمہاری طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ بھلے اسکی وجہ ہم دو کی اولاد ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ سچ ہے مجھے تمہارے قریب ہی سکون ملا"

وہ اس ملن کے سمے جدائی جیسی سوچ سوچے بد شگونی کرتا، یہ وفا سے سہا نہ گیا۔

تبھی ایک قدم اور کاشان کی سمت بڑھائے اپنے دل کی دنیا کے سکون کی وجہ بتائی تھی۔

اور عورت جب اظہار کرتی ہے تو وہ قید ہو جاتی ہے، قید بھی معمولی نہیں، دل، روح، جان اور سانسوں کی دسترس وہ اس انسان کے سپرد کر دیتی ہے۔

"عشق اور جنون دو الگ مسافتیں ہیں وفا، مجھے لگا تھا تمہارا جنون ہے مجھے۔ لیکن یہ عشق نکلا، مجھے تمہاری تکلیف سے درد ہوا، تمہیں توڑ کر خود بکھر گیا۔ جنون ہوتا تو اس رات کے بعد قصہ ختم ہو جاتا، میں فاتح تم تباہ!۔۔۔ لیکن ایسا سوچ بھی نہ سکا۔ میں تمہارے ہاتھ سے ایک بار پھر مر سکتا ہوں لیکن شرط اب سیدھا دل پر وار کی ہو گی، کیونکہ اچھا انسان ہوں ہی نہیں"

ایک بار پھر وہ وفا کی امیدیں پاش پاش کرتا اپنی ناک گھسائے پھر سے وہی رٹ لیے وفا کو خفا کر چکا تھا، اس بندے سے بحث کرنا، گویا دیوار سے سر ٹکرانا۔

تبھی وہ اسکے حصار سے نکلنے کو مچلی ہی تھی کہ ایک جھٹکے پر وہ اسکو اپنی گرفت میں لیے اگلے ہی لمحے وفا کی گردن میں اسکی ٹوٹی چین واپس ڈال چکا تھا۔

غصہ فوری کہیں دور جا مفقود ہوا، وہ مبہم سا مسکرا کر آئینے کے سامنے پلٹی اور اپنی گردن میں چمکتی اپنی کھوئی چین واپس دیکھ کر آئینے سے ہی کاشان کو دیکھ کر مسکرائی، ہاتھ لگائے اسے چھوا۔

"یہ مما کی ہے، بابا کی جان تھیں وہ۔ انکی محبوبہ۔ بابا نے مرنے سے پہلے ماں کی یہ نشانی مجھے پہنائی تھی۔ مجھے لگا یہ کھو گئی۔ تم کو کہاں ملی"

اس چین سے جیسے وفا کی اچھی اور آزردہ یاد جڑی تھی وہیں کاشان کو اسکا ٹوٹا پن دیکھ کر ہی وفا کے ٹوٹنے کا احساس ہوا تھا۔

"اس رات میرے ظلم کا شکار ہوئے ٹوٹ گئی تھی، میں نے اسے یونہی ٹھیک کروالیا تھا لیکن شاید میرے دل نے کوئی عہد کیا تھا کہ اسکی طرح وفا کو بھی جوڑ دوں گا۔ مجھے پتا نہیں تھا یہ تمہارے لیے اتنی اہم ہے، اچھا ہوا اپنی جگہ پر چلی گئی"

اپنی انگلی وفا کی ملائم گردن میں دمکتی اس چین پر پھیرے وہ وضاحت دیتا دیتا تب سنجیدہ ہوا جب وفا پلٹ کر اسکے روبرو آئی۔

"وہ رات اب میرے لیے بری یاد نہیں ہے اس لیے تم بھی بھول جاو، میں نے اپنے بچے کے لیے اور تمہارے ساتھ کے لیے ہر چیز پیچھے چھوڑ دی ہے"

آنکھوں میں یقین بھرے وہ اس شخص کا من وزنی دل ہلکا کر رہی تھی اور وہ واقعی ہلکا پھلکا دل لیے مدھم مگر جان لیوا مسکرایا۔

وفا کی جبین چومے محبت سے بھری نگاہ میں مرکوز کیے دور ہوا۔

"تم مجھے ہوسپٹل ڈراپ کر دینا پھر چلے جانا، بھیو کی طرف جاوں گی انکی طبعیت کا پوچھنا۔ اگر رک جاوں ہوسپٹل تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

کاشان کو فون، گاڑی کی چابی اور کوٹ اٹھاتا دیکھتی وہ بھی اپنا بیگ لیے اس سے بولی جو جوابا مغرور مسکراہٹ دیے دو قدم پھر قریب آیا۔

"مجھے زیادہ میٹھا ویسے بھی پسند نہیں مسز کاشان ہمانی، زندہ رہنا ہے ابھی مجھے۔ تمہارا ہر وقت قریب رہنا بھی بندہ ناچیز کی جان پر خطرہ ہے سو آج رات کے لیے معافی دو مجھے۔ رہ لینا اپنے اس جوشیلے بچے کے ساتھ۔۔۔"

اس قدر شوخے پن پر تو وفا اسکا سر گنجا کرنے کو لپکی مگر کاشان کے عین وقت پر اس جھپٹنے سے منع کرنے کے اشارے پر وہ مفہوم سمجھ کر خوامخواہ گلاب ہوئی۔

"طبعیت بھی تھوڑی بوجھل ہے"

چہرہ موڑے وہ آئینے میں فائنل لک دیکھ کر زرا جھینپ سی گئی جس پر کاشان کا چھت پھاڑ قہقہہ گویا وفا کو اچھا طیش دلا گیا۔

"ہاں ہاں بہت بوجھل ہے، دیکھائی دیا مجھے کتنی بوجھل ہے۔۔۔"

اسے تپانے کو کہتا وہ بے نیازی سے باہر نکلا تو وفا بھی چہرے کے سرخ رنگ جو غصے اور شرم دونوں سے تھے، دباتی پورچ تک آئی جو گاڑی میں بیٹھنے سے قبل ساری شرارت ختم کیے رکا اور سنجیدگی سے وفا کا سرخیوں میں گھلا بوکھلایا چہرہ دیکھا۔

"مزاق ایک طرف، اگر طبعیت بوجھل ہے تو ڈاکٹر سے کنسرن کر لینا۔ اپنا خیال رکھنا، اکیلی مغرور حسینہ نہیں ہو اب سو خود سے پہلے اس ننھی جان کا سوچنا۔ خیر چلو دیر ہو رہی ہے"

ڈھیر ساری فکر لہجے میں سموتا وہ جس طرح وفا کو تاکید کیے گاڑی کا دروازہ وفا کے لیے کھولے بولا، وہ تو اسے کتنے ہی لمحے دیکھ کر رہ گئی۔

شاید محبت سے زیادہ اسے کاشان کی خود کے لیے یہ فکر دیوانہ کر رہی تھی۔

کیا مضائقہ تھا اگر وہ دیوانی ہو بھی جاتی، اس کھیل میں خسارے نہیں دیکھے جاتے۔

یہ تو مین گیٹ کھلنے پر زویا کو آتا دیکھ کر کاشان واپس باہر نکلا تو وفا بھی باہر آئی۔

کاشان نے خوشگوار سی حیرت کے سنگ زویا تک فاصلہ طے کیا جو اب وفا اور کاشان کو نثار ہوئے دیکھ رہی تھی۔ شیر علی پہلے ہی سارا معاملہ کاشان سے گوش گزار کر چکا تھا

"مجھے کچھ پتا چلا ہے میم، دل تو چاہ رہا ہے آپ کو اس پر اپنے ہاتھوں سے کچھ میٹھا بنا کر کھلاوں لیکن فی الحال مجھے کہیں پہنچنا ہے۔ ڈنر آپکے ساتھ کروں گا۔ وفا بھی بخاری ولا جا رہی اسکے بعد ہوسپٹل ڈراپ کروں گا"

زویا کو پر شوق نگاہوں سے تکتا وہ پہلی بار صحیفہ راز ہی کی طرح کیے فورا مدعے پر آیا اور اس سے پہلے وہ دونوں واپس جانے کو گاڑی کی سمت جاتے، زویا نے ان دونوں کو ہی پکارا۔

ابدال کے کئی سوال اور اسکی ان کہی سی تکلیف دونوں کو کہی جس پر جہاں وفا افسردہ تھی وہیں کاشان نے منہ بگھاڑے اک نظر وفا پر ڈالی۔

"سن لو اس فلاسفر کی باتیں، یہ لڑکا کچھ بڑا کرے گا لکھ لو۔ اچھا ہوا میں نے نہ جانے کا فیصلہ لیا۔ اب تم بتاو! اسے روٹھے بچے کو واقعیٔ منانا ہے یا پلین کینسل؟"

کاشان کی اس سارے معاملے کو دانستہ ہوا میں اڑانے پر دونوں خواتین کی گھوری آئی تھی، زوئا نے تو باقاعدہ خفیف سی اونہوں کیے اسے ٹوکا۔

" منانا ہے، جب تک وہ نہیں مانے گا مجھے سکون نہیں ملے گا۔ اوکے زویا آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ میں رات ہوسپٹل رکوں گی۔ چلو کاشان "

اپنا ارادہ از سر نو مضبوط کرتی وہ زویا سے ملتی اسکے ساتھ ہی گاڑی کی جانب لپکی اور کاشان نے جس طرح مڑنے سے پہلے زویا کو آنکھ ونگ کی اس پر زویا بھی تب تک مسکراتی رہی جب تک ان کی گاڑی حویلی سے باہر نہ نکل گئی۔

گہرا سانس بھرتی وہ خود بھی اس مدھم سی نارنجی شام کے گہرے سائے دیکھتی لان کی سمت بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام سے رات اتر آئی تھی اور منیہا اپنی صدمے کی کیفیت میں ہنوز مبتلا یکدم ہی فرش پر بیٹھی روتی ہوئی اٹھی اور اپنے آنسو پونچھے کمرے سے باہر نکلی۔

سامنے لاونج میں ہی وحید صاحب اور فریال بیٹھے کسی معاملے پر محو گفتگو تھے جب منیہا کو اپنی جانب آتا دیکھ کر چونکے۔

اسکے چہرے پر مٹے مٹے آنسوؤں کے نشان ان دونوں کو ہی پریشان کر چکے تھے۔

"منیہا، کیا ہوا ہے بچہ "

اپنی جگہ سے اٹھ کر منیہا کی جانب لپک کر اسکی بہت تکلیف سے اٹی صورت تکتے وہ اسے باقاعدہ تسلی دینے کو خود سے لگائے رسان سے دریافت کر رہے تھے جس پر وہ بولنے کی ہمت جمع کرتی گہرا سانس بھرے باری

باری ان دونوں کو دیکھنے کے بعد اپنا فون وحید صاحب کی جانب بڑھایا جس کو انہوں نے فوری تھامے نظریں فون پر مرکوز کیں۔

"تمہارا پیارا، بہت وفادار اور جذباتی شوہر میرے ساتھ ہے، اپنی مرضی سے ہے یا میری سے یہ اہم نہیں۔ اس لیے یہ کہنا تھا کہ ہمیں تنگ مت کرنا مس منیہا"

مہکار کا عون کے نمبر سے بھیجا یہ پیغام پڑھ کر وحید صاحب بھی چہرے پر حقارت اور غصہ آنے سے روک نہ سکے تھے، فون کو پرے صوفے کی جانب اچھالتے وہ منیہا کا پھر سے تکلیف سے مزین ہوتا چہرہ تھامے اسے حوصلہ دینے لگے، فریال کو پانی لانے کا اشارہ کیا تو وہ بھی پریشان سی کچن کی سمت گئیں۔

"سب سے پہلے تو یہ رونا بند کرو، عون کہاں ہے اسکا پتا لگوا لیں گے۔ میں ابھی جہاں داد کو کال کرتا ہوں۔ اس عورت سے ایسی گری ہوئی حرکت کی توقع نہیں تھی مجھے۔ کتنی بار اسے کہا تھا یہ نیکی نہ کرے، لیکن ہے تو سر پھرا۔ وہی کرتا آیا ہے جو اسے ٹھیک لگا"

دانستہ عون پر خفا ہوئے وہ منیہا کے آنسو روکنے کی سعی میں بولے تھے مگر وہ تو ابھی سے اپنی دنیا اجاڑ محسوس کر رہی تھی۔

شام سے اب تک جی بھر کر رو لینے کے بعد اسے سمجھ آیا تھا کہ مہکار نے عون کو یقیناً کڈنیپ کیا ہو گا، وہ جتنا بھی جذبات کی رو میں بہک جاتی، اسکا دل اور دماغ یہ ماننے کو ہر گز تیار نہ تھا کہ عون کبھی بھی کچھ ایسا کر سکتا ہے جو منیہا کی تکلیف کا سبب بنے۔

منیہا کے نہ تھمتے آنسوؤں پر خود وحید صاحب نے اسے فریال کا لایا پانی کا گلاس تھمائے، زوجہ کو منیہا کا خیال رکھنے کا اشارہ کیے اپنا فون لیے باہر کی سمت چلے گئے۔

نہال گھر میں تھوڑی گھٹن محسوس کر رہے تھے تبھی وہ کچھ دیر آفس چلے گئے تھے اور وفا کو بھی انھوں نے وہیں بلوایا تھا۔

کاشان، وفا کو آفس ڈراپ کیے خود جہاں داد ہی کی طرف گیا تھا جس نے اس پر ہوتے حملے کے حوالے سے کاشان کا ایک آخری حتمی بیان لیا تھا۔

" دیکھیں کاشان سر، قانون کے اپنے طریقے ہیں۔ آپ پر گولی جس گن سے چلی ہمیں اسکی تلاش رہے گی۔ معاملہ بھلے دب گیا ہے لیکن میرے کچھ لوگ اس معاملے میں ہر چھوٹی بڑی چیز جانچ رہے ہیں۔ جلد ہم وہ گن ڈھونڈ لیں گے۔ اپ یہاں سگنیچر کر دیں تا کہ آپکا بیان آگے بھجوایا جائے۔۔۔ اگر آپکو کسی پر شک ہے تو بتا سکتے ہیں"

کاشان کی ہر ممکنہ کوشش تھی کہ یہ شوٹ والا معاملہ دب جائے مگر جہاں داد بار بار وہی چیز کرید کر معاملے کی تہہ میں گھسنے کا تمنائی تھا اوپر سے کاشان کو مہکار والا معاملہ بھی دیکھنا تھا، اس عورت سے ایک سیدھی کھری ملاقات ضروری تھی تا کہ وہ جان سکتا کہ آخر وہ کرنا کیا چاہتی ہے۔

کاشان نے بیزار سی نظر جہاں داد پے ڈالی اور اسکی جانب سے بڑھائے دستاویز پر سائن کیے اور اپنی پوری توجہ مشکوک انداز سے اپنی جانب دیکھتے جہاں داد کی جانب ثبت کی۔

" مجھے خود پر بھی شک ہے، دیکھیں جہاں داد صاحب۔ دنیا داری سے منسلک ایک سامنے دیکھائی دیتا آدمی ہوں اور ایسے میں یہ معمولی حادثے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ جس طرح ایک دنیا میرے ہنر کی دیوانی ہے وہیں دشمنوں، تنقید کرتے طبقے اور ایسے لوگوں کی سرد مہر نظروں کی بھی کمی نہیں جنکے نزدیک میرا یہ پیشہ صرف ایک جنگلی شغل ہے"

سائن تو وہ کر چکا تھا مگر جہاں داد کی جانب خاصے پر اثر لفظ ارسال کیے وہ لمحہ بھر کو تب رکا جب جہاں داد اسکی بات پر نا سمجھی کا تاثر دے بیٹھا۔

"سمجھاتا ہوں، میں ریسلنگ چمپیئن ہوں۔ کاشان ہمانی لیکن آپ یقین کریں کہ خود میرے گھر کے آس پاس کی چند جذباتی مائیں اتنی برہم رہتی ہیں مجھ پر کہ کیسے کام پکڑے میں نے، انکے بچوں کو بگھاڑ رہا ہوں۔ وہ بھی زمین سے نکلتے نہیں اور منہ پھاڑ کر کہتے ہیں ہمیں جم لگوا دو اماں، ابا ہمیں کلب بھرتی کروا دو۔

یقینا انہی میں سے کوئی بندہ ہو گا جس نے اپنے بچوں کے مستقبل کو اپنی طرف سے تاریک ہونے سے بچانے کو میرا خاتمہ کرنے کا سوچ لیا ہو گا"

اتنی سنجیدہ صورت حال میں جب خود جہاں داد مشکوک تھا، کاشان کی مزے سے دی وضاحتوں پر نہ صرف ہنسا بلکے کتنی ہی دیر بعد تک بھی وہ کاشان ہمانی کے اس روپ کو جان پر متاثر لگا۔

وہ بندے کو گما دینے کا خاصا باریک ہنر رکھتا تھا لیکن جہاں داد کے اندر بھی تو ایک جاسوس بیٹھا تھا، جو اسے اکسا رہا تھا کہ وہ کاشان ہمانی کی اس پر اسرار ذات کو کریدتا جائے۔

"کاشان صاحب، مانا آپ کا سینس آف ہیومر بہت کمال ہے لیکن یہ کوئی کھیل یا مزاق نہیں۔ مجھے تو اس پر حیرت ہے کہ اپنے اوپر ہوتے قاتلانہ حملے کے باوجود آپ بہت شانت ہیں۔ نہ میڈیا کو کوئی بیان دیا نہ اپنے اوپر ہوتے اس جان لیوا حملے کی مذمت کیے کوئی ایکشن لیا۔ جیسے آپ اس قاتل کے لیے کوئی سٹینڈ لینا چاہتے ہی نہ ہوں۔ تھوڑا عجیب ہے"

ان پولیس والوں سے اسکی پائزن بننے سے پہلے بھی تکرار رہا ہی کرتی تھی، کبھی کسی شکائیت پر تو کبھی کسی اڑی افواہ پر مگر جب وہ مافیہ کی دنیا میں آیا تو اسے چھپی ہوئی ہر شے پر سے پردہ اٹھا کر ملوایا گیا تھا۔

اس قانون کی جڑوں تک رسائی تھی اسکی، پولیس کے لوگ بعد میں ایکشن لیتے تھے اور پائزن کو پہلے خبر ہوتی تھی۔

اس وقت بھی وہ جہاں داد کی ہوشیار طبعیت اور مرغی کی وہی ٹانگ لے کر بیٹھنے پر دل ہی دل میں ہی ملامت کر سکا تھا، اب اپنے معیار سے گرنا کہاں سیکھا تھا اس نے۔

جب وہ کاشان ہمانی نظر آتا تو اس میں بچپن والا وہ بچہ لوٹ آتا جو اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہمانی حویلی میں لگے پھول توڑ کر بیچ آتا تھا، تب اسکی جب پھولوں کے بکنے کے بعد ضرورت پوری ہو جاتی وہ تب بھی بیچتا، سڑکوں پر دوڑ کر، گھنٹوں آتی جاتی گاڑیوں کے پاس جا کر، ضرورت ختم ہوتی تو اسکا سکون شروع ہوتا۔

وہ ضرورت سے اضافی ملتے پیسوں سے ماں کے بالوں میں لگانے کو بازار کا سب سے خوبصورت کلپ خریدتا، ہیئر بینڈ، چوڑیاں، آج بھی وہ بچہ اسکے اندر کہیں کسی کونے میں دبکا ہوا تھا، ماں سے بچھڑا ہوا، ماں کی یاد سمیٹے۔

لیکن مافیہ ڈان ہونے کے ناطے اس پر کئی فرائض تھے، کئی خفیہ ذمہ داریاں عائد تھیں، بہت ساری تحریکیں تھیں، ایک نا شمار میں آتا سسٹم تھا، غائبانہ طاقتیں تھیں جو برائی اور اچھائی سے پرے اپنی ہی ایک جنت اور جہنم بنا کر اپنے دائرے میں گردش کر رہی تھیں۔

وہ زندگی ایسی سادہ نہیں چاہتا تھا لیکن وہ زندگی ایسی پیچیدہ بھی کبھی نہ چاہتا تھا، اسے یقین تھا برائی اسکی ذات کا آدھا حصہ ہے اور وہ اس سے صرف موت کے بعد الگ ہو گی۔

"آپ اپنی انویسٹیگیشن جاری رکھیں، مجھے یقین ہے قانون اس کی تہہ تک پہنچے گا لیکن میرا ایک حقیر سا مشورہ ہے کہ یہ غیر اہم معاملہ چھوڑ کر آپ اس پر فوکس کریں جو زندگی اور موت کا سوال بنا ہے۔ عائش ہمانی کی تلاش۔۔۔۔۔"

اپنی دانستہ ظاہر کی شگفتگی ختم کیے وہ جہاں داد کی جانب دیکھ کر جتاتے لہجے سے بولا اور یہ مقابل زرا خفیف سا چبھا۔

اس سے پہلے جہاں داد کوئی جواب دیتا، کسی کال پر نہ صرف متوجہ ہوا بلکہ کاشان پر سے اپنی ساری توجہ بھی ہٹائی۔

"تم بے فکر رہو، میں ابھی اپنی ٹیم بھیجتا ہوں۔ نمبر ٹریس کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ پتا چل جائے گا کہ اس عورت نے کہاں رکھا ہے عون کو۔۔۔۔"

جہاں داد کی جانب سے سنائی پڑتے یہ لفظ کاشان کو اندر ہی اندر سلگا گئے، وہ جو اب تک تماش بین بنا تھا، مہکار کی اس بیوقانہ حرکت پر حلق میں کانٹے اگے محسوس کرتا نہ صرف اٹھا بلکے اشارے سے ہی اجازت طلب کیے جہاں داد کے آفس سے نکلا۔

کاشان کا یکدم فرار، جہاں داد کی چھٹی حس پھڑکا چکا تھا۔

فوری اپنی ٹیم کو ہدایات دینے وہ مین آفس سے نکلا وہیں کاشان نے باہر پہنچتے ہی گاڑی میں بیٹھے فوری سٹارٹ کی اور ساتھ باسط کا نمبر ملائا۔

اس وقت کاشان کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ مہکار کی قبر وہیں فارم ہاوس ہی کھود دئتا۔

"اس منحوس نے عون کا نمبر آن کیا؟ فوراً سے پہلے وہاں جا کر اس عورت کا کام ختم کرو باسط۔۔۔۔ اگر فون ٹریس ہو گیا تو سمجھو کھیل ختم۔۔۔۔ ہری آپ"

فون لگتے ہی کاشان پوری قوت سے حکم کرتا دھاڑا مگر نا جانے دوسری سمت سے کیا خبر ملی کہ اگلے ہی لمحے وہ بپھرا جن غصے کو چھوڑے خفیف سا ہنسا۔

"ویل ڈن۔۔۔ فارس شاہ سے ایسی ہی پھرتی کی امید تھی۔ ٹھیک ہے پھر مجھے لائیو کوریج ضرور دیکھانا اس مزید ارڈرامے کے کلائمیکس کی۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ میں کلب جارہا ہوں۔ مجھے خوشخبری وہیں پہنچادینا"

کچھ دیر قبل سارا غصہ، ہیبت ناک عتاب، خمار اور سرور میں بدل گیا، باسط کو مزید کام سونپے وہ نہ صرف کال کٹ کر گیا بلکہ سر پر سے موذی بوجھ کے فائنلی ہٹنے پر میوزک بھی آن کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ نے وھاج کو دوبارہ اتنی بڑی ذمہ داری دے دی، بھیو پلیز بہت مشکل سے خود کو ایک مرکز پر لائی ہوں۔ آپ پھر سے اسے میرے ہر منظر میں لا رہے ہیں، عناب کے لیے سب ہیں اسکے پاس۔ آپ وھاج کو اس فرض سے آزاد کریں تاکہ وہ بھی اپنی مرضی سے جی سکے"

نہال نے جب اپنے فیصلے کا وفا کو بتایا تو وہ ہرگز راضی نہ تھی بلکے آج برہم ہوئی تھی، شکوہ بھی بنا سوچے کیا تھا۔ کتنی دیر تو نہال کچھ نہ بولے، بس وہ وفا کو دیکھ کر اسکی جگہ خود کو رکھے یہ سب سمجھنے کی کوشش میں تھے۔

"وھاج نہ ہوتا تو شاید عناب اور یوئی بھی نہ ہوتے وفا، آپ برہم مت ہوں۔ میں جانتا ہوں اب سے پہلے تک آپکے بھیو کے ہر فیصلے میں غلطیاں تھیں لیکن اس میں نہیں۔ پہلی بار اپنے منصوعی خود پرست حصار سے نکلا ہوں تو ہر چیز واقع ہوگئی ہے۔ میں تو آپ تک کو بے رحمی سے نہ بچا سکا اپنی۔۔۔۔"

وفا انکے پاس ہی اسکا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی تبھی اس بے رحمی والی بات پر ناچاہتے ہوئے اپنے آنسو دباتی انکے سینے سے جالگی، اسکے بھیو کے حصار میں لپٹ جانے میں کئی طرح کے خدشے شامل تھے۔

وہ بھلے آج اس وقت کسی اور مقام پے تھی مگر اسکی زندگی کو اس ظالمانہ طریقے سے بدلنے والا فیصلہ نہال کا تھا۔

"سب پیچھے چھوٹ گیا بھیو، مجھے آپ سے کوئی شکائیت نہیں۔ میں اپنی زندگی کے اس بدلاو کو مان چکی ہوں۔ شاید میرا اور کاشان کا تعلق ایسے ہی جڑنا لکھا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں وھاج کے جذبات، میں اسکی آنکھوں کے سامنے رہوں گی تو وہ کیسے آگے بڑھ پائے گا۔ مجھے اس انسان سے کوئی شکوہ نہیں ہے، جو ہوا ہو گیا۔ لیکن اسے مزید اپنی وجہ سے تکلیف میں دیکھنا بھی قبول نہیں۔ جیسے میں نے کاشان کو قبول کیا ویسے میں چاہتی ہوں کہ اسکی زندگی میں بھی کوئی آجائے"

نہال کے سینے سے سر ٹکائے وہ انکا بے جان سا ہاتھ تھامے سب سچ اور کھرا کہہ گئی، اسکے لہجے کی خراش نہال نے بھی محسوس کی اور آزردگی سے اپنے پاس بیٹھی وفا کے بال نرمی سے سہلائے۔

انکی وفا انکے فیصلے سے اب تک برباد ہو چکی ہوتی، اگر زویا رحم نہ کرتی۔ اگر زویا اپنا وعدہ نہ نبھاتی۔

انھیں ایک بار پھر زویا کا احسان زمین میں دفن کر گیا۔

جس لڑکی کی ساری زندگی انکی محبت نے اجاڑ دی، وہی انکو برباد ہونے کے دہانے سے بچا لائی تھی۔

اگر کاشان واقعی بدلا لیتا اور چھوڑ دیتا وفا کو تو شاید نہال اس گلٹ سے ہی مر جاتے۔

انکی زندگی اس وقت صرف پچھتاوں کی زد میں تھی، زویا تھی اک ٹھنڈا سا ہوا کا جھونکا جو اس حبس زدہ زندگی میں سانس لینے کی راہ کھولے ہوئے تھا۔

"وفا۔۔۔ دیکھیں بھیو کی جان۔ وھاج کی زندگی میں زبردستی رنگ نہیں بھر سکتا میں۔ وہ بہت حساس ہے، بلکل اپنے بابا جیسا۔ اسے بار بار محبت نہیں ہو گی۔ انتظار کرنا ہو گا کہ کب کوئی ایسی روح افزا کرن نمودار ہو جو صرف اس سے محبت کے لیے اس دنیا میں آئے۔ میں اسے اس فرض سے آزاد کر دیتا تو اسکا مطلب تھا اسے اکیلا کر دیتا۔ اسے وفا نہ دینے کا گلٹ مجھے قطرہ قطرہ مار دیتا۔ اسے غریب، کم فہم اور ہمارے مرتبے کے لائق نہ ہونے کا غصے میں دیا طعنہ خود مجھے کھا ڈالتا۔ کم از کم عتاب کے بہانے وہ زندگی جینے پر آمادہ تو ہے، اپنی محنت اور لگن جاری رکھے گا۔ میں نہیں چاہتا وہ آپ سے جڑی ناکام محبت میں غرق ہو کر اپنی زندگی کے مقصد بھول کر اپنی ذات تباہ کر دے"

یہ آج وفا کے لیے بھی حیرت کا پہاڑ ہی تھا، وہ نہال بخاری کو سب سے زیادہ چاہتی تھی اس میں کوئی شک نہ تھا، بھیو کی ساری تلخیوں، ذات کی کڑواہٹوں اور انکی ہٹ دھرمی کے بھی وہ بچپن سے اپنے نیلی آنکھوں والے ایٹیٹوڈ مین بھیو سے والہانہ انس رکھتی آئی تھی۔

لیکن آج نہال کی یکدم بدلی حساس سوچ حقیقت میں وفا کی آنکھوں میں زندگی اتار لائی۔

اسکے بھیو بدل رہے تھے، خود سے زیادہ دوسرے کا سوچنے لگے تھے۔

"اگر آپ کی خوشی اور اطمئیان اس میں ہے تو مجھے منظور ہے۔ آج میں ابدال کو منانے جاوں گی ہوسپٹل، دعا کریے گا وہ اپنی وفا کو بھی تھوڑی معافی سونپ دے"

اس کے لیے اب بھی نہال بخاری کا کہا حکم تھا، اور جس طرح وہ حسرت سے ابدال کا ذکر کرتی اپنی آنسو ہوتی آنکھیں چرا گئی اس پر نہال بھی آزردہ ہوئے۔

"کر دے گا معاف، اگر کر دے تو میری بھی سفارش کیجئے گا بھیو کی جان۔ اسکی ناراض آنکھیں اب مجھے بہت متاثر کر رہی ہیں۔ عناب نے تو اپنے گندے بابا سے اک شکوہ بھی نہ کیا اور یوں لپٹ گئی جیسے ن۔۔ ناجانے کب سے وہ بابا کی آغوش کی منتظر اور پیاسی ہو"

یہ کہتے وقت اس مضبوط اعصاب والے کی نہ صرف سانس تھمی بلکے آنسو بھی چھلکے جس پر وفا نے بہت پیار سے بھیو کی آنکھوں سے بہتی نمی اپنی نازک ہتھیلی میں جذب کیں۔

"بھیو، پلیز روئیں مت۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم سب پھر سے ایک ساتھ مسکرائیں گے۔ آپ تو میرے سٹرونگ والے بھیو ہیں۔ عناب تو جان ہے ہماری، برا وقت گزر گیا۔ ان شاء اللہ اب سب خوبصورت ہو گا۔ آپکی تکلیف نہیں دیکھی جائے گی آپکی وفا سے"

بھلے اپنے چٹان جیسے بھائی کو ریزہ ریزہ ہو کر دیکھنا کھٹن تھا پر وہ امید تھامنے میں سبقت لے گئی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر پر امید مسکرائے تھے۔

وفا وہاں سے بھیو ہی کے ڈرائیور کے ساتھ ہی ہوسپٹل گئی تھی اور پھر گاڑی واپس آفس بھجوادی تھی۔

جب وہ آئی تو ہلال، ابدال کو زبردستی ہی کیفے ٹیریا لے کر گیا تھا اور عناب کے روم میں اسکے پاس ڈاکٹر الماس اور یوئی موجود تھے۔

عناب نہ صرف فریش لگ رہی تھی بلکے وہ اپنی پوری ہمت کیے اس دردناک حادثے سے نکلنے کی کوششوں میں یوئی کے ساتھ مسکرا رہی تھی، وہ اسے ہمیشہ ایک ہی ہری چڑیا کی کہانی سناتا تھا۔

اس وقت بھی وہ بیڈ پر تکیے پر سر رکھ کر لیٹی پاس بیٹھے عناب کو وہی کہانی ہی سنا رہا تھا۔

وہ ہری چڑیا جسے اللہ نے سچے خواب دیکھنے کی صلاحیت دی تھی، وفا اور الماس بھی بہت انہماک سے یوئی کی وہ کہانی سنتیں دونوں پر قربان سی نگاہ کیے باہر ہی کھڑی تھیں۔

"یہ بچہ، بہت بڑی طاقت ہے عناب کی۔ یہ کافی بہل گئی ہے یوئی کے ساتھ۔ اللہ جب کوئی زخم دیتا ہے، تو مرہم بھی ضرور عطا کرتا ہے"

الماس کی نظریں رشک سے ان دو ننھے بچوں پر تھیں، جو زندگی کی المناک حقیقتوں سے دور، دو پاک وجود تھے، جنکی ایک دوسرے کے لیے محبت پھول کی نوخیز کلی جیسی پاکیزہ اور مقدس تھی، جنکا ایک دوسرے کے اس عمر میں بھی غم محسوس کرنا اک دلکش خوبصورتی تھی، جنکا ایک دوسرے کو بہلانا، بصارت کو بھلا لگتا منظر تھا۔

جو بنا کسی صلے کہ ایک دوسرے کے لیے ضروری تھے۔

وفا بھی ہلکا سا مسکرائی، اسے یوئی اور عناب پر بے شمار پیار آیا۔

" بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں الماس، یہ بس سلامت رہیں دونوں۔ انکے دل کی یہ پاکیزہ کشش تاعمر ان دو کا حوصلہ رہے۔ جب عناب بڑی ہو جائے گی تو ہم اسکو اسکے یوئی کو سونپ دیں گے۔ یہ میں نے اور عون نے بہت پہلے سوچا تھا"

الماس خوشگوار سی مسکراہٹ کے سنگ اس بار وفا کو دیکھ رہیں تھیں جیسے اس خواہش پر لمحہ بھر کو قربان ہوئی ہوں۔

"ماشاء اللہ، اگر اللہ نے چاہا تو ضرور ہو گا ایسا۔ عناب عام بچوں جیسی نہیں ہے نہ آگے چل کر اسکے مسائل، اسکی عادات اور اسکی خواہشیں عام ہوں گی۔ میری دعا ہے وفا، کہ اللہ اس بچی کو زندگی کے ہر سکھ سے فیض یاب کریں" الماس کی ڈھارس بندھا دیتی دعا نے وفا کے دل کو آمین کے سنگ دھڑکا یا۔

وہ کچھ اور پیشنٹ دیکھنے جانے والی تھیں تبھی سامنے سے آتے ابدال اور ہلال کو دیکھ کر وفا سے معذرت کرتیں جاتے جاتے ان دونوں پر محبت بھری نگاہ ڈالے گئیں۔

ہلال تو مسکرا کر وفا کو سلام کرتا عناب کے روم میں داخل ہو گیا، البتہ وہ نروٹھا سا بچہ، وفا کے آزردہ پڑتے چہرے کو ناراضگی سے دیکھتے اس سے پہلے مڑ جاتا۔

وفا کے پکارنے کے اسکے بے حس قدم روکے اور پتھر سا دل موم کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم اتنے خوش تھے ہمیں کچھ پتہ چلا ہی نہیں

رواروی میں ہمارا سفر تمام ہوا♡

فارم ہاوس کو چاروں جانب سے نامعلوم افراد نے گھیر رکھا تھا، ان سب کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے، فردوس ہمانی کو کاشان کے حکم پر پہلے ہی کسی اور محفوظ جگہ منتقل کر دیا گیا تھا، پائزن نہیں چاہتا تھا اسکی نجی زندگی سے جڑے لوگوں کے بارے دنیا جانے۔

فارم ہاوس کئی مرلے پر تعمیر تھا، اس وقت گہری ہوتی رات کے پل عجیب سی دہشت طاری تھی، وہ تھا بھی اس طرز کی سنسان جگہ کہ آس پاس نہ تو کسی ذی روح کا وجود تھا نہ زندگی کا اثار۔

تین نقاب پوش لوگ پہلے ہی اکا دکا فارم ہاوس کے گارڈز کا کام تمام کیے اندر گھس چکے تھے جہاں دونوں طرف سے گولیوں کی یلغار سنائی دے رہی تھی، وہیں یہ سارا منظر کسی کمپوٹر کی سکرین پر لائیو چل رہا تھا جس کے مقابل ایک بڑی سی شاہی کرسی دھری گئی تھی اور اس کرسی کی پشت پر ایگل کا چمکتا نشان بنا تھا، وہاں کوئی وجود سامنے سکرین پر چلتے مناظر کو لطف اندوز ہوئے دیکھ رہا تھا۔

مہکار کو جب یہ علم ہوا کہ فارم ہاوس کو کچھ لوگوں نے نا صرف چاروں سمت سے گھیر لیا ہے، بلکہ کچھ لوگ سیکورٹی توڑ کر اندر بھی گھس آئے ہیں، وہ بھی باہر نکل آئی تھی، اسکے ساتھ تین آدمی محافظ تھے جو داخلی سمت گنز تانے مکمل چوکس کھڑے تھے۔

اندر کمرے میں بند عون اس شور اور ہنگامے سے دیوار میں نسب واحد کھڑکی کا شیشہ پاس پڑے واس کو مار کر توڑنے کے بعد کانچ کے ٹکڑے اتار کر باہر بالکونی میں کودا تو وہاں سے فاصلہ بہت زیادہ ہونے کے باعث چھلانگ لگانا ناممکن تھا تبھی اسے چاروناچار واپس آنا پڑا۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور دو ہٹے کٹے پھنکارتے آدمی گنز عون پر تانے اسے گھسیٹ کر باہر لائے جہاں پہلے سے مہکار اور اسکے آدمی خباثت چہروں پر سجائے کھڑے تھے۔

باہر گولیوں کی دوطرفہ یلغار جاری تھی۔

"آگیا ہے وہ، اب نہیں بچتی تم منحوس"

عون اسکی جانب دیکھ کر سلگ کر تلملایا مگر مہکار جواب میں الٹا اسی پر ہنسی۔

"تمہارے فون کو ٹریس کر کے آیا ہو گا وہ، سمجھو میں نے ہی بلایا۔ اب یہاں ہم تین میں سے کسی ایک کی موت تو ہو گی عون بخاری"

اتنی دہلا دیتی بات وہ اس اطمئیان سے کہہ کر مسکرائی کہ عون نے حیرت اور بے یقینی سے پہلے تو اپنی بازو جکڑ کر کھڑے سانڈ کو لہرا کر مکا جڑا اور پھر زخمی شیر کی طرح اسی کی فرش پر گرتی گن اپنے قبضے میں لی، یہ سب اس قدر تیزی سے ہوا کہ نہ تو مہکار کو مہلت ملی نہ اسکے آدمیوں کو۔

وہ سب ہی ہراساں ہوئے اب عون کی جانب دیکھ رہے تھے جو ان سب پر گن تانے نفرت چھلکاتی آنکھوں سے مہکار کو دیکھ کر اگلے ہی لمحے ٹریگر پر اپنی پکڑ مضبوط کر گیا۔

باہر سے آتی آوازیں ہنوز جاری تھیں لیکن مہکار کے چہرے پر اب خوف تھا۔

"اوہ تو تم چاہتی تھی کہ فارس تمہارا قاتل کہلائے، بہت ہی بڑی بھول میں ہو تم مہکار۔ ابھی عون زندہ ہے۔ اور جتنی تکلیف تم نے فارس شاہ کو دی ہے، اسکا حساب لینا اگر کسی پر قرض ہے تو وہ عون بخاری ہے"

موت اپنے سامنے دیکھ کر مہکار کا دل کانپا تھا، وہیں بھاری قدموں کی آہٹیں بتا رہی تھیں کہ وہ لوگ اسی جانب آ رہے تھے۔

"ہنہ، تم مجھے نہیں مار سکتے۔ تم جیسا انسان کسی کو نہیں مار سکتا"

عون کی آنکھوں کا غضب دیکھنے کے باوجود وہ اسکی ہمت کو آزما رہی تھی۔

"میں مار سکتا ہوں مہکار، مجھ پر تمہارا خون بھلے آخری سانس تک معاف نہ ہو۔ میں عون بخاری اپنے ہوش و حواس میں اس بار تمہاری جزا نہیں بلکے سزا مقرر کرتا ہوں۔ میں فارس شاہ کے ہاتھوں کو تمہارے خون سے گندا ہونے نہیں دے سکتا"

عون کی آواز ان آہٹ دیتے قدموں والے شخص تک قیامت بن کر گری تھی، پلوں میں بیرونی دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے آٹھ کے قریب لوگوں کے ساتھ فارس شاہ اندر آیا۔

اور اندر کا منظر دیکھ کر ہر کوئی تھم چکا تھا، فارس شاہ بھی اور سکرین کے سامنے بیٹھا مسرور شخص بھی جو بہت دنوں بعد کٹ پتلی کا ناچ دیکھنے اپنے اصل روپ میں واپس آ چکا تھا۔

اسکی زہریلی مسکراہٹ جان لیوا تھی، اسکے ہاتھ میں پکڑا سگار جل جل کر ختم ہو رہا تھا مگر آج پائزن کو کسی اور نشے کی طلب ہی کہاں تھی۔

اس سیاہ تاریک کمپیوٹر سسٹم والے کمرے میں پائزن کا کھنکتا قہقہہ گونجا۔

"ع۔۔۔ عون۔۔۔ نہیں"

فارس شاہ حلق کے بل دھاڑا تھا، عون کے ہاتھ میں پکڑی گن سیدھی مہکار پر تنی تھی۔

زمین کی ساتویں تہہ میں ہلچل ہوئی تھی، فارس شاہ کو لگا اسکا دل تو ڈوب ہی چکا ہے، آج وہ بھی ڈوب جائے گا۔

"اسے سمجھاو ناں فارس، کہ یہ مجھ سے نکاح کر لے۔ پھر مجھے چھوڑ دے تا کہ تم مجھ سے دوبارہ نکاح کر سکو۔۔۔۔ تم۔۔۔ تم تو محبت کرتے ہو مہکار سے، اسے سمجھاو یہ کہہ رہا ہے یہ مجھے مار دے گا"

مہکار اپنی جانب تنی گن کی وہشت سے بے نیاز یکدم سرخ ہوتی آنکھیں آس سے فارس پر لگائے سسکی جو وہیں تھم کر رک چکا تھا لیکن عون آج اس فساد کی جڑ کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

وہ اپنی اور فارس شاہ کی اذیت سے تھک چکا تھا۔

"عون۔۔۔ گن نیچے کر"

فارس کا حکم سخت غضبناکی سے آیا تھا، عون اور مہکار نے اپنی اپنی گن ایک دوسرے پر تان رکھی تھی اور آج فارس شاہ پر اپنی حیات کا ایک اور عذاب اترنے والا تھا، اسکے لہجے کی قہرناکی نے عون کی آنکھیں بھی لہو کیں مگر وہ نہ تو فارس کی سننے کے موڈ میں تھا نہ مہکار کے لیے آج اس میں کوئی رحم تھا۔

"نہیں، یہ تجھے قاتل بنانا چاہتی ہے فارس۔۔۔ چلا جا۔ یو آن کو تیری ضرورت ہے فارس۔۔۔ خدا کے لیے چلا جا۔ مجھے اس زہر کو خود ختم کرنا ہو گا جو میری کی نیکی سے وجود میں آیا۔۔۔ آج یا تو یہ مرے گی یا میں۔۔۔۔۔ سن رہا ہے تو۔۔۔ جا"

عون گرجدار ہوئے فارس کی جانب دیکھتے چینخا مگر فارس کی دھندلائی بصارت کے سامنے مہکار کا اجڑا چہرہ رقم تھا۔

وہ جس طرح اسے دیکھ رہی تھی، فارس کا پورا وجود جامد ہو رہا تھا، بلکل ویسے جس طرح ڈوبنے والا اپنا آخری منظر دیکھتا ہے۔

"عون۔۔۔ پاگل مت بن۔۔ دونوں گن ہٹاؤ۔۔۔۔ میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔۔ سنائی نہیں دے رہا تم دو کو۔۔۔۔"

اس وقت قیامت ٹلتی دیکھائی نہ دے رہی تھی، فارس خوفزدہ تھا، کسی انہونی کا خیال ہی اسکی نبض سے زندگی اچک رہا تھا۔

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو ناں فارس شاہ، اسے کہو مان لے۔۔۔۔ میں اسکی زندگی بخش دوں گی اگر یہ مجھ سے نکاح کا وعدہ کرے۔۔۔۔"

نہ تو عون گن ہٹانے پر راضی تھا اور نہ مہکار، اوپر سے اس خبطی عورت کی التجائیں فارس کے سر میں ہتھوڑے برسا گئیں۔

وہ رحم طلب سا عون کو دیکھتا خاموش التجاء کر رہا تھا مگر عون بخاری نے ایک گہرا سانس کھینچے اپنی اور فارس کی خلاصی کا ارادہ مضبوط کیا۔

آج وہ ہر حد سے گزرنے کی حد تک پاگل ہو گیا تھا، یہ عورت آخری سانس تک ذہنی اذیت کے سوا کچھ نہ تھی۔

"محبت نہیں کرتا اب تم سے فارس شاہ، عون پر سے گن ہٹا لو مہکار۔ میں تمہیں آخری بار وارن کر رہا ہوں۔ مجھے مت آزماؤ مزید تم دونوں۔۔۔۔۔ گنز ہٹاؤ۔۔۔۔"

لہجے میں نمکینی لیے مگر آنکھوں میں تکلیف کا جہاں آباد کیے وہ مہکار کی آس بھری آنکھوں کی جانب تکتا اپنا فیصلہ سناتے ہی پوری قوت سے دھاڑا۔

اسکی گن کا رخ مہکار کی جانب تھا۔

اور وہ پاگل سی ہو کر بے دم ہونے تک ہنسی، اتنا کہ اسکی سفاک آنکھوں میں نمی بھر آئی۔

عون اور فارس دونوں ہی اذیت میں تھے۔

"ٹھیک ہے، سن کر بہت الگ سا لگا۔ پھر تم مار دو مجھے، میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا تمہاری نفرت میں بھی اتنی شدت ہے جتنی محبت میں تھی"

مہکار کی ذہنی حالت ابتر تھی، وہ دیوانگی کی حدوں کو چھوئے سوچنے سمجھنے کو مفلوج کیے بیٹھی تھی، فارس شاہ کا دل کرب سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ آج اسے موت آجائے، تاکہ کوئی قیامت دیکھنے کو اسکے حواس باقی نہ رہیں۔

"گن ہٹاو۔۔۔ اگر تم دونوں نے گن نہ ہٹائی تو میں خود کو شوٹ کر دوں گا۔۔۔۔۔"

شاید اس قیامت کو وقتی سہی پر روکنے کو فارس شاہ کے پاس یہی آخری حل تھا، عون اور مہکار دونوں کے ہاتھ ایک سے کانپے تھے، اور وہ فارس کو جس طرح دیکھ رہے تھے اس نظر میں صرف درد تھا۔

"پل پل مارا تم نے اسے، اب بھی اسے مارنے پر تلی ہو بد بخت عورت۔۔۔۔ فارس شاہ اگر تم نے خود کو اک خراش بھی دی تو یاد رکھنا اس گن کی ساری گولیاں میں مہکار میں اتار دوں گا۔۔۔۔۔"

عون کا ضبط جیسے جواب دیے پھٹا، وہ دھاڑ کر مہکار پر چلایا اور پھر وحشی بنے فارس کو بھی دھمکی دی۔

اس وقت فارس شاہ کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ کاش یہیں زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

"ہری اپ گائیز۔۔۔ مارو ایک دوسرے کو اور جان بخشو میری۔۔۔۔۔۔ کتنا ڈرامہ مزید ہو گا۔۔۔۔ ہاہا"

زہریلی ہنسی ہنوز ہنستا پائزن اب اس نوٹنکی سے تھوڑا' عاجز تھا، اسے تو ایک تیر سے ایک ساتھ نشانہ بنتے وہ تینوں درکار تھے۔

"نفرت کرتے ہو مجھ سے؟ بس اتنا بتا دو"

عون کی دھمکی تو جیسے مہکار کو چھوئی بھی نہ تھی، وہ عون پر سے گن ہٹائے مڑ کر مرے مرے قدم لیتی فارس تک آئی جو نا جانے کس طرح سالم کھڑا تھا، ایک ٹھوکر پر اپنی مسماری لیے۔

"ہاں۔۔۔۔ شدید نفرت۔ کچھ نہیں چھوڑا تم نے کہ جوڑا جا سکے۔ اب بھی کہہ رہا ہوں۔ ہم سب کی زندگیوں سے دور چلی جاو مہکار۔ بار بار تمہیں مہلت نہیں د۔۔ دے پاوں گا"

وہ بے خوف ہوئے بولا پر اسکی آنکھیں جھوٹ پر جھوٹی لگیں، انکا تیر سا اثر مہکار کو اپنی سانسیں کاٹتا محسوس ہوا۔

"ت۔۔۔ تم چاہتے ہو میں مر جاوں؟"

عون بھی گن نیچے کیے اب ان دو کی طرف دیکھ رہا تھا، مہکار نے غائب دماغی سے اپنا یہ سوال فارس شاہ کو مسمار کرنے والی ٹھوکر کی طرح کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم میری، یو آن کی اور عون کی زندگی سے چلی جاو۔۔۔۔"

فارس شاہ کے دل نے اسے خبر دے دی تھی وہ پھر بھی مہکار کو بہلا گیا تھا، عون کا بس نہ چل رہا تھا اپنا سر کہیں دے مارتا۔

"میں عون کو مار دوں گی آج، کیونکہ اسکی وجہ سے مہکار پاگل ہو گئی۔ پاگل تو کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ میں نے چاہا تھا میری قبر پر تمہارا نام ہوتا فارس شاہ۔۔۔۔ لیکن ت۔۔ تم مجھے سزا دینا چاہتے ہو، بنتا بھی ہے۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ عون بخاری آج بھگتے گا سب، اسے مار دوں گی"

وہ اپنے حواس میں نہ تھی، اسکی یہ بات عون اور فارس دونوں ہی کو پتھرا گئی اور پھر جس طرح مہکار نے پھر سے عون پر گن تانے چینخ کر آخری جملہ کہا اس پر عون بخاری نے بھی اسی نفرت سے گن مہکار پر تانی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو وحشیوں کی طرح نوچ کھانا چاہتے تھے اور فارس شاہ کی آنکھیں یہ دیکھ کر جہنم کی طرح سلگ رہی تھیں۔

قیامت طے تھی، پر نا جانے اس قیامت میں کون غرق ہونے والا تھا۔

پائزن پس پردہ ایک نہیں، آج تین اموات کا خواہش مند تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے جب بولنا شروع کیا تھا، تو پہلا لفظ وفا کہا تھا۔ جتنی میں تمہارے لیے اول تھی، اتنی نہیں رہی۔ اس میں میری غلطی ہے سب، میں نے تمہارا شفاف اور نازک دل کرچیوں میں بدل دیا۔ کیا تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گے"

وہ دونوں کب سے ہوسپٹل کے لان میں لگے بینچ پر چپ بیٹھے بس ایک دوسرے کی موجودگی سے ہرٹ ہو رہے تھے، رات کے اس لمحے پر اثر سی مدھم مدھم ہوا چل رہی تھی جو بلاشبہ روح کو ترو تازہ کرنے کا سبب تھی۔

سب سے زیادہ وفا کو ابدال کی چپ تکلیف دیتی تھی اور اب بھی جب تکلیف حد سے بڑھی تو وہ خود ہی بول اٹھی، اسکے ایک بے جان سے ہاتھ کو پکڑے سر جھکائے، نم آنکھیں کیے وہ اپنی حسرت پر تڑپ سی گئی۔

"میرے لیے معافی دینا اب بے وقعت ہو گیا ہے، مجھ سے نہ کوئی معافی مانگے نہ مجھے تنگ کرے۔ آپ بار بار یہاں مت آئیں یہی گزارش ہے"

سپاٹ لہجہ لیے وہ بنا پگھلے ویسا ہی ستم گر بنا وفا کی تکلیف سے بے نیاز بنا تھا، اپنا ہاتھ تک وفا کے ہاتھ سے چھڑوا لیا۔

"ابدال، نہیں کرو ناں جان۔ میں تمہاری یہ ناراضگی نہیں سہہ سکتی۔ میں پرامسس کرتی ہوں دوبارہ کبھی تم کو اگنور نہیں کروں گی، ہرٹ بھی نہیں کروں گی۔ میں بہت بے بس تھی، میرے پاس تمہیں تکلیف دینے کے سوا کوئی چوائس نہیں تھی"

آج ابدال کی کچھ سنبھلی حالت پر وفا کو امید تھی کہ وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرے گا لیکن وہ تو ان کچھ دنوں میں بہت عجیب سا ہو رہا تھا۔

اسے زندگی سے الفت نہیں رہی تھی، اسے اپنے ہونے کی کوئی خوشی باقی نہ تھی۔

اسے ہر رشتہ بس نام کا لگ رہا تھا، ہر محبت اک فریب نظر آ رہی تھی۔

"ان کچھ دنوں میں ایک بات سیکھی میں نے، اپنوں سے لاکھ درجے بہتر غیر ہوتے ہیں وفا۔ وھاج لالہ، کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن وہ ابدال مصطفی پر ایک ایسا احسان کر گئے جس نے میری ان کے لیے ہر کدورت ختم کر دی، ڈاکٹر الماس، کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن وہ میری گڈی کے اجڑے جسم میں قطرہ قطرہ زندگی بھر رہی ہیں، اسے جوڑ رہی ہیں۔۔۔۔ برہان سر، کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن مجھ پر ہوتے حملے کی ساری سازش بے نقاب کرنے میں انہوں نے پوری جان لگا دی، یہاں تک کہ اپنی جاب تک ان ضمیر فروشوں کے منہ پے دے ماری۔۔۔

یہ آن، خونی رشتہ نہیں ہے مگر عناب کی زندگی لوٹانے کا سبب ہے۔

اور میر اہلال سکندر، کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن مجھے سنبھالنے والا، مجھے بکھرنے سے بچانے والا۔۔۔۔

اپنے تو بس زخم دینے کے لیے ہیں میرے"

ابدال کی اتنی لمبی تمہید جس باعث تھی اسکو جان کر وفا بہت آزردہ ہوئی، وہ معصوم کم سن تھا ابھی لیکن اسکی زندگی نے اسے ابھی سے صدیوں سا پرانا کر دیا تھا، اسکی تلخیاں، اسکے ساتھ ہوتے ناخوشگوار واقعات ابدال مصطفی کی ذات میں بہت درد بسا گئے تھے۔

"اس سب کا کیا مطلب تھا ابدال؟"

وفا شکوہ کرنا تو نہ چاہتی تھی پر ابدال کی بے حسی پر شکوہ ہونٹوں پر خود ہی مچل گیا۔

ابدال نے رخ موڑے سر سری سی نگاہ وفا پر ڈالی جسکی آنکھوں میں ابدال کی بے اعتنائی نمی لے آئی تھی۔

"مجھے میرے انتہائی قریبی اپنوں نے تکلیف ہی دی، نہال بخاری اور آپ۔۔۔ میں اتنا اچھا نہیں ہوں کہ سب بھول جاوں۔ نہ مجھے رویے بھول سکتے ہیں نہ اپنی بے قدری۔ آپ اپنے شوہر کے ساتھ خوشی خوشی جیئیں، کل کو آپکی اپنی اولاد ہو جائے گی۔ میں رہا سہا بھی ختم ہو جاوں گا آپکی زندگی میں"

وہ وفا کی زندگی کا اہم حصہ تھا، لیکن اسے وفا کی جانب سے عدم توجہی نے بہت سخت توڑا تھا۔

جس انسان کے ساتھ دکھ سکھ بانٹے ہوں، اسے صاف صاف بتا رکھا ہو کہ سنو تم جینے کی وجہ ہو، وہ جیسے ابھی دور ہو تکلیف کے پاتال میں جھونک کر جاتا ہے۔

وہ ابھی اتنا بڑا تو تھا نہیں کہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتا، اسکی سوچیں، اسکے خیالات سب ابھی بہت کم عمر تھے۔

اتنی سی عمر میں ہی اسے زندگی نے بہت سارے سبق سیکھا دیے تھے۔

اسکا دماغ جو کچھ سوچتا تھا وہ اسے جانچے اور پرکھے بنا زبان پے لے آتا تھا، اسے وفا چاہیے تھی یہ اسکی آنکھوں میں لکھا تھا مگر وہ توجہ اور محبت کے لیے ہاتھ پھیلانے کے حق میں بھی نہ تھا۔

"میں بہت پیار کرتی ہوں تم سے، میرے لیے میری سگی اولاد سے بھی بڑھ کر رہو گے تم۔۔۔ آئی پرامسس۔ یہاں دیکھو، تم میرے لیے اتنے ظالم نہیں ہو سکتے۔ بس کر دوناں ابدال، مجھے تکلیف ہو رہی ہے "

وہ اس وقت ابدال کو منانے کے لیے ہر جتن کر رہی تھی، اسکی اس بات نے ابدال کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ لائی تھی۔

" جھوٹ، جیسے وہ کاشان آپکو عزیز ہو گیا۔ آپکی سگی اولاد کا تو مقام ہی اور ہو گا۔ مجھے بہلائیں مت۔ آپ اب مجھ سے پیار نہیں کرتیں، سب کی طرح آپ نے بھی ابدال مصطفی کو دماغی مریض مان لیا ہے۔ مجھے آپ سے اب کوئی امید نہیں وفا۔ نہ میں چاہوں گا کہ آپ مجھ بیکار کے پیچھے ہلکان ہوں اور روئیں۔ میری ذات اب سے ہر ایک کے لیے صرف باعث اذیت ہو گی اور یہی چاہتا ہوں میں۔ نہ تو مجھے کسی پر اعتبار کرنا ہے نہ کسی سے پیار"

ان ظالم لفظوں کو زبان سے ادا کرتے وقت جس طرح ابدال نے اپنے اندر اٹھتی کپکپی پر قابو پایا، وہ اک لمحہ وفا کی بھی آنکھیں نم کر گیا۔

وہ بہت زیادہ ناراض اور بدگمان تھا۔

"تم بہت ظالم ہو، کہاں جا کر التجاء کرے اب وفا۔۔۔کسے بتائے اپنی سچائی۔۔۔کسے کہے اپنی مجبوری۔ اور اگر تمہاری ناراضگی نے میری جان لے لی پھر؟ اعتبار آجائے گا تمہیں کہ وفا کی جان ہو تم"

اب کی بار ابدال کا مدھم چلتا دل رکا تھا، دلخراش سی دل کے آر پار ہوتی نظر وہ وفا پر ڈالے اپنی آنکھوں کی سرخی سے غضب کا اظہار کر چکا تھا۔

"آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، نہ خود دکھی ہوں نہ مجھے کریں۔ سچ یہی ہے کہ میں آپکو کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتا ہوں۔ آپ بٹ چکی ہیں سو اب میری نہیں۔ آپ مزید بٹتی چلی جائیں گی اور یہ دیکھنے کی سکت نہیں مجھ میں۔ جو میرا نہیں اس پر حق نہیں جتاتا ہوں، آپ جانتی ہیں جو سب کا ہو وہ ابدال مصطفیٰ کا نہیں رہتا۔ پلیز مجھے پریشان مت کیا کریں آکر"

یہاں بیٹھ کر وہ مزید کرب نہ کہہ سکتا تھا نہ سہہ سکتا تھا تبھی اپنے حتمی فیصلے سے آگاہ کیے اٹھا تو وفا بھی اسکی بازو پکڑے فوراً سے بیشتر اٹھ کر اسکی راہ کا پتھر بنی روبرو ہوئی۔

"تمہاری جگہ کسی کو نہیں دی، خدا کے لیے رحم کرو۔۔۔ تم کیوں ایسے ہو گئے ہو بے حس، تم تو وفا کے ایک آنسو پر تڑپ جاتے تھے"

اسکا زمانے کی سختی سے منور چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرے وہ آس اور یاسیت سے بولی، آواز تھی کہ گلے میں گھٹ سی گئی تھی۔

"میں ایسا ہی تھا وفا، وحشی اور پاگل۔ یہ تو آپکی محبت تھی جس نے انسان بنا رکھا تھا۔ اب جب وہ محبت نہیں رہی تو میرا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے زندہ رہنا ہے صرف عناب کے لیے۔ اور اب اسکے لیے اسکے بھیو کو مرنا پڑا تو بنا سوچے مر جاوں گا۔ آپ اپنی خوشیاں جئیں۔ مجھ سے دور رہیں کہیں میرا بدبخت سایہ آپکی خوبصورت خوشیاں نگل نہ لے"

اسکے پتھر جیسے لفظ اور برفیلی نظریں وفا کو بہت رنج پہنچا رہی تھیں۔

وہ جان بوجھ کر تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا، اس پر ٹوٹی قیامت اسے ایسا بنا گئی تھی۔

"جس دن میرے دل سے میرے اس بچے کی محبت زرا بھی کم ہوئی وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو، تمہیں پیدا ہوتے ہی ہادیہ بھابھی سے ضد کر کے گود میں لیا اور پالا تھا، پھر انکے جانے کے بعد تم اور عناب،

وفا کے بچے بن گئے تھے۔ تم مسکراتے ہو تو وفا کی زندگی بڑھتی ہے۔ کاش میں تمہیں اپنا دل دیکھا سکتی، لیکن کیا کروں اپنی محبت کو ثابت کرنے کے لیے۔ بتاو تم، کوئی طریقہ جس سے تم مجھے معاف کر سکو۔ کوئی شرط، کوئی حکم۔۔۔ کچھ بھی۔۔۔ لیکن مجھ سے خفامت رہو، کوئی اپنی ماں سے کیسے روٹھ سکتا ہے۔ کوئی اپنی ماں جیسی وفا کی محبت پر شک کیسے کر سکتا ہے؟"

وہ اپنا ضبط قائم نہ رکھ پائی تھی اور شاید یہ ایک دلسوز لمحہ تھا، کہ ابدال کی آنکھ سے وفا کی تکلیف کی سچائی پر آنسو نکل کر بہہ گیا جسے وہ مہارت سے آنکھ چرائے رگڑ گیا تھا۔

وفا اسکے پھیرے چہرے کی جانب تاسف سے تکتی اسکے کچھ کہنے کی منتظر تھی۔

"آپ نے سب جانتے بوجھتے بھی مجھے نظر انداز کیا، میری ساری گزارشوں کو رد کیا۔ مجھ پر کیا بیتی؟ احساس نہیں آپکو نہ آپ میری تکلیف کی گہرائی جان سکتی ہیں۔ کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ میں زندہ کیسے ہوں؟ میں کیسے سانس لیتا ہوں؟ سب بہت تکلیف دہ ہے میرے لیے۔ اور اس پر یہ قیامت۔۔۔۔ سچ یہی ہے وفا کہ اب آپ مجھے خود سے بہت دور دیکھائی دیتی ہیں، دھندلی سی"

ایک بار پھر وہ ہارتے ہوئے سب دل کی کیفیت کہہ بیٹھا، اسکی آنسو آنسو ہوتی آنکھیں وفا کو احساس جرم میں دھکیل رہی تھیں تبھی وہ بنا ابدال کی مزئد سنے اسے خود میں سمو گئی، کتنی دیر تو وہ دم سادھے رہا، یہ تکلیف تو اب وفا کے سمیٹ لینے پر بھی کم نہ ہونے والی تھی۔

"میں دور نہیں ہوں تم سے میری جان، ایک پکار کی دوری پر ہوں۔۔۔ بس۔ روگے نہیں تم۔ میں پرامسس کرتی ہوں کبھی دوبارہ تمہاری تکلیف نہیں بنوں گی۔ جب تم بڑے ہو جاوگے تو اپنی ہر مجبوری بتاوں گی۔ وفا اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار تم سے کرتی ہے، تم وفا کے بیٹے ہو سنا تم نے۔ تم جیسا نہ کوئی ہے نہ ہو گا۔ میں

کبھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ ہمیشہ ساتھ رہوں گی۔ تم تو بہادر ہو، ان سب مشکلوں کا ہمت سے مقابلہ کرو گے۔۔۔۔۔"

اس ٹوٹے بکھرے ابدال کی ہمت بھی وفا کے سامنے ہی ریزہ ہوئی تھی، وہ کبھی بھی وفا کے سامنے اپنے آنسو روک نہیں پاتا تھا اور آج بھی اسکی پتھرائی کرب سے بھری آنکھیں اس کثافت سے پاک ہو گئیں۔

وہ روتا ہوا بہت جان لیوا حد تک ظالم لگ رہا تھا، کہ اسکی تکلیف سہنا اور دیکھنا وفا کے لیے بھی کٹھن تھا۔

اپنے پیارے ہاتھوں سے اس کے تمام آنسو جذب کرتی وہ اسکے سرخ پڑتے چہرے پر آزردگی سے نظر جمائے تھی اور وہ نظریں اٹھا ہی نہ پایا تھا۔

"اور اگر آواز دی میں نے اور آپ نے پھر سے ان سنی کر دی تو؟"

سارے آنسو بہا کر جب وہ تھوڑا بولنے کے قابل ہوا تو نروٹھے پن سے استفسار کیا۔

"تو سر قلم کر دینا مجرم کا۔۔۔۔۔"

وفا بلکل سنجیدہ نہ رہ سکی، ترس گئی تھی وہ ابدال کی زرا سی مسکان تک دیکھنے کو۔

وہ مغرور سا مسکراتا بھی کم ہی تھا۔

"آپ جانتی ہیں مجھے میں خاموشی سے جان لینے کا قائل ہوں، واویلا نہیں مچایا جاتا مجھ سے۔ سزا تو بلکل نہیں دی جاتی"

وہ اپنے تفاخر میں لوٹا تو وفا نے جی جان سے اسکی اس باہمت ذات کا صدقہ اتارا۔

"جو بچاری تمہارے پلے پڑے گئ، وہ تمہاری اسی کلر چپ سے مرے گی لکھوالو۔۔۔ میر اڈینجرس بچہ۔ تم وفا سے لڑ بھی سکتے اور وفا کو ڈانٹ بھی سکتے ہو لیکن خدا کے لیے تمہاری یہ چپ کاٹنے لگتی ہے اور ناراضگی تو سیدھی دل پر ہاتھ ڈالے نوچ لیتی ہے"

ابدال کے چہرے پر اس بار خفیف سی مسکراہٹ عود آئی، وفا نے خوشی سے اور پیار سے اسکی گال پر پیار دیے اس مسکراہٹ کی عمر درازی کی دعا مانگی۔

"اگر آپ نے اپنے بچوں کو مجھ سے زیادہ اہمیت دی تو سن لیں، سخت والا ناراض ہو جاوں گا۔ اور پھر بھلے میری چپ سے جان جائے یا دل کا اٹیک آئے، مجھے فرق نہیں پڑے گا"

زرا اپنے اصول پسند خول میں واپس لوٹتے ہی وہ گردن اکڑا کر جو یہ نایاب حکم دے رہا تھا اس پر وفا کی مسکراہٹ انتہائی حسین تھی۔

"اف ابدال، میری توبہ۔۔۔ کبھی شکائیت کا موقع نہیں دوں گی میں نواب صاحب کو۔۔۔ اب تو تھوڑی اچھی والی مسکان دے دو کنجوس"

شرارت سے وہ اسکی گال کھینچتے منہ بسورے شکوہ کرتی جتنی پیاری لگی، ابدال کندھے اچکا کر 'سوچوں گا' سا بے نیاز تاثر دیے اندر کی طرف چل دیا اور وفا بھی اسکے مان جانے پر دل کو انتہائی پر سکون محسوس کرتی خود بھی اسکے پیچھے ہی چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ لیں لالہ چائے، یہاں اکیلے کیا کر رہے ہیں"

باریک سے چاند کا عکس اسکی شفاف آنکھوں میں چمک رہا تھا، جب اپنے بہت سے بکھرے خیالات سمیٹ کر وہ مانوس سی پکار پر ان سوچوں کے گرداب سے نکلا جہاں بہت دنوں بعد ہلال آج گھر آیا تھا، وہ بھی ابدال کے کہنے پر۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

وہ تھا تو بہت پٹاکہ اور لاپرواہ سا مگر ان چند ہوتے حادثوں نے اسے بھی اپنے حصار میں مقید کر دیا تھا۔

دھیما سا مسکرائے وہ ہلال کی من موہنی صورت تکتا اسکے ہاتھ سے چائے کا بھاپ اڑاتا کپ لیے نثار سی نظر ڈالے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیر تا اسکے پوچھے سوال پر آزردہ سا ہوا۔

"بس ایسے ہی، تم بتاو۔ ابدال کی تکالیف کچھ کم ہوئیں؟ وہ تھوڑا سنبھل گیا ہے مجھے ایسا لگا آج لیکن پھر بھی وہ بہت بکھرا ہوا ابھی ہے"

اپنی افسردگیاں ٹالے وہ اس وقت صرف ابدال کی کیفیت جاننے کا طلب گار تھا اور شاید ہلال ہی وہ واحد تھا جسے ابدال مصطفی کے ہر درد، ہر دکھ اور غم سے واقفیت تھی۔

"وفا آپیہ سے اسکی صلح ہوگئی ہے، آج وہ ابدال کے ساتھ رکنے والی تھیں۔ وہ تھوڑا پر سکون تھا تبھی اس نے مجھے بھی آرام کے لیے بھیج دیا۔ یوئی نے ضد کی تھی کہ وہ عناب کے پاس رہے گا تبھی میں اکیلا ہی آگیا۔ جہاں تک اسکے سنبھلے کی بات ہے لالہ، اسکی تکلیف بہت بڑی ہیں"

ابدال کے درد اور غم بیان کرتا ہلال بھی انھیں محسوس کرتا انکی گہرائی بتا رہا تھا اور تھکی ہی سہی پر وہاج سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ اتر آئی۔

"تم اسے کبھی تنہا مت چھوڑنا، اسکے پاس بہت چند اپنے ہیں۔ مجھے تم سے بہت امید ہے ہلال کہ تم ابدال کے ساتھ اپنی اس بچپن کی دوستی کی آخری سانس تک لاج نبھاوگے۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، اسکے ساتھ دوستی کے لیے جان تک لٹانی پڑے تو پیچھے مت ہٹنا"

وہ جو پہلے ہی جیتا اور سانس لیتا بھی ابدال کے لیے تھا، اب تو لالہ نے یہ سنہری حرف اسکے دامن سے سی ڈالے تھے، وہ ابدال سے ایک سال چھوٹا تھا، مگر سمیٹنے میں وہ اسکی مضبوط ڈھال تھا۔

بھائی کی محبت سے سمجھائی بات نے ہلال سکندر کی روشن آنکھیں مزید اجال دیں۔

"ایسا ہی کروں گا، وہ مجھے سب سے پیارا ہے۔ سچ پوچھیں تو آپ اور اماں سے بھی زیادہ۔ سوری اس پر آپ جیلس نہ ہونا"

معصومیت کے سنگ سچائی سے اپنی سچی محبت کا اعتراف کیے وہ وھاج کو بھی مسکرانے کے سفر پر لے آیا تھا، فرض اور قرض کے معاملے میں وہ دونوں بہت کھرے تھے۔

"ہرگز نہیں، بس تم اپنے دوست کی ہمت بڑھانا کبھی ترک مت کرنا۔ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری اور والدہ کی ہر آسانی کا سبب بنوں گا۔ آخری سانس تک تم دو کی خوشیوں کا وسیلہ بنوں گا۔ تم اپنی دوستی نبھانا اور وھاج سکندر اپنے نام لگی تمام ذمہ داریاں نبھائے گا"

وہ پر امید اور بہادر تھا، اسے ناکام محبت کے زخم بھلے ریزہ ریزہ کر گئے تھے مگر بے مقصد زندگی کا سب سے بڑا عذاب بھی ٹل گیا تھا۔

کچھ لوگ اس دنیا میں محبتیں بانٹنے آتے ہیں، انکے دامن میں صرف دینے اور سونپنے کے شرف رکھے جاتے ہیں، شاید وھاج سکندر بھی انہی میں سے ایک تھا۔

وھاج کی اس بات میں چھپا ان کہا سا دکھ ہلال نے بھی محسوس کیا تھا، وہ جو ابدال کی پر اسرار ذات کے زار جان لیتا تھا، کیسے آج اپنے سگے بھائی کی آنکھیں نہ پڑھتا۔

"اور شادی۔۔۔ کب تک اماں، بہو کو ترسیں گی لالہ۔ آپ نے نی کرنی ناں تو میری کروادیں یار۔ مجھے اماں کے آرمان پورے کرنے ہیں"

تھا تو آفت، فوراً سے بیشتر اپنے مطلب پر جس طرح آنکھ مارتے آیا، وھاج کو واقعی اپنا موڈ خوشگوار ہوتا محسوس ہوا۔

"ہاہا زمین سے اگ تو لو پورے پہلے، کروادیں گے تمہاری شادی بھی۔ رہی بات میری، تو میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر نہیں بچہ"

پہلی بات ہنس کر چائے کے مزیدار سیپ بھرتا کہنے کے بعد وہ آخری پر اپنے ہاتھ چھت کی دیوار پر رکھے سامنے تاحد نگاہ پھیلے اندھیرے کو دیکھنے لگا، ہلال بھی اپنی جگہ چھوڑے لالہ کے ساتھ ہی آن کھڑا ٹھنڈی ٹھنڈی پر لطف ہوا سانسوں میں اتارنے لگا۔

"پھر اماں کی خوشیاں پوری کرنے کے لیے میں ایک نہیں پوری دو کروں گا۔۔۔ منظور۔ وہ کیا ہے ناں کہ میرا دل بہت بڑا ہے"

اپنی چھٹانگ بھر کی عمر پر اپنے ایسے نیک ارادے بتاتا وہ بنا جھجک بولا اور وہاج کے چہرے سے اس دوران مسکراہٹ الگ ہی نہ ہوئی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ والدہ کے دو بیٹے ہیں، ایک ناکارہ سہی پر دوسرا تو بہت انمول ہے۔ ہمیشہ یونہی سب کو ہنساتے رہنا، اب جاو اور سو جاو"

ناجانے کونسا خسارہ یاد آیا کہ وہاج کی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں سے اچک لی گئی، نیند تو ہلال کو بھی زوروں کی آئی تھی تبھی وہ فوری جمائیاں روکتا سر ہلائے شب بخیر کہتا نہ صرف پلٹا بلکہ ملحقہ سیڑھیاں اترے نیچے چلا گیا۔

فضا میں یکدم حبس بڑھ گیا تھا، وہاج سکندر کی سانس گھٹ رہی تھی۔

ہوائیں تو صرف محبت والوں کے لیے چلتی تھیں، وہ ان پر اپنا حق نہیں مانتا تھا۔

دور کہیں افق پر اک تارہ ٹوٹا تھا۔

وہاج سکندر کے زرد پڑتے خوبصورت چہرے کی رعنائی اس تارے کو دیکھ کر لوٹ آئی تھی۔

"نہ جانے کس کا تمنائی تھا مگر یہ دل

طویل بحث ہوئی اور تیرے نام ہوا

جو ٹھیک وقت پہ اک دوسرے کو چھوڑ دیا
ہمارے ہاتھوں یہی ایک نیک کام ہوا
ہم آخری تھے جنہیں عشق نے خراب کیا
پھر اس کے بعد تو ہر اک کا احترام ہوا
بتا رہا تھا کہ اب رفتگاں بہت خوش ہیں
میں اک قدیم ستارے سے ہمکلام ہوا"

خفیف سے درد میں لپٹی سوز زدہ آواز میں وہ ہنوز اس ٹوٹے ستارے کے گم ہوتے کنارے کو کھوج رہا تھا، کیا محبتیں یک طرفہ ایسی ہی کالی اور سیاہ رات کا روپ دھار لیتی ہیں، اسے سمجھ نہ آیا آخر اس نے کہاں غلطی کر دی جو اس سے محبت کا سب سے اہم سجدہ قضا ہو گیا۔

"میری محبت تو پاک تھی مولا؟۔۔۔تو پھر رد کیوں؟"

پہلا سوال اسکے دل کو لرزا گیا، آسمان سے اک تسلیٔ اور جواب اسکے دامن میں آ گرا۔

"میں نے انھیں ہر دعا میں مانگا تھا؟ کوئی اک بھی قبول نہ ہوئی۔۔۔۔کیوں؟"

انسان تھا وہ، کب ایک سوال پر چین پاتا۔

پھر سے آسمان کی جانب نظر اٹھائے وہ تڑپ اٹھا۔

اس بار آسمانی تسلیٔ اسکے قلب میں اتری تھی۔

وہ پر سکون سا ہوا۔

"میں نے کہیں کوتاہی نہ کی؟ میں نے سچے دل سے اسکی آرزو کی، کوئی کھوٹ نہ تھا، کوئی ملاوٹ نہ تھی، کوئی ضد نہ تھی، وہ تو وھاج سکندر کا ایمان تھیں پھر بھی رد؟ کیوں"

اس سوال نے وھاج سکندر کی نیلی دل آویز آنکھیں، جان لیوا حد تک شعلہ کیں۔

آسمان کی جانب تاسف سے تکتا وہ اپنی حد تک سسک اٹھا تھا، اس بار تسلی کا پورا جہاں اسکی روح تک اترا تھا۔

"پھر مجھے سکون دے دیں، اگر وہ میری نہیں تو انھیں مجھ سے، میری روح سے، میرے دل سے اور میری یاداشت تک سے واپس لے لیں"

وہ اپنی تکلیف کو ضبط کرنے پر قادر نہ تھا۔

وہ جس کا نام ہی الخبیر ہے بھلا پھر وہ کیسے اپنے بندے کی تڑپ اور سسکیوں سے بے خبر ہو سکتا ہے، وہ جب کچھ لیتا ہے تو بہت سا نوازتا بھی تو ہے۔ لیکن بندہ ایک دم کچھ نہیں سمجھتا، وہ اپنے روگ عزیز رکھتا ہے، اپنی تکلیف حاوی رکھتا ہے، اپنے خسارے یاد رکھتا ہے۔

جنکو محبت کے روگ لگ جائیں، انکی دنیا خاموش ہو جایا کرتی ہے، وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لفظوں کے گلے کاٹ دیا کرتے ہیں۔

خالی پن حزم نہیں کرب وبلا ہوتا ہے

چاٹ جاتی ہیں وجودوں کو خلائیں شاہا! ____

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس اور فائیر بریگیڈ کی گاڑیوں کے ہارن رات کے اس پل بھیانک شور کر رہے تھے، گہری سیاہ تاریک رات کیسے پورا فارم ہاوس آگ کی لپیٹ میں آکر نیست و نابود ہو گیا، نہ تو کوئی سراغ بچا نہ اس سنسان جگہ بنے اس فارم ہاوس کے راکھ ہوتے ملبے سے ایک شخص کے علاوہ کسی کا سلامت وجود۔

عون بخاری، آگ کی لپیٹ میں آکر زخمی تو ہوا تھا مگر بروقت جہاں داد کی ٹیم کے پہنچنے نے اور آگ کو مرکزی داخلی دروازے والی اطراف سے بجھانے پر عون بخاری کو زندہ اس دہکتے جہنم سے نکال لیا گیا تھا مگر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

اسکی ایک بازو اور کمر کا کچھ حصہ بری طرح جل گیا تھا، فوری طور پر اسے سٹی ہوسپٹل روانہ کیا گیا جہاں اس رات و رات اترتی قیامت نے بخاری خاندان کے ہر فرد کے قدموں تلے زمین کھینچ لی۔

عون کو آئی سی یو روم میں لے جایا گیا تھا، اسکا ٹریٹمنٹ اور آپریشن جاری تھا اور باہر کھڑے نہال، وحید، منیہا، فریال کرب کی اونچی شکل میں مبتلا تھے۔

رو رو کر ان سبکی آنکھوں سرخ انگارہ بن چکی تھیں۔

جہاں داد کی پوری ٹیم اسی جلے ملبے کے پاس ہی شواہد ڈھونڈنے کی تگ و دو میں مصروف تھی۔

آیا اس جگہ یہ آگ کیسے لگی اور وہاں موجود فارس شاہ اور مہکار کیا زمین نگل گئی یا انھیں آسمان کھا گیا۔

فجر تک تمام جانچ مکمل تو ہو گئی مگر جلے ملبے سے کئی لوگوں کی باقیات ملیں، کئی انسانی ڈھانچے جو جل کر سرما ہونے سے بچ گئے، فارنسک ٹیم نے وہ سب ہی ثبوت اکھٹے کر لیے تھے۔

آخر زرا سی دیر میں وہ عالی شان فارم ہاوس راکھ کا ڈھیر کیسے بنا؟ مہکار اور فارس شاہ کیا آگ کی لپیٹ میں آکر بھسم ہو گئے تھے؟ پائزن کہاں تھا؟ اس نے اتنے بڑے حادثے پر خاموشی کیسے اوڑھ لی تھی۔

عون بخاری آئی سی یو روم میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا، اسکے زخم کم تھے لیکن ان کی تکلیف کتنی بھیانک تھی یہ باہر سانس سانس ہارتے ان نفوس سے کوئی پوچھتا جن کے اعصاب پر قیامت اور قہر ایک ساتھ اترے تھے۔

وفا اور ابدال کو بھی جب اس حادثے کی خبر ملی تو وہ بھی دہل گئے تھے، عون بخاری کے لیے ہر دل تڑپ اٹھا تھا، منیہا کو تو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ تو ڈاکٹرز کے عون کے جلنے کی خبر پر ہی ٹوٹ گئی تھی، نہال بخاری! جنھیں اس ایک اور قیامت نے نڈھال کیا پھر وہ غم زدہ سے والدین جنکی اکلوتی پیاری اولاد اس کرب سے گزری تھی۔

وحید صاحب نے فجر کے بعد ہی جہاں داد کو اپنا بیان دے دیٔا تھا، انہوں نے مہکار کا نام لکھوایا تھا۔

مگر جہاں داد نے انھیں فارم ہاوس کی ہر چیز راکھ ہو جانے کی جب خبر دی تو وہ بھی پتھرا کر رہ گئے تھے۔

فریال صاحبہ کا دل تو اندر زندگی کی جنگ لڑتے اپنے بچے کی سانسوں سے جا اٹکا تھا۔

منیہا کی تکلیف کے آگے ان سب کے درد ثانوی تھے۔

وہ جو عون پر آنچ بھی سہہ نہ سکتی تھی، آج وہ اتنی تکلیف میں تھا اور وہ بے بس تھی کہ کچھ کرنے پر قادر نہ تھی۔

صبح تک یہ قیامت خیز لمحے سب کو رلاتے رہے وہیں وفا بھی اس سارے حادثے سے چیخ گئی، جتنا عون اسکے لیے پیارا تھا، اتنے ہی وہ آنسو رو چکی تھی۔

کچھ دیر کے لیے وہ ڈرائیور کے ساتھ واپس ہمانی حویلی آئی کیونکہ کاشان کا فون کل رات سے بند تھا۔

ایک تو عون کی حالت اوپر سے کاشان کی کال نہ لگنا وفا کو مزید پریشاں کر گیا۔

جب وہ حویلی پہنچی تو زویا اکیلے ناشتہ کرتی نظر آئیں تو وفا کو آتا دیکھ کر وہ اسے پکاری جس پر وفا نہ صرف اس تک آئی بلکہ چہرے کی پریشانی سے زویا کو بھی فکر مند کر گئی۔

"کاشان کہاں ہے زویا؟"

وفا نے بے چینی سے پوچھا تو زویا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس تک آئی اور بہت پیار سے وفا کی گال سہلائی۔

اسے وفا کی آنکھوں سے سمجھ آچکی تھی کہ وہ رو کر آئی ہے۔

"وہ ایکچولی رات دیر آیا تھا اور اسکی فجر کے وقت یو ایس اے کی فلائیٹ تھی۔ اسکے محکمے کی طرف سے وہاں لاس اینجلس میں اسکی ٹیم ولڈ ریسلنگ چیمپینشپ لیگ میں حصہ لینے والی تھی۔ اسے بھی یہ سب رات ہی پتا چلا تبھی تمہیں انفارم نہیں کر سکا۔ وہ کہہ رہا تھا دو ہفتے تک واپسی ہو جائے گی۔ اور اس بیچ وہ رابطہ نہیں رکھ سکے گا"

وفا کا یہ سب سن کر حقیقت میں دماغ معاوف ہوا، وہ زویا کو حیرت سے دیکھتی یکدم مزید بکھر سی گئی۔

وہ شخص کیسے اسے بنا بتائے اتنی دور، اتنے سارے دنوں کے لیے جا سکتا تھا۔

زویا خود اسکی روتی آنکھوں پر افسردہ سی پہلے تو اسے گلے لگائے پر سکون کرنے کی سعی کرنے لگی اور پھر اسے ساتھ لگائے ہی لاونج تک لایا اور صوفے پر بیٹھائے پیار سے اسکے بہتے آنسو صاف کیے وفا کی اس تکلیف کا سبب دریافت کیا۔

عون کے ساتھ ہوتے اس حادثے کے بارے جان کر زویا بھی اتنی ہی پریشان ہوئی۔

"حوصلہ رکھو میری جان، عون بلکل ٹھیک ہو جائے گا۔ روتے نہیں ہیں۔ جہاں تک کاشان کے ان اچانک بنتے ٹورز پلینز کی بات ہے تو اسکا پیشہ ایسا ہی جنونی ہے وفا۔ وہ ہمیشہ یونہی اوٹ آف کنٹری جاتا ہے، وہاں اسکی ساری توجہ اسکے کام کی طرف ہوتی ہے تبھی وہ اس بیچ رابطہ بھی نہیں رکھتا"

وفا کے یکدم بڑھتے صدمے اور دکھ پر زویا اسے بہت رسان سے سمجھاتی اور بہلاتی جا رہی تھی لیکن نا جانے کیوں اس وقت جب اسے کاشان کی مدد اور ساتھ کی ضرورت تھی تو وہ ہر منظر سے ہٹ گیا تھا اور یہ چیز وفا کا پہلے سے زخمی دل مزید کاٹ گئی۔

زویا کا کسی طرح بھی بہلانا کام نہ آیا اور وفا بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

عون کی زندگی کے لیے پل پل وہ دعا گو تھی مگر کاشان کی اس درجہ لاپرواہی اسے کتنی دیر تک رلاتی رہی۔

کیا وہ اتنی بھی اہمیت نہ رکھتی تھی کہ وہ جانے سے پہلے اسے ایک کال کر لیتا، رہ رہ کر وفا کو اس ظالم شخص کا یہ فرار کھا رہا تھا۔

لیکن کون جانتا تھا کہ کاشان ہمانی، دی پائیزن کس مشن پر گامزن ہونے نکلا تھا۔

کل کی رات ایک راز تھی، جو کئی لوگوں کی زندگیاں بدل چکی تھی۔

عون بخاری کی، مہکار کی، اور فارس شاہ کی۔

اور زار اتنی جلدی کب کھلا کرتے ہیں۔

وفا کی حالت کے پیش نظر دن تک زویا نے میکائیل کو کال کی تھی لیکن انکا نمبر بھی مسلسل آف تھا۔

وہ جانتی تھی کاشان اس سے رابطہ رکھے یا نہ رکھے، وہ اپنے ہر مشن میں، ہر کام میں، ہر معاملے میں میکائیل رضوی کو ضرور باعلم رکھتا ہے۔

انکا فون بھی بند تھا اور یہ زویا کی فکروں اور پریشانی کو قدرے بڑھا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح سے شام ہو گئی تھی، یہ دن جیسے ہر فرد پر قیامت کی طرح آیا تھا۔

عون کی کنڈیشن سے انکی فیملی کو باخبر کرنے فائنلی ایک لمبے سوہان روح انتظار کے بعد ڈاکٹر صاحب باہر آچکے تھے۔

جہاں داد اپنی ٹیم کو تحقیقات پر لگوائے خود ہوسپٹل پہنچ چکا تھا کیونکہ فارم ہاوس میں ایسا کوئی ثبوت نہ ملا تھا جس سے پتا چلتا کہ وہاں آگ کیسے لگی اور عون کے ہوش میں آنے پر وہ اس سے بیان لینا چاہتا تھا تاکہ پتا چل سکے آیا اس جگہ ایسا کیا ہوا تھا۔

منیہا، وحید صاحب، نہال اور فریال چاروں کی دھڑکنیں سست ہوئیں تھیں۔

ایک عمر رسیدہ ڈاکٹر نرس کے ہمراہ باہر آئے تھے اور ان سبکے بیتاب چہروں کی تکلیف بھانپے خود ہی عون کی کنڈیشن بتانے کا فیصلہ لیے متوجہ ہوئے۔

"بازو بری طرح متاثر ہوئی تھی، آپریٹ کیا ہے۔ سکن انجری میڈیکیشن سے بہتر ہو جائے گی۔ کمر کا کچھ حصہ بھی متاثر ہوا ہے اور اس نتیجے میں انکی ایک کڈنی کو نقصان پہنچا ہے۔ مجھے پتا ہے یہ وقت آپ سب کے لیے مشکل ہے لیکن ہم انکے زخموں کو مندمل کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں"

گویا یہ خبر تو ان سب کی ہستیاں ہلا گئی، منیہا کی تو حالت بھی ایسی تھی کہ وہ جس طرح فریال صاحبہ کے سہارے کھڑی تھی، کبھی بھی گر پڑتی۔

آنسو تھے کہ اسکی آنکھوں سے صورت برسات اترتے گئے۔

یہی حال ان تینوں کا بھی تھا جو اس پہاڑ سی آزمائش سے بے حال تھے۔

"پل۔۔لیز مجھے ملنے دیں ان سے، م۔۔مجھے ا۔۔انکے پاس جانا ہے بابا۔۔۔م۔۔مجھے عون کے پاس جانا ہے"

رات سے اب اگلی شام اتر آئی تھی اور اس سے زیادہ صبر منیہا میں نہ تھا، وہ تڑپ اٹھی تھی۔

سسک اٹھی تھی کہ اسے عون کی اک جھلک درکار تھی۔

وہ اسکی تکلیفیں خود پر لے لینے کے لیے رو رہی تھی۔

نہال خود اسکی اس کیفیت سے دکھی ہوئے۔

"بچہ روئیں مت، آپکے ہسبنڈ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس وقت آپ انکو دیکھ نہیں پائیں گی۔ بہتر ہے کہ آپ صرف دعا کریں انکی تکلیف میں کمی کو۔ جیسے ہی انکی کنڈیشن سٹیبل ہو گی ہم نا صرف روم میں شفٹ کر دیں گے بلکہ پھر مل بھی سکو گی۔ فی الحال وہ منصوعی سانس پر ہیں۔ دم گھٹنے کے باعث انکے دل کی دھڑکن متاثر ہوئی ہے۔ امید ہے آپ اب کاپریٹ کریں گے"

بنا تمہید باندھے وہ جس طرح منیہا پر یہ سب وافع کر کے تکلیف اتار گئے تھے یہ اس پھول کی طرح نازک منیہا کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

یہ کیسا لمحہ تھا کہ منیہا کو لگا اسکا چلتا بے مراد دل تھم گیا ہو، اسکے عون کی یہ حالت اسے آہستہ آہستہ کھا رہی تھی۔

وحید صاحب خود ہمت ہارے اپنے آنسو نہ روک پائے، وہ فریال کو سنبھالے ہوئے تھے اور نہال اپنی یکدم تکلیفوں سے ہمکلام ہوتی منیہا کو۔

آج ایسا درد ہر رگ میں برپا تھا کہ کوئی درماں نہ بچا تھا۔

وہ بابا کے سینے سے لگی اکھڑے اکھڑے سانس بھرے سسکتی رہی، روتی رہی، دعا کرتی رہی کہ اس سے عون بخاری کو نہ چھینا جائے۔

جب تک وہ زندگی اور موت کے بیچ تھا، وہ سب یونہی تکلیف میں مبتلا رہنے والے تھے۔

منیہا کا دل کانپ رہا تھا، ابھی تو اس نے اپنی زندگی کا آغاز بھی نہ کیا تھا اور محبتیں نچھاور کرنے والا مہربان ساتھی موت کی آغوش میں آلیٹا تھا۔

شاید یہ اسکی بھی آزمائش تھی، اور اللہ تو ہمیں ہماری پیاری چیزوں پر ہی آزماتا ہے۔

اسے اب سمجھ آئی تھی کہ زندگی واقعی بہت سخت ہوتی ہے، وہ اب تک جو جیتی آئی تھی وہ تو زندگی کا اک روشن پہلو تھا۔

تاریکیاں تو یہ تھیں، اندھیرے تو یہ تھے۔ خلائیں تو یہ تھیں جہاں اپنی بے بس چینخیں اپنی سماعت تک گونجتی تھیں۔

"بابا و۔۔وہ بہت درد میں ہ۔۔ہوں گے، م۔۔مجھے جانے ک۔۔کیوں نہیں دیتے ی۔۔یہ لوگ۔۔۔ا۔۔ایسا کیوں ہ۔۔ہوا ہمارے ساتھ۔ی۔یہ سب ہ۔۔مارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے، م۔۔میرے سب پیاروں پ۔۔پر کیوں تک۔کلیف ٹوٹ رہی ہے۔۔۔۔بابا جانی م۔۔میں نہیں جی سکتی عون کے ب۔۔بغیر۔۔۔۔"

ہچکیوں کی زد میں منیہا کا پورا وجود لرز اٹھا تھا، اور اسکی دلسوز آہیں تو ان سبکو ہی مزید توڑ رہی تھیں۔

نہال بخاری کے پاس دینے کو تسلی بھی نہ تھی، سب کے آنسو تھمنے پر نہ آرہے تھے۔

"اللہ کی آزمائش ہے بابا کی جان، عون کو کچھ نہیں ہو گا۔ اسے بھی پتا ہے میری منیہا اسکے بغیر جی نہیں سکتی۔ وہ ان تکلیفوں کو مات دے گا۔ تم رو مت۔ اسکے لیے بس دعا کرو کہ اللہ اسے شفا دے۔ اسکے زخم بھر جائیں"

جب بہت دیر تک منیہا کے آنسو نہ تھمے تو وہ اسے شفقت بھرے لمس عطا کیے حوصلہ کرنے کی تلقین کر رہے تھے مگر منیہا کو صبر آئے نہ دے رہا تھا۔

"میری تو سان۔۔ نس سانس انکی ہے، انکے لیے د۔۔دعا کر رہی ہے۔ لیکن میں اپنے د۔۔دل کو کیسے سمجھاوں جو پ۔۔پھٹا جا رہا ہے۔۔۔۔۔"

اپنے آنسو نہ روکنے پر قادر تھی نہ وہ اس وقت تسلی و حوصلے کی طلب گار تھی، اسے تو بس اپنے چاروسو پھیلی عون کی خوشبو رلا رہی تھی، وہ تکلیف کی انتہا سے دوچار تھی۔

بابا کے سینے سے سر لگائے وہ چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔

اس کے سوا اس وقت اسکے اختیار میں کچھ بھی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں صبح سے آپکا نمبر ملا رہی ہوں، مسلسل بند ہے۔۔ حد ہے"

آخر شام کو سہی پر میکائیل کا نمبر آن ہوا تو زویا نے فوراً بیشتر کال ملائی، وہ اس وقت کچھ فائیلز اپنے سامنے میز پر کھولے کام میں منہمک تھے مگر زویا کی جانب سے آتی کال وہ چاہ کر بھی رد نہ کر سکے۔

پھر جس طرح وہ لان میں بیقراری سے ٹہلتی کال لگتے ہی ڈانٹتے انداز سے بولی وہ انکے سنجیدہ چہرے پر خفیف سی مگر دل جلی مسکراہٹ لے آیا۔

وفا صبح سے اب تک روم سے نہ نکلی تھی، اور زویا کو اب کاشان پر واقعی غصہ تھا کہ اس نے اپنے طور اطوار زرا نہیں بدلے تھے۔

"میں تھوڑا مصروف تھا زویا، فون کی بیٹری ڈیڈ تھی۔ ویسے بھی اس نمبر پر کاشان کے سوا کوئی کال نہیں کرتا سو مجھے چارج لگانے کی جلدی بھی محسوس نہیں ہوئی"

خفیف سی جتانے کی کوشش نے زویا کے چہرے کا رنگ بدل دیا تھا، یعنی وہ امید نہئں رکھتے تھے کہ وہ کبھی انکو کال کرے گی۔

کئی سالوں سے انہوں نے یہ ایک نمبر کبھی نہ بدلا تھا، نا جانے کس آس میں۔

"ہمم۔۔ کاشان سے آپکی اگر بات ہوئی تو پلیز اسے کہیں وفا کو کال کرلے۔ وفا بہت ڈپریس ہے۔ اسکے بھتیجے عون کے ساتھ بھی ایک حادثہ پیش آگیا ہے۔ اوپر سے وہ وفا کو بتائے بنا چلا گیا تو وہ بہت پریشان اور اداس ہے"

میکائیل کی بات دانستہ رد کیے وہ اصل مدعے پر آئے سارا معاملہ تاسف سے بیان کیے بولی جسکے جواب میں میکائیل رضوی پہلے تو خاموش رہے پھر "ہوں" کیے ہنکارہ سا بھر گئے۔

زویا کے ماتھے پر اب اس بندے کے ایسے جواب پر شکنیں اتریں۔

"آپ اریٹیٹ ہو رہے ہیں کیا مجھ سے؟ میں نے بس کام تھا تبھی کال کی"

بہت روکا خود کو مگر وہ شکوہ کیے بنا نہ رہ سکی۔

میکائیل اس بار اچھے سے مسکرائے اور اٹھ کر کچھ فاصلے پر دیوار کے ساتھ نسب کافی میکر سے اپنے لیے کپ میں کافی ڈالی اور مڑ کر واپس گہری ہوتی شام کے سائے دیکھنے گلاس وال کے قریب آن رکے۔

"کاشان کرلے گا کال رات میں، یہ وہی وفا ہے ناں جس نے کاشان کو شوٹ کیا۔ کیا ان دو کے بیچ سب نارمل ہو گیا ہے؟ خاصا بد دماغ ہے آپکا بھتیجا زویا"

پہلی باتیں میکائیل نے خاصے خفا ہو کر پوچھیں اور آخری بات اس نے زویا کو جتائی جس پر وہ بدلے میں منہ بسور گئی۔

"آپ سے کم ہی ہے، محبت بڑے بڑے سیانوں کو پاگل بنا دیتی ہے۔ ویسے بھی میں خود کاشان اور وفا کو ہمیشہ ساتھ دیکھنے کی خواہش مند ہوں۔ سو ہمیشہ کوشش کروں گی وہ دور نہ ہو سکیں"

جواب خاصا گرم لہجے میں دیے وہ پھر سے لان میں ٹہلنے لگی، ہلکی ہلکی مدھم ہوا اسکے بال بکھرتی گئی۔

گہری شام، گہری خاموشی سے اور سنور گئی تھی۔

وہ تو زویا کی خاموشئ کے بھی دیوانے تھے۔

مدتوں اسکی چپ سنی تھی۔

"وہ ساتھ نہیں رہ سکتے، ایک دہکتی آتش ہے تو دوسرا بے لگام موج۔ چند ساعتیں ہی غنیمت ہیں۔ تا دیر دو بپھری قوتیں ساتھ نہیں رہ پاتیں"

وہ شاید قیاس آرائی کر رہے تھے، زویا نے انکی پیشن گوئی کا برا منایا تھا۔

"پلیز ایسا مت کہیں، کاشان اسکے معاملے میں بہت سنجیدہ ہے"

وفا نے جھر جھری لیے میکائیل کے خدشے کی نفی کی۔

"وہ سر پھرا ہے، کب اسکی عقل پیروں میں چلی جائے کچھ پتا نہیں چلتا۔ اتنا اندھا اعتماد بھی ٹھیک نہیں۔ اسکی ٹیونگ ہونے والی ہے میرے ہاتھوں جلد"

اس بار میکائیل رعب جمائے بولے، اور ٹیونگ والی بات نا چاہتے ہوئے بھی زویا کی مسکراہٹ لوٹا لائی۔

"خیر یہ بتائیں، عائش کی کوئی خبر ملی ہے۔ مردود ملعون کہاں جا کر غرق ہوا ہے"

یکدم زویا جو سوال کر بیٹھی اس پر اک لمحے میکائیل کے چہرے پر زردی چھائی تھی اور وہ جبڑے بھینچ کر اپنا ابلتا عتاب ضبط کرتے نظر آئے۔

انکا وجیہہ چہرہ، غصے کو جذب کرتا لال بھبھوکہ ہوا۔

"انجام قریب ہے اسکا، بہت قریب"

وہ بس اتنا ہی غیر واقع کہہ پائے تھے اور زویا بھی انکے اس ادھورے جواب پر الجھی۔

"ہمم، ٹھیک ہے میں رکھتی ہوں فون۔۔ کاشان کو یاد سے کہہ دیجئے گا کہ وفا کو کال کر لے۔۔۔۔ وفا نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے"

اس انسان کا سحر تو فون پر بھی حاوی ہو کر سانسیں سکھا رہا تھا تبھی وہ سرسری سا دوبارہ یاد دہانی کرواتی اس سے پہلے رابطہ توڑتی، میکائیل کی پکار نے اسکے ہاتھ روک دیے۔

"تھوڑی دیر بات کر لیں"

اس بندے کی یہ جان لیوا گزارش، زویا کو ساکت کر چکی تھی، وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھی پر شاید اسے خود بھی کچھ کہنا مناسب نہ لگتا تھا۔

دل تو دونوں کے بھرے تھے، لیکن اس انسان کے سامنے وہ اک خول میں اتر جاتی تھی۔

"آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پاس بات کے لیے کچھ خاص نہیں ہے، کیا باتیں کروں"

زویا کے لہجے میں قنوطیت اتری، وہ ملال میں مبتلا اپنے آپ کو بیان کر رہی تھی اور وہ سنجیدہ تھے۔

"یہی بتا دیں کہ آپ کیوں میرے نام کی قید کو اب بھی اپنے اوپر حلال رکھنے پر بضد ہیں، حالانکہ میرا وعدہ تو آپکی خوشی سے وابستہ تھا زویا۔ یقین کریں میرا دل ہرگز نہیں ٹوٹے گا اگر آپ اس قید سے رہائی کا تقاضا

کریں۔۔۔ دور تو پہلے ہی ہوں آپ سے، مزید ہو جاوں گا بس۔۔۔۔ لیکن آپ نہال بخاری کا ہاتھ تھام لیں، اچھا انسان ہے وہ۔ آپکے لائق ہے۔ تھوڑا پاگل ہے لیکن کوئی نہیں وہ تو سب ہوتے ہیں"

وہ پھر سے وہی تکرار کیے زویا کو الجھا رہے تھے، وہ یوں تھی جیسے زندگی بھر کی تمام اریٹیشن اسے میکائیل کے اس ذکر سے لاحق ہو۔

"حالانکہ آپکا دل اب بھی سلامت جان کر حیرت کا صدمہ مجھے ہونا چاہیے"

سلگ کر جتاتی وہ ناصرف برہم ہوئی بلکہ یہ بھی ظاہر کیا کہ اسے میکائیل کی اس تقریر نے کافی ناراض کیا ہے۔

"کیا آپکو میرا دل کرچیوں میں تبدیل کرنا ہے؟"

کافی کا سیپ بھرے وہ باہر پھیلی سوگوار سی شام دیکھتے یونہی پوچھ بیٹھے۔

"اگر کہوں کہ ہاں تو؟"

وہ آزمانے پر تلی تھی، ظالم کہیں کی۔

اور وہ جاندار مسکرائے تھے، اس سے بڑے ظالم جو تھے۔

"تو معاف کیجئے، یہ آفر بہت محدود مدت کہ لیے تھی اور مدت کب کی گزر چکی"

فوراسے بیشتر اپنی شکستگی چھپائے وہ نہ صرف مسخرہ پن دیکھائے مسکرائے بلکہ زویا کو بھی ٹالنے کی سعی کی لیکن وہ مسکرا نہ پائی تھی۔

"آپ کی طرف کبھی پلٹ کر جانتے ہیں کیوں نہ دیکھا میں نے؟ کیونکہ آپ ایک نمبر کے مینٹل کیس ہیں۔ اتنی محبت تھی میں آپکی تو میرے ہر حکم کو چولہے میں جھونک کر سب کے سامنے اٹھا کر لے جاتے مجھے۔ حق جماتے، چھین لیتے، شور مچاتے، لڑتے، جھگڑتے۔ لیکن آپ نے محبت تھوڑا کی۔ آپ نے تو ادب واحترام اور مظلومیت کی کلاس لی ہے۔۔۔ ہنہ"

اس بندے کے آج بھی ویسے پاگل تیور زویا کو غصہ دلا گئے اور وہ خود نہ سمجھی کہ وہ غیر ارادی طور پر کیا کیا کہہ بیٹھی ہے۔

اسکے لفظ، اسکا غصہ، اسکی ناراضگی، اسکی تکلیف سب ہی میکائیل رضوی کے دل پر ثبت ہوئی تھی۔

وہ جنبش تک پر قادر نہ رہی تھی، یہ سب زبان سے سرزد ہونے پر اس سے پہلے کال کاٹتی، پھر سے میکائیل کی پکار اسے روک چکی تھی۔

"میں نے اس جہاں کی سب سے روشن محبت کی ہے آپ سے زویا میکائیل، جس نے مجھے اندھیرا نہیں ہونے دیا۔ آپ دھڑکتی ہیں قلب کی مانند تبھی تو اگلا سانس آتا ہے میکائیل رضوی کو۔ حق کیسے جماتا، آپ موم سی نازک تھیں۔ پگھل سکتی تھیں میرے استحقاق میں لپٹے ایک لمس سے۔۔۔۔۔۔"

وہ شخص جادوگر تھا، اور زویا کا دل اسکی آخری بات نے کپکپایا، وہ سچ میں بوکھلا گئی، چلتے قدم تھم گئے، دل کی دھڑکن اپنی ڈگر بھلا بیٹھی۔

"چھین کیسے لیتا آپ سے آپکو، کہ آپکے پاس آپکی اپنی صرف آپ ہی تو تھیں۔ شور کیوں مچاتا، محبت تو صبر سکھا رہی تھی مجھے، شور تو بے صبرے کرتے ہیں۔ جنھیں طلب ہو، مجھے تو آپکی لگن تھی ناں۔ چرا کیسے لیتا، تاعمر خود سے نظریں چرانا زیادہ تکلیف دے ہے۔ آپ نازک تھیں، ٹوٹ سکتی تھیں۔ ادب واحترام آج بھی ویسا ہے لیکن اب ظالم مجھے بننا ہے تھوڑا"

وہ اک اک حرف ادا کیے زویا پر اسم پھونک گئے تھے، وہ کہہ نہ پائی کہ خاموش! وہ سننے پر مجبور تھی۔

حکائتیں، محبتیں، شدتیں۔

وہ کسی آسیب کی طرح اسکی جانب لپک رہے تھے، وہ خود کو کوس رہی تھی کہ کاش وہ میکائیل سے نہ ملتی، نہ اسے دیکھنے کی اجازت لوٹاتی۔

اسے اس لمحے آج لگا وہ اپنا نقصان کر بیٹھی ہے۔

آج اس نے نہال کو چاہ کر بھی تسلی کی کوئی کال نہ کی تھی، اس سے ہوا ہی نہ تھا یہ۔

"میکائیل، اب ہم بات نہیں کریں گے۔۔۔اٹس مائی آرڈر"

اپنے عجیب و غریب احساسات پر لرزا اٹھتی وہ پھر سے یہ ظالم حکم سنا گئی۔

"یعنی آپکے ہونٹوں سے اپنا نام نہیں سن پاوں گا"

وہ پھر سے زویا کو اپنے بس میں کرنے کی سازش کر رہے تھے اور وہ اب خوف کھا رہی تھی۔

"ایسا ہی سمجھ لیں، ہمارا بات کرنا ہمارے حق میں اچھا نہیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ"

وہ اپنے خدشے بتاتی اس بار کال کاٹ ہی نہ سکی، دوسری جانب پھیلی خاموشی نے زویا کو بے قرار کیا تھا۔

"سنیں زویا! میری موجودگی اب کہ نہ دیکھائی دے گی نہ پکڑ میں آئے گی، بس چپکے سے آپکو اپنے حصار میں لے لے گی۔ اللہ کی امان میں رہیں"

یہ چند لفظی زویا کی کائنات دہلا دیتے جملے ادا کیے اس بار وہ کال کاٹتے کاٹتے زویا کی حیرت سے پھٹ جاتی پکار پر رکے۔

"واٹ، کیا مطلب تھا اس بات کا۔۔۔۔آپ"!

وہ یکدم ہی گھبرا گئی تھی، چہرہ متغیر اور سانسوں کا ربط غیر ہموار ہو رہا تھا۔

"آپ جانتی ہیں زویا کہ محبت کیا ہے۔۔۔

یہ رحمدلی اور سخاوت ہے۔

میں بہت رحم دل اور سخی بن گیا ہوں آپکے لیے، آپ کہیں کہ سانس نہ لو۔۔۔میں حکم مانوں گا۔ آپ کہیں گی کہ دور ہو جاو، میں ہو جاوں گا۔

لیکن کہیں موہوم سی منفرد جگہ آپکے دل میں میری بھی ہے جسکا یقین ہے مجھے، محبت نہ سہی لیکن آپکو میری موجودگی کا شدید احساس تو ہے۔ کافی ہے میرے لیے"

اپنے ساحر جوابات دیے وہ خود ہی رابطہ توڑ گئے اور زویا کتنی دیر تک اپنے بکھرے حواس ہی جمع کرتی رہ گئی۔

اسے لگا یہ سہانی شام یکدم سانس اچکنے والی خبس کی روپ دھار گئی ہو۔

وہ گہرے احساس جرم میں مبتلا ہو چکی تھی۔

شمع کے ساتھ ستارے بھی بجھا جاتا تھا

وہ مجھے شام زدہ کر کے چلا جاتا تھا♡___

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آگ شارٹ سرکٹ کے باعث لگی، بجلی کی تاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی گئی تھی کیونکہ ہمیں مین سوئچ بورڈ کے کچھ باقیات ملے تھے تلاشی کے وقت۔ اسکے علاوہ جو جلی ہوئی مسخ شدہ لاشیں ملیں ہیں وہ سب لگ بھگ تیس سے چالیس کے بیچ کے آدمیوں کی ہیں اور وہ سارے جلنے سے پہلے مر چکے تھے۔ آپ کے پوچھنے کے مطابق ان میں ہمیں کسی فی میل کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ وہ سب میلز تھے"

فارنسک ٹیم کے ہیڈ نے ان ملی ہوئی تمام جلی لاشوں اور جلے فارم ہاوس سے چند لائے اہم ثبوت جانچنے کے بعد رات تک فائنل رپورٹ بھی جہاں داد کے حوالے کر دی تھی۔

گویا یہ انکشافات تو اسے اور گما چکے تھے، یعنی مہکار اب بھی زندہ تھی؟ مگر کیسے۔ اس قدر بھیانک آگ کی لپیٹ سے وہ عورت کیسے نکلی جبکہ جہاں داد کے مخبر نے اسے پکی رپورٹ دی تھی کہ مہکار اس فارم ہاوس میں موجود تھی۔

عون کا فون کل جب تک جہاں داد کی ٹیم نے ٹریس کیا وہ تب فوری بند ہو گیا تبھی فارم ہاوس تک پہنچنے تک پولیس کو دیر ہو گئی تھی مگر جو آدمی سب سے پہلے وہاں نگرانی کو پہنچا تھا اس نے جہاں داد کو یہ خبر دی تھی کہ مہکار اس گھر میں موجود تھی۔

فارس شاہ بھی موجود تھا یہ کوئی نہ جانتا تھا۔

آخر کل ایسا کیا ہوا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہر منظر بدل گیا تھا، جہاں داد کو تو کچھ سوجھائی دینا بھی بند ہو گیا تھا اور پھر رات جب وہ اسی فارنسک رپورٹ کو دیکھ رہا تھا تو ہوسپٹل سے عون کے ہوش میں آنے کی خبر ملتے ہی وہ فوری دو لوگوں کے ساتھ ہوسپٹل روانہ ہو گیا۔

کل رات وہاں کئا ہوا تھا، اب یہ صرف عون بخاری ہی بتا سکتا تھا۔

رات تک وفا بہت پریشان رہی تھی، اسکا دل بہت زیادہ تکلیف میں تھا۔

عون کے ہوش میں آنے کی خبر وحید صاحب نے اسے بھی دے دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اب بھلے صبح آکر عون سے مل لے۔

وفا کا دل زرا ہلکا ہوا تو وہ تھوڑی پرسکون ہوئی۔

زویا اس بیچ کئی بار اسے ڈنر کے لیے بلانے آچکی تھی تبھی وفا خود بہتر فیل کرتے ہی کمرے سے باہر نکلی۔

نہ صرف زویا کی اپنے لیے فکر ہٹائی بلکہ اسکے اصرار پر تھوڑا سا کھانا بھی کھایا۔

کھانے کے بعد وہ پھر سے روم میں آ گئی تھی، کل الماس سے اس نے اپنی کنڈیشن کا بھی ذکر کیا تھا اور الماس نے اسے کچھ وٹامنز کے ساتھ ریسٹ اور ذہنی سکون سجیسٹ کیا تھا مگر جو حالات مسلسل اس بچے کے اسکی روح سے جڑنے سے اب تک چلے آرہے تھے وہ پرسکون تو ہر گز نہ تھے۔

اسے گھبراہٹ اور بے چینی ہو رہی تھی اور اب تو تھکاوٹ سی بھی وجود پر حاوی محسوس ہو رہی تھی تبھی وہ زویا کا ملازمہ کے ہاتھ بجھوایا دودھ کا گلاس پیے بیڈ تک آئے تکیہ درست کرتی لیٹ گئی۔

آنکھیں پہلے رو رو کر اور اب کاشان کے ستم کو یاد کر کے بھاری اور متورم ہو رہی تھیں۔

سائیڈ میز پر پڑا لیمپ کمرے میں مدھم روشنی کا سبب تھا وہیں وفا کے وائبریٹ کرتے فون نے اسکے شانت ہوتے احساسات جنجھوڑ دیے۔

فطری بے تابی لیے وہ فون اٹھا کر دیکھتی اس پر آتی کسی انٹرنیشنل نمبر کی کال سے یہ سمجھ چکی تھی کہ یہ کاشان تھا۔

جان بوجھ کر کال کاٹے وہ پھر سے افسردہ ہوئی۔

کال کٹنے کے دو سیکنڈ بعد پھر سے فون بجا تھا، اور اس بار وڈیو کال تھی۔

وفا نے ذرا اٹھ کر تکیہ بیڈ سے جوڑے ٹیک لگائے چہرے پر ناراضگی سجائے کال پک کی تو کسی اوپن جگہ پر کسی گھر کے ٹیرس پر آرام دہ کرسی پر مزے سے کافی کا مگ پکڑ کر پیتے کاشان کی صورت ابھری جس پر وفا گہرا سانس بھر گئی۔

" تمہیں کہا تھا بہت برا ہوں، تمہیں مزاق لگا تھا۔ کھانا کھایا ہے یا ہڑتال پر ہو؟ اگر ہمارے بچے کو کچھ ہوا تو جانتی ہو ناں کتنا ظالم ہوں "

بے نیاز بنا وہ ہوا کے تیز جھونکوں سے اپنے ماتھے پر ڈھلکتے بال پرے کرتا اسے وارن کر رہا تھا جسکا کاشان سے بات کرنے کا ذرا بھی من نہ تھا۔

"اور اگر مجھے کچھ ہو گیا تو؟ تم پھر سے ویسی ہی سفاکیوں پر اتر آئے ہو بے حس۔ کیا ایک کال نہیں کی جا سکی تم سے ۔ کیوں گئے ہو۔ ابھی کہ ابھی آ و یہاں۔ تمہیں میری کوئی فکر نہیں ہے کیا۔۔۔۔ آئی مس یو سو مچ۔۔۔۔۔"

ناجانے یہ طبعیت کی خرابی کا اثر تھا یا ضرورت کے وقت کاشان کے پاس نہ ہونے کی کمی کے وہ کہتے ساتھ ہی بری طرح رو پڑی اور مقابل کاشان بھی ایسی روتو وفا دیکھ کر خاصا افسردہ ہوا۔

"فسٹ آف آل دو ہفتے تک میں پابند ہوں، ممکن ہی نہیں واپسی۔ دوسری بات اگر تم مزید روئی تو واپس آکر تمہارے یہ سارے لاڈ اپنے طریقے سے نکالوں گا۔ تیسری بات، مجھے خبر ملی ہے ابھی کہ عون بہتر ہے، یہ بھی کہ ابدال نے کل معاف کر دیا تمہیں۔ سب ٹھیک ہے سو فضول میں رو کر اپنی جان کی دشمن کیوں بن رہی ہو۔۔۔۔۔"

وہ دور تھا، ستم یہ کہ ظالم بن کر ڈانٹ بھی رہا تھا۔ وفا نے ہتھیلوں سے آنکھیں رگڑے کیمرہ ہی پلٹ دیا، کاشان بھی یکدم سکرین سے وفا کے ہٹ جانے پر اس بار بمشکل غصہ ضبط کر پایا۔

"ت۔۔ تمہیں میری کوئی پرواہ نہیں، مت کرنا مجھے کال دوبارہ۔ اور آنے کی ضرورت بھی نہیں۔ مجھ سے اہم تمہارے کام ہیں ناں تو ٹھیک ہے۔ یہ دو ہفتے اپنی شکل تک نہ دیکھاوں گی۔۔۔"

سیاہ کیمرے کی تصویر کے سنگ وفا کی ناراض، غصیلی روتو دھمکی نا چاہتے ہوئے بھی کاشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئی۔

"وفا۔۔۔ لسن! ایسے کرو گی تو ناکارہ ہو جائے گا تمہارا یہ شوہر۔ تمہارے پلو سے بندھ نہیں سکتا، بہت مصروف بندہ ہوں۔ شکل دیکھاو اپنی، اندھیرے سے تو باتیں کرتا ہی رہتا ہوں۔ دیکھو اپنا اصول تمہارے لیے توڑا ہے۔ ورنہ آفیشل فارن ٹور کے بیچ میں کبھی فون یوز تک نہیں کرتا، کال تو دور کی بات ہے"

وفا کی ناراضگی سے زیادہ اسکے اس وقت کاشان کے اپنے قریب نہ ہونے کے احساس نے اسے وفا کے لیے موم کر دیا تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی اس کمزور لمحے وہ اس ظالم کو اپنے آنسو دیکھنے دیتی۔

"اپنا احسان پاس رکھو، تم مجھے خود کے لیے ترسانے پر اتر آئے ہو۔ ایک رات میں دور کیا گئی تم نے دو ہفتے کی دوری دے دی۔ میں نہیں بولوں گی تم سے سن لو۔ میں سخت ناراض ہوں، مانوں گی بھی نہیں۔ تم مجھ سے مل کر بھی تو جا سکتے تھے، کم از کم اتنی تکلیف تو نہ ہوتی۔ ایک لمحے میں غیر اہم کر دیا تم نے مجھے"

آج کاشان کو پتا چلا تھا کہ اس دنیا میں اس سے بڑا ضدی بھی موجود تھا، وفا کی یہ شدت بھری ناراضگی چیخ چیخ کر کاشان کو بتا رہی تھی کہ وہ پاگل اسکو بہت یاد کر رہی تھی۔

اور یہ شرف اس سر پھرے بکھرے شخص کو مرکز پر لے آیا تھا۔

"مل کر جانے کا وقت ملتا تو تب، فلائیٹ کنفرم کر کے ہی مجھے اطلاع دی گئی تھی۔ میں روز کال کروں گا وہ بھی وڈیو۔ کم از کم اب تو مان جاو۔ باقی کا میں آ کر منالوں گا"

وہ اپنے مزاج سے بلکل الٹ ہوئے وفا کو منانے کے جتن کرتا خاصا پیارا لگ رہا تھا، اور شاید وفا کا دل اسکے لیے اتنا ہی نرم تھا کہ وہ روٹھی تو رہی مگر موڑا کیمرہ واپس خود پر مرکوز کر دیا۔

وہ اسکے چہرے کی ناراضگی دیکھ سکتا تھا، وہ بہت سارا روئی تھی یہ بھی جانتا تھا وہ۔

لیکن اسکی ذمہ داریاں بہت کڑی تھیں، اسے ہر صورت یہاں آنا ہی تھا۔

کیونکہ اپنی زندگی میں پہلی بار اسے کسی پر حقیقی ترس آیا تھا، اور وہ سمیٹنے نکلا تھا۔

وہ سارا بکھرا وجو سمیٹنے کی ذمہ داری اس پر تھی۔

"کھانا کھایا ہے؟"

پیار سے سوال آیا تھا۔

"زویا نے کھلا دیا زبردستی"

منہ پھلائے جواب دیا۔

جس پر کاشان دھیما سا مسکرایا۔

"زویا کے ہوتے یعنی کوئی فکر ہی نہ کروں تمہاری، وہ اچھے سے جانتی ہیں پاگلوں کو ہینڈل کرنا۔ میرے ساتھ کافی ایکسپیرنس ہے انکا"

شرارت کی ترجمانی کرتا اسکا ہنسنا وفا کو مزید اداس کر گیا، وہ اسے سیدھا سیدھا پاگل کہنے کی کوشش میں تھا۔

"بند کرو کال، نہیں ہو رہی بات مجھ سے۔ رونا آرہا ہے"

رونے کا ذکر بعد میں کیا گیا اور میڈم کی آنکھیں بے وقت سیلاب پہلے بنی تھیں۔

"مر تھوڑی گیا ہوں۔۔۔۔ کم آن۔ بچوں سا کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو"

وفا کا رونا اس سے برداشت نہ تھا اوپر سے وفا کی حد درجہ اٹیچمنٹ الگ کاشان کو خوفزدہ کر رہی تھی تبھی اپنے خوف کو دبانے کے چکر میں وہ سخت کہہ گیا تھا۔

احساس تب ہوا جب وفا مزید تکلیف میں اتری۔

"ت۔۔ تم۔۔۔ تم ناں ہو ہی بت تمیز۔۔۔ تمہارے لیے روتی ہے میری چپل۔۔۔ ہنہ۔۔۔ مغرور کہیں کا"

وہ بھی تو شیرنی تھی آخر، اپنے کمزور ہونے کو بہت اچھا کور کیے الٹا کاشان پر خفا ہوئی۔

اور اسکے یہ انداز کاشان کا سارا غصہ اور چڑ جذب کر گئے۔

"ہاہا چور کی داڑھی میں تنکا۔ میں نے تو یہ کہا ہی نہیں کہ تم میرے لیے رو رہی ہو۔۔۔ہے گرل! سچ میں۔ مجھے صدمے سے دل کا دورا نہ پڑ جائے۔۔۔دی گریٹ وفا صاحبہ، رو رہی ہیں وہ بھی مجھ ناچیز کے لیے۔۔۔" اب وہ اوور شو خا ہونے کی کوشش میں تھا اور وفا کا بس نہ تھا ورنہ فون میں گھس کر اسکا سر توڑ آتی۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"تم ایک نمبر کے فضول آدمی ہو، شوخے انسان۔۔۔اب وہئں رہنا۔ خبردار جو میرے پاس آئے۔۔۔"

وہ آنکھوں میں نمی بھرے اس سے مسلسل لڑ رہی تھی، شاید خود کو جھٹلا رہی تھی کہ وہ اسے ہر وقت اپنے پاس چاہنے کی باولی خواہشیں پال بیٹھی ہے۔

"دو ہفتے بعد آوں گا پھر تفصیلی بتاوں گا کہ کتنا فضول آدمی ہوں۔۔۔ابھی کہ لیے سنو"!

تمام بحث رد کیے وہ وفا کے آنسووں کو بے مول ہونے سے بچانے کو اسے پیار سے پکارا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔

"مجھے علم نہیں کہ میں مزید کتنا جیوں گا وفا، مجھے یہ بھی علم نہیں کہ اگلی سانس میرے مقدر میں ہے بھی یا نہیں، مجھے یہ تک معلوم نہیں کہ ابھی تمہاری آنکھوں سے میرے سفاک رویے کتنے آنسو بہائیں گے، مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ آیا ہمارے اس منفرد رشتے کا انجام کیسا ہو گا، اور مجھے یہ تک اندازہ نہیں کہ جس لمحے تم میرے ساتھ نہ ہوئی وہ لمحہ میرے لیے جینے کے لائق ہو گا بھی نہیں۔۔۔لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب آخری سانس تک میرا دل صرف تمہارے لیے دھڑکے گا، صرف تمہارا نام لے گا۔ میں خود کو بدل نہیں سکتا، جتنا میسر رہوں گا تمہیں مسرور رکھوں گا یہ وعدہ ہے میرا"

اسے نہ تو دعوے کرنے آتے تھے نہ وہ کرتا تھا، وہ حقیقت پسند سا آدمی تھا جسے زندگی کے اپنے نام لگے قرض نبھا کر اک دن راہ نجات کی جانب پلٹنا ہی تھا، یا پھر راہ ہلاک۔۔ وہ سچا تھا یا جھوٹا لیکن وفا اسکے لفظ لفظ پر ایمان لا رہی تھی، وہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ دنیا جیسا عام اور آسان کیوں نہیں ہے۔

وہ پاس اور دور رہ کر سارے ہنر جانتا تھا اسیر کرنے کے، شاید یہ وفا اور اسکے رشتے کی نوعیت تھی کہ وہ اسے کسی ایسے لمحے میں چاہ بیٹھی تھی جس لمحے قدرت کا شان ہمانی پر زرا دیر مہربان ہوئی تھی۔

بنا حسرت کے جینا بھی کوئی جینا ہے، سب خواہشیں پوری ہو جائیں تو پھر زندگی بھی بوجھ لگتی ہے۔

کچھ حسرتیں ادھوری ہی حسین لگتی ہیں۔

جیسے وہ وفا کو خود سے کبھی محبت نہ کرنے کی تلقین کر چکا تھا۔

وفا کی محبت اسکی حسرت تھی، اور وہ یہ حسین حسرت پوری ہونے کے حق میں تھا ہی نہیں۔

محبت تو کسی الہام کی مانند دل کے صحیفوں پر اتر کر تا حیات کے لیے درج ہو جاتی ہے، اسے کیا غرض پانے سے، کھو دینے سے۔ وہ تو آسمانی ہے، اسے آسمان کی جانب پلٹ جانا ہوتا ہے۔

وہ برملا اعتراف وفا کے ہر دکھ کو کسی نچلے درجے تک پہنچا چکا تھا، وہ تمام تر بے چینی، بے تابی اور بیقراری کے سر کو اثبات میں ہلائے مان گئی تھی۔

"میں اعتبار کر رہی ہوں تم پر، مجھے تکلیف مت دینا"

وہ اسے اپنے خدشوں کے دھاگوں میں الجھا کر محتاط کر رہی تھی، کہ وہ اسکے اعتبار توڑنے پر خود بھی ٹوٹ جائے گی۔

"ہمم۔۔ اب یہ اداسی ختم کرو۔ مسکرانے سے بل آتا کیا تمہارا۔ ہر وقت دھمکیاں ہی دیتی رہتی ہو مجھ معصوم کو۔۔۔۔"

دانستہ سنجیدگی کی کڑواہٹ کم کرنے کو وہ تھوڑے شگفتہ انداز میں لوٹے معصومانہ سا شکوہ کر گیا جس پر وفا تفاخر میں جا لپٹی۔

"تمہارے ساتھ مسکرانا ہے مجھے، یوں دور بیٹھ کر صرف غصہ ہی کر سکتی ہوں میں اور جب غصے سے دل بھرے گا تو رونا آئے گا۔ تم لڑکی ہوتے تب پتا چلتا تمہیں اس سچویشن میں دل کتنا نازک ہو جاتا ہے"

زرا زرا ہنوز خفا سی وہ آج تو الگ ہی روپ میں لپٹی کاشان کو گرویدہ کر رہی تھی، وہ اور انکا رشتہ واقعی عام و خاص سے بہت منفرد تھا۔

انکی آپسی کشش بھی پر لمحہ بڑھ رہی تھی، وہ ایک دوسرے کو کھلے دل سے ہر بات کہنے لگے تھے۔

کاشان ہمانی جیسا اظہار و اقرار سے بہت پرے آباد آدمی تک وفا کے ساتھ کے سنگ اظہار پسند ہو گیا تھا۔

"میں سب سمجھتا ہوں، اتنا بیوقوف نہیں ہوں مسز کاشان۔ لیکن تم سے زیادہ میرا حصہ میری ذمہ داریوں کا ہے۔ لیکن ایسا کوئی لمحہ نہیں جب تم فراموش ہو جاو، اب پلیز خود پر کوئی ظلم نہیں۔ رونا مت، اور نہ ہی فضول میں کچھ سوچنے کی ضرورت ہے"

اپنے ذمے لگے کاموں کا سرسری ساذکر کیے وہ ساتھ میں وہی توجہ لوٹا رہا تھا جسکی وفا کو ضرورت تھی۔

اور اس بار وفا نے فرمابرداری دیکھائے اسکی بات کے جواب میں سر ہلایا۔

"مجھے یہ بھی وہم ہو رہا تھا کہ ہو سکتا تم کسی لڑکی کے ساتھ ہو جو مجھے انفارم بھی نہیں کیا۔۔۔اب دیکھو یہ سب خود ہی میرے دماغ میں گھس گیا ہے۔۔"

ابھی وہ مسکرایا ہی تھا کہ میڈم کے نئے شوشے پر اسے منصوعی گھوری سے نوازتے منہ بگھاڑ گیا اور وفا بھی اسکے غصے سے دیکھنے پر مرجھا سی گئی۔

"توبہ ہے، بیوی میں یہ چراثیم قدرتی ہوتے شک والے۔۔۔ لیکن وفا جیسی لاپرواہ دلکش حسینہ بھی ایسا روائیتی سوچے گی یہ بہت زیادہ شاکنگ ہے"

وہ اسے اس بار سیدھا سیدھا تنگ کر رہا تھا اور وہ خفا ہوئے کاشان کے مزاق اڑانے پر ڈبل عتاب سے گھوری۔

"مزاق مت اڑاو میرا"

ناراضگی کے پیش نظر وفا نے اسے ڈانٹا اور کاشان نے اپنی مسکراہٹ فوری دبائی اس سے پہلے کہ اسکی یہ ٹیڑھی محبوبہ پھر روٹھ جاتی۔

"نہیں اڑا رہا، خوشگوار حیرت کا اظہار کیا ہے۔ اب تمہارے سوا کوئی نہیں ہے میرے دل میں وفا۔ زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہو سکتا کوئی آ بھی جائے۔ لیکن دل میں اور روح میں صرف تم رہو گی۔ اس لیے یہ سب سوچیں جھٹک دو"

یہاں بھی وہ اخیر کھرے پن کا مظاہرہ کر گیا اور وفا تو اسکے زندگی میں کسی اور کے آنے والی بات پر ہی تلملا اٹھی۔

اب اس بندے پر سزا نازل کرنا وفا کو لازمی لگا۔

"فائن۔۔۔ تم ایک کیا دس لاو زندگی میں۔ مجھے کیا۔ اب دو ہفتے نہ تو تم میری آواز سنو گے نہ شکل دیکھ پاو گے۔ یہی تمہاری سزا ہے۔ اور ہاں۔۔۔ تم واقعی نہایت فضول آدمی ہو۔۔۔ بائے"

کاشان کی یہ بات اسے سچ میں بری لگی تھی، تبھی غصہ کھاتی وہ جو دل میں آیا کہہ کر فون کال کاٹ چکی تھی اور محترم کتنی ہی دیر مسکراتے چلے گئے۔

اسے وفا کے یہ موڈ سوئنگز یک دم فریش کر چکے تھے، ویسے بھی وہ خود یہ دو ہفتے صرف اپنے ان کاموں پر ہی فوکس رہنا چاہتا تھا جن کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے بارہ تک عون بخاری کی کنڈیشن سٹیبل ہوتے ہی اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

بھلے وہ اب بہتر تھا مگر اسکی صحت ابھی بھی مکمل تسلی آمیز نہیں تھی۔

ہوسپٹل میں صرف ایک یا دو افراد کو رکنے کی اجازت تھی تبھی وحید صاحب اور منیہا ہی رکے تھے، فریال ہرگز عون کو دیکھے بنا جانا نہیں چاہتی تھیں مگر انکی رو رو کر اور کل سے نڈھال ہونے کے باعث طبعیت بھی ٹھیک نہ تھی تبھی وحید صاحب نے انھیں نہال کے ساتھ گھر بھیج دیا تھا۔

تاکہ وہ صبح کچھ بہتر ہو کر واپس آجاتیں۔

پولیس کے اہلکاروں کو بھی آج کے لیے بھیج دیا گیا تھا کیونکہ ڈاکٹرز کے مطابق عون ابھی کوئی بیان دینے کی کنڈیشن میں نہیں تھا۔

منیہا کو بس عون کے پاس جانا تھا اور اسی سلسلے میں وحید صاحب روم سے نکل کر آتے انہی عمر رسیدہ ڈاکٹر سے اجازت چاہنے قریب گئے۔

"ہم کب تک مل سکتے ہیں اس سے، اور کیسی کنڈیشن ہے اب اسکی؟"

ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے سمے وہ بہت بے چین اور فکرمند تھے اور یہی حالت منیہا کی بھی تھی۔

"کنڈیشن اسکی ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے وحید صاحب۔ کڈنی کا مسئلہ ہے مگر ہم تب تک اسکا ٹریٹمنٹ نہیں کر سکتے جب تک اوپری جلد کی انجری ٹھیک نہ ہو جائے۔۔۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ کڈنی کو مزید نقصان نہ پہنچے۔ تبھی اسے کچھ ہفتے انڈر آبزرویشن رکھنا ہوگا۔ زرا سی لاپرواہی اسکے زخم مزید بڑھا دے گی۔ رہی بات ملنے کی تو درد میں کمی کے باعث اسے دواوں کے زیر اثر رکھا گیا ہے۔ غنودگی چھا جاتی ہے بار بار، آپ باری باری مل لیں اس سے، لیکن کوشش کیجئے گا زیادہ باتیں نہ کرے وہ۔ بہت مشکل سے اسکا سفوکیشن کے باعث ہوتا سانس کا مسئلہ کچھ بہتر ہوا ہے، اگر وہ ابھی بات کرے گا تو بہت جلد سانس پھول سکتا ہے جو اسکی موجودہ حالت کے لیے ٹھیک نہیں"

تمام احتیاطی تدابیر سے باخبر کیے وہ وحید صاحب اور منیہا پر اک تسلی آمیز نگاہ ڈالتے واپس چلے گئے اور وحید صاحب نے سرد سا سانس کھینچے اپنے دل کا غبار کم کیا اور مڑ کر بہت زیادہ افسردہ منہیا کی جانب پلٹے۔

جسے بس عون کی ایک جھلک دیکھنی تھی۔

"جاو اسکے پاس، میں یہیں ہوں۔ کچھ بھی چاہیے ہو تو بتا دینا"

رسان سے منیہا کے رخسار تر کرتے آنسو پونچھتے وہ اسے تاکید کیے سامنے روم کی جانب اشارہ کر رہے تھے اور وہ مبہم سا سر ہلائے انکے اشارے کی جانب لپکی۔

وہ سپیشل کیئر روم تھا جہاں ایک نرس عون کا پلس ریٹ چیک کر رہی تھی جبکہ دوسری ڈرپ اتار کر فائل پر کچھ درج کر رہی تھی۔

منیہا نے اندر قدم رکھا تو تکلیف نے جیسے اس کی آنکھیں از سر نو نم کر دی تھیں۔

نرسیں بھی اسے آتا دیکھ کر اپنا کام مکمل کیے روم سے باہر جا چکی تھیں مگر منیہا کے قدموں میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ عون تک جاتی، وہ واقعی اسے یوں دیکھ نہیں پائی تھی، آنسو قطار در قطار اسکی پلکیں بگھوتے بہتے جا رہے تھے۔

اسکی بازو پر بینڈیج تھا جو کندھے سے لے کر کلائی تک نسب تھا، اسے زرا بیڈ کروان اٹھائے لٹایا گیا تھا اور کمر کے ایک طرف نرم سا کشن تھا تاکہ اسکے زخم میں تکلیف کی شدت میں کمی کی جاتی، منیہا نے اپنی تکلیف ہر ممکنہ دبائے اپنے رکے قدم اس مہربان کی جانب موڑے جسکی بند آنکھیں سب سے بڑا دکھ تھیں اسکا۔

زرا پاس آئے اسکے پہلو میں ٹک کر اپنا کانپتا ہاتھ عون کی کشادہ پیشانی پر رکھے، اسکے بال سہلاتی جھکی اور آنکھیں موندے ہونٹوں سے مہر چاہت رقم کی۔

وہ واقعی دواوں کے زیر اثر تھا، ورنہ منیہا کی موجودگی اسے ضرور حواس لوٹا دیتی۔

"ع۔۔عون۔۔۔"

ان بند آنکھوں پر نظر جمائے وہ بہت کرب سے پکاری تھی، اسکے جسم کو ڈھانپتی چادر اسکے برہنہ سینے پر اچھے سے کور کیے وہ وہیں روتی ہوئی اسکے سینے سے جا لگی، اسے بس عون کے پاس ہی تسلی ملی تھی، وہ اسکی چلتی دھڑکن پر شکر گزار تھی، اپنی زندگی اس شخص کے بنا اب سوچنا ناممکن تھی۔

وہ روتی رہی اور اسکے آنسو عون بخاری کے پہلے سے جلتے وجود کو اور جلاتے رہے۔

اسے اتنے سارے زخموں میں مبتلا دیکھ کر منیہا کی جان نکل رہی تھی، چہرہ زرا اٹھائے عون کے چہرے کی جانب تکتی وہ پھر سے آنسو روک نہ پائی جو بیگانہ بنا اسکی موجودگی سے انکاری تھا۔

"آپ ٹھیک ہو جائیں گے، آپکی ہر تکلیف میری ہے ناں۔ک۔۔لچھ نہیں ہو گا آپکو۔۔۔م۔میری ساری دعائیں صرف آپکے لیے ہیں۔ مجھے ایک بار تو دی۔۔۔یکھ لیں عون۔۔۔ک ۔۔کہیں ناں کہ آپکا درد ک۔۔کم ہو گیا ہے"

زیادہ دیر وہ اسکے سینے سے لگی نہ رہ پائی، واپس اٹھ کر اسکا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے عون کی بند آنکھیں دیکھ کر تڑپی، آواز تھی کہ گلے میں ہی گھٹی جا رہی تھی۔

"عون۔۔۔آپ جانتے ہیں ناں میں بہادر ن۔۔نہیں ہوں۔ دیکھیں مجھے کتنا آز۔۔مایا جار۔۔رہا ہے۔ شاید م۔۔میں ہی ان لکی ہوں آپکے لیے۔۔۔ جب سے آپکی زندگی میں آئی ہوں سب برا ہی ہوا آپکے ساتھ۔۔۔۔ہ۔۔ہو سکتا ہے منیہا، عون کے لیے بنی ہی نہ ہو۔۔۔ک۔۔کوئی اگر مجھے یہ بتا دے کہ منیہا آپ کے لیے ان لکی ہے تو میں خود دور ہو جاوں آپ سے۔۔۔م۔۔میری وجہ سے وہ عورت آپکی دشمن بن گئی۔۔۔مم۔۔میری وجہ سے آپ اس حالت تک پہنچے۔۔۔ب۔۔بہت بری ہوں میں۔۔۔"

اس وقت وہ یہ سب سوچنے پر مجبور تھی، وہ عون کے لیے اپنا آپ باعث رنج جان رہی تھی۔

یہ سوچے بنا کہ اگر عون کو یہ سب پتا چلے گا تو وہ اس سے کتنا ناراض ہو گا۔

"ا۔۔ایک بار آنکھیں کھول دیں عون، تا کہ مجھے ص۔۔صبر آجائے، پلیز۔۔۔۔"

وہ اپنے مرمریں ہاتھ کو بڑھائے عون کے چہرے کو چھوئے التجاء کر رہی تھی، اسکی سیاہ بیرڈ تلے بے آواز حرکت کرتے ہونٹ شاید کچھ کہنا چاہتے تھے، اسکی گھنی بند آنکھوں پر چھائی بوجھل پلکیں لرز رہی تھیں، منیہا کے ہاتھ میں جکڑا عون کا ہاتھ بھی حرکت میں تھا۔

"منیہا۔۔۔۔یہ تم ہو؟"

وہ بے آواز ہونٹ اس بار منیہا کو پکار رہے تھے، اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی تھی، اسکے پکارنے پر اپنی جان تک وار دینا چاہتی تھی۔

"جی عون۔۔۔میں یہیں ہوں آپکے پاس۔ آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔۔"

وہ اس وقت غنودگی میں تھا، آنکھیں اس قدر بھاری تھیں کہ کھول پانا مشکل تھا، پھر پورا جسم اسے ایک طرح سلا محسوس ہو رہا تھا، منیہا کو اپنے ہاتھ میں موجود عون کا ہاتھ مضبوط پکڑ کرتا محسوس ہوا تو وہ اداسی کے باوجود مسکرائی۔

اسکی آنکھیں یکدم ویران ہو رہی تھیں۔

"کیا میں زندہ بچ گیا ہوں، م۔میری منیہا میرے پاس ہے۔۔۔۔ مجھے لگا تھا میں تمہیں کبھی نہیں دیکھ پاوں گا۔ آخری بار جب میری آنکھیں بند ہوئیں تو سامنے بس جہنم تھی، آگ تھی منیہا۔۔۔۔ دہکتی آگ۔ مم۔۔مجھے ایسا لگا میں اگلے ہی لمحے جل کر خاک ہو جاوں گا۔۔۔۔"

وہ بمشکل اپنی سوجھی سرخ آنکھیں کھولتا منیہا کا چہرہ دیکھ کر اکھڑے سانس بھرے یہ تکلیف دہ الفاظ کہہ رہا تھا جنکو سننے کی منیہا میں تاب ہی کب تھی۔

وہ بہت تکلیف میں تھا یہ سچ تھا لیکن وہ اسکی کسی اذیت کا فی الحال مداوا نہیں کر سکتی تھی۔

"سب بھول جائیں، کچھ نہیں ہوا۔ معمولی زخم ہیں بھر جائیں گے۔ آپ بہت سٹرونگ ہیں مجھے پتا ہے۔ میری تو جان نکل گئی تھی اس سب سے، آپکی آواز سن کر حوصلہ ملا ہے۔ پریشان مت ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا"

جھک کر اسکے کندھے پر پیار دیتی وہ اسے توجہ اور محبت سے سمجھاتی اسکے چہرے کی تازگی واپس لانے کی کوشش میں اس وقت عون سے کہیں زیادہ بہادر تھی، اسکے ہر زخم کا مرہم تھی۔

"فارس ٹھیک ہے؟ اور وہ عورت۔۔۔ کہاں ہیں وہ منیہا؟"

زرا تکلیف میں کمی پر وہ لاشعور میں اٹھتے شور پر بوکھلا کر منیہا سے پوچھ رہا تھا جو اس کے اس سوال کا جواب نہیں جانتی تھی تبھی عون کو اس پریشانی سے نکالنے کو خود ہی اسکے احساس تک اترے واپس گلے جا لگی۔

عون نے اپنی بازو منیہا کے گرد پھیلائے اسکی خوشبو اپنی سانسوں میں اتاری۔

"فی الحال آپ کچھ مت سوچیں، صرف یہ جان لیں کہ بہت جلد ٹھیک ہونا ہے آپکو۔ آپ نے اپنا پرامسس بھی پورا کرنا ہے سپیشل ٹائم والا۔ اب کچھ برا نہئں ہو گا ہمارے ساتھ۔ میں اب آپکو خود سے مزید دور رہنے کی بلکل اجازت نہیں دوں گی۔۔۔ مہکار اور فارس گئے بھاڑ میں۔۔۔۔۔ سمجھے آپ"

ان دو ناموں سے اس وقت منیہا کو اخیر نفرت محسوس ہو رہی تھی اور وہ اپنے پہلے پہل والے پیارے سے لاڈلے موڈ میں مبتلا پورے حق سے عون کی کھوئی مسکراہٹ لوٹا لائی تھی۔

لیکن عون کا دل بہت ڈرا ہوا تھا، مہکار کے لیے نہ سہی مگر فارس کی اسے بہت فکر تھی۔

"منیہا۔۔۔ صرف فارس کا بتا دو یار"

وہ اسکے خود میں جذب سراپے کو پھر سے یہ پوچھ کر الگ کر چکا تھا، وہ نہ صرف اٹھ کر بیٹھی تھی بلکہ اب برہم بھی تھی۔

"نہیں پتا کسی کا، آپ زخمی حالت میں ملے پولیس کو۔ اسکے علاوہ وہاں سب جل کر خاک ہو گیا تھا۔ باقی آپ کل ان انسپیکٹر انکل سے پوچھ لینا"

برہمی سے وہ یہ اطلاع دیتی اب مزید اداس ہوئی کیونکہ عون بہت پریشان سا ہو چکا تھا۔

"عون۔۔۔ نہیں سوچیں انکا ابھی۔ پلیز۔"

عون کو گہرئ فکر میں غرق دیکھ کر وہ اسکے چہرے کو چھوئے مان سے درخواست کر رہی تھی مگر عون اپنا خوف کسی صورت دبا سکنے پر قادر نہ تھا۔

"ہمممم۔۔ نہیں سوچ رہا۔"

آنکھیں پھر اسکی بھاری ہوئیں اور وہ مبہم سی اقرار کی سعی کرتا آنکھیں موند گیا۔

منیہا نے اس بار منہ بسورے عون کو واپس بے گانہ ہوتے دیکھ کر اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔

اسکے بعد تو وہ صبح تک نہ جاگا، ایک اور کھٹن رات بیت گئی۔

اگلی صبح پہلی فرصت میں جہاں داد اپنے لوگوں کے ساتھ عون کا بیان لینے پہنچ چکا تھا۔

عون نے یہی بتایا تھا کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں ہے، بس اتنا پتا ہے کہ کسی دھماکے کی آواز آئی تھی اور اگلے ہی پل وہ پورا فارم ہاوس جلتی آگ سے بھڑک اٹھا تھا۔

اسنے یہ بھی بتایا کہ وہ دھوئیں کے جمع ہو جانے اور سانس بند ہونے کے باعث بے ہوش ہو گیا تھا اور اسکے بعد اسے کچھ پتا نہیں کہ وہاں کیا ہوا۔

عون نے وہاں فارس اور مہکار دونوں کی موجودگی کی تصدیق بھی کی جس نے جہاں داد کو مزید الجھا دیا تھا۔

مہکار اور فارس شاہ کے حوالے سے ان جلی لاشوں میں کوئی سنپل میچ نہ ہوا تھا جسکا مطلب یہ تھا کہ عون بخاری کی طرح وہ دو بھی زندہ تھے، اور اگر مر بھی گئے ہیں تو اس فارم ہاوس سے یقینا نکل کر مرے ہیں۔

اگلے دو ہفتے میں یہ کیس بھی پچھلے کئی کیسز کی طرح ردی کا حصہ بن گیا تھا، نہ تو پولیس عائش ہمانی کے متعلق کوئی سراغ ڈھونڈ پائی تھی نہ ہی فارس اور مہکار کے متعلق کوئی پکی خبر مل پائی تھی کہ آیا وہ زندہ تھے یا مر گئے۔

دو ہفتے میں عناب کی کنڈیشن بحال ہو چکی تھی اور ڈاکٹر الماس کے مناسب اور ہر ممکنہ ضروریٔ علاج کے باعث وہ بچی موت سے نکل کر واپس زندگی کی جانب لوٹ چکی تھی۔

عون اور عناب ایک ہی دن اتفاق سے ہوسپٹل سے ڈسچارج ہو گئے تھے اور آج ہر دکھ اور تکلیف کو وقتی طور پر بھلائے صرف بخاری ولا میں ان دو پیاروں کی واپسی پر چھوٹی سیٔ تقریب رکھی گئی تھی۔

عناب کا اپنے پیروں پر چلنا ابھی بہت مشکل تھا، اسکی کئیر کے لیے ایک نرس اسکے ساتھ گھر بھی رہنے والی تھی جو عناب کو فزیکل تھراپی دینے کی ذمہ داری لیے اسکے ساتھ آئی تھی۔

عناب کے چلنے میں اسکی ہمت اور لگن بھی علاج جتنی ضروری تھی۔

ابدال کچھ پر سکون تھا کیونکہ عناب اب واقعی بہت بہتر تھی۔

رات تک کاشان ہمانی کی بھی واپسی تھی اور ان دو ہفتوں اس نے واقعی وفا کو دوبارہ کال نہ کی تھی، دوسری طرف میکائیل بھی یہ دو ہفتے پراسرار طور سے منظر سے غائب ہی رہے تھے۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ کاشان ہمانی کی پراسرار نقل و حمل کے پیچھے، میکائیل رضوی کے اوجھل ہونے کے پیچھے اور اس آگ کے بھڑکنے کے پیچھے اور فارس مہکار کے غائب ہونے کے پیچھے کیا راز چھپے تھے۔

وحید صاحب کی کوششیں اور انتظار بھی رنگ لا چکا تھا، دو دن بعد کاشان ہمانی کی وہی فائیٹ بھی ہونے والی تھی جس کا پاس نمبر نور گل کی موت کے بعد ثبوت کی مانند ملا تھا۔

اگر وہ فائیٹ واقعی کاشان ہمانی کی ہوتی تو وحید صاحب سوچ چکے تھے کہ انھیں اب کیا کرنا ہے۔

اتنے سارے دن سے ایزل بھی انڈر گراونڈ تھی، یقیناً اس کے پیچھے بھی کوئی گہرا راز ہی دفن تھا۔

وھاج سکندر اپنی پوری لگن کے ساتھ عناب کی حفاظت کی ذمہ داری دو ہفتے پہلے سے سنبھال چکا تھا، زندگی تھوڑی ہی سہی پر اپنے مدار میں آچکی تھی لیکن اصل قیامت تو ابھی آنی تھی۔

ایگل سائن کے راز سے لے کر پائزن کے اس روز ہر منظر سے واقف ہونے کے قصے تک اور پھر یکدم بھڑکتی آتش کے ظہور پذیر ہونے تک، وہ آگ اپنے اندر کئی راز دفن کر چکی تھی یہ تو واقع تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ وہی جگہ تھی جہاں یو آن کو لایا گیا تھا، خیر دین پچھلے دو ہفتوں سے اس لائے گئے مریض کی دیکھ بھال پر فائز تھا، فارس شاہ کی دونوں ٹانگوں اور گردن پر جلنے کے زخم تھے مگر دو ہفتے کی مکمل دیکھ ریکھ کے بعد نہ صرف فارس شاہ بہتر تھا بلکہ حکیم صاحب نے اسکے جلد ہوش میں آنے کی خبر بھی سنائی تھی۔

کسی گہری سر پر لگتی چوٹ کے باعث فارس ہوش میں نہیں آپایا تھا، اسکے ماتھے پر لگا بینڈیج اسکی ابتر حالت کا ترجمان تھا۔

کمرہ بہت کشادہ، ہوادار اور ملگجی سی روشنی سے مزین تھا، باہر شام اتر رہی تھی جس نے اس الگ تھلگ آباد گھر کے چاروں طرف سوگواری پھیلا رکھی تھی۔

آخر دو ہفتے کی لمبی بے گانگی کے بعد فارس شاہ کے پتھر وجود میں حرکت ہوئی تھی، خیر دین جو حکیم صاحب کی بتائی جڑی بوٹیاں اک کونے میں بیٹھے کوٹ رہا تھا، کسی کراہنے کی صدا پر متوجہ ہوئے اپنی جگہ سے نا صرف اٹھا بلکہ فکر مندی سے بستر پر لیٹے حواس بیدار ہونے پر جاگتے فارس شاہ کی جانب جھکا، رسان سے اپنا ہاتھ بڑھائے اسکی پیشانی چھوئے تاپ میں کمی پر رب کا شکر بجالایا۔

فارس شاہ نے کئی دن سے اپنی بند آنکھیں کھولیں تو زرا سی روشنی سے بھی چندھیا گئیں، اسے سر میں شدید درد محسوس ہوا جسکے باعث وہ اپنا ہاتھ اپنی کن پٹی تک لے گیا۔

" آرام کریں بھائی، ابھی آپکو لیٹے رہنا ہے۔ اللہ کا شکر ہے آپ ہوش میں آئے"

فارس نے حواس واپس آتے ہی خود کو اس اجنبی جگہ پایا تو درد کے باوجود اٹھنے لگا جس پر خیر دین نے اسے لیٹے رہنے کی تاکید کی۔

وہ فارس کے چہرے سے اسکی کیفیت کا اندازہ لگاتا سادہ لوح آدمی اب پانی گلاس میں ڈالے دوبارہ پاس بیٹھا مگر فارس کے لاشعور میں بھڑکتی آگ اسکی متورم آنکھوں میں خوف لے آئی۔

"کون ہو تم؟ میں یہاں کیسے آیا۔ عون اور مہکار کہاں ہیں۔۔۔۔ مجھے جانے دو انکو بچانا ہے۔۔ ہٹو"

ہوش لوٹتے ہی وہ کرب سے اپنے آپ کو بمشکل بیڈ سے اٹھنے کی کوشش میں واپس لڑکھڑایا تو خیر دین نے اسے سہارہ دیے واپس بٹھایا۔

زبردستی ہی سہی مگر پانی پینے پر اصرار کیا جس پر فارس بس ایک گھونٹ بھرے ہی گلاس ساتھ دھری میز پر پٹخ گیا۔

اسکا اس وقت تکلیف اور رنج سے پانی بھی حلق میں آن اٹکا تھا۔

"میرا نام خیر دین ہے، ایسا سمجھیں آپکا بھائی ہوں۔ رہی بات اس حادثے کی تو اسے دو ہفتے بیت گئے ہیں۔ فکر نہ کریں، مہکار اور عون دونوں ٹھیک ہیں"

خیر دین سے ملتی اس خبر نے فارس کی الجھن مزید بڑھائی، وہ اسے اجنبیت سے تکتا یہ یقین نہ کر پایا کہ واقعی اس جہنم سے وہ تینوں بچ نکلے تھے۔

"تم کون ہو۔۔۔ وہاں تو آگ لگ گئی تھی۔ پھر عون اور مہکار کیسے بچے۔۔۔ خدا کے لیے مجھے بتاو کس نے جان بچائی ہماری۔۔۔۔ دیکھو میرا سر پھٹ جائے گا مجھے بتاو"

وہ اپنے دماغ میں لپکتی آگ جھٹلا نہ پایا اور جس طرح تڑپ کر خیر دین کو اکسا گیا وہ بھی فارس شاہ کی اداسی پر اتنا بتانے کا فیصلہ لے چکا تھا جتنا بتانے کی اسے اجازت دی گئی تھی۔

"میں انہی کا خاص آدمی ہوں جنہوں نے آپکے بیٹے یو آن کی جان بچائی تھی، انہی کے لوگ آپکو اور مہکار کو بچا کر لائے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ عون صاحب کو بھی انکے آدمی آگ کی لپیٹ سے نکالتے، پولیس پہنچ آئی تھی۔

تبھی انکے آدمی باہر ہی رک گئے تھے، جہاں داد صاحب اور انکی ٹیم نے عون صاحب کو وہاں سے نکال لیا تھا اور آپکی پریشانی ہٹانے کو بتاتا چلوں کہ عون صاحب نہ صرف بہتر ہیں بلکہ وہ اپنے گھر تندرست ہو کر جا چکے ہیں"

خیر دین یہ سب دھماکے ایک ساتھ کرتا فارس کو سکتے میں غرق کر چکا تھا، اسے لگا وہ دوسرا سانس نہیں لے پائے گا۔

"اور مہکار کہاں ہے؟" فارس کی بیقراری دیدنی تھی۔

"انکے بارے بس اتنا پتا ہے مجھے کہ وہ آپ سبکی زندگیوں سے نکل گئی ہیں۔ وہ ٹھیک ہیں لیکن اس ملک میں نہیں ہیں۔ امید ہے یہ خبر آپکی تسلی کو کافی ہو گی"

خیر دین نے اتنا سب بتا دیا تھا جو اسے میکائیل رضوی نے بتانے کا کہا تھا، فارس کے چہرے پر تکلیف تھی، کرب سا تھا۔

وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ انسان کون ہے جو انکی زندگیوں کو بچا کر خود سامنے آنے سے گریزاں ہے۔

"وہ انسان۔۔۔ کیا میں ان سے مل سکتا ہوں۔ مجھے جانا ہے بھائی۔ مجھے عون سے ملنا ہے۔۔۔ مجھے اپنے بیٹے کو دیکھنا ہے۔ وہ میرے لیے پریشان ہوں گے"

فارس کچھ دیر اپنی درد دیتی سوچوں میں مبتلا رہا اور پھر بے تابی سے خیر دین کو تکتا بولا جو جواب میں بس خفیف سا مسکرا دیا۔

"معاف کر دیں بھائی، مجھے نہیں لگتا آپ ان سے مل سکیں گے۔ رہی بات آپکے جانے کی تو انکا حکم ہے جب تک آپکے زخم بلکل بھر نہ جائیں۔ آپ یہیں رہیں۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتایئے گا۔ مجھے اپنا بھائی ہی سمجھیے"

خیر دین کا کمال طریقے سے ٹالنا اور پھر نرمی اور مہربانی کے سنگ اسے کہتے ہوئے لیٹ جانے کا کہنا سب فارس کو تھوڑا سہی پر پریشانی سے نکال چکا تھا۔

عون ٹھیک تھا یہ اسکی اولین تسلی تھی اور کہیں دل میں مہکار کے سلامت ہونے نے بھی اسے شانت سا کر دیا تھا۔

وہ لیٹتے ہی بھاری سر اور دکھتی آنکھوں کے باعث اپنی آنکھیں موند چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اللہ کا شکر ہے خوشی کے دن تو آئے، ماشاء اللہ ایک تو تمہارے اور کاشان کے پیرنٹس بننے کی خبر اور پھر تمہاری بھتیجی عناب اور بھتیجے عون کی خیر و عافیت سے گھر واپسی۔۔۔۔"

رات کی تقریب کے لیے زویا بھی مدعو تھی مگر نا جانے کیوں وہ جانے سے منع کر گئی، کئی دن سے وہ میکائیل کے کہے الفاظ میں جکڑی ہوئی تھی، اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر وفا اور کاشان کے لیے وہ جی جان سے خوش تھی۔

پچھلے ہفتے ہی وفا کی زیادہ بگھڑتی طبعیت پر زویا کو اسکی حالت کا ادراک ہوا، یہ لمحہ کتنا پیارا تھا کہ وہ اسے لفظوں میں بیان ہی نہ کر سکتی تھی۔

اپنی ساری الجھنیں بھلائے وہ وفا کی دیکھ بھال بلکل ویسے کر رہی تھی جیسے وہ وفا نہ ہو اسکے لیے اسکا کاشان ہو۔

تقریب چونکہ رات کی تھی تبھی وفا ہلکے سے کام والا جوڑا پہنے تھوڑا سا تیار ہوئے زویا ہی کہ کہنے پر لپ سٹک ڈارک کر رہی تھی کیونکہ بقول زویا اس پر گہرے رنگ کی لپ سٹک خوب جچتی تھی۔

وفا بھی بے دلی سے تیار تو ہو گئی تھی مگر اس سے پہلے مڑ کر زویا کو جواب دیتی، دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے خفیف سی مسکراہٹ سجا کر اپنی جانب دیکھتے اس سفاک، ظالم اور سنگدل پر نگاہ پڑتے ہی وہ خفیف سی تلملائی، خود زویا چونکی، مڑی تو سامنے اپنا شیر دیکھائی دیا۔

"اوہ۔۔۔ کیا سہی ٹائم پر انٹری دی ہے فیوچر کے بابا جانی نے۔۔۔۔ یہاں او بت تمیز۔۔۔ باپ بننے والے ہو، گلے لگو۔ اب تھوڑی شرم کر لینا، خبر دار جو تم نے وفا کو اتنا سارا بھی اداس کیا۔ چلو ریڈی ہو اور وفا کے ساتھ جاو تقریب پر۔۔۔ تب تک میں فریش جوس لاتی"

زویا سارے لحاظ بالائے طاق رکھتی اس گبر والے اسٹائیل سے کاشان کو گلے لگائی ساتھ ساتھ ڈپٹی کہ وہ تو ہنسا ہی ساتھ میں کن آکھیوں سے اس دل کش روٹھی حسینہ کو بھی دیکھا جو کاٹ کھانے جیسے تیور لیے واپس آئینے کی جانب مڑ چکی تھی۔

ہمیشہ کی طرح وہ مسکراتی زویا کی جبین چومتا آنکھ کے اشارے سے سرخ آلارم والا پوز دے چکا تھا جس پر زویا بھی شریر سا ہنستی بوتل کے جن کی طرح کمرے سے غائب ہوئی۔

وہ رخ موڑے، بے نیاز بنی، روٹھی ہوئی، اپنی دن بدن بدلتی طبعیت سے بیزار سی وفا اس وقت سادہ ہو کر بھی کاشان ہمانی کے سارے حواس جامد کر چکی تھی۔

گرے شرٹ اور بلیک جینز کے ساتھ جیکٹ جمائے وہ قدرے الگ خلیے میں خوشبوؤں کے حصار میں لپٹا کب قدم بڑھائے وفا کے پیچھے جا کھڑا ہوا، وہ تو سانسوں میں اترتی خوشبو پر بوکھلائی۔

نگاہیں ناراضگی سے بھرے آئینے میں دیکھائی دیتے اس ظالم کو دیکھا جو آہستہ سے اپنی بازوؤں کو وفا کی کمر میں حائل کرتا پیٹ پر باندھے اسکے کھلے آبشار سے سنہری مائل بالوں کو چومتا انکی خوشبو سونگھتا اسکی کمر اپنے سینے سے لگا گیا جو اب بھی نظر جھکائے خفا اور بہت سارا ناراض تھی۔

"میں نے بہت مس کیا تمہیں، بے حد"

وفا کی گال پر ہونٹوں کو سہلائے بے خود سی سرگوشی کی گئی اور اس جان لیوا حرکت پر بھی وہ ویسی ہی پتھر رہی۔

"لیکن میں نے نہیں کیا تمہیں، اور دور رہو مجھ سے۔۔۔ دو ہفتے تم نے مڑ کر پوچھا بھی نہیں۔ جھوٹے ہو تم۔ تم تو تب بھی اپنے کام کرنا جب وفا مر رہی ہو گی"

کچھ دیر اسے اپنے قریب محسوس کیے وہ اپنے اندر ہمت واپس بھرے نہ صرف پیٹ پر باندھے اسکے مضبوط ہاتھ جھٹکے سے کھول گئی بلکہ سخت لہجہ اور درد بھرے انداز میں اس پر برستی اسکے حصار تک کو جھٹک گئی، وہ اتنا مضبوط مرد وفا کے دھکیلنے پر جان بوجھ کر دو قدم پیچھے ہٹا اور حیرت اور صدمے سے وفا کی ناراض آنکھیں پھر سے دیکھیں۔

"وفا ایسے نہیں کرتے، پہلے میری بات سنو"

اسے اس ظالم جن زاد کی سی کیفیت سے بہت پیار اور لاڈ سے نکالتا وہ اسکے سراپے کو اپنی جانب کھینچے اسکی گال جو اک آوارہ آنسو سے بھیگ گئی تھی، انگوٹھے سے سہلائے دوسری بازو سے پکڑے اپنے سینے سے لگا لیا۔

جانتا تھا اسے اس وقت صرف اسی پناہ اور اسی آغوش کی ضرورت تھی۔

اور وہ بھی اس ایک جان لیوا جھٹکے سے شانت ہو گئی، اسکے پہاڑ وجود میں دبک کر اس روح سہلاتی گرفت میں آہستہ آہستہ سانس بھر رہی تھی۔

یہ اتنے دن بعد کی رسائی، نرم گرم سی لمس کی سوغات نے اک الگ ہی فسوں طاری کیا تھا، وہ جب ایک دوسرے کے قریب ہوتے تو یہ ماحول، یہ لمحے ان دونوں پر ایک سے بھاری ہوتے۔

"مجھے خوف آرہا ہے وفا، تم تو میرے بنا اک دن نہیں جی سکو گی یار۔۔۔ اتنا عادی کیوں ہو رہی ہو کہ یہ بھی یاد نہیں رہتا میرے قریب کہ ناراض ہو"

وفا کی دھڑکنوں کو بنا رکاوٹ محسوس کیے وہ اسکی کمر سہلائے آزردگی سے سرگوشی کر رہا تھا اور وہ لمبا سا سانس کھینچے اسکے حصار سے نکلی اور ساتھ میں اپنی روئی روئی آنکھیں چرانے کو پلٹ بھی گئی۔

"اچھا کیا یاد دلا دیا، ناراض ہوں۔۔ بہت بہت بہت۔۔۔۔ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔۔۔ تم میرے بنا خوش رہو گے یہ نظر آرہا ہے۔۔۔ تم مجھ سے تنگ آگئے ہو ناں۔ تبھی تم چاہتے میں تم سے نہ محبت کروں نہ عادت بناوں۔۔ میں تمہیں اپنا نہ کہوں، میں تمہارے دور ہونے کے ظلم بھی چپ چاپ سہوں۔۔۔"

کاشان کو اسکی رندھی آواز اور یہ باتیں سن کر واقعی ایسا لگا جیسے وہ سانس لیتی لیتی کسی بھی پل سانس لینا چھوڑ دے گی۔

وہ اتنا سب سوچے بیٹھی تھی، اور وہ سمجھ رہا تھا وہ اسے ایک بار گلے لگا کر منا لے گا لیکن آج تو معاملہ بہت نازک لگ رہا تھا۔

"اور کچھ؟"

پیچھے سے چلتا ہوا وہ عین ڈریسنگ کے ساتھ ٹک کر وفا کی فرار کرتی ہستی ایک بار پھر قید کرتا اپنے مقابل کھڑا کر چکا تھا، وہ اب رو نہیں رہی تھی بس نظر اٹھا کر دیکھ نہیں رہی تھی۔

ناخنوں سے ڈریسنگ میز کو کھرچنا شاید اسکا من پسند شغل تھا اس وقت۔

"اور بہت کچھ، تم میرے معاملے میں پہلے دن کی طرح بے حس ہی ہو۔ میں نے روٹھ کر کال کاٹی، تم نے شکر منایا ناں۔ کہ چلو جان چھوٹی۔ سچ ہے ناں، تم مجھے ایک لمحے میں توڑ گئے اور تم نہیں جانتے یہ۔ میں نہیں بولنا چاہتی۔۔۔ ناراض ہوں تم سے، تم نے مجھے اتنا اگنور کیا۔۔ کیا میں فالتو ہوں، کیا میری یہ اہمیت ہے تمہارے سامنے۔۔۔۔ اب تم یوں آکر مجھے کمزور کر رہے ہو، سب جانتے ہو کہ کیا حالت ہے میری پھر بھی وہی کرتے ہو جو مجھے تکلیف دے"

آنسو بمشکل روکتی وہ خود بھی نہ جانتی تھی کہ کیا کر رہی ہے، کاشان کی ہیزل گرے آنکھیں مسکرا رہی تھیں لیکن کہیں پس پردہ وہ واقعی تکلیف میں بھی تھا۔

اس نے وفا کو واقعی اپنے سوا کسی کا نہ چھوڑا تھا، وہ خود کو اس لمحہ بہت ظالم جان رہا تھا۔ وفا ایک ایک حرف کھرا کہہ رہی تھی، اسے بے جان کر رہی تھی۔

"اور۔۔۔۔"

اسکی بھیگی پلکیں انگلی کی پور سے چھوئے پھر سے وہ اسکی شکوہ کناں آنکھیں کھوجتا بولا۔

ماتھے پر بکھری چند لٹیں بھی کاشان نے کھوئے کھوئے انداز میں وفا کے کان کے پیچھے اڑیسیں۔

وفا روہانسی ہوئی۔

وہ اسے برا آزما رہا تھا۔

"اور یہ کہ تم ظالم حد تک ایڈیکٹیو ہو، آئی کانٹ افورڈ"

یہاں بھی وہ بے چین تھی تبھی اسکی نظروں کے حصار سے نکلتی بیڈ کی جانب بڑھی اور اپنا وہاں رکھا نیٹ کا دوپٹہ اٹھائے اپنے کندھے پر ڈالے بال کمر پر واپس ڈالے جب مڑی تو وہ اسکے بلکل مقابل کھڑا اسے چونکا گیا تھا۔

"اب میری بات سنو، میں پچھلے دو ہفتے سے عائش کے پیچھے خوار ہو رہا تھا۔ مجھے خبر ملی تھی کہ وہ ڈینمارک میں نظر آیا ہے۔۔۔ اسی کے پیچھے گیا تھا۔ وہ مجھے ملا تو سہی لیکن۔۔۔۔۔"

وفا کا بہت ہی اداس چہرہ اپنے گرم حدت پہنچاتے ہاتھوں میں بھرے پہلے تو اسکی روئی روئی ناراض آنکھیں باری باری چومیں اور پھر وہ سچ کہا جسے سن کر وفا بھی صدمے میں اتری۔

"لیکن۔۔۔۔"

وفا سب بھولے بیقراری سے بولی۔

"لیکن وہ ایک مینٹل اسائلم میں کئی دن سے موجود ہے، مجھے لگا میں اس تک پہنچ جاوں گا لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ وہ نہ صرف وہاں شناخت بدلے مقیم ہو چکا ہے بلکہ اسکے پیچھے اس شہر کی ایک بڑی طاقت کا ہاتھ شامل ہے۔ وہ وہاں چالیس گارڈز کی نگرانی میں زیر علاج ہے۔۔۔ اسے دیے میرے زخم اسے اپاہج کر چکے ہیں کہ وہ تاعمر نہ تو اپنا ایک ہاتھ ہلا سکتا ہے نہ دونوں ٹانگیں لیکن اسکے مینٹل اسائلم ہونے سے ایک بات یقینی ہے کہ اس مردود کی عبرت اتنے زیادہ بچاو کے باوجود شروع ہو چکی ہے"

کاشان کے انکشافات پر وفا ہونق رہ گئی، اسکے وہم وگماں میں بھی نہ تھا کہ کاشان اس کو ایسی وجوہات بھی دے سکتا ہے۔

"تو اب کیا ہو گا، اسے سزا کیسے ملے گی۔۔۔ اس نے جو عناب کے ساتھ کیا یہ سزا بہت کم ابھی بھی"

وفا کو غائبانہ ہی اس ملعون کے لیے نفرت محسوس ہوئی تو وہ برملا کہہ بھی گئی۔

"اسے سزا شاید اب وقت ہی دے گا، میں نے اپنا اثرورسوخ استعمال کیے اسکی میڈیکل رپورٹ نکلوائی تھی۔ کسی طرح اسکے گرد نافذ سیکورٹی کے پیچھے کی وجہ بھی بہت تلاشی لیکن کچھ پتا نہ چلا۔ یہ سب تمہیں اس لیے بتایا کہ پہلے تو تم یہ سب تکلیف ختم کرو دوسرا تم عائش کے ساتھ میرے سلوک کی سچائی جانتی ہو۔ مجھے اس معاملے کو اب چھوڑنا پڑے گا کیونکہ اب یہ میری پہنچ کا کام نہیں رہا۔ عائش ہمانی کی سزا اسکا اپنا اپاہج وجود دے گا اسے۔ اسکی خوشی اور تسلی ضرور ہے۔ اور یہ سب باتیں ہمارے ہی بیچ رہیں گی"

وفا کی ساری ناراضگی تو اڑن چھو ہو ہی گئی تھی پھر وہ کاشان کی اس کوشش پر مزید اس پر فدا ہوئی تھی، وہ یہ سب عناب کو انصاف دلانے کے ساتھ ساتھ شاید اپنے لیے بھی کر رہا تھا۔

عائش اپنی زندگی کا پچھلا سب اس مینٹل ڈس آرڈر کے باعث فراموش کر چکا تھا اور اصل ٹاسک پائزن کا یہی تھا۔ اب اسے اس بات کی فکر نہیں رہی تھی کہ اسکے پائزن ہونے کی حقیقت وہ مردود کہیں بھی اوپن کر سکتا تھا۔

اسکے علاوہ اس نے ایک اور اپنی زندگی کا بڑا فیصلہ بھی کیا تھا جس پر وہ فی الحال نہ سوچنا چاہتا تھا نہ اس فیصلے کی کڑواہٹ سے اپنے اور وفا کے یہ انمول ساتھ کے لمحے کڑوے کرنا چاہتا تھا۔

"ہمم۔۔۔ آئی ایم سوری، میں نے تمہیں شکووں کی پوری لسٹ سنا دی۔ پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے مجھے"

اپنے کچھ دیر قبل کے باولے پن اور جذباتی رونے دھونے پر وہ شدید پشیمان تھی لیکن کاشان نے وہ سب خاصا انجوائے بھی کیا تھا۔

"وفا۔۔۔ مجھے اپنی کمزوری مت بناو۔ مجھے اپنے دل میں رکھو۔ حواسوں پر حاوی مت کرو۔ مجھے اپنی نہیں، تمہاری تکلیف سے مسئلہ ہے۔ مجھے پتا ہے تم بہت اٹیچ ہو گئی ہو مجھ سے لیکن اٹیچمنٹ چاہے کیسی بھی ہو مجھ سے لگا کر نقصان کرو گی اپنا"

وہ وفا کا دکھ سے ازبر چہرہ تکتا اسکی بہت کچھ کہتی بے بس آنکھوں میں جھانکتے بہت پیار سے سمجھا رہا تھا اور وہ اس معاملے میں بہت جنونی سی ہو گئی تھی۔

"آئی ایم ہیلپ لس، میں کیا کروں مجھ سے نہیں رہا جاتا تمہارے بنا"

اپنے باعث اس نازک سی وفا پر اتنا ظلم اسکی آنکھیں دہکا گیا، اسے بہت زیادہ خوف آیا۔

دل نے شدت سے لرز کر کسی ان انہونی کا پیغام دیا تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ وہ خود وفا سے دور ہونے پر جی نہیں سکتا تھا، لیکن اسے اپنے جذبات پر قابو پانا آتا تھا لیکن وفا اس معاملے میں کمزور تھی۔

وہ بلاشبہ ایک بہادر اور مضبوط لڑکی تھی لیکن صرف کاشان وہ واحد تھا جسکے لیے اب وہ کبھی بھی جھک سکتی تھی۔

"اور اگر ہم دور ہو گئے ہمیشہ کے لیے؟"

وہ اسے مزید آزمانا چاہتا تھا تبھی اسکے چہرے کو تکتا، اسکی ناراض ہوتی آنکھیں کھوجتا بولا۔

"تم ہمیشہ دور ہونے کی بات کرتے، مجھے تکلیف ہو گی اب جب بھی یہ پوچھو گے۔۔۔ سب لوگ ساتھ رہتے تو ہم کیوں نہیں، ہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جو کبھی الگ نہیں ہوتے۔۔۔ بس"

وہ روٹھی ہوئی اسکے سینے سے جا لگتی معصومیت سے اپنی خواہش تو کہہ گئی لیکن وہ کاشان ہمانی کی آنکھوں میں بجھتی روشیاں دیکھنے سے چوک گئی۔

وہ خود پر مسکرایا تھا، دردناک سا۔

"کاشان بولو ناں کچھ"

بے جان سے اپنے گرد کاشان کی بازووں کو حائل محسوس کیے وہ اسکی چپ پر خوفزدہ تھی تبھی دھیمی سی پکاری۔

"کیا بولوں، اس قابل چھوڑتی ہی نہیں ہو"

اسکے بالوں کو سہلائے نرمی سے جوابی سرگوشی کی تھی، وہ نا جانے کیوں تھوڑا اداس سا تھا۔

"کہو ناں کہ ہاں ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا، آمین کہو"

وہ اسکے پاس واقعی ایک چھوٹی بچی بن جاتی تھی، اس بار وہ وفا کے مشورے پر خوبصورت مسکرایا۔

"وفا، تم جتنی قریب آ رہی ہو۔ تمہیں خود سے دور کرنا اپنی روح نکال دینے سا ہو گا۔ یا اللہ، یا تو تاعمر میرے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھیے یا پھر مجھے موت دے دیں۔ زمینی جدائی نہ دیجیئے گا، سن لیں مجھے اس کے معاملے

میں مت آزمائیں۔۔۔۔۔ لیکن کیا خبر، یہ پاگل ہی تو سب سے پیاری ہے مجھے ۔۔۔اور پیارے لوگ تو راہ نجات میں وارنے پڑتے ہیں"

وہ چپ چاپ اسکی موجودگی محسوس کیے آزردہ سا ہوئے بنا کوئی حق جمائے ہی اس سے دور ہوا، وفا نے آس سے اپنی تشنہ نگاہیں کاشان پر ڈالیں۔

"چلتے ہیں، باقی باتیں رات میں۔ ابھی عون اور عناب کی صحت یابی کی تقریب اہم ہے۔ لٹس گو"

شاید وہ کمزور پڑ گیا تھا تبھی بات اور حالات ٹال کر وفا کو بھی سب بھلا دینے پر آمادہ کیے مسکرایا۔

وفا اداس تھی مگر کاشان کے کہنے کو ٹالنا اسے ٹھیک بھی نہ لگا تبھی اسکے ساتھ ہی بخاری ولا جانے کو کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"نور گل کا ایک اور اکاونٹ ملا ہے ہمیں، پرسوں تک اسکی بھی تمام ڈیٹیلز آپ تک پہنچ جائیں گی۔ امید ہے پرسوں کا دن پائزن کی حاکمیت کا آخری دن ہو گا"

نور گل کے پرانے اکاونٹ میں موجود تمام معلومات بہت ہوشیاری سے غائب کروادی گئی تھیں، اپنے خلاف موجود ہر ثبوت کو پائزن کے ہیکرز جلد یا بدیر ڈیٹکٹ کر لیتے تھے مگر اپنی موت سے پہلے نور گل جگہ جگہ پائزن کے خلاف ثبوت گاڑ چکا تھا۔

وحید صاحب کے سٹاف میں سے ہی ایک لڑکے نے انھیں یہ خبر دی جب وہ اس معاملے میں خود کو بہت بے بس محسوس کر رہے تھے۔

پچھلے دو ہفتوں کے بیچ انکے سٹاف کی ان تھک محنت رنگ لا چکی تھی، وہ کئی مشکوک غنڈوں، کرائے کے قاتلوں سے جیلوں میں جا کر خود مل کر آئے تھے۔ جہاں داد نے اس معاملے میں انکی پوری سپورٹ کی تھی مگر وہ پائزن کے حوالے سے وحید صاحب کے شک کی نفی کر چکا تھا۔

اسے نہیں لگتا تھا کہ پائزن جیسے عفریت کے پیچھے کاشان ہمانی ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف عون نے جب گھر واپس آتے ہی اس ایگل نشان کے بارے میں وحید صاحب کو بتایا تو وہ مزید پریشان ہوئے تھے۔

پھر عون نے اپنی ای میلز چیک کیں جس پر ایک خبر ای میل کی صورت اسے موصول ہوئی تھی۔

جس میں فارس شاہ کی خیریت کی خبر درج تھی اسکے علاوہ اس ایگل سائن کی میسٹری بھی وافع کی گئی تھی۔

"یہ ایگل فورس، پائزن کے انڈر ورک کرتی ہے بابا، اسکا مطلب ہے یو آن اور فارس کو بچانے والے دونوں ہی پائزن کے ساتھی ہیں۔ اور یہ جو کوئی بھی مجھے پاگل کر دینا چاہتا ہے"

اس وقت وہ بابا ہی کے روم میں اپنے ہاتھ میں پکڑے لیپ ٹاپ کو انکی سٹڈی ٹیبل پر رکھے یہ سب بتاتا آخر تک کوفت زدہ ہوا۔

جبکہ وہ قدرے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔

"تم اس سب سے دور رہو عون، میں یہ معاملہ خود دیکھوں گا"

اسکی تمام تر باتیں سن کر وہ قطعیت لہجے میں بھرے اٹھے اور عون کو تنبیہہ کی لیکن وہ اس معاملے کو چھوڑنے پر ہرگز آمادہ نہ تھا۔

"بابا، مجھے فارس نے بتایا تھا کہ یہ پائزن ہی کی طرح کی کوئی طاقت ہے۔ ایم شیور ان دو کا گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ آپ اکیلے اس جنگ کو نہیں لڑ سکتے۔ ہو سکتا ہے یہ انفارمیشن مجھ تک ایزل نے پہنچائی ہو۔۔۔ وہ بھی فارس کی طرح ہی پائزن کی آرمی کا حصہ ہے۔ میں آپکو اکیلے یہ سب ہینڈل کرنے نہیں دے سکتا"

عون کے زخم ابھی بھی مکمل بہتر نہ تھے اور آج ہی وہ ہوسپٹل سے آیا تھا، آرام کرنے کے بجائے وہ اس معاملات میں پھر سے گھس کر وحید صاحب کو بھی فکر مند کر رہا تھا۔

"عون۔۔۔ آج تم ہوسپٹل سے آئے ہو اور آتے ہی تم نے وہی جذباتی حرکتیں شروع کر دیں۔ تحمل رکھو۔ مجھے پرسوں تک کا وقت دو۔ اگر میں ایک بار پھر ناکام ہوا تو اس معاملے سے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو جاؤں گا۔ جاؤ تم، باہر جو تقریب ہونے والی ہے وہ تمہارے اور عناب کے لیے ہے۔ فی الحال ان فضولیات سے نکل کر اپنی زندگی پر توجہ دو۔ پہلے ہی منیہا اور تم بہت کچھ سہہ چکے ہو۔ یہ وقت صرف اپنی ازواجی زندگی کو دو۔۔۔ سمجھ رہے ہو ناں"

وہ عون پر مزید کوئی آنچ نہیں سہہ سکتے تھے، تبھی بہت آرام سے اسے سمجھا تو گئے لیکن وہ سر پھرا تھا اور اتنی آسانی سے سیدھی بات کب سمجھتا تھا۔

خفا ہو کر بابا کو دیکھنے سے اسکی اندرون کیفیت ظاہر تھی۔

"بابا اس وقت اور کئی معاملات ہیں جو توجہ چاہتے، پہلے ہی اس حادثے کی وجہ سے اتنا وقت برباد ہو گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ ایک کے بعد ایک ناکامی اور مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹ رہی۔ کیس بھی اٹک کر رہ گئے، نہ تو کوئی پیش رفت ہوئی نہ پولیس کچھ سراغ لگا پائی۔ اس سچویشن میں آپ مجھے سکون سے رہنے کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں، میں جب تک فارس کو نہ ڈھونڈ لوں۔ سکون سے نہیں بیٹھوں گا"

ہٹ دھرمی سے اپنے حتمی فیصلے سے آگاہ کرتا وہ اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے طوفان بنا کمرے سے نکل گیا اور وہ گہرا سانس بھر کر اسے جاتا دیکھتے رہ گئے۔

جو قیامت وہ دیکھ رہے تھے اس نے انکی بصارت پتھرا کر رکھ دی تھی۔

عون اسی مشتعل اور بے بس انداز سے کمرے میں آیا تو منیہا جو اسکا سوٹ نکال رہی تھی، عون کو اتنا برہم اور کسی الجھن میں دیکھ کر فوری کپڑے وہیں بیڈ پر رکھے اس تک آئی جو صوفے پر بیٹھا سر ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھا۔

"کیا ہوا ہے عون؟ غصہ کیوں ہیں"

اتنے دن بعد وہ واپس آیا تھا، وہ کتنی خوش اور کھل سی گئی تھی، گویا عناب اور عون کی بخاری ولا واپسی نے ہر طاری جمود ختم کیا تھا لیکن عون کی بھیانک سی چپ منیہا کو خوفزدہ کر رہی تھی۔

نیوی بلو شارٹ فراک اور ٹائیٹ کے ساتھ گلے میں رول کیا اسکارف لیے وہ بالوں کو کھلا چھوڑے آج خود بھی بہت دن بعد تیار ہوئی تھی۔

"نہیں ہوں، بس کچھ سوچ رہا ہوں"

منیہا کی جانب تکتا وہ اپنا ہاتھ بڑھائے جواز دیے اسے اپنے ساتھ ہی بیٹھائے جو دبھی زرا ترچھا ہوئے بیٹھا، وہ منیہا کو مزید کوئی پریشانی سونپنا نہیں چاہتا تھا۔

"سوچنے کے لیے بہت وقت ہے، آج تو کم از کم سمائیل کر دیں۔ اتنے دنوں بعد تو ہمارے گھر دکھوں کی چھائی فضا کچھ ہٹی ہے۔ سب جینے کی کوشش کر رہے ہیں"

وہ بھی چاہتی تھی اب زندگی نارمل ہو جائے، ایک کے بعد ٹوٹتی ایک قیامت بہت آزما چکی تھی۔

اس شخص کے انگ انگ میں اترتی تھکن، منیہا کے ساتھ سے کم محسوس ہونے لگتی تھی۔

لیکن وہ بھی کیا کرتا، ذہن و دل نہایت منتشر تھے، قیامت سہہ لینے کے بعد اسکی تباہ کاری شخصیت پر ثبت ہو چکی تھی۔

"کیسے مسکرا سکتا ہوں منیہا، زندگی نے مسکرانے کے سارے اختیار اپنے پاس رکھے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تمہیں ایسی بے سکونی دیتا۔ کچھ بھی تو نہیں کر سکا اب تک تمہارے لیے، نہ کوئی خوشی دے سکا نہ ایک مکمل دن اپنے ساتھ کا۔۔۔ آئی ایم سوری، میں تم سے بہت شرمندہ ہوں"

اعصاب پر اترتے حادثوں کے زخم ہرے تھے، وہ واقعی منیہا کے سامنے مجرم سا بنا ہوا تھا، ذہن و دل اک افراتفری سے ہمکلام تھے۔

"آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں عون، م۔۔ میں بہت خوش ہوں آپکے ساتھ اور آپکے پاس۔ یہ سب ایسے ہی لکھا تھا ناں۔ اب تو سب گزر گیا۔ آپ اب بہت بہتر ہیں۔ پھر ایسا برا اور اداس اداس کیوں بول رہے، مم ۔میں رونے لگ جاوں گی"

ان جھکی پلکوں پر اٹکی شبنم نے عون کو مزید رنج دیا، وہ تو پہلے ہی رو دینے کے قریب تھی، جیسے بات ملتے ہی اپنے آنسو بے مول کرنے تھے۔

"میں چاہتا تھا اپنے اور تمہارے ساتھ کا ہر لمحہ محبت سے بھر دیتا لیکن اب تک صرف تمہارے آنسو ہی دیکھے ہیں، مجھے ڈر ہے تم مجھ سے اور میری محبت سے تھک نہ جاو۔۔۔"

آزردگی سے منیہا کی گال تر کرتے آنسو انگوٹھے کی پور سے جذب کیے وہ مزید ستم ڈھا رہا تھا، منیہا نے اس بار کوئی جواب نہ دیا بس اسکے کندھے سے سر لگاتی اسکے وجود میں جا چھپی۔

وہ بھی بازو منیہا کے گرد محصور کیے اسکے چپ چاپ ہر سوال رد کرنے پر اداس سا سہی پر مسکرایا۔

"آپ اپنی محبت کے بارے اتنے ان سکیور کیوں ہیں عون؟"

سینے پر اپنے لفظوں کی حدت بہم پہنچاتی، آواز کے ناطے کو عون کی سماعت سے جوڑے سادہ سا سوال کر رہی تھی۔

"کیونکہ میرے پاس سب سے قیمتی تم ہو"

وہ ڈر چھپانے کے باوجود نہ چھپا سکا، اسکا اعتراف منیہا کے چہرے پر زندگی لے آیا۔

"پھر ٹھیک ہے، قیمتی ہوں تبھی آپ ان سیکور ہیں۔ میں اپنی محبت کے بارے بہت پر یقین ہوں۔ شاید ایک عورت اور مرد کی محبت میں یہی فرق ہوتا ہے۔ عورت جب محبت کرتی ہے تو پانے اور کھونے کے ہر ڈر کو کہیں دور دفن کر آتی ہے۔ میرے لیے تو آپ کا میرا ہونا ہی بے حد حسین سکھ ہے۔ آپ کے ہر درد اور دکھ کی ساتھی ہوں ناں؟ بولیں ہوں یا نہیں"

وہ ایسی گہری باتیں بھی کر سکتی تھی، عون اسکے دھیمے متبسم چہرے پر درج بلا کے سکون پر حیران بھی تھا اور پھر اسکے سوال پر محبت سے نگاہ ڈالے اسکے چہرے کا ہر ہوش اڑاتے نقش پر گہری نگاہ ڈالے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس رشتے کی یہ شرط کب تھی کہ ہم صرف خوشیاں اور سکھ ہی ایک دوسرے کو دیں گے"

وہ ایک دوسرے کی آنکھیں دیکھنے سے زیادہ پڑھ رہے تھے، عون اسکی سمجھ داری کا معترف ہوا۔

"لیکن صرف دکھ اور آنسو دیں گے یہ بھی تو شرط نہیں تھی"

وہ اپنا اعتراض سامنے رکھے اسکی اداس صورت دیکھتا بول اٹھا، منیہا نے اس بار منہ پھلایا۔

"فضول بول لیں آپ پہلے، کب دیا آپ نے مجھے دکھ اور آنسو؟ اگر میرے آنسو آپکو دکھ لگتے تو آپکی یہ غلط فہمی ہٹا دوں کہ یہ میری محبت ہے۔ وہ گہری اور شدید محبت جو مجھے آپ سے ہے۔ سنا آپ نے، ملکہ جذبات بننے کا تو بہت شوق آپکو۔۔۔۔"

روٹھی ہوئی وہ نہ صرف اسکے حصار سے نکلی بلکہ آخری بات پر خود بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی، عون اسکی مسکراہٹ کا وہ اک لمحہ ہی سہی پر پورے حق سے اپنے بخت کے افق پر سجا چکا تھا۔

اک تازہ نرم اور شگفتہ سا احساس ہر تھکن اور بوسیدگی کو وجود سے اتار گیا تھا، دوا رکھی تھی اسکے پاس رب نے، دوا بھی ایسی جو ہر زخم کا درماں کہلاتی۔

اس لڑکی کی سنگت حسین تھی، دل نشین تھی، دل موہ لینے والی تھی، عمر بھر کے لیے مقید کر لینے والی تھی۔

پھر کیا غرض دکھوں سے، الجھنوں سے، پریشانیوں سے جب پہلو میں دل دار آن بسے۔

عناب اور عون کے لیے بخاری ولا کی ہلکی سی سجاوٹ کی گئی، گویا دونوں کی واپسی، اس آشیانے کی بہار واپس لائی تھی۔

ڈارک میرون سنپل سی فراک میں وہ ڈریسنگ پر بیٹھی دھیما دھیما مسکرا کر بھیو کو دیکھ رہی تھی جو بڑے پروفیشنل انداز میں عناب کے بال بنا رہا تھا۔

کچھ فاصلے پر ہی صوفے پر ہلال صاحب لام لیٹ تھے وہیں ساتھ لیٹا یوئی اور دونوں کی نظریں ٹیب پر چلتی کسی فائٹنگ مووی کی جانب تھی۔

"بتاو کونسی والی پنز لگاوں، یہ سلور والی یا میرون؟"

عناب کے حد درجہ ملائم بال سلجھائے وہ اب مصروف سے انداز میں اس کی چوائز جاننا چاہتا تھا تبھی دونوں پینز باری باری اٹھا کر اسے دیکھائیں مگر وہ کچھ نہ بولی بس اپنی بازو ابدال کی گردن میں باندھے ساتھ جا لپٹی۔

عناب کے یوں اچانک ردعمل اور ساتھ ہی ابدال کے ساتھ لپٹ کر رونے نے جہاں ابدال کو پریشان کیا وہیں وہ دو مصروف افلاطون پر اپنی فائٹنگ فلم چھوڑے پریشان ہوئے۔

عناب کے آنسو تھے کہ ابدال کو جلا رہے تھے۔

"میرا بچہ کیوں رو رہا ہے، عناب۔۔۔۔لک ایٹ می"

لاکھ اسے خود سے الگ کرنے کی سعی میں وہ اسے پیار سے پکارا مگر وہ معصوم گڑیا نا جانے کس کس تکلیف پر رو دی تھی۔

یوئی بھی ٹیپ چھوڑے اٹھ کر ان تک گیا اور ابدال کے گرد مضبوطی سے عناب کے بندے ہاتھ چھو کر اسے متوجہ کرنا چاہا لیکن وہ پھر بھی بس روتی گئی، یہاں تک کہ اسکا سانس پھول گیا۔

ہلال بھی یہ منظر دیکھ کر افسردہ تھا۔

"م۔۔۔مدے تبی نی چ۔۔چھولنا بھیو۔۔۔۔۔دول نی دانا میلے شے۔۔۔(مجھے کبھی نہیں چھوڑنا بھیو، دور نہیں جانا میرے سے)"

ہچکیوں کی زد میں وہ بہت مشکل سے رکتی سانس کے بیچ یہ بول سکی تھی، ابدال اسے اس بار بہت پیار سے الگ کیے پہلے تو اسکے سارے آنسو گالوں پر ہاتھ پھیلے مٹا گیا اور پھر اسکی پیشانی چومے خفیف سے خفا انداز سے دیکھا۔

یوئی کی بھی جیسے عناب کے رونے سے جان آدھی ہو گئی تھی، اسے عناب کے آنسو ڈرا دیتے تھے۔

"کبھی دور نہیں جاوں گا تم سے آئی پرامسس، میں تمہارا ہر ڈر اور تمہاری ہر تکلیف مٹا دوں گا۔ بھیو پر یقین ہے ناں میری پری کو۔۔۔۔ویسے بھی اب تو سب تمہارے پاس ہیں۔ یوئی ہے، ہلال بھیا ہیں۔ اور تو اور میری گڈی کا تو زبردست باڈی گارڈ بھی ہے۔۔۔۔آہاں۔۔۔سب سے بڑھ کر بابا بھی تو ہیں اب تمہارے پاس"

وہ اسکی روتی نمی والی آنکھیں اب بس خوشی سے سجی چاہتا تھا، عناب اتنے سارے اپنوں کی تسلی کے باوجود بھی ابدال جیسا کسی کو نہیں مان سکتی تھی۔

وہ جو اسکے درد اور تکلیف پر اس کی طرح روتا رہا تھا، اتنے دن اپنے ساتھ تڑپتے بھیو کی ساری تکلیفیں اس ننھی جان کے شفاف دل پر درج تھیں۔

"میں تو بھئی اپنی عناب گڑیا رانی کے لیے دنیا کی ہر پیاری اور خوبصورت چیز خرید لاوں گا۔ بس وہ کیا ہے پڑھائی کرنی پڑے گی۔ پڑھائی کروں گا تو نوکری کر کے بڑا آدمی بنوں گا اور خوب سارے پیسے کما کر سب کے سب عناب کے گفٹس خرید لوں گا۔ ہی ہی تب تک تم دعا کر دینا اس کنگلے کے لیے اوکے۔۔۔۔۔"

وہ یوں اداس سی ہلال کو بھی نہ بھائی تبھی تو وہ شرارت لیے مس روتو کی گال زرا سی دبائے واقعی عناب کی مسکراہٹ لوٹا گیا تھا۔

"اور میں بہت بڑا فائٹر بن کر ان سب کو ٹھوک دوں گا جو تم کو ٹچ بھی کریں گے، ڈشوو ڈشوو۔۔۔ ایسے۔۔۔۔"

دونوں ہاتھوں کی گن بنا کر منہ سے آواز نکالتا یوئی اس وقت نہ صرف ہلال اور ابدال کی مسکراہٹ کی وجہ بنا بلکہ وہ سوہنی پری بھی دبا دبا لیکن مسکرائی تھی۔

"دیکھو۔۔۔ سب کتنا پیار کرتے تم سے۔ اب نہیں رونا۔ آج تو تمہارے لیے پورا گھر سجا ہے۔ اتنا سب بنایا فریال مما نے، اتنے سارے بلون لگے دیکھو۔ اتنے سارے رنگ، یہ سب تمہارے لیے ہی تو ہے۔۔۔۔۔"

وہ رونا روکے اب پھر سے بہل کر مسکرا دی تھی، معصوم سا اسکا دل اور ذہن ان خوشیوں اور سکھوں کے باوجود اس حادثے کے فطری خوف اور ڈر میں گرا ہوا تھا، یہ سچ تھا کہ عناب کی زندگی اور حفاظت کے لیے اب ہر کوئی اسکے پاس موجود تھا لیکن وہ جس فیز سے گزری تھی اسکی زندگی متاثر ہونا فطری تھا۔

اسکی سوچیں، اسکے احساسات سب ہی متاثر تھے، اسے اس کیفیت سے مکمل نکلنے میں بہت وقت درکار تھا، شاید پوری زندگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

یہاں کاشان اور وفا، حویلی سے نکلے وہیں لگ بھگ بیس منٹ بعد ہمانی حویلی کے تا حد نگاہ پھیلے وسیع پورچ میں ایک بڑی گاڑی آکر رکی تھی، زویا جو پہلے ہی لان میں ہلکی ہلکی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی، گاڑی رکنے اور پر اعتماد چال چل کر اس تک آتے میکائیل رضوی کو دیکھ کر وہ تھوڑی فکر مند ہوئی تھی۔

میکائیل رضوی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت خاصے سنجیدہ ہیں، زویا انکے قریب آکر رکنے تک کسی ٹرانس میں مبتلا تھی مگر پھر انکے حواسوں پر چھاتے کلون نے اسکے ساکت حواس جنجھوڑے۔

"آپ؟ یہاں"

شاید زویا کے لیے اس سے زیادہ مناسب اور میکائیل کے نزدیک اس سے زیادہ بے تکا سوال ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"کہاں ہے آپکا سر پھرا بھیتجا، کال کریں اسے اور کہیں فوراواپس آئے۔ میں ویٹ کر رہا ہوں"

خفیف سی خفگی دباتے وہ سیدھا مدعے پر آئے اور زویا کو وہیں حیران و پریشان چھوڑے وہ حویلی کے اندرونی طرف بڑھ گئے۔

زویا نے مڑ کر انھیں جاتے دیکھا اور جھجھلاتی ہوئی میز پر دھرے فون تک پہنچی اور فوری کاشان کا نمبر ڈائل کیا۔

وفا اور کاشان، بخاری ولا پہنچ تو گئے تھے مگر ابھی گاڑی دو منٹ دور تھی کہ کاشان کا فون رنگ کیا۔

زویا نے نا جانے کیا کہا جس پر کاشان کے چہرے پر صاف صاف زردی اتری اور ساتھ ہی وہ آنے کا کہتا کال کاٹ گیا۔

وفا کی جانب نظر گئی تو وہ اسے ہی ناراض ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم اندر نہیں چلو گے، اب میں نے ایسا ناراض ہونا ہے کہ مانوں گی بھی نہیں"

اس سے پہلے کہ کاشان اسکو اپنے جانے کا بتاتا، وفا نے پہلے ہی اسکے سارے انکار رد کر دیے۔

گاڑی عین بخاری ولا کے مین گیٹ کے پاس ایک طرف روکے وہ مڑ کر وفا کی ناراض آنکھیں دیکھتا مبہم سا مسکرایا۔

"ایسا ہی ہے، تم جانتی ہو دو ہفتے سے یہاں نہیں تھا اس لیے یہاں کے کام دیکھنے ہیں۔ ویسے بھی تم انجوائے کرنا میرا کیا کام ہے وہاں۔ تمہارا وہ منہ بولا بچہ خوامخواہ غرائے گا مجھ پر، یہ خوشی کی رات تم سب کے لیے ہے اسے اچھے سے منانا۔ میں گیارہ بجے تک آجاؤں گا لینے"

رسان اور محبت سے وہ وفا کی ناراضگی کم کرنے کی سعی میں دانستہ ہلکے پھلکے لہجے میں اسے منا رہا تھا مگر وفا ہر گز اسکے بنا اندر جانے پر آمادہ نہ تھی۔

"نو۔۔ تم چلو۔۔ پلیز کاشان۔ میری خوشی تو تم سے سب سے پہلے جڑی ہے۔ ویسے بھی میں چاہتی ہوں وہ سب ہمیں ایک ساتھ دیکھ کر میرے لیے موجود ہر فکر ختم کر دیں۔ خاص کر میرے دونوں بھائی جنکو یقین ملے گا ہمیں ساتھ دیکھ کر کہ انکی وفا کتنی پر سکون ہے"

وہ اسے ساتھ لے جانے کے ہر جتن کرتی آخر تک روہانسی سی ہوئی تو کاشان نے اس بار مسکراہٹ تو دی مگر وہ جگر پاش سی تھی۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا، وہ اسے ساری عمر خود کے لیے بیقرار دیکھنا چاہتا تھا، وہ اپنی اہمیت پر نازاں تھا، یہ اہمیت چند پلوں کی ہی سہی لیکن وہ اسی پر خوش تھا کہ اس عورت کے دل میں جگہ پا چکا ہے جسے اسکی روح نے بہت ایمانداری سے چاہا ہے۔

وہ کاشان کی گہری نگاہوں کی تپش سے بے ساختہ مضطرب ہو رہی تھی، وہ اسے کیوں آزما رہا تھا یوں۔

"میرا واپس جانا بہت ضروری ہے وفا، ضد مت کرو"

اس بار اسکی آنکھوں کی تپش اسکے لہجے میں بھی اتری تھی، وفا کا کھلا گلاب چہرہ لمحے میں مرجھا گیا تھا۔

"تم پھر سے کر رہے ناں وہی من مانی، تم ہو ہی پتھر۔ سن نہیں رہے، کیوں نہیں تم میری بات سمجھتے۔۔۔ وہاں سب ہوں گے۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ ہمم چھوڑو تم سے آئندہ کبھی کچھ نہیں کہوں گی۔۔۔"

اپنی بے بسی پر کڑتی، بل کھاتی وہ نڈھال سی ہوئی اس سے پہلے یونہی خفا سے گاڑی سے نکل جاتی، کاشان نے اسکی کلائی زرا سی دیر میں ہی اپنے مضبوط ہاتھ میں لی جس کے باعث وہ واپس نہ صرف بیٹھی بلکے شکوہ کناں آنکھیں بھی کاشان کی مسکراتی مغرور آنکھوں سے جاملائیں۔

"تمہارے لاکھ بحث و ضد کے ان معصوم مگر الجھاتے تیوروں کے، میں تمہاری اصل چاہت، خوشی اور خواہش جاننے کے لیے تمہاری بات سننے کے بجائے تمہیں غور سے دیکھتا ہوں اور سب سمجھ جاتا ہوں"

وہ آنچ دیتا لہجہ، وہ روح تک اترتی ہیزل گرے آنکھئں، وہ بھاری جذب سے اٹیٗ آواز کا سحر اور ان ظالم سانسوں کا جکرتا طلسم، وہ اسکی ناراضگی ہٹانے کے گر بھی سیکھ رہا تھا، وہ تمام تر ناراضگی کے بھی مبہم سا مسکائی تھی۔

دونوں مسکرائے تھے، ایک دوسرے کے لیے۔

"صرف جان پائے ہو لیکن عمل نہیں کروگے تو کیا فائدہ"

وہ بھی تو اپنے نام کی ایک تھی۔

"میں جب لینے آوں گا تو سب سے ملوں گا، اور بے بی کی نیوز ساتھ مل کر دیں گے۔کام انتہائی اہم نہ ہوتا تو کبھی تمہیں دوسری بار کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔اب جاو اور صرف مسکرانا، میں ساتھ ہوں تمہارے"

نجانے وہ کڑوا، کسیلا، مضر صحت سا شخص، اس لڑکی کے لیے شیریں، امرت، اور آب حیات کیوں بن جاتا تھا، وہ دیکھ سکتی تھی اس شخص کی آنکھوں میں، سانسوں میں، دل میں اور جان میں وہ دھڑکتی ہے، تبھی وہ اس بار خود پھر سے پہل کرتی اسکے گال پر پیار دیتی اک چھینپی سی مسکان دیے گاڑیٗ سے نکل گئی۔

وہ تب تک اسکی خوشبو میں مقید اسے دیکھتا رہا جب تک وہ بخاری ولا میں داخل نہ ہوئی۔

پھر فوری چہرے کی تمام خوشگواری ختم کیے وہ گاڑی واپس موڑ چکا تھا۔

میکائیل جب سے آئے تھے، ہمانی حویلی کے ہی ایک بڑے سے سٹڈی روم میں موجود تھے۔

زویا نے کافی کے ساتھ شام کے باعث سنیکس بھجوائے تھے مگر انہوں نے چائے کی طلب کی جس پر زویا ملازمہ کے بجائے خود چائے بنا کر لائی۔

دروازے پر ہوتی آہٹ نے میکائیل رضوی کے چہرے کے سپاٹ اور تنے خدوخال بحال کیے کیونکہ وہ لڑکی سر تا پا انکے ہر طرح کے غصے کا توڑ تھی۔

یوں تو وہ بہت تحمل مزاج تھے مگر آج جس طرح وہ آئے تھے، زویا کو بھی علم ہو چکا تھا کہ کاشان کی اچھی بھلی کلاس ہونے والی ہے۔

"آپ تو کافی پیتے تھے آئی تھنک، چائے کب سے شروع کی؟"

چائے کا کپ انکی جانب بڑھائے وہ رسمی انداز سے بات کا آغاز کیے سامنے ہی بیٹھی، گھر میں ہمیشہ کی طرح رف سے خلیے میں گلاسس چڑھائے، میسی سا بالوں کا جوڑا بنائے وہ اب بھی لاپرواہ پاگل سی زویا دکھائی دے رہی تھی جسے نہ تو کبھی سجنے کا شوق رہا تھا نہ اچھا سنورنے کا۔

وہ ایسے ہی تو میکائیل رضوی کے دل کی دھڑکن نہیں بنی تھی، وہ انکے لیے انکی پوری حیات کا نور تھی۔

"ہمم، اتنے سالوں بعد بھی آپ کو یاد ہے میری پسند کا۔۔۔ بس تھوڑے وقت پہلے ہی ٹیسٹ چینج کر لیا"

پہلی بات جہاں وہ خفیف سا جتا کر بولے وہیں زویا کے نظریں چرانے پر دوسری بات کو رر کرنے کے لیے کی لیکن زویا کو وہ بھی اچھی نہ لگی۔

"تبدیلی اچھی ہوتی ہے، میرے حوالے سے بھی چینج کر لیتے ٹیسٹ۔۔۔ آئی ایم شیور ابھی بھی ہزاروں لڑکیاں آپکی دیوانی ہوں گی۔ کسی بچاری کا بھلا ہو جاتا"

زویا کے اس پہلے جملے نے ہی اس شخص کے چہرے کے خوبصورت نقوش پر اک اداسی، اور تکان درج کر دی تھی۔

وہ پھر سے جس طرح میکائیل رضوی کی نگاہوں کے حصار میں تھی یہ اسکی نازک جان پر قہر تھا۔

"محبت بہت نازک ہوتی ہے، زراسی بے وفائی گویا اس بنی ہوئی چادر سے ایک دھاگہ کھینچ لینے کے مترادف ہوتا ہے۔۔ بس اس دھاگے کے کھینچے جانے کی دیر ہوتی ہے اور یہ آخر تک ادھڑ جاتی ہے۔ کسی اور کا خیال ہی وہ ذراسی بے وفائی ہے زویا، اگر میں محبت بہترین واعلی نہیں کر پایا تو بے وفائی بھی نہیں کی کبھی۔۔۔۔"

وہ اسے کئی دن سے ناراض کیے منانا بھول چکی تھی اور وہ جتانے پر مجبور تھے، انکی اداسی کا سبب وہ تھی جسکا اپنا دل کئی طرح کے احساس جرم میں مبتلا ہو رہا تھا۔

وہ جب فراموش کیے تھی تو اس نے کبھی میکائیل رضوی کو پکارا نہ تھا اور اب جب وہ بار بار منظر میں اتر رہے تھے تو وہ انہی کے گرد محصور ہوتی جارہی تھی۔

"اس دن کے لیے اب بھی خفا ہیں آپ، آپکو دیکھ کر لگ رہا کہ آپ مجھ پر بہت سارا غصہ ہیں۔ اتنا تو مدتوں میری بے رحمی پر بھی نہ آیا ہو گا جتنا میرے سفاک لفظوں پر چند دنوں میں ہی جمع ہو گیا"

ناجانے کیوں مگر میکائیل کی نرم چھاوں سی آنکھیں ہی سہنا آسان تھا، وہ تو اس بات کو سوچ کر بھی لرز گئی تھی کہ اگر یہ شخص اسکے مظالم کا ایک فیصد بھی بدلا لے تو وہ شاید اگلا سانس بھی نہ لے پائے گی۔

"آپ پر غصہ نہیں آسکتا زویا، مجھے اس وقت کا تشان پر غضب چڑھا ہے۔۔۔ آپکا کوئی لفظ سفاک نہیں ہے لہذا ایسا فضول مت سوچیں"

ازلی مخصوص نرم لہجے اور ہلکی سی جگمگاتی مسکراہٹ کے سنگ وہ زویا کی زرا زرا رنج زدہ آنکھوں میں تکتے پورے یقین سے بولے مگر وہ پھر بھی مطمئین نہ ہو سکی۔

"کچھ الٹا کر دیا ہے اس نے کیا؟ سب خیریت ہے ناں"

یکدم ہی وہ کاشان کے لیے فکر مند ہوئی تھی۔

اور مقابل بھی چہرے کا رنگ بدلا۔

"پریشان مت ہوں، سب انڈر کنٹرول ہے۔ بائے داوے، چائے بہت اچھی بنائی ہے"

زویا کی کاشان کو لے کر فکر بھانپے وہ اس معاملے کو بھی ٹال گئے اور زویا انکی توجہ ہٹانے کی اس کوشش پر جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

اسے یقین تھا یہ سر پھرا باولا شخص، مر تا مر جائے گا مگر کبھی اپنی جگہ سے ہلے گا نہیں۔

"جھوٹ مت بولیں، میں بہت بری چائے بناتی ہوں"

نروٹھی سئ وہ میکائیل کو اسکی اس خطا پر فوری ڈپٹ گئی اور وہ تو چائے کا ذائقہ محسوس ہی نہ کر سکے تھے، انھیں تو دیدار، گفت وشنید نے ہی لطف عطا کیا تھا۔

"محبت سے بنائی ہو گی پھر"

ایک سیپ بھرتے وہ آنچ دیتی آنکھوں سے زویا کے چہرے کے زرد پڑتے رنگ دیکھتے آہستگی سے بولے کہ یہ جملہ خود زویا کو بمشکل سنائی دے سکا۔

"ایسا نہیں ہے، بس یونہی بنادی"

آنکھیں چرا کر زویا کی بوکھلاہٹ نے میکائیل کے چہرے پر تجسس اتارا۔

"یہاں دیکھیں زویا میکائیل، میرے سامنے بیٹھ کر مجھی سے چھپنا چاہتی ہیں۔ اتنی مضبوط نہیں ہیں"

من ہی من میں وہ شاخ جان پر بہار آتی محسوس کیے مسلسل زویا کا امتحان بن رہے تھے اور وہ اپنی گھبراہٹ بہت مہارت سے چھپاتی اپنا اعتماد واپس لائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے کیوں چھپنا پڑے گا بھلا آپ سے، نہ ملنے اور بات نہ کرنے کی مصلحت تبھی اپنائی تا کہ آپکے لیے مشکل نہ بنے۔ ایسا نہ ہو مدت سے آپکا قائم صبر کا دامن چھوٹ جائے۔ میں تو پتھر ہوں جس سے آپ اپنا صرف سر پھوڑ سکتے ہیں"

وہ چمکتی آنکھیں غرور سے کہہ تو گئیں لیکن وہ کب دیکھ پائی تھی میکائیل کے چہرے پر نمودار ہوتی خود ساختہ خوشی، اک سکون کا لمحہ۔

"کافی بد دماغ ہیں آپ بھی"

اس سے پہلے زویا، اس شخص کے سحر سے بچ نکلنے کو فرار کرتی، سلگتی سی سرگوشی نے زویا کو برہم و بے تاب کیا۔

وہ فوراسے بیشتر غصیل انداز سے پلٹی مگر سامنے وہ بھی نا صرف اٹھ چکے تھے بلکے اپنی بقیہ چائے ایک ہی بار پیے کپ زویا کی جانب بڑھا گئے۔

"آپ نے مجھے بد دماغ کہا؟"

زویا کپ بھی غصے سے جھپٹ کر میز پر رکھے واقعی یقین دہانی کو غرائی تھی اور میکائیل اس بار پس لب مسکاتے دیکھائی دیے تھے۔

"آپ آج بھی ہمانی حویلی میں گھومتی ہوئی بے ضرر سے بد روح ہی ہیں، نہ کسی کے دکھ سے واسطہ نہ کسی کی خوشی سے سروکار۔ بائے داوے آپکے چشمے کا نمبر ابھی تک دو ہی ہے یا بدل گیا"

پہلے تو زویا انکی بے تکی ہانکنے پر سر تا پیر گھومی اور پھر یکلخت وہ مزے سے اسکا چشمہ اتار کر خود پہنے خاصے فکر مندانہ لہجے سے استفسار کر رہے تھے۔

زویا کے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے کی پوری خبر تھی انھیں۔

"واپس کریں میرا چشمہ"

اتنی مجبور زویا، بچوں کی طرح اس سے اپنی گلاسیز لینے کو جھپٹتے انداز میں ہاتھ تو بڑھا چکی تھی مگر وہ ہاتھ اس سے پہلے میکائیل کی آنکھوں پر خاصے سوٹ کرتے چشمے کو اتارتا، میکائیل رضوی کے مضبوط ہاتھ میں قید ہو چکا تھا۔

"آج بھی اپنی عینک کے لیے مرنے مارنے والی زویا ہیں آپ، ہاہا سیریسلی"

انکی مخملی سی دلفریب مسکراہٹ نے ایک لمحے میں زوئا کو مسمرائز کیا تھا، وہ اپنی جھپٹنے والی اتاولی حرکت پر خفیف سی پشیمان تو تھی مگر وہ سب بھلا دینے والی انکی مسکراہٹ اس وقت ہر شے سے اول ٹھہری تھی۔

"آپ مزاق اڑا رہے ہیں میرا، آپ چھپ چھپ کر میری جاسوسی کرتے تھے کیا؟ میں تو آپکے سامنے بھی نہیں آتی تھی پھر کیسے جانتے ہیں آپ یہ سب"

پشیمانی نے حسرت کا روپ دھارا تو وہ میکائیل کی بھی سنجیدہ ہوتی آنکھوں میں جھانکے پوچھ رہی تھی۔

وہ یہ بھول ہی بیٹھی تھی کہ اسکا ہاتھ اب بھی انکے ہاتھ میں ہے۔

"اگر آپ میری ہوتیں تو سب بتاتا، ایسے تو کچھ نہیں بتا سکتا۔ بہت پرسنل ہے یہ سب۔ خیر یہ رہا آپکا چشمہ"

پہلے تو نرمی سے اسکا ہاتھ آزاد کیا پھر اسکی ٹھہری ہوئی آنکھوں کے سوال جان بوجھ کر نظر انداز کیے وہ اسکا چشمہ اسے خود پہنا کر دو قدم پیچھے ہٹے جیسے مقصد زویا کا سر تا پا جائزہ لینا تھا۔

"آپ بہت چالاک ہیں"

منہ بگاڑے شان میں قصدہ پڑھتی وہ نہ صرف مڑی بلکہ جاتے جاتے پھر پلٹی۔

وہ پرشوق نگاہوں سے اسی کو دیکھ رہے تھے۔

"اگر آپ کو لگا ہے تو آئی ایم شیور میں واقعی چالاک ہوں، ایک کپ اور چائے ملے گی؟"

آج تو وہ کسی اور ہی موڈ میں تھے، تھوڑے شرارتی سے، حواس منجمد کرتی گہری نگاہوں سے زیر کرتے ہوئے۔

"گرم گرم ایک ہی بار کیوں پی لی تھی پھر؟"

زویا کو لگا تو بے تکا سوال پر وہ کر بیٹھی۔

اس بار دونوں مسکرائے۔

"تاکہ اور مانگ سکتا"

اف یہ درویش دیوانہ۔

زویا کا کھنکتا قہقہہ گویا شام سے ملتی رات کا حسن گہنا گیا۔

"مانگنے کے بجائے، کبھی آرڈر کرنے کا نہیں سوچا زندگی میں" وہ جانتی تھی وہ پاگل پن کر رہی ہے لیکن زندگی بہت مدت بعد کسی کے ساتھ کے سنگ کھل کر مسکرائی تھی، اسے لگا یہی وہ کھلی فضا تھی جہاں وہ اڑنے کی خواہش مند تھی۔

"سوال اچھا ہے بہت، ایسے سوال نہیں کرتے"

وہ ٹال بھی ادائے بے نیازی سے گئے۔

"پاگل ہیں آپ میکائیل رضوی، مجھے بھی کر رہے ہیں۔۔۔ بائے"

ہنسی روکتی وہ روح پرور سی زندگی پلوں میں جتاتی اوجھل ہوئی اور وہ محسوس کر رہے تھے وہ بظاہر اوجھل ہوتی اپسراہ، باقی ہر سمت عیاں ہوئی ہو، حاوی ہوئی ہو۔ چھا گئی ہو۔

انکے لبوں پر جاندار تبسم انکے کچھ درد والم کی تلافی کرتا نظر آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاشان پچھلے پانچ منٹ سے انکے سامنے بیٹھا ہوا تھا مگر مجال ہو جو میکائیل رضوی نے اس پر سے اپنی مشکوک اور برہم نگاہ لمحہ بھر کو ہٹائی ہو۔

پچھلے دو ہفتے سے وہ پہلے ہی کافی انتظار کر چکے تھے، آج آر یا پار ہونا انھیں بھی اشد ضروری لگا۔

"لالہ، ایسے تو مت دیکھیں کہ مجھے اپنا آپ کچھ زیادہ ہی مجرم لگے"

آخر مسلسل انکی خاموشی سنتے سنتے وہ عاجز آئے بول اٹھا، لہجہ ان کہی اداسی کا مرکز تھا۔

"تو کیا مجرم نہیں ہو تم؟ تم نے مجھ سے کیے کئی وعدے توڑے ہیں کاشان۔ تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے"

انکی ناراضگی صاف صاف جھلک رہی تھی اور کاشان اب بھی سمجھ نہ پایا کہ وہ آخر کئی دن سے کیوں خفا ہیں۔

"مجھے لگتا ہے آپکو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، شئیر کریں مجھ سے ممکن ہے آپکو سچائی اور جھوٹ کا فرق بتا سکوں"

سامنے بیٹھے وہ جب مضطرب ہوا تو اٹھ کر میکائیل رضوی کے ساتھ ہی صوفے پر جا بیٹھا، اسکا استفسار تاسف میں لپٹا تھا۔

"جب میں نے تمہاری اس ایگل فورس میں ایز آ ہیلپر پارٹ لیا تھا تو تم نے مجھ سے کچھ پرامسس کیے تھے کاشان، کہ نہ تو تم ناحق کسی کی جان لو گے نہ کسی بے گناہ کو تکلیف دو گے۔ تم وہی ہو جسکی انسانیت اور خدا ترسی کا میکائیل رضوی گواہ ہے مگر پھر کیسے کر سکتے ہو تم یہ۔ تم نے مہکار، عون اور فارس کو مارنے کی کوشش کیوں کی؟"

تو یہ ساری دو ہفتے کی ناراضگی کا سبب یہ تھا، کاشان کا افسردہ چہرہ یکدم واپس تروتازگی میں لپٹا اور وہ جس طرح دل جلا سا مسکرایا، میکائیل کو اسکی یہ مسکراہٹ فی الحال سخت زہر لگی۔

"تو اتنے دن سے مجھے اگنور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ سمجھ رہے ایسا، میں کیا اب کسی کو مارنے کے لیے اتنی لمبی پلاننگ کروں گا لالہ؟ ان تین فضول لوگوں کی نہ تو زندگی اہم ہے میرے لیے نہ موت کہ اسکے لیے میں اپنا عالیشان گھر جلا کر راکھ کروا دیتا"

کاشان کا اس معاملے سے صاف انکاری ہونا اور یہ پختہ وجہ دینا، میکائیل کو بھی چونکا چکا تھا۔

"کیا مطلب؟ اگر تم نے نہیں کیا تو پھر کون تھا اسکے پیچھے۔۔۔ دیکھو کاشان تم جو جانتے ہو مجھے بتاو"

وہ اٹھ کر منہ موڑے کھڑا خفا سا تھا اور وہ بیقرار سے اٹھ کر نہ صرف اس تک پہنچے بلکے اسکے بھاری وجود کو شانوں سے تھامے اپنے مقابل کیے تاسف سے سوال کیا۔

"وہ آگ ان تینوں کے لیے نہیں بلکے وہ آگ پائزن کو راکھ کرنے کے لیے تھی، جسکا شکار وہ تین سر پھرے ہوئے۔ باسط نے ہی آپکے آدمی کو اور فائیر بر گیڈ کو کال کی تھی، میں کیوں غائب ہوا اسکے پیچھے ایک سچ یہ بھی تھا کہ اسی وقت کلب کے اس روم میں ایک زہریلی گیس چھوڑی گئی تھی، یعنی مجھے مارنے کا ہر طرف پکا انتظام تھا۔ مجھے کئی معاملات دیکھنے تھے تبھی میں کچھ دن منظر سے ہٹ گیا تھا"

کاشان کے ان ہولناک انکشافات نے میکائیل کی ہستی دہلا دی، وہ واقعی سخت پریشان نظر آئے۔

"کون ہے اسکے پیچھے کاشان؟ کون ہے بولو"

وہ اسکے اس سب نہایت پرسکون سے بتانے پر بگھڑے۔

"جو بھی ہے اسکا حساب قریب ہے، پرسوں فائیٹ کے بعد میں اس مجرم کا فیصلہ سنا دوں گا"

کاشان کی آنکھیں یکدم سلگ گئیں، میکائیل کو اسکے انداز اور تیور سے خوف سا آیا۔

"اور نور گل؟ تم نے اسے کیوں مارا تھا؟"

ایک اور لاشعور میں سلگتا سوال تھا جو وہ پوچھنے پر مجبور تھے۔

"نہ مارتا تو وہ مجھے مار دیتا، اپنا دفاع ضروری تھا۔ آپ سے کیا وعدہ نہیں توڑا میں نے۔ میں صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ جو پائزن کی کھوج کرے گا وہ مرے گا یہی اصول و ضوابط کی پہلی کڑی ہے"

وہ ایک بار پھر ظالم حد تک سفاک بنا اپنے اصول دہراتا سر اٹھائے نخوت سے بولا۔

"تم جانتے نہیں وحید بخاری کو، وہ بہت ہی ذہین اور قابل صحافی ہے۔ وہ تمہاری کھوج لگانا کبھی نہیں روکے گا۔ بھلے اس بیچ اسکی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔۔۔ اور ایسی فیملی سے الٹا تم رشتہ داری جوڑ بیٹھے ہو کہ آ بیل مجھے مار۔۔۔ اور وہ مس وفا! کیا بات ہے انکی"

یوں لگتا تھا اتنی کھٹن اور تلخ سچویشن میں بھی کاشان ہمانی کی آنکھیں اس معصومانہ سی ڈانٹ پر مسکرائی تھیں۔

"وفا کو کچھ نہیں کہیں ہینڈ سم، وہ کاشان کا خاصا ویک پوائنٹ ہے۔۔ باقی بندہ حاضر ہے، جو چھینٹی لگانی ہے لگا لیں"

نازک سی اٹکیلیاں کرتا وہ میکائیل کا موڈ بھی لمحے میں خوشگوار کر چکا تھا، وہ انھیں بے حد عزیز تھا تبھی وہ بہت بار کاشان کے لیے ڈرتے بھی تھے۔

"اور اس فیصلے کے بارے کیا وضاحت دو گے تم جو پاگل پن کی حد پار کیے کر بیٹھے ہو؟ آخر یہ مہکار تمہاری زندگی سے دیمک بن کر کیوں چپک گئی ہے"

زرا غصہ تھما تو وہ پھر سے افسردہ و پر ملال سے شکائیت کر گئے۔

"اس کے پیچھے میری ایک اچھی سوچ ہے لالہ، ایک احسان عون بخاری نے کیا تھا اور ایک احسان کاشان کر گیا ان تینوں پر۔ ویسے بھی وہ تینوں مجھ سے کہیں زیادہ بد دماغ ہیں۔ یقین کریں اگر وہاں آگ نہ لگتی تب بھی

مر کھپ جاتے تینوں۔۔ آگ نے تو گویا بچا لیا تینوں کو۔ مجھے بس یو آن سے غرض ہے۔ کل کو وہ بچہ میرا جانشین بنے گا۔ باقی فارس، مہکار اور عون بھاڑ میں جائیں"

کاشان کے ارادے خاصے دل دہلاتے دیکھائی دیے تبھی وہ اس بار خفیف سا گھورے۔

"مطلب تم مہکار سے سودا کرو گے اسکی اولاد کا؟ اتنے بے حس کب سے ہو گئے ہو؟"

انھیں کاشان کی یہ بات بہت ناگوار گزری تھی۔

"سودا نہیں، محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ میں مہکار کے سامنے دو آپشن رکھوں گا۔ وہ جو فارس شاہ کے لیے مر رہی تھی، یقینا اپنی اولاد اور اس میں سے فارس ہی کو چنے گی۔ رہی بات یو آن کی تو اسے میں اپنا بازو بناوں گا"

کاشان کی دل دہلاتی منصوبہ بندی پر میکائیل بھی اک لمحے پتھرا ہی تو گئے۔

"مطلب اگلی جنریشن کا پائزن بنانا چاہتے ہو اس پیارے بچے کو؟ باز آجاو کاشان"

برہمی سے ڈپٹ کر وہ واپس صوفے پر جا بیٹھے۔

"نہیں ہر گز نہیں، اپنی طرح کا ریسلنگ چیمپئین۔۔۔ وہ بچہ اگر مہکار فارس یا عون کے حوالے رہا تو برباد ہو جائے گا، اسکی شخصیت تباہ کر دیں گے وہ تین باولے۔ میں یو آن شاہ کے لیے ایک باپ جیسا بننا چاہتا ہوں تاکہ اس حساس بچے کی کسی خوبی کو گرہن نہ لگے۔۔۔ باقی۔۔

پائزن کے حوالے سے بھی ایک بڑا فیصلہ لینے والا ہوں"

تسلی سے ہاتھ جینز کی پاکٹس میں گھسائے وہ میکائیل رضوی کو شاک پے شاک دے رہا تھا۔

"اور وہ فیصلہ کیا ہو گا زرا با علم کرنا پسند کرو گے مجھے"

کاشان انکی گھوری اور ناراض لہجے پر الٹا شرارت سے مسکرایا۔

"پائزن کا خاتمہ۔۔۔۔۔"

وہ بلکل بھی سنجیدہ نہ تھا لیکن میکائیل رضوی کے چہرے کا رنگ فق ہوا۔

"دماغ چل گیا ہے تمہارا؟ وہ معافیہ کے لوگ تمہاری بوٹی بوٹی نوچ ڈالیں گے۔۔۔ پائزن کا صرف نام تک انکو اربوں ڈالر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یہ بتاو کہ تم یہ سب کرنے کے بعد ان کے ہاتھوں بچو گے کیسے؟ یاد رکھنا ان سے میں بھی نہیں بچا سکتا تمہیں"

وہ کاشان کی بیوقوفانہ باتوں کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے الٹا اسکی سرزنش کرتے ڈپٹ گئے جو آگے سے پراسرار سی مسکراہٹ میں مبتلا انھیں مزید چڑا رہا تھا۔

"میں اپنے سارے سچ وفا کو بتا دوں گا، وہ میری ساری مشکل حل کرے گی۔ اس بار سیدھا دل پر وار کرنے کا وعدہ ہے اسکا۔ آئی ایم لکی کہ میرے لیے میری موت بہت ہی خوبصورت اور آسان ہے۔ جب چاہوں اپنا وقت آخر لا سکتا ہوں۔۔"

اس وقت وہ کوئی پاگل ہی لگا، میکائیل کا دل یہی چاہا دو مکے اس کے منہ پر جڑھ دیں۔

"ہو گئی تمہاری عاشقی سٹارٹ، ایسا نہ ہو اس سے پہلے میرے ہی ہاتھوں ضائع ہو جاو۔ نہایت فضول آدمی ہو تم۔۔۔ اپنے باپ جیسے لالہ کے سامنے اپنی موت کی بات کرتے زرا شرم اور حیا نہیں آئی تمہیں۔ ہاں مرو تم اور اپنے سے جڑوں کو بھی مار دو۔۔۔ یہی تو آتا ہے تمہیں۔ ایک بات کان کھول کر سن لو کاشان، فراز کے جانے پر تو صبر کر لیا تھا میں نے لیکن اگر تم نے ایسی کوئی بھی ناقابل معافی حرکت کی جس کے سبب تم پر آنچ آئی تو قیامت کے دن بھی معاف نہیں کروں گا۔۔۔ سمجھے"

کاشان کی جانب غصے اور دکھ سے دیکھتے وہ لاکھ اسکے روکنے کے باوجود اسے اپنی راہ سے پرے دھکیلتے بنا کاشان کی ایک بھی سنے وہاں سے چلے گئے اور وہ انکے ایسے دھواں دار انداز اور دبدبے پر ڈھیٹ بنا مسکرا دیا۔

"ہاہا ایسا بندہ اللہ سب کو دے، آہ لالہ کاش ایسا غصہ ایک بار ہی سہی آپ نے زویا پے بھی کیا ہوتا۔۔۔ انکا غصہ بھی لگتا ہے بھی مجھی پر اتار گئے ہیں یہ ٹارزن کہیں کے"
منہ بسور کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا وہ بھی سٹڈی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کئی دن بیت گئے تھے، ایک ہیبت ناک قیامت آکر گزر گئی تھی، لیکن اس قیامت کی تباہ کاریاں اب بھی فضا کی سوگواری بڑھا رہی تھی۔

حاجی برکت اللہ کے گھر پر مصیبتوں اور وباوں کے ایسے قہر ٹوٹے کہ ہر فرد انھیں دیکھ کر دامن بچانے لگا تھا، انسان اپنی اپنی انسانیت بھلاتے ہوئے دیر ہی کب لگاتا ہے۔ بھری دنیا میں تو وہ نادار اور مسکین جانیں پہلے ہی تنہا تھیں مگر ایک موت نے الم و دکھ کے سلسلے کو جاری کر دیا تھا۔

شکران نے تو جینا چھوڑ دیا تھا، اپنی اماں سائیں کی موت کا دکھ مناتی، لوگوں کی ترس اور ہمدردی سے کاٹ کھاتی نظریں سہتی یا اپنے نامعلوم باپ کی برائیاں برداشت کرتی، وقت تو مرہم تھا لیکن ان کا کیوں نہیں بنتا جنکو سب سے زیادہ زخم ملتے ہوں۔

وہ دس سالہ بچی جسکی زندگی اپنی ماں کی موت کے ساتھ ہی ختم ہوگئ تھی پھر ایک رات پیاری نانی کی لاش اس اجڑے حاجی برکت اللہ کے گھر سے اٹھی۔

گویا پھر کیا بچنا تھا، جنازے کے بعد کچھ مشکوک سے لوگ آئے اور تمام گاوں والوں کی مزاحمت کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے اس دس سالا روتی، بلکتی اور بھری دنیا میں تنہا ہو جاتی شکران کو لے گئے۔

یہ کہہ کر کہ وہ اس بچی کے وارث ہیں، اگلے دو دنوں کے اندر اندر حاجی برکت اللہ کے گھر پر قفل لگ گیا تھا۔

آج تیسری رات تھی شکران کو اپنے گھر سے آئے ہوئے، اسکی دیکھ بھال کے لیے اس آبادی و شہری شور سے دور بنے چھوٹے سے گھر میں ایک لگ بھگ پچپن سالہ سادہ لوح عورت عفیفیہ خانم تھیں اور انکے ساٹھ سالہ شوہر سلمان احمد۔

لیکن شکران کو اپنے ارد گرد کی نہ کوئی خبر تھی نہ ہوش، جب سے اسے وہ اپنے مالک کے حکم پر یہاں لائے تھے تب سے شکران تیز بخار میں جل کر صرف نمرہ کو پکار رہی تھی۔

اور ننھی پری کی آہیں اور سسکیاں زیر زمین جابستی نمرہ کی دہری اذیت ہی تھیں۔

یہ رات قنوطیت اور یاسیت سے اٹی ہوئی تھی، آسمان تک اک معصوم کی تکلیف دستک دے رہی تھی۔

پھر وہیں ڈینمارک کی آزاد فضاوں میں سانس بھرتی، کتنی ہی دیر پیدل شور وغل سے بھری راتوں، چمکتے دنوں اور بے بس ساعتوں میں خود کو قید محسوس کرتی وہ اب مر بھی نہیں سکتی تھی۔

اسکی آنکھیں ان کہے بہت سے خساروں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں، نفرت کے بعد محبت ہونی ممکن تھی کیا؟ اسکا خود سے پہلا سوال یہی تھا۔

یہ بیری، ظالم اور اجنبی فضائیں، بھلے دم گھوٹ رہی تھیں پر وہ ایسے بے بس پرندے جیسی بنادی گئی تھی جسے ایک دن آزادی سے اڑنے کے لیے چپ چاپ قید سہنی تھی۔

اسے فیصلے کا اختیار سونپ دیا تھا اس ظالم نے، مگر جان اور روح میں سے ایک شے چننے کا فیصلہ!

آہ بدنصیب مہکار۔

خود وہ چل پڑا تھا، بہت سے فیصلے، بہت سوں کو سنا کر، اسے وفا کی ہر بات تب تک ماننی تھی جب تک اسکے پاس مہلت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنے سارے رنگ، خوشیاں، موسم اور محبت بانٹتے اپنے مرہم تھے، لیکن اس ننھے وجود کے زخم ان سب پر حاوی تھے، وہ خود کو ان چمکتی، دمکتی رات کے ہر منظر میں اندھیرا محسوس کرتی بس تب تب مسکرائی تھی جب اسکی نظر اپنے بھیو پر گئی، یا پھر دنیا جہاں کے سب سے منفرد اس ہمدرد کی جانب اٹھی جو اسکی مسکراہٹ دیکھ کر مسکرا رہا تھا، اسکی سانس آتی تو وہ سانس لے رہا تھا۔

جیسے بھری دنیا میں اس ننھے آٹھ سالہ یو آن شاہ کی ساری توجہ صرف اپنی ڈال کے گرد تھی، اسے یاد نہ تھا کہ بابا کہاں ہیں، اسے فکر نہ تھی کہ ممی کدھر چلی گئیں۔

اسے بس یہ فکر تھی کہیں عناب ہنستے ہنستے رو نہ دے، پانی پیتے ہوئے اسکی ستارے سمو کر چمکتی فراک گیلی نہ ہو جائے، کچھ کھاتے سمے اسکے حلق میں کوئی چیز نہ پھنس جائے، چلنے کی کوشش میں وہ گر نہ جائے، اسے چوٹ نہ لگ جائے۔

وہ جو مانگے، وہ اسے دوڑ دوڑ کر لا کر دے۔

ہر فرد دیکھ سکتا تھا کہ یوئی کی فکر، اسکی عناب کے لیے محبت ہر ایک سے بڑھ کر سچی اور کھری تھی۔

نہال بخاری بہت دن بعد مسکرائے تھے، بہت دن بعد ہادیہ خواب میں آکر روئی نہ تھی۔

وہ پر سکون ہو گئی تھی، اولاد درد میں ہو تو ماں حیات ہو نہ ہو، سب جان جاتی ہے۔

نہال بخاری کے لیے اب اپنی ساری سانسیں، ساری زندگی کے لمحے، ساری توجہ اور محبت اپنے بچوں کو دینی فرض ٹھہر چکی تھی، عناب تو ان کو معاف کر چکی تھی لیکن وہ روٹھا ہوا بہت سالوں کا ناراض ابدال نہیں مانا تھا، کیا اسے اتنی جلدی مان جانا چاہیے تھا؟ ہر گز نہیں۔

وفا کے آنے سے تو وہ مسکرایا تھا، اسکی توجہ صرف عناب تھی، اسکی ہر تکلیف کا قبل از وقت علاج ڈھونڈنا اسکی زندگی کا مقصد تھا۔

جہاں داد اور الماس بھی آئے تھے، بہت ساری الجھنوں کو پس پشت ڈالے یہ وقت وہ بھی عناب کے لیے اسکو واپس زندگی کی جانب لانے کی دعائیں دینے آئے تھے۔

وحید صاحب کے دل و دماغ کی جنگ ایسی تھی جسے لڑنے کا اختیار تو تھا انکے پاس مگر ہار جیت بس سے باہر تھی۔

شام سے رات ڈھل چکی تھی، سب اندر عناب اور عون کے گرد ہی جمع تھے، کھانے کے بعد چائے وغیرہ کا سیشن چل رہا تھا اور ابھی تک کاشان نہیں آیا تھا تبھی وفا اسے کال کرنے باہر لان میں آئی، کال پر تو وہ بزی

آرہا تھا تبھی وفا نے اسے میسج کر دیا اور خود جب واپس اندر جانے کو بڑھی تو نظر لان میں لگی کرسی پر بیٹھ کر چائے پیتے وھاج پر گئی، نہ چاہتے ہوئے بھی وفا نے اپنے قدم اس کی جانب موڑے جو اپنے آپ کو ہر ممکنہ وفا کی نظروں سے بچائے ہوئے تھا لیکن وفا کو اپنی جانب آتا دیکھ کر اسے اپنی کوشش ناکام محسوس ہوئی۔

"یہاں چھپے بیٹھے ہو، تمہیں بھی اندر سب کے ساتھ ہونا چاہیے تھا"

فون سامنے میز پر رکھتی وہ بھی عین دوسری سامنے والی کرسی گھسیٹے بیٹھتے ہی جتا تو گئی لیکن وہ کچھ نہ بولا، بس ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھے بھاری سا سانس کھینچے وفا پر نگاہ ڈالی۔

وہ نگاہ سرد تھی، اعتماد برف بنا دینے کی حد تک سرد۔

"کچھ لوگوں کے حصے میں چھپنا ہی ہوتا ہے، کبھی خود سے اور کبھی دوسروں سے"

وہ اپنے جواب میں بے پناہ تلخی لیے ہوئے وفا کو بھی سنجیدہ کر چکا تھا۔

"کم از کم وہ تم نہیں ہو وھاج سکندر، اپنی زندگی کو تنہا اور پھیکا مت کرو۔ ایسے تو تم خود کو بے رنگ کر دو گے۔ کم از کم تم نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ تمہیں خود سے اور لوگوں سے چھپنا پڑے"

وہ اسکی اداسی مانتی تھی لیکن اب زندگی اس موڑ پر آن رکی تھی کہ وہ کاشان کے سوا کسی کا سوچنا بھی خطا جانتی تھی لیکن اس سب کے باوجود اسے وھاج سکندر کی زندگی اور اسکی خوشیوں کی فکر تھی۔

وفا کی تحمل سے سمجھائی بات اسے سمجھ نہ آئی، وہ نگاہیں پھیرے دردناک سا مسکرایا۔

وفا کو اسکی تنہائی کو بھرا دیکھنے کی خواہش تھی۔

"رنگ نہیں چاہتا اب، میرے لیے رنگوں کا مطلب وفا تھیں۔ آپ خوش ہیں کاشان کے ساتھ؟"

اک خلش، کئی دکھ، لاتعداد کرب چھپائے وہ وفا کی تجویز رد کرتا اب بھی صرف اسی کا سوچ رہا تھا، وفا اسکے ٹالنے پر تھوڑی برہم سی ہوئی مگر اسکے سوال پر وہ مسکرائی تھی۔

"ہاں خوش ہوں، اس لیے چاہتی ہوں تم بھی خوش رہو۔ دوبارہ سے شروع کرو۔ ایم شیور تم جیسا انسان کسی بھی لڑکی کو خوش قسمت بنا دے گا۔ تمہیں محبت ہو جائے گی پھر، کسی ایسی سے جو تمہارے لائق ہو گی"

وہ خوش تھی ہی نہیں بلکے پہلی بار وھاج کو لگی بھی تھی، جوگن بنی ہوئی، کاشان ہمانی جیسی منفرد، وہ کبھی بھی کاشان کے لیے اچھے ڈھنگ سے سوچ نہیں سکتا تھا لیکن وہ شخص اگر وفا کی خوشی بن چکا تھا تو یقیناً وہی وفا کے لائق تھا۔

لیکن وفا کے حکم وہ چاہ کر بھی نہیں مان سکتا تھا نہ وھاج سکندر جیسے عشق پرست لوگوں کو اتنی آسانی سے دوسری محبت ہوا کرتی تھی۔

"بس فرض، نہ محبت نہ شادی۔۔۔ بہت سے لوگ ہیں جو محبت کے بنا بھی زندہ رہتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے اللہ نے اگر آپکو مجھ سے لیا ہے تو کسی بہتر کو ہی سونپا۔۔ ساری دنیا اگر کاشان ہمانی پر انگلیاں اٹھائے مگر اب میں نہیں اٹھاوں گا کیونکہ وہ آپکے دل میں مقید ہو گیا۔۔۔"

اسے وفا کا نام لے کر بات کرنے کی عادت تھی لیکن ستم کہ اب وہ اسے پکار بھی نہیں سکتا تھا، اور بنا وفا پکارے وہ بات کرنا، اس لڑکی کو دیکھ کر اپنے دل کو بہلانا مشکل جان رہا تھا۔

تبھی اپنی مختصر سی خوشی بیان کیے اپنا چائے کا کپ اٹھائے اٹھ کھڑا ہوا، وفا نے بے چینی سے اسکی جانب دیکھا جو بلا کا مطمئین دیکھائی دیتا اپنی نیلی آنکھوں کے سائے کو وفا پر سے ہمیشہ کے لیے ہٹا گیا۔

"وھاج سکندر! اگر کہو تو میں ڈھونڈوں تمہارے لیے کوئی لڑکی"

وہ بھی اسکے چہرے کو تکتی اٹھ کھڑی ہوئی، نجانے کیوں اسے یہ فکر تھی کہ دنیا کی خوبصورت سی یہ نیلی آنکھیں اداس نہ رہ جائیں۔

"اس لڑکی کا کیا قصور، میرے پاس اسکے لیے کچھ نہیں ہو گا۔ اک نظر تک نہیں۔ میں خوش ہوں اپنے فرض کے ساتھ، اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ۔ محبت بس ایک بار ہوتی ہے وفا، دوسری بار محبت کا مان نبھایا جاتا ہے۔ اگر کبھی میرے فرائض میں کسی محبت کا مان نبھانا لکھ دیا گیا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوں۔ ہمیشہ خوش رہیں"

وہ جسکی زندگی کی وجہ وفا تھی وہ ظالم تو اپنے لیے تھا بس، اس لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے آزاد کر رہا تھا۔

اپنی ہر چاہ سے، اپنی ہر فکر سے۔

"میں نے کبھی تمہاری اداسی نہیں چاہی، تم ہمیشہ میرے لیے میری زندگی کا ایک پازٹیو رخ رہے ہو۔ میری ہزار خامیوں اور ناانصافیوں کے باوجود بھی تم میری فکر میں رہے ہو۔ میں بس یہ چاہتی ہوں تم بھی پچھلا سب بھول کر اپنی زندگی شروع کرو۔ ہلال اور زہرہ آنٹی کی ہمت بنو، اور خوش رہنا دوبارہ سیکھو"

وہ بار بار اس سے آس کے سنگ ایک ہی ناممکن شے مانگ رہی تھی، بھلا وہ تاعمر اس لڑکی کے بچھڑنے کے صدمے پال کر کیسے خوش رہ سکتا ہے۔

"کبھی نہیں پتا چلے گا کسی کو کہ وہاج سکندر کی تکالیف کہاں چلی گئیں، مجھے خوش رہنا اور رکھنا آتا ہے۔ ویسے بھی آپکی خود کے لیے فکر دیکھی نہیں جائے گی اس لیے دوبارہ نہیں چھپوں گا۔ مسکرا بھی لوں گا، آپ کے لیے کم از کم اتنا تو کر ہی سکتا ہوں"

پہلی بار وفا اسکی اس بات کے بعد چہرے پر اتر آتی مبہم سی مسکراہٹ پر خوش ہوئی تھی، ہر کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا لیکن کسی کسی کو مل بھی جاتا ہے۔

جیسے وہاج سکندر، جسکا جہاں سب سے مکمل لکھ دیا گیا تھا۔

"تھینک یو، اب چلو اندر۔ سب کے ساتھ بیٹھو۔ دوبارہ تم الگ تھلک نظر آئے تو ناراض ہو جاوں گی"

نہ صرف وہ وھاج سکندر کے منصوعی خوش چہرے سے دھوکہ کھا کر مسکرائی بلکہ وھاج سکندر نے اس لمحے اسکے ساتھ ہی اندر کی جانب بڑھتے ایک اور سچ جان لیا تھا۔

اسکی یہ محبت یک طرفہ تھی، وہ دھوکہ دینے میں کامیاب تھا۔

اور اپنی اس عجیب وغریب سی ہار پر وہ دل جلا سا مسکرا دیا، یکہ طرفہ محبت اف!

وہ یاد تو آئے گی مگر تاعمر یاد نہ کرے گی۔۔۔۔

کاشان بھی آدھے گھنٹے تک بخاری ولا پہنچ آیا تھا، اسکی آمد پر اسکا سب نے خوشی اور محبت سے ویسا ہی خوش آمدید کیا جیسا وفا کی زندگی کے خاص حصے کے ناطے اسکا بنتا تھا۔

وحید صاحب کے چہرے کی خاموشی خود کاشان نے بھی محسوس کی تھی، کیونکہ اب وہ کاشان کو کاشان نہیں بلکہ پائزن کی طرح دیکھنے لگے تھے۔

پھر جب ان دونوں نے اپنی زندگی کی سب سے بری خوشی سب کے ساتھ شئیر کی تو یہ خوشی سبھی کی خوشی ہی ثابت ہوئی سوائے تین مختلف کیفیات رکھتے نفوس کے۔

ابدال مصطفی!

جسے محسوس ہوا کہ ایک بار پھر اس نے کچھ کھویا ہو، وہ ناراض اور دکھی نہیں تھا لیکن نجانے کیوں وہ وفا اور کاشان کی اس خوشی پر کوئی خوشی محسوس نہ کر رہا تھا، وفا کو ابدال کے ری ایکشن کی امید تھی لیکن وہ وفا کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا جیسے یہ ثابت کرنا چاہتا ہو کہ اسے اب ان باتوں سے سروکار نہیں رہا۔

پھر وھاج سکندر، جسے وفا میں کاشان ہمانی کا عکس دیکھائی دینے کی وجہ سمجھ آئی تھی۔

وہ بھی دکھی نہیں تھا، بس ٹھیک تھا، دنیاداری جیسا خوش اور کہیں کہیں خاموش سا۔

لیکن وحید بخاری کو اب ایک کے بجائے دو زندگیوں کی تباہی کا خطرہ دیکھائی دے رہا تھا۔

جب سے وفا اس رشتے میں بندھی تھی وہ وفا کو اذیت اور دکھ میں محسوس کرتے آئے تھے اور قسمت کا ستم دیکھیے کہ عین جس وقت وہ کاشان کی حقیقت جاننے کو تھے، قدرت نے انکی پیاری وفا کی خوشیاں ہی اس سفاک سے جوڑ دیں۔

ایک بار تو اس خبر نے انکا دل کپکپا دیا۔

انھیں وہ صبح یاد آئی جب وفا بہت اذیت میں گھر لوٹی تھی، ساری حقیقت گویا الہام بن کر ان پر وافع ہوئی۔

مگر یہ کیفیت بہت وقتی تھی، وہ کاشان اور وفا کو دیکھ کر یہ ماننے پر مجبور تھے کہ اللہ نے ان دو کا ساتھ عام نہیں لکھا، کیسے انکی نازوں سے پلی وفا، کل تک کاشان سے نجات کے لیے سسکتی وفا آج اسکے پاس ہونے پر اپنے سب سے بہترین روپ میں تھی۔

وہ بہت پریشان تھے، سب سے معذرت بھی جلدی کیے اپنے کمرے کا رخ کر گئے۔

وفا اور کاشان نے بھی واپسی کی اجازت لی اور نکل گئے، سب اچھے سے ہو گیا تھا لیکن وحید صاحب کو محسوس ہوا انکا سر پھٹ جائے گا۔

سب کو اپنے اپنے رومز میں بھیجنے کے بعد فریال انکے لیے چائے لیے کمرے میں آئیں تو بے قراری سے اپنے صاحب جان کو کھلی کھڑکی سے لگ کر کھڑا دیکھتیں وہ ان کے پاس چلی آئیں۔

محبت سے دیکھا اور بازو پر ہاتھ سہلائے متوجہ کیا۔

وہ کبھی اس وقت چائے نہیں پیتے تھے لیکن آج سوچیں اتنی تھیں کہ انکے کہرام سے ہوتا سر درد برداشت سے باہر تھا۔

خود فریال بھی سارا وقت محسوس کر چکی تھیں کہ آج وحید صاحب اداس سے تھے۔

"وفا کی زندگی میں آتی اس اتنی بڑی خوشی کے بعد بھی آپ اداس کیوں ہیں، کیا وہی مسئلہ تنگ کر رہا ہے۔ یہاں دیکھیں"

چائے کا کپ سائیڈ میز پر رکھے وہ پوری توجہ انکی جانب مبذول کیے انھیں دونوں بازووں سے تھامے روبرو لائیں جو جوابا رنج سے دیکھ رہے تھے، آنکھیں بہت بوجھ میں تھیں۔

"وفا کتنی خوش تھی ناں، اتنی تو تب بھی نہ تھی جب بھائیوں کے حصار میں بے خوفی اور خوشی سے جیتی اک گڑیا تھی۔ تم نے دیکھا وہ اسے اپنا قیدی بنا چکا ہے، ایسا قیدی جو اسکے بنا سانس بھی نہ لے سکے۔۔۔۔ میں بہت پریشان ہوں فریال، ساری دنیا ایک طرف لیکن وفا کا سکھ ایک طرف۔۔۔ میں کیسے اس سچائی کے بعد وفا کو بکھرنے سے بچا سکوں گا۔ وہ نہیں سمیٹی جائے گی۔ یہ کیسی بے بسی ہے، قدرت کیوں میرا اتنا بڑا امتحان چاہتی ہے۔ ایک طرف میرا پیشہ، میرا فرض اور میری کئی سال کی جنگ اور دوسری طرف بابا جان کی آخری امانت وفا، اسکی خوشی، اسکی اولاد کا مستقبل"

اتنی تکلیف میں تو فریال نے انھیں ساری زندگی نہ دیکھا تھا جتنی وہ اب تھے، اتنے مضبوط ہو کر بھی بکھرے ہوئے، فریال خود افسردہ تھیں۔

لیکن اپنے صاحب کی افسردگی دل کو دھکا سا لگا گئی تھی۔

"سب اللہ پے چھوڑ دیں، کیا پتا جیسا آپ سوچ رہے ہیں ایسا نہ ہو۔ ممکن تو یہ بھی ہے ناں کہ کاشان، پائزن ہو ہی نہ۔ کیا پتا قدرت نے کچھ اچھا ہی طے کر رکھا ہو۔ آپ خود کو قبل از وقت ہی ہلکان کر کے ہمت ہار رہے ہیں، رہی بات اگر یہ سب ہو بھی گیا تو وفا اپنی خوشی پر ایک ظالم کی سزا کے فیصلے کو ہی ترجیح دے گی۔ وہ کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ اسکی اولاد ایک قاتل اور ظالم درندے کے سائے میں پروان چڑھے"

وہ انکا ٹوٹا حوصلہ ہر ممکنہ جوڑنے میں لگی تھیں لیکن وحید صاحب کو قرار آنا ناممکن سا تھا۔

"لیکن وہ جینا تو چھوڑ دے گی، میں نے آج وفا کو بہت پر سکون دیکھا ہے۔ بلکل ویسی فرمابردار بیوی کی طرح جسکی ساری خوشی اسکا شوہر بن جاتا ہے۔۔۔ یا اللہ مجھے اس معاملے میں نہ آزمایئے گا"

تھکے سے قدم بڑھائے وہ بیڈ پر آ بیٹھے آزاردگی سے گویا ہوئے، فریال بھی ساتھ ہی آ کر بیٹھیں اور انکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"بس کریں، کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سچ پوچھیں تو آپکی اداسی آج بھی کلر ہے، یاد ہے جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی تھی تو تب بھی آپکے کچھ کام کے معاملات تھے جن سے آپ اتنے پریشان ہو جاتے تھے کہ میری تعریف تک بھول جاتے تھے۔ اور پھر کیسے کیسے جتن کر کے یہ بندی آپکی اٹینشن گین کیا کرتی تھی"

دانستہ سنجیدگی اور افسردگی کو کم کرنے وہ اس بار شرارت سے ان اچھے دنوں کی یاد دلائے وحید صاحب کو بھی اس ٹرانس سے نکال لانے میں کامیاب ہوئیں۔

"ہاں یاد ہے، میری پسندیدہ دلائی گئی سارھی پہن کر، میری فیورٹ کھیر بنا کر، اور وہ اپنی آواز میں نور جہاں کا جو گانا گاتی تھی، سب یاد ہے۔۔۔۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ تم کبھی میری توجہ کے حصار سے نہیں نکلی، آج بھی اول دن کی طرح پیاری اور عزیز ہو"

وہ ہر مشکل میں آسانی بنے انکے پاس جو تھیں، جذب سے کہتے کہتے انکی آواز بھاری ہوئی اور فریال آج بھی وحید کے اول دن جیسے کھرے اظہار پر شرماسی جاتیں انکے ساتھ جا لگیں۔

وہ محبت سے پہلے دوست تھے ایک دوسرے کے، اور اب اس عمر میں دکھ سکھ کے ساتھی۔

"آپ بھی بہت پیارے ہیں مجھے، میں ہوں ناں آپکے ساتھ۔ سب اچھا ہو گا۔ ہم اپنے سب بچوں کی خوشیاں دیکھیں گے۔ بس آپ کو سٹرونگ رہنا ہے، جو بڑے ہوتے ہیں انکو اللہ حوصلے بھی بڑے دیتا ہے۔ اسکا یقین رکھیں"

وقتی طور پر ہی سہی لیکن فریال نے اپنی موجودگی اور اپنے ڈھارس دیتے الفاظ سے انکو مضبوط تو کر دیا تھا مگر جو قیامت لکھ دی گئی تھی اسے بہر حال آنا ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"پلیز۔۔۔پلیز مجھے اتنا تو بتا دیں کہ فارس شاہ زندہ ہیں یا۔۔۔"

پرسوں اسکے فیصلے تک پائزن کے حکم پر قید میں رکھا جانا تھا، ایزل مہران ان دو گھسیٹ کر لے جاتے نقاب پوش آدمیوں سے منت بھرے لہجے میں التجاء کرتی سسکی تھی، اس پورے ہیڈ کوراٹر کے سٹاف کو ایزل کی غداری کا علم ہو چکا تھا۔

"تم اپنی فکر کرو، بس ایک دن اور اسکے بعد تمہاری اب تک کی تمام غداریوں کی سزا ملے گی۔ کتنا بھروسا کیا تھا پائزن نے تم پر، یہاں تک کہ تمہیں اپنی ٹیم کا اہم حصہ بنایا پر تم اس جھوٹی سچائی کے پیچھے لگ کر اپنی موت اسی کے ہاتھ لکھ بیٹھی جس نے تمہاری حفاظت کا عہد لیا تھا، تمہارے آخری سانسیں بھرتے باپ سے"

یہ ملگجی سا انویسٹیگیشن روم تھا جہاں ساونڈ پروف دیواروں کے علاوہ ایک پوری دیوار پر کمپوٹرائز سکرینز نسب تھیں، چار عدد پروفیشنل گن مینز تھے اور انکے ساتھ مین ہگنگ ڈیپارٹمنٹ کے چیف فیضان علوی موجود تھے جن کے انڈر ایزل کام کرتی تھی۔

وہ ناصرف ایزل پر برہم تھے بلکے اس لڑکی کی اتنی بڑی خطا پر وہ سچ بھی کہہ بیٹھے جس سے ایزل کی آنکھوں میں لمحہ بھر ہر منظر تھم گیا۔

"جھوٹ، بابا کو پائزن نے خود مارا تو بھلا وہ ایسا کیوں کرے گا"

اپنی حد تک وہ چینخی تھی، اسکے حلق سے لگی اس دردناک کونج پر فیضان علوی سپاٹ چہرہ لیے برہم نگاہ ایزل پر ڈالے دو قدم قریب آئے۔

"پائزن نے تمہارے بابا کو نہیں مارا ایزل مہران، بلکے ان تنظیموں نے مروایا جن کے خلاف جا کر وہ اپنا عہدہ پائزن کو سونپ چکے تھے۔ تمہارے بابا کو لنگز کینسر تھا، اور وہ اپنی پوری زندگی میں صرف اس ایک شخص پر ہی بھروسہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ اپنی موت سے پہلے بہت سارے راز کسی ایسے انسان کے سپرد کرنا چاہتے تھے جو انکا جانشین بنتا۔ جب ان خفیہ معافیہ تنظیموں کو اس بات کی خبر ملی کے تمہارے بابا اپنا سارا اختیار پائزن نامی پراسرار آدمی کو سونپ چکے ہیں تو نہ صرف ایک کیمیائی گیس سے تمہارے بابا کی جان لی گئی بلکہ پائزن کو بھی کئی بار مروانے کی کوشش ہوئی۔ یہ تو پائزن کی حکمت عملی اور دانش مندی تھی کہ اس نے تمہارے بابا کے سونپے اختیارات کو ان سے بھی بہتر استعمال کر کے خود کو اور ان تمام پراجیکٹس کو سیکور کیا جو ہمارے ملک کی سلامتی کے لیے بہت ضروری تھے۔ آہ ایزل تم نے اسی شخص کو مارنے کی خواہش کی جو اول دن سے تمہاری نہ صرف نفرت بھانپ چکا تھا بلکہ ہر حرکت پر نظر رکھنے کے باوجود مجھے ایکشن لینے سے روکتا تھا"

فیضان علوی کے ماتھے پر غصے اور تکلیف کی لاتعداد شکنیں تھیں اور ایزل مہران پر گویا اس ڈیپارٹمنٹ کی چھت آن گری تھی، وہ آنکھوں میں کرچیاں بھرے رنج سے انھیں دیکھ رہی تھی جو اس پر حد سے زیادہ برہم تھے۔

"تم اس فارم ہاوس میں وہ سارا جال پائزن کے لیے پھیلا کر آئی اور یہی نہیں ایگل ہیڈ کوارٹر کا مین آفس بھی زیریلی گیس سے بھر دیا تاکہ پائزن ایک جگہ سے بچ بھی نکلے تو دوسرا پھندا تیار ہو۔۔۔ لیکن تمہارے اس جال میں مہکار، عون اور فارس پھنس گئے۔ تمہاری نفرت اور غداری اب کھل گئی ہے، اور اب میں خود پائزن کو تمہاری سزا پر مجبور کروں گا۔ وہ صرف دھوکے سے نفرت کرتا ہے اور تم نے اسے وہی دیا۔ کوئی اپنے محسن کے ساتھ یہ کرتا ہے؟ اس انسان نے تمہارے بابا کی ان تھک محنت ڈوبنے سے بچائی، کئی عذاب ٹالے، اس خونی جنگ میں وہ کتنی بار موت سے لڑا، معافیہ کی ہیبت ناک تنظیموں سے ڈیل کرتا رہا۔ اس سب کے باوجود تمہاری زندگی کی حفاظت کی اور تم! تم نے اسکی پیٹھ پیچھے وار کیے۔ فارس کے ساتھ مل کر تم نے سمگلنگ والے معاملے میں بھی مخبری کروائی۔۔۔ کیا سمجھ رہی تھی تم کہ یہ سب اس سے چھپ سکتا ہے"

شاید آج وہ بھیانک رات تھی جسے ایزل کے لیے قیامت کی رات کہنا غلط نہ تھا، ایک کے بعد ایک اعصاب پر بجلی کی مانند گرتا انکشاف اسکی آنکھیں لہولہان کر گیا۔

ایک بار تو وہ سر تا پیر کانپی۔

اسکا پورا وجود پسینے میں بھیگتا گیا۔

"لیکن وہ کئی لوگوں کا قاتل ہے، میں بس اسے سزا دلوانا چاہتی تھی۔۔۔ ہاں مجھے۔۔ مجھے اس سے نفرت تھی، ہے، اس نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تبھی میں اسے برباد دیکھنے کی تمنائی تھی۔۔۔۔"

وہ اب بھی اپنے موقف پر پہاڑ سی ڈٹی توجیہ پیش کرتی اپنا غضب از سر نو جگائے غرائی تھی اور کیپٹن فیضان علوی کو اس لڑکی کی ہمت پر حیرت ہوئی۔

"تم جانتی ہی کیا ہو پائزن کے حوالے سے، جس معافیہ کا وہ حصہ ہے وہاں ایک قتل کرنے پر ہی اگلی سانس حلق میں انڈیلنے کی اجازت ملتی ہے۔ لیکن اس نے آج تک بلاوجہ کسی کا قتل نہیں کیا۔ تم جانتی بھی ہو پائزن کا بے نقاب ہونا کتنی بڑی تباہی لا سکتا ہے۔ ایسے لوگ کبھی بے نقاب نہیں ہوا کرتے، یا تو مر جاتے ہیں یا مار دیے جاتے ہیں۔ تمہارے بابا مرنے کے بعد بھی بے نقاب نہیں ہو سکے تھے، یہ بھی پائزن کی وجہ سے۔ ورنہ وہ تنظیمیں تو تمہارے بابا کی ہڈیاں بھی انکی قبر سے نوچ نکالتیں۔ جن جن لوگوں کو آج تک پائزن نے مارا ہے وہ سب وہ جاسوس تھے جنکی ایفیشنسی بھلے سامنے دیکھائی دینے میں بہت اچھی تھی لیکن در حقیقت وہ لوگ پائزن کو بے نقاب کر کے ایک لامتناہی عذاب لانے کے مرتکب ہوتے۔ پائزن بے نقاب ہوا تو ہم یہ جنگ ہار سکتے ہیں۔ ہم ان غلیظ اور گندے نیٹورکس کو کبھی بھی بے نقاب نہیں کر سکیں گے جو ہمارے ملک کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں، اہم راز اربوں کھربوں میں بیچتے ہیں۔۔۔ گندگی ختم کرنے کے لیے تھوڑا گند خود پر مل کر ہی اس سسٹم میں گھسنا پڑتا ہے"

آج بہت مدت بعد وہ پھٹ پڑے تھے، پائزن سے انھیں ہمیشہ شکوہ تھا لیکن اب وہ اس لڑکی کے لیے مزید پائزن کے کسی رحم کو برقرار نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔

انھیں افسوس تھا کہ پائزن نے کام سے پہلے ہمیشہ انسانیت کو اول کیوں رکھا تھا۔

"م۔۔۔ میں یہ سب نہیں جانتی تھی۔۔۔ م۔۔ مجھے پائزن سے ملنا ہے کیپٹن۔۔۔ مم۔۔ میں معافی مانگ لوں گی۔۔۔ م۔۔ مرنے سے پہلے معافی مانگ لوں گی"

اپنی زندگی بھر کی نفرت لمحے میں خاک ہوتی محسوس کیے وہ اس وقت قابل ترس حال میں فیضان علوی کے سامنے رو دی تھی۔

"نہ صرف ملنا بلکے تمہاری موت کے فیصلے سے پہلے وہ تمہیں اپنا اصل چہرہ بھی دیکھائے گا۔افسوس ایزل کہ تم نے محبت کے باوجود بھی اس انسان کی سچی اور کھری روح نہیں پہچانی۔ حالانکہ میں نے سنا تھا محبت تو جوہری کی مانند ہوتی ہے، ہیرے کو تلاش لیتی ہے۔ تم تو نہ اس سے جڑی محبت میں کھری نکلی نہ وفاداری میں۔۔۔۔اب یہاں بیٹھ کر اپنی موت کے لمحے گنو۔۔۔۔ تم جیسی کم ظرف کی یہی سزا ہے"

ناراضگی اور ملال میں لپٹ کر وہ لفظ لفظ ایزل پر تکلیف کی انتہا اتارتے ان چار عدد گارڈز کو اشارہ کرتے بنا ایزل کے کسی ندامت کے آنسو کی پرواہ کیے روم سے نکل گئے اور وہ فرش پر دہری ہو کر بیٹھے دیوار سے لگ کر دم سادھ گئی، اپنی درد کرتی آنکھیں انگلیوں کی پوروں سے دبانے لگی، لیکن آج تکلیف حد سے سوا تھی، وہ شخص جسے اس نے حقیقت میں صرف عشق کیا تھا، ایک لمحے میں مجرم سے ملزم بن گیا تھا۔

وہ روئی تھی، اتنا شدید ہچکیوں سے جیسے آج واقعی میں ایزل مہران کا عمر بھر کا نقصان ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"وہ ناراض ہیں مجھ سے، بہت زیادہ غصہ۔۔۔ کیا آپ میری خاطر اپنا کچھ وقت انھیں دے سکتی ہیں زویا؟ صرف چند گھنٹے۔۔۔ میں چاہتا ہوں ایک بار پھر صرف میرے لیے آپ میرے سوا بھی کسی کا مرہم بنیں۔۔۔۔ میکائیل رضوی کا"

بخاری ولا سے نکلتے ہی کاشان نے زویا کو ایک میسج ٹائپ کر کے بھیج دیا تھا مگر اس جانب ابھی تک خاموشی، احساس ندامت اور بہت سی برہمی قائم تھی، وہ چاہتی تھی سب سے پہلے نہال سے بات کرے، انکی دو مس کالز زویا کے فون پر انکے سوال کی ترجمان تھیں۔

کہ وہ کیوں نہیں آئی تھی؟ وہ تو ابھی تک وہ جواب بھی تراش نہ پائی کہ کاشان کی یہ درخواست اسے مزید الجھن میں اتار گئی، وہ ڈرائیور کے ساتھ حویلی سے نکل تو گئی مگر اس بے سمت منزل کے مسافر کی مانند جسکی ہر راہ کھو گئی ہو۔

دوسری جانب واپسی کا سفر کٹ رہا تھا لیکن وفا چاہتی تھی ایسے ہزاروں سفر اسکے مقدر میں لکھ دیے جائیں، جب خاموشی، تاریکی اور تنہائی کے سنگ اسکی دسترس میں کاشان ہمانی کی دھڑکن سننا ہو، اسے چپ چاپ بنا

پلکیں جھپکائے دیکھنا ہو، وہ اپنے بدلتے گرم جوش جذبات کی حدت پر حیران تھی جو اسکے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے، اس وقت وفا کے لیے جو احساس سب سے عزیز تھا وہ کاشان کی محبت ہونا تھا۔

جب سے وہ واپسی کے لیے روانہ ہوئے تھے، وہ مخمور نگاہیں گاہے بگاہے وفا پر جا سمٹتیں پھر دونوں مسکرا کر سفر پر دھیان دینے کی کوشش کرنے لگتے۔

"سب بہت خوش تھے، کیونکہ وفا خوش تھی۔ تم نے مجھ پر کیا جادو کیا ہے کاشان؟" وہ سٹیرنگ پر گرفت جمائے سفر کاٹ رہا تھا جب سماعت میں وفا کا نازک سا شکوہ پڑا تو اسکے چہرے کی رعنائی بڑھ سی گئی۔ وہ مسکراہٹ اس ساحر کے ہونٹوں پر آکر تہلکہ ہی تو مچا دیتی تھی پھر چپکے سے اسکا وفا کے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر آہستگی سے اپنے کشادہ سینے سے جوڑ لینا، وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر کاشان کے حصار میں آتی گھبرا سی گئی۔

"اب بھی کہہ رہا ہوں، یہ سب اس بچے کا اثر ہے۔ تم مجھے تڑپاو گی ناں وفا، جتنی قریب آرہی ہو اتنی دور چلی جاو گی" گاڑی بھیانک جھٹکے سے یوں رکی کہ وفا ہانپ کر رخ موڑے باہر پھیلے اندھیرے سے ڈر کر کاشان کو حصار گئی، اسکی نازک باہیں کسی ان کہے خوف میں مبتلا کاشان کو ہوش دلا گئیں۔ وہ کتنی ہی دیر اس جھٹکے پر وفا کے وجود میں لرزش محسوس کرتا رہا، ناجانے کیوں اسکے لاشعور نے جدائی کی خبر عام کر دی تھی۔

"تم سے دور ہو کر کیسے رہوں گی بھلا، م۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے جلدی چلو حویلی۔۔۔۔ رات بہت ہو گئی ہے" ایک تو سڑک سنسان پھر یوں کاشان کا ڈراتا ہوا انداز، وفا کو پریشان کر رہا تھا۔

اپنا ملائم ہاتھ اسکے سپاٹ مگر سنجیدہ چہرے سے جوڑے وہ دل ہی دل میں اب اس رات سے خوفزدہ تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے، گاڑی کے شیشے پر کسی چیز کے وار نے نہ صرف اسکے ٹکڑے کیے بلکہ کانچ کا ایک نوکیلا

حصہ کاشان کی کلائی کو زخمی کر گیا۔لگ بھگ وہ تین مسٹنڈے نشئی آدمی تھے جو ہاتھ میں پکڑے سریوں سے کاشان کی گاڑی پر وار کرتے انکو باہر نکلنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

"نکلو باہر لیلی مجنوں۔۔۔۔ نکالوں جو کچھ ہے ورنہ تمہاری اس نمکین لیلی کو اٹھا۔۔۔۔"وہ آدمی خباثت سے سہمی وفا کی جانب کہہ کر بڑھا تھا،وفا تو بس کاشان کی بازو لہولہان دیکھ کر ہی زرد پڑ گئی تھی۔کاشان نے خود ہی ناصرف گاڑی کا دروازہ کھولے جھٹکا دیے اس نشئی آدمی کو گھونسا مارے کئی قدم پیچھے دھکا دیا جس سے نہ صرف وہ گرا بلکہ اسکا سر بھی کسی پتھر سے ٹکرایا جس کے باعث وہ سڑک پر گرا کراہنے لگا۔

"ک۔۔کاشان۔۔۔۔کاشان" دوسری طرف سے وہ دوسرے دو آدمی کسی طرح وفا کو باہر نکالنے کی کوشش میں دروازہ کھولے اندر جھپٹ رہے تھے اور وفا سہم کر چینخی لیکن کاشان نے ان دونوں کو پشت سے گھسیٹ کر ایک ساتھ زمین پر دھکا دیا اور غصے اور عتاب سے جھک کر نا جانے کیسا جھٹکا دیا کہ ہڈی ٹوٹنے کی سی آواز پر ان دونوں آدمیوں کے حلق سے دلخراش دھاڑیں نکل کر اس رات کو بھیانک شور سے تھرا کر رکھ گئیں۔کاشان کا بس نہیں چلا تینوں کی قبر کھود ڈالتا۔

"ریلکس ہو جاو وفا،کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔۔" ان تینوں کو ادھ موا کیے وہ جب تک واپس اندر آکر بیٹھا،وفا روتی کانپتی اسکے سینے جا لگی،کاشان کی بازو سے نکلتا خون اسکی شرٹ کی پوری آستین لال کر چکا تھا۔

"ت۔۔تمہاری بازو۔۔۔۔ہوسپٹل چلو۔۔۔۔"وفا اسکی بازو کا خیال آتے ہی الگ ہوئے آنسو گرتی منمنائی مگر اس وقت اس جگہ سے نکلنا ضروری تھا تبھی وفا کو سرسری سا مطمئین کیے وہ ہوسپٹل کے بجائے حویلی ہی آیا۔آتے ہی وفا نے سب سے پہلے خود اسکی ڈریسنگ کی،کانچ بری طرح زخم بنا کر گیا تھا،زویا جا چکی تھی اور وہ خود بھی زویا کو اس زخم کا بتا کر ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا،وفا اسکے لیے جب تک گرم دودھ اور پین کلر لائی تب تک وہ شرٹ چینج کیے باہر آچکا تھا۔وفا کی اداس آنکھیں پھر سے مسکرا کر ٹالتا وہ اسکے ہاتھ سے ٹرے

لے کر رکھتا ساری توجہ وفا کی پریشان صورت کی جانب ڈالتا اسکا چہرہ اپنے گرم لمس پہنچاتے ہاتھوں میں بھر گیا۔

"ت۔۔ تم تو ان تینوں کو مار ہی دیتے، کیا تم ایسے ہی بنا سوچے کسی کو بھی سزا دے دیتے ہو۔ کتنا ڈر گئی تھی، اگر زیادہ لگ جاتی تمہیں۔ ساری غلطی بھی تمہاری ہے، کیوں گاڑی روکی اتنی رات کو وہاں۔۔۔۔۔" غصہ اور خوف ملائے وہ اسکے مسکرا کر دیکھنے پر مزید برہمی سے پوچھ رہی تھی، وفا کی ہتھیلی کاشان کی بازو کے گرد جمی اسکے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹانے کی کوشش میں تھی۔

"ان دونوں نے تمہیں چھونے کی کوشش کی، اور تیسرے نے مجھ سے الجھ کر اپنے برے وقت کو دعوت دی۔۔۔۔۔ یہ تو آجکل کے حالات ہیں، رات کا سفر سیو نہیں ہوتا۔۔۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے، معمولی سا کٹ ہے۔۔۔۔" اپنے ہاتھ ہٹائے، وفا کے گرد بازو پھیلائے وہ اسے بیڈ پر بٹھائے خود بھی بیٹھا، وفا اسکی بازو ہاتھوں میں لے کر ہنوز فکر مندی سے کاشان کو دیکھ رہی تھی۔

"لیکن اتنا سارا خون نکل گیا مفت میں، اب بتاؤ تم کیوں اداس ہو گئے تھے ایک دم۔۔ گاڑی کیوں روک دی تھی۔۔۔۔ کوئی بھی بات تم کو پریشان کرے تم مجھ سے شئیر کر سکتے ہو" ساری باتیں ایک طرف کیے وہ اس وقت صرف کاشان کو سننا چاہتی تھی، رخ کے ساتھ چہرہ بھی اسکی جانب کیے، بہت نرمی سے وہ اسے دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"اگر کوئی تمہیں آکر کہے کہ کاشان بہت برا انسان ہے، اور تمہارے پاس مجھ سے الگ ہونے کے سوا کوئی آپشن نہ بچے تو کیا کرو گی؟" کاشان کے الجھن آمیز انداز اور سوال پر اسکا دل حلق میں آگیا تھا، پہلے تو وہ رنج سے اسکے سوال کی سختی پر نالاں لگی اور پھر نظر ہی جھکا لی۔ اپنے ہاتھوں میں لی کاشان کی بازو دیکھنے لگی جس پر زخم کا سرخ نشان دکھائی دے رہا تھا۔

"میں کسی پر یقین نہیں کروں گی، میں تم سے پوچھوں گی، الگ ہونے کی بات کرتے ہو تو دھڑکن، دل سے جدا ہونے لگتی ہے۔ سچ یہی ہے کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں"

جذبات کی لو دیتی وفا کی آنکھیں اٹھیں تو ان کی نمی میں وہ اتنا مضبوط مرد ڈوب سا گیا تھا، جب زوال آئے تو پتا ہلنے کی صدا بھی دل لرزانے لگتی تھی۔ بھری دنیا میں محبت کرنے والوں کا ایک دوسرے کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔

"انسان چاہتا تو بہت کچھ ہے، لیکن کبھی کبھی چاہت سے زیادہ بہتری افضل ہوتی ہے۔ میرے ساتھ رہنے میں بہت خطرہ ہے تمہارے لیے، بہت زیادہ قیمتی ہو تم، کبھی نہیں سوچا تھا کہ میری وفا نامی ضد کے اندر مجھے ہار سونپتا عشق چھپا ہو گا" وہ ایک ایک لفظ جان لیوا ادا کیے وفا کی اداس آنکھوں میں نمی لے آیا تھا، وہ اپنے آنسو اس فی الحال سفاک بنتے شخص سے چرائے اٹھی، دودھ کا گلاس اٹھا کر کاشان کی سمت بڑھایا اور ٹیبلٹ نکال کر اپنی جانب دیکھتے کاشان کو یکسر نظر انداز کیے اسکے منہ میں ڈالی۔ نا چاہتے ہوئے بھی روٹھی حسینہ کی دبنگ زبردستی پر وہ مسکرا دیا، گلاس پکڑ کر بس دو گھونٹ بھرے واپس میز پر رکھے وفا کی کلائی تھامے قریب لایا جو ہنوز اسے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"کتنا روٹھتی ہو تم" شوخ ہوتا وہ زرا اٹھ کر بیڈ کروان سے ٹیک لگائے اپنے روبرو وفا کو بٹھائے اسے جتانے کو جان بوجھ کر بولا مگر وہ اپنی کلائی آزاد کرواتی چہرہ موڑ گئی۔

"تم مجھ سے محبت نہیں کرتے، اگر کرتے ہوتے تو یہ کہتے کہ تم شفاء ہو میری۔۔۔ جس انسان کی اتنی شدید محبت اللہ نے میرے دل میں ڈالی وہ میرے لیے خطرہ کیوں ہو گا؟ تم کہتے ہو یہ سب اٹیچمنٹ اس بچے کا اثر ہے تو ایسا نہیں ہے۔ میں تمہارے معاملے میں ہار گئی ہوں، بہت بری۔۔۔۔ جن نظروں سے تم مجھے دیکھتے ہو وہ مجھے سکون پہنچاتی ہیں، جب جب تم مجھے محبت سے چھوتے ہو، میں اک نئی خوشی دریافت کرتی ہوں۔

قیمتی ہوتی تو تم دوبارہ مجھے یہ سب کہہ کر دکھ نہ دیتے۔۔۔۔" وہ سچی تھی، کھری اور خالص، مگر اسکی زبان سے ادا ہوتا ایک ایک حرف کاشان ہمانی کے دل کی تنگی دور کر رہا تھا، وہ اسے دیکھتے ہوئے اپنے سکون کو مد نظر رکھتا تھا۔ اور وہ روٹھ جاتی تھی، فوراً۔ جیسے وہ اسے فوراً منا لے گا۔

"میں ایسا انسان ہوں جسکی قربت بھی تکلیف دیتی ہے، میں خود کے معاملے میں تھوڑا نیگیٹو ہوں۔ تم کچھ نہیں جانتی میرے متعلق، ممکن ہے یہ میرا چہرہ فریب ہو کوئی، دھوکہ ہو۔۔۔۔" وہ اسے آزمانا چاہتا تھا، بے خوفی سے تبھی دریافت کرنے لگا، وفا کی بھیگی پلکیں اور نگاہوں کے شکوہ کناں انداز کاشان کو جتا گئے کہ وہ اس سے ناراض ہو رہی ہے۔

"میں بلکل بھی بات نہیں کروں گی تم سے، تھوڑی سی خوشی دے کر اب تم مجھے رلانا چاہتے ہو۔ فائن۔۔۔ نہیں رونا میں نے بھی" اپنی ہتھیلی سے آنکھیں بے دردی کے سنگ رگڑے نہ صرف وہ اسکے سامنے سے اٹھی بلکہ بیڈ پر چڑھے تکیہ درست کرتی کروٹ بدلے جا لیٹی، کاشان اسکے نہ رونے والے دعوے پر مسکراہٹ لیے وہیں وفا کے کندھے پر جھک آیا، وفا نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر دیں جیسے سونے کی بھرپور آداکاری کرنے والی ہو۔ "لیکن میرا من تو بات کا ہے، میں نے تھوڑی خوشی نہیں۔۔۔ بہت سی دینی ہے، اتنی کہ تم رو پڑو۔۔۔۔" کان میں گدگداتی ہوئی شرارت سے بھری بازگشت پر وفا برہمی سے رخ موڑے سیدھی ہوئی مگر اسکی نم نم پلکیں کاشان کو خود کی جانب مائل کر گئیں۔ "تم دل دکھاتے ہو میرا، نہیں بولتی تم سے" رونا تو جیسے ان پلکوں کے سائے میں ڈبڈباتی آنکھوں کا مسکن بن گیا تھا، وہ اسکے سینے پر ہاتھوں کی قوت لگائے اسے پرے کرنا چاہتی تھی مگر وہ نا صرف حاوی ہوا بلکے وفا کا سر اٹھا کر اپنے کندھے پر دھرے خود بھی سیدھا لیٹ گیا، وفا نے فوراً سے بیشتر اپنا چہرہ اسکے سینے سے لگا کر چھپا لیا تھا۔ "پاگل ہو تم۔۔۔۔ کل کا دن دو گی؟" نیند سی اسکی ہیزل گرے آنکھوں میں گھوم رہی تھی، اس وقت وہ ہر درد سے

بے نیاز سا تھا۔ وفا نے حیرت سے اسکے سینے سے چہرہ الگ کیے کاشان کا چہرہ دیکھا، کیا وہ اس سے واقعی ایک دن ہی مانگ رہا تھا۔

"میرا ہر دن تمہارا ہی تو ہے" وہ یہ اقرار کرتی روہانسی ہوئی لیکن کوئی کاشان سے پوچھتا، اس ایک جملے میں بسا سکھ کا جہاں۔

"مجھے صرف ایک دن چاہیے، تمہیں کاشان ہمانی سے ملوانا چاہتا ہوں۔ اس انسان سے جسکو ملنے سے میں خود کتراتا ہوں۔۔۔۔ تم ملو گی اس سے؟" وہ کاشان کی سرد سوالیہ نظروں پر سانس بھر کر رہ گئی، وہ کیوں تھا اتنا ظالم۔

"آئی ہیٹ یو۔۔۔" غصہ اور دکھ دباتی وہ اسکی جان لیوا اذات سے خوفزدہ ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑا تو بیٹھی مگر کاشان کی ہنسی نے وفا کو مزید نڈھال کیا۔ اسکی ہتھیلی کاشان کے سینے پر دل کی جگہ تھی اور وہ اسکے دل کی رفتار محسوس کر رہی تھی۔

"منع بھی کیا تھا محبت مت کرنا، کر لیا ناں اپنا بیڑا غرق۔۔۔۔ کسی دن جان لے جاو گی تم میری۔۔۔" اب اتنے ستم ایک ساتھ وفا کا دامن سہہ نہیں سکتا تھا تبھی گال سے گال سہلائے وہ سارے ستم کی تلافی کر گیا تھا، وہ اس پر سکون لمحے اپنی بوجھل آنکھیں بند کیے بس وہ لمس محسوس کر رہی تھی جو کاشان کی انگلیوں کی پوروں سے اسکے چہرے پر لکھے جا رہے تھے۔ لمحہ لگا تھا ان دو کو اک دوجے میں مقید ہونے میں، جیسے ہر پس و پیش کو جھٹلا دینا اب واجب ٹھہر گیا ہو۔ وہ اسے استحاق میں لپٹے چند پر لطف احساس سونپے جب اسکے ہر اداسی سے پاک ہوتے چہرے کو دیکھنے کے لیے زرا فاصلہ بنائے دور ہٹا تو وفا کی مسکراتی صورت اسکے دل کا سکون بڑھا گئی۔

"کل کا دن مکمل ہم دو کا ہو گا، میں چاہتا ہوں تمہاری زندگی کا کم از کم ایک دن تو ایسا بنا دوں کہ تم آخری سانس تک بھی کاشان ہمانی کی محبت کے حصار سے نکل نہ پاو۔ پہلے تمہیں اپنے اچھے سچ بتاوں گا اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔ برے" وہ اس بار مسکرا نہ سکا تھا، شدت سے اسے اپنے حصار میں بھرے خوفزدہ ہوا، خود سے ہمکلام تھا۔

"میں کل کا دن تمہاری زندگی کا بہترین دن بناوں گا، مجھے دور ہونا ہے تم سے۔۔۔ میں تمہیں خود کے لیے تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا، ہم ساتھ رہے تو ہماری اس محبت کو نظر لگ جائے گی" وہ دل سے ڈوب رہا تھا، کسی متاع جان کی طرح وفا کو اپنے سینے سے لگائے، باہوں میں حلول کیے عہد ہجراں باندھتے وقت اسکا دل کپکپا رہا تھا۔

"میں اچھا نہیں ہو سکتا، تم جتنا تو ہرگز نہیں۔ مجھے تم سے بچھڑنے کی بہت تکلیف ہے لیکن کیا کروں، تمہیں میرے بنا جینا ہو گا۔۔۔۔" وفا کو اسکی طویل چپ نے فکر مند کیا تو وہ اسکے حصار سے زرا نکل کر کاشان کی آنکھوں سے آنکھیں ملائے سانس روکے سوال کرنے لگی۔ وہ کیا بتاتا کہ اسکی آنکھئں کاشان کی ہار بن جائیں گی۔

"تم چپ مت ہوا کرو، مجھے تم بولتے زیادہ اچھے لگتے ہو۔۔۔۔ کل کا دن تم لے لو لیکن ایک بات یاد رکھنا کاشان، مجھ سے الگ ہونے یا دور ہونے کی کوشش بھی مت کرنا۔ مجھے ایک خوبصورت دن دے کر اپنی کمی والی پہاڑ زندگی مت دینا۔۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں سمجھوں گی تم نے صرف مجھ سے چھٹکارہ پانے کو خود کو برا ثابت کیا۔۔ مجھے نہ تو اچھا چاہیے نہ برا، مجھے صرف کاشان چاہیے۔۔۔۔ جیسا ہے ویسا۔۔ کیونکہ تمہارے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں نے محبت کرلی تم سے۔۔۔ مجھے مت توڑنا، میں تم سے دور سانس بھی نہیں لوں گی اور اسے خالی میری دھمکی مت سمجھنا" وہ اسکی آغوش میں دم ہارتی یوں سسکی جیسے واقعی

اس پل سانس روکے اسے وارن کر گئی ہو، وہ کئی ثانیے تو کچھ بولنے کے قابل نہ رہا اور جب ہوش تھاما تو اپنی ظالم آنکھوں میں اتر آتی حسرت چھپا نہ سکا۔ محبتیں اتنی گہری ہوں تو بچھڑنا واجب ہو جاتا ہے، اسے وفا کے جذبے ڈرا رہے تھے۔ وہ اسکے ہونٹوں کی نرمی، رخسار پر ڈھلک آتے آنسوؤں کی حدت اور گردن کے بل کے باعث ابھر آتی رگوں کی سختی محسوس کرتا، جب اس سفر سے لوٹا تو دھیرے دھیرے مسکراتی آنکھیں وصال کرنے لگیں، سانسیں ہر تھکن سے آزاد ہوتی اک دوجے کی دھڑکن تک اترنے لگیں۔

"سو جاو، میں خود کو روک نہیں پاؤں گا۔ میری کم سے کم شدت بھی تمہارے لیے اخیر ثابت ہو گی۔۔۔۔ تمہارے جذبات میری شدت دہکا رہے ہیں، مت بنا کرو خود کی دشمن۔۔۔۔ جب میں چپ ہوتا ہوں تو سمجھ جایا کرو تم پر مہربان ہوتا ہوں۔۔۔۔۔۔ تم مجھ سے بڑی ضدی نکلی۔۔۔ کر ہی لی مجھ سیاہ سے محبت، ایک دن کا وعدہ ہے میرا۔۔۔۔ بعد کی کیا خبر، تمہیں ملوں نہ ملوں۔۔۔۔۔ تمہیں دیکھائی دوں نہ دوں" اسے عادت تھی، خود کو جلانے کی۔ وہ اس وقت کاشان کے لفظوں کا درد سمجھ تو گئی مگر وہ اتنے قریب تھا کہ چاہ کر بھی انکی سختی محسوس نہ کر سکی۔ دل کے افق پر شعلہ سا بھڑکا تھا، وہ سمجھ گیا تھا یہ دل نے ماتم کیا تھا، وہ کچھ نہ بولی اور نہ پھر اسکے بعد کاشان نے اسے نے جا کچھ بولنے کی مہلت دی۔ ھ-وتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی جو اگر نہ ملیں تو منظر ادھورا لگنے لگتا ہے اور اگر وہ مِل جائیں تو کہانی اپنا تسلسل کھونے لگتی ھ-ے. بلکل وفا اور کاشان کے جیسے۔

"گر مجھے اس کا یقیں ہو

کہ ترے دل کی تھکن

تری آنکھوں کی اداسی، ترے سینے کی جلن

مری دلجوئی، مرے پیار سے مٹ جائے گی

گر مرا حرفِ تسلی وہ دوا ہو جس سے

جی اٹھے پھر ترا اجھڑا ہوا بے نور دماغ

تری پیشانی سے دھل جائیں یہ تذلیل کے داغ

تری بیمار جوانی کو شفا ہو جائے"

اسے دیکھنا اور نظر بھر کر دیکھ لینے کے بعد نظر انداز کر دینا جان جو کھم کا کام تھا، اسکی ہیزل گرے آنکھیں نم سبزے کی مانند اپنے وجود پر ٹھنڈی اوس لیے تھیں، تر واہٹ آمیز، سکون بہم پہنچاتی ہوئی، روح پرور، اور جب ان آنکھوں کا سنگم چند پر امید الفاظ کے سنگ ہوا تو لفظ لفظ میں زندگی اتر آئی۔

وہ اسکے ہاتھ کو تھامے ایک دن تو کیا، ایک صدی گزار سکتی تھی، بنا پلک جھپکائے یہ لمس بھرے پل گزار سکتی تھی۔

"گر مجھے اس کا یقیں ہو مرے ہمدم مرے دوست

روز و شب، شام و سحر میں تجھے بہلاتا رہوں

میں تجھے گیت سناتا رہوں

ہلکے شیریں

آبشاروں کے، بہاروں کے، چمن زاروں کے گیت

آمدِ صبح کے، مہتاب کے، سیاروں کے گیت

تجھ سے میں حسن و محبت کی حکایات کہوں

کیسے مغرور حسیناؤں کے برفاب سے جسم

گرم ہاتھوں کی حرارت سے پگھل جاتے ہیں

کیسے اک چہرے کے ٹھہرے ہوئے مانوس نقوش
دیکھتے دیکھتے یک لخت بدل جاتے ہیں"

وہ امید و سیم میں جی رہا تھا، تا عمر وفا کی دستک دیتی ذات کی موجودگی اپنے دل کے دروازوں پر محسوس کرنے کی لگن لیے، وفا کے بچھڑ جانے کا ہر خوف بھلائے، اسکی دھڑکنوں کے گیت سنتے ہوئے، اسکی سانسوں کا اتار چڑھاو جانچتے ہوئے وہ کہتے کہتے کچھ لمحے کے لیے تھم سا گیا۔

کئی ڈر دامن کو گھیر گئے، اس انمول رگ جان سی لڑکی سے زمینی جدائی کی قیامت خیز گھڑیاں ابھی سے اسے تڑپا گئیں۔

نا جانے کیوں وہ بھی زرا ہاتھ بڑھا کر ان حسین مگر اداس آنکھوں کے گوشے، اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھونے لگی، آخر کیوں اس شخص کے ہر مو سے بے قراری و وحشت نمایاں ہوئی تھی۔

"کس طرح عارضِ محبوب کا شفاف بلور
یک بیک بادہ احمر سے دہک جاتا ہے
کیسے گلچیں کے لئے جھکتی ہے خود شاخِ گلاں
کس طرح رات کا ایوان مہک جاتا ہے
یونہی گاتا رہوں، گاتا رہوں تری خاطر
گیت بنتا رہوں، بیٹھا رہوں تری خاطر
پر مرے گیت ترے دکھ کا مداوا ہی نہیں
نغمہ جراح نہیں، مونس و غم خوار سہی
گیت نشتر تو نہیں، مرہمِ آزار سہی

ترے آزار کا چارہ نہیں نشتر کے سوا

اور یہ سفاک مسیحہ مرے قبضے میں نہیں

اس جہاں کے کسی ذی روح کے قبضے میں نہیں

ہاں مگر۔۔۔۔۔۔"

وہ نظریں چرا لی گئیں، آواز میں بے قراری و بے تابی والا سہما پن نمایاں ہوا تو وفا نے بے چین ہوئے اس کا موڑا چہرہ اپنی جانب پھیرا اور اسے بات مکمل کرنے کی درخواست کی۔

"ہاں مگر۔۔۔

ترے سوا، ترے سوا۔۔۔۔۔ ترے سوا۔۔۔"!!

وہ مضبوط لہجہ دڑاروں کی زد میں کانپا تھا، کچھ ملاقاتیں بنا انجام کے بھی ختم ہو جایا کرتی ہیں، جیسے راہ میں کوئی مانوس شخص آپ سے آپ کا دو گھڑی حال پوچھے اور آپکی برباد ہوتی آنکھوں میں دیکھنے سے چوک کر گزر جائے۔

جیسے کئی دنوں کے انتظار کے بعد بھی بارش تو برسے مگر بس چند بوند کے سنگ، ترسائے، تڑپائے اور تشنہ چھوڑے ختم ہو کر دھنک کا روپ دھار جائے۔

ھائے یہ بے چارہ، بے بس اور رندھا ہوا دل!

ھائے یہ اجڑا، وحشی و بے تاب سا وہ شخص۔۔۔!

وہ صرف وفا کی زندگی کا ایک دن چاہتا تھا، پورا، سارے کا سارا۔

اس نے اپنی خوامخواہ درد سے چور ہوتی آنکھیں بند کیے کہیں اور بیدار ہو جانا زیادہ بہتر جانا، وہ اپنا دکھ کہہ نہیں پاتا تھا، وہ تبھی اس عنقریب جدائی کی گھڑیوں کو سوچ کر ٹوٹ سا رہا تھا۔

"تم وہ پہلی روح ہو جس نے میرے دل کا خلاء دیکھا ہے، اس سے پہلے اس ویرانے کا گواہ صرف میرا خدا تھا۔۔۔وہی خدا، وہی پالن ہار جس نے میرے وجود کی ہر تہہ میں تمہیں اتار دیا، میرے دل کی ایک ایک رگ میں پیوست کیا، میں مرنے سے یا بچھڑنے سے ہرگز خوفزدہ نہیں بس تمہارے دل کے مکیں ہونے کے اس منسب سے اتر جانے کا خدشہ جان لیوا ہے"

وہ اسکے سینے پر سر رکھے آہستہ آہستہ سانس لیتی پلوں میں نیند کی مہربان آغوش میں اتر گئی اور وہ اپنی درد کرتی آنکھیں کھولے یک ٹک اس جان سے بڑھ کر پیاری وفا کو تکتا اسے اظہار قلب سونپ رہا تھا، حکایت سنا رہا تھا۔

"میں صحرائی ندی ہوں

پانی سے تر مگر جنم جنم سے تشنہ..

میری چمکتی ہوئی پیاس بڑی منہ زور ہے

مجھے اس پیڑ پر بہت رشک آتا ہے جو راہ چلتوں کو چھاؤں بخش کر خود دھوپ میں جلتا رہتا ہے

مگر میرا معاملہ الٹ ہے

میں اندر ہی اندر بلکتے ہوئے اوپری دل سے تمہاری تشنگی مٹاتا رہا ہوں۔

میں وہ قزاق بھی ہوں جس نے مسافروں کے حصے پر نظر رکھنے کا گناہ کیا تھا۔

یہ میرے انہی گناہوں کی سزا ہے کہ میری پیاس کے مقدر میں عمر بھر کے روزے آئے ہیں

اور ہر روزے کی عمر تئیس گھنٹے انسٹھ منٹ ہے، میری بدحواسی اور وحشت کی وجہ بھی وقت کی یہی قلت ہے

تم سمجھتی ہو نا اب باقی کے ایک منٹ میں تو پیاس نہیں بجھتی"!

وہ کراہ اٹھا تھا، تکلیف نے چپکے سے زور پکڑے سماعت پر ہتھوڑے برسائے تھے، کیسے لمحے میں جان نکلتی ہے وہ اس اذیت سے بچپن سے واقف تھا۔

اسکا سر درد سے پھٹنے لگا تھا، کوئی دوا اثر نہیں کرتی تھی، پہلی بار اسکی آنکھیں کرب سے بھیگی تھیں، اور ایسی بھیگیں کہ اسکی آنکھوں میں دیکھائی دیتی وفا کی صورت لمحہ بھر کو دھندا کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گہری رات سے راز و نیاز کرنے کی اک مشکل کوشش کے بعد ہلکی سی تھکن اسکے چہرے اور وجود پر ثبت تھی، وہ کافی دیر اپنی منتشر سوچوں کو سمیٹتا رہا اور پھر قدم خود بخود وھاج سکندر کے کمرے کی جانب اٹھے۔

وہ رولنگ چیئر پر بیٹھا کسی کتاب کی ورق گردانی میں محو تھا جب قدموں کی مانوس آہٹ پر سر اٹھائے دیکھنے لگا اور اگلے ہی لمحے وھاج سکندر کے سنجیدہ چہرے پر دھیمی اور پر سکون مسکراہٹ اتر آئی۔

"کیا ہوا جونئیر، نیند نہیں آرہی؟"

دوستانہ لہجے میں کتاب بند کرتا وہ نا صرف اٹھا بلکے شفقت بھرے انداز میں بازو ابدال کے گرد پھیلائے سٹنگ ایریا کی جانب بڑھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہی صوفے پر بیٹھے، وھاج کی مسکراتی اور کھوجتی نگاہیں بہت فرصت سے ابدال مصطفی کے چہرے پر جمی تھیں۔

"نیند تو بہت ہے لیکن سونے کا دل نہیں چاہتا، آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے؟"

مایوس سا جواب دیے وہ سادگی سے وھاج کو دیکھنے لگا، جہاں اک تلخی نمودار ہوئی تھی۔

"جن کی زندگی فرض بن جائے انھیں نیند سے رغبت نہیں رہتی، لیکن تمہاری معصوم و کم سن عمر تو ایسی بے خوابی کی مستحق نہیں۔ عناب کے لیے اگر پریشان ہو تو تسلی رکھو، اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کروں گا اسکی"

بہت سی تلخیاں ان دو کے بیچ آکر انھیں ایک دوسرے سے دور کر گئی تھیں مگر ابدال معترف تھا اس شخص کی حفاظت و خلوص کا، وہ تو یہاں مشکور و ممنون ہو کر آیا تھا کہ وھاج سکندر کو چند لفظ کہہ سکے، اسے کہہ سکے کہ وہ بھائی سے بڑھ کر ہے، اپنے کیے کی معافی مانگے لیکن وھاج سکندر کا حوصلہ دینا ہی ابدال کے سارے ارادے توڑ گیا۔

وہ اپنی آنکھوں کی شکستگی چھپانے کو چہرہ موڑ گیا۔

وھاج اسکی از سر نو ابھر آتی تکلیف پر آزردہ ہوا۔

"مجھے معاف کر دیں وھاج لالہ، میں نے کتنا برا برتاؤ کیا آپ سے۔۔۔ میں نے نا جانے کیا کیا بد دعائیں دیں، کہیں نہ کہیں میری اس بدبخت حرکت ہی کی وجہ سے وفا آپکی پہنچ سے ہمیشہ کے لیے نکل گئیں۔ میں آپکی ویران زندگی کا سبب خود کو سمجھوں گا، آپ نے عناب کی جان بچائی۔۔۔ آپ نے ابدال مصطفی کی زندگی لوٹائی، میں آپ کے اس احسان کو آخری سانس تک اتار نہیں سکوں گا۔۔۔"

بہت کم تھے ایسے افراد جن کی اہمیت وہ برملا تسلیم کرتا تھا، آج اسکی آنکھوں کی نمی اور آواز کے کرب نے وھاج کو بھی آزردہ کیا، وہ ابدال کے چہرے کی تکلیف دیکھتا اسکی گال پر اتر آتے آنسو کو بہت شفقت سے ہٹا گیا، اسے اپنے سینے میں یوں بھینچ لیا جیسے کوئی اپنی قیمتی متاع سنبھال لیتا ہے۔

"بس میرے شیر، تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میرے ذمے محبت اور عشق سے کہیں بڑا شرف لکھا گیا ہے۔ اور عناب کی حفاظت تم پر یا کسی پر کوئی احسان نہیں ہے۔ بلکے یہی میرے جینے کا مقصد ہے۔ تم مجھے ہلال سے بڑھ کر پیارے ہو ابدال، اور میں کبھی تمہاری ہستی کو ملال و الم میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس گلٹ سے نکل آو کیونکہ وفا بھی خوش ہیں اور میرے زخم بھی بھر چکے ہیں"

وہ بہت مہارت سے ابدال کی معذرت اپنے دامن میں سمیٹ لیتا اسے مزید مضبوط بنا گیا تھا لیکن وہ کوئی عام دل نہیں تھا نہ عام دماغ جو اس وقت وھاج سکندر کی اندرون کیفیت کو بہت آسانی سے محسوس کر رہا تھا۔

"محبت نے سنوار دیا ہے یا اجاڑ؟ کیا زخم اتنے عام تھے جو محبوب کی خوشی دیکھ کر ہی بھر گئے؟"

کچھ دیر خاموشی سے وہ وھاج کی بہلاتی کوششیں بھانپتا رہا اور پھر قنوطیت بھرے لہجے میں ہمکلام ہوا۔

وھاج کے چہرے کی رنگت یکلخت بدلی۔

"میں نے جس شدت سے انھیں اللہ سے مانگا تھا، اس پر بھی اگر وہ نہیں ملیں تو یہ وہ حساب تھا کہ میں خوامخواہ ایک پھول کی ضد لگائے ہوئے ہوں۔ لیکن اصل میں میرے نصیب میں تو گلشن درج تھا، سکون، راحت اور محبت تو کسی روتے کو چپ کروانے سے وابستہ ہیں، کسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندھیرے سے روشنی میں لانے سے جڑے ہیں، کسی کی تا عمر بنا صلے کے حفاظت سے مشروط ہے۔ اس رب نے زخم دیا ہے تو میں نے اسی کی رضا کو اپنا درماں بنا لیا"

وھاج سکندر یہ باتیں تبھی کر رہا تھا کیونکہ اسکے مقابل زندگی اور موت کے ہر ستم جھلیتا ابدال مصطفی براجمان تھا، جسکی سوچیں پختہ، جسکے خواب مضبوط اور جسکے اعصاب ابھی سے بے حد توانا تھے۔

"میں آپکے لیے دعاگو رہوں گا ہمیشہ"

ابدال مصطفی کی دھاڑس پر وھاج سکندر کے چہرے پر جاندار مسکراہٹ اتری۔

"تمہاری ہر دعا قیمتی ہے میرے شیر، میں ہر دم تمہارے ساتھ ہوں۔ عناب کے ساتھ۔۔۔۔"
ابدال کی اس تسلی پر ابھر آتی مسکراہٹ، گویا وھاج کے دل پر دھرے ہر بوجھ کو بھی اتار گئی۔
"میں نے بھی بہت شدت سے چاہا تھا کہ وفا آپکی ہو جائیں، کیونکہ ایک آپ ہی واحد تھے جن کے حوالے سے میں پر یقین تھا کہ آپ وفا کو مجھ سے کبھی الگ نہیں کریں گے۔ اب بھلے وہ خوش ہیں، بہت بدل گئی ہیں۔ انکی اپنی اولاد آنے والی ہے۔۔۔ وہ ہر درد سے نکل چکی ہیں لیکن سب سے تکلیف دہ یہی مرحلہ ہے کہ وہ اب ابدال مصطفی کی بہت تھوڑی سی رہ گئی ہیں"
وہ انتہائی درد میں ہو کر بھی یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے بہت آرام سے یہ سب کہہ رہا ہو، وھاج اسکی کیفیت پر دردناک سا ہوا۔
"ایسا مت سوچو، تم انکے لیے ہمیشہ اول رہو گے۔ وفا پر ذمہ داری بڑھ گئی ہے۔ ایسا تو ہوتا ہے شادی کے بعد۔ تم بھی تو مصروف ہو جاؤ گے۔ تمہاری پڑھائی اور پھر عناب کی کیئر۔۔۔ زیادہ مت سوچو اس متعلق" اپنی جانب سے وہ ابدال کی تکلیف کم کرنے کی کوشش میں تھا مگر ابدال کی تکلیف جیسے دہک سی گئی۔
"کون جانے انکی میرے گرد کمی اور لاپرواہی مجھے کیسا وحشی بنا دے، سچ تو یہی ہے کہ انکی اولاد سے ابھی سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن مجھے سب سہنا ہی ہو گا، ہمیشہ کی طرح ابدال مصطفی بخاری جنت نما لمحوں میں بھی جہنم کی مانند دہکتا رہے گا۔ اور اگر میرے حوالے سے بھی اس کائنات کے مالک کی یہی رضا ہے تو میں اسی میں اپنا مرہم ڈھونڈ لوں گا۔۔۔۔ آرام کریں۔۔۔ چلتا ہوں"
درد، تکان، کرب اور تکلیف سے ملی جلی چند دردناک باتیں کرتا وہ سرد سی سانس کھینچے یوں اجازت طلب کیے اٹھ کھڑا ہوا جیسے کچھ لمحے کو اسے سانس لینے کے لیے ہوا کی دستیابی میسر نہ رہی ہو۔
وھاج بھی فکر مند سا اٹھا اور پلٹ جاتے ابدال کی بازو پکڑی اسے روکا۔

"ابدال۔۔۔"

وہ کچھ کہنے والا تھا، مگر ابدال کی آنکھوں میں اجتناب بھانپ کے چپ ہو گیا۔

"آپ سے اپنے دل کو بنا جھجک ہلکا کر سکتا ہوں، ہلال کی طرح آپ بھی مجھے بنا بیزار ہوئے بخوشی سن لیں گے یقین ہے۔ تھینک یو فار ایوری تھنگ۔ اور رہی بات میری، میرا کیا ہے۔۔۔ دل پتھر اور حوصلہ پہاڑ کرنے کی عادت ڈال لوں گا تاکہ کم از کم جی سکوں۔ اپنے لیے نہیں، اپنی بہن کے لیے۔ اسکی سانسیں میری زندگی سے جڑی ہیں اس لئے۔۔۔ شب بخیر"

سامنے والے پر صدیوں کی تھکن لاد دیتے جملے کہتا، وہ وھاج سکندر کو ساکت و بے جان چھوڑے کمرے سے بنا آواز دیتے قدموں کے سنگ نکل گیا، اور وہ جواب بھی ابدال مصطفی کے کہے آخیر ظالم لفظوں کی بازگشت ذہن میں محسوس کر رہا تھا، واپس خود کو صوفے پر لڑھکا گیا، اک گہری سانس بھرے دل و جان کے غبار کم کرنے کی سعی بھی کی مگر بے سود۔

وہ کم سن ساحساس جوان نیم جیسا ہو رہا تھا، حادثوں کی کڑواہٹ اسکے جسم کے ساتھ ساتھ اسکی روح پر بھی چڑھ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرے کی حدود میں داخل ہوا ہی کہ موتیے اور گلاب کے دو رنگی مہکتے سراپوں کی کشش، دلکشی اور حواسوں پر اترتی دلنشینی اسے اپنے اختیار میں کر گئی، یہ تیاری تو گہری رات کے فسوں اور دلفریبی کو چار چاند لگا گئی۔

کاسہ جان میں پنپتی ہر پریشانی کہیں دور جا مفقود ہوئی، رہ گیا تو بس ایک خمار، ایک نشہ سا جسکی آخری حد جان کے افق پر چمکتی خواہشوں کے کہرام کی صورت اسکی اداس آنکھوں میں مسکراہٹ کے پھول سجا گئی۔

وہ آج توصیفی نگاہیں، توصیفی جملے سننے کے موڈ میں تھی، سجی ہوئی، بچپن کے کنارے کی قید سے یکدم آزاد ہوتی ایک ہوش وحواس اچک لیتی آپسراہ، جسکی آنکھوں میں دیپک راگ سجے تھے، جسکی خوشی نے دھنوں کا روپ دھار لیا تھا۔

ہلکے گلابی رنگ سے سجے نرم و ملائم ہونٹ جنکی گفتگو میں آج کوئی شمولیت نہ تھی، جن کا منسب آج صرف مسکرانا تھا، کسی کی سانسوں کے لمس کی گہرائی تک اتر جانا تھا۔

وہ خاموش تھی، بڑی بڑی مسکارے کی ہلکی پھلکی چھیڑ خانی سے سجی پلکیں، اسکی اسیر کر دیتی آنکھوں پر تب جھک آئیں جب وہ بے خود سا اس مومی گڑیا کے آگ لگا دیتے تیوروں سے بے حال اسکی جانب کھینچا چلا آیا۔

دل کی دھڑکن بے خودی میں لرزی وہیں ان پلکوں کا رقص، دیوانے کی ہر سوئی حس جگا گیا۔

جوں جوں نزدیکی بڑھی اور فاصلے کٹے، محبت الہام کی صورت ان پر اترتی رہی اور وہ ایک دوسرے میں مقید ہونے لگے۔

اس نازک سراپے نے لجاتے ہوئے سمٹ کر حصار توڑنا چاہا ہی تھا کہ عون بخاری کی جاندار گرفت نے اس زرا زرا قربتوں کے رنگ اوڑھ کر مہکتی نازک گلبدن کو پھر سے حصار لیا، جیسے یکدم ہی وہ نازک شرارت پر اترا تو مقابل کی پلکیں خود بخود جھک گئیں۔

وہ آنکھیں بند کیے گہرے سانس لیتی کسی خوابناک کی سی کیفیت میں تھی، اور دھڑکنوں کا شور دم بہ دم بڑھنے لگا تھا۔

"یہ سب کیا ہے مسز عون بخاری؟"

دانستہ منیہا کی غیر ہوتی حالت بھانپے اپنے ہونٹوں کو اسکے کان کی اور جھکا کر خطرناک تیور کے سنگ سرگوشی کی گئی، جو اس لڑکی کے جذبات کی دنیا میں تلاطم برپا کر گیا۔

"ک۔۔ کچھ نہیں۔ وہ فریال مما نے گھر کی سجاوٹ کے ساتھ یہ روم بھی سجوا دیا تھا۔ امم۔۔ مجھے ب۔۔ بھی نہیں پتا تھا سچی"

عون کی بے خود نگاہوں کا اثر تھا کہ وہ کچھ قبل بے باک و پر اعتماد سی منیہا گڑبڑا گئی، نگاہ ہر ممکنہ جھکائی رکھی مگر وہ زیر لب دھیما سا مسکراتا، ایک بازو میں پھر سے مضبوطی کے سنگ اسے مقید کیے چہرے پر اتر آتے رنگ دیکھنے لگا، کب سہل تھا اس شخص کی سیاہ ڈوبو ڈالتی آنکھوں سے ہمکلام ہونا۔

وہ پہلی بار شاید نروس ہوئی تھی، اردگرد کے ماحول کی حدت، جسم و جان کے ساتھ ساتھ اعصاب پر بھی بھاری تھی۔

وہ خود کو سر تا پیر عون بخاری کی نظروں میں مرکوز محسوس کیے کانپی، لمبی پلکیں حیا کے بوجھ سے اسکے نرم و ملائم رخساروں کی شان بڑھانے لگی تھیں۔

آج وہ پور پور سرخ شوخ شب خوابی کے لباس میں اپنے بال بکھرائے، سجی سنوری دلہنا پے کی ساری رعنائی بکھیر کر بھی اپنے جذبات کو چھپانے پر لگی تھی۔

اس سے چھپ رہی تھی جو اسکی روح تک جھانک لیتا تھا، اسکی آنکھ سے بہتی نمی کا احساس اپنے سینے پر ہوتی جلن سے جان لیتا تھا۔

وہ تو اسکے دسترس میں آجانے پر ہی بے خود ہوا کسی باولے کی مانند دل میں اپنی آنکھوں سے اسکا سہانا روپ اتار رہا تھا۔

"مما تو بہت فاسٹ نکلیں، انہوں نے سوچا ہوگا کہ ہم تو کسی جوگے نہئں۔ وہ خود ہی ہمیں زبردستی اس طرف روانہ کر دیں"

جب دل کو احساس سکون نے شانت کیا تو وہ فوری شرارت پر اترتا گہری مسکراہٹ اور جان لیوا نظروں سے منیہا کی جانب تکتا شوخ ہوا مگر بات کا مفہوم سمجھتی وہ لمحے کے ہزارویں حصے بوکھلائی اور پھر اسے عون نے نظر جھکانے کی مہلت ہی نہ دی۔

ٹھوڑی پکڑے، اسکا حیا کی زیادتی سے سرخ رو چہرہ اٹھائے، تھرتھراتی پلکوں کا رقص دیکھتے اس ایک ایک لمحے کو اپنی زیست کا حاصل ٹھہرایا۔

"وہ میرے دل کی اصل خوشی میرے لاکھ جھٹلانے کے بھی سمجھ گئیں، حالانکہ آج ہی بابا نے مجھے اپنی زندگی کو جینے کی تاکید کی اور میں نے بری طرح ٹالا۔۔۔ کیا کروں، اتنی ساری ناکامیاں اور پریشانیاں ہیں کہ ڈرتا ہوں ہمارے خوبصورت ساتھ کے لمحے ان تلخیوں کے سائے میں نہ ڈوب جائیں"

سرخ عارضوں اور متلاشی آنکھوں سے ان دھیمی خوشی میں پیوست مسکراتے ہونٹوں تک نظر دوڑاتا ہوا وہ اپنی بات کے آخر تک منیہا کا یک دم سنجیدہ ہونا بھی محسوس کر چکا تھا۔

جو چپ چاپ اپنی بازو عون کے گرد باندھے اسکے پہاڑ وجود میں جا سمٹی۔

"ہمارے حسین ساتھ سے بڑھ کر اس تعلق کا امام ضامن کچھ نہیں، مجھے زیادہ یا کم کا نہیں پتا، مجھے بس آپکے قریب رہنا ہے عون۔ میں جینا چاہتی ہوں، آپکی زندگی میں شامل ہونے سے لے کر اب تک کی ساری کوتاہیوں اور کمیوں کا مداوا چاہتی ہوں"

یہ کہنا اسے عون کے حصار میں رہ کر آسان لگا لیکن مقابل تو یہ خواہش، دل میں ہلچل مچا گئی۔

"مجھے لگ بھی ایسا ہی رہا ہے کہ آج سارے حساب چکانے والی ہو" اسے دونوں شانوں سے روبرو لائے، انگشت شہادت کی بے خود پور سے منیہا کے گلابی ہونٹوں کو باری باری چھوئے، کن آکھیوں سے اسکی دلربا راعنائی پرکھتا ہوا وہ شوخ و چنچل ہوا، مقابل کی دھڑکن بے قرار ہوئی وہیں اس اپنائیت بھرے حصار میں مقید ہوتے ہی ہر تکان، اداسی اور بے چینی دور ہوئی۔

"ایک سیلبریشن بخاری ولانے کی آپکے آنے پر، لیکن اصل حق تو میرا ہے ناں عون۔ ویسے بھی بہت دن بعد میں خوشی محسوس کر رہی ہوں، آپکا گلٹ بھی مٹانا ضروری ہے کہ میں آپکے ساتھ خوش نہیں۔ حالانکہ مجھے خوش رہنا تو آپکے قریب ہی راس آتا ہے"

وہ پلکیں تا دیر اٹھا نہ سکی، مقابل اس سیاہ آنکھوں والے ساحر کی سنجیدگی دیکھتے ہی نگاہ اسکے چوڑے سینے پر جا جمائی، اپنی نرم ہتھیلی اسکی بازو پر سہلائے عون کے وجود کی پناہ میں پھر سے چھپ گئی، جسکے باعث دیوانے کا سارا دھیان منیہا کی دھڑکنوں میں جا الجھا۔

"لیکن یہ سب تو بہت عام سا ہے، نہ کوئی دھن ہے جس پر دل جھومے نہ کھلی فضائیں، بڑا سا نیلا سمندر، بارش برساتا آسمان، جن کے بیچ ہم سانس بھر بھر کر جیئں۔ میں تمہارے اور اپنے ساتھ کو تمہاری صرف خوشی نہیں بلکے یادگار بنانے کا خواہش مند ہوں"

اسکے ملائم بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ جس طرح دھیمے لہجے میں بولا، منیہا افسردگی سے نہ صرف مسکرائی بلکہ حصار توڑے روبرو ہوتی اپنی بہت کچھ کہتی آنکھوں سے عون بخاری کا چہرہ تکنے لگی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کی الجھنوں سے ناآشنا تو نہیں، نہ آپ منیہا کی محبت سے اب انجان رہے ہیں۔ کیا ہوا اگر یہ سب عام ہے، ہم دو تو خاص ہیں ناں۔ ابھی اس پل اگر ہم ساتھ ہیں تو موہوم سی خوشی بھی بہت بڑی یادگار بن جائے گی"

وہ سن و ساکت سا حیران تھا، وہ اتنی حساس اور سمجھدار کیسے ہو گئی تھی، اسے وہ ہنستی، کھیلتی، پاگل سی منیہا تو کہیں نظر ہی نہ آئی۔

اسے اپنی فکر و چاہ میں سر تا پیر ڈوبی دیوانی لگی۔

وہ اسکی بے لوث محبت کے آگے بے بس تھا لیکن دل سے پر سکون بھی تھا۔

"ہوں۔۔۔" وہ اسے بنا پلک جھپکے، بنا نگاہ موڑے، بنا رخ بدلے دیکھ رہا تھا، اسکی دودھیا رنگت پر اتر آتا گلابی پن، اسکی جذبات کی لو سے گلال ہوتی آنکھوں کی الوہی چمک، اسکے ریشمی ملائم کندھوں سے پرے کمر پر بکھرے بال، آنکھوں کے جذبے، لہلہاتے، جگمگاتے، کہانیاں سناتے، کئی رنگ چہرے پر آتے، چلے جاتے۔ وہ خوبصورت تھی، ماہ پیکر، دل جسکی جانب کھینچا چلا جاتا تھا، قربت بڑھ رہی تھی، گلفام، آگ کی مانند ہو رہی تھی۔

عون بخاری کی نرم سے نرم شدت بھی وہ روح تک تیزی سے اترتی اور پیوست ہوتی محسوس کرنے لگی تھی، نزدیکی نے آنکھوں میں مخموریت بھری، گال تپنے لگے تو اس لمحے جب دانستہ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تو دونوں کے ہونٹ ایک سے مسکرائے تھے۔

"اے مسند نشیں شاہزادی!..

تمہاری مخمور آنکھوں میں بسی محبت کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے دل کی دھڑکن سمیت تمہیں فتح کر لوں"

بہت خوبصورت لمحے تھے، اقرار کے، قرار کے۔

میٹھے لفظ عون کی زبان سے نکل کر منیہا کی سماعت چوم رہے تھے، وہ اسکے دونوں مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں بھرے جذب سے کہتا ہوا دیکھنے لگا، یہ ہاتھ جن کی لکیروں میں وہ ازل سے درج تھا۔

جھک کر اسکے ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیوں پر اپنے ہونٹوں کی نرم مگر گہری چھاپ رکھی تو منیہا کو لگا ہتھیلیوں میں اسکی خوش بختی سرائیت کر گئی ہو۔

"میں نے تم سے بہت محبت کی ہے منیہا، تب کی جب صلے کا تصور تک میرے ذہن کے کسی دریچے میں نہ تھا، میں عون بخاری، جسکی زندگی کبھی آسان نہیں رہی، لاپرواہ، بیگانہ اور سخت مزاج سا شخص تمہیں اپنی دعاوں میں مانگتا تھا"

اک جذب کے عالم میں حکایت دل سناتا ساحر تذکرہ ہی کچھ ایسا کر گیا کہ مقابل کی آنکھیں اس شرف پر بھیگنے لگیں، وہ اظہار سے سرشار اسکے روبرو کھڑی عنایات و لمس کی طلب گار تھی، عون نے اپنے دونوں ہاتھوں کا لمس اسکی کلائیوں سے لے جاتے بازووں تک پہنچایا اور بناہار سونپتی ان نگاہوں سے نگاہیں ملاتا، نظر چراتا اپنی سانس کا حدت زدہ آلو منیہا کے رخسار تک لے جاتا سانس سادھے اس لڑکی کی خوشبو بند آنکھوں سے اندر اتارنے لگا۔

وہ عون کے ہاتھ کی پوروں سے اٹھتی گرمائش اپنی گردن پر محسوس کیے، دل کے اٹھتے شور کو نظر انداز کرتی بس اسے دیکھتی رہی۔

"میرا دل، میری روح، میرا وجود، میرا اس روح زمین پر ہونا صرف تمہارے لیے ہے، اسکے سوا عون بخاری کو اپنے ہونے کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا"

وہ دیوانہ بہت محبت سے اسے یقین دلا رہا تھا، ماتھے پر بوسہ دیتے سمے آنکھیں میچ لیں، خوشبو کے راستے میں سانس آتی رہی، گرم لمس کا احساس منیہا کی روح تک اترا تو وہ ہتھیلیاں عون کے سینے سے لگاتی اسے محبت سے دیکھ کر مسکرائی۔

وہ واقعی اسکا دیوانہ تھا، ساتھ پلے بڑھے، وہ اسے کھلیتے کودتے، سائکلینگ کرتے، کیرم کھیلتے، لان میں لگے سارے پھول توڑ کر انکے گلدستے بناتے، درختوں پر چڑھتے دیکھتا آیا تھا۔ تتلیوں کے پیچھے باولی بھاگتی تھی، ٹھٹھرتی راتوں میں جگنو پکڑنے نکل جاتی، وہ ہنستی تو اسکی آواز عون بخاری کے اندر ڈھیرہ جمالیتی۔ کب اس کم سن، شوخ اور آفت کو تکتا، اسکی شرارتیں سہتا وہ عمر بھر کے لیے اس کا ہوا، خبر ہی نہ ہوئی۔

وہ اسکے روبرو سب سے حسین روپ دھارے، عون بخاری کے سارے جذبے سمیٹ رہی تھی۔

"میری رُوحم، دن تاریخیں لمحے وقت سال سب کچھ بدل جائے گا۔

مگر ہاں! جو نہیں بدلے گا، وہ فقط! ہماری محبت ہے

جو اٹل اور لوح دل پر بے حد مضبوطی سے نقش رہے گی۔ کبھی اس تعلق کے رنگ ماند نہ پڑیں گے"

وہ اسکی اولین خوشی تھی، وہ اسکا پہلا خواب تھی، پوری حیات تھی، وہ اس لمحہ خود محو تھی، عون بخاری کے ہونٹوں سے نکلتی کہانیاں سن رہی تھی، اظہار اپنے دل پر درج کر رہی تھی۔

وہ منیہا کے ہر رنگ اور ہر روپ کا دیوانہ اسے باہوں کے ہالے میں بھرے، جذب سے کہہ رہا تھا اور وہ اس حصار میں جنبش تک کی روادار نہ تھی۔

وہ اسکے لیے قیمتی تھا، بے حد، سانس اور دھڑکن سے کہیں افضل۔۔۔

"رہی بات میری تو میں نے ہزاروں بار زندگی کے ملنے پر بھی ہر بار تمہاری محبت میں مبتلا ہونا ہے، تمہارا ہی اسیر بننا ہے۔ تمہارے ہی عشق میں ڈوبنا ہے۔ میرے مقدر میں تم نام سے نہیں، ان آنکھوں اور دل سے درج ہو۔۔۔"

محبت میں مخمور اترائے، پورے وثوق سے ان کہانیاں سناتے رخساروں کو چومتے ہونٹ کہہ اٹھے، ہنسی سے ہنسی ملی تو دل کے تار چھیڑ گئے۔

اڑے اڑے حواس بحال کرتی اس نڈھال پری نے لفظی اور عملی استحاق کے شدت بھرے مظاہرے سہہ تو لئے پر محسوس ہوا رگوں میں خون جامد ہوا ہو، پورے وجود میں سرور کی لہر اتری ہو۔

پر وہ تو مزید اسم پھونکے اسے پتھر کر چکا تھا، اس رگ جان سی لڑکی کی قربت کے سحر میں مبتلا، ہر پس و پیش کو جھٹلائے اسکی شہہ رگ پر لبوں کی شدت بھری مہر ثبت کرتا اپنے بے قرار دل کو سنبھال نہ سکا، وہ اسکی دھڑکنوں پر اپنا نام درج کرنے کا تمنائی تھا۔

وہ اس بے انتہا چاہت پر خوشی اور بوکھلاہٹ کی ملی جلی کیفیت سے ہانپتی ہوئی بھی مسکرائی تو عون کا دل چاہا اس مسکراہٹ کو دل کے سات پردوں میں سنبھال کر رکھ لے۔

وقت روک دے، اور پوری کائنات کو اس پر وار دے۔

"تمہاری مسکراہٹ کا ترنم، میرے نڈھال دل پر سحر طاری کرتا ہے، وہاں رقص کی سی کیفیت ہو جاتی ہے۔ تمہارا نظر بھر کر مجھے دیکھنا، کائنات کا سب سے حسین سکھ ہے۔ تمہاری محبت کا یہ احساس سورج کی پہلی کرن ، بارش کی پہلی بوندوں کے بعد خوشبو کی مانند ہے، جو میری روح تک کو معطر کر چکا ہے، اس کا خمار مجھے یوں مدہوش کر رہا ہے کہ میں خود کو بادلوں سے بھی زیادہ ہلکا سمجھ کر اڑنے لگا ہوں۔ تمہاری محبت کے آسمان میں پروان بھر چکا ہوں"

وہ ہاتھ اب بھی گردن کو چھو کر اس کی نرماہٹ محسوس کرتے اب رخساروں پر رینگنے لگے تھے، ہاتھ گستاخیاں کیے مسکراہٹ کا افق چھونے کی سعی میں کملا رہے تھے۔

سانسوں کا زیر و بم الجھنے لگا تھا، یہ قربت کا نشہ، مقابل کھڑی سجی آپسرا کے وجود سے اٹھتی سوندھی مخمور مہک، صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کا سبب تھی۔

آنکھیں، ہونٹ اور وجود کا رواں رواں سیرابی کا طلب گار تھا، جانے وہ کس رو میں تھا کہ وہ شدتوں سے سمٹنے لگی، محبت کی حدیں کھلیں تو وہ ساکت سی اسے دیکھے گئی، پھر پیشانی پر دی ہونٹوں کی نرم دستک سے اس پری رو کے ہونٹ مدھر سی مسکان میں ڈھل گئے۔

"محبت ایک یقین کا سفر ہے منیہا، عون بخاری کی واحد محبت فقط تم ہو یہ یاد رکھنا۔ تم عون بخاری کی ساری حیات کا سکون ہو، مجھے اب آخری سانس تک تمہاری محبت چاہیے اور مستقل چاہیے"

اس خواہش دل ربا پر تیزی سے منیہا کے دل کی کیفیت بدلی تو وہ اپنی دلفریب مسکان چھپانے کو ہنسی سمیٹ چہرہ جھکا گئی، دل کی دھڑکن مانو جلترنگ ہونے لگی، سانس روکے، دم سادھے وہ اسکی آغوش میں سمائی ہوئی عون بخاری کو اپنا جواب بخش چکی تھی۔

حیا سے جھکی گھنیری پلکوں کی جھالر میں چھپی آنکھوں کے اقرار، جناب نے محبت و خماری میں یوں تائیدی طور سے سر ہلایا جیسے اقرار وصول ہوا ہو۔

وہ اسکی باہوں کے دائرے میں حلول ہوئی اس من پسند شخص کی دھڑکن اپنے دل میں اترتی محسوس کر رہی تھی۔

دونوں کے معمول پر دھڑکتے دلوں کی رفتار تیز ہوئی تو یہ دونوں کی مسروری بنی، وہ دم ہارتی، اپنی ملائم گرفت میں پوری شدت سے اس پہاڑ کو سمو لینا چاہتی تھی۔

روح تک جھانک لیتی نظریں ہوش کے تقاضے تو چھین ہی لے گئیں، وہ اسے سب کہنے کے بعد ایک آخری بار پکڑے روبرو لایا اور جن نگاہوں سے اسکے حسن کا جائزہ لیا وہ منیہا کو کپکپا دینے والی تھیں۔

اسکے ارادے، آنکھوں میں جمع ہوتا خمار، دل کش فتح مند مسکراہٹ، منیہا کو کمزور کر رہی تھی۔

اب اس کے بعد اس نرم روح و جان کو سہلاتی گرفت میں سانس لینے سے افضل کیا تھا بھلا،

"اے میری روح حیات!

تمہارے پہلو میں سانس لینے کی جو مہک میسر ہے سرخ بادلوں میں صاف ہوا اور شفاف سمندر کنارے بھی کہاں حاصل ہے تمہارے ساتھ سے جس قدر سکوں حاصل ہے ایسا سکوں تو ملکوں ایک دنیا سے دوسرے سیارے تک سفر کر کے بھی حاصل نہ ہو۔۔"!

محبت اپنے سفر پر گامزن ہو چکی تھی، پوری شان کے ساتھ۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"وہ تو شام سے نکلے ہوئے ہیں میم، کہہ رہے تھے دم گھٹ رہا ہے کچھ وقت تازہ ہوا کھانے اور چہل قدمی کا ارادہ ہے"

اپنا صبر آزمانے کو وہ میکائیل رضوی کی چوکھٹ پر آ تو گئی تھی مگر کتنے من وزنی قدم اسے اس دہلیز کو پار کرتے ہوئے محسوس ہوئے، یہ بس زویا کا دل جانتا تھا۔

میکائیل رضوی کے ملازم کی جانب سے ملتی خبر پر زویا کے دل کو ایسی چوٹ لگی کہ آنکھوں میں ڈھیر سی اداسی بھر آئی۔

"ہمم۔۔ میں انکا آنتظار کروں گی۔۔۔۔ شکریہ" لہجے کی بے تابی ہر ممکنہ چھپاتی وہ لب و لہجے میں مقدور بھر لاپرواہی پروئے کہہ کر لاونج کی سمت بڑھ گئی۔

اک اداسی کا سماں اس پورے گھر کی در و دیواروں سے بھی ٹپک رہا تھا۔

وہ لاونج تک پہنچی اور بیگ گلاس میز پر رکھتی خود بھی بیٹھی، نگاہیں فون کی جانب ثبت تھیں جیسے وہ اپنے ارادے کے مضبوط ہونے کی امید میں ہو۔

دیکھتے ہی دیکھتے زویا کے فون پر نہال بخاری لکھا ابھرا اور وہ بھی اپنی منتشر کرتی سوچوں کے گرداب سے چونک کر نکلی۔

نگاہ ادھر ادھر دوڑا کر کسی کی غیر موجودگی کی یقین دہانی کرتے ہی کال پک کی۔

مقابل وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے، شانوں پر باریک سی شال اوڑھے کھڑکی کی اس جانب چمکتے چاند کے ہالے کی جانب نظر جما گئے۔

"لگتا ہے کافی مصروف ہو گئی ہو، بہت دن بیت گئے تمہیں دیکھے ہوئے۔ تمہاری جانب سے تسلی اور حوصلہ وصول کیے ہوئے۔ آجاتی تو خوشی ہوتی مجھے"

نرم اور میٹھے لہجے میں کیا شکوہ پر اثر تھا تبھی زویا آرام دہ انداز میں ٹیک لگائے مبہم سا مسکرائی۔

یکدم جیسے صدیوں کی تھکن اسکے خوبصورت چہرے سے ہٹ گئی۔

"دل نہیں مانا، کچھ باتیں آپ سے چھپائی تھیں جن کا بوجھ مجھے آپکے سامنے آنے میں مشکل سے دوچار کر رہا تھا۔ اسی کشمکش میں تھی کہ آپ مجھے ان مخفی حقائق کو جان کر بے وفا ہونے کا الزام دیں گے یا مہربان ہونے کا شرف"

وہ بھی بنا تمہید باندھے، سیدھا سبھاو کہتی چلی گئی، اسکے چہرے پر جھول آتی چند باوری لٹیں اسے مضطرب کرنے لگیں جنھیں اس نے کوفت کے سنگ کان کے پیچھے اڑسائے اپنا چشمہ درست کیا۔

دوسری جانب اک طویل سناٹا سا چھا چکا تھا لیکن وہ اس چاند کے ہالے کو تکتے تکتے خوبصورت مسکرائے۔

وہ مسکراہٹ ہر تھکن سے پاک تھی۔

"میں نے مہربان ہو کر کبھی نہیں دیکھا تھا زویا، مجھے لگتا تھا یہ تو کمزور لوگوں کی نشانی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہی تو بادشاہوں اور ولیوں کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا رب بھی مہربان ہے۔ میں نے پہلی مہربانی خود پر کی تو مجھے سمجھ آیا کہ یہی تو وہ کمی تھی جس نے ساری عمر مجھے بھرے ہو کر بھی تشنگی سے جوڑے رکھا"

وہ کہتے کہتے توقف کو رکے کیونکہ انکا سانس پھول گیا، زویا کے چہرے پر اداسی اتر آئی۔

"سو اگر تم بے وفا ہو بھی تو میرے لیے مہربان ہی رہو گی، میں نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ میری دسترس میں تم نہیں اور نہ میری کائنات کے اس دائرے کا حصہ ہو۔ تم ہمیشہ سے نہال بخاری کی رینج سے باہر رہی ہو، کیونکہ قیمتی روحیں صرف انمول لوگ ہی پاتے ہیں۔ میں انمول نہیں، اس لیے تم بلا جھجک وہ سب کہہ دو جو اب تک نہ کہہ پائی"

وہ اسے بہت دوستانہ ہو کر سب کہنے کی ہمت سونپے خود بہت بے فکر سے لگے، جنکی اولین ترجیح اب بس اپنے بچے ہوں۔

جیسے کوئی اپنی سب سے بڑی ہار یا خسارے پر رو دھو کر صبر کر لے۔ کامل صبر۔

"جب وہ حادثہ ہوا تب میری ابتر اور اجڑی حالت پر بھائی نے ایک فیصلہ لیا تھا، مجھے اس شخص کی جھولی میں ڈالنے کا جو مجھ سے عشق کرتا تھا۔ ہمارا نکاح کروا کر چند ہی روز میں بھائی اس دنیا سے چلے گئے۔ وہ شخص جس کا ساتھ میں نے ہر سانس کے ساتھ جھٹلایا، اسے اسکے ہر حق سے محروم رکھا، اسے اپنے اجڑ جانے کی خوامخواہ سزائیں دیں۔ اسے زویا نامی خالی، ویران اور بے ثمر سفر کا مسافر بنا چھوڑا۔ لیکن وہ اتنے سالوں سے میری انا کے سنگ جنگ لڑتا لڑتا ایک بار پھر میرے سامنے آ گیا۔ اور اس نے مجھ سے جانتے ہیں کیا مانگا؟"

تھکی ہاری، اپنے آپ سے مایوس سی زویا، جسکی بصارت میں اب وہی مانوس اجنبی تھا، جسکی سماعت میں اب بھی میکائیل رضوی کے کہے لفظوں کی بازگشت تھی۔

مقابل بلا کا سکون تھا، دل پر رکھا بھاری پتھر ہٹنے لگا تھا۔

"کیا مانگا؟"

نہال بخاری کے لہجے میں پر شوق سا تجسس تھا۔

زویا نے ٹھنڈی سانس بھرے دل کا غبار کم کیا مگر دل پر بوجھ بڑھ گیا۔

کچھ ہی فاصلے پر کسی شخص کے آتے آتے قدم دانستہ تھمے اور وہ آنکھیں زویا کے چہرے پر جا ٹکیں۔

"یہی کہ میں کسی ایک کی ہو جاؤں۔۔۔ اور انکی پہلی تجویز آپ تھے۔ آج بھی اس نے خود کو دوسری جگہ پر بھی نہ رکھا بلکہ آخری کنارے رکھا"

اسکا حرف حرف میکائیل رضوی کے چہرے پر تلخ لکیریں بڑھاتا رہا۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی، یہ سب میرے لیے تسلی کا باعث ہے۔ تم پر لازم یہی ہے کہ اس انسان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لو، ایسا نہ ہو فراموشی کی زرد ہوا تمہارے ہاتھوں سے یہ آخری دیا بھی بجھا دے"

وہ اپنے آپ سے آج بلا جھجک آنکھیں ملا سکتے تھے، جس لڑکی کی زندگی اور خوشی وہ اجاڑ چکے تھے تو اب جب وہ بسی ہوئی دیکھائی دی تو یہ نہال بخاری کو نئے سکھ سے نواز گئی۔

"کیا سچ میں؟"

وہ بہت الجھی ہوئی اور پریشان تھی، ہاں اور ناں کی سی کیفیت میں اسکا دل، دماغ ہچکولے کھا رہا تھا۔

"ہاں۔ مجھے تو اس شخص کی ہمت پر رشک آرہا ہے، ویسا ہی رشک اسکی قسمت پر بھی۔

زویا تمہیں پتا ہے عقل اور دل، دو مختلف چیزیں ہیں۔ عقل لوگوں کو کسی نہ کسی بندھن میں جکڑتی ہے اور کسی چیز کو داؤ پر نہیں لگاتی، لیکن دل ہر بندھن سے آزاد ہو کر اپنا آپ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ عقل ہمیشہ محتاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہے کہ دیکھو کسی کیفیت کا زیادہ اثر مت لینا۔ لیکن دل کہتا ہے کہ مت گھبراؤ، ہمت کرو اور ڈوب جاؤ کیفیت میں۔ عقل آسانی سے اپنا آپ فراموش نہیں کرتی جبکہ عشق تو بکھر جانے اور فنا ہو جانے کیلئے ہمہ وقت تیار ہے۔ اور خزانے بھی تو ویرانوں میں ملبے تلے ملتے ہیں۔ ایک شکستہ دل میں ہی تو خزانہ مدفون ہوتا ہے۔۔۔ یہ محبت تو اس دل والے جوشیلے اور باولے شخص کو اور پاگل کر دیتی ہے۔ بصارت کے روبرو دھند اور دھواں پھیلا دیتی ہے۔ ہوش تو تب آتی ہے جب اس دیوانے کے رقص کے تھم جانے کا وقت آتا ہے"

وہ بھلے اک عمر گنوا آئے ہوں لیکن اب انکی ایک ایک سانس انھیں زندگی کا اصل سبق پڑھا رہی تھی، محبت میں محبوب کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرنے کا ظالم شغل تو نہال بخاری کا بھی شیوا رہا تھا۔

وہ دھیمی مسکراہٹ جو اس وقت نہال بخاری کے چہرے پر روشن تھی، وہ جیت کا جشن تھی۔

راستہ بھٹک جاتا مسافر، شام سے پہلے لوٹ آئے تو اسے باہیں کھولے خوش آمدید کہا جاتا ہے، یہ محبت کی رسم ہے۔

وہ بھی دھیما دھیما مسکرائی تھی، اور زویا کی ہر تکلیف سے پاک ہوتی اس مسکراہٹ پر میکائیل رضوی کے دل کے اندرون کہیں ماند پڑتی زندگی نے جنبیش کی تھی۔

وہ اسکی زندگی بھر کی کمائی کی صورت، اسکی دہلیز پر تو آگئی مگر دل لگی کے مشورے رقیب سے کر بیٹھی، آج زندگی میں پہلی بار میکائیل رضوی کا دل چاہا وہ زویا سے روٹھ جائیں۔

کبھی نہ ماننے کے لیے۔ تبھی اپنی مضبوط آنکھوں میں کمزور سے خواب کے ٹوٹنے کی کرچیاں سمیٹتے پلٹے، اور اپنے کمرے کی جانب بڑھے، ضبط تھامے، حوصلہ بر قرار رکھے دروازہ قفل کر دیا، ہمیشہ کے لیے نہیں مگر کچھ دیر۔۔۔

"میں، تم اور وہ شخص۔۔۔۔ کہیں نہ کہیں دل داو پر لگا چکے ہیں۔ میرا وقت گزر گیا کیونکہ جلد محبوب کی خوشبو پانے والا نہال بخاری رہا، فاتح۔۔۔ مجھے میری محبت ملی، ناجانے کسے کسے روند کر ملی لیکن اپنے آپ کے سامنے میں فاتح ٹھہرا۔ اب تمہاری اور اس شخص کی کہانی کا آغاز ہو گا۔ دلکش اور دلفریب آغاز۔ تمہیں اسکی ذات سے محبت ہو نا ہو، اسکی ریاضت سے ضرور ہو چکی ہو گی۔ اسکا بڑھا ہاتھ تھام لو تاکہ وہ آسمان پالو جس پر تمہیں کھلے اور آزاد پرندے کی مانند اڑنا نصیب ہو گا"

گزرے وقت کی راکھ اڑ کر جب آنکھوں میں نمی و کرب کا جہاں جھونک گئی وہیں زویا نے بے ساختہ چونک کر اپنی ہتھیلی دل سے جاجوڑی، وہاں کا شور آج حد سے سوا تھا، جس نے زویا کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔

"م۔۔ میں نے بہت تکلیف دی انھیں، میں کس منہ سے کہوں گی انکو کہ وہ مجھے چاہیں"

مترنم لہجے میں ملال سمیت کہتی وہ بے بس لگی، اسکے الفاظ میں سموئی ہوئی بے پناہ شدت نے نہال بخاری کے رکے قدم کھڑکی کے مزید قریب جا روکے، جہاں چاند کے ساتھ اب لاتعداد تارے چمک رہے تھے۔

کہیں کہیں بادل بھی تھے، ہلکی ٹھنڈی خوشبودار ہوا انکے بال بکھرا رہی تھی۔

پر اس سکون کا مول کچھ نہ تھا جو نہال بخاری کے اندر آج اترا تھا۔

زویا کی آنکھوں میں اس اخیر بے کلی نے سرخی بھر دی جو اسکے درد کی گواہ تھی۔

"جو صبر کے اصل معانی سے واقف ہو، بھلا اسکا کیا ناطہ بے بسی و ناامیدی سے۔ پچھتاوے سے، ملال سے۔۔۔ صبر یہ ہے کہ جب تم کانٹے کو دیکھو تو تمہیں پھول بھی دکھائی دے۔ جب رات کے گُھپ اندھیرے پر نظر پڑے تو اس میں صبحِ صادق کا اجالا بھی دکھائی دے۔ لہذا جب تم اس شخص کو دیکھو تو اسکے خسارے کے ساتھ ساتھ تمہیں اسکی خوش نصیبی بھی دیکھائی دینی چاہیے۔ یقیناوہ بھی اس ریاضت سے کم از کم اس صبر کے مفہوم کو بہت بہتر جانتا ہو گا۔"

نہال بخاری کے الفاظ اور انکی وسعت نے زویا کو قدرے حوصلہ بخشا پر وہ ابھی بھی بے کل تھی۔

"اور منانے یا اسکا ساتھ مانگنے کے لیے تمہیں کچھ کہنا نہیں پڑے گا، ان معاملات میں آنکھیں اور دل بہت مہارت رکھتے ہیں۔ دعا گو ہوں تمہارے لیے، فی امان اللہ"

بات اور بات کی طوالت ختم ہوئی تو وہ مرہمی لہجے میں چند مزید لفظ زویا کی جانب ارسال کیے کال کاٹ گئے، لیکن زویا کے دل کو قرار نہ ملا۔

فون ایک جانب بے دلی سے رکھتی وہ مضطرب سی چائے اور اسکے سنگ خاصے اہتمامی لوازمات کے سنگ آتے ملازم کی جانب لپکی۔

"کیا وہ ہر روز اتنی لیٹ چہل قدمی کرتے ہیں، اچھے کیئر ٹیکر ہو تم سب۔ کوئی منع نہیں کر سکتا۔ کب تک آتے ہیں وہ گھر؟"

خفا و برہم سی وہ جس طرح ملازم پر غصہ اتارتے استفسار کر رہی تھی، وہ سادہ لوح سا آدمی بھی حیران و پریشان ہوئے زویا کی جانب ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔

"و۔۔۔وہ۔۔۔وہ میم وہ تو آ چکے ہیں گھر"

ملازم کے مقابل کا غصہ بھانپے مودب ہوئے، باقاعدہ ہکلا کر اپنی بات مکمل تو کر دی مگر زویا یہ سن کر شاکڈ ہوئی۔

ملازم اپنی بات کہے منظر سے غائب ہوا وہیں زویا کا چہرہ ایسی بے اعتنائی پر سرخ ہو گیا۔

یعنی وہ زویا کی موجودگی سے واقف ہو کر بھی اس تک نہ آئے تھے، آج اسے اس تکلیف کا ادراک ہوا جس کو جھیلتا وہ شخص آج بھی سلامت تھا۔

بنا آہ کیے، بنا کوئی واویلہ مچائے۔

وہ آنسو دباتی جیسے آئی ویسے ہی بیگ اور فون لیے، تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس سے پہلے بنا منائے ہی ہار مان کر لوٹ جاتی، جلتے ہوئے لہجے میں حکم سنائے اسے روک دیا گیا۔

"کچھ کھائے پیے بنا ہی جا رہی ہیں زویا ہمانی، میری مہمان نوازی اتنی بھی بری نہیں"

ٹیرس پر کھڑے وہ دونوں ہاتھ ریلنگ پر جمائے، سرد اور کھردرے لہجے میں بولے، زویا قدم روکے، اپنی بھرائی آنکھیں پہلے سے زیادہ بہتر کیے گہرا سانس لیے مڑی تو نظر اس شخص کی ساحر ہستی پر جا ٹھہری۔

"گھر آنے والوں کو اپنے ملازموں کے ذریعے ویلکم کرتے ہیں اب آپ، بات کرنے کے لیے درو دیوار ہوتے ہیں۔ اور پھر جب آپکو خبر ہو کہ کوئی آیا ہے تو آپ چپ چاپ دبے پاؤں کسی کونے میں جا چھپتے ہیں۔ نائس چینج۔۔۔"

سلگتی ہوئی وہ بھی بنا کوئی ادھار رکھے، تلملا کر بولی، وہ اسے دیکھ کر اسکی اداس آنکھیں پہلی نگاہ میں جان گئے۔

اصل تکلیف تو اسے میکائیل کے 'زویا ہمانی' کہنے پر ہوئی تبھی وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے کو نیم ہونے سے روک نہ سکی۔

" تھینکس زویا ہمانی، کیا کروں۔ بہت سوچ بچار کی تو احساس ہوا کہ بدل جانا ناگزیر ہو گیا۔ آپ تو میری کبھی تھیں نہیں اس لیے۔۔۔۔۔"

وہ لاپرواہی کا لبادہ اوڑھے بے نیاز و بے حس بنے بولتے بولتے رکے کیونکہ زویا نے چند قدم مڑ کر دکھ بھرے انداز سے دیکھتے درشتی سے انکی بات کاٹی۔

"اس لیے مجھ سے اپنا نام بھی واپس لے لیا، آپ شکریہ مت کہیں۔ میں کہنا چاہوں گی۔ مجھے بروقت غلط فیصلے سے بچا گیا آپکا یہ بدلاو۔ مہمان نوازی کے لیے نوازش"

وہ کئی ثانیے اس لڑکی کے دھیمے مگر گھن گرج والے لہجے کے زیر اثر رہے، وہ کہہ کر جا ہی نہ سکی۔

کیونکہ اسے میکائیل رضوی کی آنکھیں باندھے ہوئے تھیں۔

وہ جنبش تک کی روادار نہ تھی۔

"بے وفائی کے دائروں سے دور

میری بھی ایک خوابناک دنیا تھی

جہاں محبت کا موسم خوبصورتی کے جوبن پر ہوتا تھا

جہاں کی زمین احساس کے نم سے ہر دم زرخیز رہتی تھی

جہاں پھول کی نرم پتیوں جیسے جذبات پہ قدر اور مدح کا شبنم ان کو اور حسین بناتا تھا

جہاں مسرتوں سے لبریز ہوائیں چلتی تھیں اور سکون کی بارش ہوتی تھی

جہاں مسکان کا تحیۃ اور خلوص کا تحفہ عام تھا

جہاں تم تھی اور میں تھا اور کوئی نہیں تھا"

بے چین مگر قانع سادہ شخص، جسکے لفظ بیری اور حرف ظالم تھے، جو 'ہے' کا دلدادہ تھا مگر 'تھا' پر اتر آیا تھا۔ مگر مقابل کی خاموشی نے بول بول کر اس شخص کو تھکا دیا، کب وہ ٹیرس کی حد پھلانگتے، بیرونی زینے اترتے ہوئے اس ہوش و حواس جامد کروا بیٹھتی زویا تک پہنچے کہ خود اسے اپنی اس کیفیت پر تکلیف ہوئی۔

"خواب بہت خوبصورت ہوتے ہیں زویا، لیکن جب ٹوٹ جائیں تو انکی بدصورتی دیکھی نہیں جاتی۔ چند دن رہ گئے ہیں پھر مجھے واپس اسی گمنامی میں لوٹ جانا ہے۔ بنا آپ پر کوئی حق جتائے مجھے ویسی ہی خوابناکی میں واپس جانا ہوگا، جہاں کے جھوٹ، یہاں کی حقیقتوں سے بھلے ہیں۔ جہاں آپ صرف میکائیل رضوی کی ہیں، آپ پر اپنے کسی شکوے کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا لیکن کیا کروں انسان ہوں اور بہت کچھ ایسا کر گیا جو میرے صبر کی توہین ہے"

کچھ دیر قبل کا مضبوط اور کھردرا لہجہ اب دراڑوں کی زد میں تھا، زویا نے چپ چاپ میکائیل رضوی کی جانب سے رخ موڑ لیا۔

"میں نے آپ سے کوئی بے وفائی نہیں کی نہ وفا کا ارادہ ہے، میں بس کاشان کی درخواست پر چلی آئی۔ کہ ہو سکتا ہے طلب و ایثار سے ماورا ہو کر چند لفظ کہہ پاوں جو آپکی تکلیف اور اداسی کا مرہم بن سکیں۔ انسان پیالے میں پڑے پانی سا ہوتا ہے میکائیل رضوی، ہزار مہربان، متحمل مزاج، پرسکون، پیارا اور ٹھہرا ہوا کیوں نہ ہو۔ اک نہ اک دن چھلک جاتا ہے"

نم نم آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے خشک کرتی وہ رخ واپس موڑے اس بار پورے اعتماد سے اس شخص کی گہری مگر اجڑی ہوئی آنکھوں سے ہمکلام تھی۔

وہ اس پر اعتماد، بہت مدت سے رونے کو الوداع کہہ دیتی مضبوط زویا کی آنکھیں نم دیکھ کر اپنے دل کو دھکا سا لگا محسوس کر رہے تھے۔

اسکی آنکھوں نے بول بول کر انھیں ادراک کے سفر پر گامزن کیا تھا، کوئی کہانی تھی وہاں، افسانہ تھا۔

کوئی داستان تہہ در تہہ کھل رہی تھی، وہاں سنجیدگی اور ٹھہراو تھا، صبر اور ایثار تھا، ہزار ہابرہمی کے باوجود نرماہٹ تھی، محبت تھی۔

وہ اس ادراک کے سفر میں الجھ گئے۔

عین اس وقت انکے ہاتھوں منزل کا نشان تھما دیا گیا جب وہ سفر ترک کرنے کا سوچ چکے تھے۔

ان دونوں کی آنکھیں جلنے لگیں، یکدم کچھ ریت سا چبھنے لگا۔

یہ گھڑی جو حقیقت میں نیک، بخت ور اور مبارک تھی، ان دو کو درد والم کا جہاں لگی۔

"میں اکثر ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں پاتا

مکڑی نے ایک جالہ بن دیا ھے

تمھارے نین نقش،

خال وخد

خطوط اور ان کے حسین زاویئے

جس میں الجھ جاتے ھیں

دھیرے دھیرے انھیں چنتا رہتا ھوں

اپنی یادداشت کی انگلیوں سے

اندھیرے میں ھاتھوں سے دیکھنے کا فن

شاید اسی دن کے لئے تم نے سکھایا تھا

تمھارے ساتھ

مجھے سفر کرنا تھا

سمندروں کے پار، آباد بستیوں کا

دوربین سے دیکھنا تھا جھاڑیوں میں چھپے چیتے کو

صحراؤں میں لمبی دم والی چڑیا کے گیت سننے تھے

ناچنا تھا۔

خانہ بدوشوں کے ساتھ

پھندنے والی سرخ ٹوپیاں پہن کر

محبت کرنی تھی

بے وجہ

بے پناہ

ھاتھ تھام کر سیر پر جانا تھا

لوٹنا تھا......

آہ! مگر کچھ بھی تو ٹھیک سے نہیں ھو سکا"

دل آہ وفغاں میں مبتلا تھا پر آہ کرنے کے سفر میں انکا صبر حائل تھا۔

"گر میں تکلیف پر آہ کروں گا تو میری ریاضت خاک ہو جائے گی، آپ میری جانب نگاہ تک نہ کریں۔ ہٹالیں خود کو میرے ہر راستے سے۔ میں نے زندگی میں صرف برداشت اور صبر ہی سیکھا ہے، تیسری شے آپکا

عشق۔ مجھے آپکا سامنا کمزور کرے گا، بس اس لیے پھر سے، پہلے سے زیادہ شدت کے سنگ میں آپکی نگاہوں سے او جھل ہونے والا ہوں"

وہ کچھ دیر خاموشی کا حسب منشاء وقفہ لیے، زویا کی بے قراری تکتے، بھرپور نگاہ ڈالے اس بے نیازی اور بے رحمی سے بولے کہ وہ لمحہ بھر میں بل کھا کر رہ گئی۔

"تو ہو جائیں دور، او جھل۔۔۔ مجھے بلکل کوئی پرواہ نہیں۔ اپنے عشق کو مجھ پر احسان کی مانند مت اتارا کریں۔ یونو واٹ، آپ اس لائق ہیں ہی نہیں کہ آپکو پکارا جائے، آپ کے اندر کا صبر، زویا سے وابستہ عشق چاٹ چکا ہے۔ خالی ہو گئے ہیں آپ، ایسا خالی پن جو کاٹنے لگے۔۔۔۔ سنا آپ نے"

انگلی اٹھائے، سخت نیم سے لہجے میں باور کرواتی وہ اپنے لہجے کو ڈگمگانے سے روک نہ سکی، اور پھر اسکی نظریں جب میکائیل کے اپنی جانب بڑھتے قدموں پر پڑیں تو دل کیا، دل کی دھڑکن تک جامد ہو گئی۔

چہرے پر سنجیدگی، لبوں پر خاموشی اور آنکھوں میں تشنگی لیے وہ من ہی من میں تڑپتی اس لڑکی کا ہر راز جاننے پر مصر دیکھائی دیتے اس کے روبرو، آنکھوں کے بے حد قریں آن کھڑے ہوئے۔

"سن لیا، اور کچھ"

انکے لہجے کی یک دم بدلتی مخموریت، زویا کو مزید بیقرار کر گئی، خوف کے مارے اسکی دھڑکن رکنے لگی۔

"جانتا ہوں دل کی سرزمین اتنی وسیع نہیں ہوتی کہ ایک کے بعد دوسرے کو جگہ دی جا سکے، وہاں جو اک بار بس جائے اسی کا انتظار واجب ہو جاتا ہے۔ محبت اور عشق میں صلے کی چاہت نہ زویا نے رکھی نہ میکائیل نے۔ لیکن آپ میری تکلیف کو بخوبی سمجھ گئیں ہیں، یک طرفہ محبت کے عذاب آپ پر بھی اترے تھے"

وہ اسے سانس روک کر اپنی آواز سننے اور اپنی آنکھیں تکتے پر مجبور کیے بولتے بولتے کچھ لمحے کو رکے۔

اپنی ہتھیلی کا لمس، زویا کی آنکھ سے ٹپک آتے آنسو تک پہنچائے اسے انگلیوں کی پوروں میں ہی جذب کیا۔

"میں بھی جانتا ہوں آپکی تکلیف، اس پرانی محبت پر گرد جم چکی ہے۔ وہ آپکے ذہن سے فراموش کر دی گئی ہے، لیکن! میں میکائیل رضوی، یقین مانیں طلب کے سارے سفینے جلا کر آیا ہوں، لیکن میری تمنا کے پار آپکی حسرت کا اک جہاں بھی آباد ہے، میرا تھکا ہوا لہجہ، بجھا ہوا چہرہ، میرے سفر تمام ہونے کا ترجمان ہے مگر اس سفر کا غبار اب بھی کہرام مچائے ہوئے ہے۔ میری روح تک اتری ہوئی آپ سے وابستہ محبت مجھے آپکی تکلیف بڑھانے پر ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ آپکے سامنے رہ کر میں اس حسرت کے جہاں کی تاریکی اور غبار جان کے کہرام سے متاثر ہو کر آپکی تکلیف بنتا رہوں گا۔ اس لیے مجھ سے دور ہو جائیں"

اس بار وہ بے رحم بنے تھے، زندگی میں پہلی بار وہ زویا کی تکلیف بنے تھے، تب جدا ہونے کا فیصلہ لے رہے تھے جب وہ جدائی کا تصور بھی نہ کر پا رہی تھی۔

یہ تو کوئی میکائیل رضوی سے پوچھتا کہ وہ یہ سب زندگی کی تمام بچی کچی ہمت جمع کیے بول سکے تھے، مقابل کی پتھرائی آنکھیں انکے دل میں اترے زخم دے رہی تھیں۔

جو مر رہا ہو تیرے لطف کی تمن-امیں

وہ جینا چاہے تو کیا طرز اختیار کرے!

"کیسے مانا جاتا ہے بن کہے کہ محبت ہے؟"

اس بار لفظ آنکھوں نے ادا کیے اور دھڑکنوں نے انکا ترجمہ کیا۔

"اپنے دہکتے لبوں سے میری تاریک پیشانی پر بوسہ دے کر اسے روشن کیے، کان کی گرم لوئیں چوم کر سرگوشی کر کے یہ جتلانے سے کہ آپ صرف میرے ہیں"

دھڑکن بے ترتیب بھی تھی اور متجسس بھی۔ ایسے مشورے پر تکلیف بھی ہوئی اور راحت بھی۔

"اور۔۔۔؟"

پھر سے اک آنسو اسکی رخسار پر اترا تھا۔

"اور میرے سینے پر سر رکھ کر دھڑکنوں کا مدھم راگ سُنتے ہوئے حلفاً خود کو میرے سپرد سونپ دینے سے، ہاتھوں میں ہاتھ تھامے، آپ کا میری آنکھوں میں دیکھنے سے، یا کسی گیت کو آنکھیں موندھے ایک ساتھ محسوس کرنے سے بن کہے مجھے آپکی محبت کا یقین ہو جائے گا"

اس بار تو اسکا وجود کپکپایا اور بے یقینی آنکھوں میں اتری، یوں لگا یہ رات، بخت کے افق پر اخیر روشن ہوئی ہو، سرد گرم ہوائیں روح کو گدگدانے لگی ہوں، چاند کی باریک تہہ ان زمین زادوں کو تکتی بڑھنے لگی ہو، روشن ہونے لگی ہو۔

وہ اس کی نظروں کی میٹھی چبھن محسوس کر رہے تھے

محبت.....! محبت کیا ہے!!.....

وہ سوچ رہے تھے

اور پھر اچانک ان کے دل نے گواہی دی

محبت اس جہاں کا آٹھواں سُر ہے

اور وہ!!.....

وہ اس آٹھویں سُر کا موجد بن گئی تھی...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کاذب نے صبح صادق سے ملاپ کر لیا تھا اور اسے ایک محض ایک، فقط ایک، صرف ایک دن کی زندگی خالی ہاتھوں میں تھما دی گئی تھی۔

فجر کی نماز ادا کیے وہ واپس نکھرا ہوا، خوشبو میں بسا ہوا، وجیہہ شخص واپس اسکے پاس آ کر لیٹ گیا اور کچھ زیر لب پڑھ کر وفا پر پھونکا، نا جانے وہ اسم محبت تھا یا حفاظت کا حصار، کاشان ہمانی کی آنکھیں، دل، روح اور وجود اس لمحے سکون سے بھر گیا۔

محبت ہو جائے تو یہ گر بھی آ ہی جاتے ہیں، آنکھیں جذب سے بند کیے، اپنے ہونٹوں کی حدت اس لڑکی کی گرم جبین پر رکھے اس نے پھر سے جھولی بھر دعائیں مانگیں۔

سحر کے پر نور لمحے وہ اپنے پہلو میں خواب جیتی اس گل بدن کی مسکراتی آنکھیں دیکھ کر اپنے ڈوبتے دل کو سانسیں دے رہا تھا۔

"تاب نہ لاؤں کیا عجب, دیکھ نہ پاؤں کیا عجب

میری طرف سے پیشگی صبح بخیر صاحبا

پھول کھلے بغیر ہی, زخم سلے بغیر ہی

تجھ سے ملے بغیر ھی, صبح بخیر صاحبا"

وفا کے سو جانے کے بعد سے اب تک وہ صرف اسے دیکھتا رہا تھا، جیسے کوئی ڈوبنے والا اپنے آخری منظر حسرت سے تکتا ہے۔

وہ ہونٹ، وہ بھنویں، وہ ناک، وہ بے داغ گال، وہ گردن، وہ سنہری مائل بالوں والی دلربا، پھول سی خوشبو سانسوں میں مقید کیے اسکی آغوش کے سکھ سے فیض یاب ہونے میں مگن یہ بھی نہ جان پائی کہ وہ دن شروع ہو گیا جس دن کی وہ آخری سانس تک قرض دار رہنے والی تھی۔

وہ دن جو اسکے کاسہ جان میں آخری احسان کی مانند تاعمر محفوظ رہنے والا تھا۔

وہ اسکی نیند میں خلل کے حق میں کہاں تھا مگر اپنے دل کی دھڑکنوں کا کیا کرتا جو بے قابو ہو رہی تھیں، الوداعی سنگت کی گھڑیاں، محبوب پر دسترس اور محبت کی تپش اسکے وجود کو پگھلانے لگی تھی۔

"میں نے تمہیں چُنا وفا،

ہاں تمہیں، کیوں کہ مجھے احساس تھا کہ تم میرا کمزور پہلو جان چکی ہو اور تم میری ناقص روح کو پر سکون راستے پر لے چلو گی،

میں نے تمہیں چُنا کیوں کہ مجھے احساس تھا کہ یہ زندگی بس تمہارے لائق ہے"

کمزور پڑتے ہوئے وہ جھک کر اپنی پیشانی وفا کی جبین سے جوڑے سرگوشیوں میں بولا، یہاں تک کہ آنکھوں سے اک آوارہ آنسو اتر کر اسکی بیرڈ میں جذب ہونے کے باوجود وفا کے دل تک اثر کر گیا۔

اسکے بے قرار دل نے اسے کاشان کا رنج محسوس کروایا تبھی وہ کسمسا کر جاگنے لگی، محسوسات تیزی سے بیدار ہوئے تو ان سوئی جاگتی آنکھوں کے خمار نے کاشان ہمانی کے دل میں اتر کر سانس ساکن کر دی۔

آج وفا نے اسکی ذات سے اک الگ عشق محسوس کیا، جاگتے ہی وہ دھیما سا مسکرائی، آج اسے کاشان ہمانی کی صاف روشن اور دلفریب آنکھیں دیکھ کر اسکے اجلے باطن کا یقین آیا۔

"تمہارا مجھے سونپا ہوا دن شروع ہو گیا وفا، اس دن کا ایک ایک لمحہ تمہارے نام ہو گا۔ تمہاری ان جان لیتی آنکھوں کے نام، تمہارے ان تشنگی مٹاتے نرم ہونٹوں کے نام، تمہارے دل کی دلفریبی کے نام، تمہاری محبت کے نام، تمہارے اور میرے ساتھ کے نام"

ازلی وفا کے روبرو نرم پڑتے لہجے اور سرشار مسکراہٹ کے سنگ وہ ہزار ہا ٹکڑوں میں بٹا ہو کر بھی اسے خبر تک نہ دے سکتا تھا، کہ اسکے اندر کیسا طوفان برپا ہے۔

وفا سے جدائی، مانو قیامت ہی قیامت۔

"میری پوری زندگی تمہارے نام ہے، پھر ایک دن کی قناعت کیوں۔۔۔پاگل ہو تم، تھوڑے سے پر ہی شکر کر لینے والے۔۔۔۔میں ہر سانس کے ساتھ تم سے اظہار دل کرتی رہوں گی تاکہ تم بھی میرے لیے میرے جیسے پاگل ہو جاو"

وہ خود پر جھکے کاشان کی ٹھوڑی پر پیار سے ہتھیلی جمائے پہلے دل لبھاتی ہوئی اپنی نیند کے خمار سے لال آنکھیں جمائے بولی اور پھر اپنے دونوں بازو خوش دلی سے کاشان کے بھاری وجود کے گرد باندھے اسے خود پر گرا گئی، نرم ہتھیلاں اب کاشان کی کمر پر سرکنے لگیں تو وہ بھی اسکی گردن میں چہرہ چھپائے اپنا اک ہاتھ وفا کے سر کے نیچے رکھتا کچھ لمحوں کے احساس سکون کو خود میں اتار کر کروٹ پلٹ کر وفا کو خود میں سمو گیا، ہنسی کے پھول وفا کے ہونٹوں سے کاشان کی اس من موہنی فکر پر کھلے۔

"میں تمہارے لیے تم سے زیادہ پاگل ہوں وفا، جب تم اداس ہوتی ہو پاگل لڑکی، تو جیسے میری ہر سانس عالم نزع کی کیفیت میں گذرتی ہے۔

اور جب تم مسکراتی ہو، تو تمہاری مسکراہٹ موت کی طرف جانے والے سارے رستوں کو روک لیتی ہے۔۔۔۔۔تمہاری مسکراہٹ زندگی جیسی قیمتی ہے، جو مجھے میرے وجود سے بھی زیادہ پیاری ہے۔

تمہاری موجودگی وہ سکھ ہے جو میرے ہر خسارے کو بھر دیتی ہے۔تم مجھ سے میری جان مانگو تو میں تمہارے ہاتھ میں اپنی آخری سانس آن دھروں"

وہ کھلے لفظ کہتا وفا کی آنکھیں چومتا اظہار کیے نہایت پیارا لگا تبھی تو وہ مبہوت ہو گئی تھی۔

"جان نہیں چاہیے، ساتھ چاہیے۔بوڑھے ہونے تک"

آج تو وفا کی مسکراہٹ تھم ہی نہ رہی تھی، وفا کی خواہش سن کر وہ بھی اپنے اداس سے موڈ سے نکل آیا۔

"ملقدی های عشق بسیار شیرین و پر زاز
آهنگ است
مثل صورت تو و ابراز عشق من"

وہ پھر سے بولا، مگر اس بار وفا منہ پھلائے اس بات کے سر سے گزر جانے پر نا سمجھی سے دیکھنے لگی

"مطلب بھی بتادو اب مسٹر فلاسفر"

روٹھی حسینہ چہکی پوری شوخ تھی۔

"محبت کی دُھنیں بہت میٹھی اور ترنم سے
بھرپور ہوتی ہیں، جیسے کہ تمہارا چہرہ اور میرا اظہار محبت"

معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپاتی وہ اگلے ہی پل مسکراتی ہوئی کاشان کے پہلو سے اٹھی تو وہ بھی ایک جست اٹھ بیٹھا۔

"فریش ہو جاو، ناشتہ بناتا ہوں۔ اسکے بعد ہم کہیں جارہے ہیں"

نرم سا حکم سناتا وہ وفا کے دونوں رخسار چومتا اسے محبت سے دیکھے اٹھ کر کمرے سے نکلا تو وفا نے بھی اسکی چارجانب پھیلی خوشبو سانسوں میں اتارتے ہی پیر فرش پر اتارے تو گدگداتا احساس ہونے پر وہ چونکی۔

فرش کے قالین پر بہت سے رنگوں سے سجا گلدستہ، اور اسکے ساتھ ایک پیپر وفا کو مسکرانے پر اکسا گیا۔

ساتھ ہی دھرے ڈھیر سے شاپنگ بیگز، جن میں آج کے دن کی مناسبت سے بہت سی چیزیں موجود تھیں، ستارے سموتی سیاہ موتیوں سے ہلکی پھلکی سجی میرون میکسی، ہیل اور کئی پسند کیے گئے لوزمات۔

محبت سے جھک کر نہ صرف وہ رنگ برنگے سرخ و سفید رنگ کے علاوہ سارے رنگوں والے گلاب اٹھائے بلکہ انکی بھینی بھینی خوشبو سونگھی اور پھر ساری توجہ اس ہارٹ شیپ کارڈ کی جانب مبذول کی۔

"اس بار وفا ان پھولوں کو گرائے گی نہیں، ہے ناں۔ ہمانی حویلی میں موسم بہار کے جوبن پر کھلتے سارے مکمل پھول بھی تمہارے نام۔ ان سب کی یک جان خوشبو بھی تمہاری خوشبو کے مقابلے میں صفر ہے۔۔۔۔ ہاں تمہاری خوشبو، مجھے خود سے آتی ہے۔ اس دن کی شروعات مبارک۔۔ یہ سب پہنو گی تو خوشی ہو گی مجھے۔"

محبت نامہ، زیر لب دہراتی وہ دلفریب مسکاتی ہوئی پھر سے ان پھولوں کے سراپے تکتی، انکی خوشبو محسوس کرتی اس شخص کے ان نئے نئے اطوار پر فدا ہوئی۔

وہ بھی کچن میں کھڑا، کسی ماہر شیف کی مانند ناشتہ بناتا ہوا ایکدم ہی کچھ یاد آنے پر باہر لاونج میں آیا اور ملازم کو اشارہ کیا۔

"زویا آئیں تھیں واپس؟"

کاشان کے استفسار پر ملازم نے نفی میں سر ہلایا۔

کاشان نے اسے جانے کا کہا اور خود خاصا حیرت زدہ سا واپس کچن میں گیا۔

"کیا وہ وہاں رک گئیں؟ خیر ہی ہو۔۔۔۔ لگتا ہے قسمت نے واقعی وہی طے کیا ہے جسکی خبر میری چھٹی حس کو ہوئی۔۔۔ ان دو کا ساتھ مجھے اس وقت حقیقی درکار تھا۔ تاکہ میرے بعد وہ اکیلی نہ ہو جائیں۔۔۔۔"

دل اچانک ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگا تھا، وہ سمجھ نہ پا رہا تھا کچھ بھی لیکن کہیں دل میں زویا اور میکائیل کے ایک ہو جانے کی دعا شدت سے دھڑک رہی تھی۔

ناشتہ بنائے، سجائے وہ اس سارے وقت بہت خوشگوار سی مسکراہٹ لیے کچھ گنگناتا رہا اور پھر جب جدائی کی پھر سے یاد آئی تو ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گیت چھین کر لے گئی۔

"تمہارے ساتھ کا بس ایک اور دن، میرے لیے وقت نزع میں راحت کی اک بوند ہو گا، یہ ایسا دن ہے جب تم مجھے مکمل جان جاو گی، میں کس حد تک برا ہوں اور کیسے اچھوں میں شمار ہوتا ہوں۔ وقت رحلت میری آنکھوں میں کوئی حسرت نہیں بلکہ تم سے پوری سچائی کے سنگ بچھڑنے کی نمی جلملائے گی۔ تم مجھے اس قدر پیاری ہو کہ تم سے اگر یکدم بچھڑا تو موت آئے نہ آئے، تمہاری میرے گرد کمی کے باعث قبل از وقت ہی میری جان ٹوٹنے لگے گی"

اس پری روح کی روح افزائی چمک اور دلربائی مہک کے سنگ جب اس کے قدموں کی غائبانہ آہٹیں سنائی دیں تو وہ بند آنکھیں کیے، کسی اور ہی جہاں میں بیدار ہوا تھا۔

"تم کبھی مت بچھڑنا، سب ساتھ رہتے ہیں۔۔ ہم بھی رہیں گے"

سماعت میں اترتی گلاب سی سرگوشی پر وہ دردناک سا مسکرایا تھا، ناشتہ بنائے، ٹرے سجائے، گلدان میں دو گلاب کے سرخ و سفید پھول سجائے وہ واپس کمرے کی اور بڑھا، قدم تھے کہ دل کی طرح بھاری ہو رہے تھے۔

"تمہیں خود سے نجات دینا کتنا مشکل ہے وفا، تمہیں اپنی دردناک سفاکیاں بتانے کے سوا چارہ نہیں کوئی۔ تم جیسی پاکیزہ روح، مجھ سے میلے، گندے اور گناہگار کے ساتھ نہیں سجتی۔ میں رہوں نہ رہوں، تم سے دور اب کہیں کا نہیں ہوں۔ میری زندگی کا سارا نظام الٹ دیا تم نے۔ امیر سے فقیر کر دیا تم نے کاشان ہمانی کو۔ جو خود اپنی جان کندنی پر مجبور ہے"

دروازے کی اوٹ میں آئے، اپنے سرعت سے بڑھتے قدم روکے وہ تھم ہی تو گیا، وہ آپسرائے جان، لباس بدلے، نور کی دل لبھاتی کرن کا روپ دھارے آئینے میں اپنا جان لیوا عکس دیکھتی من ہی من میں مسکا رہی تھی۔

اور وہ کچھ فاصلے پر دنیا و جہاں فتح کرلینے کی طاقت رکھتا پائزن، کسی ہارے جواری کی مانند اپنے ڈوبنے کی کہانی پڑھ رہا تھا۔

اسکا پورا جسم برف کی مانند جمنے لگا تھا، رگیں اکڑ کر پھٹنے لگی تھیں۔

وہ گہرے میرون میکسی نما جوڑے میں، دہکتے حسن کو مزید دہکاتی، کاشان کی بصارت چندھیا دینے کی حد تک حسین روپ دھارے آج اسکے مانگے گئے دن کے لیے اس کی خواہش پر سجی تھی۔

وہ اسکا ڈریس، میچنگ ہیل، نفیس سے تراشتے بندے، اور ہر وہ چیز لایا تھا جو اسکے بقول اسکی وفا پر سجتی تھی۔

رنگ، خوشبو، یہاں تک کہ کاشان ہمانی کی نگاہیں، جن کی میٹھی میٹھی چبھن، وفا کے تن من میں اتر کر اسے اسکی آمد کی خبر دے چکی تھی۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

کب وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں اندر آیا، ناشتے کی ٹرے اک طرف میز کی جانب رکھی اور اس دسترس میں موجود لڑکی کی اور اسکے جادو کے باعث کھینچا چلا گیا۔

نرم سا اسکی کمر کے گرد بازوؤں کا حصار بنائے اسے یوں سینے سے لگائے آئینے سے دیکھا جیسے اس لمحے، کاشان ہمانی اپنی زندگی کا سب سے دلکش منظر دیکھ رہا ہو۔

"تم میری حیات کا آخر ہو وفا، وہ لمحہ جسکے بعد موت رہ جاتی ہے۔۔۔ لکنگ گارجیئس۔۔۔ آئی نو تم پر میری پسند کی ہر شے جچے گی، گہرا میرون گلاب کا پھول، جسکے کنارے دھیمے گلابی ہوں۔ جسکی سوندھی خوشبو اپنے وجود کی یاد دلا دے، جسکا لمس جان فرسا ہو کر بھی اتنا سچا ہے کہ عشق کو رد نہیں کیا جا سکے"

نرماہٹ کے سنگ وہ اسکے کھلے آبشار سے بالوں میں انگلیوں کی حرکت کرتا اس کے باعث ہوتی سنسناہٹ پر وفا کا مسکرانا، اور جان لیوا نظر جھکانا تکتا مدہوش سا ہوا تھا، سارے درد، ہر تکان اور سب تکالیف نے لمحے میں سکون کا روپ دھارا تھا۔

"اے دلوں کے راز جاننے والے رب! تجھ سے کیسا پردہ، یہ زندگی ہے میری۔ ابھی سے مجھے محسوس ہو رہا ہے، کہ میرا جسم یہاں ہے اور رہ جائے گا مگر میری روح وہاں وہاں بھٹکتی رہے گی، جہاں جہاں یہ سانس لے گی"

مقابل کی اظہار سے گلابی مائل ہوتی خوبصورت آنکھیں تکتا، وفا کے دل کی دھڑکن اپنے دل تک اترتی محسوس کرتا وہ کرب و آزردگی سے سوچ رہا تھا، خود غرضی اور سفاکیت کا ایسا امتزاج تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جنت کو خود پر ممنوع کرنے والا تھا۔

"تم ایسی عورت ہو وفا، جسے پانے کے لیے مجسم عشق بننا پڑے گا، جوگ پالنا پڑے گا، مجسم رقص ہونا پڑھے گا۔۔۔ دھول، قدموں کی دھول۔۔۔ جوگی، صرف تمہارے در کا جوگی"

وہ لجائی پلکیں اٹھائے دونوں ہتھیلیوں میں اس بیری کا چہرہ بھرے ہر ہر خد و خال پر ہونٹوں کی نازک پتیوں سے ہمکلام ہوتی جانے کس رو میں تھی کہ وہ یکدم وفا کے روبرو آنے پر اور ان عنایات پر مجسم سنگ بنا، بے یقینی آنکھوں کی پتلیوں میں بھرے دیکھتا رہا، وہ ہر لمس کتنے اندر تک اترا یہ صرف کاشان ہمانی کی روح جان سکتی تھی۔

"تم سی عورت کا ساتھ پانے کے لئے فتح یاب بادشاہ کی طرح نہیں بلکہ کسی مقدس درگاہ پہ زیارت کرنے آئے فقیر کی طرح آنا پڑتا ہے۔ لیکن مجھ سا بے ادب! ہائے۔۔۔ مجھ سا منافق فقیر! اف۔ مجھ سا بے ذوق عاشق جسے کیا خبر عشق جسے خاک کرے وہی کندن۔۔۔ ہک ہاہ"

وہ اتنے گہرے خیالات میں تھا کہ وفا اسکے یکدم پڑتے سپید چہرے پر مسکراہٹ بھلائے فکر مند ہوئی۔

اس کے حصار سے نکلے اپنے سرد ہاتھوں میں کاشان کا ہاتھ تھاما۔

"کیا ہوا ہے؟ کچھ برا اور الٹا سوچ رہے ہو ناں۔ تبھی تمہاری کنپٹی کی رگ باہر ابھر آئی۔ ہیزل گرے آنکھیں، خوفناک ہو گئیں۔ پھر سے دور ہونے کی گندی مندی باتیں سوچ رہے ہو ناں، یا پھر یہ کہ کیسے وفا کو اگلی بار تڑپانا ہے"

گہری خاموشی سے اک دوجے کو تکنے کے بعد وہ اس کی ہر حس مفلوج کیے سادگی سے استفسار تو کر گئی مگر وہ وفا کے ابھی سے سب بھانپ لینے پر حیرت زدہ تھا۔

"کیسے تمہارے بنا خود کو سنبھالنا ہے، جب تم سارا وقت اس مہمان کو دو گی۔۔۔ اسکے علاوہ کچھ سوچنے کے قابل دیکھائی دے رہا ہوں کیا؟ ظاہری حسن کو کسی کھاتے میں نہ رکھنے والی میری یہ ہیزل گرے آنکھیں!

تمہاری روح کی دلکشی تک جھانک لیتی ہیں۔ آخر کیوں! (کاش میں اپنے اس لمحہ بلکتے دل کو بھڑکتی آتش میں جھونک پاتا)"

دفعتاً اسے دیکھتے ضبط جواب دیا تو وہ اسے بازوؤں میں سمیٹ گیا، مقصد اپنی بجھتی آنکھوں پر سے وفا کا دھیان ہٹانا تھا مگر وہ بہل ہی نہ سکی، دل، کاشان کی اس بدلتی کیفیت پر سوکھے پتے کی مانند پھڑپھڑایا۔

"اس لیے کہ تم حقیقت میں ایک اچھی روح ہو، میری روح بھی تمہارے حق میں سب سے اچھی ہے۔ تم خوش ہو پر نظر نہیں آرہے، دیکھو دن بھی دے دیا۔ پھر ایسا کیوں لگ رہا ہے مجھے جیسے تمہارے اس دل میں کوئی کہرام ہے۔ یہ میرا تمہیں دیا پہلا دن ہے کاشان، خدانخواستہ آخری تو نہیں۔۔۔"

کچھ دیر کاشان کے گلے لگی اسکی دھڑکنیں محسوس کرتی وہ خود ہی روبرو آئی، ہتھیلی سے اسکا سینہ سہلائے، نگاہیں پٹ سے ان ظالم آنکھوں میں ڈالے سوال کیا، اور اسکے سوال نے کاشان ہمانی کو لاجواب کر دیا۔

"ہمم۔۔ یہ سب چھوڑو۔۔ ناشتہ کرو۔ امید ہے پسند آئے گا" اپنے لاجواب ہونے کا بھرم رکھتا، بات ٹالے اسکی کلائی تھامے سٹنگ ایریا کی جانب لے جاتے اسے بٹھائے خود بھی بیٹھا، وفا کی اداس مسکراہٹ ٹرے میں دھرے سفید اور سرخ گلاب کے جوڑے سے کامل سی ہوئی۔

اور وہ وفا کو سرشار دیکھنے کا یہ لمحہ چپکے سے اپنے دل میں قید کیے رکھ گیا۔

"سرخ پھول تو محبت ہے اور سفید؟ یہ کس لیے"

مخمور لہجے میں وہ دونوں پھول اٹھائے باری باری سونگتی بڑے تجسس سے بولی۔

"محبت کی لامحدودیت کے لیے"

وہ کچھ دیر قبل کے لاجواب ہونے کا بدلہ چکائے مکمل و حسین مسکرایا، وہی مسکراہٹ جسے وفا کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔

"تمہاری محبت اب میرے دل سے پھوٹتی ہے اور میری روح کو مغلوب کرتی ہے کاشان۔ یہ یقینا لامحدودیت کی حد کو پار کر چکی ہے۔ روشنی کا یہ سفید آسمانی پھول تمہارے دل جیسا ہے، اور محبت کی انتہاؤں کی مخمور خوشبو بسائے ہوئے مہکتا یہ سرخ گلاب تمہاری روح جیسا۔۔۔۔"

وہ ہر رنگ اور ڈھنگ لیے، مسکراتی، عمر بھر مقید کر لیتی، چاہتوں کی دیوی بنی اسے اپنی محبت کے حصار میں جکڑ رہی تھی۔

وہ بس اسے دیکھتا رہا، اسکے لفظوں میں گھلے امرت کو چکھتا رہا اور اپنے لیے سانس کی دستیابی ممکن بناتا رہا۔

ناجانے وہ اتنا پر کشش کیوں تھا، حواس پر حاوی ہونے والا، کہ وفا لاکھ پر اعتماد بھی ہوتی تو اسکے چند ساعتیں بنا نظر پھیرے دیکھنے پر جھینپ جاتی۔

شاخ جان پر بہار آتی تو چہرے کی تازگی اور رخساروں کا گلال بڑھ جاتا۔

دل کی دھک دھک، سماعت میں اتر آتی۔

"تم کیا جانو! اگر محبت نظروں سے اوجھل ہو جائے تو رنگ، پھول اور سب موسم پھیکے اور سیاہ ہو جاتے ہیں، ہاں ساری رہی سہی زندگی اک میٹھے مگر شریانوں میں خون جما دیتے درد کے سنگ گزرتی ہے"

آنکھوں کے راستے اس نور کے ہالے کو سماعت میں درج کرتا وہ اسکی اسیری کا معترف ہوا، اظہار جیسا بھی ہو، سردیوں کی یخ بستہ گھڑیوں میں ٹھٹھرتے جسم کو دھوپ کی پر سکون حدت دینے جیسا لگتا ہے، ڈھانپ لیتا ہے، بھلے پھر وجود پر زخم ہوں یا پرانے نشان، کیسی بھی تحریر کیوں نہ درج ہو۔

رہ جاتا ہے تو بس اظہار کے بعد کا راحت سے بھرا لمحہ، جس لمحے کی بے اختیاری پر شاعروں نے دیوان لکھ ڈالے۔

"میں پھر تمہاری محبت کی لامحدودیت آزماؤں گا، میرے موسم، رنگ اور جذبے ویران مت کرنا۔ کہ میرے پاس جینے کے بہت کم اسباب باقی رہ گئے ہیں۔ تم روٹھ گئی تو میرے جسم سے ایسے ناگہانی درد اٹھیں گے جو مجھ بے رحم و سفاک کو تکلیف اور آنسو دیں گے۔ میں تمہیں آوازیں لگاوں گا، کہ پلٹ آو! میرے دکھتے سر، میری جلتی آنکھوں اور میرے دہکتے وجود کی ٹھنڈک لوٹا دو۔ زخموں سے بھری محبت مجھے جچتی نہیں، میں آواز دوں گا کہ میرا مرہم بنو، تم مجسم میرا مرہم ہی تو ہو"

اسکی دنیاوجہاں سے منفرد، سماعت کو سکون بخشتی آواز کا لمس محسوس کرتی وہ اسکے کھل کر کہے خدشوں کے جواب میں اپنے ہونٹوں کو مدھر مسکان میں ڈھال گئی، اس لمحے کو محفوظ کرنا اس شخص پر واجب تھا۔

"ہاں مرہم ہوں، اس لیے اس تھکے ہارے افسردہ ٹرانس سے نکل آو۔ چلو۔ ناشتہ اپنے ہاتھ سے کھلاو۔ میں بھی تو محسوس کروں، آج واقعی وی آئی پی بھی ہوں اور اب سے کاشان ہمانی کی لاڈلی بھی"

یہ شوخ حسینہ کی کھنکتی ہنسی، صبح کا خوشنما لمحہ، رگوں میں بہتا لہو، مقابل کی سانسوں کا ترنم، مسکراہٹ، آنکھوں کی سرشاری، شادمانی سبھی اس شخص کی صبح خوبصورت بناگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسکی بھیانک قید کا کل ہی آغاز ہو چکا تھا، پچھتاوے کی آتش اسکی روح کو جھلسا رہی تھی۔

دکھ اسے موت کا نہیں بلکہ پائزن کی نظروں میں گر جانے کا تھا، رگ رگ میں اذیت سرائیت کرتی جا رہی تھی۔

فرش پر دراز ہو کر بیٹھی، سر دیوار کی اک جانب ٹکائے وہ اپنے گلے میں نسب ہار اتارے اس میں مقید کسی تصویر کو تکتی آنسو بہا رہی تھی، آنکھیں سوجن اور رت جگے کی غماض تھیں وہیں ہر سانس میں سسکیاں تھیں۔

"وہ میرے بعد تمہارا محافظ ہو گا ایزل، اسکی ذات کو تلاشنے کی اور اسے بنا تحقیق کے مجرم ماننے کی غلطی آخری سانس تک مت کرنا"

سماعت میں بابا کے کہے بہت وقت پہلے ان تاکیدی جملوں کی بازگشت اسے آج کاٹ رہی تھی، لیکن وہ کیا کرتی، وہ ایسا تھا کہ اپنی ذات کے تجسس سے دوسروں کو بری مار مارتا تھا، خود کو مجرم بنا کر خود ہی ثابت کیے چپ چاپ اپنے خلاف چلتے تیر بھی انگلیوں پر گنتا تھا۔

وہ دن آج بھی ایزل مہران کے لاشعور میں تابندہ تھا جب اسے پائزن کے سنگ رشتہ ازواج میں باندھا گیا تھا، وہ تب جس چہرے کے سنگ سامنے تھا وہ اسکا اپنا چہرہ نہیں تھا، منصوعی نام، غیر حقیقی شناخت اور جعلی اس نکاح کی ڈوریاں ایزل مہران کے دل میں جڑ پکڑے پھوٹیں بھی اور تناور درخت بھی بنیں۔

وہ اپنی ہار آنکھوں کے سامنے دیکھ کر اکھڑے سانس بھر رہی تھی، پورے وجود میں درد کی لہر اتر رہی تھی۔

پائزن اور ایزل کے اس جعلی نکاح کے دو دن بعد اچانک ہی بابا کی موت کی خبر نے اسے توڑ دیا تھا مگر وہ اول صدمات کے چند دن جب وہ چھپا ہوا بے اعتبار، اجنبی شخص اسے سمیٹتا رہا۔

اپنے فرض کی خاطر، اور وعدے کی پاسداری کے لیے ایزل کو نکاح کی حقیقت بھی اسکے سنبھل جانے کے بعد بتائی مگر آہ ایزل مہران! وہ تو نمودار ہی پائزن نامی شخص کے قدموں میں ہوئی، اسی جگہ محبت کا پودا لگائے وہیں اپنی قبر بنانے پر آمادہ ہو گئی۔

آج بھی اسے وہ چند لمس ازبر تھے جو اسکے بخت میں چند سکھوں کا استعارہ تھے۔

وہ کبھی کبھی بے دھیانی میں اسے موت کی حقیقت بتاتا بتاتا اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا تھا، کبھی بدحواس سی ایزل کے ماتھے پر ڈھلک آتی لٹیں کان کے پیچھے کر دیتا، کبھی اس بابا کی جدائی میں روتی نازک لڑکی کو اپنے گلے تک لگالیتا، لیکن تب ایزل نہ سمجھی کہ وہ اس شخص کی خوشبو کی اسیر ہو جائے گی۔

اس ظالم اور سفاک شخص سے روح جڑی ہے، یہ انکشاف تو اسے پائزن کے خود سے اتار پھینکنے پر ہوا۔

وہ ہچکیوں کی زد میں کپکپارہی تھی، اسکا نازک سراپا لرز کر زمین بوس ہونے لگا تھا۔

وہ آج بہت مدت بعد اسی کیفیت میں لوٹ آئی تھی جب کئی سالوں پہلے اسکی پائزن نے خود سے نجات دے کر روح فنا کی تھی۔

"خدا کسی کو ایسی اذیت سے نہ گزارے، جس سے ایزل مہران گزری ہے۔ مجھے بیک وقت ایک ہی شخص سے شدید محبت اور نفرت میں مبتلا کیا گیا۔۔ مم۔ میں م۔۔۔ مر جانا چاہتی ہوں۔۔۔ وہ مجھے چاہیے، صرف ایک جھلک۔۔۔ میں اس سے آخری سانس سے پہلے اپنی نفرت کی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔۔ پلیز گارڈ گیو می ون چانس۔۔ مجھے اسکی ایک جھلک دیکھا دیں، میں اس کو دیکھے بنا مرنا نہیں چاہتی۔ میری التجاء سن لیں"

وہ یہاں موت کے لمحے گنتی سسک اور بلک رہی تھی، فقط اس کے لیے جس نے وفا سے مانگے ہوئے فقط ایک دن کا آغاز اور انجام سبھی سوچے خود کو اندھیرا کرنے کی ٹھان لی تھی۔

دوسری جانب صبح کے بعد فارس کو پھر سے ہوش تو آیا مگر دواوں کے زیر اثر وہ بس تھوڑا سا خیر دین کا دیا سوپ پیے پھر سے نیند میں چلا گیا تھا، عون تک اسکی خیریت کی خبر آج پہنچانی تھی یہ میکائیل رضوی نے خیر دین کو بتادیا تھا۔

خود وہ نکھرے ترو تازہ خلیے میں لان میں کھڑے سنجیدگی کے سنگ مالی کو ہدایت دے رہے تھے جب بالکونی میں اک آپسراہ چاند کی مانند دمکتی آن کھڑی ہوئی اور کھلے صبح کی تازہ ہوا کے جھونکوں سے بکھرتے بال سنوارتی دم بخود سے میکائیل رضوی کو دیکھے گئی۔

یہاں تک کہ وارفتگی کا طلسم ٹوٹا تو دونوں کی نظریں بوکھلاہٹ میں جھک گئیں۔

"ويعوضك الله بشخص يشبهک،يشبه نقاء قلبُك ويستحقه."

)اور خدا آپ کو معاوضے میں ایسا دے گا جو کہ آپ جیسا ہوگا جو آپ کے دل کا مستحق ہے۔"

وہ تڑپتی، روتی، ضد میں جان ہارتی، اک لمبے سفر سے تھک جاتی زویا، گزری رات کی بے خودی کا سوچ آج بہت مدت پہلے پڑھے اس جملے کی حقیقت اپنی روح میں اتری محسوس کر رہی تھی۔

وہ دونوں آج بھی ایک دوسرے سے دور کھڑے تھے مگر زویا کے پاس اب ڈھونڈنے سے بھی کوئی بے سکونی باقی نہ رہی تھی، شاخ جان، جہاں عرصہ ہوا خزاں تھی اب بہار ساساں اور پھول لیے مہکی ہوئی تھی۔

"فقط یہ ایک منظر!

میری بالکونی میں کھلا یہ ناممکنہ گل

قسم ہے آپکی آنکھوں کے مخمور سکھ کی

کل تک حسرت میں شمار ہوتا تھا"

چند قدم بڑھائے، کرتے پاجامے میں لپٹے، ساحرانہ چال چلتے وہ عین بالکونی تلے آن رکے اور دھیمی پرخلوص مسکراہٹ لیے شاعرانہ ہوئے تو وہ بوکھلائی، گھبرائی سی زویا نہ صرف پلٹ گئی بلکہ اس شخص کی نگاہوں کی ہر دسترس سے بھاگنے لگی۔

"اب کہاں بھاگوں گی آپ سے، ہتھیار تو میں نے خود ڈالے تھے۔۔یا اللہ یہ کیا ہو گیا مجھ سے۔۔۔۔م۔۔میں کیسے۔۔۔۔۔اف۔۔۔"

ہانپ اٹھتی، رات کی ہر دلفریبی اور خوشی جھٹلاتی وہ نہ صرف اپنا بیگ اٹھاتی کمرے سے ہڑبڑاتی باہر نکلی بلکہ چند ثانیے میں ہی اس دیار جان لیوا کی فصیل پار کر ڈالتی اگر مقابل راہ میں آتے میکائیل اس لڑکی کی جان ہارتی کیفیت پر پریشان سے اسکی آگے بڑھ کر کلائی تھام گئے۔

اس اچانک افتاد پر وہ نم نم آنکھیں جھپکتی، کرب و اذیت سے گزرتی منہ موڑے انکے چوڑے سینے سے لگتے لگتے بچی، میکائیل رضوی کا دل اس لڑکی کی اس جنونی کیفیت سے یکسر کٹا۔

"یوں مت کریں زویا، میری جان لے لیں مگر خود کو زرا سا بھی رنج نہ دیں"

دانستہ دھیمے لہجے میں وہ زویا کی ملال و شرمندگی میں لپٹی ذات کو دکھ سے جانچتے درخواست کر رہے تھے اور وہ تھی کہ ظلم کی حدیں توڑنے کے بعد بھی انھیں نہ دیکھنے کی قسم کھاتی، مسلسل اپنی کلائی چھڑوائے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"م۔۔میں تو ہوں ہی پاگل، آپ نے ک۔۔کیوں نہیں روکا م۔مجھے۔۔۔آئی ہیٹ یو۔۔سنا آپ نے۔۔۔۔میں خ۔۔خود سے نظر ن۔نہیں ملا سکتی اب۔۔۔لیو می میکائیل۔۔۔جان تو لے چکے ہیں ناں۔۔۔خدا کے لیے مجھے جانے دیں"

وہ اسکے حصار نے پر چڑتی، بلبلاتی پھٹی، اسکی زبان پر دھرے بے تاب شکوے ٹوٹ ٹوٹ کر اپنی کرچیوں سے اس ہلکان شخص کو زخمی کر رہے تھے۔

جب وہ اس شخص کی تکلیف بننے لگی تو وہ اسے پوری قوت سے بازوؤں میں بھرے، شانت کرنے کی خاطر بڑھ کر حق جما رہے تھے، جسکا سانس رکنے لگا تھا اب وہ میکائیل کے وجود میں چھپی بے آواز آنسو بہاتی انھیں بھی آزردہ کیے جا رہی تھی۔

"بس کریں زویا، بہت مدت بعد تو خوبصورت صبح میسر آئی ہے۔ آپ نے بروقت اپنا حق چھین کر نہ تو کوئی خطا کی نہ اس پر آپکو شرمندہ ہونا چاہیے۔ مجھے پتا چل گیا کہ آپکے دل میں تھوڑی ہی سہی پر میرے لیے جگہ بن گئی، مجھ سے میری خوشی تو پوچھیں یار"

وہ ہر ممکنہ طور پر اسے سنبھال رہے تھے، کیا بتاتے کہ اس لڑکی کے آنسو انکے دل پر درد اتار رہے ہیں۔

"ن۔۔ نہیں۔۔۔۔ چھوڑیں۔۔۔۔ چھونے کی کوشش بھی نہیں"

کچھ دیر اس روح سہلاتی گرفت میں دم دینے کی کیفیت میں مبتلا رہنے کے بعد وہ پوری قوت سے میکائیل رضوی کی بازو جھٹکتی، بھرائے لہجے میں غصے سے لبریز، مقابل کھڑے بے نیاز شخص کو دنیا جہاں کی ناراضگی سونپتی، ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑتی باقاعدہ وہاں سے دوڑ گئی۔

کتنی ہی دیر وہ چپ چاپ کھڑے اس لمحے کی گہرائی سوچتے رہ گئے، ریاضت کے اس درجہ روح افزاء صلے پر خوشی محسوس کرتے یا زویا کی حالت پر دکھی ہوتے۔

"اب آپ میری حقیقی امان میں ہیں زویا، آپکی تکلیف تو فطری ہے لیکن آپکی محبت میرا نیا امتحان۔۔۔"

کسی ڈوبتے آدمی کی طرح سانس لیتے ہوئے وہ خود کلامی کر رہے تھے، چہرے پر اک تکان نے ڈیرہ جما لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے کئی دن بیت چکے تھے یہاں آئے ہوئے، فارس شاہ کی زندگی کی بھیک مانگنے کی اسے بہت بڑی قیمت چکانی پڑی تھی۔

وہ سمجھتی تھی اسے فارس شاہ سے محبت نہیں ہے، بلکہ شدید نفرت ہے۔

بس اک بوجھ نما تعلق ہے، مٹ بھی جائے تو فرق نہیں پڑے گا۔

پھر اس نفرت زدہ شخص سے جدائی پر اس نے خود کو ہر روز مرتے اور جیتے دیکھا، جب اک دن رات کے پچھلے پہر اس کی آنکھ کھلی تو دل اس احساس سے بند ہونے لگا جس کے ساتھ جنگ کرنے میں اس نے کتنے ہی سال گزار دیے وہ اب اس کا واقعی نہیں رہا۔

آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امنڈ آیا تھا، بے چینی بڑھنے لگی، سکون کسی دور دیس کو رخصت ہو گیا، اس رات وہ سمجھی محبت کیا چیز ہے، عشق کسے کہتے ہیں، عادت کیا ہوتی ہے۔

اپنی زندگی کے لمبے، تلخ اور کانٹوں سے بھرے سفر کی تباہ کاری اسکے چہرے کی دلکشی پر حاوی ہو رہی تھی۔

یہاں دور، سات سمندر پار اسکے پاس صرف چند تصویروں کے سوا کچھ نہ تھا، وقت کی بے رحم آندھی، اسکا سب کچھ بہا لے گئی تھی۔

اسے دنیا کی ستم ظریفی اور محبت کی بے توجہی نے پہروں رلایا تھا، دیوانوں کی طرح، قید پابند کے اسیروں کی طرح وہ اس ویران جگہ بنے گھر میں بولائی بولائی پھرتی رہتی تھی، سوجھی آنکھیں، بکھرے بال، اداس چہرہ، سلوٹ زدہ لباس! اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر جیسے دل کو دھکا سا لگا تھا۔

"میں سمجھتی تھی میری زندگی ان چار مردوں نے تباہ کی، وہ ظالم بابا جو مجھے بیچنے سے پہلے اک بار نہ کانپے، وہ سفاک بھیڑیا جس نے میرے بابا کو اس سوہان روح انجام تک پہنچایا۔ پھر وہ محبوب جس نے مجھے دھتکار دیا۔۔ پھر وہ دیوانہ جسے میری محبت کی سزا ملی، جسے میں نے پل پل مارا،۔۔ لیکن حقیقت میں، میں نے ان سب کی زندگی برباد کی۔۔۔ کیا خطا تھی میری؟ صرف محبت! عون بخاری کو پانے کی اس جنگ میں خود کو تنہا تو کیا لیکن سب سے زیادہ نقصان اپنے بچے کا کیا"

آج مہکار کو یہ ملال، کسی نوکیلے کانٹے کی مانند چبھ رہا تھا، اذیت دے رہا تھا۔

سرخ ڈوروں سے بھری آنکھوں کے سنگ وہ سنگار میز پر دھری چند فوٹوز تکتی کرب زدہ ہوئی۔

پہلی تصویر یوآن شاہ کی تھی، جس میں وہ ہنستے ہوئے فارس شاہ کے کندھے پر چڑھنے کی کوشش اور اپنا فٹ بال سنبھالنے کا عمل ایک ساتھ کر رہا تھا۔

بے ساختہ ہی مہکار کی اجڑی آنکھیں نمی سے لبالب بھر گئیں۔

"م۔۔میری جان، میرا یوآن۔۔۔ مما کو معاف کر دینا۔ میں جب تک زندہ ہوں، کم از کم تمہارا سامنا کرنے کی سکت نہیں جمع کر سکوں گی۔ تمہاری سلامتی اور بہتر حفاظت کے لیے تمہاری ممی نے اپنا آپ قربان کر دیا۔ تمہارے دل میں میری محبت میرے بعد بھی یونہی شفاف رہے یہ چاہتی ہوں۔ میں اس ساری دنیا میں اب فقط تم سے ہی محبت کرتی ہوں"

اسکی آواز بھرائی وہیں تصویر پر اسکا حرکت کرتا ہاتھ بھی لرزا، دل کے نہاں خانے میں قیامت سا شور ابھر رہا تھا جسے وہ دبانے پر قادر نہ تھی۔

دوسری تصویر کئی سال پہلے کی تھی، کسی یونی فنکشن کی جہاں وہ تین یوں کھڑے تھے جیسے ایک دوسرے کا سایہ ہوں۔

گہری کتھئی آنکھوں والا وہ شخص جس کے دکھ پر وہ خود سسک اٹھی، اور نفرت کی نگاہ اس سیاہ آنکھوں والے ستم گر پر ثبت کی۔

درمیان میں وہ کھڑی تھی، اس وقت کون جان سکتا تھا کہ آنے والا وقت ان تین کے کیسے کیسے امتحان لے گا۔

اب بھی مہکار کی خود سے اور عون سے نفرت اتنی شدید تھی کہ اس نے اس تصویر کا ایک رخ بے دردی سے پھاڑ دیا، بس اتنی تصویر بچالی جس میں وجیہہ سافارس شاہ مدھم مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

"میری انگلیاں تمھاری تصویر پر ہاتھ رکھے تمھیں محسوس کرتی ہیں"

اسکی آواز کانپی اور دل تو بلکنے لگا تھا۔

"میرے دن گھڑی کو دیکھتے دیکھتے شاموں کے حصار میں لپٹ جاتے ہیں۔ آنکھیں بند کرتے ہی پلکوں پر نمی اتر آتی ہے اور عکس منتظر رہتے ہیں کہ تمہیں ایک نظر دیکھ سکیں"

وہ کریہہ، دردناک اور اذیت ناک لمحوں سے گزرتی اسے یاد کر رہی تھی، جو بے ہوشی میں بھی مہکار کی تڑپ پر بند آنکھوں سے ہی اپنے سینے پر ہاتھ جما چکا تھا۔

"میرے کمرے کے دروازے کا پردہ اب منظر ہٹانے کے کام آتا ہے، ستاروں کی جگہ یہ قمقمے اب میرے آنگن میں چمکتے بجھتے ہیں۔ دور کسی جنگل میں چودھویں رات کو بھیڑیئے اب شور نہیں مچاتے، پرندے بھی نہیں آتے۔ مختصر کہ میں زمیں پر رہنے والی اب تہہ زمین جانے کا خواب دیکھ رہی ہوں" وہ اس کرب میں مبتلا تھی کہ تکتے تکتے اسکی بصارت دھندلانے لگی۔

اندر کہیں کہرام مچ گیا۔

"میری آنکھوں کی پتلیوں پر تمھارے ساتھ سڑک کنارے چلنے کی یاد جم چکی ہے، دردناک یادیں موسم بہار میں کہر کی مانند اتر آئی ہیں۔اور تمھارے ٹھنڈے لہجہ کی سرد ہوائیں دماغ کو سن کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

اور میں پھر بھی آنکھیں کھول کر تم سے ملنے کا خواب دیکھنے لگ جاتی ہوں"

مقدر بدخواہ ہو جائے تو سنورنے کی ہر تدبیر بیکار جاتی ہے، وقت گزر جائے تو اختیار میں فقط ماتم بچتا ہے۔

"میں نے تمہیں معتوب ٹھہرایا فارس شاہ، حقیقت میں یہ تو میں تھی۔ پھر بھی مجھے پورا یقین ہے کہ بروزِ حشر خدا مجھے ان سارے سوالوں کی اجازت ضرور دے گا، جو میرے لاشعور میں پنپ کر نہ پوچھے جانے کے بوجھ تلے دبے تڑپتے ہیں۔ ان سب کا حساب ہو گا جو میری تکلیف کا سبب بنے۔ مجھے ڈبو کر چودھویں شب میں ساحل کنارے بیٹھ کر مدوجزر اُٹھنے کا تماشا دیکھتے رہے"

درد کی ٹیسیں دباتی، سسکاریاں بھرے، وہ آنسو ہو رہی تھی۔

"میں اب موت چاہتی ہوں، موت کے بعد اک قبر اور اس کی تختی پر اپنے نام کے ساتھ جڑا فارس شاہ۔ پھر اس قبر پر گرتے، مٹی میں جذب ہوتے تمہارے چند آنسو، چند چڑھائے پھول۔۔۔۔بس"

آنسو بہے، گرم سیال گالوں پر اترتا گیا، آج پہلی بار وہ شدت سے روئی تھی، ہچکیوں کی زد میں کپکپاتا وجود لیے، غائبانہ اس شخص تک اپنی آخری خواہشیں ارسال کرتی۔

جو لمبی شب خوابی کاٹے اب اپنے سوئے، بے جان احساسات جگے محسوس کرتا اپنے دل میں درد کی لہر محسوس کرتا آنکھیں وا کیے ایک جست اٹھ بیٹھا۔

موسم کی دلفریبی اور دھیمی خنکی کے باوجود فارس شاہ کے ماتھے پر نمی تھی۔

گھبراہٹ اسکے ہر مو سے عیاں تھی۔

اتنی تکلیف اسے پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی جتنی اب ہوئی تھی، اسے لگا اسکے ظاہری زخم بھلے بھر گئے ہوں مگر دل، روح اور وجود کسی نے کند چھری سے کاٹ دیا ہے۔

"کیسے ہیں آپ بھائی، ماشاءاللہ اب آپکے زخم بہت بہتر ہیں۔ کہیں تو کچھ کھانے کو لاوں آپکے لیے"

خیر دین، کسی جڑی بوٹی کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا، محلے کے ایک نوجوان لڑکے کو وہ فارس کی نگرانی پر چھوڑ کر گیا تھا۔

واپس آیا تو کمرے میں داخل ہوتے ہی فارس شاہ کو جاگا ہوا اور سر بیڈ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں میچے کسی ماتم منانے میں محو محسوس کیے دانستہ تشفی بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"میرے زخم ایسے نہیں ہیں جو آخری سانس تک بھی بھریں، مجھے جو دکھ ہے وہ بڑھتا رہتا ہے خیر دین بھائی۔ میں نے محبت کے امتحان میں ہار مان تو لی ہے لیکن وہ دن ہے اور آجکا دن! اپنے اندر کی جہنم میں جل رہا ہوں"

کئی دن کے لاوے کو اپنے اندر سے نوچ کھسوٹ کر کے نکالنے کی سعی میں فارس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوئیں تو خیر دین نے بھی پاس بیٹھے دکھ سے اس اجڑے شخص کو دیکھا۔

"دل ہلکا کر لیں میرے ساتھ بھائی، خوامخواہ اپنے اندر آتش مت دہکائیں۔ یہ روگ تو کھا جاتے ہیں، اندر باہر سے دیمک کی طرح چاٹ لیتے ہیں"

وہ خیر دین تھا، بہت مہربان سا، جسکی مسیحائی کرنے کی ڈیوٹی بھی میکائیل رضوی جیسے مہربان نے لگائی تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ فارس شاہ کے دکھ درد سنے، اپنا کمزور سہی پر سہارہ دیے اس شخص کے ملال میں کمی کر دے۔

"اب تو یہ روگ کھا چکا ہے مجھے، اندر اور باہر سے دیمک کی طرح چاٹ بھی چکا۔ جب میں اسے میسر تھا تو اس نے مجھے رلایا، اب جب میں نے اس سے اپنا تار تار دامن دم آخر چھڑوا لیا تو مجھے ہر سانس کے ساتھ

اسکی غائبانہ تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ آخر یہ تکلیف کب ختم ہو گی۔۔۔۔یہ سلسلہ کب تھمے گا۔پہلے دے کر آزمایا گیا اب لے کر بھی آزمایا جارہا ہوں۔ کیا مجھ پر ترس نہیں کھایا جائے گا"

آنسوؤں اور کرب میں ڈوبی فارس شاہ کی اذیت جان کر خیر دین کی آنکھوں میں بھی دکھ اور تاسف بھر آیا۔

"محبت کے معاملے میں غم نہ کریں فارس بھائی، نہ رب ذوالجلال کے آپکو کندن بنانے کے اس سفر سے تھکیں۔ آزمائش اسی کی ہوتی ہے جو اس رب کو عزیز ہو۔ آپ کو سکون صرف دو صورتوں میں ملے گا"

خیر دین کی اس بات پر فارس نے حسرت سے نظر اٹھائے دیکھا، وہ اس وقت سکون ہی تو چاہتا تھا۔

"پہلی اگر کہ اس عورت کو آپ سے عشق ہو جائے، دوسرا وہ اس دنیا سے چلی جائے"

خیر دین اس قدر آرام سے یہ بات کہہ گیا کہ فارس کو وہ سفاک اور بے رحم لگا۔

تبھی تکلیف اور آزردگی سے فارس نے چہرہ موڑ لیا۔

"میں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا ہے کہ عورت کا فیض صرف اسکا من پسند شخص حاصل کر سکتا ہے۔ یہ ایسی جنت ہے جو ثوابوں سے نہیں بلکے آزمائشوں سے ملتی ہے، اس فیض کے بعد اکثر کسی اک جانب کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ جیتے جی صبر نہیں آتا تبھی صبر کے لیے موت اشد ضروری ہے"

خیر دین کی سچی مگر دردناک بات پر فارس کا دل تڑپا تھا، کیا اس عہد نارسائی میں ابھی محبوب کی موت کا صدمہ جھیلنا باقی تھا، دامن میں یہ داغ ابھی لگنا ضروری تھا۔

"آپ کی یہ بات مجھے مزید تکلیف زدہ کر رہی ہے"

فارس نے غمزدگی کے سنگ خیر دین کو اسکے ستم پر جتایا پر وہ آگے سے دھیما سا مسکرا دیا۔

"وہ تو کرے گی ہی، محبت دو طرفہ ہو فقط تب سکون غارت نہیں کرتی بھائی۔ یکطرفہ محبتیں تو بڑی بدنصیب ہوتی ہیں، یہ ان قبروں کی مانند ہوتی ہیں جن کا کوئی والی وارث نہیں بنتا۔ کوئی پھول نہیں چڑھاتا۔ کوئی دعا نہیں مانگتا"

خیر دین کے لہجے کی مٹھاس پر درد کی تہہ جمی تھی، فارس شاہ نے اپنی جگہ سے لڑکھڑا کر اٹھتے ہوئے فوراً سے بیشتر فکر میں اٹھ کر اسے سنبھلاتے خیر دین کا ہاتھ تھاما۔

"کیا کوئی بھٹکا ہوا راہگیر بھی نہیں۔۔۔۔ ایسا ممکن نہیں، میں تو جب بھی کسی لاوارث قبر کو دیکھتا ہوں تو پھول بھی چڑھاتا ہوں اور دعا بھی کرتا ہوں۔ یک طرفہ محبت کا معاملہ ہی تو نہیں رہا خیر دین بھائی، مجھے جانے دیں اب۔ انکا شکریہ کہیے گا اور ہو سکے تو مہکار کا پتا ان سے پوچھ دیجئے گا"

فارس کی اذیت و حسرت کی کیفیت، جانے کا فیصلہ، اور پھر اپنی جیکٹ اور اٹھائے وہ جاتے جاتے بے قراری سے پلٹا اور خیر دین کو پیغام سونپا۔

خیر دین نے بھی خفیف سی سر کی جنبش کیے اسے دیکھا اور بمشکل قدم اٹھا کر اس دہلیز کو پار کر دیتے فارس شاہ کی پشت کتنی ہی دیر دیکھی۔

وہ چلا گیا تھا، میکائیل رضوی کے آدمی اسے حفاظت کے سنگ اسکے گھر پہنچانے والے تھے مگر کیا واقعی وہ اپنی حفاظت کرا سکتا تھا؟ کم از کم خود سے تو اب ہرگز نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"نیند سے جاگ ہی گئے ہیں تو

کیا یونہی بیڈ ٹی پیتے ہوئے من چلے کی مانند کھڑکی سے جا لگیں گے۔

موسم بہار کی نتھری صبح! اکیلے اکیلے دیکھنے

اس ملن کے رمز کھولتی خوشگوار صبح کا پہلا لمس!

چپکے سے میری جانب بھیجیں۔

اپنی ہنسی کے لمس کو محرم

میری سانسوں کے حوالے کر دیں۔

یونہی بے دھیانی میں ٹی کپ رکھتے سمے

سنیں! یہاں چند پھول ہی دھر دیں

میری آنکھیں، اور رخسار منتظر ہیں"

کب بے دھیانی میں اسکی نیند کے خمار میں ڈوبی آواز اسکی سماعت میں اتر کر اسم پھونک گئی، اسے خبر نہ ہوئی، وہ جو نکھرے ترو تازہ روپ میں سفید شلوار قمیص زیب تن کیے، سیاہ ترین بالوں کی ہوا سے اٹکھیلیاں سہن کیے، کمرے کی جانب پشت کیے کھڑا قطرہ قطرہ چائے کا ذائقہ اپنے اندر اتار رہا تھا، اس آواز کے سحر میں جکڑ تا منیہا کی جانب مڑا، حیرت و بے یقینی سے اپنے روبرو کھڑی اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی کو سر تا پا دیکھا، سر جھٹکا مگر وہ آپسرا تھی کہ حواس پر گہرائی سے سوار ہوئی، سلوٹوں کی ہر گرد سے پاک، روشن اور شرارتی سی اسکے پاس چلی آئی۔

"آہاں، ایک ہی رات میں شاعرہ بن گئی ہو۔

تم جھلی سی پاگل ہوا کرتی تھی لڑکی"

ٹی کپ اک جانب کسی اضافی شے کی مانند رکھتا، وہ اس مسکراتی، گلال کی مانند سرخ پڑتی، روح افزاء کی طرح دل سرشار کرتی اسکی باہوں کے حصار میں فرمابرداری سے سموئی تو وہ خمار آلود لہجے میں اسکی اداوں پر چوٹ کرتا دھیرے سے اسکے کھلے نم ملائم بال سہلائے بولا، منیہا کے نم بھیگے بالوں کی نمی عون کو اپنے ہاتھوں کی پوروں میں پھیلتی محسوس ہوئی وہیں منیہا کو عون کے لہجے میں شدید محبت محسوس ہوئی۔

"اب بھی ہوں ناں، ایک ہی رات کے لیے سیریس ہوئی تھی میں۔ اور سنیں! یہ شاعری اسی رات والی سنجیدگی کا اثر ہے۔ ورنہ آپ تو جانتے ہیں، میں اس گھر کا واحد آفت کا گولا ہوں مسٹر عون بخاری"

آنکھیں شرارت سے بھرے، عون بخاری کو پلوں میں بہکا کر اسکی دسترس سے نکلنے کی کوشش کرتی، لاکھ چہرے پر اتر آتے سرخ رو رنگ دباتی، گزری شب کی گستاخیوں کو دانستہ فراموش کرتی، ان لمحوں کے اثر سے نکلنے کی کوشش میں زرا زرا مسکراتی وہ سراسر جان لیوا لگی تبھی تو عون بخاری نے جھٹکے سے اسکی کلائی جکڑے ایک بار پھر حصار نشین کیا۔

لمحوں میں شوخی، سرور کی کیفیت میں ڈھلنے لگی۔

"پھول تو دھرنے دو، جلدی کس بات کی ہے آفت کی گولی صاحبہ"!

اسکی ہنسی میں خود بھی کوئی گیت ڈھونڈنا چاہ تھی اسکی، کوئی ایسا اسکا اپنا گیت جو کسی دکھ درد کے لمحوں ہونٹوں سے گر گیا ہو۔

وہ اس گیت کو چن لینا چاہتا تھا، چپکے سے اس میں اپنے ہونٹوں کا سر ملا کر گنگنانا چاہتا تھا، وہ عون بخاری کی آنکھیں پڑھنا سیکھ گئی تھی، جہاں کب راحت ابھرتی تھی، کب درد اور کب طلب، وہ ہر شے سے واقف ہو گئی تھی۔

اس نے اپنی گداز ٹھنڈی ہتھیلی عون کے ہونٹوں پر رکھی تو چائے کی کچھ دیر قبل چسکیاں لیتے حدت زدہ ہونٹ مسرور ہوئے، مسکرائے، دل تک اس جلترنگ مسکان نے بہار رائج کی۔

"پہلے ہی پھول جیسے کئی لمس مجھے گدگدا رہے ہیں سرکار، آپ مزید کا کہے جان لینے پر اتر آئے ہیں"

اپنے تقاضے کو معصومیت سے رد کرتی، وہ اخیر پری پیکر معلوم ہوئی، چھوئی موئی سی، جسے چھو لینا بھی اسکے مداح کو گوارا نہ ہو۔

وہ اسکی چالاکی پر گہرا مسکرایا، وہ عون بخاری کے ہر لمس کو پھول کہے، دیوانے کی زندگی بھی خوشبودار کر رہی تھی۔

"تقاضا بھی خود کرتی ہو لڑکی، پھر خواہشیں واپس لے کر مجھ مسکین کو تڑپاتی بھی ہو"

وہ بھی اخیر منصوعی مسکینیت چہرے پر سجائے، دونوں بازوؤں کو منیہا کی کمر میں حمائل کیے معصوم بننے کی بہت ناکام کوشش میں بولا جس پر منیہا کتنی دیر یونہی بے سبب ہنسی۔

"میں آپکو تڑپاتی ہوئی کیوٹ لگوں گی اس لیے"

جواب آج وہ بے باک حسینہ سبھی تراش لائی تھی۔

"اور میں ایسی کیوٹنس افورڈ نہیں کر پاؤں گا"

جناب نے بھی بھرپور معنی خیز لہجے میں کہے اسکے بالوں میں ہاتھ پھنسایا اور دوسرے بازو سے منیہا کو ہنوز خود کی گرفت میں مقید رکھا۔

عون کے بدلتے تیور، اس شوخ کرن کے پورے وجود میں سرسراہٹ اتارنے لگے، من و تن میں پھر سے گداز سی گدگدی رائج ہوگئی۔ دل کی دھک دھک، مقابل کے سینے میں اتری، رقص کرنے لگی۔

"عون"

سانسوں کے زیروبم کے بیچ وہ مدھم مگر جذبات سے سرشار ہوئے پکاری۔

وہ دھڑکن ساکن کیے اسکی صدا پر متوجہ ہوا۔

"ہوں۔۔۔"

لب دبائے وہ اسکی بہت کچھ کہتی، زیست کے راز عیاں کرتی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے نہ آپ سے محبت ہوئی نہ آپ کے چہرے سے، مجھے تو اس کیفیت سے عشق ہوا جو آپکے ساتھ ہونے پر مجھ پر طاری ہو جاتی ہے۔ میں آپکی محبت کے بنا اک کھوکھلا وجود تھی، محبت اور خوشبو کے کئی محلول اور مادے تو اب مجھ میں بھرے ہیں"

اپنے دھڑکتے دل کے سنگ وہ بہت مشکل سے اظہار پر اتری، فطری جھجک کے سارے پردے چاک کرتی اسکی بڑھی بیرڈ پر ہتھیلئ سہلاتی اسکے پورے چہرے کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے بیٹھی۔

"آہاں۔۔سچ میں"

اظہار کا سکھ، عون بخاری کی سانسوں کے راستے روح میں سرائیت کر گیا، وہ تب بھی چہک اٹھا، جان لیوا ستم پر بھی خود پر جبر کیا۔

جبکہ وہ تو پوری دھڑک اٹھی تھی، گھبرا کر لب اک دوجے میں پیوست کیے پلکوں کا رقص دیکھاتی، عون کے حصار میں موم سی پگھلنے لگی۔

"ہمم۔۔ اور میں تب تک اس ساتھ سے طاری ہوتی کیفیت سے عشق کرتی رہوں گی جب تک منیہا عون بخاری سے اسکا رب یہ توفیق چھین نہیں لیتا۔۔۔یعنی مرنے تک"

وہ یکدم چونکا، منیہا کے اداس مگر جذب سے اٹے اظہار پر اپنی گہری سیاہ نشین آنکھیں غصیل قوت سے بھریں اس پر گاڑیں، اور پھر اگلے ہی لمحے اس مومی گڑیا کو اپنے سینے سے لگا گیا۔

"موت تک کا ذکر نہیں میری جان، میرے لیے یہی کافی ہے کہ لمحہ موجود میں تم میرے ساتھ کے سکھ سے راضی ہو۔ تم میری زندگی ہو منیہا، میرا سب کچھ"

وہ اسکے ساتھ کا اس لڑکی سے زیادہ طلب گار، اسے تاعمر خود میں مبتلا رہنے کی دعائے دل سونپ رہا تھا۔

دونوں نے حصار کی سختی کم ہوتے ہی اک دوجے کے روبرو آئے اک دوسرے کی سمت نگاہ ڈالی۔

"آپ بھی عون، مجھے یہ بتانے کے لیے کہ میں آپ کے لیے جان جیسی قیمتی ہوں، تھینک یو۔ دعا ہے میری ہر سانس آپکی خوشبو کی اسیر رہے۔ یہ خوشبو اوجھل ہو تو اسی لمحے منیہا کی سانس تھم جائے"

محبتوں میں وہ لڑکی ڈرا دینے کی حد تک ظالم لگی، عون اس بار دل تک کانپا، نجانے کیسا دردناک گماں گزرا کہ وہ خوفزدہ دل سہلانے کی سعی میں سانس بھر گیا۔

"پاگل"

یہ دونوں کو بہلانے کا پہلا سفر تھا، وہ دونوں اداس سا مسکرائے تھے، نا جانے کیوں۔

شاید محبتوں کی منزلوں کو اداسی وراثت میں ملتی ہے۔

"محبت تو اک سایہ ہے، گرم جھلساتی، چلچلاتی دھوپ میں تن، من ڈھانپنے کا سہارا اور جب یہ سوندھی سوندھی خوشبو دار چھاوں ہمیں اپنا عادی کر لیتی ہے تو شام کا وقت پہنچ آتا ہے"

محبت، اظہار، اقرار سب اپنی جگہ درست سہی مگر یہ خدشے جو ملن کے پہلے لمحے سے ہی دامن گیر ہو گئے تھے ان کا کیا؟ وہ کیوں خوشی کی ساعت، دم گھوٹنے پر تلے تھے۔

پھر بھی وہ محبت کی تکمیل کے اول اول لمحے کے افق پر چمکتے ستارے تھے، جن کو بجھنے سے پہلے آخری حد تک روشن ہونا تھا۔

"شام سیاہ نہیں ہو گی، ہم یادوں کا چراغاں کریں گے"

مسکرا کر نیا، امنگوں سے بھرا مشورہ کسی کی گداز ہنسی اور دل موہ لیتی آنکھوں نے دیا۔"امن و سکون کی دل آویز آماجگاہ

اے میرے جسم و جاں پر قابض حسین رُوح

شفاخانے، امن گاہیں

اور بقا کی ساری جگہیں ناکافی ہیں

تیری بانہیں سکون و قرار کا واحد زریعہ ہیں

پھولوں کے مرکبات سے نکلتی مہک

فضول قرار دے دی گئی ہے کیونکہ

تیری سانسوں کا اخراج اس دنیا کی

سبھی خوشبوؤں کو مات دینے کیلئے کافی ھے

اس ارض و سماوات کی حسین گھاٹیوں میں

تیرے جمال کو تاابد فوقیت حاصل رہے گی"

چند استحقاق میں لپٹے لمس پوری شدت سے نبھائے گئے، پھر عون کے بجتے فون نے اسکی منیہا سے توجہ ہٹائی تو وہ روم میں آئے فون تک پہنچا ہی تھا کہ فارس کی آتی کال اسکے حواس جنجھوڑ گئی۔

خود منیہا نے بھی عون کی فون پک کرتے سمے بیقراری نوٹ کی۔

بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں دلسوز سانس بھرتا وہ درد و رنج سے بھرا، بحر الم میں ڈوبتا فارس شاہ گہرے سیاہ بادلوں کی سمت نظر جمائے، فون اٹھائے جانے کا منتظر تھا۔

منیہا بھی مسکاتی ہوئی ناشتے کا کہنے کمرے سے نکلی تو عون بھی فون لیتا بیڈ پر آ بیٹھا۔

"فارس۔۔۔فارس کہاں ہے تو، کدھر چلا گیا ہے"

عون کی بیقرار صدا، اس تھکے مسافر کا بھرا دل اور ملول کر گئی، اک بے بس سا آنسو فارس شاہ کی بڑھی بیرڈ میں آکر دفن ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں عون، اب بہتر ہوں اور گھر آگیا ہوں۔تو کیسا ہے اور میر ایو آن؟"

فارس کے لہجے میں انتہائی کرب عون نے بھی شدت سے محسوس کیا، تبھی تو اسکا دل کٹا۔

"ٹھیک ہیں، میں آتا ہوں۔تب تک دھیان رکھ۔کہے تو یوئی کو بھی لے آوں؟"

عون سمجھ گیا تھا کہ فارس سے اس لمحے بات کھٹن ہے تبھی رسان سے مخاطب ہوا مگر فارس نے دردنا کی سے اپنی درد کرتی آنکھیں رگڑے نفی میں سر ہلائے فوری منع کیا۔

"ن۔۔نہیں، تو آجا بس۔۔۔فی الحال اور کسی کا سامنا نہیں کر سکتا"

چند لمحے کی یہ ضبط کی آخری حد بیاں کیے وہ رابطہ توڑ چکا تھا، عون کو فارس کی حالت واقعی بہت ابتر لگی جس کے باعث وہ فوری چینج کرنے بڑھا، اسکا اس وقت پہلا فرض فارس شاہ کی مسیحائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اسے دیکھنے کا کوئی لمحہ بھی قضا نہ کر رہا تھا، اسے اپنی آنکھوں میں بینائی کی صورت درج کرنا چاہتا تھا۔

"اے نور حیات! تمہیں بہت سے دکھ دینے والا ہوں اور خود کو بہت سی بد عائیں۔۔۔

"اے دلربائے جاں! تمہیں دکھ دینے والا، عارضہ قلب کا شکار ہو گا، تمہارے چہرے سے نظر ہٹانے والی باغی آنکھ بصارت کی خرابی پائے گی،

تمہارے ہاتھ چھڑوانے والے ہاتھوں کی پوریں تاعمر دکھتی رہیں گی، شفانہ ملے گی اور تمہاری بے ضرر ذات کو جھٹلانے والا شخص مجسم سزا بن جائے گا "

اسے محبت کرنی حقیقت میں آگئی تھی، بچھڑنے کا وقت بھی شاید عنقریب تھا۔

"محبت! دھند میں لپٹی ہوئی وادی کا موسم ہے"

وہ ایک ساتھ، آخری سفر کے لیے ہاتھوں میں ہاتھ مقید کر چکے تھے، دونوں کی آنکھوں میں امید تھی، جن نظروں سے وہ اک دوجے کو تک رہے تھے، یوں لگا آسمان پر وہ بس دو ہی تارے ہوں، اک دوسرے کی نگاہوں کی دسترس میں مگر باہوں کے دائرے سے خارج ہوئے، دو فصیل جان دائمی عبور کرتے سائے۔

وہ آج دل سے سجا تھا، ماتمی ہر رنگ جسم و جان سے اتار پھینکتا، مہکتے پر وقار سراپے پر سجا مدھم گلابی رنگ، وفا کی خریدی شرٹس میں سر فہرست والی کا تھا۔

بلیک پینٹ پہنے، برانڈڈ شوز، مسحور کن کلون لگائے، چہرے کی تازگی بڑھائے، کف لنکس بند کیے پورچ کی جانب چلا جارہا تھا، پھر ہاتھ اس پری رو کے ہاتھ میں جکڑا اور آنکھیں! وہ ہیزل گرے آنکھیں جن میں طوفان کی سی ہلچل تھی۔

"محبت! شہر برزخ میں کھلی خوشبوئے جنت ہے"

وہ مبہوت ہوئے اس گہرائی کو دیکھ رہی تھی جو کاشان ہمانی کی آنکھوں میں تھی۔

اس بیری، ظالم اور ستم گر نے ذہن میں اٹھتے 'محبت کے حق میں بلند ہوتے شور کی' نفی کی۔

سر جھٹکا، دل جھٹکنا چاہتا تھا پر افسوس! دل تو دلربا کے قدموں میں گر کر پہلے ہی دفن ہو چکا تھا۔

"محبت! آگ میں جلتے سیاہ پوشوں کا قصہ ہے"

وہ پہاڑ جیسا تھا، مضبوط اور بڑا، بلند و بے حس، ہیبت ناک و بے بس۔۔

بے بسی؟ ہاں پہاڑ بھی تو بے بس ہوتے ہیں، کم از کم اس جیسا پہاڑ تو بے بس تھا، ایسی جگہ جم گیا تھا جہاں گر بھی نہ سکتا تھا، اپنا ملبہ گرا کر کوئی بوجھ اتار بھی نہیں سکتا تھا۔

مہربان؟

نہیں، مہربان کیسے۔

مہربان ہوتا تو بچھڑنے کے لاکھ اسباب کے باوجود، بندھے رہنے کی خواہش کرتا، صبح صادق اور کاذب کو ملانے والے رب سے وفا تاعمر کے لیے مانگ لیتا۔

"کسی کسی کو ہی ضبط عطا ہوتا ہے اے روح جان! بہت کم ہیں اس روح زمئن پر جنھیں جدائی کی گھڑی بھی سکون دیتی ہو۔ میں چاہتا تھا یہ سکون نہ دے، کم از کم اس ایک عورت کی جدائی مجھے دیوانہ کر دے جسے میں نے مکمل چاہا اور جس کی محبت کا مکمل جہاں پا چکا ہوں۔ سب ہو گیا، اظہار، پیار، اقرار۔۔۔ اب کیا رہ گیا؟

جدائی!

ہاں فقط جدائی

دیوانگی!

ہاں فقط دیوانگی"

وہ اسکے اک اک رخ، اک اک جنبیش، اک اک ادا اپنے دل پر درج کر رہا تھا، موسم سہانا ہو رہا تھا۔

"کہتے ہیں ملاقات کا آخری منظر سزائے موت جیسا ہوتا ہے، جب دو لوگ ایک دوسرے کی طرف بڑھنے والے دو مخلص لوگ، مخالف سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچتے ہیں جہاں موڑ ہو، جہاں مڑ جانا طے ہو جائے وہیں اس جگہ اک ایسا کربناک لمحہ گزرتا ہے جب ان دونوں کی سانسیں اپنے اپنے پار معلق رہ جاتی ہیں"

چلتی گاڑی کا سفر طویل نہ تھا مگر موسم کی رعنائی اور دلفریبی نے طویل کر دیا تھا، یکدم برہم سے سورج کے آگے ڈھیر سے سیاہ بادل آ گئے تھے، لگتا تھا یہ صبح، کئی شفاف پانیوں سے دھلی ہو کر بھی آبر آلود ہونے لگی ہو، اسے ہر کثافت سے نکلنے کو بارشوں کی شدت درکار تھی۔

سفر کٹ رہا تھا مگر ذہن و دل پر بوجھ بھی بتدریج بڑھ رہا تھا۔

"آج موسم کتنا پیارا ہے، موسم بہار کی پہلی بارش ہم ساتھ انجوائے کریں گے۔ کیا تمہیں بارش پسند ہے"

وہ جو خیالوں میں گہرا اترا، پل پل جدائی کی طرب آمیز گھڑیاں گننے میں منہمک تھا، کانوں میں اترتی وفا کی پرجوش آواز پر سوچوں کے گرداب سے نکلا، زرا سی نگاہ اس سجی پری پیکر پر ڈالی، جو محبت آنکھوں میں بھرے باہر تکتی، کھلی ونڈو سے آتی پر لطف ہوا سانسوں سے اندر اتارتی دلکش شغل کرتی بلکل کوئی چھوٹی سی بچی لگی۔

"مجھے بارش دیکھتی ہوئی وفا پسند ہے"

ایک ہی جملے میں وہ ستم ظریف شخص انتہا کر گیا، اسکے ساحرانہ وجود سے اٹھتا کلون اپنی سوندھی مہک میں وفا کو مبتلا کر گیا وہیں وہ کتنی دیر چہرہ موڑے، بنا آنکھ جھپکائے اسکے چہرے کی اک جانب تکتی رہی۔

"کہاں لے جا رہے ہو؟"

اسکے چہرے کو مخموریت سے تکتی وہ پھر سے مدھم مسکائی، جیسے جان لینے کے درپر ہو۔

"جہاں جا کر مقدر کے ستارے ٹوٹ جائیں گے"

گاڑی کی سپیڈ پہلے سے بڑھاتے، کاشان ہمانی کے ہاتھوں میں اتر آتی سختی اور سٹیرنگ کے گرد جمی گرفت تیز ہوئی، یہاں تک کہ اسکے ہاتھ کی پشت پر رگیں ابھر آئیں۔

"بولو ناں"

کاشان کی چپ، وفا کو بے چین کر رہی تھی۔

"سب سے پہلے تمہیں اپنی زندگی کی اصل راحت سے ملواوں گا، میری زندگی کا سب سے اہم حصہ ہیں وہ"

کاشان نے کچھ دیر خاموشی سے چند لمحوں کا فاصلہ عبور کیا اور پھر گاڑی ایک سنسان حویلی نما اکا دکا قبروں والے قبرستان کی جانب موڑی، جو کئی کنال پر پھیلی کھلی اراضی تھی مگر چاروں طرف دیوار اور مین جالی کے گیڈ کی داخلی پٹی بنا کر اسے ایک حویلی کی شکل دی گئی تھی۔

وفا اسکی وضاحت پر پہلے تو جھنجھلائی مگر پھر مین گیڈ کے قریب ہی گاڑی روکتا خود باہر نکلا اور متعجب سی وفا کی سمت بڑھے اسکی جانب کا دروازہ کھولے اپنی چوڑی ہتھیلیٔ اسکی جانب بڑھائی۔

وہ حیران سی اپنا ہاتھ، کاشان کے ہاتھ میں دیے اختیاط سے باہر نکلی تو ٹھنڈی ہوا کا سرد جھونکا اسکے وجود کو حصار گیا۔

جا بجا حویلی میں لگے لیموں، آم اور انار کے درختوں کے سائے میں پروان چڑھتے ست رنگی گلاب، جنکیٔ خوشبوئیں ہواوں میں شامل ہوئے منظر تک خوشبودار کر رہی تھیں۔

"آو۔۔۔ تمہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی وجہ سے ملواتا ہوں"

وہ اسکا ہاتھ ہنوز تھامے نرم سبز گھاس پر قدم بڑھانے لگا تو وہ بھی حیران و ساکت تھی اسکے قدموں کی پیروی کرنے لگی۔

کچھ ہی فاصلہ کٹا تو سامنے چند قبریں دیکھائی دیں، پرانی، مگر پھولوں کے حصار میں لپٹی وہ خاص تربت جان!

وفا کے چہرے کی حیرانگی، لمحوں میں درد بنی، وہ کاشان کے چہرے کی تکلیف اسکے ہاتھ کے ڈھیلے پڑنے سے محسوس بھی کر رہی تھی۔

سامنے تختیوں والی قبریں ایک ساتھ تھیں جبکہ دو تین بنا تختیوں کے بھی تھیں۔

سب قبروں پر تازہ پھول اس بات کا ثبوت تھا کہ کوئی ہر روز ان سے ملنے اور پھول چڑھانے آتا ہے۔

وہ بہادر، طاقت ور، ظالم اور سفاک شخص بھی اس قبر کے سامنے بلکتا ہوا چھوٹا بچہ بن جاتا تھا، اسکے دل میں شدت سے گریہ وزاری جاری تھی جسکا اثر کاشان ہمانی کی ہیزل گرے آنکھوں میں بھی سرخی بنے اترا تھا۔

"وجیہہ ہمانی، زوجہ فراز ہمانی۔۔۔۔"

وفا نے پہلی قبر پر کندہ الفاظ دہرائے، وہیں کاشان کا ہاتھ بھی پہلے سے زیادہ مضبوطی سے جکڑا۔

وہ شخص جو ماں کے نام پر ہی کمزور پڑ گیا تھا، جگر پاش سا مسکرا دیا۔

"میری ماں وجیہہ فراز، جس نے مجھے جنم دیا۔۔۔ وہ ایک طوائف زادی تھیں، اپنے دور کی سب سے حسین عورت، اپنے کام کی ماہر، لیکن وہ فراز ہمانی کی صرف محبوبہ اور محبت تھیں۔ یہ اب تک کا میرا آخری خسارہ تھیں، میری لازوال کمی"

وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں اپنی تقدیر کے درد کھولتا دلخراش ہوا، وہ پھر بھی کاشان کی کربناک آنکھیں نہ دیکھ سکی اور اسکا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگائے اسکے سینے پر سر لگائے اسکا دکھ بانٹنے لگی۔

"آئی ایم سوری، مجھے بہت دکھ ہوا۔ لیکن تم تو پھر بھی لکی ہو کہ انکے ساتھ کچھ ٹائم رہے۔ بٹ میری مما تو اسی دن چلی گئیں تھیں جب میں اس دنیا میں آئی۔ ماں کی کمی کیا ہوتی ہے، یہ میں اچھے سے جانتی ہوں"

وہ خود بھی جن دکھوں کے ساتھ بڑھی تھی، کم از کم ان کی شدت تو بخوبی بانٹ رہی تھی لیکن وہ نہیں سمجھ سکتی تھی تب بھی کاشان کے درد کو، اسکی ماں کے جانے کو، جو اس بچے کے لیے قیامت ناک لمحہ تھا۔ روح کندنی سے زیادہ دردناک۔

"ہمم۔۔ انکے مرنے کے بعد مجھے دکھ اور خوشی کا فرق بھول گیا، میں سنورا ہوا ماں کی آخری پناہ گاہ سے گر پڑتا بے سہارہ پرندہ! بکھر گیا، آزاد ہو گیا۔ ہر درد کی حد سے اور ہر برداشت کے پیمانے سے"

وہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کیے خود اسی قبر کے سرہانے بیٹھا، سرخ پھولوں کی خوشبودار کلیاں اپنے ہاتھوں میں لیے اس درجہ ملال سے بولا کہ اسکی آواز بھاری ہو گئی۔

"لیکن زویا تھیں ناں تمہارے ساتھ، میں نے دیکھا ہے وہ بہت پیار کرتی ہیں تم سے۔ بلکل ماں کی طرح"

وفا اسے امید کی کرن تھمائے اسکے سکھ گنوا رہی تھی، جسے دکھ گننے کی شدید بیماری تھی۔

"ہاں تھیں، اور ہیں لیکن ماں کے بچھڑنے اور زویا کے ملنے کے بیچ گزری قیامت ناک گھڑیاں مجھے پہلے ہی تباہ کر چکی تھیں کیونکہ اس سے پہلے میں نے اپنے بابا بھی کھو دیے تھے۔ وہ مجھ بکھرے ہوئے کو اتنا ہی سمیٹ سکیں جتنا انکا دامن تھا۔ میرے اور انکے قریب ہونے کی وجہ ہی ہمارے مشترکہ اور غیر مشترکہ کئی غم تھے"

قبر کی مٹی پر ہتھیلی سہلائے وہ اپنے دکھ کہتا ہوا وفا کو بھی اداس کر رہا تھا، جو کاشان ہمانی کی زندگی کے سارے رنگ آج دیکھنے والی تھی۔

"انکے غم کیا تھے؟ مجھے تو وہ بہت زندہ دل اور پیاری لگیں۔ ہر دکھ سے دور بستی ہنس مکھ"

وفا اسکے پاس ہی روبرو آئے کھڑی کاشان سے پوچھنے لگی، کاشان اسکی اس بات پر دھیما سا مگر تکلیف دہ مسکرایا۔

"یہی تو وفا، کسی کی ظاہری ہنسی کے پیچھے ہم اسکے درد کب دیکھ پاتے ہیں۔ کسی کے برے پن کے پیچھے چھپی اچھائی بھی ہماری نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔۔۔"

وہ آج سادہ سا، زمانے کے گرم سرد سہتا ہوا اک منجھا ہوا شخص بنا اسے گر کی بات سمجھا رہا تھا اور وفا کے پاس اسکی باتوں پر سوچنے کے سوا آپشن نہ تھا۔

وہ اٹھا، وفا کے ساتھ آکر کھڑا ہوئے کچھ دیر خاموش ہو گیا تھا۔

بہت سی کہانیاں تھیں، جنھیں بیان کرنے سے پہلے وہ قبروں پر فاتحہ خوانی کرنا چاہتا تھا۔

کاشان کے دعا کے لیے اٹھتے ہاتھ دیکھ کر وفا نے بھی اپنی ہتھیلیاں پھیلا دیں۔

کیا پتا وقت رخصت، ان دو کی کوئی اک دعا میل کھا جائے اور جدائی کا ہیبت ناک لمحہ ٹل جائے۔

وہ پہلی بار کاشان ہمانی کے آنسو دیکھ رہی تھی، پاک آنسو، کسی اپنے کی شدت سے آتی یاد پر بہتے انمول آنسو۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"اپنے آنسو ترے ہاتھوں کے کٹورے میں رکھوں
دیر تک تجھ سے لپٹ کر یونہی روتی جاؤں
اے مرے شبد ! ترے معنی کی ست رنگ گرہ
کبھی سلجھاؤں
کبھی انگلی میں الجھا بیٹھوں
گم رہوں تجھ میں کہیں ،تجھ میں کہیں کھوجاؤں
اے مرے شبد ! مرے عشق ،مرے افسانے
موسم گل رنگ کرے ،خواب کو دو چند کرے
تیری بارش میں نکھرتا ہوا سبزہ میرا
مانگ آشاوں کی بھرتی ہوئی اس دنیا میں
اور کوئی بھی نہیں ،کوئی نہیں
بس تو ہے میرا"!!!

ان دونوں پر آسمان سے کوئی انوکھی بوندیں اتری تھیں، خاموشی سے ان دو پر گرتے بارش کے قطرے انکے من تک سکون اتار رہے تھے۔

وہ اسے پہلی بار دعا کرتا دیکھ رہی تھی، اور اس پر یہ راز بھی کھلا کہ اسے دعا مانگتے ہوئے کاشان ہمانی سے ایک بار پھر محبت ہو گئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عون کے جانے کا منیہا نے بتا دیا تھا تبھی فریال صاحبہ بھی ملازمہ کو ناشتے کی تاکید کرنے لگیں، خود منیہا، یوئی اور عناب کو ناشتہ دینے اور کروانے انکے روم میں چلی گئی جبکہ کافی دیر سے جاگا ہوا ابدال، کسی شے کی کوئی طلب محسوس نہ کرتا بس گٹار لیے اڑی ترچھی دھنیں چھیڑنے میں محو تھا۔

اسکے الجھے شب خوابی کے اثرات سے اٹے بال بکھرے معلوم ہو رہے تھے اور شرٹ بھی کہیں کہیں سلوٹ زدہ تھی، بیڈ کے پاس ہی بیٹھا، ایک ٹانگ اٹھائے، دوسری زمین پر سیدھی کیے وہ خلاوں میں تکتا تکتا کچھ لمحوں بعد گٹار کی کوئی تار ہلا دیتا۔

یوں سر کا اک بے ڈھنگا سا لمحہ ابھرتا اور اپنے آپ میں ہی ڈوب جاتا۔

صبح کا تر تازہ اور شاداب سورج، اسکے کمرے کی کھڑکی سے اب اندر جھانک رہا تھا۔

"سچ کڑوا ہوتا ہے، حقیقتیں ظالم۔۔۔اور لفظ خنجر کی مانند گہرے وار کرتے ہیں، پھر بھی میں مسکراوں اور مہربان رہوں۔۔۔کیا بکواس ہے یہ"

خود کلامی کرتا کرتا وہ آخری جملہ تکلیف اور بیزارئیت سے بسوری شکل کے سنگ بڑبڑایا، جی چاہا گٹار بھی دیوار سے دے مارے۔

دروازے پر ہوتی دستک پر ابدال نے چہرے کی قنوطیت کم کیے نظر اٹھائی مگر اگلے لمحے ہی وہ تپش بھری آنکھوں سے دستک دینے والے کو دیکھنے لگا۔

نہال بخاری، اپنے ہاتھوں سے بریک فاسٹ بنائے، ٹرے میں سجائے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ سجائے داخل ہوئے اور ابدال کی ناپسندیدگی کو چنداں اہمیت دیے بنا ٹرے میز پر رکھے، یوں اسکے ساتھ دوستانہ انداز سے آبیٹھے جیسے دونوں باپ بیٹے کی مثالی پدرانہ محبت اور شفیق یارانے کا ساتھ جڑا ہو۔

"اس نے بھلے معاف کیا ہے لیکن میں نے نہیں، کیوں آجاتے ہیں آپ مجھ پر خرچ کرنے خود کو۔۔۔ بے ادب ہوں میں، کہا ہے ناں برا پیش آوں گا۔ مجھ سے دور رہیں آپ"

ہزار ہا اپنی کرب سے بھر آتی آنکھیں چراتا وہ انکے سائے تک سے خار کھائے اٹھنے لگا، مگر اپنے کئی روز سے بچے کو مناتے سفر کو وہ اب مزید ناکام نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"مجھے خوشی ہے کہ دیر سے سہی، پر مجھے اپنوں پر خرچ ہونا اور منانا تو آیا۔ تم سے کتنی بار کہوں کہ باپ ہوں تمہارا، تم جتنی بھی ضد لگالو، میرے خون کو اپنی رگوں سے نکالنے پر قادر نہیں۔ اس نے بھلے معاف کیا ہو لیکن میرا دل تو تمہاری روٹھی آنکھیں کاٹتی ہیں"

رعب جماتے، اپنی ازلی ٹون میں لوٹ آتے وہ آخر تک دردناک ہوئے، اپنی اولاد کو واپس پانے کے جتن کرتا وہ شخص، واقعی سلجھ گیا تھا۔

عناب کے غم اور اسکی تکلیف تو کم نہیں ہو سکتی تھی پر وہ اپنے بچوں کی شفا اور انکے سر کی چھاوں بننے کے طلب گار تھے۔

"میری ناراضگی کسی کو نہیں تڑپاتی، مجھے روٹھنا ہی نہیں آتا۔ ویسے بھی روٹھنے منانے کا سلسلہ تو وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی تعلق باقی ہو۔ مئں نے تو مدت ہوئی آپکو اپنے پہچان میں آتے لوگوں تک سے نکال دیا ہے"

نیم سی کڑواہٹ اس کم سن مگر دردناک سے ابدال کی رگوں تک اتری تھی۔

نہال بخاری کا دل، ابدال کی خود اذیتی سے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

"تم جتنے مرضی انکاری ہو جاو، تم میری زندگی کا سرمایہ ہو۔ کیا تم مجھے آخری سانس تک تڑپتا دیکھنے کے طلب گار ہو، کیا اس سے تمہارے زخم مندمل ہو جائیں گے۔ کیا اس سے تمہارے اس ناکارہ باپ کی کی زیادتیوں کا مداوا ہو جائے گا"

وہ اسے ہر طرح منانے کی کوشش کرتے اب تھکنے لگے تھے، وہ ابدال مصطفی تھا، اپنے آپ سے خارج کر دے تو موت بھی اسکا فیصلہ نہ بدل سکتی تھی۔

وہ لوگوں کو دلوں سے گرا دینے میں ماہر تھا۔

نہال بخاری کی شکستگی انکے لہجے میں اتری تو ابدال نے کٹیلی نظریں ان پر ثبت کیں اور پھر جگر پاش مسکرا اٹھا، اسکی مسکراہٹ ایسی استہزایہ تھی کہ نہال کے سینے میں کانٹے سی چبھی۔

"میرا دل عام دل نہیں نہال بخاری صاحب، میرا دل آئینہ ہے۔ یہاں ہلکی سی خراش آئے یا دراڑ، سامنے والے کا عکس ٹکڑے میں بٹ جاتا ہے۔ جو مجھے خود کے لیے تڑپا چکا ہو، اس پر واجب ہے کہ میرے لیے تڑپے۔ اور میں ہر اس فرد کی تڑپ پر راضی ہوں جسے ایسی سزا ملے۔۔۔ میں آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں، مجھے مجبور مت کیجیئے گا کہ میں آپکی اگلی کوشش پر اپنی جان لے بیٹھوں"

نہال بخاری کی اک لمحے میں جان نکالتا، وہ انکے ہاتھ سے اپنی بازو بہت آہستگی مگر کدورت اور درد سے چھڑواتا نہ صرف گٹار پرے بیڈ پر اچھالتا اٹھا، بلکے اس شخص کو ایک بار پھر ناکام چھوڑے کمرے سے نکل گیا۔

نہال بخاری جانتے تھے، ابھی انھیں اس ابلتے آتش فشاں کو منجمد کرنے کے لیے بہت کچھ جھیلنا تھا تبھی وہ اسکے گم ہوتے ہیولے پر بس سرد آہ ہی بھر سکے۔

وہ جو خود تک سے بیزار تھا، عناب کے کمرے کی جانب آتے دروازے میں ہی رک گیا۔

اندر کا منظر اسے اپنی جنت ہی لگا۔

عناب مزے سے منیہا کی گود میں چڑھی اس کے ہاتھ سے فورک کے ساتھ لگا انڈہ بڑے آرام سے کھاتی باقاعدہ جھول رہی تھی جبکہ یوئی صاحب ناشتے کے وقت بھی بیڈ پر پزل پھیلائے منیہا سے پوچھ پوچھ کر اسے سولو کر رہا تھا۔

اور منیہا دونوں کو باری باری ناشتے کی بائیٹ کھلاتی خود بھی انجوائے ہی کر رہی تھی۔

ابدال پر تینوں ہی کی ایک ساتھ نگاہ پڑی تھی، تبھی عناب کی دھیمی دھیمی مسکراتی آنکھیں، اور کھلی باہیں اسے اندر لائیں، فوراً سے بیشتر جھک کر عناب کو اٹھائے اسے ڈھیر سا پیار کیے وہ منیہا آپا اور یوئی دونوں کو اک ایک نظر دیکھے پھر سے عناب کی مسکراتی آنکھیں کسی بے یقین منظر کی طرح دیکھنے لگا۔

"آجاو تمہیں بھی کھلا دوں، مفت کی اماں جو مل گئی بچو تم سب کو۔۔"

اس دلکش ساعت، منیہا کی پہلے جیسی جھلک، ابدال کو بھی مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

اسے منیہا پہلے جیسی ہی پسند تھی، یہ تو وہ بھی اب مانتا تھا کہ منیہا لاکھ پہلے جیسی ہو لے، اب اس سے ہادیہ کی خوشبو بدستور آتی رہے گی۔

"آپکی خوشبو سہارا ہے میرا، اور شاید آپکا ہونا تسلی بھی۔ کھلا دیں، ویسے بھی بھوک لگی ہے"

عناب کو ویسے ہی سینے میں سموئے وہ بھی انکی خوشیوں سے بھری محفل میں شامل ہو گیا۔

منیہا نے اسکی جانب پیار سے دیکھا پھر باری باری یوئی اور عناب کو اور جیسے مسکرائی، یوں لگا زندگی بس یہیں، اسی حصار میں آ گئی ہو۔

دوسری سمت کاشان اور وفا کے جانے کے بعد کہیں جا کر وہ ہمانی حویلی لوٹی تھی۔

اور جب سے وہ واپس آئی تھی، اسکی آنکھوں سے تکلیف بہے جا رہی تھی، اسے یہ الم رلا رہا تھا کہ ساری زندگی وہ مضبوط رہی، اپنے قدم لڑکھڑانے نہ دیے اور پھر ایک ہی جھٹکے میں وہ سب فراموش کیے اس دروازے تک جا پہنچی جس گھر کا مکیں اسکے در پر دستکیں دے دے کر تھکا ہارا مایوس لوٹ آیا تھا۔

"ک۔۔ کیوں۔۔۔ کیوں ہوا آخر۔۔۔۔۔ سب ختم ہو گیا۔۔۔"

اپنی حد تک وہ چلائی تھی، کمرے کی وسعت تک آواز گونجی۔ اسے جو روگ لگا تھا وہ بھلے خوامخواہ تھا مگر زویا کی ہستی تہس نہس کر رہا تھا۔

"کچھ ختم نہیں ہوا، ایسا مت سوچیئے گا۔۔۔ میری پل پل آپ پر نگاہ ہے زویا۔ رو کر بے آبرو مت کر ہے گا مجھے"

میسج ٹون کی دماغ میں بجتی ٹون پر وہ چینختی ہوئی تھی، ہتھیلی کے سنگ آنسو بے دردی سے رگڑے میکائیل کی جانب سے موصول ہوا پیغام فون اٹھائے پڑھا، اپنے کمرے کی چاروں جانب سہم کر نگاہ ڈالی۔

کیا واقعی وہ انکی نگاہ میں تھی؟ یہ سوچ کر زویا کو مزید تکلیف ہوئی۔

"کھوٹ نہیں تھا میری محبت میں نہ آپکا من میلا تھا زویا، ورنہ کعبے سے پلٹ کر بھی مجھے آپ نہ ملتیں۔ مجھے اپنے دل میں بس اتنی جگہ ہمیشہ دیتی رہیں۔ میرا ہو کر آنسو بہائیں گی تو خوشی کے وہ سارے لمحے مجھ پر بوجھ بن جائیں گے جو میری زیست کا حاصل ہیں۔ ہم کل ملیں گے اور اس جھگڑے کا کوئی حل نکالیں گے۔ کوئی تیسری راہ جو مجھے آپ سے جدا بھی نہ کرے اور آپ کو پھر سے میرا حاکم بنا دے۔ آپکا سر جھکانے سے بہتر ہے میکائیل رضوی کا سر حقیقت میں کٹ جائے"

ابھی وہ پچھلی تکلیف میں مبتلا ہی تھی کہ پھر سے میسج ٹون بجی، اس بار زویا کی آنکھیں حد درجہ غمزدہ ہوئیں، اپنے آپ سے ناراض ہوتی وہ شاید پوری دنیا سے روٹھ گئی تھی۔

لیکن میکائیل سے نہیں، اس پاگل شخص سے روٹھنا ممکن ہی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باہر دن نکل رہا تھا اور وہ قید کو ہی انجام مانے کل سے اب تک ہچکیاں بھرتی رہی تھی، مگر یوں فقط انتظار تو قبل از وقت موت سا تھا۔

اپنا شکستہ وجود سہار لینا اس وقت خود ایزل مہران پر گراں بوجھ تھا، وہ جانا چاہتی تھی۔

اپنے انجام کو رسوائی سے بچانے کو اسے کل تک پائزن کی حقیقت جاننی تھی۔

وہ جس بند کمرے میں موجود تھی وہاں ہیڈ نے کیمرہ نسب کروا دیا تھا تاکہ ایزل کے انجام تک وہ خود ہی پچھتاوے کی آتش میں بھسم ہو جائے۔

"مجھے جانا ہو گا، مجھے کسی بھی طرح مہکار سے رابطہ کرنا ہو گا۔ اگر وہ خبر واقعی سچ تھی تو یقیناً پائزن نے اس عورت کو اپنا چہرہ دیکھایا ہو گا۔ مجھے یہاں سے نکلنا ہو گا"

چہرے پر آتی خوف و پچھتاوے کی نمی ہتھیلیوں سے جذب کرتی وہ کیمرے کی جانب نظر جمائے سوچتی ہوئی پہلے تو کوئی تدبیر بناتی رہی، دماغ کی نسیں اس وقت پھڑ پھڑا رہی تھیں اور ذہن تھا کہ کچھ سوچنے کے لائق ہی نہ رہا تھا۔

فیضان علوی نے اپنے خاص لوگوں کو ایزل کی نگرانی پر فائز کر رکھا تھا۔

ابھی وہ اس روم سے نکلنے کی کوئی ترکیب ہی سوچ رہی تھی جب روم کا دروازہ فی میل گارڈ نے نہ صرف کھولا بلکہ پانی کی بوتل اندر داخل ہوتے ہی ایزل کی سمت بڑھائی، چونکہ وہ ان سب کے ساتھ ایز آ ٹیم ممبر کام کرتی آئی تھی تبھی وہ نوجوان لڑکی اس سے عمر میں کچھ چھوٹی اسکا زوال دیکھنے آئی تھی۔

"کچھ کھانے کا تو تمہارا خود بھی جی نہیں چاہے گا، کم از کم پانی پی لو۔۔بس آج ہی کی رات رہ گئی ہے، کل اس سانس کا تکلف بھی نہیں رہے گا"

وہ لڑکی، آنکھوں میں غصہ اور افسوس بھرے ایزل کو آئینہ دیکھا رہی تھی مگر ایک چیز بھول گئی تھی کہ وہ زخمی شیرنی سے پنگاہ لے بیٹھی ہے۔

ایزل نے اک ترچھی نگاہ کیمرے کی جانب مرکوز کی اور پھر پوری ہمت جمع کیے نا صرف اٹھی بلکہ اٹھتے ہی ایک ہاتھ سے سوئچ بورڈ پر لگا لائیٹ کا بٹن آف کیا دوسری طرف اس لڑکی کی گردن دبوچے چند سیکنڈز میں کوئی رگ دبائے اسے بیہوش کر دیا۔

تقریبا اگلے دو منٹس کے بعد کیمرے کی لائیو ریکارڈنگ پر بیٹھے گارڈ نے جب آ کر اس کمرے کا اندھیرا دیکھا تو فورا دوسری لائیٹ کا بٹن پریس کیا جس سے وہ روم ایک دوسری آٹومیٹک ایمرجنسی لائیٹ سے روشن ہو گیا۔

وہ گارڈ مطمئین ہو گیا کیونکہ ایزل اپنی جگہ ویسے ہی دہری ہو کر بیٹھی تھی لیکن حقیقت میں ایزل اس لڑکی کا لباس پہنے، اپنا اسے پہنائے، اسے بیہوش کیے کچھ ایسی حالت میں نیم دراز کر کے بٹھا گئی تھی کہ اس گارڈ کو زرا سا بھی شبہ نہ گزرا۔

ایزل سر پر بلیک ہیٹ اچھے سے جمائے، اسکی بلیک یونیفارم میں مین راہداری عبور کیے اپنے آفس پہنچ گئی تھی۔

فوراً سے بیشتر اپنے لاکر کی سمت بڑھے وہ اس میں رکھا اپنا فون، گن اور کچھ ضروری سامان جن میں کریڈٹ بھی تھا، ایک چھوٹے سے بیگ میں ڈالتی اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے فوری آفس کے بیک سائیڈ بنے دروازے سے باہر نکلی۔

پوری احتیاط کے سنگ اس نے ڈیپارٹمنٹ ایریا عبور کیا اور چونکہ وہ یہاں کے تمام خفیہ راستوں اور سرنگوں سے واقف تھی تبھی بیرونی طرف موجود گارڈز کی نگرانی سے بچنے کو اس نے وہی خفیہ سرنگ استعمال کی جسے وہ پہلے بھی استعمال میں لائے یہاں سے خفیہ معلومات اکھٹی کرنے باہر نکلتی تھی۔

ایزل نے وہاں سے فرار ہوتے ہی کسی تھری سٹار سستے سے ہوٹل کا ہی رخ کیا تھا، وہ کسی ایسی جگہ پہنچنا چاہتی تھی جہاں جا کر وہ کم از کم پائزن کے کسی ہیکر کے ہتھے نہ لگ سکے۔

ایک چھوٹا سا ہوٹل جلد ہی اسے مل گیا تھا، سب سے پہلے تو اس نے اپنا خلیہ اس مطابق ڈھالا، عام سستی سی لیلن کی قمیص شلوار اور باریک چادر لیے، بالوں کا میسی سا جوڑا بنائے، ہوٹل کے ریسپشن پر پہنچی۔

ایک دن کے لیے کمرہ بک کروایا، ہوٹل کا مینجر پہلے تو کسٹمر کے آنے پر خوشی سے پھولا نہ سمایا مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عورت اکیلی ہے اور رات رکے گی، آنکھوں میں خباثت لیے وہ ایزل کو کمرے کی چابی تھمائے کتنی دیر اسکی پشت تکتا رہا۔

اپنے آئی ڈی کارڈ پر موجود پرانی سم فون میں ڈالے وہ ہوٹل کے کمرے میں پہنچتے ہی کام پر لگ چکی تھی، ہوٹل کا مینجر کس گندی ذہنیت کا ہے یہ ایزل کی زمانہ شناس آنکھیں بھانپ چکی تھی تبھی وہ کوشش میں تھی کہ شام سے پہلے وہ اپنا کام مکمل کر کے یہاں سے نکل جائے۔

اسے اس وقت مہکار سے رابطہ کرنا تھا، ہر صورت پائزن کا اصل چہرہ جاننے کی وہ تگ و دو جو اس نے اپنی زندگی کے کئی سال کی تھی، ممکن تھا آج ختم ہونے کو تھی۔

وحید بخاری کے پرسنل ڈیپارٹمنٹ میں بھی ایزل کا ایک جاننے والا جاسوس موجود تھا، وہ اسے بھی اس کام پر لگا چکی تھی کیونکہ اس کے بقول وحید بخاری اور انکے چند قریبی آفس کے سٹاف کو چند دن پہلے ہی پائزن کی حقیقت پتا چل چکی ہے اور اس معاملے میں کل کا دن بہت بڑی ہلچل لانے والا ہے۔

یہ خبر اس وقت ایزل کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھی۔

جب ایزل کو یہ خبر ملی کہ وحید بخاری، کل پائزن کی حقیقت مکمل جان لینے والے ہیں تو وہ اور مضطرب و بے چین ہوئی تھی۔

اس بار وہ دشمنی میں نہیں بلکہ صرف اپنی اس محبت کے ہاتھوں مجبور تھیٔ جو اس نے فیٔ الحال صرف دعوے کی صورت ثابت کی تھی۔

"میں تمہیں بے نقاب ہونے نہیں دوں گی پائزن، میں تمہاری موت خود کے نام لگا کر اپنے دعوے کو سچا کر دوں گی۔۔۔ تم نے ابھی تک ایزل مہران کی نفرت دیکھی تھی، اب دیوانگی دیکھو گے۔۔۔"

زیر لب دہراتی، وہ مسلسل لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے عہد باندھ رہی تھی، لیکن اس سے بھی کہیں پہلے کسی اور ہمدرد سے بھی معافی واجب تھی اس پر۔

ایزل مہران کیٔ آنکھیں نم ہوئیں، کسی اپنے جیسے کی اذیت پر۔

وہ بھی تو دور خلاوں کی جانب بے آس و بے بس سا تکتا تکتا اسی جہاں گم صم کا باسی بنا تھا، جسے نہ کوئی سکھ محسوس ہوتا تھا نہ اس حادثے کی تکلیف ایک ہی بار روح نکالتی تھی۔

ویسے بھی کہتے ہیں ناں کہ انسان کے اندر کرب ہو تو اس کا اثر آنکھوں کے رستے ہوتا ہوا کائنات کے ایک ایک عنصر میں پھیل جاتا ہے.

کسی مہربان ہاتھ کا لمس کاندھے پر محسوس ہوا تو فارس شاہ نے رخ موڑا، عون کا تو اس شخص کی اجڑی آنکھیں دیکھ کر ہی دل کٹ گیا۔

"کیا ہو گیا ہے تجھے؟ کیا حال بنا رکھا ہے۔۔۔ اللہ نے ہمیں نئی زندگی دی ہے۔۔اس بد بخت مہکار کو ہماری زندگیوں سے نوچ دیا۔۔۔ پھر تیری آنکھیں اتنے درد میں کیوں ہیں۔۔۔بول اب کیا دکھ پال رہا ہے اپنے اندر"

عون کا بس نہ چلا ورنہ وہ فارس شاہ کو جنجھوڑ ڈالتا، اسکی آنکھ کا خاموش دکھ ختم کر ڈالتا لیکن وہاں تو صدیوں کی تھکن اور ہار درج تھی۔

"میں وہ سامنا مر کر بھی بھول نہیں سکتا عون، اس عورت کو خود کے لیے جس لمحے تڑپتا دیکھا وہی میری موت کا لمحہ بن گیا۔ مجھے لگتا تھا میں پتھر دل ہو گیا ہوں، اسکی سسکیاں اور آہیں دیکھ کر تسکین پاوں گا، کسی قبولیت کے لمحے میرا اس کے لیے بہہ جاتا آنسو اسکی عبرت بن گیا، میں نے کبھی دل سے اسکی اذیت نہیں چاہی تھی۔ میں کیا کروں عون بخاری، اتنے سارے دن نیم بیہوشی میں بھی میں جس اذیت سے گزرا اسکا سوچنا بھی کسی بشر کے بس میں نہیں۔ میں کیا کروں عون بخاری کہ مجھے محبت کو چھوڑنا راس نہ آسکا"

فارس شاہ کی تکلیف پر عون کا خود دل کانپا، وہ فارس کو ایک بار پھر اس عورت کے لیے تڑپتا دیکھ کر غمزدہ تھا جس عورت نے اسے کبھی نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا تھا، اس عورت کے لیے جس نے فارس شاہ کی محبت کی توھین کی تھی، اپنا رب ناراض کروایا تھا۔

عون کا دل چاہا اس عورت کو اسی لمحے بھڑکتی بھٹی میں جھونک ڈالے، جس عورت کا ساتھ بھی فارس کو نوچتا رہا اور اب وہ دیوانہ شخص اسے چھوڑ دینے پر بھی احساس جرم میں فنا ہو رہا تھا۔

"تجھے اس عورت سے گھن نہیں آتی فارس، گھن زدہ چیزیں تو پیروں تلے روند دی جاتی ہیں۔ آگے بڑھ جایا جاتا ہے، کبھی کبھی تو پیر بھی پاک کرنے پڑتے ہیں۔ تو کیوں نفرت نہیں کر سکا ابھی تک میرے یار، وہ عورت تیرے پیروں کی خاک کے لائق بھی نہیں اور تو اس عمر میں آکر بھی ویسے ہی الڑ دیوانے کی طرح اسکے باعث بلک رہا ہے"

عون لاکھ اپنی ناراضگی دباتا، فارس کو اس سراب زدہ اذیت سے کھینچ لینے کا طلب گار تھا، مدھم ٹوٹے لہجے میں فارس کی آنکھ سے اترتی نمی چھوئے آزردگی سے استفسار کیا۔

"ہاں مجھے خود سے یہ امید نہیں تھی، میں نے بھی تو گناہ کیے ہیں عون۔ اسے دربدر کرنے والا فارس شاہ تھا، اسے اس نہج پر لانے والا بھی کہ وہ اس شخص کے لیے تڑپی جسے اس نے پاوں تلے روندا تھا۔ میں اسے نہ چھوڑتا، اسکی بددعا ہی بہتر تھی یار۔ مجھے موت آجاتی اگر اس بددعا سے تو آج منوں مٹی تلے پرسکون تو ہوتا۔ میں نے اس عورت سے ایسا عشق کیا تھا جو کئی زمانے بعد بھی کوئی نہ کر سکے گا۔۔ لیکن میں پیٹھ پھیر کر میدان جنگ سے لوٹ آیا، اور خود کو عشق کا غازی سمجھ لیا۔۔۔ میں تو گنگاہگار ہوں عون، پکا سچا اور خالص گناہگار"

فارس شاہ کی جگمگاتی آنکھیں آج بجھ گئی تھیں، وہ اس وقت جس طرح خود کو موردالزام ٹھہرائے لعن طعن کر رہا تھا، عون کا سر تکلیف سے پھٹنے لگا۔

کچھ لمحوں پہلے کی فرحت اور خوشی بھی یار کے اجڑنے نے بدن کی آخری تہہ تک سے نچوڑ لی۔

"فارس۔ بس کر دے، وہ عورت اس لائق نہیں کہ اسکا ذکر بھی کیا جائے۔ خود پر نہیں تو مجھ پر ہی رحم کھا۔ تجھے ایسا نہیں دیکھ سکتا"

عون نے درد و تکان سے اک آخری بار رخ موڑ لیتے فارس شاہ کو سمجھانا چاہا مگر وہاں تو ماتم منانے کی رسم جاری ہو چکی تھی۔

"میرے لیے کچھ کر سکتا ہے تو اسے ڈھونڈ لا، اور اسکی بات بھی مان لے"

فارس کا اگلا جملہ گویا عون کے حواس پر بم کی مانند گرا، ضبط کے سنگ لال آنکھیں افسوس سے بھرے وہ فارس شاہ کو بازو سے جھٹکا دیے موڑے روبرو لایا اور اس درجہ مشتعل ہوئے دیکھا جیسے اس تقاضے پر وہ فارس کی جان لینا چاہتا ہو۔

"تیرا دماغ الٹ گیا ہے کیا؟ یہ کیا بکواس کی ہے تو نے۔ میں اس عورت کو تیری زندگی میں تو کیا تیرے آس پاس بھی آنے نہیں دوں گا"

عون کا غصہ اسکی سرخ ہوتی صورت سے عیاں تھا مگر فارس شاہ کی بجھی آنکھیں مزید ویران ضرور ہوئیں۔

"تم ابھی کسی سے بچھڑے نہیں عون بخاری، بچھڑنے کے غم کہاں جانو گے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر آگ ہے، کوئی میری رگ رگ کند چھری سے کاٹ رہا ہے۔ مجھے اس عورت کے درد سے درد ہو رہا ہے، مجھے اسکی دوا اسے ہی دوا ملے گی۔ میں نے اسکی چاہ کے زہر آلود تیر اپنے وجود میں ایسے گاڑے ہیں کہ وہ اب زنگ آلود ہو گئے۔ نکالنے کی کوشش کی تو درد کی ایسی ٹیسیں اٹھیں گی کہ میں مر جاوں گا۔ جو تیر جس جگہ کا ہے اسے وہیں رہنے دو عون، مجھے اسکا پتا ڈھونڈ دو"

وہ آج پہلی بار عون کو سنگدل اور سفاک لگا، عون کا دل تو اسکے پہلے جملے سے ہی تھرا اٹھا، بے یقینی کے سنگ وہ التجاء کرتے فارس شاہ کا چہرہ ملال کے سنگ کتنی ہی دیر تکتا گیا۔

لفظ تھے کہ اپنی ہی نمو دیتی زمئن میں جا دفن ہوئے۔

یہ بوجھل بے موسم برسات، عون کو دیکھتے ہی دیکھتے جہنم کی طرح سلگی، لاوے کی طرح کرتی لگنے گی۔

پھر ایک اور جہنم منظر عام پر آئی، لیکن وہ جہنم زہنی تھی۔ دکھوں کے بوجھ اس نازک شکران پر آفت کی طرح ایسے ٹوٹے کہ وہ بستر مرگ تک آگئی۔ عفیفیہ خانم اور سلمان احمد دونوں کی جانیں اس اکھڑے سانس لیتی شکران کو تکتے سولی پر ٹنگی تھیں۔

"اس معصوم بچی کا چھوٹا سا ذہن بری طرح متاثر ہوا ہے استاد جی، بہت ذہنی اذیت میں ہے۔ بروقت علاج سے بخار کے تیز اٹیک سے تو بچ گئی ہے یہ بچی لیکن اگر یہ ایسے ہی تکلیف میں رہی تو اسکے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی" شہر کا ہی ڈاکٹر اسکی طبعیت کے متعلق حتمی آگاہ کیے فکر مند تھا، اور وہ دونوں بوڑھا بوڑھی اس امانت کے ہاتھوں سے پھسلنے پر آبدیدہ تھے۔

"کوئی تو دوا ہو گی بچہ، کوئی ایسا علاج کہ اس بچی کی ان کہی تکلیف ختم ہو۔ اللہ ہمیں کیسے بخشے گا اگر ہم سے یہ خیانت ہو گئی۔ کچھ تو کریں، اسکی ڈوبتی سانسیں بحال کر دیں"

اپنے سر پر لیا مردانہ حجاب پکڑے، اپنی نم آنکھیں رگڑے وہ ساٹھ سالا علاقے کے استاد جی سسک اٹھے، عفیفہ خانم تو چند دنوں میں ہی شکران کو اپنی اولاد مان چکی تھیں۔

اپنی اولاد نہ ہونے کا درد، گویا شکران کے آنے سے مدھم ہوا تھا پر اس بچی کی تکلیف انھیں بھی نڈھال کر رہی تھی۔

"ہم معالج ہیں استاد جی، ایک حد ہے ہماری تکلیف ہٹانے کی۔ اصل طبیب تو رب ہے، اس سے دعا کریں۔ میرے بس میں جو تھا کر دیا، دل کی تکلیف اور رنج کے صدمے آج تک کوئی دنیاوی ڈاکٹر کہاں دور کر سکا ہے۔ اسکی پٹیاں کرتے رہیں کیونکہ بخار کی شدت تشویشناک ہے، اور ہو سکے تو جب یہ ہوش میں ہو اس سے باتیں کریں۔ اسکے پاس رہیں۔ اسے بتائیں کہ وہ آپکی بیٹی ہے اب۔۔۔ ان شاء اللہ رب اسکی حفاظت کرے گا"

ان دونوں کو موہوم سی تسلی تھمائے ڈاکٹر تو چلا گیا لیکن وہ دونوں شکران کی زندگی اپنی ہر سانس کے ساتھ مانگنے میں لگے تھے، بعض اوقات ناکردہ گناہوں کی سزا بھی جھیلنی پڑتی ہے جیسے شکران جھیل رہی تھی۔
نجانے اسکی آزمائش کتنی طویل تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے بتایا نہیں، زویا کو کیا دکھ ہیں"
قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ اسی حویلی کے بلکل آخری کنارے بنے دو کمروں والے گھر کی جانب گامزن تھے، راہ گزر سرسبز پتوں سے سجی ہوئی تھی اور بارش کی کچھ دیر پہلے گرتی پھواریں پورا راستہ بھیگا چکی تھیں۔
"پہلے کاشان ہمانی کے دکھ تو جان لو لیڈی، انکے دکھ تو مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔ بتانے لگا تو یہ ایک ادھار لیا دن فوراً شام میں ڈھل جائے گا"
ساتھ چلتا ہوا وہ شخص، جسکی آواز نے وفا کو اک نئے ساعت کے رزق سے متعارف کروایا تھا، وہی شخص جو انتہائی سفاک تھا، جس نے اس بار محبت کو خود سے اتارنے کے ساتھ ساتھ وفا کو آزمانا تھا۔
وہ اس بے نیازی سے اپنے پہاڑ دکھوں کو کم ثابت کرتا جا رہا تھا کہ کچھ لمحے وفا کو خاموشی سے اسکے قدموں کا تعاقب کرنا ہی بہتر لگا۔

"یہ گھر تمہارا ہے؟"

راہداری ختم ہوئی تو دالان سا دکھائی دیا جس کے وسط میں نارنجی رنگ کے پھولوں والا گلاب اپنے جوبن پر تھا، ساتھ ہی گلابی گلابوں کے پھول کے پودے درختوں کی مانند گھنے ہو کر وہاں دھری دو صنوبر کی لکڑی کی کرسیوں اور میز پر سایہ فگن تھے۔

وفا کا ہاتھ اب تک کاشان کی ہتھیلی میں مقید تھا، وفا کے استفسار پر اس دل جلے کے ذہن میں یقیناً کوئی بھلی یاد لہرائی تھی تبھی اسکی ہیزل گرے آنکھیں مسکرائیں۔

"یہ وجیہہ ہمانی کی بہت چھوٹی سی دنیا ہے، یہ پوری زمین اور یہ حویلی بابا نے ماں کے نام کی تھی۔ لیکن بعد میں اس جگہ کی ملکیت انہوں نے میرے سپرد کر دی۔ بہت کم آئے ہم یہاں، لیکن جتنے گنے چنے دن میں نے ماں اور بابا کے ساتھ اس جگہ گزارے وہ میرا کل اثاثہ رہے"

اپنی مختصر خوشیاں یاد کرتا ہوا کاشان، یکدم ہی اپنی بات مکمل کیے جب وفا کی جانب متوجہ ہوا تو وہ رخ پلٹے مکمل اسکے روبرو کھڑی اسکے دونوں بھاری ہاتھ اپنے مرمریں نازک ہاتھوں میں سمولیتی چند ثانیے بس اسکی کچھ دیر قبل آنکھوں میں امڈ آتی حسرت کھوجتی رہی۔

"بہت مس کرتے ہو تم، ان دونوں کو"

یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات تھی، وہ افسردہ سا اثبات میں سر ہلائے وفا کے دونوں ہاتھ ہونٹوں سے چھوئے وفا کو دیکھنے لگا۔

کچھ تو بیقراری تھی ان دو کی نگاہوں میں، کوئی توفیض تھا اس نگاہ کے ملاپ کا۔

جیسے دور کہیں کوئی عشاق اپنے شبستاں میں بیٹھا جدائی کے گیت گا رہا ہو، آگ جلائے اپنی ہار پر کرلا رہا ہو۔

"کیا ہوا تھا انھیں؟"

وہ اس بار خود بھی بہت اداس تھی۔

"بابا کی موت تو حادثاتی تھی لیکن ماں کسی سفاکی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ میں ان دو کی موت خود بھی یاد نہیں کرتا بس ان کے ساتھ گزرا اچھا وقت سوچتا ہوں۔ اگر ماں کی موت یاد کرتا تو بابا کو جنم دینے والی پر موت واجب کر چکا ہوتا۔ تم ایسا سمجھ لو کہ کاشان ہمانی صرف اپنی ماں کی موت کا بدلا نہ لے سکا اسکے علاوہ خود کو ایک آنسو دینے والے کو سود سمیت اذیت دیتا رہا ہوں"

کاشان کی یکدم بھڑکتی نفرت اور وحشی پن اک لمحے وفا کو بھی ساکت کر گیا، اسے کاشان کے لفظ خوفزدہ کر چکے تھے۔

"تم برے نہیں ہو، خوامخواہ خود کو برا بناتے ہو۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو اس بے بسی کے ہاتھوں جان دے دیتی کہ مجھ سے ماں کی موت کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ تم بہادر ہو، اور بہادروں کے مقدر اکثر مشقت اور تکلیف سے بھرے ہوتے ہیں"

وہ اب بھی اس پر یقین رکھ رہی تھی کہ وہ شخص عام انسانوں کے حوصلے اور اعتماد سے کہیں درجے زیادہ پا چکا ہے۔

"میں بہادر نہیں ہوں نہ میرے پاس حوصلے اور اعتماد کی بہتات ہے۔۔۔ خیر بیٹھو۔۔۔ لنچ کا یہیں انتظام کروایا تھا میں نے۔ مجھے کم از کم آج ہمارے بیچ کسی دنیا جیسی چیز کی مداخلت منظور نہیں تھی"

وہ خود ہی تلخ باتیں ٹالتا، وفا کا ہاتھ دباتا نہ صرف وفا کو بیٹھائے جواز دینے لگا بلکہ آخری بات خاص وفا کی جانب دیکھ کر عین ساتھ براجمان ہوتے کہی، جس پر وہ کسی انجان سیارے کی پری مدھم مگر آزردہ سا مسکرائی۔

"میرے اور تمہارے بیچ کبھی دنیا آئی ہی نہیں"

اس کے کندھے پر سر ٹکائے، وہ دوسرے ہاتھ سے ٹیبل پر جھک آتی گلابی پھولوں کی شاخیں چھوئے بہت مان سے بولی۔

اسکے اس مان نے کاشان کے قدم زنجیر کیے ہوں نہ ہوں مگر کچھ وقت کے لیے دل ضرور کیا تھا۔

"ہمم، لیکن خلاء آنے والا ہے۔۔۔ اک ہیبت ناک خلاء"

سماعت کو چھومتی اس شخص کی آواز، وفا کو کاٹ گئی، وہ نہ صرف چونکی بلکہ بے یقینی کے سنگ کندھے سے سر اٹھائے اسے دیکھا جو حقیقت پسند بنے ایسا سچ کہہ بیٹھا جو وفا کے دل کو لرزا گیا۔

"ایسے مت دیکھو، دل کے اندر اترتی ہے یہ نظر۔ تم تو میرے سیاہ سفید سے بہت حد تک واقف ہو چکی ہو۔ کیا محبت کا فرض نہیں کہ مسیحا بنے۔ جب تک زخم نہ دیکھاوں گا تب تک تم مسیحائی بھی نہیں کر سکو گی"

اسکے چہرے کو سپید پڑتے دیکھ کر وہ خود ہی نرم لہجے میں توجیہہ دینے لگا، بھیگی ہوا کا لمس ان دو کے چہرے لمحے میں تر کر گیا۔

"بہت برے ہو تم، مسیحائی ایسے جان نکال کر مانگی جاتی ہے کیا۔۔۔"

نم ہوتی آنکھیں بمشکل چراتی، کاشان کے سینے پر زوردار مکا رسید کیے وہ اسکے حصار میں سمٹ کر رہ گئی، یہاں تک کہ اسکی آنکھوں سے بہتی نمی کاشان ہمانی کے سینے پر جا پہنچی۔

اس پاگل سی لڑکی کو یوں بھینچ گیا جیسے اس لمحے اسے وفا پر ٹوٹ کر پیار آیا ہو۔

"میری مسیحائی کرنے والے کی جان چلی جاتی ہے وفا، دیکھو مجھے۔۔۔ مجھے غور سے دیکھنے پر تمہیں اذیت کی جیتی جاگتی شکل نہیں دیکھائی دیتی؟"

وہ چاہتا تھا اسے جنجھوڑ کر یہ پوچھے لیکن وہ تو پہلے ہی کاشان کے غائبانہ ستم محسوس کیے ہلکان ہوئے جا رہی تھی تبھی وہ مزید کوئی ستم فی الحال نہ ڈھا سکا۔

"وفا"

اسے کسی طرح بہلتے نہ پا کر وہ جان لیوا سا پکارا، وفا نے اسکے سینے سے سر اٹھائے شکوہ کناں نظریں پٹ سے ان بیری آنکھوں میں ڈالیں۔

"تم پہلی عورت ہو جس نے میری روح کے زخم تک رسائی پائی اور پھر انھیں ہونٹوں کے لمس سے مرہم دیا، توجہ کے ہاتھوں سے جراحت کی۔ (کون ہو گا مجھ سا جو زخم پر سے ایسے مرہم کو اتار پھینکے گا فقط اس لیے کہ وہ ناسور بن جائے)"

ان پلکوں پر اٹکے آنسو کاشان کو پھولوں پر دھری بارش کی بوندیں لگے، جنھیں وہ ہونٹوں کے لمس سے محسوس کرتا وفا کو تو سرشار کرتا اظہار سونپ گیا لیکن وہ آخری جملہ اس نے وفا کی مسکاتی آنکھیں دیکھ کر خود سے کہا۔

"مجھے کبھی مت چھوڑنا، میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی کاشان۔ مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم اب دوبارہ مجھے کبھی میسر نہیں آو گے۔ میرے یہ ڈر ہٹا دو"

مسکاتی مسکاتی وہ یکدم ہی بلک اٹھی، اپنا سر دپڑتا ہاتھ کاشان کے چہرے سے جوڑے منت بھرے لہجے میں بھرائی آواز سے ملتجی ہوئی۔

آواز کئی قسم کے کہرام کی زد میں کانپ گئی۔

"ڈرتے نہیں ہیں، خاص کر کاشان ہمانی کی اولاد جنم دینے والی عورت تو ہرگز نہیں"

اسکے آنسو اک اک کیے انگلئوں کی پوروں میں جذب کیے وہ اسے پھر سے بہلا رہا تھا، لیکن کیا ستم کہ وہ ہر بار اس ظالم کے بہلانے پر بہل کر مسکرا دیتی۔

یہ الگ بات کہ اسکی مسکراہٹ میں ڈر سرائیت کیے صاف واقع تھے۔

"مسکراو،

تاکہ میری آنکھیں اس مسکراہٹ کا اک چہرہ بنالیں،

کچھ کہو کہ ان لفظوں کو محفوظ کرلوں۔

کوئی گیت، کوئی دعایا چلو بدعاہی سہی میرے نام کرو۔

جدائی کے دن بہت بھاری ہوتے ہیں۔

مجھے اک چہرہ اور چند لفظ امانت دو،

بر سرِ وحشت تمہارا نام پکارنے کا حق بھی میرے حوالے رہنے دو،

اپنے ہاتھوں کا نقش میرے کمرے کی اک دیوار پر لگادینا،

ایک کو بوسہ دے دینا،

اک پر اپنی تصویر لگادینا،

اک پر اپنا نام لکھ دینا۔۔۔۔

سنو!

اپنی موجودگی میرے اردگرد چھوڑتی جانا۔

تاکہ موت آنے تک میں زندہ رہ سکوں"

اپنا ہاتھ بڑھائے وفا کی رخسار چھوئے، نرمی سے سہلاتا وہ اسکی خاموشی سے ہمکلام تھا، اسے وفا کے ساتھ یہ آخری دن گزار کر سکون مل رہا تھا، دن ایک تھا مگر باتیں بہت سی۔

"تم پہلی عورت نہیں ہو میری زندگی کی، میں نے کئی دلوں کی سرحدیں ٹٹولیں ہیں۔ کئی دلوں کو مہلت سونپی مسیحائی کی۔ میں نے کسی کی طلب کر کے بھی دیکھا ہے اور کسی کو اپنا طلب گار بنا کر بھی"

کاشان کی تپا دیتی نظر اور یہ بات وفا کو اخیر غصہ دلا چکی تھی، وہ وفا کے اس انکشاف پر جبڑے بھینچ لینے پر مسکرایا، وفا نے اسکی مسکراہٹ بمشکل ضبط کی۔

"مجھے نہیں سننا یہ سب، سر توڑ دوں گی تمہارا بتا رہی ہوں"

اسکے حصار کو جھٹکتی وہ ناپسندیدگی سے اس ذکر سے فرار کیے کچھ فاصلے پر جا کھڑی ہوئی، یہ سچ تھا کہ کاشان نے یہ بتا کر وفا کو دکھی کیا تھا اور اسی احساس ندامت میں وہ اٹھا اور چند قدم بڑھائے وفا کے عین پیچھے چپکے سے اسے حصار گیا۔

اسکی حواسوں پر دھند بن کر اترتی مہک نے وفا کی ناراضگی اور تکلیف ثانوی کر دی۔

"ت۔۔ تم ہو ہی بت تمیز، تم مجھے یہ کہہ کر ہرٹ کر رہے ہو۔۔ تمہارے ساتھ کسی اور کا سایہ بھی برداشت نہیں۔ م۔۔ مجھے ایسے سچ نہیں سننے جن میں تم میرے نہیں ہوتے یا کسی اور کے ہوتے ہو"

اس لڑکی کی حد درجہ جذباتیت اور لگاوپر کاشان کا دل کانپ ہی تو گیا، ان آنکھوں میں گھلتی سرخائی کاشان کو بیقرار کر گئی، پوری شدت سے اسے اپنے حصار میں جذب کرتا چہرہ ترچھا کیے وفا کی نم ہوتی گال چومتا کچھ لمحے کے لیے آنکھئں بند کر گیا۔

"پاگل وفا، اندر چلو۔۔ لنچ کرتے ہیں۔ باقی باتیں بعد میں۔۔۔ ویسے بھی موسم آج کچھ نیا کرنے والا ہے۔۔۔ بہت تیز بارش ہو گی، سیاہ بادل جمع ہو رہے ہیں"

اس بار کاشان کا بہلانا کام نہ آسکا، نہ صرف وہ حصار توڑے روبرو آئی بلکہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے کاشان کا گریبان جکڑا۔

ایک لمحے تو کاشان بھی بوکھلایا۔

"مجھے بتاو کیا کرنے والے ہو تم، بولو کاشان۔۔۔"

دانت پیستی وہ آخر تک تکلیف سے چینخی تھی۔

"کام ڈاون گرل"

کاشان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے، وفا اسے بہت سٹریس میں لگی تھی۔

"مجھے چھوڑ رہے ہوناں۔۔۔مجھے تم یہ بھی کہو گے اگر کہ تم اس دنیا کے سب سے برے شخص ہو تب بھی میں تمہیں پکاروں گی۔۔۔

سن لو، وفا صرف تمہیں پکارے گی۔

تم نے مجھے اپنے عشق میں اس درجہ مبتلا کر دیا ہے کہ اگر تم دور ہوئے تو وفا کا دل بند ہو جائے گا۔

مجھے چھوڑنے سے پہلے اتنا ضرور سوچنا کہ میرے پاس جینے کی وجہ تمہارا ساتھ ہے۔۔۔"

تنبیہی مگر دردناک جملے کہتی وہ اسے سن و بے جان چھوڑے اندر کی سمت چلی گئی، اسکے لہجے میں پہلی بار کاشان نے جنون محسوس کیا تھا۔

اور وہ اسکے جانے کے بعد کئی لمحے بس اپنے انجام کو ہی سوچتا رہا، اسکا انجام قریب تھا مگر پائزن کے انجام سے کئی لوگوں کی زندگی بھی مشروط ہو چکی تھی۔

کاشان کے فون پر بجتی ٹون اسے اس دلدل سے اٹی مسافت کی جانب سے بے خبر کرتی اپنی سمت کر چکی تھی۔

کال انتہائی اہم نہ ہوتی تو وہ یقیناً کاٹ دیتا مگر باسط کو اس نے بروقت ہر معاملے سے باخبر رکھنے کی تلقین کی تھی۔

"ہاں باسط، کیا خبر ہے؟"

سپاٹ لہجے میں سرسری سا استفسار کیا گیا تھا مگر مقابل سے ملتی خبر کاشان کے ماتھے پر بل ڈال گئی۔

"تم اس معاملے میں خاموشی اختیار کرو اور انکو بھی کسی پیش رفت کے لیے منع کرو، میں یہ معاملہ کل خود حل کروں گا۔ رہی بات ایزل اور مہکار کی ملاقات کی تو مجھے اس وقت ایسے ہی سازگار حالات درکار تھے۔ تم سمجھ گئے ہو باسط؟"

کاشان نے ہر احساس سے عاری ہوئے چند ہدایات سونپیں اور آخری جملہ سختی سے کہا۔

"مگر سر، آپکی جان اور آپکا نام دونوں خطرے میں ہیں۔ پائزن کی حقیقت سامنے آئی تو سب ختم ہو جائے گا۔ پلیز میرے ہاتھ مت باندھیں"

خود باسط کئی دن سے کاشان کی سونپی کچھ پراسرار ذمہ داریاں نبھانے میں مصروف تھا مگر آج ہی وہ اس سارے معاملے سے باخبر ہوا تھا تبھی آفس بھی آگیا تھا، ہر طرف سے یلغار کا ساسماں تھا اور باسط کو اس وقت صرف پائزن کے نام کی پریشانی تھی۔

"جو کہہ رہا ہوں وہی کرو باسط، میں کل یہ آخری مشن کمپلیٹ کیے چلا جاوں گا۔ پائزن کا انجام کیسے ہو گا یہ تم اچھے سے جانتے ہو۔ مجھے کسی ناکامی کی خبر مت دینا کیونکہ اب اصل وقت آیا ہے تمہاری آزمائش کا۔ وفاداری نبھانے کا۔ میں آستین کے سانپ پالنے کے ساتھ ساتھ تم جیسے وفادار بھی تیار کرتا آیا ہوں تاکہ وقت پڑنے پر پائزن کے اندر اترے زہر کا تریاق بن سکے۔۔۔ گڈ لک"

مضبوط مگر کہیں کہیں دراڑوں کی زد میں ڈولتی آواز کے سنگ وہ اپنا حکم صادر کرتے ہی کال کاٹ چکا تھا، دوسری طرف بھی سناٹا چھا گیا، ہولناک سناٹا۔

طوفان سے پہلے پھیل جاتی خاموشی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی بہت تیزی سے اپنے قدم سیدھی سڑک پر بڑھائے اپنے کندھے پر لٹکائے بیگ میں چند کاغذ اور فائیلز دباتی اپنی کاجل سے بھری آنکھیں یہاں وہاں گمائے کسی ٹیکسئ کی منتظر تھی۔

نور حیات!

واللہ وہ لوٹ آئی تھی۔

ایک تو زندگی کا طویل سفر اسکی ہستی پہلے ہی فنا کر چکا تھا اوپر سے بوا جانی کے فوری گھر بلاوے نے اسے جلدی سے پہنچ جانے کے لیے بوکھلا رکھا تھا۔

"ایک تو اس ہرجائئ شہر کی ہوا ابھی راس نہیں مجھے، اوپر سے یہ الرجک موسم۔۔۔۔ربا یہ بارش آج ہی آنی تھی۔۔۔۔"

تیز ترین آئل ٹینکر کے مین روڈ سے شوں کر کے گزرنے پر اٹھتے دھوئیں سے وہ کچھ لمحے سانس اٹکنے پر کھانسنے لگئ، گرے جینز پر گہری نیلی کرتی زیب تن کیے، گلے میں باریک دوپٹہ اچھے سے رول کیے، یہاں وہاں اجنبیت بھری نگاہیں دوڑائے منمنائی۔

آنکھیں مسکارے اور کاجل سے بھری بھری، مگر انکی گہرائی میں اتری ہوئی مشقت اس لڑکی کے ہر مو سے عیاں تھی، نازک پیر، سٹریپڈ چپل میں مقید تھے، ہونٹوں کی باریکی، لپ سٹک کے پھیلاو سے بڑھائی گئی تھی، گالوں پر برستے موسم کی گستاخیاں، مدھم قطروں کی صورت جم گئی تھیں۔

"بھائی۔۔۔ ارے یار۔۔۔ کوئی ٹیکسی والا بھی نہیں رک رہا۔ یوں لگ رہا ہے سب نے گھر جا کر بیویوں اور اماووں کے ہاتھ کے بنے پکوڑے کھانے ہیں۔ بندہ پوچھے کوئی نیا بندہ آپکے شہر آئے تو اسے یوں کھجل (دربدر) کرتے ہیں۔۔۔

آہ نور حیات! یہ دن بھی آنا تھا، اپنے ہی راستوں میں آ نکلتی ہوئی جوگن یہاں اس ہرجائی بن جاتے شہر کی سڑکیں گن رہی ہے۔۔۔۔"

ٹیکسی کو ہاتھ ہلائے روکتی رہی مگر آج تو محترمہ کی سنوائی ہونا ناممکن لگ رہی تھی۔

ٹریفک اس موسم میں بھی معمول پر رواں تھی، اکادکا ٹیکسیوں کی جانب سے ناامید ہوتی وہ تھک ہار کر وہیں سڑک کنارے لگے درخت سے جا لگی، بس سٹینڈ سے یہاں مین روڈ تک وہ کافی چل آئی تھی تبھی پیر بھی درد کر رہے تھے۔

"میں پھر آ گئی۔ تمہارے شہر۔۔۔ تمہارے لمس اور تمہاری سانس کے حصار میں۔۔۔ کبھی واپس نہ آتی اگر خانم نہ بلاتیں۔ انھیں کسی اور کی پھر سے مسیحائی کے لیے میری ضرورت ہے۔ انھیں کسی کو ہنسانے کے لیے اقراء نور کو بلانا پڑا، اس وہشی شہر جس کا وہ باسی ہے۔۔۔"

درخت سے ٹیک لگائے، اپنی مسکراتی آنکھیں کسی کو یاد کیے بند کرتی وہ اس وقت اک دیوانی ہی لگی، مگر وہ کس کو یاد کیے عشق میں ڈھلی نظم بن گئی تھی۔

کون تھا وہ شہر ناشناس کا دل پسند باسی؟

ابھی وہ اسے یاد ہی کر رہی تھی جب جینز میں دھنسا یا فون تھرتھرایا وہیں اقراء نور کی ڈمپل چھوڑتی ہنسی اس بھیگی دوپہر کو بھی مسکراہٹ بخش گئی۔

اور پھر وہ سامنے آئی تھی، منفرد طرز کی دلرباسی، من چلی، زرا سی تیکھی اور سلونی پنجابن۔

وہ کندن رنگ والی پر کشش لڑکی تھی، جسکی شہد سی آنکھیں، سیاہ خم دار پلکوں کے حصار میں انتہائی گہری مگر روشن رات کے مشابہ تھیں، گداز سرخ آگ سی رخسار اسکے حسن پر دہکتا پھیلاو تھیں۔

اس کے گندمی رنگ کا سنہرا پن، دن کے عروج کی مانند تھا، پھر ان سنہری آنکھوں کا گلابی پن، کسی ادھورے خواب سے کچی نیند میں جاگ جانے کا ترجمان تھا۔

ہمیشہ کی طرح خانم جاناں کی کال، جس کو پک کرتی اقراء شرارت اور پیار سے بھر سئ گئی۔

"پہنچ آئی ہوں اس بے حس نگر، بےقرار مت ہوں۔ آپکی ننھی بیٹی دیکھنے اور اسے ملنے کی خوشی بھی ہے اور اسے ہنستے ہنستے موت سے زندگی کی جانب لانے کا جذبہ بھی۔ پہلے یہ بتائیں میرے لیے اپنی فینس کڑی بنائی ہے ناں"

زندگی سے بھری ہوئی وہ اس جانب شکستہ و بیقرار سی عفیفہ خانم کی بجھتی تسلی لوٹانے آچکی تھی، انکی دکھ سے بھری آنکھیں جی اٹھی تھیں۔

"ہاں بنائی ہے، ہماری تو آنکھیں ترس گئیں ہیں تجھے دیکھنے کو۔۔۔ رہی بات اس ننھی پری کی تو اسے واقعی تیرے جیسی دوست کی ضرورت ہے۔۔۔ بوا قربان جائیں تجھ پر نور حیات، خیر سے آجا"

اتنی محبت اور اتنا پیار جب جب اسے ملتا وہ اپنی سنہری آنکھیں مسکراہٹ میں ڈھال کر آنسو چھپا لیتی تھی، اک دور تھا کہ یہ دنیا اسے عشق میں نجانے کیا کیا کہتی تھی، کہ وہ بت بناتی ہے، لوگوں کے چہرے بناتی ہے۔ اسے کافر تک کہا جاتا تھا لیکن یہ دنیا کیا جانتی کہ وہ نور حیات تھی، جسے بس اک ہی شکل بنانی آتی تھی۔

ایک ہی چہرہ جسے وہ کئی روپ دے کر سجاتی تھی، جو اسکی زندگی کا واحد سبب تھا۔

"آتی ہوں بوا جاناں"

ناجانے کیایاد آیا کہ وہ مختصر جواب دیے ہی کال کاٹ گئی، سامنے مدھم گرتی بارش تکتی تکتی پھر سے اداس سا مسکرائی۔

"مجسموں سے بہتر ہے تم کوزہ گر بنو، ظروف ساز بنو، برتن بناو، نقش کروان پر۔ ان پر اپنا ہنر دکھاو۔ تمہارا یہ مجسمہ سازی کا ہنر بیکار ہے اقراء کیونکہ تم جس کسی کا بھی چہرہ بنانے کی کوشش کرتی ہو، آ جا کر میرا ہی بنتا ہے۔ تمہاری انگلیاں صرف میرے خدوخال تراشتی ہیں، رسوا ہو جاو گی، یہ دنیا تمہیں میرے نام کا طعنہ دے گی۔ میں نہیں چاہتا میری وجہ سے تمہارے پاکیزہ کردار پر آنچ آئے"

اس موسم کی سازش تھی سب، برستی ہوئی یادیں اقراء کے شعور میں طغیانی لے آئیں، بہت سالوں پہلے اس باسی کی باتیں آج بھی اسے ازبر تھیں۔

"ٹھیک کہا تھا تم نے، اقراء نور کو تمہارے نام کا طعنہ ایسا لگا کہ وہ سفید سے سیاہ میں ڈھل کر لوٹی ہے۔ تمہارے عشق کی رسوائی کے باعث سچی سے جھوٹی ہوگئی، پاک سے ناپاک ہوگئی، میں نے تمہارے چہرے کو تراشنے کی اب ہر کوشش سات پردوں میں چھپالی ہے، دیکھو مجھے منافقت آگئی۔ میرے ہاتھ تمہاری تجویز پر اب کوزے بھی تراشنے لگے ہیں، جنھیں میں طاقچوں میں سجادیتی ہوں"

دور کہیں کوئی سیاہ گاڑی میں موجود نظر اس اکیلی، نم بھیگے موسم میں کھڑی ٹیک لگا کر سوچوں کے گرداب جھٹکتی لڑکی کے گرد طواف کرنے کو تھی، مگر وہ گاڑی جلد آگے بڑھ گئی۔

اقراء نے چونک کر اس جانب سڑک پر دیکھا جہاں وہ گاڑی گئی تھی اور پھر اپنے ذہن کو جھٹکتی منہ ہی منہ میں گداز لے پر کچھ گنگنائے ٹیکسی پکڑنے کی کوشش ازسرنو شروع کرنے لگی۔

اور اس بار شاید سنوائی ہونی طے تھی تبھی ٹیکسی عین اقراء نور کے پاس آرکی۔

مگر اسے تو کوئی اور بلا رہا تھا۔

اسکے اندر کی نور حیات کو کوئی من موہنی صدا پکار رہی تھی۔

ناجانے کیوں مگر اس آواز اور دلخراش دھن نے اقراء نور کی توجہ کھینچ لی تھی، اسے ٹیکسی کا ہوش نہ رہا بس دھڑکن اسی لے پر تھرکتی ہوئی مچلنے لگی۔

کہیں آس پاس ہی پیانو کی مدھر لے پر کوئی من چلا اپنا سحر پھونک رہا تھا۔

ٹیکسی کی فکر چھوڑے وہ خود ساختہ ہی اس آواز کا تعاقب کرتی اس جگہ پہنچی جہاں موسم بہار کی نایاب بارش سے لطف اندوز ہوتے من چلے کسی آواز کو سننے میں محو ہر پس و پیش سے بے خبر تھے۔

وہ بھی چلتی ہوئی اس ہال میں داخل ہوئی جہاں سامنے سٹیج پر اندھیرے میں ڈوبا کوئی نفس دنیا و مافیا سے بے خبر بس اپنے درد الاپ رہا تھا۔

پیانو کی مدھم آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی، اسکے مدھم سر مزید جادو گر ہو جاتے جب وہ آواز کوئی دکھ گنگنانے لگتی۔

اور ہر چیز نے اک سرور اور خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

خود اقراء بھی بہت اچھا گاتی تھی، وائس آف ڈارکنس کے نام سے اسکا یوٹیوب چینل تھا جس میں وہ مختلف سازوں کے ساتھ الگ الگ انسٹومنٹس پر ان پلگڈ گانے گاتی تھی۔

یہاں تک کہ اسی ویری شہر میں اس نے بہت پیار سے اپنا خود کا سٹوڈیو تک بنایا تھا مگر پھر وہ یہاں سے جاتے وقت اسے بند کر گئی تھی، جب سر روٹھ جائیں تو من کہاں اس جہاں کے گیت گا پاتا ہے۔

بہت سے لوگ اسکی آواز کے دیوانے تھے مگر آج بہت مدت بعد اسے اپنے جیسی سوز زدہ آواز سنائی دی تھی۔

"اے زندگی۔۔۔۔۔ یہ بتا

کیا ملا، کیا کھو دیا۔۔۔

سانس لیتے ہیں جو زندگی کے لیے

دل تو سارے پریشان ہیں۔۔۔۔۔۔

پورے ہوتے نہیں

پھر بھی دیکھے بہت

خواب آنکھوں پہ حیران ہیں۔۔۔۔۔"

وہ اپنے آپ میں جذب ہو کر بس دلوں کو چھیڑ چکا تھا، اقراء کا دل چاہا اس آواز کا چہرہ دیکھے۔

وہ آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔

"دل لگانا، زندگی سے

یہ تو الجھی ڈور ہے

لوٹ لے گی، سب تمہارا

دل میں جتنا اور ہے

اے زندگی! یہ بتا۔۔۔

کیا ملا، کیا کھو دیا۔۔۔

اے زندگی یہ بتا،

کیا ملا کیا کھو دیا۔۔۔۔"

ابدال مصطفیٰ بخاری کے پاس بہت سے ہنر تھے، اسکے پاس دلوں پر حاوی ہونے کا سحر موجود تھا۔

اقراء نے اس کم سن جوان کو دیکھا تو اتنی سی عمر میں اسکے گہرے دکھ جان گئی، اسے لگا یہی وہ آواز ہے جو وائس آف ڈارکنس کی دنیا میں تہلکہ مچائے گی۔

"چھوڑ دے گا کبھی

زندگی کی طرح

زندگی کہہ کے جو بلاتا ہے۔۔۔۔۔۔

رکھ کے دل میں کہیں

یاد رکھتا نہیں

زندگی کی طرح بھول جاتا ہے۔۔۔۔۔

سن رہے ہو

دل میں جتنا۔۔۔۔

حسرتوں کا شور ہے

لوٹ لے گی

سب تمہارا

دل میں جتنا اور ہے

اے زندگی! یہ بتا

کیا ملا، کیا کھو دیا۔۔۔۔

اے زندگی! یہ بتا

کیا ملا کیا کھو دیا۔۔۔۔"

لیکن وہ تو یہاں یونہی آ گیا تھا، کل سے باقاعدہ زندگی کی بھاگ دوڑ سنبھالنے سے پہلے ہلال کے بہت اصرار پر اس سپرنگ ویلکم پارٹی میں میلوڈی گانے آیا تھا، اس ایونٹ کے اورگنائزر نے ابدال کو خاص آج کے اس خوبصورت دن میں اپنی آواز کا جادو بکھیرنے کے لیے انوائیٹ کیا تھا۔

لیکن وہ یہ لفظ تو اپنی تکلیفوں کے اعتراف میں ادا کر رہا تھا، اسکی آنکھوں کے سامنے وفا تھی، اس کی ماں جو اب اسکی نہیں رہی تھی۔

"غیر لگتے ہو کیوں

تم بھی مجھ کو کبھی

زندگی! تجھ سے کیسا ناطہ ہے

جی کہ دیکھا تو پھر

دل کو لگنے لگا

دل تو جینے سے

گھبراتا ہے

ہو گا آگے

کیا پتا یہ زندگی کا موڑ ہے

لوٹ لے گی سب تمہارا

دل میں جتنا اور ہے

اے زندگی! یہ بتا

کیا ملا، کیا کھو دیا

اے زندگی! یہ بتا

کیا ملا، کیا کھو دیا۔۔۔۔۔"

اقراء نور کے ہاتھ اس جوان کی حوصلہ افزائی کے لیے سب سے پر تپاک انداز میں حرکت کیے تھے، پورے ہال میں بیٹھے لوگ اس میلوڈی پیانو پے بجتے گانے کو سننے کے بعد اسے اور اسکی آواز کو سراہ رہے تھے مگر ابدال تو تب چونکا جب عین اسکے روبرو سٹیج کے پاس کھڑی وہ مسکراتی لڑکی مزید قریب آئی اور بلکل استادوں کی طرح ابدال کے کندھے کو تھپکانے کے بعد اپنی ڈمپل والی مخمور مسکان کے سنگ اپنا ہاتھ بار سٹول پر بیٹھے ابدال کی جانب بڑھایا جسے وہ خفگی سے دیکھتا یکدم اٹھا تو سامنے خاصرین کی جانب بیٹھا ہلال بھی اٹھ کر ان دونوں کی سمت لپکا۔

کیجول گرے شرٹ اور بلیک ڈیمن اور سنیکرز میں وہ خاصا جنٹل مین لگ رہا تھا، کلائی پر بندھی گھڑی اور بالوں کا میسی ٹیکسچرڈ فرینج بنائے وہ الجھا بکھرا ویسے بھی سجتا تھا۔

"بہت کمال بچے، چھا گئے ہو۔۔۔مجھے نا جانے کب سے ایسی آواز کی تلاش تھی۔۔۔کام کرو گے میرے ساتھ۔

وائس آف ڈارکنس کا حصہ بنو گے؟"

اقراء کی جانب سے یہ سب کہنے کی دیر تھی کہ ہلال اور ابدال دونوں نے ہونقوں کی طرح اک دوجے کو دیکھا، وائس آف ڈارکنس وہ خود بھی کئی بار سن چکا تھا، اس چینل پر بس سات آٹھ ان پلگڈ گانوں کے باوجود اسکے کئی ملین فالورز تھے۔

"آپ نور حیات ہیں؟ کیا سچ میں آپ وہی ہیں؟"

اس بار پریشانی کے سنگ استفسار ہلال کی جانب سے آیا تھا، بہت کم وقت لگا تھا اقراء کو اسے پہچاننے میں۔

وہ اسی نام سے وہاں اپنی دنیا میں خود کو متعارف کرواتی تھی۔

وہ مسکرائی اور کیوٹ سا کھلا منہ بنا کر جواب کے منتظر ہلال کی گال کھینچی البتہ ابدال ابھی تک سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا۔

"ہاں۔۔۔ تم دو اب تعارف کروا دو بھئی۔۔۔ بہت اچھی سیلری بھی دوں گی۔ اور تم ڈرم ورم بجا لینا کام کے ہو"

چلبلی سی آفت کی پر کالہ بنی وہ جس طرح لاپرواہی کے سنگ کہتی آخری بات ہلال کو چڑانے کو بولی وہ منہ کا زاویہ بگاڑے گھورا۔

کیا وہ نایاب بندہ صرف ڈرم بجانے جوگا تھا۔

اس پر تو ابدال مصطفی کی سخت صورت پر بھی خفیف سی مسکان اتری۔

"باجی میں ڈرم نہیں بجاوں گا، آپ مجھے ویسے ہی سیلری دے دینا۔ یہ بندہ میرا ذاتی دوست ہے اس لیے جب تک میں نہیں منظوری دوں گا یہ ہاں نہیں بولے گا"

جناب بھی خود کو مزید انڈر اسٹیمیٹ ہونے سے روکتے میدان میں اتر آئے، راج ہنس سی گردن کھڑی کیے مان کے سنگ ابدال کے گرد بازو باندھی اور اسکی اس محبت بھری تڑی پر ابدال نے بھی تائیدی انداز میں یار کی بات پر مہر لگائی۔

وہ ساری اداسی جو اقراء کو یہاں آتے وقت محسوس ہوئی، سب چھو کرتی اڑ چکی تھی۔

"آہاں۔۔۔ نور حیات امپریس ہوئی۔۔۔ چلو بھئی کیا یاد کرو گے کس سخی باجی سے پالا پڑا۔۔۔ میرا یہاں سٹوڈیو بھی ہے۔۔۔ کل تم دونوں شام میں آنا، تعارف کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے نمبر دو مجھے"

میڈم نور تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھیں، مگر ان دونوں کو بھی وہ من چلی، معصوم اور باتونی سے باجی نما مخلوق بھائی تھی۔

"ابدال مصطفی کہتے ہیں مجھے، اور یہ ہلال سکندر۔۔۔"

خود ہی مغرور نقوش والے ہنڈسم نے تعارف کروایا تو اقراء نے شفقت بھری نگاہوں سے باری باری دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرے بال بھی بکھیرے، تینوں کب مسکراتے مسکراتے وہاں سے باہر آئے کہ پھر سے ہلکی ہلکی بارش شروع ہوگئی۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی یہ چھوٹے چھوٹے دو دوست بنا کر، میں نے تم دونوں کو سٹوڈیو کا ایڈریس بھیج دیا ہے۔۔۔ کل آجانا۔۔۔ بائے داوے میرا رئیل نیم اقراء نور ہے، میں بھی تم دونوں کی طرح ملٹی ٹیلنٹڈ ہوں۔۔۔ ھاھاسی یو چھٹکے دھماکو۔۔۔۔"

زندگی سے بھری ہوئی وہ لڑکی، خوشگوار ہوا کہ جھونکے کی مانند آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی مگر وہ تھوڑی دیر کی شناسائی تاحیات کے ناطے بننے والی تھی یہی طے شدہ تھا۔

وہاں سے کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد وہ آخر دوبارہ سے ٹیکسی پکڑنے کی کوشش کرتی کامیاب ہوئی۔ ڈرائیور کو سلمان بابا اور خانم بوا کے گھر کا ایڈریس سمجھایا اور سارے راستے کھلی کھڑکی سے آتی نم ہوا اپنی سانسوں میں اتارتی رہی، یہ جانتے ہوئے کہ اس شہر میں لیا اسکا ایک ایک سانس اس پر کتنا بھاری پڑنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو
آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔
اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو
ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

ایزل مہران کی تمام تر کوششیں رنگ لا چکی تھیں، مہکار تک رسائی مشکل تھی مگر اس نے یہ کام پوری مہارت سے پورا کیا تھا۔

اس چھوٹے سے گھر میں رکھا ہوا فون جس میں صرف کال آنے کی سکت تھی، بہت دن بعد زندگی کے آثار لیے کھڑکا تھا۔

پہلے تو مہکار کتنی دیر اس نمبر کو اجنبیت سے دیکھتی رہی اور پھر کال ریسیو کی، نمبر پاکستان کا تھا اور مہکار کے دل نے شدت سے دعا کی تھی کہ کاش وہ فارس شاہ ہو۔

کوئی مہربان، مخبر پرندہ جا کر اسے مہکار کا حال بتا آیا ہو۔

دم سادھے وہ فون کی اس جانب بلند ہوتی نسوانی آواز پر نا امید ہوئی، فون بھی بند کر کے پٹخنا چاہا مگر ایزل نے جس شخص کو پکار لیا تھا اسکے بعد مہکار کے بے بس ہاتھ زنجیر ہونے فطری تھے۔

"کون۔۔۔؟"

مہکار کی آواز یہ پوچھتے ہوئے لرزی تھی۔

"میں تمہاری خیر خواہ، فارس شاہ اور پائزن دونوں کی بنسبت جانتی ہوں تم کو۔ تم نہیں جانتی مجھے۔ فون مت بند کرنا مہکار، سمجھ لینا یہ کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے"

ہوٹل کے واش روم میں گھسی وہ بہت آہستگی سے فون پر مہکار کو بات کرنے پر قائل کرتی بولی جس کے باعث مہکار نے محسوس کیا جیسے اسکے حلق میں کانٹے اگ آئے ہوں۔

"ہمم۔۔ کیا جاننا چاہتی ہو مجھ سے، یہ نمبر تو صرف پائزن کے پاس ہے۔ اس فون پر تو اسکے علاوہ کوئی فون بھی نہیں کرتا۔۔۔ تم نے کیسے میرا سراغ لگایا؟"

مہکار جس معاہدے کے سنگ پائزن کی قید میں تھی اس کی اول شرط وفاداری تھی تبھی مہکار کو اس وقت اس لڑکی سے بات کرتے ڈر بھی لگا۔

معاہدہ توڑنے پر وہ اپنے بچے کی زندگی سے دستبردار ہو سکتی تھی۔

"یہ سب اہم نہیں مہکار، اگر تمہیں یہ پتا چلے کہ تمہاری ذرا سی مدد کسی کو بے موت مرنے سے بچا لے گی تو تم کیا کرو گی؟"

ایزل کے پاس نہ تو زیادہ وقت تھا نہ کوئی اور راستہ کہ وہ پائزن تک پہنچ سکتی۔

ایزل کے سوال نے مہکار کو بے چین کیا، وہ وہیں صوفے پر ساتھ ہی بیٹھے گہرا سانس بھر گئی۔

"میرے لیے بس اپنی اولاد کی زندگی اہم ہے، میں اور کسی کی نہ زندگی بن سکتی نہ موت ٹال سکتی ہوں۔ تم اپنا وقت برباد مت کرو"

بے زاری کے سنگ مہکار اسے مایوس چھوڑتی پھر سے کال کاٹنے لگی مگر مقابل نے اک اور سوال پوچھ کر اسے روک دیا۔

"فارس شاہ سے ملوں گی آج، تم کچھ کہنا چاہو انھیں تو بتا دو مجھے۔ لیکن مدد کی شرط ہے مہکار، خدا کے لیے مایوس مت کرو۔۔۔۔رہی بات تمہارے بیٹے کی تو وہ محفوظ ہاتھ میں ہے۔۔۔۔"

یہ کیسی ستم ناک گھڑی تھی کہ مہکار کو لگا اسکا پورا وجود ریزہ ریزہ ہوئے ادھڑنے لگا ہے، یہ کیسی شرط تھی اس لڑکی کی، اس قاصد کی جو جان داو پر لگانے جیسی مدد کی پیشن گوئی بھی کر رہا تھا۔

وہ چاہتی تو تھی کہ اسے کہہ دے کہ میری تکلیف کا اک اک لمحہ اس شخص کو بتانا۔

اس مہربان پیغام رسا کو کہہ بھیجے کہ تمہارے وجود کا اک ناکارہ حصہ بے سرو سامانی کا کرب کس اذیت میں جھیل رہا ہے، وہ جو تمہاری پناہ گزین رہی، اب تمہاری محفوظ پناہ کے لیے تڑپ رہی ہے۔

آنسو تھے کہ مہکار کی اجڑی آنکھوں میں تہہ در تہہ جمنے لگے۔

"ک۔۔کیسی مدد چاہیے تمہیں؟"

بہت مشکل سے بھر جاتی آواز پر قابو پائے وہ رندی آواز سے بولی۔

"پائزن کون ہے؟ مجھے بتا دو۔۔۔۔یہ سچائی امانت رہے گی اس کا وعدہ ہے لیکن تمہاری یہ مدد بہت بڑی قیامت کو روک سکتی ہے۔ مجھے پتا ہے تم اسکا اصل چہرہ دیکھ چکی ہو، تبھی اس نے تمہیں صرف اپنے منظر تک محدود کر دیا۔ مجھے بتا دو وہ کون ہے مہکار"

یہ سوال تو دست طلب خالی چھوڑ دینے جیسا بیکار تھا، اس سوال کو کرنے اور اس سوال کے جواب کو دینے کی اجازت تو کسی کے پاس نہ تھی۔

مہکار نے گہرا لمبا سانس بھرے دل کا غبار کم کیا۔

"مجھے اجازت نہیں، وہ میرے بچے کو مار دے گا۔ وہ فارس کو بھی مار دے گا۔ مجھے جیتے جی ان دو کی موت نہیں دیکھنی کیونکہ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

مہکار بھی کیا کرتی، اپنی جگہ بہت بے بس تھی۔ اسکی آواز آنسوؤں میں ڈوبی چلی گئی، بصارت تھی کہ ان دو کے ذکر پر ہی آنسوؤں سے دھندلانے لگی۔

"نہیں ہو گا ایسا، مجھ پر بھروسہ رکھو۔ نہ تو فارس شاہ نہ یو آن۔۔۔ وہ کسی کو بلاوجہ نہیں مارتا مہکار، یہ سچ بتا کر مجھ پر احسان کر دو۔ میں فارس تک وہ سب پہنچا دوں گی جو تمہاری آواز اور لہجے کے کرب نے بتایا ہے۔۔۔ مجھے بتاؤ مہکار وہ کون ہے؟"

مہکار کی سکت سے بہت زیادہ تھا یہ سب جو ایزل مانگ رہی تھی، وہ کاشان ہمانی کو دھوکہ چاہ کر بھی نہیں دے سکتی تھی۔

وہ شخص اب اسکے لیے برا نہیں بلکہ محسن تھا، وہ خود پائزن کے معاہدے پر اپنی جان کنی کی شرط پر دستخط کر کے اپنی قید چن چکی تھی۔

"پہلے وعدہ کرو پائزن کو اس سے کچھ نہیں ہو گا، اگر اسے یہ پتا چلا کہ میں نے وعدہ خلافی کی ہے تو میں اسکی قید میں آخری سانس تک پھنس جاوں گی۔۔۔ مجھے جانا ہے فارس کے پاس، مجھے اس سچائی کو بتانے کی قیمت میں اپنی قید نہیں بڑھانی"

مہکار اسکو کہتے کہتے سسک پڑی، وہ جس تکلیف سے یہ سب بولی اس نے ایزل کو بھی رنج سے بھر دیا۔

"وعدہ۔۔۔اسے کچھ نہیں ہو گا۔۔"

ایزل نے سانس روک کے عہد لیا اور پھر دوسری جانب سے بلند ہوتا نام ایزال مہران کی حسین مفلوج کر گیا۔ فون تھا کہ اس ہولناک سچ پر ایزل کے ہاتھ سے چھوٹتے ہی گرا اور ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

ایزل مہران کی آنکھیں پتھرا گئیں، یہ سچ اسے نوکیلے زہر آلود خنجر کی مانند سینے میں پیوست ہوتا محسوس ہوا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی بمشکل باتھ ٹب کا سہارا لیتی زمین بوس ہوتے ہوتے بچی۔

"میں فقط تم پر عیاں ہوئی اور تم! آہ سنگدل آہ۔

تم یوں عیاں ہوئے کہ میری جان نکل گئی۔

تب ہوئے عیاں جب وقت آخر پہنچ آیا۔

کاشان ہمانی، کیا وہ لمس، وہ خوشبو، وہ قربت تمہاری تھی؟

کیا تم تھے وہ جو پھول بیچنے والے بچے کو پاک رہنے کی دعا دیتے تھے۔

پاک رہنے والی دعا تو پاک دل سے نکلتی ہے ناں۔۔۔

ک۔۔۔کیوں نہیں آئے میرے سامنے۔۔۔

کاش ایک بار تم کہہ دیتے تو میں اس زمانہ ساز، مغرور مگر پیارے شخص کو جی بھر کر دیکھ لیتی جسے دیکھنے کی خواہش مجھے بہت بار ہوئی، تم نے مجھے بہت دیر سے اپنا نشان دیا۔۔۔اب میں رووں یا ہنسوں؟

م۔۔میں کم از کم اب تمہاری جان نہ لے سکتی ہوں نہ کسی کو لینے دے سکتی ہوں"

ساری عمر کا نفع ہوا یا نقصان؟ یہ کہنا مشکل تھا، وہ اپنی خوش نصیبی پر مسکراتی تو کبھی اپنے وقت آخر پر بلکنے لگتی۔

"میری خوش نصیبی کہ مجھے تم سے عشق ہوا، اور بد نصیبی یہ کہ میں تمہیں پہچان نہ سکی۔ تمہیں ہر شر سے بچاؤں گی، میں تمہاری ڈھال بنتے بنتے جان دوں گی اور یہی میرے گناہوں کا کفارہ ہو گا"

اپنی رخسار پر جمع ہوتی آنسوؤں کی نمی رگڑے وہ ہانپ کر اٹھتی باہر کمرے تک پہنچی، بیڈ پر دھرے لیپ ٹاپ پر آتی چند ریسنٹ میلز چیک کیں۔

وحید بخاری کے میڈیا ہاوس میں موجود ایزل کے مخبر نے خبر پہنچائی تھی۔

"کل پائزن کا دی اینڈ ہو گا، یہی سنا میں نے۔۔۔ پائزن کے شک میں کل پورا میڈیا ہاوس کاشان ہمانی کو رنگے ہاتھوں فائیٹ سیشن سے اریسٹ کرے گا، میڈیا، پولیس اور یہاں تک کہ بڑے بڑے ادارے کل کے اس مشن میں شامل ہوں گے۔ ابھی تک یہ سب صرف شک کی بنیاد پر ہو گا، نور گل کی جانب سے ملتی معلومات کے مطابق کاشان ہمانی کئی پر اسرار سر گرمیوں میں ملوث ہے، وہ ساری معلومات وحید بخاری کے لاکر میں موجود ہیں۔ میڈیا اس لیے شامل رہے گا تا کہ ایک بار پھر وہ منجھا ہوا کھلاڑی قانون کو چکمانہ دے جائے۔ ابھی تک کوئی بھی اس شک کو یقین میں نہیں بدل سکا، یہاں ایک اور بات ہو رہی ہے کہ اگر واقعی کل کی چیمپئین فائیٹ کا تعلق کاشان سے ہوا تو نور گل بھائی کی جانب سے ملا ثبوت یعنی وہ پاس کورڈ اسکی فائیٹ کا ہوا گر اور یہ اتفاق، کاشان ہمانی کی عبرت بن جائے گا۔ اور اسے پائزن ڈیکلیئر کیے قانون کی گرفت میں جکڑ لیا جائے گا۔

اگر آپ کچھ کر سکتی ہیں ان کے لیے تو وحید بخاری صاحب کے لاکر سے وہ تمام ثبوت اور معلومات نکلوا لیں۔۔۔ مزید اپڈیٹ ملتی ہے تو میں بتاتا ہوں"

موصول ہوئی ای میل پڑھتی ایزل پہلے تو بوکھلائی مگر پھر فوری اپنے اگلے سفر کے لیے نکلنے کو تیار ابھی ہوٹل سے چیک آوٹ کا ارادہ کیے اپنا ٹوٹا فون بیگ میں رکھے، لیپ ٹاپ فولڈ کیے بیگ میں ڈالے اس سے پہلے

کمرے کے دروازے کی جانب لپکتی، دروازہ اچانک کھلنے اور اندر داخل ہوتے مینجر کو دیکھ کر ایزل اپنی جگہ جم گئی۔

وہ آدمی اندر داخل ہوتے ہی لاک لگاتا مڑا اور خباثت سے بھری نظریں سر تا پیر ایزل پر ڈالیں۔

وہ تو یہاں آتے ہی اس مینجر کی نظروں میں چھپی غلاظت بھانپ چکی تھی۔

"کہاں بھاگ رہی ہے بلبل۔۔۔۔تجھے بتایا نہیں کسی نے کہ یہاں لوگ آتے تو اپنی مرضی سے ہیں مگر جاتے میری اجازت سے ہیں۔۔۔۔"

کرخت لہجے اور کرخت چہرے پر پل پل بڑھتی بدبودار ہوس، ایزل کا جی ڈرا گئی تھی، وہ جانتی تھی ایسے لوگوں کی مردانگی نکال کر انکی اوقات کا سبق پڑھانا مگر اس وقت اسکا سارا دھیان تو بس اپنی موت سے پہلے پورے کیے جانے والے فرائض کی سمت تھا۔

"ہٹ جاو میرے راستے سے ورنہ اپنے پیدا ہونے پر پچھتاوگے"

ایزل نے بھی پچھاڑ کر رکھ دینے والے تیوروں کے سنگ اسے غضبناک ہوئے تنبیہ کی مگر اس آدمی پر شیطان حاوی تھا، لپک کر نا صرف ایزل کی چادر چھینی بلکہ اسکے ہاتھ سے اسکا بیگ بھی جھپٹتے ہوئے ایک ہاتھ کی آہنی گرفت ایزل کے منہ پر جمائی اور دوسرا ہاتھ اسکی کمر میں جکڑے اسے دیوار سے پٹخا۔

ایزل اسکی اس جانوروں جیسی پکڑ پر سر تا پیر لرزی مگر ہمت قائم اور حواس یکجا کیے اسکے شکنجے سے مسلسل خود کو چھڑواتی رہی۔

"دیکھنے سے ہی لگا تھا کہ چھوڑی بڑی ٹائیٹ ہے، ایسی دبنگ لڑکیاں تو میری کمزوری ہیں۔ شام تو ویسے بھی ہونے والی ہے، ایک رات بھی گزار لے یہاں۔۔۔پیمنٹ لے لینا، بہت سخی ہوں میں"

مسلسل اس لڑکی کو مچلتے، تلملاتے اور اپنا بچاؤ کرتے دیکھ کر اس نجس آدمی کی آنکھوں میں سرور ٹپکنے لگا، اسکی یہ بات پر اعتماد سی ایزل تک کو خوفزدہ کر گئی۔

بول تو وہ سکی نہیں البتہ ٹانگ کا وار پوری شدت سے اس شخص کی ناف پر کیا ساتھ ہی اس آدمی کے کراہ کر پکڑ ڈھیلی چھوڑنے پر اسکا منہ پر رکھا ہاتھ اس بری طرح کاٹا کہ وہ شخص اس لڑکی کے دانت اندر دھنسنے پر بری طرح جھٹکا کھائے دور ہوا۔

اس بار اس شخص نے کتے کی طرح نتھنے پھیلائے لپک کر ایزل مہران پر وار کرنا چاہا مگر ایزل نے اس بار وار پہلے سے کئی گنا شدید کیا اور نشانہ بھی اس آدمی کی کمزور ترین جگہ کو بنایا، درد اور تکلیف کی ٹیس ایسی اٹھی کہ وہ لمحے میں کوکتا ہوا زمین پر دہرا ہوئے چینخنے لگا۔

ایزل خود اس سب سے زرد پڑ چکی تھی مگر اس سے پہلے کہ اس جنگلی بھیڑیے کی آواز پر کسی کو آتا پاتی، فورا سے بیشتر اپنا زمین پر گرا بیگ اور باقی سامان دبوچتی پوری رفتار سے کمرے سے باہر بھاگی۔

ہوٹل زیادہ بڑا نہیں تھا تبھی وہ جلد ہی اس جگہ سے باہر نکلنے میں نہ صرف کامیاب ہوئی بلکہ اس دنیا کے ایک غلیظ وحشی کو اسکی اوقات بھی یاد دلا آئی۔

بروقت ملتی ٹیکسی دیکھتے ہی وہ لمحہ ضائع کیے بنا، پیچھے دیکھے بنا گاڑی میں جا بیٹھی۔

اسکی بے ترتیب سانس اور خلیہ اسکے عین آخر وقت اجڑنے سے بچ جانے کا ترجمان تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے کس مشکل میں پھنسا دیا ہے مجھے، تم کیسے جانتے بوجھتے اس دلدل میں دھنسنا چاہتے ہو فارس۔۔۔"

یہ ملال اسے نوکیلے کانٹے کی مانند چبھ رہا تھا، رنج دے رہا تھا، آخر وہ عون سے ایسا تقاضا کیسے کر گیا تھا۔

ادھر منیہا سارا دن عون کے غائب رہنے پر الگ اداس تھی، لیکن اس وقت عون جس ذہنی ابتری کا شکار تھا اسے کوئی شے پر سکون کرنے سے قاصر تھی۔

سڑک کنارے گاڑی روکے وہ نا جانے کب سے جل رہا تھا، راکھ ہو رہا تھا، یوں تو بھیگی ہوئی شام نے ہر شے خوبصورت اور تر و تازہ کر دی تھی مگر بوجھل دل تو مزید درد میں اتر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد قریب سے کوئی گاڑی گزرتی تو اس سنسان جگہ زندگی کے شواہد ملنے لگتے۔

تھکی تھکی سرخ آنکھوں کو دباتے ہوئے وہ ٹیک چھوڑے سامنے دور افق پر ڈھلتے سنہری دن کو کتنے لمحے دیکھتا رہا اور وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھا کہ تیز ترین رفتار کے سنگ آتی گاڑی نے اگر بر وقت بریک نہ لگایا ہوتا تو عون بخاری کی دنیا میں کہرام مچ جاتا۔

خود وہ گاڑی میں بیٹھا شخص اس اچانک افتاد پر بمشکل سنبھلا، عین ذرا سے فاصلے پر گاڑی کو بریک لگائی اور عون بخاری پر نظر پڑتے ہی شناسائی کی رمق محسوس ہوتے ہی گاڑی کھولے باہر آیا۔

عون بھی اپنی لاپرواہی پر شرمندہ سا اس اپنی جانب بڑھتے انسان سے معذرت کرتا پیچھے ہٹا مگر وہ عون بخاری کی یہ حالت دیکھ کر نا چاہتے ہوئے بھی رک گئے۔

"تم ٹھیک ہو؟ ایسی لاپرواہی کیوں کی جوان۔۔۔ ابھی گاڑی تلے کچلے جاتے"

میکائیل رضوی کا ازلی مہربان لہجہ اور خفیف سی سرزنش پر عون نے اک بھرپور نگاہ اس سامنے کھڑے پر وقار آدمی پر ڈالی۔

"ہمم۔ میرا دھیان نہیں تھا"

عون نے بھونڈا سا جواز دیے ٹالنا چاہا مگر مقابل اس جواب کو سن کر کچھ اطمینان نہ اترا۔

"کوئی پریشانی؟ شئیر کرنے کے لیے سماعت چاہیے تو بندہ حاضر۔۔۔ جانتا ہوں سر راہ حال پوچھنا ایٹیکیٹس کے خلاف ہے اور نہ حال دل اتنے مختصر ہوتے ہیں پھر بھی میں ایک اچھی سماعت ہنوز ہوں"

وہ انھیں نہیں جانتا تھا مگر میکائیل رضوی تو سبھی سے واقف تھے، عون بخاری کے اس وقت موجود دکھ تک سے۔

عون نے کچھ لمحے غائب دماغی سے انھیں دیکھا پھر یکدم اسکے ذہن میں تب جھماکہ ہوا جب اسکی نظر ان کے ہاتھ میں مقید اس سیاہ انگوٹھی پر پڑی جس پر سلور رنگ سے ایگل کا نشان کندہ تھا۔

اسے یوئی کی بات دماغ میں گھومتی محسوس ہوئی۔

وہ انسان جس نے یو آن کو بچایا، فارس شاہ کی مسیحائی کی وہ بھی ایسے ہی نشان والی رنگ پہنتا تھا۔

پھر اسکا نرم مدلل اور مہربان دوستانہ لہجہ، جیسے ان دو کے بیچ مدتوں کا ساتھ حائل ہو۔

"آپ کون ہیں؟ آپ وہی ہیں ناں جس نے یوئی کو بچایا۔۔۔۔ جس نے فارس شاہ کو بچایا۔۔۔۔ یہ انگوٹھی۔۔۔ یہ ثبوت ہے۔۔۔"

عون کی جانب سے سننے کو ملتے یہ الفاظ، میکائیل رضوی کو بھی بوکھلا گئے، اپنی انگلی میں نسب وہ انگوٹھی دیکھتے پھر سے عون بخاری کو دیکھتے ہی واپسی کے لیے مڑے مگر وہ جذباتی جوان، بپھری موج بنا انکی راہ میں حائل ہوا۔

"اس انگوٹھی کا کس نے بتایا تمہیں؟"

وہ برہم سے اسکے یوں روکنے پر سختی سے گرجے مگر عون نے تو تپش دیتی نظروں سے انکا اندر تک جھانک لیا۔

"یو آن نے، مجھے بتائیں آپ ہی ہیں ناں وہ چھپے ہوئے انسان۔۔۔ ہم سب کا بیٹھ کر تماشا دیکھنے والے۔۔۔ اس پائزن کو کہیں کہ مہکار نامی عذاب ہم سے اٹھالے، وہ عورت ہمارے حلق کا کانٹا بن گئی ہے۔۔۔ میں آپکا یہ راز کسی کو نہیں بتاوں گا، آپ بس اس عورت کا ہمارے زندگیوں سے نکلوا دیں۔۔۔۔ ورنہ میں اس پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا"

مشتعل ہوا وہ آپے سے باہر آئے، بیچ سڑک کھڑا حلق کے بل غرا اٹھا، اس کی اس اذیت ناک مانگ پر میکائیل رضوی کو اپنے رکنے اور عون بخاری کے اجڑے حال سے واقف ہونے کی جستجو پر ملامت ہوئی۔

"ہمم۔۔۔ کیوں کہہ رہے ہو ایسا۔۔۔ کیا ہوا ہے پہلے یہ بتاو"

انھیں عون کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہ لگی تبھی وہ نرم پڑتے ہوئے اس سے اس کڑواہٹ اور حقارت کی وجہ جاننے کی کوشش میں بولے۔

"میں نے اس عورت کو پائزن سے خرید کر فارس شاہ کو سونپا تھا، وہ عورت جسے میری سانس سانس نفرت کرتی ہے۔۔۔ وہ عورت دیمک بن کر اسے کھا گئی، لیکن وہ کہتا ہے اسے پھر سے مہکار دے دوں۔۔۔ وہ کہتا ہے میں اس عورت سے نکاح کر کے واپس وہ عذاب فارس شاہ کی نس نس پر نازل کر دوں۔۔۔ مجھے بتائیں اس عورت کو موت کب آئے گی۔۔۔۔

مجھے یہ بھی بتائیں کہ کسی کو زندہ در گور کرنے والے جلد از جلد ہی مر کیوں نہیں جاتے۔۔۔۔"

اس وقت عون جس مخدوش حال میں تھا، اسے خود نہیں پتا تھا کہ وہ تکلیف کے سنگ کیا کیا بڑبڑا بیٹھا ہے۔

میکائیل کو حقیقی دکھ ہوا تھا، اس کہانی کی بدقسمتی پر۔

"خود کو تکلیف مت دو، جاؤ گھر اور مطمئین رہو۔ مہکار سے تمہیں ہرگز نکاح کرنا نہیں پڑے گا، نہ ہی وہ عورت اس بار فارس شاہ پر عذاب بن کر نازل ہو گی۔ میری سچائی امانت ہے تمہارے پاس عون بخاری۔۔۔فی امان اللہ"

شانت کرتے لفظ ادا کیے وہ عون بخاری کو شش و پنج میں مبتلا کیے جیسے رکے ویسے ہی اپنا رک جاتا سفر جاری کیے پلوں میں اسکی بصارت سے اوجھل ہو گئے، اور وہ جو اپنے اندر باہر آگ لگی محسوس کر رہا تھا یکدم راکھ کی طرح بجھ گیا۔

اسکے چہرے پر تھکن جمع ہوتی گئی اور سانس تو پہلے سے دگنے بوجھ تلے آکر گھٹنے لگ گئی تھی۔

وہ میکائیل رضوی کے کہے لفظوں کی بازگشت کتنی ہی دیر محسوس کرتا، بنا حرکت کیے اس برستی شام میں کھڑا پتھر کا مجسمہ بنا رہا۔

ایسا مجسمہ جو ایک ٹھوکر پر مسمار ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جانتی تھی مرنے سے پہلے اس پر کم از کم دو شدید اہم ملاقاتیں قرض تھیں۔

ساری سچائی جان لینے کے بعد وہ پہلے تو بہت روئی، فارس شاہ کے گھر تک کا سفر کرتے ہوئے بھیگے راستے اور جسم و جان پر اترتی شام کی ٹیسیں محسوس کرتی وہ بس اپنے دل پر ہاتھ رکھے آنسو بہاتی رہی۔

ہوٹل کے اس خبیث مینجر سے اپنی بچی کچی عزت تو بچالی تھی مگر اسکا دل حقیقتوں کی ناپاکی سے لرز اٹھا تھا۔

اپنی اب تک کی اک اک سانس پر ملامت کرتی وہ فارس شاہ سے معافی مانگنے کی سکت جمع کرتی جب اسکے گھر جانے والی سیدھی مگر سنسان سڑک پر اتری تو سرد ہوا کا اک روح جنجھوڑتا جھونکا اسکے وجود میں جا سمایا۔

ٹیکسی ڈرائیور کو جانے کا اشارہ کرتی وہ اس بھیگی سڑک پر سیدھی قدم بڑھانے لگی، وہ یہاں پہاڑوں میں آن آباد ہوا تھا، دور دور پھیلی موسم بہار کی خوشبو، پھولوں کی موجودگی، سیاہ بادلوں سے اٹے آسمان کی وسعت، سبھی ایزل کو دکھ دے رہے تھے۔

سرسبز شاداب دور بسے پہاڑ، جن کے دامن میں ڈوبتا ہوا اشفاف زرد سورج اپنی آمجگاہ کی جانب گامزن تھا، زمین زادوں پر شام اترنے لگی تھی۔

وہ چلتی جا رہی تھی، اسکے پیروں میں ہمت نہیں تھی، دل پر رکھے بوجھ چلنے میں دقت پیش کر رہے تھے۔

سبزے، پھولوں اور خوشبو سے معطر نظارے، بارش کی ننھی ننھی ہوا میں معلق ہوتی بوندوں نے موسم بہار میں کہر سا سماں پھیلا دیا تھا۔

وہ فارس شاہ کی دہلیز تک پہنچی تو اک آنسو بہہ کر اسکی رخسار تر کرتا زمین کی تہہ تک اتر گیا، اپنے کھلے اور کشادہ کاٹیج نما گھر کے لان میں پھولوں کے ڈھیر سے سر اپے تکتا وہ ہاتھ کی دو انگلیوں میں سگریٹ دبائے کسی آسمانی سفر پر گامزن تھا جب وہ دبے پیروں چلتی چلتی عین فارس شاہ کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

عون کو تو فارس نے حکم سنائے روانہ کر دیا تھا اور اب وہ اپنی بے بسی پر دھواں سینے کے اندر اتارتا ماتم کر رہا تھا۔

"میرا اک جواب رہ گیا تھا آپکے پاس، آگئی ہوں لینے۔۔۔۔"

مدھم مگر بھرایا ہوا لہجہ اور ٹوٹی ہوئی آواز لیے وہ اسے پشت سے ہی پکاری تو فارس نے چونک کر رخ موڑے حیران نظروں سے ایزل کو دیکھا۔

اسکے دل کو دھکا لگا، اک اجڑی اور ویران ایزل دیکھ کر، وہ بھی فارس شاہ کی آنکھوں میں جمع شدہ ماتم اور اذیت پر پتھرا ہی گئی۔

"ایزل۔۔۔ تم یہاں ؟"

فارس کو اسکا آنا حقیقتاً حیران کر چکا تھا، اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ شاید اب تک ایزل کو پائزن سزا بھی دے چکا ہو گا۔

"ہاں میں سزا یافتہ ایزل مہران، معافی مانگنے اور جواب لینے آئی ہوں۔ خبر ملی ہے کہ ٹھیک نہیں ہیں آپ، کسی کے دل تک آپکی شب خوابیوں اور اذیتوں کی خبر پہنچی ہے"

چند قدم بڑھائے وہ مزید فارس کے روبرو آئی اور تھکن آلود لہجے میں کسی کا پیغام پہنچایا، جسے سن کر فارس کی آنکھوں میں سمٹ آتی بے قراری ایزل کو بھی آہ بھرنے پر مجبور کر گئی۔

"ہمم۔۔ معافی کس چیز کی"

ہنکارہ بھرتا فارس سیدھا مدعے پر آیا، اسے ایزل کی فکر بھی لاحق تھی۔

" آپ کی جان لینے کی خطا کی، اس روز وہ آگ بھڑکانے والی میں تھی۔ یہ جانتے بوجھتے کہ وہاں آپ اور مہکار ہوں گے تب بھی لگائی، اور سچ پوچھیں اس روز میں نے اس آگ کو لگا کر صرف اپنا وجود خاکستر کیا تھا"

آزردہ، رنجیدہ اور غمزدہ ہوئے وہ فارس شاہ پر یہ قیامت خیز انکشاف کرتی اس درجہ ملال میں تھی کہ اسکی آواز آخری جملے پر ڈوب سی گئی۔

خود یہ سننا فارس کے لیے بھی ہچکولے سا تھا، اپنی موت تو وہ ہر بشر پر معاف کر سکتا تھا لیکن اس آگ کی لپیٹ میں اسکی زندگی کے دو اہم حصے مبتلا تھے، اگر کوئی ایک بھی مر جاتا تو فارس اب تک سانس نہ لے رہا ہوتا۔

وہ فارس کی جانب سے انتہائی رد عمل امید کر رہی تھی مگر وہ کچھ نہ بولا، محض ایزل پر ایک مایوس کن نگاہ ڈالے مڑا، میز پر رکھی ایش ٹرے میں دھواں چھوڑتی سگریٹ مسلی اور جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ایک شرط پر معاف کروں گا، آو بیٹھو"

محبت اور عشق کے اس درجے کا وقت تھا جب اس نے تھوڑا سہی پر خود کی تکلیف کم کرنے کی سعی کی، ایزل بیقراری سی اسکی جانب لپکتے ہی سامنے دھری کرسی پر بیٹھی اور تڑپتی آنکھیں فارس شاہ کے مطالبے کو سننے کے لیے اسکی جانب مرکوز کیں۔

"مجھے بتاو وہ کہاں ہے، کیا وہ بھی میرے اور عون کی طرح اس آگ سے بچ گئی؟ زخم تو نہیں آئے اسے، بس اتنا بتا دو۔۔ میں اپنے سارے زخم تم پر معاف کر دوں گا"

لڑے جھگڑے بنا، فساد کیے بغیر وہ صلح جو ہوئے جس کرب سے ایزل سے مخاطب ہوا وہ اس لڑکی کے دل پر رکھے بوجھ کو دگنا کر گیا۔

عشق کی وہ حد جب محبوب کے لیے تڑپنے، سسکنے اور رونے پر بھی جھلک نصیب نہ ہو، اسکا سراغ نہ ملے تو وہی حالت ہوتی ہے جیسے استھمیٹک پیشنٹ کی انہیلر کے بنا حالت ہو۔

وہ آج اس نقطے پر خود میں اور فارس شاہ میں فرق محسوس نہ کر سکی۔

"جسمانی زخم تو کوئی نہیں آیا لیکن وہ عورت آپ سے سچا عشق کر بیٹھی ہے، اور اسی لیے اسکا تن من زخموں سے نیل زدہ ہے۔۔۔ مجھے واقعی معاف کر دیا آپ نے؟"

فارس شاہ کو سچائی بتانے کے بعد وہ آخری جملے کے سنگ اپنی آنکھوں کی سرخی ضبط نہ کر سکی۔

وہ شخص کیا جواب دیتا کہ وہاں اک وجد طاری تھا، آنکھیں کرب سے بھری ہوئیں اور دل کسی بلکتی حسرت میں کٹتا جا رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔ کر دیا۔۔۔ اب دہراؤ اپنا سوال۔۔۔ تاکہ تمہیں تمہارا جواب دے سکوں"

اس بار فارس کے لفظ برہم مگر لہجہ مہربان تھا، ایزل سے سوال دہرانا ویسے ہی ناممکن تھا جیسے دم گھٹ جانے کے بعد چند سانسیں ادھار مل جانا۔

"وہ برا ہو تو کیا ممکن ہے اسے دل سے نوچا جا سکے، اس حد تک کھرچا جا سکے کہ اس شخص کے سائے تک کی رمق نہ باقی بچے"

وہ اپنی زندگی کی تمام ہمت جمع کیے سوال دہرا رہی تھی اور وہ تحمل سے سننے کے بعد چند لمحے خاموش رہا۔

"وہ برا ہو تب بھی برا نہ لگے، یہی تو عشق ہے۔ میری مثال لے لو، میں نے بہت شدت سے چاہا کہ کاش اس عورت سے صرف ایک لمحے ہی سہی پر نفرت کر سکوں۔ مگر کیسے کر سکتا ہے ایک ایمان لایا شخص کفر۔۔۔ نہیں نوچا جا سکتا، مجھ سے پوچھو کہ یہ روح نکلنا تو قدرے آسان ہے مگر اسکا نکلنا ناممکن۔۔۔ وہ دل ہی کیا جس سے محبوب نکل جائے، وہ روح ہی کیا جو عشق کے سیاہ عذابوں سے بچ جائے"

وہ اپنا دردناک فلسفہ کہہ رہا تھا، اسکے رنج زدہ دل پر بوندیں گرنے لگی تھیں۔

وہ فارس شاہ سے اپنا جواب لیے نئے سفر پر گامزن ہوئے اپنے ذہن میں اگلا لائحہ عمل تیزی سے ترتیب دینے لگی۔

کیونکہ اسے بھی اب موت کا کھیل کھیلنا تھا، اسے اس شخص سے ملنا تھا جس کی حسرت میں وہ جوگن بن گئی تھی۔

لیکن سب سے پہلے اسے پائزن کو بچانا تھا، اسکے راز ویسے ہی زیر زمین دفن کرنے تھے جیسے وہ ہمیشہ سے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن کا کھانا تو وفا نے روٹھے ہوئے منع کر دیا تھا، وہ کئی گھنٹے چپ چاپ کھلے دریچوں سے باہر جھانکتی کن من تکتی تکتی جم گئی تھی۔

اسے امید نہیں تھی کہ کاشان کو مان سے سونپا دن وہ اتنا سوگوار گزارے گی، صبح والی پر لطف خوشی، ان قبروں کے بیچ آئے، کاشان کے دل جلانے سے ماند پڑ گئی تھی۔

"تمہارے نا بولنے اور روٹھنے کی لمٹ کتنی ہے وفا؟ اس ناراضگی کے چکر میں میرے ادھار لیے دن کی کتنی ساعتیں گنوا دی تم نے۔۔۔اب آجاو میرے پاس"

سامنے صوفے پر براجمان، وفا کی چپ پر بگھڑے تیور لے کر جتا تا وہ آخری جملے میں اپنا دل سمو گیا تھا تبھی تو وہ کتنی دیر سے اس سے ناراض حسینہ نا صرف پلٹی بلکے رخساروں پر برہم ہونے کی ترجمان غصیل لہر سجاتی عین اسکے روبرو آئی۔

وہ گردن اٹھائے وفا کی جانب دیکھتا خسارے ہو جانے کا اشارہ دیے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں روٹھنے پر آئی تو تمہاری جان لے سکتی ہوں، تم نے مجھے بہت ہلکا لے لیا۔ اور یہ کیا ادھار لیا دن کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے، کیوں باز نہیں آتے دل راکھ کرنے سے۔ مجھے لگا تھا تم میرے ساتھ مسکراتے ہوئے اس بھیگے موسم کو انجوائے کرو گے، مجھے زندگی سے ملواؤ گے، مجھ سے تاعمر محبت کرنے کے نئے اور تازہ عہد باندھو گے، میرے ساتھ کوئی من چلا گیت گنگناؤ گے، رقص کرو گے۔ مجھے پرندوں کے گھر دیکھاؤ گے، مجھے اس چندن اداس شام میں خوشی کی شکل دیکھاؤ گے، پہاڑ کے دامن کی وسعت اور گرم حدت میں ڈوبتی وادیاں دکھاؤ گے۔۔۔۔ مگر تم۔۔۔۔۔ آ جا کر میرا دل دکھا رہے ہو"

وہ اسکی آنکھوں میں مجسم اپنا رخ دیکھتی، کب اپنی ساری خواہشیں اک اک کیے کہہ بیٹھی اسے خبر نہ ہوئی، وہ اسکے یوں حسرتیں گنوانے پر پشیمان تھا، آخر اسے وفا کی خواہش بنا کہے جاننی چاہیے تھی۔

اسکی گلابی شرٹ بھیگ گئی تھی تبھی وہ پھر سے گہرے رنگوں کے عکس میں لوٹ چکا تھا، بلکل ایسے جیسے اسکے سارے رنگ بھی اس جھڑتے دن کے ساتھ جھڑ گئے ہوں۔

"تمہیں واقعی میری بات پر یقین نہیں آیا تھا؟"

وفا کو کاشان کی بے تکی ہانکنے پر اس بار غضب چڑھا، وہ اسکا گریبان دبوچے پھر سے سیخ پا ہوئی۔

"میری بھی سن لو اب، بہت سوچا اور یہ فیصلہ لیا، تم بھلے مجھ سے پہلے سو عشق بھی کر چکے ہو تب بھی تم اب صرف میرے ہو، جیسے سو خون معاف ہوتے ہیں ویسے وفا تمہیں سو عشق بھی معاف کرے گی۔ اب بتاؤ رہ گئی ہے کوئی وجہ جدائی کی؟"

جتنی سخت وہ شروع میں تھی، اتنی ہی نرم اور گداز وہ آخری حسرت بھرے استفسار پر ہوئی۔

اپنی سرد ہتھیلیاں کاشان کے چہرے سے جوڑے سر تا پا دم سادھ لیا۔

"میں نے تمہارے دل میں زبردستی اپنی محبت اتارنے کا جرم کیا ہے، تمہیں اپنا عادی بنا کر بے بس کیا۔ یہ گناہ بھی میرے نامہ اعمال میں ہے"

وہ جھکا اور جھکتے ہوئے وفا کی پیشانی چومی، مقابل اس لمس پر جہاں بلکتے دل کو قرار آیا وہیں کاشان کی اگلی دی وجہ پر وہ رنجیدہ ہوئی، اسے کاشان سے ایسی بھونڈی وجہ کی امید نہ تھی۔

"مجھے بہت سے پھول ایک ساتھ نہیں پسند، کیونکہ اس سے باہم الجھنے پر انکی کلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ نہ ہی ستاروں کا جمگھٹا جس سے میری نگاہیں منتشر ہو جائیں، نہ ہی مجھے بہت سے لوگ بھاتے ہیں، مجھے ہجوم بلکل کہرام لگتا ہے، مجھے قیامت کا گماں ہوتا ہے۔

مجھے بس ایک محبت کی لامحدویت عیاں کرتا سفید پھول، تمہارے نام کا اک کبھی نہ ٹوٹنے والا ستارہ اور ایک ہی شخص درکار ہے۔۔۔ تم"

اسے یقین واثق دلاتے دلاتے وہ ہانپ گئی تبھی لمحے کو توقف لیے رکی، تنفس بحال کیا، وہ اسکے شانوں پر اپنے ہاتھ سہلاتا اسے چند لمحوں میں گرفت نشین کر چکا تھا مگر توجہ اب بھی وفا کے روکے گئے اظہار کی جانب ثبت تھی۔

"تم جب مجھے دیکھتے ہو کاشان، تو فقط تمہارے دیکھ لینے سے مجھے لگتا ہے سب اچھا ہے، تمام مصائب حل ہو گئے ہیں، میری ہر اداسی کو سکون مل گیا ہے، تمہاری مسکراتی آنکھیں میری وحشت کا توڑ ہو گئی ہیں، تمہارے لفظ، میری روح کا مرہم بن گئے ہیں۔ کیا ایسی ہوتی ہے زبردستی کی محبت؟ کیا جرم سے وابستہ رشتے سکون بنتے ہیں؟ میں تمہیں تمہارے اس جرم پر بھی باعزت بری کرتی ہوں۔۔۔ اب کہو کوئی وجہ ہے تمہارے پاس"

پیار اور چاہت کی انتہا لوٹانے کے بعد وہ پھر سے کاشان ہمانی سے کوئی وجہ مانگ رہی تھی، کوئی تراشا ہوا بہانہ جس سے وہ وفا کی گرفت خاص سے دھتکار دیا جاتا۔

اس شخص کا منافق دل وفا کے قدموں میں آج بھی سجدہ ریز ہو گیا تھا، مگر اسے ہمت ٹوٹنی نہیں تھی۔

"میں نے بہت سے لوگوں کا قتل کیا ہے، میرے ہاتھ ناپاک ہیں۔ تم کس دل سے ان قاتل ہاتھوں کو چوم سکو گی، یہ گناہ تو رب بھی معاف نہیں کرتا، تم کیسے کر پاؤ گی"

اس بار وہ دانستہ لہجہ بیری اور سفاک کیے وفا کے منتظر چہرے کو دیکھ کر بولا، بہت دیر سے سہی وہ بولنے کے قابل ہونے کا انتظار کیے ساری ہمت و حوصلہ مجتمع کیے سفاکیت سے مخاطب تھا۔

اسکے انداز میں اک وحشت، وفا نے محسوس بھی کی اور افسردہ بھی ہوئی۔

"ہمم۔۔۔ تم جھوٹ بول کر مجھے ٹال رہے ہو۔۔۔ تم کسی کا قتل نہیں کر سکتے"

آنکھوں میں بے یقینی والا سہا پن لیے وہ باقاعدہ سسکی، آواز تک لرزی۔

"تم نے میرا جانور جیسا روپ تھوڑا سہی پر دیکھا تو ہے وفا، پھر جھوٹ کیسا۔۔۔ وہ تو ایک فیصد تھا محض، میرے اعمال سیاہ ترین ہیں۔ میں نے سب جان کر بھی تم سی سفید کو میلا کیا، یہ میری خطاء تھی لیکن تا عمر تم یہ آنکھوں دیکھی مکھی کیسے نگلو گی"

تھکے تھکے نڈھال لہجے میں وہ ایک کے بعد ایک وجہ تراشے معصومیت سے اپنے گناہوں کا یقین دلا رہا تھا۔

گویا اسکی ہر بار تان، الگ ہونے کے فیصلے پر ٹوٹتی تھی۔

"وہ ایک بدکردار چھوٹے بھائی کے لیے اسکے بڑے باکردار بھائی کا ایک فطری رویہ تھا، لیو دس۔۔۔ تمہارے اعمال سیاہ ہیں یا سفید اسکا فیصلہ اللہ ہی کہ سپرد رہنے دو۔ جو فیصلے اسکے اختیار میں ہیں ان میں

مداخلت مت کرو۔۔۔تم قاتل نہیں ہوسکتے یہ وفا کا دل گواہی دیتا ہے۔اور عقل و دل میرے دونوں بیک وقت اسی پر متفق ہیں"

وہ کب کاشان ہمانی کے اندرون دل کہ وحشت خانے سے واقف تھی،اسکی ہر جواز ٹالنے کی اس سادہ ادا پر وہ لاجواب ہوا تھا۔

"مجھے پتا تھا تم نہیں مانو گی"

وہ مزید رہا سہا فاصلہ گھٹائے تھوڑا قریب ہوا،اسکی سانسوں کی حدت وفا کے رخسار کو چومنے لگی،وہ اپنے لبوں کی سرگوشیانہ جنبیش میں یہ بے بس اعتراف کیے فی الحال کے لیے یہ بحث یہیں روک چکا تھا۔وفا اسکی دل جلی ہار پر دل نشین مسکائی۔اپنی آنکھوں کی پتلیوں کے حصار میں اس وقت کا وہ اداس مگر خوشنما چہرہ بسایا۔

"مجھے پتا تھا تم مناہی نہیں پاؤ گے،مجھے جدائی کے لیے قائل کرنا تمہارے بس کا نہیں کاشان ہمانی"

وہ نازک اندام،پری پیکر،آنکھوں میں جیت کا تفاخر بسائے،ناز سے بازو اسکی گردن میں حمائل کرتی مخموریت سے بولی۔اسکی آواز میں اک چھنکار تھی۔اور وہ چکراتے ہوئے معاوف زدہ دماغ سے اس ڈھلتی شام بس اتنا سوچ سکا کہ جدائی تو اٹل ہے،ضروری ہے وفا کی خواہشوں کو پورا کیا جائے۔

وہ لڑکی اس پر امرت انڈیل کر اسکے زہر کو ہر بار کم کر دیتی تھی،وہ اسے چند ثانیے تکتا رہا اور پھر یکدم پھر سے پھوار کی مانند اترتی کن من کی پرواہ کیے بنا وفا کا ہاتھ تھامے کہیں چل پڑا۔

کسی آخری کنارے کی جانب۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ یاسر ہے، انٹرنیٹ سروسز چیک کرنے آیا ہے۔۔اسے ڈیپارٹمنٹ لے جاو۔ صبح سے وائے فائے مسئلہ کر رہا ہے"

چوکیدار نے اندر مین آفس آتے ہوئے اپنے ساتھ داخل ہوتے دبلے گہری گندمی رنگت والے لڑکے کو ریسیپشن پر متعارف کروائے اندر بجھوایا۔

"اوکے، آو میرے ساتھ"

ریسپشن پر کھڑی لڑکی اس نوعمر لگتے لڑکے کو مخاطب کرتی اندر بڑھی تو وہ بھی سر پر پہنی ہیٹ درست کرتا، ریڈ شرٹ اور ڈینم پینٹ میں ملبوس اس لڑکی کے پیچھے ہی اندر بڑھا۔

جوں جوں راستہ کٹ رہا تھا، وہ انٹرنیٹ آپریٹر بہت جانچتی نظروں سے اس میڈیا ہاوس کے سارے کیبنز کا جائزہ لیے اس لڑکی کے پیچھے کچھ یوں چل رہا تھا جیسے وہ کسی جگہ کی تلاش میں بھی ہو اور کسی کو خود پر شک بھی کروانا نہ چاہتا ہو۔

"یہاں دو کوریڈور چھوڑ کر آگے تمہیں بوسٹر دیکھائی دے جائے گا، وہاں بلال نامی صاحب تم کو بریف کر دیں گے۔۔۔ اور ہاں پچھلی بار کی طرح اگر پھر سے سروسز ڈاون ہوئیں تو تم سب کو خود لالہ ہی سیٹ کریں گے۔ بل پورا لیتے ہو اور تم لوگوں کا وائے فائے موسم خراب ہوا نہیں کہ چل بستا ہے۔۔۔ جاو"

وہ تیکھے لب و لہجے والی لڑکی، برہم سی اس نوجوان کو ڈپٹتی ہیل سے ٹپ ٹپ کرتی واپس چلی گئی جبکہ وہ ہیٹ والا نوجوان اس لڑکی کی جانب غصیل نگاہ دوڑاتا خود اس سمت بڑھا جہاں جانے کا وہ اسے بتا کر گئی تھی۔

ایک کوریڈور عبور ہوا ہی تھا کہ سامنے سے نمودار ہوتا جوان، پہلے تو اجنبیت سے تکتا ہوا اس کی جانب بڑھا مگر جوں ہی اس ہیٹ والے نوجوان نے اپنا کندھے پر لٹکا یا بیگ اتار کر اسکی جانب بڑھائے اپنے چہرے سے نقلی دھاڑی مونچھ اتاری، مقابل تاثرات ہکا بقا ہوئے۔

"آ۔۔۔ آپ؟"

گویا اس بلال نامی لڑکے کی آواز حلق میں دھنسی مگر وقت ضائع کیے بنا وہ اسے لیے دو مزید کوریڈور عبور کیے سنسان ایریا کی جانب آیا، وہاں ایک ہی کوریڈور تھا جو آگے سے بند تھا اور تین جڑے آفس رومز تھے جن میں ایک وحید بخاری کا وہ سپیشل روم تھا جہاں انکا وہ لاکر نسب تھا جس میں پائزن کے خلاف جمع شدہ تمام مواد کل صحیح وقت آنے تک محفوظ کیا گیا تھا۔

ان دستاویزات میں نور گل کے مختلف اکاونٹس سے حاصل شدہ پائزن کے دھندوں کی تفصیلات درج تھیں، اور بھی کئی ثبوت جو پائزن کے شکنجے میں پھنسنے کے بعد اسے تختہ دار تک باآسانی پہنچا سکتے تھے۔

"مجھے بلکل یقین نہیں آرہا کہ آپ اس شخص کے بچاو کے لیے یوں اپنی جان خطرے میں ڈال لیں گی، حالانکہ کل تک آپ اسکے خون کی پیاسی تھیں"

بلال اسکے ساتھ کمرے کی جانب بڑھتا خفیف سی حیرت لہجے میں سموئے بولا، اندر آتے ہی احتیاط کے طور پر دروازہ بھی لاک کیا۔

ایزل نے اپنے سر سے ہیٹ اتاری اور اپنا بلال کے ہاتھ میں پکڑایا بیگ کھولا اور کوئی ڈیوائس نکالی۔

وہ ہیکرز کے استعمال میں آتی ایک پاسورڈ ریڈنگ ڈیوائس تھی جس سے اس لاکر کا پچانوے فیصد پاسورڈ معلوم کیا جا سکتا تھا اور آخری دو ڈیجیٹس خود سے لگانے کے تین چانس تھے اور اگر ان تین چانسز میں پاسورڈ مکمل نہیں ہوتا تو وہ لاکر ایک طرح جام ہو جانے والا تھا۔

بلال اب بھی منتظر نگاہوں سے ایزل کے جواب کو جاننے کے لیے اسکی جانب متوجہ تھا جو پوری توجہ کے ساتھ اس ڈیوائس کو لاکر کے ساتھ اٹیچ کر رہی تھی۔

"اب وقت بدل گیا ہے، اب وہ میری ذمہ داری ہے، مجھے لگتا تھا میں بہت ان لکی ہوں لیکن۔۔۔۔۔"

اپنے مختصر جواب کو دینے کے ساتھ وہ اس لاسٹ ٹو ڈجیکٹس کو پہلی بار پر کرتے ہی کامیاب ہوئی تو آخری جملہ ادھورا چھوڑے دردناک سا مسکرائے بلال کو دیکھنے لگی جو لاکر کے کھل جانے پر حیرت زدہ ہوا۔

"میں نے رینڈم نمبرز پر کیے تھے، گارڈ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں اس شخص کو بچاوں۔ہاو لکی آئی ایم"

آج اسے پہلی بار اپنا آپ خوش نصیب لگا، لاکر کھولے وہاں موجود لگ بھگ چار فائلز اور چند سی ڈیز اٹھائے فوری اپنے بیگ میں ڈالتی اسی ڈیوائس سے لاکر کو کلوز کیے وہ واپس اپنا بہروپیا چہرہ اوڑھتی، بیگ کندھے پر ڈالے باہر لپکی۔

بلال نے بھی فوری ایزل کا پیچھا کیے اسے انٹرنیٹ ڈی ایس ایل بوسٹر تک پہنچایا اور ایزل کے بجائے خود چند ٹیکنیکل فالٹس جو خود اس نے ایزل کے کہنے پر کریٹ کیے تھے، سالو کرتا واپس اپنے کیبین کی طرف چلا گیا۔

اپنا کام مکمل کرتی وہ اسی مردانہ طرز سے میڈیا ہاوس سے نا صرف نکلی بلکہ سیدھا فارس شاہ کے گھر کا رخ کیا۔

اسکے اس مشن میں فارس کا کردار بس اتنا تھا کہ اس نے ایزل کو میڈیا ہاوس گھسنے کا مشورہ دیا تھا۔

یہ پوچھے بنا کہ پائزن کون ہے اور وہ کیوں یکدم پائزن کے خلاف جمع شدہ ثبوت چرانے نکل پڑی ہے۔

وہ شخص تو اپنے آپ میں ہی مجذوب تھا، اسے اب دنیا و مافیا کی ہر فکر سے آزاد کر دیا گیا تھا۔

ایزل نے واپس آکر وہ ساری انفارمیشن جلا کر خاکستر کر دی، ان فائلیز کی اک اک سطر پڑھنے کے بعد اسے نظر آتش کیا۔

"میری بدنامی میں تیرا ہاتھ ہے؟

جا! ترے ہر عیب پہ پردہ پڑے"

اس بھڑکتی آگ کو دیکھنے والی ایزل مہران قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی، اسکی روح تک اک سکون سرائیت کر رہا تھا۔

پھر یونہی وہ زانوں کے بل اس بھڑکتی راکھ کے پاس بیٹھی مسکا دی، اسکی آنکھوں کے سامنے کاشان ہمانی کا تصور ابھر رہا تھا۔

"تمہیں اک آخری نقصان سے بچانا ہے، تم سے ملنا اشد اہم ہے کاشان۔۔۔ تمہیں خبر بھی نہیں ہو گی اور تمہاری یہ مبتلا، تمہارے ڈوبنے کے ہر منظر کو اجال دے گی۔ کل تم زوال نہیں دیکھو گے، تمہیں اپنی روشنی سے جدا نہیں ہونا پڑے گا۔ یہ بارش تھمے تو میں تمہاری تلاس میں نکل پڑوں گی"

پہلی بار کوئی راکھ کے ڈھیر کو یوں تک رہا تھا جیسے وہ ہیرے موتی اور جواہرات ہوں، ہاں وہ جل چکی قیامت اب ایزل کی دکھتی ہر رگ کو درماں سونپ رہی تھی۔

"مبارک ہو، تم برے ہو کر بھی ہر سمت قبول ہو کاشان۔ تم نے پھول بیچنے والے لمحوں کی پاکیزگی اپنی روح پر غلاف کی صورت چڑھائی تھی، تم بلند و بالا ہو گئے لیکن شاید تمہارے اندر پھول بیچنے والا چھوٹا، بونا، پاکیزہ بچہ زندہ بچ گیا۔ تم سے ملنے والے ہر نفس کو تمہاری روح کی مہک، ظاہری اس تمام گندگی کے آجاتی ہے جو تم نے دنیا کی آنکھ میں دھول جھونکنے کو خود پر ملی ہے"

اسے اس دنیا سے چلے جانے کا دکھ ثانوی لگنے لگا، پہلا دکھ کاشان ہمانی کے اس روح زمین پر اسکے بعد بھی زندہ رہنے کا تھا۔

آج وہ ہر درد سے پاک مسکرائی تھی، شام سے رات کا ملاپ ہونے کو تھا اور وہ بس اب اپنے آخری سفر کی تیاری میں لگنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بہت تکلیف میں ہے وہ بوا جاناں، حادثے بھی تو کئی ٹوٹے ہیں۔ پہلے نانا جان کی وفات، پھر ماں کی موت اور آخر میں اس کے نزدیک اسکا آخری سہارہ یعنی نانی کا بھی چلے جانا، اس کا اس منٹل سٹیج پر ہونا فطری ہے"

وہ اپنے ساتھ زندگی، امید اور تسلی لائی تھی، جب تک وہ پہنچی، خانم کھانا تیار کیے اسکی منتظر تھیں۔

لیکن وہ سب سے پہلے شکران کو دیکھنے کمرے میں آئی تھی، اس بچی کے نخیف وجود کی باہری تکلیف کے ساتھ اندرون بھی جھانکا۔

عفیفہ صاحبہ خود غم زدہ تھیں۔

"نہیں بچے، اسے سب سے بڑا روگ کوئی اور لاحق ہے۔ اسکی رگوں میں دوڑتا خون ہی اذیت ناک اور سفاکانہ ہے تو شفاء کیسے ملے اس غریبنی کو"

ڈائنگ میز پر کھانے کے برتن لگاتیں عفیفیہ یہ بات کیے نہ صرف خود پشیمان ہوئیں بلکہ اقراء نے بھی کچن کاونٹر سے نکل کر باہر قدم بڑھائے اور متجسس سی عین خانم جاناں کے روبرو کھڑی ہوئی۔

عفیفہ صاحبہ بدستور بے نیازی سے کھانا لگانے میں محو تھیں۔

"کیا اس بار آپکو اس بے سہارہ بچی کے باپ کا علم ہے؟ خانم جاناں بتائیں ناں آپ نے یہ بات کیوں کی؟"

اقراء نے ساری توجہ عفیفہ صاحبہ کی سمت مبذول کیے حسرت سے استفسار کیا تو وہ ناچاہ کر بھی افسردہ ہوئی نگاہ چرا گئیں۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے بچے، امانت سمجھ لو۔ اسکا باپ کون ہے اگر یہ سچ سامنے آگیا تو وہ جو اکھڑے سانس لیے زندوں میں فی الحال شمار ہے، نہیں رہے گی۔ مجھے یقین ہے تم اس چھپی تلخ سچائی کو جاننے کے لیے اصرار نہیں کرو گی۔ سلمان صاحب مجبور تھے یہ سمجھ لو"

اپنی جانب سے وہ اقراء کو ڈھکے چھپے لفظوں میں سمجھا تو گئیں لیکن وہ اس بے قراری کا کیا کرتی جو روز اول سے نور حیات کی ذات میں پروئی ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ یہ سنجیدہ گفتگو مزید بڑھتی، سلمان بابا کے آنے پر وہ دونوں خواتین چہرے پر ڈھیر سی مسکان لے آئیں۔

گرما گرم تکے اور کباب کے ساتھ وہ اقراء کی من پسند شیخ پہلوان کے ہاتھ کی بنی کھیر بھی لائے تھے۔

محبت کا جہاں آنکھوں میں بھرتی وہ سلمان صاحب کے گلے میں لاڈ سے باہیں حائل کرتی ہمیشہ کی طرح اپنی جبین پر انکا بوسہ لیے کھکھلائی۔

اور خانم کا یہ اداس سا گھر اس نور حیات کے لمس سے جنت بن جایا کرتا تھا۔

وہ بہت چھوٹی تھی جب اسکی ماں ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو کر پھیپھڑے ناکارہ ہو جانے پر جان کی بازی ہار گئیں، اقراء کے بابا اسے اور اسکی ماں کو بہت پہلے چھوڑ کر چلے گئے، نہ اس انسان نے مڑ کر خبر لی نہ اقراء تک اسکے باپ کا کوئی سراغ پہنچانے تک اسکی ماں کو مہلت مل سکی۔

عفیفہ اسکی ماں کی بچپن کی سہیلی تھی، اقراء کے بے سہارہ ہو جانے کے بعد سلمان احمد اور عفیفہ خانم نے اسے اپنی بیٹی بنالیا۔

وہ سندر سی سنہری آنکھوں والی منفرد حسن رکھتی اقراء، اقراء نور اپنی قسمت سنہری لکھوا کر نہیں آئی تھی۔

دونوں میاں بیوی نے اس ننھی اداس سی پری کو اپنے پنکھوں میں چھپا لیا لیکن اپنے خسارے یاد کرتی، اپنا بچپن اداس گزار لینے کے بعد اسے ایک اور وبا نے جکڑ لیا۔

عشق لاحاصل کی ایسی وبا جس نے اس سنہری آنکھوں والی بلبل کو سیاہ نشین کر دیا۔

وہ اس سے یونی میں پورے تین رینک آگے تھا، اور اس لمحے ہی مقدر نے ان کے بیچ تین درجے کی یہ دوری ہمہ وقت برقرار رکھی۔

وہ محبت میں تین درجے آگے تھی اور وہ سدا کا مہربان، پہلے ہی تین درجے کسی اور کے عشق کا سر تا پا اسیر نکلا۔

وہ اس شخص کے سائے تک کی تعظیم کرنے والی اقراء نور، اسکی صاف گو مہربان ناں پر نہ تو بکھری، نہ ٹوٹی، نہ ریزہ ہوئی بس خود سے بچھڑ گئی۔

اور خود سے بچھڑنا جانتے ہو کیسا ہے؟

انتہائی دردناک۔۔۔ ہیبت ناک، اذیت ناک۔

دوسری سمت رات کی اول اول ساعتیں اور وہ ابھی سے بے تاب و پر ملال ہر احساس سے عاری لان میں گرتی بارش کی پھوار کے بعد مٹی میں جذب ہوتی نمی خوامخواہ جانچے جا رہا تھا۔

گیلی مٹی سے اسے وہ یاد آگئی تھی۔

جسے مٹی کی ہر بکھری شکل سے اسکا چہرہ بنانا آتا تھا۔

اسکی آنکھیں، ان آنکھوں کی نیلاہٹ۔۔۔ جسکی وہ الفت پرست، پرستار تھی۔

"میرا ہاتھ ایک بار بھی نہیں پکڑیں گے کیا؟"

رات سیاہ نہیں تھی مگر وہاج سکندر کی بصارت کے آگے ٹھہری رات اخیر سیاہ تھی۔

وہ سر کرسی کی پشت سے ٹکیے ماضی میں بیدار ہوا تھا۔

سب کچھ دھندلا تھا مگر اسکی سماعت میں رس گھولتی، دلسوز سی آواز اب بھی بنا ٹوٹے پوری سنائی دی تھی۔

" جس ہاتھ کو پکڑ ہی نہیں سکتا، اسے ایک بار پکڑنے سے بھی وہی ہو گا جو نہ پکڑنے سے ہوتا ہے۔۔۔یعنی کچھ بھی نہیں"

آج اسے اپنے وہ کہے لفظ تھوڑے سے سفاک لگے تھے، اسے آج بھی ان دو سنہری آنکھوں کی ڈوبتی روشنی ازبر تھی۔

"جن ہاتھوں میں شفاء ہو انھیں پکڑنا چاہیے "

وہ کرب ناک ہوئے یونہی ہنسی میں مان سے مشورہ دے بیٹھی تھی، ناجانے پھر اس مشورے پر وہ کتنا روئی ہو گئی۔

"شفاء؟"

اسے آج بھی اپنا آبرو اچکا کر اس نازک طبیب کو گھورنا یاد تھا۔

"یاد نہیں ہو گا آپکو، مگر جب میرے یہاں اول اول دنوں یونی پارٹی کے دن مین پرفارمنس کے وقت آپ کو مائیگرین ہوا تھا، میں نے سر دبایا تھا۔ آپ نے بند آنکھیں کیے ہی کہا تھا کہ ان پوروں میں شفاء ہے۔۔۔یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے طبیب کو نہیں دیکھیں گے۔ آپ نے کہا تھا جو بھی ہے میری آنکھ کھلنے سے پہلے اوجھل ہو جائے۔۔۔میں اوجھل ہوئی اور پھر اب تک اوجھل ہی رہ گئی۔۔۔مجھے لگا تھا یہ گیم ختم ہو گی تو آپ اپنے طبیب کو ڈھونڈ لیں گے"

خود اذیتی کی انتہائیں اس لڑکی پر ختم تھیں، وہ آخری ملاقات تھی جس میں وہ اوجھل ہوئی جھٹ سے وھاج سکندر کے سامنے آئی تھی۔

آج مدت بعد وہ آخری عام سی ملاقات، اسے دکھ سا دے رہی تھی۔

وہ آسمان کی سیاہ حدود کے بہت پار موجود رب سے بس نظر نظر میں ہی ہمکلام تھا۔

اتنے سالوں بعد کا اچانک مگر مختصر سا سامنا، اسے ہلا رہا تھا۔

وہ پھر سے اس لڑکی کی بھولی بسری یاد سوچنے لگا۔

"میں محبت پرست ہوں، اپنا طبیب بس اپنے محبوب کو مان سکتا ہوں۔ پھر بھلے میرا محبوب کند چھری سے ذبح ہی کیوں نہ کر دے۔ دنیا بہت بڑی ہے، مجھ چھوٹے سے نامکمل انسان سے ہٹ کر کچھ اور دریافت کرو جو کم از کم تمہیں سکون تو دے"

اپنے کئی مشوروں میں سے ایک شارٹ لسٹ ہوا تھا، وھاج سکندر کی نیلی سمندر کی ہم جائی آنکھیں اپنے آپ میں ہی ڈوبنے لگی تھیں۔

اس مشورے پر ان سنہری آنکھوں کا غم بڑھنے لگا تھا۔

جب اسکی آنکھیں کمزور ہوتیں تو وہ ہمیشہ مدھم قہقہہ لگائے موسم تک سوگوار کر دیا کرتی تھی۔

"مجھے دیتا ہے سکون فقط یہ۔۔۔۔۔"

وہ اپنے قدموں پر چلتی عین اس مغرور مگر پیارے شخص کے روبرو آئی، اپنے پیروں کو ہمت سونپے زرا ایڑیاں اٹھائیں۔

تب وہ بہت آسانی سے سمندر دیکھ لیا کرتی تھی۔

اپنا نرم مخملی ہاتھ وھاج سکندر کے دل سے جوڑے شاید اس نے اپنی آنکھ کا فخر دبایا تھا، وہ اترائی تھی کیونکہ اس نے وھاج سکندر کی دھڑکن پہلی بار چھوئی۔

بھلے بچھڑتے وقت ہی سہی مگر یہ زیست کا سامان تھا۔

"میرا دل، اس دل کا شیدائی ہے"

وہ پھر سے ہونٹ حرکت دیے بولی تو اسکی ناک میں چمکتی نتھ بھی اترائی۔

پھر وہی وھاج سکندر کے دل پر رکھا ہاتھ جدا کیے اپنے سینے پر ٹھیک دل کے مقام پر رکھے فاتحین کی مانند دیکھا، وہ نظر وھاج سکندر کو آج بھی پورے رشک سمیت ازبر تھی۔

"اور یہ دل آپکا ترجمان ہے، آپ اسکے حاکم ہیں۔ یہاں بنا کسی تکلیف اور تکلف کے آپ تاعمر، میری آخری سانس تک قیام کر سکتے ہیں۔ لیکن"

وہ اک جذب کی کیفیت تھی جس میں وہ کہتے کہتے رک گئی تھی، وہ باریک جھلی سا نازک مگر طویل وقفہ بہت بھاری گزرا تھا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں میری حیات میں وہ لمحہ آئے اے شخص! جب تم مجھے پانے کے لیے کسی درگاہ میں منت کا دھاگہ باندھو، اور دیا جلاو۔ اپنی آخری خواہش بھی اوجھل کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ تاکہ تم تسلی سے محبوب آزمالو۔۔۔۔"

وہ اس روز سب کہہ کر بھی کچھ نہ بولی تھی لیکن اسکی خاموشی کا اعتراف چینخا تھا۔

وہ سب لاشعور میں اٹھتی آوازیں گھونٹتا کسی پکار پر چونکا تو ہاتھ میں پکوڑوں کی پلیٹ پکڑے ہلال ساتھ ہی نہ صرف بیٹھا بلکہ سامنے دیکھتے ہوئے کھانے بھی لگا، وھاج نے مسکرا کر اسکے سر پر بالوں کا بکھراو سمیٹنے کو ہاتھ سہلایا اور اپنی ہر سوچ جھٹک دی۔

"لالہ، آپ کو میں نے بریکنگ نیوز تو دی نہیں یار۔۔۔"

کچھ یاد آنے پر ہلال صاحب اچھلے، اسکی اس پرجوش بجلی کی لہر پر وھاج بھی تھوڑا متجسس ہوا۔

"آہاں۔۔ کیسی بریکنگ نیوز"

وہاج نے سرسری سا مگر مکمل متوجہ ہو کر پوچھا۔

"ارے وہ یوٹیوب کا فیمس چینل نہیں، وائس آف ڈارکنس۔۔۔ نور حیات کا۔۔۔ ارے وہ بقلم خود آج مجھے اور ابدال کو ملیں۔۔۔ اور تو اور ابدال کو اپنے ساتھ کام کی آفر بھی کی۔۔۔ میں نے دیکھا تھا انکا لاسٹ سونگ ہنڈرڈ ملین کراس کیا تھا۔۔۔ میں تو ابھی تک شاکڈ ہوں کہ زندگی میں پہلی بار کسی سیلبرٹی سے مل لیا۔۔۔ بہت ہی پٹاکہ لگیں قسمے مجھے۔۔۔۔۔"

کھانے کے ساتھ ساتھ مکمل ایکسائٹڈ ہوئے وہ وہاج سکندر کو یہ خبر سنانے میں محو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اسے سننے والی لالہ کہ سماعت یکدم سن ہو گئی ہے۔

"ہمم۔۔"

بہت مشکل سے وہ خفیف سی خفگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا، ہلال نے اس بار لالہ کے چہرے پر اتر آتی گریز کی چھاپ بری طرح محسوس کی مگر وہ اس سے پہلے کچھ کہتا، وہاج لمبے لمبے ڈگ بھرتا صحن عبور کیے اندر کی جانب چلا گیا۔

حیرت سے زیادہ ہلال کو پریشانی تھی، کیونکہ لالہ نے کبھی بنا بات مکمل کیے فرار نہیں کیا تھا لیکن آج یہ پہل ہوئی تھی تو ضرور کوئی بڑی بات تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میکائیل رضوی کی وہ آخری کشمکش میں مبتلا کرتی بات عون اب تک سمجھ نہ پایا تھا، وہاں سے سیدھا وہ آفس گیا تھا۔

عناب کے کیس کو لے کر کچھ نئی پیش رفت ہوئیں تھیں ساتھ ہی جہاں داد کو بھی عائش ہمانی کے متعلق کچھ اڑی اڑی خبریں موصول ہوئی تھیں، جن کے مطابق عائش کئی ہفتوں سے نیویارک کے شہر میں موجود تھا۔

"میری یو ایس کے ایک عزیز دوست سے کل ہی بات ہوئی، وہ وہاں کی یونائٹڈ ائیر لائیز میں ہے۔ میں نے اسے بہت دن پہلے ہی خبر دار رہنے کا کہہ دیا تھا۔ مشکوک ذرائع سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ ایک پرائیوٹ جہاز میں ڈینمارک سے امریکہ پہنچا ہے۔ اسکے بعد کہاں گیا اس پر میرے لوگ اپنے تئیں پتا لگوانے کی کوشش میں ہیں"

جہاں داد اسکے بلانے پر آفس ہی آگیا تھا، عون ان ساری خبروں کو غائب دماغی سے سن رہا تھا، اسکے ذہن میں عروج وزوال کے کچھ الگ تانے بن رہے تھے۔

"اسکا مطلب یہ ہے کہ عائش ہمانی کے پیچھے کوئی بہت بڑی طاقت ہے، ورنہ یہ دنیا اتنی چھوٹی اور گول ہے کہ کسی بھی انسان کا پتا لگوانا ناممکن نہیں"

عون کی سوچ بچار اس نقطے پر ٹوٹی تو جہاں داد بھی اسکے اس نقطے پر متفق تھا۔

"کہیں وہ کاشان ہمانی نہ ہو" جہاں داد کا شک آج بھی کاشان کے حوالے سے منہدم نہ ہوا تھا، ابھی تو جہاں داد کے لوگ اس پر اسرار آگ کا پتا لگوانے میں بھی کامیاب نہ ہوئے تھے۔

"کاشان ہمانی کیا کوئی جن بھوت ہے، بیک وقت وہ کیا کیا کر سکتا ہے آخر۔۔۔ مجھے بس یہ پتا کروانا ہے کہ وہ درندہ آخر کیسے کسی کا پناہ گزیں ہوا، اسکی بدنامی تو ساری دنیا میں پھیلی ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ ہوتا حادثہ اور ریپ کیس انٹرنیشنل میڈیا پر آیا ہے، تو کیسے کوئی طاقت اس جیسے بھیریے کی پشت پناہی کر سکتی ہے۔ ضرور یہ بہت بڑی گیم ہے جہاں داد سر، اور بڑے کھیل بہت بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ ہی ملیا میٹ کیے جا سکتے ہیں"

اپنی جگہ تو عون بھی درست تھا، لیکن جہاں داد کے چہرے پر رقم الجھن بہت سی اور کہانیاں سنا رہی تھی۔

"ہمم۔۔ویسے تم نے بتایا نہیں مجھے کہ مہکار یا فارس کی کوئی اطلاع ملی یا نہیں؟ تم اپنے دوست کے غائب ہونے پر اتنے پر سکون کیوں ہو"

کچھ دیر بعد عون کے سنجیدہ تاثرات جانچتے ہوئے جہاں داد کا استفسار عون کو چونکا گیا۔

پہلے طبعیت اور پھر آرام میں حلل کا بہانہ کیے وہ کئی بار جہاں داد کو ٹال چکا تھا مگر آج وہ ہر صورت عون سے یہ معلومات جاننے پر مصر لگا۔

"فارس جہاں بھی ہے ٹھیک ہے، مہکار کی کوئی خبر نہیں۔۔۔ آگ لگا کر بھاگ گئی ہے بد بخت عورت۔۔۔۔ جہنم میں جلے گی ان شاء اللہ"

عون کی ناپسندیدگی اور حقارت فطری تھی، جہاں داد کی کریدتی نظریں سارا وقت عون کو جانچتی ہی رہی تھیں، عناب کی طبعیت کے حوالے سے بھی ڈاکٹر الماس کے پیغامات موصول ہوئے تھے۔

وہ ہر دوسرے دن خود بخاری ولا جا کر عناب کا چیک آپ کیے اب ڈیٹ دیتی تھیں، اس ننھی بچی میں ایک بار پھر زندگی نمودار ہونا شروع تھی اور ان سارے تلخ حالات میں عون کے لیے بس یہی باعث سکھ لمحہ تھا۔

جہاں داد سے رابطے میں رہنے کا کہتا وہ رات تک واپس لوٹ آیا۔

اس کی گاڑی بخاری ولا کے پورچ میں رکی تو باہر نکل کر گاڑی کی چابی ڈرائیور کے سپرد کرتا وہ اپنی الجھنوں کا اک بہت بڑا ذخیرہ ذہن پر لادے اندر بڑھا تو منیہا کو باہر ہی آتا دیکھ کر اپنی غائب دماغی پر افسوس کرتا رہ گیا۔

وہ صبح سے اب تک اس لڑکی کو فراموش کیے اب رات کے پل لوٹ تو آیا لیکن منیہا کی مسکراہٹ کے جواب میں اسکے پاس اس جیسی مسکراہٹ نہ تھی۔

وہ فکر مند سی اسکے پاس ہی چلی آئی، سر تا پا عون بخاری کا جائزہ لیا جو الجھا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"سارا دن میں نے مس ہی کیا آپکو، نہ آپ لنچ پر آئے نہ کال پک کی۔ کیا ہوا ہے عون؟ سب ٹھیک ہے ناں۔ فارس بھائی سے ملنے گئے تھے آپ، بولیں"

دھیمہ فکر مند لہجہ اور نرم انداز اپنائے وہ عون سے اسکی الجھن جاننے کو مخاطب ہوئی مگر وہ کچھ نہ بولا، اسے ساتھ لگائے اندر بڑھا۔

لاونج میں ہی ابدال اپنا لیپ ٹاپ کھولے کسی کام میں منہمک تھا جبکہ ساتھ ہی یوئی کتابیں کھولے بیٹھا تھا، عناب اندر روم میں بابا اور ڈاکٹر الماس کے ساتھ تھی جبکہ فریال بس سبھی کی منتظر ہی تھیں تا کہ کھانا لگوائیں۔

وحید صاحب کسی ارجنٹ کال کو سننے روم میں گئے تھے۔

"تم کدھر تھے لڑکے، سارا دن نظر نہیں آئے۔۔۔ لنچ کر لیا تھا؟۔۔منیہا سارا دن تمہارا ویٹ کرتی رہی۔۔۔"

کچن میں ملازمہ کو کھانا لگانے کی ہدایت کرتیں فریال بھی عون کو آتا دیکھے پوچھتی ہوئی لاونج میں آئیں تو وہ بھی بس خفیف سی اوہوں کر تا منیہا کا ہاتھ چھوڑے صوفے پر دوپڑھا کو واں کے پاس ہی جا بیٹھا۔

منیہا اندر ملازمہ کی ہلیپ کروانے بڑھ گئی، پر وہ عون کی خاموشی اور اداسی سے خود بھی اداس ہو گئی۔

"بس مصروفیت آگئی تھی مما، اور تم دونوں بتاو۔۔۔ بڑی پڑھائیاں ہو رہیں۔۔۔ آج جہاں داد سر سے ملاقات ہوئی تھی میری، بتا رہے تھے عناب اب کافی بہتر ہے۔ ان شاء اللہ جلد تم دو کے ساتھ تیسری پڑھا کو وہی بیٹھی دیکھائی دیا کرے گی"

عون کے ہر بات ٹالنے اور بیزار پن کا اثر اسکی پھیکی مسکراہٹ پر بھی تھا، ابدال اور یو آن دونوں کے دل صدق سے آمین کے ورد میں دھڑکے تھے۔

کل سے ابدال بھی پراپر سکول جوائن کر رہا تھا، عناب کو لے کر اسکی فکریں اور پریشانیاں تو یقیناً دگنی ہو چکی تھیں لیکن اپنے چند ادھورے خوابوں کی تکمیل کے لیے اسے بھی اب پڑھائی کرنی تھی۔

اتنا با اختیار ہونا تھا تاکہ وہ عناب کی زندگی میں دنیا جہان کی ہر تسکین اور خوشی درج کر سکے۔

"ان شاء اللہ، آپ کہاں گئے تھے بڈی؟ بابا کی کوئی خبر ملی"

بھلے وہ بچہ کئی دن سے عناب کے ساتھ رہ کر اپنے ہر سکھ کو بھول چکا تھا مگر دل سے وہ مہکار اور فارس دونوں کو بہت مس بھی کرتا تھا۔

یو آن کے سوال پر سب ہی عون کی جانب تکنے لگے جو کوئی مناسب سا جواب ڈھونڈنے میں منہمک تھا، پیار سے اسکے بال سہلائے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"ہمم۔ ٹھیک ہیں تمہارے بابا۔ مل کر آیا ہوں۔ تھوڑا بزی تھا تبھی تم سے ملنے نہیں آسکا، لیکن کہہ رہا کہ تمہیں بہت مس کر رہا ہے۔ جلدی ملوانے جاوں گا تمہیں"

یہ پہلا مکمل، جامع، مدلل جواب تھا جو عون نے پورے دل سے دیا، یوئی کی چمکتی آنکھیں اس نوعید پر ستارے ہوئیں۔

لیکن اس بچے کی آزردہ قسمت پر ابدال اور فریال صاحبہ ایک سے افسردہ تھے۔

"آئی آلسو مس ہیم، ا۔۔۔اور ممی؟"

پہلا جملہ مسکراتے ہوئے ادا کرتا دوسرے پر وہ عون کے کان کی اور جھکا، تڑپتی ہوئی اسکی آواز سے یہ سوال سننا عون کے دل کو راکھ کر گیا۔

لیکن وہ اس جرم پر اس ننھے بچے پر چینخ نہ سکتا تھا، کیونکہ وہ جیسی بھی تھی اسکی ماں تھی۔

"وہ اپنی پنیشمنٹ پوری کر رہی ہیں مزے سے، یو ڈونٹ وری آباوٹ ہر"

عون نے اپنی نفرت پر ہر ممکنہ قابو پائے اس بچے کی تسلی کروائی لیکن وہ یوئی کی مضطرب آنکھیں باآسانی دیکھ چکا تھا۔

"پنیشمنٹ میں مزہ نہیں ہوتا بڈی، پین ہوتا ہے۔۔۔ ممی پین میں ہیں، مجھے روز خواب میں آکر گلے لگاتی ہیں، اور روتی رہتی ہیں۔۔۔ کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مجھے انکے وہ والے خواب نہ آئیں"

عون اسے اٹھا کر گود میں بیٹھائے اسکی مدھم مدھم آواز بمشکل سنتا اسکے لاجواب کر دیتے سوال پر اس بار بھی رنجیدہ ہوا۔

ایک طرف اس بے حس عورت کے باعث خوامخواہ کے احساس جرم میں جلتا فارس شاہ اور ایک طرف پاکیزہ دل رکھنے والا احساس سا یو آن شاہ جسے درد تو بہت تھے لیکن وہ اکا دکا تکلیفیں بس بڈی سے شئیر کرتا تھا۔

"اگر خواب نہ آئے تو تم ممی کو کیسے دیکھ پاو گے؟"

اس بار عون اسکا من بہلانے کو خود پوچھ رہا تھا، یوئی کے چہرے پر اداسی اور تھکن اس کم عمری میں بھی اخیر تفشیشناک طرح کی تھی۔

"پنیشمنٹ کے بعد جب وہ واپس میرے پاس آجائیں گی پھر، مجھے انکی خوشبو سے ہی اچھی نیند آتی ہے ورنہ تو میں ان دو سے دور سو تک نہیں پاتا تھا۔ انکی وہ شال جو بابا نے خود پہن کر ایک بار سوتے میں انکو پہنائی تھی، ممی کے پھینک دینے کے بعد تک سے میرے پاس ہے، اس میں ممی بابا دونوں کی خوشبو ہے۔۔۔۔ میں ملوں گا ناں ان دونوں سے؟"

اسکی زرا زرا بلکتی پھول جاتی سانس، آنکھوں میں جمع ہوتی تکلیف عون بخاری سے دیکھنی محال تھی۔

اس بار اسکے یہ سوہان روح لفظ ابدال کو بھی کام روک دینے پر مجبور کر گئے۔

"تم ضرور ملو گے، ادھر آو۔۔۔۔بہادر ہو تم، میرے لیے میری عناب جیسے، آج کے بعد سے تم یا تو فریال مما کے ساتھ سونا یا میرے ساتھ۔۔۔۔اکیلے سونے کی ضرورت نہیں، سب اچھا ہو جائے گا چیمپین، یقین رکھو۔۔۔اداس اچھے نہیں لگتے، تم میری گڈی کی خوشی ہو، اسکے واحد دوست ہو۔ آج سے تم دونوں ہی میرے دل کا حصہ ہو"

عون کو لاجواب پائے خود ابدال، اٹھا اور عون کی گود میں بیٹھے یوئی کو نہ صرف اٹھایا بلکہ گلاس میز پر کھڑا کیے اسکا تکلیف دہ چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرے ہقین دلایا، ابدال مصطفی کی یہ شفیق محبت ہر فرد نے رشک سے دیکھی۔

خود عون کی آنکھیں نم سی ہوئیں۔

لیکن ہر ایک کو افسردہ کر دینے والا یوئی، جھٹ سے ابدال کے گلے جا لگا۔

اتنے خاص نفس کی محبت، ایک خاص بچے کو ملی تھی، حقیقت تو یہ تھی کہ ابدال کو اپنے درد، یوئی کے الم و رنج سے بہت کم محسوس ہوئے۔

دوسری جانب روم میں اضطرب اور بے چینی کے سنگ ٹہل کر کسی کال پر مصروف سے وحید بخاری، مشتعل ہوئے، انکا بس نہ چلا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا فون دیوار سے دے مارتے۔

"خدا غارت کرے اسے جس نے بھی یہ کیا، برباد ہو گئی ہم سب کی سالوں کی محنت۔۔۔۔"

انکے لاکر سے غائب ہوتی پائزن کے خلاف ہر فائل، پورے میڈیا ہاوس کو ہلا کر رکھ گئی۔

یہ خبر خود وحید بخاری کے پیروں تلے زمین سر کا گئی۔

"سروہ انٹرنیٹ آپریٹر ہی آیا تھا، کسی کو اس پر شک بھی نہیں ہوا۔ ضرور آفس کا کوئی ورکر تو اس ہیکر کے ساتھ ملا تھا۔ ہم نے چھان بین کروائی ہے لیکن نہ تو سٹاف میمبرز کے خلاف کوئی ثبوت ملا نہ اس مشکوک ہیکر نے کوئی سراغ چھوڑا۔ وہاں کسی فنگر پرنٹ کا نہ ملنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کام کسی پروفیشنل ہیکر کا ہے۔۔۔ پائزن ایک بار پھر ہماری گرفت سے نکل گیا"

مقابل سے سنائی دیتے یہ لفظ گویا ان کے اعصاب پر برق کی مانند گرے، انھیں اس وقت اس دنیا کی سب سے بے بس ذات اپنی لگی۔

کال کاٹتے وہ ہانپتا ہوا سانس کھسیٹتے فوری وفا کا نمبر ملا رہے تھے۔

کاشان ہمانی ان کو ایک بار پھر چاروشانے چت کیسے کر گیا تھا، وفا کی زندگی اور اسکی سلامتی کے لیے اب انھیں کاشان ہمانی کی خود جان لینی ضروری لگی۔

وفا اس من چلے سفاک کے ساتھ اپنی خواہشیں پوری کر رہی تھی، وہ اسے اس شام سے رات کے بیچ زندگی، خوشی اور سکھ کا ہر رنگ دکھا رہا تھا۔

کاشان کے اس وقت اوجھل ہونے پر وہ بھائی کی کال تو پک نہ کر سکی البتہ میسج کا جواب ضرور دیا۔

وہ اس وقت کاشان کے ساتھ ڈنر کے لیے آئی تھی اور رات کا پلین مزید گھومنے کا تھا اور یہی وہ بھائی کو بتا چکی تھی۔

وہ اپنے کمرے سے اپنی جیکٹ، فون اور گاڑی کی چابی لیے بپھری موج بنے باہر نکلے، لاونج میں آکر لمحے کو رکے اور اپنی اچانک آجاتی مصروفیت کا سپاٹ لہجے میں بتاتے بنا فریال صاحبہ کے روکتے رہنے کی پرواہ کیے بخاری ولا سے گاڑی لے کر نکل گئے۔

انکی اس اجلت اور بھونچال زدہ طبعیت سے واقع تھا کہ آج وہ کوئی حتمی فیصلہ لینے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الماس بہت پیار اور توجہ سے عناب کی ہر طرح کی ہیلتھ کا خیال رکھنے میں اپنا بہت سا وقت لگاتی رہی تھیں، اور انھیں عناب کے مسکراتے چہرے سے اپنی محنت کے ثمر آور ہونے کا یقین ہونے لگا تھا۔

"اب تو یہ شرارتیں بھی کرنے لگی ہے، کل میری دی میڈیسن چھپا دی تھی اور بولی کہ کھالی ہے"

اسکے پاس ہی کھڑے، انس اور پیار سے بھرے نہال، الماس کو اس پدی کی یہ نئی شرارت بتاتے خود بھی مسکرائے اور ہمیشہ نمی رکھتی عناب کی ہری آنکھیں بھی جی سی اٹھیں۔

" تھالی تی بابا دانی، پوری اندل نی دئی تی تو باتی تھولی تھپا دی۔۔۔ (کھالی تھی بابا جانی، پوری اندر نہیں گئی تھی تو باقی تھوڑی چھپا دی)"

فوری اپنے حق میں آواز بلند کرتی وہ ساتھ ہی نہال کے ماتھے پر جھک کر بوسہ دینے پر انکے سینے میں سمٹ گئی، خود الماس کو اس ننھی پری پر بے شمار پیار آیا۔

"نو و عناب جانیہ، آپکو ساری کی ساری فنش کرنی ہے تبھی تو آپ اپنے پیروں پر چل سکو گی۔ ویسے بھی آپ تو سب سے سٹرونگ گرل ہو جس کے پاس اپنے پیروں پر چلنے کے لیے کئی ریزنز ہیں۔۔۔"

الماس کی توجہ اور اس نرم ہدایت پر وہ پوری دلجمعی سے سر ہلائے اسکی بات ماننے کا عہد لے رہی تھی، اور نہال بخاری کا اب زیادہ تر وقت تو گزرتا ہی عناب کے ساتھ تھا۔

"الحمد اللہ وہ بہت جلدی ریکور کر رہی ہے، اور اسکی بڑی وجہ اسکے پاس اسکے بابا کا لوٹ آنا ہے۔ ایک باپ کا سایہ اسکی بیٹی کے لیے اس دنیا کا سب سے مضبوط سہارہ ہوتا ہے، آپ سب کا پیار اور توجہ اس بچی پر ٹوٹی قیامت کا مرہم بنے گا"

وہ انھیں چھوڑنے روم کے باہر آئے تو الماس نے انھیں عناب کی بہتری کی خبر سنائے مزید باہمت کیا تھا، جہاں انکی ابدال کو منانے کی کوشش ناکام ہوتی تھی وہیں عناب سے جڑا معاملہ ہمت بندھا جاتا۔

"ان شاء اللہ، بس وہ عام بچوں کی طرح کھل کر جیے، اسکے سارے درد ختم ہو جائیں۔ میرا بس چلے تو میں اپنی بیکار زندگی اس معصوم پر وار دوں۔ اب اسے کم از کم بابا کے پیار کی کمی نہیں ہو گی۔ تھینک یو سو چ، میری پری کو آپ نے طبیب سے زیادہ ماں کی طرح ٹریٹ کیا۔ اسکی طبیعت کی بہتری کا بڑا کریڈٹ آپکو جاتا ہے"

نہال بخاری کے لفظ لفظ میں اپنی بچی کی محبت کا دریا ٹھاٹیں مار رہا تھا اور جس طرح وہ ڈاکٹر الماس کے پیار اور توجہ کے معترف ہوئے شکر گزار تھے وہ تو انھیں بھی شرمندہ سا کر گیا۔

بھلا اب انکے لیے عناب سگی بیٹی سے کم تھوڑا تھی۔

انکی اور جہاں داد کی زندگی میں جو خلاء تھا وہ عناب کے نام سے تھوڑا سہی پر پر ہوا تھا۔

اور ایسے لاتعداد مسلے ہوئے بچے جن کی حفاظت اور کفالت وہ دونوں کرتے تھے۔

اپنائیت تو ایک نیک عمل ہے، اسکی بھی نامہ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی ہوں گی۔

"یہ میرا اولین فرض ہے نہال بھائی، میں اسکے لیے ہمیشہ اویلیبل ہوں۔ زندگی چاہے کتنی بھی مصروف ہو جائے، میری توجہ عناب کے لیے ہمیشہ حاضر رہے گی۔ آج بھی اور اس دن بھی جب وہ اپنے مجرم کی سزا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی"

الماس خود حد درجہ اس سے اٹیچ ہو چکی تھیں، اور انکی آخری بات نہال بخاری کا زخم ہرا کر گئی جسے وہ خاموشی سے ضبط کر گئے۔

"اب چلتی ہوں"

وہ جانے لگیں تو نہال نے روکا۔

"کھانے کا وقت ہے الماس، ڈنر کریں ہمارے ساتھ خوشی ہو گی"

نہال بخاری صاحب کی پیشکش تو بہترین تھی مگر وہ رات کا کھانا کچھ بھی ہو جائے صرف جہاں دادا ہی کے ساتھ کھاتی تھیں۔

"ضرور کرتی اگر صاحب جان سے وعدہ نہ ہوتا، ایک ڈنر ہی ساتھ کرنے کا موقع ملتا ہے ہم بڑی ترین مخلوق کو۔ ایسا نہ ہو انسپیکٹر صاحب بیگم کے پہلی بار وعدہ توڑنے پر خفا ہو جائیں۔۔۔"

شریر سی مسکراہٹ کے سنگ ٹالتی ہوئیں وہ بہت خوبصورتی سے کہے نہال کے اجازت دینے پر چلی گئیں اور وہ بھی واپس روم میں آئے تو ہرنی جیسی آنکھوں والی معصوم پری انکے آنے پر خود کو مزید ٹھیک ظاہر کیے مسکائی۔

نہال اسکے پاس بیٹھے اور سینے سے لگائے پہلے تو ڈھیر سا پیار کیا پھر پر اسرار سی چپ میں لپٹے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہی عناب کے دونوں روئی سے نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے کچھ کہنے کو بے قرار ہوئے۔

عناب بھی بھانپ چکی تھی کہ بابا کچھ اہم کہنے لگے ہیں، تبھی توجہ سے دم سادھ گئی۔

"ایک فیور چاہیے بابا کو، دو گی؟"

دوستانہ لہجے میں وہ سادہ سی درخواست کرتے بولے جس پر عناب نے فوری اثبات میں سر ہلایا۔

" بھیو سے میری سفارش کر دو، اسے کہو کہ بابا کو معاف کر دے۔ وہ تمہاری بات کبھی نہیں ٹالے گا، اسے کہو کہ بابا اسے گلے لگانا چاہتے ہیں۔ اسے بتانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے ہیں"

اس ننھی پری کے یکدم اداس ہوتے چہرے کو ہاتھوں میں بھرے وہ جس طرح تڑپے، یہ سسکتی التجاء عناب کو بری طرح متاثر کر گئی۔

وہ خود بھی تو بابا کی آغوش کے لیے ترسی تھی، کہ بابا اسے کیوں منیہا دیدو کی طرح پیار نہیں دیتے، کیوں بھیو کو گلے نہیں لگاتے۔

نہال بخاری کی بھر آتی سرخ آنکھوں سے بہتی نمی اس گڑیا نے اپنے نازک ہاتھوں کو بڑھائے، انگلیوں کی پوروں سے جذب کیے۔

اسکا خدشوں اور خوفوں میں بلکتا دل بابا کے دکھ پر سینے میں ہی مچل اٹھا۔

" تہوں دی، پیال تلیں دے آپ شے بھیو۔ لوئیں نی بابا دانی۔۔۔۔ (کہوں گی، پیار کریں گے آپ سے بھیو، روئیں نہیں بابا جانی)"

اور وہ تو بابا کے آنسو دیکھ کر ہی بلک اٹھی، یوں لگا اس پانچ ساڑھے پانچ سالہ عناب کی آنکھیں، نہال بخاری کی اندرون تکلیف کا احساس کیسے بھر آئی ہوں۔

اس گھٹی، لرزتی آواز والی، اکھڑی سانس والی امید بھی نہال بخاری کا اثاثہ تھی، وہ عناب کو اس جواب میں بے تابی سے اپنے سینے میں بھینچ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس ساتھ کا اثر انگیز سحر اور خواہشوں کی تکمیل کا سہانا سفر ان دونوں کی ذات پر چھائے جمود کو اپنے آپ میں جذب کر چکا تھا۔

اب ہنسی، مسکراہٹ، نگاہوں کی شر انگیزیوں اور چاہت کے استحقاق آمیز لمس کی بہتات تھی، ان دو کو ایک لمحے یہی محسوس ہوا کہ وہ ہر الجھن اور شرط سے آزاد ہو جاتے دو بنجارے ہیں۔

راستے ان کی کھلکھلاتی ہنسی سے بھیگ گئے تھے۔

سڑک پر لگے چھوٹے چھوٹے پودوں کو اکھاڑتے ہوئے، ایک دوسرے پر بھبول پھولوں کی پنکھ نما پتیاں اچھالتے ہوئے، گمنام اور کچی بستیوں میں گھس کر کسی انجان کچے مکان کا مہمان بننے کا سفر۔

انکی جانب سے دیسی گھی میں بنے حلوہ جات جو موسم بہار کے اس سہانے موسم کی سوغات تھے، پیش کیے جانے کی رسم۔

اسی بستی کے ایک گھر کی دو سوتنوں کی میٹھی میٹھی محبت دیکھنے کا سفر ہو یا انکے ایک ایک بچے کی سائیکل لے کر ان پر سواری کرنے والا اخیر بچپنا۔

گر جانے کے خوف سے وہ اپنی سائیکل چھوڑے، اس کے ساتھ سیدھی کچی سڑک پر کتنی ہی دیر ٹھنڈی ہوا میں شامل نم نم قطروں کی بوچھاڑ محسوس کرتی رہی۔

دور پہاڑوں کی افق زاد حدیں تکتے ہوئے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک نا ختم ہونے والی مسافت چن کر، انہی سڑک کے کناروں پر آباد چائے کے ہوٹلوں سے گرم گرم چائے کی لگاتار تین پیالیاں شرطیہ پیتے ہوئے، تھکن، تکلیف اور جدائی کے ہر خدشے کو خیر آباد کہے وہ دو فقط من چلے ہم نوا تھے۔

انھیں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے یہ آخری سکھ سلیبریٹ کرتے ہوئے خوشی ہو رہی تھی، یہ دنیا اک جنت نظیر وادی کی صورت اختیار کیے انھیں اپنے ہر ہر حسن میں غرقاب کر رہی تھی۔

بنا لڑے، بنا جھگڑا کیے، بنا ایک دوسرے کو دکھ دیے جدائی کی رسم نبھائی جانے کو تھی۔

"سوائے لمس کے

مَیں دُنیا کے ہر جذبے کی خالص شکل میں تم کو ملوں گا"

ڈھونڈنا....

(تعویز مت کرنا مجھے اپنے گلے کا)

اب ہمارے بیچ چُھو لینے کی آسانی نہیں رہے گی"

وہ اسے دیکھتا، پلک جھپکنا بھول گیا تھا، وہ لڑکی اپنی خواہشوں کی تکمیل کے بعد اپنے سنورے روپ میں لوٹ آئی، اسے کہانیاں سناتے وفا کے ہونٹ فیسنیٹ کر رہے تھے، اسکے مسکرانے پر کھلکھلاتی آنکھیں دیوانہ کر رہی تھیں۔

دست بدست، دائیں بائیں درختوں کی سر سبز بھیگی خوش نما قطاروں کے درمیان، صاف ستھری نم ہوئی ہوئی سڑک پر بنا رکے چلتے چلتے شام سے اب رات ڈھل آئی تھی، بارش تھم چکی تھی، فضا کا ہر زرہ کثافتوں کی گرد سے پاک ہوئے نتھر چکا تھا۔

ڈنر کے بعد سے وہ اس سے اب تک کئی شبد کئی قصے کہہ بیٹھی، اسکے ہر مو سے نکھار کے ساتھ ساتھ شوخی جھلک رہی تھی۔ کاشان ہمانی کے ادھار لیے دن کی دلکشی میں کمی ہو رہی تھی، وفا نے اپنی زندگی کی سب سے دلسوز شام اور پھر چمکدار رات دریافت کی تھی۔

ڈنر ہلکا پھلکا کیے وہ زندگی دریافت کرنے نکل چکے تھے۔

وسیع آسمان تکنے، ٹھنڈی موسم بہار کی پر لطف رات کھوجنے، ارد گرد زندگی اپنے مدار میں گردش کر رہی تھی لیکن پھر یکدم دو بچھڑنے والوں کے راستے رک گئے۔

اسلام علیکم!
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو
آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔
اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو
ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

اس نے بس نظریں اٹھا کر اس شخص کی مخمور آنکھوں میں دیکھا، یوں لگا سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکن بڑھ گئی ہو۔
اور پھر اپنے ریشمی ہاتھ کو اس کی جلتی ہتھیلی کے سپرد کیا۔

یوں لگا مُدتوں سے جمی برف کی ایک دبیز تہہ حدتِ لمس سے یک بہ یک پگھل گئی ہو۔

اسکے ہونٹ، سانسوں کی حدت سے دہکے تھے، گردش وقت کی سانسیں تک تھمنے لگیں۔

ان دونوں کی صاف شفاف آنکھوں میں اک درد اٹھا تھا، یوں لگا جیسے کسی دہک اٹھتی آتش کی تپش، جسم میں اترے روح تک جذب ہو گئی ہو۔

"میں ابھی تک حیران ہوں، کیسے تم جیسے ٹیڑے میڑے کو اخیر چاہ بیٹھی، حالانکہ تمہیں الگ ہونے کا بہانہ تو ہر لمحہ درکار رہتا۔۔۔ خیر اس روشن رات کو اندھیر مت کر دینا، تمہارے چہرے کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے تم درد دیتی ہوئی کوئی بات کہنے والے ہو"

اب وہ اسکے ساتھ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی، کاشان ہمانی کے چہرے کو پڑھتے ہوئے اسے اپنی طرز کا پچھاڑ کر ہی تو رکھ گئی تھی۔

کسی کے لیے جان لیوا حد تک پیارا ہونا بھی بہت بڑی دقت ہے، کمبخت وہ تو ہمارے سات پردوں میں چھپے دکھ بھی بے آبرو کر دیتا ہے۔

"میں ایسا کچھ نہیں کہہ رہا، میرا منہ ہے ہی ایسا"

خفیف سی منصوعی ناراضگی سے کہتا وہ سامنے سیدھی سڑک پر روشنیوں کے ہیولے تکتا اسے بظاہر نظر انداز کر گیا تھا لیکن وفا کو اسکی بات پر ہنسی سی آئی۔

"آں ہاں، منہ تو بہت پیارا ہے۔۔ بس تمہارے دماغ کا سکریو ڈھیلا ہے۔ کوئی نہیں، میں ٹائیٹ کر دوں گی۔۔۔ ویسے آج زویا کہیں گی کہ ہم تو انھیں بھول ہی گئے۔ آئی تھنک اب واپس چلنا چاہیے۔ بہت آوارہ گردی کر لی آج"

صبح سے اب تک کاشان ہمانی کے ساتھ اتنے سارے سکھ دکھ بانٹ کر، نئے یادگار لمحے دریافت کرنے کے بعد وہ خود بھی تھک گئی تھی۔

زویا کے ذکر پر کاشان بھی لمحہ بھر سنجیدہ ترین ہوا، یہ پہلی بار تھا کہ وہ زویا کے کمزور پڑتے وقت اسکے پاس نہ تھا، اگر کاشان کے اندازے واقعی درست تھے تو یقیناً اسکی وہ پاگل سی سہیلی اس کے کندھے پر سر رکھے رونا چاہتی ہو گی۔

اور کندھا نہ ملنے پر اس پگلی کا کیا بھروسہ، آنسو گھوٹ کر اپنی جان پر ستم ڈھانے کا شغل فرما رہی ہوتی۔

یہ خیال اسے وفا کی تجویز ماننے پر آمادہ کر رہا تھا اور وہ دونوں کچھ فاصلے پر ہی کھڑی گاڑی کی سمت گامزن ہوئے۔

درختوں کی لمبی قطاروں کے بیچ و بیچ چلتے ہوئے ہنس کا وہ جوڑا، یکلخت ہی کسی متلاشی نگاہ کا مرکز بنا۔

وہ اسکی تلاش کرتی ہوئی اسکے بہت قریب آگئی تھی، سرخ دہکتی آنکھوں والی، جن کے گوشے سکھ سے پہلی بار متعارف ہونے میں بارہا نم ہوئے تھے، لیکن وہ اسے جاتا دیکھ کر مایوس تھی۔

"تمہیں تو میرے پاس آنا تھا، میری جانب چلنا تھا۔ تبھی تو تم اس راہ کے پتھر سے ملتے، لیکن تم نے تو پہلی جھلک سے پہلے ہی مسافت موڑ لی"

وہ درخت کے ساتھ لگی، چھپ کر کاشان اور وفا کو تکتی آزردہ ہوئی، اس لڑکی کو ایزل مہران کے دل نے دنیا کی خوش نصیب عورت قرار دیے جھولی بھر کر دعائیں دیں جو کاشان ہمانی کے ہاتھ کو تھامے اس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی چل رہی تھی۔

"مجھے ایسے لگتا ہے کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے"

کاشان ہمانی کی چھٹی حس انتہائی برق رفتار تھی، اپنے لیے بہتے آنسو بنا دیکھے محسوس کر لینے والا وہ شخص کیسے اپنے قریب چلی آتی ایزل مہران کی آہیں محسوس نہ کرتا۔

وفا اسکے پیچھے مڑ کر خالی سنسان راستے کو تکنے پر خود بھی رکی اور پیچھے دیکھا۔

ایزل درخت کی اوٹ میں چھپ چکی تھی۔

"کوئی چڑیل ہو گی، جو تم پر عاشق ہو گئی ہے"

وفا کو اس وقت بھی شرارت ہی سوجھی، حالانکہ کاشان ہمانی کے چہرے پر شدید اضطراب ابھر چکا تھا۔

"مجھ سے جن بھوت پناہ مانگتے ہیں، اسکی گرانٹی لے لو۔۔۔ میرا وہم ہو گا"

وہ الجھن آمیز انداز میں بنا مسکرائے سنجیدہ ہی بولا، لیکن سماعت پیچھے ہی لگی تھی۔

"تمام ابتداؤں کا ماخذ اندھیرا ہے، آج یہی اندھیرا تمہاری بھی ابتدا بنے گا۔۔۔"

وہ پھر سے زرا سی باہر آئے اوٹ سے ان دو کو جاتا دیکھتی حسرت اور امید کی ملی جلی کیفیت کے سنگ بولی۔

ایک بار پھر کاشان ہمانی نے گردن موڑی، اور اس بار کسی سیاہ ہیولے کا درخت کی اوٹ میں چھپنا اسکی عقابی آنکھوں سے بچ نہ سکا۔

لیکن وہ یوں ظاہر کرتا رخ موڑ گیا جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

سڑک کی دوسری جانب سے آتی کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹ عین ان دو کے چہرے پر پڑے آنکھیں چندھیا گئی اور پھر وہ گاڑی عین کاشان ہمانی کی گاڑی کے ساتھ آ کر رک چکی تھی۔

وفا اور کاشان حیرت زدہ سے سامنے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آتے وحید بخاری کو دیکھ رہے تھے جن کے ہاتھ میں گن تھی۔

وفا کے دل کو پنکھے سے لگے، گویا دماغ نے یہ بتایا تھا جیسے کچھ بہت برا ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریکی کے گہرے ہوتے سائے اور ہانگ کانگ کی مین برانچ میں ملگجی روشنی میں ڈوبے آفس روم میں لگ بھگ سات سوٹڈ آدمی براجمان تھے۔

ان سب کے بیچ یقیناً کوئی گہرا تعلق تھا اور وہ معاملہ بھی خاصا تشویشناک تھا جو اس وقت ان پر اسرار لوگوں کے بیچ زیر بحث تھا۔

" ہمارا مشن کمپلیٹ ہو چکا ہے، آخری وقت پر وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے سے بچ گیا۔ شاید اسکی قسمت بہت اچھی ہے، اسی لیے اسکی پچھلی تمام کارگردگی کو مد نظر رکھتے ہوئے وقت آگیا ہے کہ اس سے اسکی پچھلی ذمہ داری لے کر نئی سونپی جائے "

یہ سب سے بڑا ہیڈ تھا جسکی رعب دار آواز اور دبدبا ان باقی چھ آدمیوں پر حاوی تھا۔

تمام ارکان ہیڈ کی اس تجویز پر ایک ساتھ متفقانہ طرز سے سر ہلا رہے تھے۔

" بلکل، اسکی نئی ذمہ داری کیا ہو گی۔۔۔ اسکا نیا نام کیا ہو گا سر؟ "

ان باقی چھ مودب ہو کر بیٹھے آدمیوں میں سے ایک نے سوال بلند کیا، ظاہر ہے انھیں اخیر تجسس نے گھیرے رکھا تھا۔

"ایگل کنگ، اب وہ اس ایگل فورس کا مین انچارج ہو گا۔ اور اب اسکی ذمہ داری چھپ کر رہنے سے نہیں بلکے منظر عام پر آنے سے پوری ہو گی۔ اس شخص کو مزید خود پر نقاب چڑھانے کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ اب وہ اپنے اصل نام کے ساتھ ہی ابھرے گا۔ سیٹھ کاشان ہمانی بن کر۔

اختیار، خود اعتمادی اور کامیابی کا دوسرا نام اب سے سیٹھ کاشان ہمانی ہو گا"

ہیڈ کے اس جوشیلے انکشاف پر وہ چھ افراد پہلے تو سکتے میں آئے اور پھر ان سب کی آنکھوں میں پنپتے سوالوں کے جواب دینے کے لیے ہیڈ نے کسی نمبر سے آتی کال ریسیو کیے ان سب کو خاموش رہنے کا کہا۔

"ہمم۔۔۔

سہی۔۔۔۔

ویل ڈن مائی چیمپئین۔۔۔۔۔۔ تم نے واقع ثابت کر دیا کہ تم اس کے سچے جانباز اور وفادار ساتھی ہو باسط۔ اب زرا اس جوشیلے صحافی وحید کو بھی رکواو جو اپنی حدیں بھولنے کی کوشش کرنے لگا ہے۔ اس تک سچ پہلی فرصت میں ارسال کرواو اور ہمارے شیر کو اطلاع بھیجو کہ پہلی فلائیٹ پکڑ کر یہاں پہنچے"

لہجے میں خوشی اور سکون بھرے وہ باسط کو چند اہم ہدایات سونپ کر کال کاٹ گئے، فون سامنے میز پر دھرا اور ان باقی لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے۔

"پائزن کا باب ختم ہوا اور ایسا ہی ختم ہوا جیسا ہم چاہتے تھے، اس ذہین، فطین اور شاطر منصوبہ ساز شخص نے ہماری امیدیں کبھی نہیں توڑیں اور وہ ہمیں اس پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کے لیے ہر قیمت پر درکار ہے، اسکی عقل اور دوراندیشی ہماری طاقت ہے۔ ورنہ اس شخص کی زندگی، میرے نزدیک ایک جلے ہوئے سگریٹ سے زیادہ کی نہیں۔۔۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔۔۔"

اس بار اس شخص کے لہجے میں سفاکیت تھی، وہ سب ایک ساتھ بے ڈھنگے قہقہوں میں لپٹ چکے تھے، یہ جانے بنا کہ انکے پورے معافیہ کی قیمت، کاشان ہمانی کے سامنے راکھ جتنی بھی نہیں تھی۔

پلین کیا تھا؟

بہت بڑا کھیل تھا۔

جہاں داد کے علاوہ شہر کے کے کئی تھانوں کی پولیس شام سے ہی ایک جھوٹی افواء پر متحرک کروائی گئی تھی، پائزن کون تھا یہ خبر کھل چکی تھی۔

وہ ایک غیر معروف، پسماندہ سے گاوں میں سب سے چھپنے کو پہلوانی اور زمین داری کرتا خونخوار جانا مانا پہلوان فردوس ملنگی تھا۔

اسکے گھر میں بنا تہہ خانہ رات تک پولیس والوں نے چھان مارا، وہ سارے ثبوت جو ایزل نے جلائے تھے، یہ ویسے تو تھے مگر ان میں درج نام فردوس ملنگی کا تھا، اسکے دستخط، انٹرنیشنل سطح پر کئی طرح کے معافیہ سے اسکا گٹھ جوڑ تک ثابت ہو چکا تھا، کئی طرح کی خفیہ ایجنسیوں سے اسکے روابط اور کئی طرح کے غیر ملکی دہشت گردوں سے ثالثی کے معاہدے، یہاں تک کہ ایک اعتراف نامہ، پائزن بننے کا جاری کردہ سرٹیفکیٹ لیکن ان تمام معلومات میں کہیں بھی کسی ایجنسی کا نام درست درج نہیں تھا بلکہ بہت مہارت سے وہ ازخود من گھڑت معلومات تھی جو صرف دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے تھی۔

اس پورے گاوں میں رات کے وقت کہرام مچ چکا تھا، کئی پولیس کی گاڑیاں، بڑے بڑے افسران، قانون دان، ایم این اے، بڑے بڑے منسٹر دیکھتے ہی دیکھتے اس اچانک سج جاتے تماشے کے تماش بین بن گئے۔

وہ ہیبت ناک فردوس ملنگی شکل سے ہی خوفزدہ کر دیتی بلا تھا، اسکی آنکھوں میں لہو ٹپکاتی وحشت تھی۔

اسکا بھاری بھر کم جسم، فولاد جیسا سخت تھا، وہ گرفتار ہونے پر بے ڈھنگے قہقہے لگاتا خود کو پائزن کہے، اپنے جرائم کا اعتراف کرتا کوئی بپھرا جانور لگ رہا تھا، پورے گاوں کے لوگ اسکو دیکھ کر تھر تھر کانپ رہے تھے کہ اتنا بڑا مجرم ان کے بیچ نا جانے کب سے آ کر چھپا تھا۔

پولیس کے لوگ اسے بیڑیوں اور کئی ہتھکریوں میں جکڑ کر گرفتار کر چکے تھی، پائزن نامی عفریب دیکھتے ہی دیکھتے آج بے نقاب ہو گیا تھا۔

اور پھر جلد ہی اس ہولناک قیامت کو اپروچ کرتا میڈیا بھی اپنے اپنے چینلز پر بریکنگ نیوز کے لیبل چپکانے لگ چکا تھا۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھنے کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے بتایا انکو؟"

کاشان کا جلاتی، لتاڑتی نظروں کے سنگ برہمی سے استفسار آیا جس پر خود وفا بھائی کے یوں غصے اور اشتعال میں مبتلا انکی جانب بڑھنے پر خوفزدہ سی نفی میں سر ہلائے گھبرائی۔

"بھیا آپ یہاں؟"

وفا انکے قریب آنے پر قدم بڑھائے ہراساں سی انکے تیور تکتی رندھی آواز کے سنگ پوچھنے کو بولی جو کاشان ہمانی کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتے تھے۔

آج اپنی ساری ناکامیوں کی بھڑاس اور وحشت اپنے اندر سے نوچ کر وہ کسی زہریلے تیر کی مانند کاشان ہمانی کے سینے میں اتار دینا چاہتے تھے۔

کچھ فاصلے پر ہی ایزل، اس سب پر اپنی رتجگوں کی غماض بجھی نگاہیں جمائے قدرے محتاط ہو چکی تھی، اپنی گن نکالے چند درخت پار کیے وہ مزید قریب آ کر پھر سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔

"ہٹ جاو میرا بچہ، آج اس غلیظ شخص کو اپنے تمام گناہوں کا حساب دینا ہو گا۔ آج یہ نحوست میرے ہاتھوں ہی جہنم واصل ہو گی"

بھائی کے منہ سے کاشان کے لیے ایسے نازیبا لفظ سن کر وفا کے چہرے پر تکلیف اتری وہیں اس درجہ بے فیضی اور بے حسی پر آنکھیں نم ہوئیں وہیں وہ حواس باختہ سی کاشان کو بے یقینی سے تکنے لگی جیسے اپنے ارد گرد ہوتے اس تماشے کو سمجھ نہ پا رہی ہو۔

اسکی حسین مفلوج ہو گئی تھیں۔

اور کاشان، جبڑے بھینچ کر یہ زلت آمیز غیر متوقع رویہ سہہ تو گیا لیکن بہت مشکل سے اپنے دماغ کو دہکنے سے روکا۔

" بھیو کیا ہو گیا۔۔ ک۔۔۔ کیوں کہہ رہے"

ٹوٹتے جڑتے لفظ ادا کرتی وہ کانپتے ہاتھوں سے وحید صاحب کا چہرہ تھامتے ہوئے سسکی، گویا انکے کاشان کے لیے ایسے ظالمانہ رویے کو دیکھ کر حلق پر چھری سی چلی مگر وہ وفا کی تکلیف اس وقت بمشکل فراموش کرتے

غرا کر کاشان کی سمت ہوئے اور گن وہیں گاڑی کے بونٹ پر رکھی اور دونوں ہاتھوں کی سختی سے کاشان کا گریبان اپنے اخیر سخت ہو جاتے ہاتھوں میں دبوچا۔

مقابل وہ ہیزل گرے آنکھیں ایسے سفاکانہ استفسار پر جہنم کا روپ دھار گئیں، اسے یہی محسوس ہوا جیسے اس شخص کا بھیجا الٹ چکا ہو۔

اسے وحید بخاری کے ٹوٹ پڑنے کی کم از کم آج امید نہ تھی، وہ توکل کا دن قیامت مانے آج بے فکر تھا۔

"میری کئی سالوں کی سوہان روح جنگ کا اختتام ہو گا۔۔۔ تم ہی پائزن ہو ناں، کئی معصوم لوگوں کا قاتل۔۔۔۔ میرے دوست نور گل کی اذیت ناک موت تمہارے ہی ان ناپاک ہاتھوں سے ہوئی۔۔۔ اگر تم نے آج بھی جھوٹ کہا تو یاد رکھنا تمہیں زندہ جلا دوں گا، تمہارے جسم کی خاک بن جائے گی۔۔۔۔"

یہ اذیت ناک سوال اس شخص کو کوڑے کی طرح لگا، رگ رگ سے لہو جاری ہو گیا، مقابل اس شخص کے یوں غلاظت اگلنے پر اسے ناچاہ کر بھی اپنے وجود سے گھن آئی، وہ کب تھا ایسا؟ پھر بھی بھری دنیا میں خود کو بے بس محسوس کرنے لگا کیونکہ اسکی ذات سرتاپا وفا کی جان لیوا جگر پاش سوال پوچھتی نظروں کے حصار میں تھی۔

کاشان نے یہ سب ناقابل سہن جملے سن کر ذہن پر برستے ان کوڑوں کو تحمل سے سہا، لیکن وہ ایک حد تک ہی اس شخص کی یہ زہر آلود باتیں سن سکتا تھا۔

وفا کو لگا سیاہ آسمان اسکے سر پر آن گرا ہو، آنکھوں کی پتلیوں میں زندگی تھم گئی، حسرت بھری نگاہیں وہ کاشان پر ثبت کیے بس انکار کی تمنائی تھی اور ایزل مہران کا جی چاہا کاشان کا گریبان پکڑنے والے اس شخص کو عبرتناک سزا دے آئے لیکن وہ ابھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔

اخیر قیامت کا انتظار ہی بہتر تھا۔

"تمہارے ہیکرز بھلے وہ سارے ثبوت لے گئے ہوں لیکن میں تمہیں پھر بھی پوری دنیا کے سامنے ذلیل کر دوں گا، میری معصوم بہن کی زندگی کے ساتھ دیمک بن کر چپکے ہوئے بدبخت۔۔۔۔ تم نے مجھ سے جڑے کئی لوگوں کو اذیت دی، میرے بیٹے کی زندگی اجیرن کی۔۔۔ بولو کاشان ہمانی، تم پوری دنیا کے سامنے چھپ سکتے ہو، مکر سکتے ہو لیکن تم اس لڑکی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے جس نے تمہیں خود سے، ہم سب سے زیادہ چاہ لیا ہے"

آج وہ اپنے آپ میں نہ تھے، ساری بے بسی، مجبوری اور تکلیف پھٹ پڑی تھی۔ خود انکی اپنی آنکھیں لاوے کی طرح ابل رہی تھیں اور وفا، اسکی بجھتی سانس بس کاشان کے ہونٹوں سے نکلے اک شبد سے جڑی تھی۔

کاشان ہمانی نے اک نظر اپنی جانب سانسیں روک کر تکتی وفا کو دیکھا، اسکی تڑپتی ہوئی پکار ایسی دہائی دے رہی تھی جس سے دل کا انگ انگ تھرا گیا۔

وہ ہیزل گرے آنکھیں یوں تھیں جیسے کہہ رہی ہوں، دیکھ لو وفا، میں کس قدر برا نکلا، یہ دنیا مجھے اچھا رہنے نہیں دے گی۔

"آپ مجھ پر ایسے بے ہودہ الزام بنا ثبوت نہیں لگا سکتے ہیں مسٹر وحید بخاری، آپ مجھے اپنی اس سو کولڈ جذباتی وحشت کے ہاتھوں جتنا گھٹیا ترین، سفاکیت اور نجاست سے بھرا ہوا مجرم ثابت کر لیں۔۔۔ لیکن میری زلت اور عزت کا معاملہ اس رب کے پاس ہے جو آپ جیسے اچھوں کے ساتھ ساتھ ہم جیسے بروں کا بھی رب ہے۔ کیا اپنی ناکامیوں کا مداوا آپ مجھ پر بہتان تھوپ کر کریں گے۔۔۔۔۔ بہت اچھے"

اپنی ذات کی دھجیاں بکھیرنے والے کو تنتنا کر جواب دیے وہ اس طرح اپنے برے ہونے کا بھی اعتراف کر رہا تھا جیسے اسکی زندگی اس موڑ پر، ابھی سے بیکار ہونے والی ہو۔

وحید صاحب غصے اور حقارت سے بپھرے اور کاشان کے منہ پر زور دار تماچہ دھرا، جسکی گونج اس سنسان جگہ انتہائی پرواز کرتے گونجی، وفا تو تکلیف اور دکھ سے باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

اسے وہ تماچہ کاشان کے نہیں بلکے اپنے رخسار کو جلاتا محسوس ہوا۔

وہ آنکھیں بھرے، تاسف سے کاشان کی اذیت پسندی تک رہی تھی جو اس تماچے کے درد کو شاہانہ سہہ کر وحید بخاری پر استہزایہ مسکرا رہا تھا، اسے وحید بخاری کی ہار دل تک سکون بخش رہی تھی۔

ورنہ اسکی یہ اوقات تو نہیں تھی کہ وہ بلاوجہ تھپڑ کھاتا، کوسنے سنتا، جگ ہنسائی سہتا، وفا کی نفرت پر شکر ادا کیے اک آخری سجدہ کرتا اور اپنی روح کو اس جہاں کے گند سے رہائی دے کر اگلے سفر پر بھیج دیتا۔

لیکن وہ کب جان سکتا تھا کہ اسے مارنے والے سے کہیں زیادہ بچانے والے ہیں، اسے تو بس یہ ڈر تھا کہیں وہ وفا کی آنکھوں میں امڈ آتی آس سے ہار نہ جائے اور اعتراف نہ کر بیٹھے کوئی ایسا جو فی الحال ممنوع تھا۔

"خبردار جو آج مکرنے کی کوشش بھی کی تم نے اور

اپنی اس ناپاک زبان سے رب کا نام مت لینا، تم نے جیتے جی ہمیں جہنم میں گھسیٹا ہے۔ میری اولاد کو ذہنی اذیت دی۔ کہاں گئی تمہاری اس فرعون صفت مہکار نامی عورت سے عاشقی، جسے تم نے اسکے بے بس باپ سے خریدا۔ پھر عون سے اسکی ساری جمع پونجی ہتھیائے اسے بیچا۔۔۔ تم جیسا تجارتی شخص کسی سے محبت کیسے کر سکتا تھا، تم نے میری پھول جیسی بہن کی زندگی زہر آلود کر دی۔۔۔ اب اس پر فرض ہے کہ یہ تم جیسے پر تھوک دے۔ ہم پال لیں گے تمہاری اولاد کو کڑوا گھونٹ بھرے لیکن کم از کم اب وفا تمہارے سائے تک میں نہیں رہے گی"

ایک ایک کر کے وفا کے دل کو چابک رسید کرنے والے آج اسکے وہی بھائی تھے جو بابا جیسے تھے، وہ وفا پر اتنی بڑی قیامت کیسے توڑ سکتے تھے۔

کاشان نے انکے سارے الزام، ساری نفرت، ساری حقارت بہت تحمل سے سنی اور پھر بناوفا کی اپنے سینے پر تیر کی مانند چلتی نظروں سے نظریں چرائے اعتراف کرنا ہی چاہا جب وحید بخاری کا فون چنکارتی ٹون سے بج اٹھا۔۔ لیکن وہ اس وقت صرف اپنے اندر کے زہر سے کاشان کی زندگی لینے کے درپے تھے۔

"ان بے بنیاد اور واہیات الزامات پر وفا اعتبار کرے گی بھی یا نہیں، اور کرے گی اگر تو پوچھ لیں اس سے کہ یہ صرف تھوکنا پسند کرے گی یا میری زندگی بھی ختم کرنا چاہے گی"

نہایت ہی بے حس بنے وہ اپنے اندر کا حشر چھپاتا، جان بوجھ کر وفا کی نظروں سے بچتا بچاتا بھی اسے آزمانے پر اتر آیا۔

اور مہکار والے اس معاملے کے بعد تو وفا کی سانسیں اس کے ڈولتے وجود پر پہلے ہی تنگ ہو رہی تھیں۔

"یہ بس تھوکے گی، تم جیسے گند کو ہستی سے مٹانا میرا کام ہے۔۔۔ وفا کی اولاد یتیم ہو کر پیدا ہو یہ بہتر ہے ناکہ وہ دنیا میں آتے ہی ایک درندے کا خون کہلائی جائے۔۔ شرم تو نہیں آئی تمہیں، نہ تو تم میں انسانیت ہے نہ ہی دل۔۔۔"

پہلی بار وفا کو کاشان ہمانی کے سوا ہر شے سے نفرت محسوس ہوئی تھی، حتی کہ وحید بھائی سے، اپنی کوکھ میں پلتے اس وجود تک سے لیکن وہ یہ سب جھوٹ جان رہی تھی، بھلا وہ شخص جسکی ذات آئینہ ہے وہ کیسے اتنا سیاہ نکل سکتا ہے۔

وہ اپنے من بھاری قدم اٹھاتی اس میدان جنگ کے منفرد ہارے سپاہی کی جانب لوٹی جو کٹھہرے میں کھڑا کر دیا گیا تھا تو آنسو ابل ابل کر اسکی حدت زدہ رخساریں تر گئے، وہ شخص ابھی بھی اتنے سارے ناقابل برداشت لفظوں کو سن کر سالم کھڑا تھا، خاص کر اپنی اولاد کے بارے غلط ملط حرف تک سہہ لیے جو حقیقت میں اس مضبوط اعصاب والے شخص کی جان لے گئے تھے۔

ہر منظر، سیاہ رات، بارش کے بعد نکل آتے بے انتہا ستارے، چاند یہاں تک کہ وفا کی سانسیں بھی اس ستم گر کے ضبط پر حیراں تھیں۔

"تم وہ نہیں ہو، تم تو م۔۔ میرا ایمان ہو ناں ک۔۔ کاشان۔۔۔ وفا کی واحد چاہت۔ سب کو ب۔۔ بھول جاو۔۔۔ مم۔۔ مجھے دیکھو، میری آنکھوں میں دیکھ کر ک۔۔ کہو کہ تم وہ ن۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ ہے ناں۔۔۔"

وہ جو سالم، دردناکی سے اپنی وحشت ناک ڈھال پر پہاڑ سا جما تھا، اپنی صفائی میں کہنے والے ہر لفظ کو تہہ خاک گاڑے وفا کے سسکنے، تڑپنے اور آہیں بھرنے پر بھینچی صورت لیے اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ ایک لمحے میں اسکے لیے قیمتی سے بیکار ہو گئی ہو۔

وہ کانپتی، زرا زرا کپکپاتی وفا، اسکے دل کو ریزہ ریزہ کر رہی تھی مگر وہ اپنی حقیقت سے نظریں چرانے کا ایک مزید گناہ نہیں کر سکتا تھا۔

"تم بتاو گی سچ وفا، میں وہی ہوں جو نظر آتا ہوں۔ تمہارے محترم پیارے بھائی کی نگاہ میں ہر وہ برا اور بدکردار ہوں جو روز اول سے اب تک گناہ گار گردانا جاتا رہا، میں ہوں۔ انکے بقول میری سب سے بڑی خطا تمہیں برباد کر دینا ہے، فیصلہ تم کرو گی اس سچ اور اس جھوٹ کا۔۔ یا پھر جاو، اور اپنے بھائی کے ساتھ مل کر انکے بے بنیاد تراشتے الزامات کو سچ سمجھ کر مجھے سزا دلوانے والوں کی فہرست میں شامل ہو جاو۔۔۔۔۔"

کٹیلے لہجے میں وہ وفا کی رہی سہی امید دفن کیے اسے پتھر کر چکا تھا، وحید بخاری کا بس نہ چلا اسکے وجود کو ٹکڑوں میں بدل دیتے، ایک بار پھر انکا فون بری طرح بج اٹھا مگر فون کی فرصت تھی کہاں انکو۔

"بکواس بند کرو، تمہیں تو موت بھی نہیں آئے گی کاشان۔۔۔۔۔ سزا تو تمہاری تمہارے بعد عبرت کی صورت بھی ملے گی مگر اس سے پہلے تم مجھے حساب دو گے"

وہ کاشان کی ڈھٹائی پر اپنی گن لیے غرائے، ٹریگر تک دبائے کاشان پر تانی مگر وفا کب خود کو مسمار ہونے سے روکتی اس تانی گن اور کاشان کے دل کے بیچ حائل ہوئی۔

آنسو تھے اسکی ہستی پہلے ہی نڈھال کر گئے۔

وحید صاحب کا ہاتھ بری طرح کانپا، اور اس ستم گر کا دل بھی جسکی ڈھال بنی ہوئی وہ آج خود فیصلہ سنانے کے بجائے کاشان ہمانی کے حصے کی ہر تکلیف خوشی خوشی سہنا چاہتی تھی، اسکا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ شخص ہر گز برا نہیں ہو سکتا۔

"نہیں بھیو، وہ پہلے ہی مر چکا ہے۔۔۔۔ مت کریں۔ م۔۔ میں اسکی سزا خود تعین کروں گ۔۔ گی۔ آپ سے التجاء ہے کہ ہمارے اس معاملے سے دور ہو جائیں۔۔۔۔۔ یہ تو سوچیں کہ اسکی دھڑکن بند ہوئی تو آپکی وفا بھی دم توڑ دے گی۔۔۔۔۔ مجھے اسے سننا ہے، پورا۔۔۔۔ آئی ریکوسٹ۔۔۔۔۔ می۔۔ میں کاشان ہمانی کو جانتی ہوں، وہ میرے بنا مر جائے گا۔۔۔۔ اگر واقعی یہ شخص مجرم ہوا تو میں اسے اپنے بغیر رہنے والی سزائے م۔۔ موت دوں گی۔۔۔۔۔"

ہوا کے دوش پر وفا کی تڑپتی ہوئی گزراش نے کئی زندگیوں کے سینے چیڑے تھے، وہ اپنی جگہ پتھر کا وہ مجسمہ بنے جنھیں بس ٹھوکر درکار تھی۔

وفا کی جانب تکلیف دہ انداز سے تکتے وحید بخاری کے ہاتھ سے گن پر گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ اس ہاتھ کو واپس نیچے لے جاتے چند قدم اذیت کے سنگ پیچھے ہٹے۔

"وفا یہ کیا کہہ رہی ہو بچہ، یہ شخص صرف ذلت آمیز موت کا مستحق ہے۔۔۔۔ تم اسے سب جان کر بھی ڈیفینڈ کیسے کر سکتی ہو"

انھیں یہ سب پہلے ہی پتا تھا مگر نا جانے کیوں وہ اپنے آپ سے کیے سارے عہد توڑے پہلی بار ہر لحاظ بالائے طاق رکھے وحشی بن گئے تھے۔

یہ جانے بنا کہ وہ کاشان ہمانی پر زندگی تنگ کرنے کے چکر میں اپنی بہن کا دل اجاڑ بیٹھے ہیں۔

"پلیز۔۔۔ جب تک میں نہ کہوں آپ کچھ نہیں کریں گے۔ میں اس سے سب سننے کے بعد حتمی فیصلہ لوں گی"

وہ اب بھی اپنی ضد پر ڈٹی تھی، وحید صاحب نے اک سلگتی نگاہ اس برف کے قلعے میں محبوس ہوتے کاشان پر ڈالی اور یہ تھوڑی سی مہلت سونپے پلٹ گئے۔

اپنا بجتا فون گاڑی کے پاس پہنچ کر جیب سے نکالے وہ اسے ریسیو کر چکے تھے مگر مقابل سے سنائی دیتی قیامت خیز سچائی ان کے پیروں تلے سے زمین سرکا گئی، سکتے کی کیفیت میں وہ مڑے اور اس جانب دیکھا جہاں کچھ پلوں پہلے وہ اپنی زندگی بھر کی تمام حقارت انڈیل آئے تھے۔

"سر، بہت بری خبر ہے۔ پہلے سارے ثبوت غائب ہوئے اور اب ایک اور دھچکا۔۔۔ کاشان ہمانی، پائزن نہیں ہے یہ کہا جارہا ہے بلکہ وہ ایک نامی گرامی پہلوان فردوس ملنگی تھا، وہ قانون کے نہ صرف شکنجے میں آچکا ہے بلکہ اس نے کھلے عام اپنے پائزن ہونے اور تمام تر گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے"

آنسوؤں اور زلت میں بکھو دیتی دو لوگوں کی اجڑی بدحواس زندگی، دیکھتے ہی دیکھتے وحید بخاری کو چڑانے لگی۔ وہ ایک لمحے میں آسمان سے زمین پر گرے تھے، یہ ان کے ہاتھوں تکلیف کیا کروا گئی تھی۔

فون کے پار سے آوازیں بلند ہوتی رہیں مگر وہ زندہ لاش بنے سامنے دیکھ رہے تھے۔

وفا اب تک اس شخص کی ڈھال بنی تھی اور بنی رہنے والی تھی جب تک وحید بخاری اپنی گاڑی لیے وہاں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔

ایزل نے گہرا سانس بھرے مسکرا کر ان دو کی جانب دیکھا، اسکے سامنے آجانے کا وقت عنقریب تھا۔

بہت ضبط کرتی وہ اک دلخراش جگر سوز نگاہ وحید بخاری پر ڈالتے ہوئے واپس مڑی، نگاہ اس شخص کے چوڑے سینے پر ٹکائی، پھر سانس بھرتی ہوئی مزید نگاہ اٹھائی اور کاشان کو دیکھا جو دردناک انداز سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، وہ لڑکی اسے کمزور کر چکی تھی، اپنی ہر آزمائش میں سرخرو ہو گئی تھی۔

اسے تو وفا کی جانب سے دھتکار ملنے کی امید تھی پھر یہ سب کیا ہو گیا تھا۔

کوئی پیروں کی خاک بھی سر پر لگاتا ہے؟

"چلو، کچھ آج حساب زیانِ جاں کر لیں

الم شمار کریں، درد آشکار کریں

گلے جو دل کی تہوں میں ھیں آبلوں کی طرح

انھیں بھی آج شناسائے نوکِ خار کریں"

وہ اسے جن نظروں سے دیکھ کر تکلیف دے رہی تھی وہ ظالم تھیں، اس بیری شخص کی دنیا تہہ وبالا ہو رہی تھی۔

"جو بے وفا ھو اُسے بے وفا کہیں کُھل کر

حدیثِ چشم ولب سوختہ کہیں کُھل کر

کہاں تلک یہ تکلم زمانہ سازی کے

پسِ کلام ھے جو کچھ ذرا کہیں کُھل کر"

دونوں طرف آنکھوں میں اذیت ناک سرخائی گھلی تھی، جیسے نبض سے کوئی دھیرے دھیرے جان کھینچ رہا ہو۔

"خنک خنک سی ھنسی ھنس کے مل رھے ھو کیوں؟؟
لہو ھے سرد تو آنکھیں بھی منجمد کرلو
جو دل میں دفن ھے چہروں پہ اشتہار کریں
الم شمار کریں درد آشکار کریں"

اس بار وہ خود جبر کیے مسکرائی تھی، اب اس وقت رو کر کیا کرتی، اسکی دلخراش مسکان نے کھڑے کھڑے اس جیتے جاگتے جسم کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

میدان جنگ میں وہ ہارا سپاہی، دشمنوں کے غضب کو برداشت کیسے کرتا، انکی لاتیں، ٹھڈے کھانے کے بعد موت پا چکا تھا۔

"تمہارا میرا تعلق بس ایک لفظ کا ھے
لغت کی انت میں سمٹا ھُوا، فقط ایک لفظ
اِس ایک لفظ میں سچائی ھے زمانوں کی
چلو کہ آج یہی لفظ اختیار کریں
تمام عمر پڑی ھے منافقت کے لیے
اِس ایک لفظ کا دامن نہ داغدار کریں"

شاید وہ مزید بولتی تو اسکی اپنی سانسیں تھم جاتیں، بہار کے دریچے تو بند ہو گئے تھے، اسکی دنیا تو اجڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غم جب اپنی بساط سے بڑا ہو تو سکون ڈھونڈنے کسی خاص سمت کا سفر فرض ٹھہرتا ہے، اس محبت اور جرم کی دنیا نے اسے اپنے رب سے کوسوں دور کر دیا تھا۔

وہ اپنے ماتم سے نکلا، لباس بدلا، خود کو ہر ممکنہ بہتر بنائے مسجد کا رخ کیا۔

گنہگاروں کو اپنے حصار میں لے لیتی واحد جگہ جہاں دھتکار نہیں تھی، اس نے مہکار سے عشق کرتے ہوئے صرف عشق کیا تھا، اب پشیمان سا وہ اپنے رب کی جانب لوٹا تھا۔ مسجد میں قدم رکھتے ہوئے فارس شاہ کے دل نے اسکی غفلت پر سو حرف سنائے، اسے شرمسار کیا۔

بھلا جب رب اپنی بارگاہ میں اسے خود بلا چکا تھا تو کسی دل وحشی کی یہ مجال کہ اسکی راہ میں روڑے اٹکاتا۔

عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنے کی ہر کوشش کے باوجود وہ دیر کر گیا، نمازی تو کب کے رب کے حضور سجدے ادا کیے اپنی منزلوں کو لوٹ گئے تھے مگر وہ تکان سے بھرا، بکھرا وجود دیر سے سہی مگر سکون واپس پانے کی اصل جگہ پہنچ چکا تھا۔

مسجد کے امام صاحب، نورانی صورت والے بزرگوار انسان تھے، چہرے پر مدھم تبسم انکی شفیق طبعیت کا عکاس تھا اور میٹھی آواز، صاف دل کی ترجمان۔

وہ اس بھٹکے ہوئے مسافر کو اسکے خدوخال سے پہچان گئے تھے، پیار سے وہ اسے ہمیشہ شاہ جی کہہ کر پکارتے تھے، راہ عشق میں چلتا ہوا، گرد سے اٹا ہوا، پور پور زخمی وجود لیے وہ تھک ہار کر اپنے اللہ سے مرہم مانگنے آیا تھا۔

"بہت دنوں بعد نظر آئے ہیں شاہ جی، امید ہے خیر و عافیت سے دن گزرے ہوں گے"

اپنے پاس ہی سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس، سر پر سفید امامہ پہنے امام صاحب کی میٹھی پکار اور آواز پر وہ جو اپنے بے مراد ہاتھ بنا کھولے ہی کہیں اور بیدار تھا، یکلخت چونکا۔

وہ اسکی ہڑبڑاہٹ پر مسکراتے ہوئے اسکے ساتھ ہی قالین بچھی زمین پر بیٹھے تو فارس نے انکی تعظیم میں اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ رسان سے اسے اس تکلف کو نہ برتنے کا اشارہ کیے بھرپور توجہ اس کے چہرے پر ثبت کر گئے۔

جہاں اسکے دل کے نہاں خانوں کی ٹوٹ پھوٹ، چہرے کے خدوخال میں سما چکی تھی۔

"کچھ اہم کام تھے امام صاحب، فرصت نہیں مل سکی"

بجھے لہجے میں وجہ سونپتا وہ تو بری ہوا مگر امام فاضل صاحب کی روح تک جھانکتی نظریں مقابل کی سوگواریت پر مرکوز تھیں۔

"آج فرصت نکالی ہے تو ضرور کوئی اہم بات ہوگی رب سے، مجھے بھی بتائیں۔ ممکن ہے یہ ادنی آپکی کچھ رہنمائی کر سکے"

وہ نرم لہجے میں فارس شاہ کی الجھن جاننے پر مصر، اسکے دل کو تو پڑھ چکے تھے مگر بعض اوقات رب بھی مرہم دینے سے پہلے اپنے بندے کی تکلیف اس سے سنتا ہے، جب تک دل ہلکا نہیں ہوگا، کوئی درماں کیسے اثر کر سکے گا بھلا۔

"محبت کی حقیقت کیا ہے؟ جب یہ دنیا کا سب سے پہلا اور پاکیزہ جذبہ اللہ نے بنایا ہے تو اس کے اندر اتنی تکلیف کیوں رکھی ہے، آزمائش کیوں رکھی ہے"

فارس شاہ کی بے آس آنکھیں، بے جان لفظ اور کھردرا استفسار مقابل بھی اک سنجیدگی کی چھاپ چھوڑ گیا لیکن یہ بہت وقتی لمحہ تھا۔

"کس نے کہا شاہ جی کہ محبت نامی اس جذبے میں تکلیف اور آزمائش ہے، ہاں اس محبت کی الگ الگ نوعیت کے سنگ سکھ اور دکھ کی کڑیاں ضرور جڑی ہوئی ہیں"

وہ اپنی غیر واضع وضاحت دینے کے بعد خاموش تھے اور فارس شاہ کو شدید الجھن نے گھیرا۔

"میں سمجھا نہیں، مجھے آسان لفظوں میں یہ نوعیت سمجھائیں"

وہ انکی جانب تاسف سے تکتا بولا، اسے اس وقت اپنی بہت سی تکلیفیں ستائے ہوئے تھیں اور وہ اپنے اندر کے شور سے بہت پریشان حال تھا۔

"مجازی عشق اور حقیقی عشق۔۔۔۔

اصل آزمائش تو یہ مجازی محبتیں ہیں، انسان کی، اس کے دل کی، اسکی عقل کی، اسکے ارادوں کی، اسکی حقیقت پسندی کی، اسکی مستقل مزاجی کی۔۔۔۔ حتی کہ اسکی پوری ذات کی آزمائش"

وہ بہت صاف لفظ ادا کیے فارس کو اسکی الجھنوں سے نکالنے لگے تھے مگر وہ اس جذبے کی نمو داری پر خفیف سا آزردہ ہوا۔

"تو پھر کیوں تخلیق کی اس رب نے یہ مجازی محبت، کیوں آزمائش کا سلسلہ جاری کیا۔ کیوں ایک بار ہی عشق حقیقی میں مبتلا نہ کیا۔۔۔۔ جواب دیں مجھے"

وہ اپنے اندر کی جمع ہوتی وہشت پر اخیر دلبرداشتہ ہوا۔

اسکی اس تڑپتی ہوئی بات پر وہ اب اسے زندگی کا اخیر گہرا راز بتانے والے تھے۔

"اس رب نے اپنی محبت کے لیے ایک بہترین دل نامی گھر چننے کے لیے اس دوسرے رخ کی تخلیق کی برخوردار، اللہ پہلے انسان کے دل میں مجازی محبت کا بیج بوتا ہے ،پھر اس مجازی محبت میں مبتلا انسان کو آزمائشوں میں جلا کر کندن بنا دیتا ہے اور جب اس

انسان کا دل گداز ہو جاتا ہے ,نرم ہو جاتا ہے , اس قابل ہو جاتا کہ اللّٰہ پاک کی محبت اس میں گھر کر سکے تو اللّٰہ پاک اس دل کو اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے۔اپنی محبت کے لیے اس دل کو گھر بنا لیتا ہے"

امام فاضل کی یہ نرم، مدلل اور دل موہ لیتی توجیہہ وہ الجھا بکھرا شخص سمجھ تو گیا مگر اسے اب بھی ڈھیر شکوے بے تاب کر رہے تھے۔

"وہ پہلے ہی کیوں نہیں چن لیتا گھر، وہ تو شہہ رگ سے بھی قریں ہے، جانتا ہے کس دل کی زمین نرم ہے اور کس دل پر قفل ہے۔۔۔ پھر بھی بھلا ایسی سخت آزمائش۔۔۔۔۔ جو روح و جسم کو نوچ کر کھا جائے۔۔۔"

دنیا جہاں کا درد فارس شاہ کی آنکھوں نے اوڑھ لیا تو امام صاحب بھی اسکے اس سوال پر افسردہ ہوئے۔

وہ اپنے ہر مو سے اس اخیر سنگین آزمائش میں مبتلا ہونے کے ثبوت لیے تھا۔

"یہی تو سارا حسن ہے شاہ جی، اس سوہنی ذات کے دستور، اس رب پاک کے رنگ۔۔۔ آزمائش تو من پسند شے کی قربانی سے ہی شروع ہوتی ہے۔ایک انسان کو اس ہی کہ جیسے دوسرے انسان کے زریعے تبھی آزماتا ہے تاکہ اس دل کی پرکھ ہو سکے،اس دل کو ایک کا ہو کے رہنا بھی آتا ہے یا نہیں، اسکی پہچان ہو سکے۔

اور جب وہ انسان اسی دوسرے انسان کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا ہے ،جسے اس نے واحد بنا رکھا ہوتا ہے ،تو اس ٹوٹ پھوٹ کے بعد بس اللّٰہ ہی سب سے پہلے یاد آتا ہے اور بس پھر اللّٰہ ہی یاد رہ جاتا ہے .. ہر محبّت ،ہر تعلق ،ہر رشتے کی ڈور اس مہربان محبّت کرنے والے اللّٰہ پاک سے جڑ جاتی ہے"

وہ یہاں جن گنجل زدہ اذیتیوں کے سنگ آنکلا تھا، بخت کے مالک نے امام مسجد کو وسیلہ بنائے اسکے ہر سوال کو بہت خوبصورتی سے جواب بخشے تھے۔

وہ اپنے اندر ٹھہرا ہوا سکون محسوس کیے گہرا سانس بھر گیا، کیا اسکی یہ سب تکالیف وہی اللہ پاک کی مقرر کردہ آزمائش تھی، کیا اسکا دل، رب نے کروڑوں دلوں میں سے اپنی محبت کے لیے چنا تھا؟ اتنے گناہوں کے بعد بھی۔

فارس شاہ کو لگا اسکی آنکھوں سے کسی بھی لمحے آنسوؤں کا سمندر بہہ نکلے گا اور وہ روتے روتے شاید اسی جگہ اپنی جان بھی دے بیٹھے۔

"یہ جو مجازی محبت ہوتی ہے ناں شاہ جی، یہ بس اس بڑی منزل تک پہنچنے کا پہلا قدم ہوتا ہے اور یہ بارش کا پہلا قطرہ ہماری مٹی میں کہاں جذب ہو جاتا ہے، خبر بھی نہیں رہتی۔ مجازی محبوب ہماری ذات میں کہیں اک نقطے کی طرح رہ جاتا ہے، پورے وجود پر اللہ کے رنگ چڑھ آتے ہیں۔ بس پھر اصل محبت باقی رہ جاتی ہے، اور اللہ ہوتا ہے۔۔۔ اور کچھ نہیں رہتا"

ایک آنسو تیزی سے پلکوں کی باڑ عبور کرتا اسکی بڑھی بیرڈ میں دفن ہوا تھا، اسے دل کی جگہ جلتی ہوئی آگ محسوس ہوئی تھی۔

جس طرح ضبط و صبر وہ اک عمر سے تھامے ہوئے زندگی گھسیٹ رہا تھا، ویسے ہی اس لمحے اس نے اپنی تکلیف امام صاحب کے سامنے دبائی۔

"اور جو اس عشق کی سرحدیں اور اسکے حق سچ جان لیتے ہیں شاہ جی وہ اس فانی دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں، اگر اللہ نے آپکی آزمائش کی ہے تو یقین مانیں یہ اس مالک دو جہاں کی آپ پر رحمت نازل ہوئی ہے۔ اللہ ہم سبکو اپنی محبت میں سر تا پا مبتلا کر دے۔۔۔۔ آمین"

اندھیرے میں ڈوبتے شخص کو اسکی روشنی تھمانے کا وسیلہ امام فاضل صاحب، یہ آخری لفظ ادا کیے وہاں سے اٹھ گئے، اک شفقت بھری نگاہ اس مسافر پر ڈالی اور سر پر دست مبارک پھیرا اور اسے کھل کر تکلیف بہانے کا موقع دینے کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔

اس بار اس اجڑے، بکھرے شخص کی آنکھیں زارو قطار برسی تھیں، دل میں ہر سمت لگی آگ اب فقط فارس شاہ کے اپنے آنسو ہی بجھا سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پچھلے کئی ہفتوں سے کوئی یو ایس نیشنیلٹی ہولڈر نیو یارک پری سبیٹرین ہوسپٹل میں ضروری علاج کے باعث داخل تھا، ہوسپٹل کا تمام قابل طبی سٹاف اس خاص وی آئی پی پیشنٹ کے لیے ہر ضروری اقدامات کرنے میں محو تھا۔

اس خاص وی آئی پی روم کے باہر کئی سول سوٹڈ بھاری بھر کم گارڈز کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ جو کوئی تھا، وہاں کے کسی بڑے میلینئیر کا خاص بندہ تھا یا پھر کسی پاورفل شخص کی پناہ میں آیا کوئی زخمی شیر۔

ہوسپٹل کے بیرونی تاحد نگاہ پھیلے پورچ میں یکلخت یکے بعد دیگرے آکر کھڑی ہوتیں اعلی گاڑیاں اور پھر ان میں سے نکلتا وہ ایک خاص بریٹش آدمی جس کے پروٹوکول کے لیے لگ بھگ تیرہ گارڈز ہمراہ تھے، یہی نہیں بلکہ جیسے جیسے وہ بھاری بھرکم، وجیہہ اور توانا پرکشش سا شخص فاصلہ طے کیے ہوسپٹل کے اندرونی احاطے کی جانب بڑھ رہا تھا، اسکے پروٹوکول میں ویسے ہی بتدریج اضافہ ہوا۔

ہوسپٹل کے مین سینئیر ڈاکٹرز اس آنے والے معزز شخص کی خود خاضری پر اسکے مشکور دیکھائی دیے، اس آدمی نے اپنے دو گارڈز کے سوا باقیوں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود سینئیر ڈاکٹروں کے ہمراہ سپیشل کیئر روم کی جانب بڑھا۔

وہ آپس میں انگریزی میں بات کر رہے تھے اور لہجہ ایسا تھا جیسے کسی پراسرار معاملے کے متعلق تشویشناک ہوں

"What is his condition now, Dr. Velex?

)اب اسکی کنڈیشن کیسی ہے ڈاکٹر ویلکس"(

بھاری آواز اور خفیف سے فکر مند لہجے میں اس ملگجی روشنی میں ڈوبے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس شخص نے اپنے ساتھ اندر داخل ہوتے بریٹش ڈاکٹر سے پوچھا۔

"His condition is not good. Tabriz Sahib, first of all I want to inform that one of his hands and both his legs are useless. In addition, suffocation has caused him many heart and brain problems.

)اسکی کنڈیشن اچھی نہیں ہے تبریز صاحب، سب سے پہلے تو اسکے ایک ہاتھ اور دونوں ٹانگوں کے بیکار ہونے کی خبر دینا چاہتا ہوں۔ اسکے علاوہ دم گھٹنے کے باعث اسے دل کے اور دماغ کے کئی تشویشناک مسائل لاحق ہو چکے ہیں۔"(

ڈاکٹر ویلکس نے صاف لفظوں میں اس بے جان پڑے وجود کی تازہ حالت گوش گزار تو کر دی مگر تبریز خاکزاری نامی اس شخص کے چہرے پر افسوس، خفگی اور وحشت کی لکیریں عود آئیں۔

اگر اسے یہ مردہ اور بدکردار شخص اپنی بیٹی کی تلاش کے لیے درکار نہ ہوتا تو وہ اتنا پاورفل انسان چٹکیوں میں عائش ہمانی جیسے گند کا صفایہ کر ڈالتا لیکن وہ اس شاطر کے ہاتھوں بہت بری طرح مجبور تھا۔

وہ رات اسے آج بھی یاد تھی جب عائش ہمانی کے کارندے اس زخمی نیم مردہ وحشی درندے کو گہری تاریک رات تبریز خاکزاری کے پاس لائے اور غفار

ایک بریف کیس بھی ساتھ لایا جس میں اس طاقتور شخص کی لگامیں کسنے اور اسے عائش ہمانی کی مدد کرنے کے لیے مجبور کرنے کا بہت سا سامان تھا۔

عائش کے گنے چنے وفادار لوگ اپنے تمام اثر ورسوخ کو استعمال میں لائے تبریز خاکزاری کو بری طرح بلیک میل کر کے اسے عائش ہمانی پر ہاتھ رکھنے اور اسے خفیہ طریقے سے پاکستان سے نکالنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سب سے بڑا ہتھیار جو عائش نے اپنے بچاو کے لیے استعمال کیا وہ تبریز خاکزاری کی اکلوتی مگر کھوئی ہوئی بیٹی کا پتا تھا، وہ شخص جس نے اپنی زندگی کے کئی سال اپنی بیوی اور بیٹی کی تلاش میں گزارے تھے، یہ جاننے کے بعد مجبوراعائش ہمانی کے لوگوں کی شرطیں تسلیم کر گئے۔

وہ نیویارک میں کئی قسم کی پبلک اور نان پبلک اراضی کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے بزنس مین تھے جن کا نام یو ایس کے امیر ترین، باوقار اور بااختیار لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔

وہ عائش کو پاکستان سے پہلے ڈینمارک پہنچائے چند ابتدائی علاج کروانے کا بندوبست تو کر ہی چکے تھے مگر اس کی زندگی کی طرف واپسی کو ناممکن محسوس کرتے وہ اسے اپنے ساتھ نیویارک لے آئے۔

یہ سب انہی کے لوگوں نے بہت خفیہ طریقے سے سرانجام دیا مگر اتنے دن کے بعد بھی عائش ہمانی کی گرتی صحت اور زندگی سے بیگانگی کے بیچ انھیں اپنی بیٹی سے ملنے کا خواب ادھورا اور کرچیوں میں بٹا محسوس ہو رہا تھا۔

آج فرصت نکال کر وہ خود عائش ہمانی جو کہ ایک نئے نام یعنی زافر خاکزاری کے نام سے اس ہوسپٹل میں ایڈمٹ تھا، اسے دیکھنے آئے تھے۔

اپنے بڑے بھائی کے مرحوم بیٹے زافر کے نام سے تاکہ کم از کم وہ اپنی بیٹی کی تلاش کا کوئی ایک سرا پا سکیں۔

"It is very important for him to come to life, you try your best. I am afraid that after the death of my brother I will lose his son. You know how precious these relationships are. My life has been the center of accidents, at least one hope can survive. Otherwise life will be difficult.

)اسکا زندگی کی طرف آنا بہت ضروری ہے، آپ اپنی ہر ممکنہ کوشش کریں۔ میں ڈر گیا ہوں کہ بھائی کی وفات کے بعد کہیں انکے بیٹے کو بھی نہ کھو دوں۔ آپ جانتے ہیں یہ رشتے کتنے قیمتی ہوتے ہیں۔ میری زندگی حادثوں کا مرکز رہی ہے، کم از کم کوئی ایک امید تو سلامت رہ سکتی ہے۔ ورنہ زندگی مشکل ہو جائے گی"(

اپنا افسردہ لہجہ ہر ممکنہ بہتر رکھے وہ بہت اداس بولے، ڈاکٹر فیلکس تک انکے لگاو اور جذبات سے فکر مندانہ اداسی میں مبتلا انھیں اس ناامیدی سے نکالنے کے لیے انکے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ چکے تھے۔

جیسے وہ تبریز خاکزاری کو مایوسی سے نکالنا چاہتے ہوں۔

"Don't worry, we're doing our best. Hopefully your patient will come to his senses soon. However, today it is the age of technology to cripple him and even in such a situation it is not impossible to walk on his feet. We must have life, a thousand planned and better ways to live this life can be discovered.

)آپ پریشان نہ ہوں، ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے جلد آپکے مریض کو ہوش آجائے گا۔ رہی بات اسکے اپاہج ہونے کی تو آجکل ٹیکنالوجی کا دور ہے اور ایسی حالت میں بھی پیروں پر چلنا ناممکن نہیں۔ ہمارے پاس زندگی ہونا ضروری ہے، اس زندگی کو جینے کے ہزار منصوعی اور بہتر طریقے دریافت کیے جاسکتے ہیں"(

ڈاکٹر فیلکس کی تسلی انکے شعور میں باہر آنے تک گونجتی رہی تھی، گاڑی کا دروازہ کھولنے والا بدر نامی وہ آدمی ناصرف تبریز خاکزاری کے بیٹھنے کے بعد گاڑی کا دروازہ بند کیے پلٹا بلکہ دوسری جانب سے وہ عین تبریز کے ساتھ والی نشت پر مودب ہوئے براجمان ہوگیا۔

انکی تینوں گاڑیاں ہوسپٹل کی راہداری سے ایک ساتھ نکل گئیں، بدر کی توجہ تبریز صاحب کی جانب ہی تھی جو کسی گہری سوچ میں ڈوبے گاڑی کی کھڑکی سے باہر تکتے نیویارک کی رنگ برنگی دنیا تکتے ہوئے بھی ویران تھے۔

"چھ ماہ کی تھی وہ جب اسکی آخری جھلک دیکھی تھی بدر، سانولی مگر بے حد پیاری تھی وہ۔۔۔ ماں جان کی طرح، وہ بھی سانولی اور پر کشش خاتون تھیں۔ اس حادثاتی شش و پنج میں مبتلا آخری جھلک نے مجھے پہروں رلایا، آج کئی سال بیت گئے مجھے اپنی نور اور اپنی کرن گنوائے ہوئے، لیکن اتنی تکلیف اس سالہا سال انتظار کی بھی نہیں ہوئی جتنی اب اس تک پہنچنے کی یہ آخری بھر بھری امید کے ٹوٹنے کی ہو رہی ہے"

وہ مضبوط شخص جسکی آنکھ اک لمحے پتھر لگتی، وہ اب کسی تکلیف کے اثر سے بھیگ گئی تھی۔

بدر نے بھی اسی دردناک کیفیت میں مبتلا ہوئے تبریز کی جانب ہمت بندھاتی نگاہ ثبت کی لیکن وہ بہت غمزدہ تھے۔

"میرے بس میں ہوتا تو میں عائش ہمانی کے نجس وجود کو سر بازار آگ لگا ڈالتا، جس نے نا جانے کتنی معصوم لڑکیوں کو قتل کیا، یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی پانچ سالا بچی تک کو نگل لیا۔۔۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اللہ نے اسے بھی تو بیٹی جیسی ایک کڑی آمائش دی تھی، وہ ایک بار بھی اس کومل پری کو مسلتے ہوئے کانپا نہیں کہ کل کو مکافات عمل اسکے خون کی بھی آزمائش بن سکتا ہے۔ میرے ان بے مراد ہاتھوں میں اگر ایک قتل کی اجازت دھر دی جائے تو میں اسی کا کروں مگر مجھ بے بس کو دیکھو، میری تہہ دامنی دیکھو بدر کہ میری بیوی اور بیٹی کا سراغ صرف اس نیم مردہ وحشی کے پاس ہے، میری زندگی کے سکھ اسکی زندگی کی جانب واپسی سے مشروط ہیں"

انکے مضبوط لہجے میں دراڑیں تھیں وہیں آنکھیں ندامت اور تکلیف سے لال، چہرہ دہک رہا تھا۔

ایسی اہانت کہ انکا سوچ سوچ کر کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

"اس سے اپنی بیٹی کا سراغ لے کر آپ اسے سزا دلوائیں گے سر، آپ یہ سب مصلحتاً کر رہے ہیں اس لیے خود کو رنج نہ دیں۔ یہاں تک کہ عائش ہمانی کی سگی بیٹی کا سراغ پا کر اسے بھی بچانا ہو گا۔ وہ معصوم بھلا کس ناکردہ

گناہ کی سزا کاٹے گی۔ عائش ہمانی کا خون ہونا بذات خود اسکی زندگی بھر کی تکلیف ہو گا۔ خود کو الزام نہ دیں۔ وقت آنے پر وہ درندہ اپنے کیے کا سارا ملبہ خود اٹھائے گا، ہر صلہ بھگتے گا۔۔۔"

بدر انہی کا ہم عمر نفیس آدمی تھا، جو تبریز خاکزاری کے بہترین ساتھیوں اور مشیروں میں سر فہرست تھا۔ اس وقت بھی وہ انھیں حوصلہ فراہم کرنے کی سعی میں تھا، اور شاید اسکے امید افزاء جملوں کا ہی اثر تھا کہ تبریز خاکزاری نے اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ اور تکلیف بہت ضبط سے پتھر کر ڈالی۔

لیکن بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں کہ انکے درد سے نکلتے آنسو ہمارے اندر گرنے لگتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"وفا۔۔۔۔وفا چھوڑو اس مکار کو۔ آؤ گھر چلیں"

اپنے بکھرے حواس اور احساس ندامت پر ہر ممکنہ قابو پائے وہ ایک بار پھر ان دو کے بیچ آئے تھے، انکے چہرے پر زردی کھنڈی تھی اور جس کرب میں آج انکی وفا تھی اسکو بیان کرنا انکے لیے آخری سانس تک ناممکن رہنے والا تھا۔

وہ جو سر تا پیر اس ستمگر کی ڈھال ہو گئی تھی، یوں نظریں اٹھائے وحید بخاری کو دیکھا کہ اس نظر کی کاٹ انکے پورے وجود کو مسخ کر گئی۔

"کیوں چھوڑوں، آپ چھوڑ دیں ہمیں۔۔۔ خدا کا واسطہ مجھے اس شخص کے ساتھ تنہا چھوڑ دیں۔۔۔ آج ہمارے بیچ نہ تو کوئی تیسرا ہو گا نہ کوئی فریب یا دھوکہ دینے کی کوشش۔۔۔۔۔"

بھائی کے ہاتھ سے اپنی بازو مشتعل ہوئے جھٹک کر وہ تکلیف سے چینخی، اتنا کہ اسکی آواز اسکے آنسو نگلنے لگے۔

اور وہ مجرم شخص اپنی جگہ سالم تو تھا مگر واللہ اسکے جسم کا رواں رواں ہوائے سفاک کی لپیٹ میں آکر منتشر ہو چکا تھا۔

اسکی گویا روح اسکے تن سے جدا ہو گئی تھی، بھر بھری مٹی کا وہ بس اک بت تھا جسے مسماریوں نے کو ٹھوکر لگنے کی دیری باقی تھی۔

وحید بخاری کا سر درد اور بے بسی سے پھٹنے لگا تو وہ ایک بار پھر پوری نفرت سمیٹ کر کاشان ہمانی پر چڑھ دوڑے۔

"گھٹیا انسان۔۔۔ کیسے اپنے پیچھے پاگل کر رکھا ہے اسے تم نے؟ یہ کیسے جان سکتی ہے تم جیسے درندے کو، یہ کیا فیصلہ کرے گی ہاں۔۔۔۔ آخر کب تک بچو گے تم زلیل شخص۔۔۔ میں تمہاری جان اسی لمحے لوں گا۔۔۔۔"

ناجانے کیا ہوا کہ وحید بخاری نے لمحے میں اپنی شرمندگی اور احساس ندامت بھاڑ میں جھونکے غراتے ہوئے لپک کر اس بار کاشان ہمانی کے گریبان کو پہلے سے زیادہ شدید دبوچا، وفا اس اچانک افتاد پر لہرا کر دو قدم دور ہٹی، اسکی آنکھوں میں تکلیف اور درد کی اخیر لہریں گویا منجمد ہو گئی تھیں۔

"ب۔۔۔ بھائی۔۔۔ چھوڑیں اسے۔۔۔۔ پاگل ہو گئے ہیں۔ لیو ہیم۔۔۔ اگر اب آپ نے کاشان کو ہاتھ بھی لگایا تو اچھا نہیں ہو گا۔۔۔"

وہ جس کے اوسان لمحہ بھر خطا ہو گئے تھے، ہوش میں لوٹتے ہی آگے بڑھے وحید بخاری کے ہاتھوں سے کاشان کی شرٹ چھڑوائے حلق تک چینخی، وہ وفا کی اس ہیجانی کیفیت پر تھم ہی تو گئے۔

کاشان کے گریبان کو چھوڑے اسے حقارت سے دیکھ کر پیچھے دھکیلا اور بنا کچھ کہے وفا کی کلائی پکڑے اسے اپنے ساتھ لے جانے لگے مگر کاشان ہمانی نے انکی راہ میں حائل ہو کر گویا آج اپنا خون اس جذباتیٗ شخص پر واجب کر دیا تھا۔

"چھوڑ دیں وفا کو، میرا فیصلہ صرف یہی کرے گی۔۔۔ مجھے کسی برے ردعمل پر مت اکسائیں مسٹر وحید بخاری، میں پہلے ہی آپکی اس ناقابل برداشت الزام تراشی کو بہت تحمل سے برداشت کر چکا ہوں"

لہجہ کڑک مگر تنبیہی کیے وہ اپنی آنکھوں کی سرخ قوت کو استعمال میں لائے بہت صاف لفظوں میں وحید بخاری کو اس زبردستی پر ٹوک چکا تھا مگر آج وہ کسی قیمت پر کاشان ہمانی کا فیصلہ وفا پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

انھیں اس خبر کے بعد یقین ہو چکا تھا کہ انکا شک ہرگز غلط نہ تھا، ایک بار پھر وہ شاطر قانون کی گرفت سے بھلے بچ نکلا ہو لیکن وہ اس خطرناک شخص کے سائے میں وفا کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

"بھاڑ میں جاو تم، کیا سمجھتے ہو کہ اپنی جگہ کسی بھی ایرے غیرے کو پائزن بنا کر سزا دلوا دو گے اور بچ جاو گے۔۔۔ نہیں کاشان ہمانی، بھلے پوری دنیا کے سامنے تم بے نقاب ہونے سے بچ گئے ہو مگر یاد رکھنا تم اپنے ہر گناہ کی اسی دنیا میں قیمت چکاو گے۔

ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ پائزن پکڑا گیا۔۔۔ ہنہ۔۔۔ تم سب کی آنکھوں میں دھول جھونک لو، عدالت اور قانون سے بھلے بچ نکلو لیکن یاد رکھنا ایک عدالت سر محشر بھی لگے گی"

مشتعل ہوتے ہوئے وہ یہ سچائی بھی روانی میں کہہ بیٹھے، موت کے لمحے میں زندگی کی امید جیسی یہ سچائی اعصاب پر برق ہی کی مانند اتری تھی۔

انکے اس انکشاف پر تین تین روحیں تھرائیں تھیں۔

وفا، جسکی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا۔

کاشان ہمانی، جسکی جلتی روح پر ایک آخری مہلت کی پھوار آن گری، ایزل مہران جس کا دل دھڑکتے دھڑکتے تھم گیا تھا۔

اور جب ان دو کی ساکت صورتیں تادیر دیکھیں تو انھیں اپنی اس سنگین غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔

کاشان ہمانی تو ابھی بھی صدمے کی سی کیفیت میں تھا اور وفا نے خاموشی سے ہی وحید بخاری کی جان لے لی تھی۔

وہ نظریں انکے سینے پر کند چھری سا وار کر گئیں۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے سینے سے لگا کر پاس سلانے والے بھائی، اسکی چھوٹی چھوٹی تکلیف پر تڑپ اٹھتے وحید بخاری ہی اسے اسکی زندگی کا سب سے مایوس کن دکھ دیں گے۔

"بہت افسوس ہوا ب۔۔بھائی، ایک شک کی بنیاد پر آپ نے اسے مجرم بنا دیا۔ مم۔۔میری نظروں میں اسے گرانا چاہا۔۔آپ نے کیا کیا نہیں کہا اسے، کم از کم آپکو کاشان کی ذات پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے تصدیق کر لینی چاہیے تھی۔۔۔۔پلیز چلے جائیں ایسا نہ ہو میں آپکی بے ادبی کر بیٹھوں"

آنکھوں میں جی بھر کر ناراضگی بھرے وہ پہلی بار کسی سے ایسی سخت روٹھی تھی، اور وحید بخاری کا دل تو وفا کے یہ چند زیر زمین دفن کرتے جملوں سے ہی کٹ گیا۔

"میں نہ تو اپنے کسی الزام پر شرمندہ ہوں نہ انکاری، تم نہیں جانتی ایسے لوگ کس قدر شاطر ہوتے ہیں۔ مجھے اس انسان پر زرا اعتبار نہیں اور میں تمہیں اس کے ساتھ اکیلے نہیں چھوڑ سکتا۔ چلو میرے ساتھ"

وہ کسی قیمت پر وفا کو اس جگہ نہیں چھوڑ سکتے تھے مگر وفا نے انکی جانب سے چہرہ موڑ کر بات ختم کر دی تھی، وہ بس کاشان کو دیکھ رہی تھی جہاں زمانے بھر کی بے حسی کا پہرہ تھا۔

وحید بخاری بھرا دل لیے وہاں سے پلٹ گئے، وفا کی حفاظت کی ہر دعا رد ہو گئی تھی، انکے دل میں ٹیس اٹھ رہی تھی۔

چند ہی ساعتوں میں وہ ان دو کو ایک دوسرے کے لیے چھوڑے وہاں سے اوجھل ہو گئے۔

"کیا تم کچھ نہیں بولو گے؟ تمہارے حصے کی صفائیاں کون دے گا۔ کیا تم بھی شاطر اور سفاک ہو کاشان ہمانی، کیا تم بھی زندگی کی روح مجھ میں پھونک کر یکلخت میری رگوں سے لہو نچوڑ دو گے۔۔۔ بولو ناں کاشان، چپ مت رہو۔۔۔ تمہاری چپ مجھے اس جھوٹ اور سچ کی لڑائی سے کہیں زیادہ کاٹ رہی ہے"

ان بے قرار تڑپتی ہوئی غمگین آنکھوں کے نوحے جب زبان کے تلخ اور دلسوز ماتم سے جڑے تو وہ سر تا پیر اجڑی دیکھائی دی، اس ظالم کے سامنے گڑگڑا کر اسے اپنے دفاع کے لیے مجبور کرتی وہ آنکھیں جن سے بہتا اک اک آنسو کاشان ہمانی کے دل پر بوجھ بڑھاتا تھا۔

"صفائیاں مجرم دیتے ہیں، فاتح نہیں"

درخت کی اوٹ سے بلند ہوتی خوشی اور غرور میں لپٹی نسوانی آواز کے حصار نے ان دونوں کی توجہ کھینچی، بیک وقت وہ بیچ سڑک کھڑے پیچھے مڑے، اجنبی آنکھوں کو دیکھا، دو طرفہ ناشناسائی تھی مگر کہیں دل دھڑکا تو کہیں آسمان کی تہیں لرزیں۔

وفا نے بھری آنکھیں اس جانب ٹکائیں، بصارت تو دھندلائی ہوئی تھی پھر بھی اس پار اک چہرہ ابھرا، اور کاشان ہمانی نے ایزل مہران کی اپنی جانب جمی مہربان آنکھیں دیکھیں۔

محبت کیا ہے؟

محبوب کی آنکھوں میں بے بسی کے باعث موت اتر آنے سے پہلے اس پر واری چلے جانا، وہ محبت جس کا دم ایزل مہران کی سانسیں بھرتی تھیں، وہ عشق جو بے نام سا تھا آج اپنے کئی نام ایک ساتھ پائے محض دیدار سے ہی سرخرو ہو گیا تھا۔

"کون ہو تم؟"

وفا نے اس اجنبی لڑکی سے پوچھا جو مدھم مسکان چہرے کے خدوخال میں سموئے ان دو بے جان وجودوں کے پاس چلی آئی۔

اندر قیامت ہو تو باہر سجایا جھوٹا تبسم بھی درد کی تہوں میں لپٹا لگتا ہے، اور سب سے مشکل درد اپنے چہرے کے خدوخال کو مجبور کرنا ہے کہ وہ ایسی شکل اختیار کر لیں جو اس لمحے کی بدنما حقیقت سے الٹ ہو۔

"میں کون ہوں یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی لیکن یہ کون ہے، آج تمہیں بتاوں گی وفا"

وہ یوں مکمل متوجہ ہو کر وفا کی سمت پلٹی جیسے اس وقت وہاں کاشان ہمانی موجود ہی نہ ہو بس وہ بے سروسامانی میں مبتلا اک ہوش وحواس کھو بیٹھتی کوئی دیوار بن گیا جسکی بدقسمتی یہاں تک تھی کہ اس دیوار سے کوئی لگتا ہی نہ تھا۔

وہ دو قدم ہٹائے ان دو سے دور ہوا، آنکھیں یونہی بلکنے کی چاہت کرنے لگیں۔

"مجھے کسی تیسرے کی گواہی کب درکار ہے، مجھے صرف کاشان ہمانی پر اعتبار ہے۔ دور مت جاو کاشان، مجھے بتاو خود۔۔ کوئی گناہ، کوئی غلطی اتنی بڑی نہیں جتنی اللہ کی رحمت اور سنو، میری محبت بھی تو ہے۔۔ مت جاو مجھ سے دور"

وہ یوں تڑپ کر چینخی جیسے کاشان ہمانی کے مڑتے قدم اسکی سانس تنگ کر گئے ہوں، کاشان نے اک جگر پاش نگاہ وفا پر ڈالی اور اک بے بس نظر ایزل پر اور دو قدم مزید پیچھے ہٹا۔

"کئی طرح کی اقسام میں سے ایک طرح کی زندگی بہت بھیانک ہوتی ہے، میرا سچ یہی ہے کہ میرے حصے وہ پتھریلی حیات آئی، جسکی ہر سانس زہریلی اور ہر لمحہ مرگ وہلاکت کا مرگھٹ رہا۔ میں تمہیں سچ بتاتا ہوں کہ میں نے اپنا سارا اسی دنیا سے حاصل کیا زہر جمع کیے اسی دنیا کے حوالے کر دیا۔ میں وہی ہوں جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اب تم دونوں ہی میرا پیچھا چھوڑو"

وہ کرب آمیز لہجہ پتھر کی طرح سخت تھا، وہ ہیزل گرے آنکھیں کسی بین زدہ دل کی دہائی تھیں، وہ سپید پڑتے چہرے کے سنگ کھردرے لفظ انڈیل کر اپنے دامن پے لگے سارے داغ دھوتا ہوا فرار چاہتا تھا۔

"جھوٹ۔۔۔۔۔"

وہ اس سے زیادہ سخت چلائی، نازک سے وجود پر اس دلخراش چینخ کے تشدد نے لرزا طاری کیا۔

"میں انتہائی برا ہوں، میں نے تم سے نکاح صرف بدلے کے لیے کیا تھا وفا بخاری۔ کیونکہ تمہارے بھائی نہال نے میری زویا کی خوشیاں اجاڑی تھیں۔ میں جرم اور سفاکیت کا بادشاہ ہوں، میں تاجر ہوں۔ میں ہی وہ خونخوار درندہ ہوں جس نے مہکار، فارس اور عون کی زندگی اجیرن کی۔ اور میں ایک اور انکشاف کرتا ہوں آج کہ وہ مہکار اس وقت میرے نکاح میں ہے کیونکہ وہی تو میرا جنون تھی۔۔۔ اور یہ لڑکی ایزل بھی میرے نکاح میں رہ چکی ہے۔۔۔۔ میں عورتوں کا بہت شوقین انسان ہوں۔۔۔ تم بھی میرے لیے صرف اک مہرہ تھی۔ لیکن عین وقت پر زویا نے مجھے باندھ دیا۔۔۔ میں نے بھی سوچا چلو کچھ دن تم سے دل لگی کر لی جائے، میں گناہ اور جرم کے ہر لیول سے کہیں اوپر کا گندا انسان ہوں۔ دنیا چاہے مجھے جانے نہ جانے لیکن تم اچھی طرح سن لو کہ میں صرف تمہیں لگی دیمک ہوں۔۔۔۔۔"

زمین اور آسمان کی ہر تہہ کانپ اٹھی تھی، وہ آج ہر حد عبور کرتا وفا کے سارے مان، سارے بھروسے چکنا چور کر رہا تھا، اسکا لفظ لفظ وفا کو کوڑے کی طرح اذیت دے کر گیا، اسکی پتھرائی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور زبان تو رہن ہو گئی۔

اسکے جسم سے جان نکالے وہ تن کر کھڑا اپنے بے نشان ہونے کو چنداں اہمیت دیے بنا ساری بھڑاس نکال کر ریزہ ہو گیا تھا۔

وفا نے اسکی جانب یہ خود ساختہ قدم لمحے کے ہزارویں حصے بڑھائے اور اسکے ہاتھ کو یوں تھام لیا جیسے وہ جانتی ہو کہ وہ اسے صرف اپنے آپ سے نوچ رہا ہو۔

"مجھ۔۔مجھے مارنے کا آسان طریقہ چ۔۔چنو، گن نکالو اور مار دو۔۔۔بدلہ بھی تو رہتا ہے ناں۔ تم جرم اور گناہ کے بادشاہ سہی لیکن میں صرف تمہاری وفا ہوں، تم نے دل لگی کی اور خوب کی پر یہ میرے دل کو آن ل ۔۔۔لگی۔۔۔۔ آسان م۔۔موت تو دے سکتے ہو۔۔کونسا مشکل ہو گا ایک قاتل کے لیے ایک اور معمولی سا قتل۔۔۔رکو۔۔۔میں لا کر د۔۔دیتی گن"

وہ اس وقت اپنے ہوش میں نہ تھی، آواز کو نہ تو بھرنے سے روک سکی نہ وہ وفا کے گاڑی تک جانے اور گن لانے کو روک سکا، یہ معمولی سا قتل تو خود اس شخص پر حرام تھا، خودکشی کی مانند۔

وہ اسے ٹھیک نہ لگی، وہ یکدم پاگل سی ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں سرخائی لیے، اخیر تکلیف دہ خفگی کے سنگ وہ وفا کے ہاتھ سے گن جھپٹ گیا، اور اس بے دردی سے وفا کی بازو دبوچی کہ درد کی جسم میں اتر جاتی لہر اس نازک لڑکی کو از سر نو رلا گئی۔

ایزل مہران کے پاس جواز اور جوابات تو تھے لیکن اسکے پاس ان دو کی تکلیف دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔

"ہاں بس اتنا بتا دو کہ تم نے مہکار سے نکاح کیوں کیا؟ حالانکہ تمہارا سب کچھ تو وفا تھی ناں"

سانس گھسیٹے، وہ بمشکل اس سے بس یہی سوال پوچھ رہی تھی اور وہ پھانسی گھاٹ کی جانب پہلا قدم بڑھانے جیسا افسردہ تھا۔

"میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا، مجرم تسلیم کرو اور تم ختم کر دو مجھے، میری اس زہریلی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تمہارے ہاتھ سے پہلی بار بھی بچ نکلنے کا بہت ملال ہے مجھے"

وہ بے حسی سے انکاری ہوا، ہٹ دھرمی سے حسرت اوڑھتے لہجے میں بولا، اسکے لہجے میں صرف جنون ٹپک رہا تھا۔

"مجھے بولنے دیں آپ دونوں۔۔۔ پلیز"

ایزل کی ہمت تک جواب دے رہی تھی، اسکی آواز پر وہ دونوں اک دوسرے کو لمحے کے لیے بھول کر اس پاس کھڑی سوگوار لڑکی کو دیکھا۔

جسکی آنکھیں، رات کی سیاہی کے ساتھ ملی ہوئیں ڈوب رہی تھیں، جسکے چہرے کی خوشی اور تکلیف گڈ مڈ ہوئے ایک تیسری کیفیت میں بدلی ہوئی دیکھائی دے رہی تھی۔

ایزل نے محبت سے بھری نرم نگاہ کاشان پر ثبت کی پھر اسی نرمی کے سنگ زارو قطار رو کر سرخ رو ہوتی وفا کو دیکھا۔

"مہکار کو فارس شاہ سے محبت ہو گئی ہے، وہ محبت جس میں دل، دماغ، روح اور پورے وجود کو بے اختیاری لگ جاتی ہے۔ گواہی چاہیے؟ میں ہوں گواہ۔ فارس شاہ اور مہکار کی تڑپ کی رب کے بعد دوسری گواہ۔۔۔ تمہارے سامنے کھڑے اس مجرم نے اس عورت کے ساتھ دوسری نیکی کی، پہلی نیکی عون کے آگے اسے نو سال پہلے بیچ کر کی تھی مگر کم فہم عقلیں اسکا ادراک نہیں رکھتیں"

وہ اپنے فرض کو چکانے کے بعد شاید ان دونوں کے سر پر منڈلاتی موت خود پر لینے والی تھی، وفا کی آنکھیں اس سچ پر بھیگیں مگر کاشان ہمانی کا دل چاہا وہ یا تو زمین میں دھنس جائے یا اسے آج اسی لمحے یہ سیاہ آسمان نگل لے۔

"ایزل مہران اپنی بکواس بند کر لو"

وہ تمام تر لحاظ بالائے طاق رکھتا دھاڑا مگر وفا نے ایزل کو اسکے وار سے بروقت بچائے اس بار اپنی ڈھال اس لڑکی کو سونپی جسکی آنکھوں میں چمک تھی۔

"آج کوئی مجھے نہیں روک سکے گا، تم بھی نہیں"

اس بار وہ بھی تکلیف سے چینخی تھی، اور اس کی آواز نے اس سیاہ رات کی ہر موہوم صدا دفن کر دی۔

"یہ سچ ہے وفا کہ کبھی مہکار نامی عورت اس شخص کا جنون تھی، لیکن وہ عورت نہایت بد قسمت نکلی۔ اس نے اپنے چاہنے والوں کو روند کر اپنی چاہ کے پیچھے بھاگنے کی غلطی کی اور خود بھی روند دی گئی۔ مہکار کے باپ نے اپنا قرض اتارنے کے لیے اسے بیچ دیا تھا، یہ شخص اسے اپنے لیے سوچتا تھا۔ جیسے ہر مرد جوانی کی سیج میں قدم رکھتے ہی ایک ہم سفر عورت کو سوچتا ہے"

ایزل مہران کی آواز بھری تھی اور کاشان ہمانی کا بس نہ چلا اسکی زبان کھینچ دے، وہ بھاگ بھی نہ سکا کیونکہ اسکی بازو وفا نے اسی بے دردی سے جکڑ لی تھی جس بے دردی سے وہ کچھ دیر پہلے خود کو اسکی نگاہوں میں گرا چکا تھا۔

"لیکن مہکار کے دل میں عون تھا، اس بات کی خبر ہوتے ہی کاشان نے اسے خود پر ممنوع کر دیا۔ اپنی ملکیت میں لا کر بھی آج تک نہ چھوا۔ اور یوں پائزن کا معیار برقرار رکھتے اسے عون بخاری کو بیچ دیا۔ لیکن قسمت نو سال کے کھیل کے بعد بھی ستم گر نکلی۔ فارس شاہ جس نے صرف عشق سیکھا تھا، اس عورت کو نو سالا اذیت

کی سزا سنانے کے بعد بھی بے قصور ہی اجڑ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی سے نکل تو گئے لیکن ایک دوسرے میں کسی کمزور لمحے جذب ہو گئے۔ اور اب تلافی کا وقت تھا۔ اس عورت نے گڑ گڑا کر عون سے فارس شاہ مانگا۔ اور وہ صرف اسی صورت مل سکتا تھا جب اس عورت کو کوئی اور وقتی قبول کرتا۔ یہ قربانی بھی کاشان نے دی۔ شاید اس مہکار پر یہ کاشان ہمانی کا آخری رحم تھا"

وہ سب کہہ گئی، وہ بھی جو نہیں کہنا تھا۔

کاشان اپنی بازو کو وفا کی ہتھیلی میں مقید محسوس کرتا بمشکل سانس لے رہا تھا، اسے ایزل مہران سے اس طرز کے انتقام کی ہرگز امید نہ تھی۔

وفا کے چہرے پر بلا کا سکون تھا مگر وہ مزید جاننے کی طلب گار تھی۔

"اور تم؟"

وفا نے اس بار ایزل کا ہاتھ بھی تھاما، جیسے کوئی اپنا دکھ ٹٹول رہا ہو، مرہم لگانے کو۔

اور وفا کے اس ادھورے سوال نے ان دو دل جلوں کو پوری تکلیف سے گزارا۔

"میں، میں تو کچھ نہیں۔ ہمارا پیپر میرج تھا۔ ایک کانٹریکٹ۔ جو بہت کم وقت کے لیے تھا۔ میرے بابا نے مرنے سے پہلے کاشان کو اپنے سارے سفاک اختیارات سونپے تھے، وہ بھی برے تھے اور یہ بھی ہے لیکن اتنا نہیں جتنا دنیا سمجھتی ہے۔ ویسے بھی میرا نہیں خیال تمہیں وضاحت دینی ضروری ہے۔ اگر تم کاشان ہمانی سے واقعی محبت کرتی ہو تو اسکی سچائی فقط اسکی آنکھوں سے جان لو گی۔ بس اتنا کر دو تم دونوں کہ اپنے اپنے حصے کی موت میرے سر ڈال دو۔ اس شخص پر آئی آنچ میرے حصے آئے تو یہ میرے لیے شرف ہے اور تمہارے حصے کی میرے سر آئے تو کاشان کے سر کا صدقہ "

اس ضبط کے اخیر امتحان پر اک آنسو تیزی سے پلکوں کی باڑ عبور کرتا گال پر گرا جسے ایزل نے فوری بے دردی سے رگڑے چہرے پر مسکان مل لی، اور اسکے یہ درد بھرے جملے وفا کو اسکی چاہت کی خبر دے چکے تھے۔

"تم نے مجھے میرے سوال کا جواب دیا تھینک یو، کاش میں تمہیں کاشان دے سکتی لیکن یہ صرف میرا ہے۔۔۔۔ تم سے پھر ملنا چاہوں گی، ابھی ہم چلتے ہیں۔ تم ضرور ملنا دوبارہ"

بچگانہ سی بے تکی ہانکتی وفا جس طرح کاشان کی بازو دبوچے کہہ کر پلٹی وہ کاشان کو تو حیرت و صدمے میں مبتلا کر گیا ساتھ ہی ایزل بھی کچھ دیر ہونق بنی انھیں دیکھتی رہی پھر یونہی ہنس دی۔

"اسے لگتا ہے میں چھیننے والی ہوں، میں تو دینے آئی ہوں وفا۔ یہ لڑکی واقعی تمہاری مستحق ہے۔ زرا نہیں لڑکھڑائی، اسے تم پر اعتبار ہے حسین آنکھوں والے پائزن۔۔۔۔ اور تم سارے کے سارے فقط اسی کے ہو"

وہ جو مرنے آئی تھی، یوں لگا خود بھی جی گئی ہو، ایک بار پھر اس سمت مسکرا کر نگاہ ڈالی اور خود بھی واپس اسی اندھیرے میں پلٹ گئی جواب سے ایزل مہران کا مسکن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے سمجھ آگئی ہے اپنی دربدری کی وجہ۔۔۔۔۔ مجھے یہ بھی سمجھ آگئی کہ میری اب تک کی اذیت کیوں کبھی ختم نہ ہوئی، بلکے اپنی شکل بدل کر پہلے سے دگنی شدت سے اترتی رہی۔۔

مجھے سب سمجھ آگئی ہے یار۔۔۔"

وہ جتنی تکلیف کے سنگ بول رہا تھا اس سے دگنی تو چھپا چکا تھا مگر اسکی کیفیت کا زہر اتنے دور سے بھی عون بخاری کی رگوں میں اتر چکا تھا۔

"فارس۔۔"

عون اسکی اذیت سے کٹ گیا تھا تبھی بات درشتی سے کاٹ تو گیا لیکن اس جانب تو خاموشی جیسے ممنوع تھی۔

"میرے اس درد کا کوئی علاج نہیں عون، اور جن دردوں کا کوئی درماں نہ ہوں انھیں بس برداشت کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔ میں خود سے ملنے جا رہا ہوں، میری اب تک کی تکلیف پر تف ہے یار۔۔۔۔۔ تو سن رہا ہے ناں۔ میں تیرے سامنے یہ چہرہ لانے کے لائق نہیں، اس جنون نے میری ذات تباہ کر دی۔۔"

وہ رو نہیں رہا تھا پر اسکی آواز میں درد کی لہریں عود رہی تھیں، منیہا بھی عون کی تکلیف سے سنی صورت دیکھ کر افسردہ تھی، اسے لگا تھا کہ کچھ لمحے وہ عون کو اکیلا چھوڑے تا کہ وہ دونوں آسانی سے اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔

منیہا نے اسکی ان کہی تکلیف شدت سے محسوس کی تھی مگر وہ عون کو آرام سے بات کرنے کی آسانی دیتی مگ لیے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"مجھے معاف کر دے عون، مجھے اب ک۔۔ کچھ بھی نہیں چاہیے۔۔۔ مجھے پتا ہے میرے لیے تو یہ بھی کر گزرے گا مگر اب شاید میری قسمت کچھ اور طے کر چکی ہے۔ تو منیہا کے ساتھ خوش رہ، تجھے کبھی نہیں کہوں گا اب کہ مجھے مہکار لا دے۔۔۔ تجھے کبھی نہیں کہوں گا کہ مجھے تکلیف ہے۔۔۔"

وہ بھیگتی آنکھیں ہزارہا صابر تھیں اور جس طرح فارس نے اذیت سے سانس کھینچ کر عون بخاری کو یہ اختتامی لفظ کہے وہ اسکے دل کو چیڑ کر رکھ گئے۔

"فارس شاہ، کیوں جان لینے پر اتر رہا ہے یار۔۔۔۔ ایسے کرے گا تو خاک خوشی محسوس ہو گی مجھے۔۔ کیا ہوا ہے بول، صبح تک تو سانس بند ہو رہی تھی تیری۔۔۔ مجھے یہ حکم سناتے تیرا دل بھی نہیں کانپا تھا۔۔۔ اور اب۔۔۔۔۔"

عون اسکی اذیت پسندی کے بعد ایسی سخاوت پر جی بھر کر تلملایا، اسے اس وقت فارس شاہ کی ذہنی حالت واقعی ابتر محسوس ہوئی۔

"نہیں عون، میں نے تجھے اس دوستی میں بہت آزما لیا۔۔۔ میں نہیں چاہتا اب تیری زندگی کسی کہرام کا شکار ہو۔۔۔ اب سے تو میرے لیے کچھ نہیں کرے گا، بھلے فارس شاہ پیاسا مر بھی رہا ہو تو پانی مت دینا۔۔۔ تجھے اپنی اس اذیت سے بھری ذات سے آزاد کرتا ہوں۔۔ ہو سکے تو مجھے دل سے معاف کر دینا"

اس آزادی کے حکم پر عون بخاری کو لگا جیسے اسکے وجود میں درد کی اخیر لہر اتری ہو، زندگی کا سب سے دردناک لمحہ اسکے لیے فارس شاہ کی یہ بے بسی دیکھنا تھا۔

آنکھوں میں دنیا بھر کی تکلیف کا ابال امڈ رہا تھا، وقت آخر اسکے حصے ایسی آزادی آئی تھی جو اسے تاعمر کے لیے اک قفل میں قید کر گئی، اسکے پر کٹ کر زمین پر گر گئے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ معاف کر دیا۔۔۔۔ یہی تو رہ گیا تھا۔۔۔ اب سے تیری تکلیف صرف تیری ہو گئی فارس شاہ۔۔۔ اب مر بھی جائے تو اپنی تکلیف میں تجھے نہیں پکارے گا عون بخاری۔۔۔"

مزید عون سے بھی کچھ نہ کہا گیا، فون کاٹ کر بے دردی سے موبائل صوفے کی جانب اچھال دیا۔

ناجانے اس سیاہ آنکھوں والے نے کتنا ضبط کیا تھا کہ چہرے پر جسم کا سارا لہو چھلک گیا۔

اور دوسری سمت ان بے مراد آنکھوں میں کسی کے عکس کی کرچیاں تھیں۔

آنسو رخساروں پر گر گر کر بڑھی بیرڈ میں دفن ہونے لگے تھے، یہ گرم دہکتا سیال مادہ گردن تک اتر کر سینے میں تیر سا چبھ رہا تھا۔

لیکن ابھی تک اسے قرار آیا ہو یہ ناممکن لگ رہا تھا۔

وہ جب تک مگ رکھ کر لوٹی، عون کو وحشت اور تکلیف کے سنگ اذیت سے بھرا دیوار پر یکے بعد دیگرے مکے برساتا دیکھتی باقاعدہ دوڑ کر اندر لپکی اور بوکھلاہٹ میں اس پہاڑ وجود کو اس خود پر کرتے تشدد سے روکنے کی سعی میں دونوں شانوں سے تھامے پوری قوت لگائے روبرو لایا مگر پہلی بار وہ عون کی سیاہ آنکھوں میں دنیا جہاں کا درد دیکھ کر خود بھی سوگوار ہو گئی۔

یہ منظر اسکے حلق تک تکلیف بھر گیا، جن سے محبت کا دم بھرا جائے انکی ذات کو تکلیف میں اور آنکھوں کو آنسوؤں میں ڈوبا دیکھنا جان لیوا لگتا ہے۔

"ع۔۔ عون۔ کیا ہوا آپکو۔۔۔ پلیز ایسے تو مت کریں۔۔

اور یہ ہاتھ۔۔۔۔ یا اللہ خون نکل رہا ہے"

عون کی آنکھوں کو بھولے وہ اسکے ہاتھ کی پشت سے پھوٹتی خون کی لکیر پر خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ کر بولی جو ہر طرح کی تکلیف سے عاری، ربورٹ کی طرح منیہا کے بیڈ پر بٹھانے پر بیٹھا تو سہی لیکن اسکا بس نہ چلا اپنی کوئی نس پھوڑ ڈالتا۔

پہلی بار اپنی ہار اس قدر جلا گئی تھی کہ وہ اپنے اندر زندگی بھر کے خسارے کی راکھ اٹھی محسوس کر رہا تھا۔

"منیہا مجھے اکیلا چھوڑ دو پلیز۔۔۔۔ ٹھیک ہوں میں"

اپنا ہاتھ بے مروتی سے منیہا کے ہاتھ سے کھینچے وہ نا صرف اسے ڈانٹ گیا بلکہ فوری اٹھ کر تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرے خود کو سٹڈی میں بند کر دیا۔

منیہا اسکے یہ سب کہنے، اٹھ کر جانے اور نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے ان لمحوں میں بندھ سی گئی تھی، دکھ سے بھر آتی آنکھیں جھکا کر اس نے اپنی ہتھیلی میں زندگی کی لکیر میں پھیلتے عون کے خون کو دیکھ کر درد بھری سانس کھینچی۔

وہ اس شخص کی دھیمی مسکان کی ٹھنڈک سے وجود میں آئی لڑکی، اسی شخص کے دھیمے دکھوں کے آلاو کی تپش سے اندر تک راکھ ہو گئی تھی۔

پھر اس جانب وہ کھوئی کھوئی، دور خلاوں میں نظروں کا مرکز بنا لیتی مہکار جسکے درد ہر لمحہ بڑھنے لگے تھے۔

جسے اپنی مہلت سے انس تھا، جسے اپنے اوپر ہوتے رحم کی فضلیت معلوم تھی لیکن وہ سینے میں دھر اشعلہ جسے حسرت کہتے تھے، جل رہا تھا۔

اسکے پاس وقت بھی تھا، مہلت بھی اور رحم بھی مگر وہ بس لمحے گنوا دینا چاہتی تھی، وقت کی لگام تھامے اس لمحے میں جانا چاہتی تھی جب اسے اپنی آخری خواہش کا سکھ ملتا۔

وہ خواب سجا رہی تھی، وہ خود سے روٹھے پرندے منا رہی تھی۔ اپنا رزق تک چھت بالکونی اور لان میں بچھا کر پرندوں کو پکارتی، دن بھر کی اس مشقت کے بعد اپنی جلی آنکھوں میں مرہم بخشتے فارس شاہ کی دسترس سجا لیتی۔

اس نے سوچ لیا تھا، وہ مرنے سے پہلے نو سال کی تلافی کرے گی۔

جتنی بار فارس شاہ سے نفرت کا اظہار کیا اب اتنی بار پرندوں کے پروں میں محبت نامی شفا ارسال کرتی تھی، محبوب تو محبوب تھا، اسکے ہاتھ میں شفا تو ازل سے درج تھی۔

وہ آئینہ دیکھتی ہوئی وہیں تھم گئی، اسے یہ دکھ مسکراتے ہوئے رلا گیا کہ وہ کبھی فارس شاہ کے لیے نہ سجی، نہ کبھی اس کی جانب نگاہ چاہ پھیری۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اک بار اگر اسکی گناہوں سے بھری زندگی میں اس شخص کی دسترس کا سکھ پھر سے لکھ دیا جائے تو وہ اس شخص کے سارے بہے آنسوؤں کے جتنے اشک بہائے گی، جس جس جگہ اس شخص کا آنسو گرا اس زمین کی مٹی آنکھوں سے لگائے گی۔

اسے تحفے میں دنیا بھر کے سکھ پانے کی دعا دے گی، اسکے بال سنوارے گی، اسکی درد کرتی رگوں کا علاج دریافت کرے گی، اس سے ایک بار گلے لگ کر نو سال کی دردناکی کی معافی مانگے گی۔

لیکن جب یہ مردہ، ناممکنہ سا خواب اسے جنجھوڑ گیا تو وہ واپس حقیقت میں آتے ہی زارو قطار روئی تھی، اتنی کہ آنسوؤں کا گولا سا اسکے حلق میں پھنس گیا۔

"مجھے ا۔۔ ایسی موت نہ دینا اللہ۔۔۔۔۔ مجھے ایسی نا۔۔ ناگہانی موت نہ دینام۔۔ میرے اللہ۔۔۔ بس اک ل۔۔ لمحہ ہی سہی م۔ مجھے اس ش۔۔ شخص کا واپس بنا د۔۔ دے۔۔۔ ب۔۔ بس اک ل۔۔ لمحہ"

وہ روتی روتی زمین پر گر پڑی تھی، اتنے سے دنوں میں اسکی سنہری روشن آنکھیں حلقوں کی زد میں ڈوب چکی تھیں، اسکا پورا جسم اس دعا پر کپکپا رہا تھا، وہ جس طرح بلک بلک کر رو رہی تھی، اب تو اسکے شناسا پرندوں کا بھی دل بھر آتا تھا خدا خیر کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زندگی بہت لمبی اور مشکل ہوتی ہے عناب، لیکن جب آپکے پاس پیار کرنے والے اپنے ہوں تو بہت آسان اور پیاری ہو جاتی ہے۔ جیسے تمہارے پاس تمہارے بھیو ہیں، یہ میرا چیمپئین یوئی ہے اور اب تو بابا بھی ہیں"

رات کے یہ پر اثر لمحے وہ زیادہ تر عناب اور یو آن کے ساتھ ہی گزارتا تھا، یوئی کی اداسی ہٹانے کے لیے وہ اب سے اسے اپنے ہی روم میں لے آیا تھا۔

درمیان میں وہ خود تھا جبکہ اسکی دونوں بازو کے حصار میں وہ ننھے وجود مقید تھے جنکی ساری توجہ ابدال کے ہونٹوں سے ادا ہوتے لفظوں کی سمت تھی۔

یوئی اپنے ذکر پر جی جان سے مسکرایا تھا، گویا اپنی اس حسین اہمیت پر وہ ننھا بچہ نثار ہوا ہو اور اتنی بڑی ڈھارس پر عناب نے بھی دھیمی سی مسکان اپنے چہرے پر سجائے ہاں میں سر ہلائے اپنا سر ابدال کے سینے سے لگائے چہرہ چھپالیا۔

"جی ابدال بھیا لیکن کبھی کبھی کچھ سٹرینجر بھی اچھے ہوتے ہیں، جیسے وہ انکل جنہوں نے مجھے اپنے گھر لے جا کر بچایا"

یکدم ہی کہیں کھو جاتا یوئی، اسی شناسا سے لمس کو یاد کرتا بولا مگر ابدال نے فوری اسکی سمت دیکھ کر اسے سمجھانے کی نیت باندھی۔

عناب اس سارے وقت چپ چاپ سی ابدال کے ساتھ لگی تھی، یکدم جیسے سہم سی گئی ہو۔

"نہیں یوئی، سٹرینجر کوئی بھی قابل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ میری تم دونوں کو نصیحت ہے کہ کسی اجنبی کو اپنے قریب آنے مت دینا۔ جب تک میں زندہ ہوں، تم دونوں کی حفاظت کروں گا لیکن سب سے پہلے تم دونوں خود اپنی حفاظت کے قابل بنو۔ میری گڈی سمجھ رہی ہے ناں بھیو کی بات"

وہ یوئی کی گال سہلائے اسکی توجہ پاتے ہی اسے بہت پیار سے تاکید کرتا آخر تک سینے میں دبکی عناب کو پچکارتے ہوئے پکارا تو وہ اپنی سہمی، نمی کی زد میں پیوست ہری آنکھیں اٹھائے اسکی بات کو سمجھنے کا بھرپور

اشارہ دیے پھر سے ابدال کی شرٹ کے بٹنز سے کھیلنے لگ گئی جبکہ اسکا یہ درد بھرا انداز ابدال مصطفی کو کتنی تکلیف سے گزارتا تھا یہ بس اسکا قلب ہی جان سکتا تھا۔

"اوکے ابدال بھیا، آپکے ساتھ ساتھ میں بھی عناب کی کئیر کروں گا۔ آئی پرامس اسے رونے نہیں دوں گا۔ جب ممی اپنی پنیشمنٹ پوری کرنے کے بعد مجھے واپس ملیں گی تو میں اپنی ممی بھی آدھی عناب سے شئیر کرلوں گا۔ اور اور میں بہت بڑا آدمی بن کر عناب کے لیے بہت سارے گفٹس بھی لاوں گا۔۔۔"

معصومیت کے سنگ وہ کم سن دل اتنی ساری وسعت لیے تھا کہ اسکی ننھی منھی خواہشیں ابدال کے چہرے پر تھکا سہی پر تبسم بکھرا گئیں۔

وہ کتنی ہی دیر گم سم سا ان دونوں کے بالوں میں انگلیاں چلاتا رہا یہاں تک کہ یوئی اس پر سکون گرفت میں جلد نیند کی وادیوں میں جا اترا لیکن وہ ننھی گداز پری ہنوز کسی سوچ میں ڈوبی کھیلتی رہی۔

اسکی چھوٹی چھوٹی تراشی انگلیاں کبھی بٹنز سے الجھتیں تو کبھی وہ ابدال کی تھوڑی پر زرا زرا اگ آتے بالوں کے روئیں کو چھو کر دھیمی مسکا دیتی۔

کتنی ہی دیر وہ چپکے سے عناب کی یہ حرکتیں دیکھ کر مسکراتا رہا اور پھر چہرہ مکمل عناب کی طرف پھیرے وہ اسکے ماتھے پر بوسہ دیے بازو کی گرفت بڑھائے اسے سینے میں سمو گیا۔

یہ لمحہ اتنا حسین تھا کہ اسکی خوبصورتی لفظوں میں سمٹنے سے گریزاں تھی۔

"بھیو۔۔۔"

اتنی ساری محبت اور اہمیت پر اس پری کی پکار تک بھرا گئی تھی، ابدال نے اسے خود سے تھوڑا الگ کیے اسکی طرف دیکھا جو اب آنکھیں اٹھائے ابدال کو تاسف سے دیکھ رہی تھی۔

"جی بھیو کی جان، کہو"

جی جان وار دیتا ابدال مصطفیٰ کا لہجہ جو عناب میں جان ڈال گیا تھا، وہ گویا یوں اپنی بات کہنے کے لیے مضبوط ہو جاتی تھی۔

وہ اپنی ہتھیلی ابدال کے چہرے سے جوڑے ابھی بھی حسرت سے دیکھ رہی تھی اور ابدال مصطفیٰ چاہتا تھا اپنی گڈی کی آنکھ میں تادم حسرت دیکھنے تک کو ترس جائے۔

"بابا دانی تو ماف تل دو، ہد تلو۔۔۔ اشے ہیں بابا دانی۔۔۔ لو لے تھے۔۔۔۔ مش تل لے تھے آپ تو۔۔۔۔ پلامس تلو ناں میلے شے، لازی ہو جو ناں بابا دانی شے (بابا جانی کو معاف کر دو، ہگ کرو۔۔۔ اچھے ہیں بابا جانی۔۔۔ رو رہے تھے، مس کر رہے تھے آپ کو۔۔۔ پرامس کرو ناں میرے سے، راضی ہو جاو ناں بابا جانی سے)"

بلکتا، تڑپتا وہ معصوم اور پاکیزہ دل جس تکلیف اور کرب سے اک اک لفظ ارسال کیے لڑکھڑاتی زبان سے ادا کروا گیا وہ اذیت بس ابدال جان سکا یا پھر رب۔

جانے یہ کیسا تکلیف دہ لمحہ تھا کہ ابدال مصطفیٰ کی ساری زندہ دلی ریت کی دیوار بن گئی، اسکی کچھ قبل مسکراتی آنکھیں، مشتعل ہوئیں، پھر ان میں انگارے سلگ آئے، پھر دل کا کوئی زخم ادھڑا تو اسکی ٹیس اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ لے آئی۔

اس بچی کی سادگی پر ابدال نے اسے لمحے بھر دکھ سے دیکھا پھر جبراً چہرہ پھیرے اپنا سر عناب کے سر سے جوڑے اپنی بھی آنکھیں موند گیا۔

"میں جسے اپنا کہہ دوں وہ میرا نہیں رہتا، میری ذات آسیب زدہ گھر ہے میری جان۔ تمہیں کیسے بتاوں کہ میری ذات کی آدھی کمیاں اس انسان کی حسرت کی بدولت وجود میں آئیں۔ آہ میری معصوم عناب آہ، تم مجھ سے جان مانگ لیتی۔۔۔۔۔ پر یہ کیا مانگ لیا"

اپنے اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ کو اپنے اندر ہی سمیٹے وہ عناب کی سادگی پر افسردہ تھا، اسکی ذات میں چھوڑ جانے والوں کے دکھ درج تھے تو پھر وہ کیسے اپنے خساروں پر صبر کرتا۔

دل کا نم، آنکھ میں اترا تو وہ فوری اک آوارہ آنسو کو بے دردی سے رگڑے خود پر ہی جگر پاش مسکرایا تھا۔

اپنے آپ سے خارج کر دیے گئے لوگوں کو ڈھونگ رچا کر اپنا کہہ دینا اسکی حقیقت پسند ذات پر کاری وار تھا پر وہ تو عناب کی ہر خواہش پر خود کو پہلے ہی وار چکا تھا۔

اگر یہ کرنے سے اسکی گڈی کو راحت مل جاتی ہے تو یہ ابدال مصطفی کے لیے گھاٹے کا سودا نہ تھا۔

"پر تمہارے لیے ابدال مصطفی، اپنے ناپسندیدہ دشمنوں تک سے ہاتھ ملا لے گا۔ دھتکارے ہوؤں کو خوش دلی سے گلے لگائے گا، خود سے بے دخل کر دینے والوں کو پھر سے آنکھوں کا نور بنالے گا فقط شرط تمہاری مسکراہٹ ہے میری جان۔۔۔ تم مسکراؤ گی تو ابدال مصطفی ہنسے گا، تم ہنسو گی تو ابدال مصطفی تمہاری ہنسی پر قربان ہو جائے گا"

ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا بے بس آنسو جسکی پکار یقیناً عرش تک پہنچی تھی، اسکی عناب کے لیے تڑپ اتنی پاک اور قیمتی تھی کہ وہ سات ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا رب اسکی پری کی قسمت ستاروں سے روشن لکھ چکا تھا۔

"تم جیسا کہو گی میں ویسا ہی کروں گا، کیونکہ بھیو تم سے اپنی جان سے زیادہ پیار کرتے ہیں"

بہت ضبط کیے وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ اوڑھے، منتظر سی ہری آنکھوں کو باری باری چومے اسے سچی مسکراہٹ عطا کر گیا جسکی نمی کے حصار میں لپٹی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"میں بی دیادہ شاپیال کلتی ہو، تھینت یو بھیو۔۔۔ بابا دانی ہوتھ ہو دائیں دے۔۔۔ (میں بھی زیادہ سا پیار کرتی ہوں، تھینک یو بھیو۔۔۔ بابا جانی خوش ہو جائیں گے)"

جس بابا کی آغوش کے لیے وہ ترسی تھی، اب حقیقی خوش تھی کہ وہ آسودہ چھاؤں اب اسکے بھیو کو بھی ملے گی۔

وہ اسکی خوشی میں خوش تھا، لیکن ابدال مصطفیٰ یہ حقیقت تسلیم کر چکا تھا کہ اسکی خوشی اس روح زمین پر اب کہیں بھی نہیں ہے۔

وہ یہ خوش بخت خبر پائے فوری اپنے سر بھاری ہونے پر واپس ابدال کے سینے سے جا لگی، نیند اب اس پر بھی حاوی ہو گئی تھی مگر ابدال کا کیا، جسکی راتیں اس کم عمری سے ہی آنکھوں میں کٹنی شروع ہو گئی تھیں۔

اب سے اسکے زندگی سے بس دو ہی سوال رہ گئے تھے۔

پہلا کہ کتنے ٹوٹے، بے مراد، کرچیوں میں بٹے خوابوں کی لاشیں آنکھوں پہ لادی جائیں کہ یہ کھلنے سے قاصر ہو جائیں؟

دوسرا کہ اب زندگی کا اگلا کون سا دکھ سانسوں کی راہ میں رکاوٹ بن کر اس کے تسلسل کو روک پائے گا؟

اب اسے جینا تھا صرف موت آنے تک۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اسکے ساتھ خاموشی سے چلتی ہوئی اسکی ذات کی اخیر گہرائی تک اتر چکی تھی، پورا رستہ اس نے صرف کاشان ہمانی کا ضبط دیکھا، وہ بھرا ہوا، پہلی بار چیخ چیخ کر رونا چاہتا تھا لیکن نہ تو اسکے اندر چیخنے کی سکت تھی نہ اتنا حوصلہ کہ وہ اپنے ضبط کی توہین کر دیتا۔

ہمانی حویلی کے پورچ میں رکتی گاڑی اک ہوک کے عالم میں مبتلا لگی، وفا کے باہر نکلنے سے پہلے ہی وہ بپھرا ہوا باہر نکلے باقاعدہ دروازہ پٹخ کر بنا وفا کی جانب نظر ڈالے اندر کی طرف بڑھ گیا اور وہ چپکے سے دبے پاوں اندر جانے کے بجائے اپنی رکتی سانس بحال کرنے لان میں چلی آئی۔

وہ جو اندر چلا گیا تھا، داخلی دیوار پر نسب آئینے میں اپنے سراپے کو دیکھ کر رکا، اک نفرت سے بھری نظر اپنے وجود پر ڈالی اور ایک بار پھر اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ چھپائے سیدھا زویا کے کمرے کی طرف بڑھا۔

اسی دوران اپنے فون میں سیٹ ای میل پر باسط کی طرف سے ملی کچھ غیر یقین خبریں سرسری سی تکتا وہ سیدھا زویا کے کمرے کی جانب بڑھا اور ہاتھ بڑھائے دروازہ وا کیے اس نیم تاریک کمرے میں داخل ہوا۔

اسکی تھکی چال اس حدود میں آکر اور تھک گئی تھی، سامنے ہی جائے نماز پر بیٹھی نماز ختم کرنے کے بعد دعا مانگتی زویا کو دیکھ کر کاشان کی آنکھ سے اک بے بس بے اختیار آنسو ٹپکا اور اسے رگڑے وہ لمحہ ضائع کیے بنا وہیں قالین پر بیٹھے ہی اپنا سر زویا کی گود میں رکھے وہیں دہرا ہوئے لیٹ گیا۔

اس ایک آنسو کے پیچھے کئی خاموشی اذیت بیان کرتے آنسو بہے جنکی آہٹ زویا کے دل میں اسکے درد کی شدت بڑھا گئی۔

وہ کئی سالوں بعد اس قدر غم زدہ ہوا تھا کہ اسے زویا کا بچہ بننا پڑا، بلکل ویسے جیسے وہ سہما اور لاچار سا بچہ ہوا کرتا تھا اور ماں کے بعد بس زویا کی گود میں سر رکھ کر رونا سیکھ سکا تھا۔

زویا نے بھی اسے رونے سے بلکل نہ روکا، وہ جانتی تھی کہ اگر اس کے کاشان کے آنسو صاف کیے تو وہ سارے آنسو اپنے سینے میں دبائے ناسور بنالے گا۔

کوئی بھی کاشان ہمانی کی اتنی تکلیف دیکھ نہیں سکتا تھا، یہ حوصلہ بس زویا کے پاس تھا جو دعا بھول گئی تھی بس اپنی ہر سانس کے ساتھ کاشان کی خلاصی مانگ رہی تھی۔

اسے معلوم تھا کہ آج بھی وہ دونوں ایک ہی درد کا حصہ ہیں، زندگی نے ان دونوں کو بہت آزمایا تھا۔

وہ خود بھی اپنے آنسو کب روک پائی تھی، دھیرے دھیرے کاشان کے سر کے بال سہلاتی اسکے دکھ میں برابر کی شریک رہی، وہ بھی اخیر دکھ میں تھا، اب بھی نہ روتا تو شاید صدمے اور ملال کے ہاتھوں اپنا دم گھٹوا بیٹھتا۔

"بہت غلط بات ہے، جب مجھے تمہارا کندھا چاہیے ٹھیک اسی وقت تم نے میری گود میں سر رکھ دیا۔۔۔ مزید روئے تو دل بند ہو جائے گا میرا۔۔۔۔ مجھے ہر تکلیف قبول ہے سوائے تمہارے آنسوؤں کے۔۔۔ بولو اب کیا ہوا میرے شیر کو۔۔۔ خدا کی قسم میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو تمہاری تکلیف سے ہی مر جاتا۔۔۔ رحم کھاؤ اپنی بے جان زویا پر۔۔۔۔"

جب وہ اپنا چہرہ چھپائے اپنے دل کا ہر ضروری بوجھ اتار چکا تو وہ بھی بول پڑی، مزید سہنا اس بکھری ہوئی زویا سے ممکن نہ تھا۔

وہ چہرہ سیدھا کیے زویا کی جانب دیکھ رہا تھا، اسے سمجھ نہ آئی کہ اسکے پوچھنے پر اپنے اجڑنے کی کونسی وجہ بتلائے۔

"اور اگر مجھے سر رکھ کر رونے کے لیے آپکی گود میسر نہ ہوتی تو میں کسی گہری کھائی میں کود جاتا، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے زویا۔۔۔ اتنی کہ میں آپکو کندھا دینا تک بھول گیا"

وہ مضبوط شخص ایسے زرہ زرہ بکھر جائے گا اسکی تو زویا کو ہرگز امید نہ تھی، وہ تکلیف کی ہر حد سے کہیں زیادہ ٹوٹا ہوا تھا۔

اسکی ذات کی کرچیاں اسکے انگ انگ سے اٹھتے بھیانک درد سے سنگین حد تک بے رحم لگ رہی تھیں۔

"میری فکر مت کرو، میں نے اپنا درد اللہ سے کہہ دیا ہے۔۔۔ تم مجھے اپنی تکلیف بتاؤ ناں شہزادے۔۔۔ کیوں غم زدہ ہو۔۔۔ جس کاشان کو میں جانتی ہوں وہ تو رونا دور، اب کسی کو رلاتا بھی نہیں ہے۔۔۔ مجھے بتاؤ تمہارے دل کو کیسے قرار آئے گا، کہو کونسا مرہم لگاؤں تمہارے زخموں پر۔۔۔"

وہ پلوں میں کاشان کی ماں بن گئی تھی، جان وار دینے کی حد تک شفیق سی ماں۔

ابھی اس شخص کا دل کب بھرا تھا، ابھی تو اندر ایسا محشر برپا تھا کہ اسکی ہر سانس اسے ایذا دیتی سینے سے آر پار ہو رہی تھی۔

"مرہم لے لیا ہے، آپ بتائیں۔۔۔ جیسا میں سوچ رہا ہوں ویسا ہی دکھ ہے آپکا؟ آپکو میری قسم ہے زویا، جھوٹ بولنے یا ٹالنے کی کوشش بھی نہیں۔۔۔۔"

وہ اپنے ہر درد کو اتار پھینکتا نہ صرف اٹھ بیٹھا بلکہ سوگوار سی ہیزل گرے آنکھیں، زویا کے چہرے پر گاڑے اسکے دونوں گرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے استفسار کیا جس پر وہ کچھ نہ بولی بس اپنی نظریں جھکا گئی۔

"آپ اپنی پیکنگ کر لیں، لالہ آپکو کل لے جائیں گے۔۔۔ اب سے آپ ان کے پاس رہیں گی زویا۔۔۔۔ مجھے ممکن ہے اس بار واپسی میں کئی سال لگ جائیں۔۔۔ کم از کم میری زویا پر سکون حفاظت میں ہو گی اسکا سکھ ہو گا۔۔۔۔ لک ایٹ می زویا۔۔۔۔"

وہ زویا کی خاموشی پر سب جان گیا، اسے خود میں سمو کر تمام تر احساس ندامت ختم کیے یہ نیا حکم جاری کیا تو وہ بھری آنکھوں سے کاشان کو دیکھتی روئی، وہ اس سے ایسے ظلم کی امید کہاں رکھتی تھی۔

زویا کی شکوہ کناں آنکھیں سہنا کاشان کی بھی مجبوری تھی۔

"ت۔ تم۔۔۔ مجھے مت بھیجو ناں انکے پ۔ پاس۔۔۔ کاشان پلیز۔۔۔ م۔۔ مجھے بھی لے جاؤ۔۔۔"

وہ بچوں کی طرح کاشان کا گریبان جکڑے بلک پڑی، آواز تاسف سے ڈوب گئی۔

"زویا۔۔۔ اب نہیں بھاگیں ان سے۔۔۔ خدا کے لیے مجھے جانے دیں۔ میں نے بتایا ہے ناں کہ اس بار میری تکلیف بیان سے باہر ہے۔۔ ویسے بھی میری واپسی کے آرڈر آچکے ہیں۔ آٹھ، دس، بارہ سال۔۔۔ یا شاید پوری زندگی لگ جائے۔۔۔۔۔ مجھے آپ اپنی طرف سے پر سکون کریں اور اس شخص کو آباد کر دیں جو آپکی سانس کے ساتھ سانس لیتا ہے۔ اب تو پردے ہٹ چکے ہیں ناں۔۔۔۔۔ آپ مجھے جانے دیں تاکہ میں خود کو بکھرنے سے بچا سکوں"

وہ اپنی بے بسی پر خود بھی آزردہ تھا مگر اب ہاتھ میں بس وقت کی اڑان کا رخ طے کرنا باقی تھا۔

"ا۔۔ اور وفا۔۔ ت۔ تمہاری اولاد"

زویا نے سسکتے ہوئے اسکی منت کرتے لہجے میں اسکی زندگی کی وجہ گنوائیں مگر بہت مشکل سے کاشان نے اپنی اکھڑ کتی سانس کا تسلسل اس دلخراش سوال پر قائم رکھا۔

وہ خاموشی سے زویا کی جبین چومتا اٹھا اور اک تڑپتی ہوئی ان کہی نگاہ زویا پر ڈالتا دلبراشتہ سا اسکے کمرے سے باہر نکل گیا، نگاہ لان میں پتھر بن کر کھڑی وفا پر پڑی تو اس سے نظریں ملانے کی ہمت جمع کیے وہ چہرے پر بے حسی کا نقاب اوڑھے باہر نکلتا ہوا لان کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"محبت صرف رفاقت ہی تو نہیں بلکہ مسافت بھی ہے، محبت بس اک پردہ ہے، دو دلوں کی سچائی کے بیچ حائل پردہ۔۔۔ میرے نزدیک محبت تو اس من پسند شے، شخص یا خواہش کی دسترس تک کا مختصر سفر ہے۔ سفر ختم ہوتا ہے تو پھر ساتھ کی ابتداء ہوتی ہے"

خانم اور بابا کے بہت دن بعد اپنے کمروں میں پرسکون ہو کر سو جانے پر وہ بھی شکران ہی کے کمرے میں آ گئی، پہلے تو اسکے سرہانے بیٹھ کر اسکی تپتی پیشانی کی اس جان لیوا حدت میں کمی کی دعا کی اور پھر ساتھ ہی سائیڈ ٹیبل کے دراز سے اپنی سیاہ ڈائری نکال کر اس میں یہ چند سطریں درج کیں۔

اسکا روشن، مگر سانولا روپ کسی ماتمی چھاؤں کے زیر اثر تھا، وہ سر بیڈ کی پشت سے ٹیکے، ڈائری میں انگلی دبائے اسے سینے میں سموئے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"میں جانتی ہوں تم تک میری خبر پہنچ چکی ہو گی، دل چاہتا ہے تم سے جڑے لوگوں سے محبت کروں۔ ان میں زندگی اور امید کی زیادتی تقسیم کروں۔۔۔ لیکن میرا دامن خالی ہے، مجھے تم سے جڑی شدتیں بے چین کر رہی ہیں۔۔۔ کیا میں نور حیات! تمہاری کسی چھوٹی سی یاد کا حصہ ہوں بھی یا تم نے بھی میری بدخواہ قسمت کی طرح مجھے جھٹلا اور بھلا دیا"

وہ خود سے ہمکلام ہوئے بولی تھی، دھیمی اداس سی، اپنے ایک ہاتھ کی پوروں سے اپنی تھکن اوڑھتی سنہری آنکھیں دبائے گہرا سانس بھرا۔

دوسری جانب وہ بھی نیند کا دامن جھٹک کر بیڈ پر الٹا لیٹا، تکیے پر ٹھوڑی جمائے اپنے ہاتھ میں لیے لیمپ کے بٹن کو کبھی دباتا تو کبھی اس مدھم روشنی کے آنکھوں میں چبھنے پر وہ روشنی گل کر دیتا۔

"کل ہلال سے پوچھوں گی تمہارے بارے میں، محبوب ملا یا نہیں۔۔۔ نہ ملا ہوا تو یقین مانو مجھے دکھ ہو گا وھاج سکندر۔ حالانکہ ہونا نہیں چاہیے"

وہ آہستگی سے اپنے آپ سے ہمکلام تھی، خود ہی ارادے کرتی اور خود ہی ستم گر سے جواز دھر دیتی۔

اسکی ویرانیوں کے جہاں میں ڈوبی دو آنکھیں، کسی سمندر کی پیاس کا دکھ منا رہی تھیں۔

سمندر بھی وہ جسکا واحد جزیرہ وہ تھی، اور اس جزیرے کی بدقسمتی سمجھتے ہو جسے سمندر ہی دھتکار دے۔

حالانکہ اس بے رحم بھنور زدہ جہاں میں اک آس وہی واحد جزیرہ ہوتا ہے، جہاں کچھ نہ ہو کر بھی سب ہوتا ہے۔

وہ دونوں بیک وقت ایک ہی گزری یاد کا حصہ بنے تھے، وہ اسکے مجسموں کی ایک سی شکل، انکی تراش کے اندر تک اترا مجسم وہ شخص جسے خود سے محبت تک کی توفیق نہ ملی۔

ہاں مگر بس اک لاحاصل تمنا تھی جس کے سراب میں وہ اب تک ہچکولے کھاتا آیا تھا، وہ ایسے لمحے میں قید تھا کہ ایک ان دیکھی وحشتناک دلدل تھی جو نہ اسے نگل رہی تھی نہ اگل رہی تھی۔

"اب تو وہ بھول چکی ہوگی، بھلا یک طرفہ جذبے کب ثمر بار ہوتے ہیں۔ عورت ذات پر اک حد سے زیادہ انتظار تو ممنوع ہوتا ہے۔ لیکن اتنی بھیڑ میں، زندگی کی بھاگ دوڑ میں وہ مجھے زرا سی بھی نظر آئی تو آخر کیوں؟ اور میرے دماغ کی لپکتی کیفیت مجھے مار رہی ہے"

جلتی بجھتی روشنیاں جب اسے بیزار کر گئیں تو وہ مارے تذبذب کے اٹھ بیٹھا، نمی سے چمکتی پیشانی اسکے اندر کے اضطراب کی ترجمان تھی تو بے تاب دل کسی نئے اشارے کی جانب توجہ دلانے کا گھنٹہ جو اسکے دماغ پر برس رہا تھا۔

"میرے بارے میں تم سوچتے نہیں ہو گے، یہ کتنا بڑا دکھ ہے وہاج سکندر۔۔۔ تمہاری صورت کا عکس اب بھی میری انگلیوں کی پوروں میں رچا بسا ہے، یہ تمہیں دیکھے بنا بھی تمہارے خدوخال تراش لیتی ہیں۔۔۔"

اس بار وہ اداس مگر جاذب مسکرائی، ڈائری اک طرف سرکا کر رکھی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کی صورت بلند کیے انھیں دیکھا۔

پھر نظر اٹھا کر سامنے دیوار پر نسب اپنی بچپن کی تصویر کو دیکھا، جہاں وہ اپنی ماں کرن اور خانم کے ساتھ اک پیاری زندگی جینے کی ترجمان دیکھائی دیے مسکرا رہی تھی۔

ماں کی کمی، بابا سے کبھی نہ ملنے کا دکھ، وھاج سکندر سے بچھڑ جانے کا الم، اور سب سے بڑھ کر اپنے رب کو ناراض کر دینے کا پچھتاوا۔۔۔ یہ سارے زخم، یہ سارے درد، یہ سارے کرب اسکی ذات کو ادھورا کر چکے تھے۔

"فضول میں میرے مجسمے بناتی تھی پاگل، بھلا مجھ سا شخص جو بیکار ترین ہے کسی کے لیے اتنا خاص کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ یقیناً یہ صرف اک اتفاق تھا۔ اسے پتا ہے میں کس قدر خود غرض انسان ہوں۔ اور اب تو محبوب کے در سے بھی خارج شدہ ہوں۔۔۔۔ مجھے خوامخواہ اسے سوچنا نہیں چاہیے"

بیٹھے بھی چین مسیر نہ تھا تو وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ انگ انگ میں بیقراری تھی وہیں اک لاحاصلی، بے اختیاری اور بے بسی کی کیفیت ہر مو سے نمایاں بھی تھی۔

"کاش میرے پاس بابا ہوتے، انھیں کہتی کہ مجھے قرار لا دیں، سکون لا دیں۔ کاش تم ہوتے تو تمہیں کہتی مجھے میرا اللہ لا دو، جو روٹھ گیا ہے۔ میرا دل تمہارے بعد کسی شے میں نہیں لگتا، میری کوئی دعا تک سنی نہیں جاتی۔ کاش تم ایک بار میرا حال جاننے ہی آجاتے، کیا تم نے اندھیرے کی آواز میں پھیلا سوگ کبھی محسوس نہیں کیا۔۔۔۔ حالانکہ تم کئی سال سے نور حیات کے مداحوں میں شامل ہو"

حسرت کا اک مکمل جہاں اوڑھے وہ آنکھیں موند کر سر ایک بار پھر بیڈ کی پشت سے ٹکا کر رندھی آواز میں سسکی، ایک ہتھیلی اٹھائے دل پر رکھی، وہاں ہوک کا عالم تھا، جیسے دھڑکن کی زبان اور دھڑک دونوں رہن ہو گئی ہو۔

وہ اپنے دل اور دماغ کو جھٹک کر کل آنے والے نئے دن کی ذمہ داریاں سوچتا ہوا والدہ کے کمرے میں چلا گیا۔

لیمپ کی ملگجی مگر کمرے کی حدود میں پھیلی روشنی میں وہ نرم بستر پر تکیہ دراز کیے لیٹی ہوئیں تسبیح میں مصروف تھیں جب وہ اپنے دل و دماغ کے شور کو جھٹکتا، دھیرے سے قریب آیا اور بنا کچھ کہے اپنا سر زہرہ صاحبہ کی گود میں دھر دیا اور وہیں سمٹ کر لیٹ گیا۔

وہ جو آنکھیں موندھے ہوئے تھیں، دھیمی سی مسکراہٹ سے آنکھیں وا کرتے ہی اپنے بچے کو تکتیں اسکے سر کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں، جھک کر وھاج کی پیشانی چومی جسکی راحت اس بے قرار کو اپنے درد و الم سے بیگانہ کر گئی۔

"مجھے لگتا ہے مائیں ولی ہوتی ہیں والدہ، وہ صحرا کی تپتی دھوپ میں کھڑے اپنے تڑپتے بچوں کو چھاوں اور ٹھنڈک دینے والا شجر ہیں"

وہ بھلے اداس تھا لیکن حتی المقدور کوشش میں تھا کہ اپنی جھوٹی مسکراہٹ سے ماں کو بہلا دے لیکن مائیں تو اپنا درد بعد میں، اولاد کا پہلے جان لیتی ہیں۔

وہ وھاج سکندر کے ہر درد سے واقف تھیں، وہ انھیں آج تک اپنے کرب سے دور رکھے ہوئے تھا مگر شاید اسکے دل کی کرلاہٹیں ماں سے چھپ نہ پائی تھیں۔

"اسکے باوجود بھی اولاد کے دکھ بہت بڑے ہوتے ہیں پتر، ماں ساولی بھی انکے درد چن چن کر نڈھال ہو جاتا ہے۔۔۔ مجھے بس تیری خوشی دیکھنی ہے۔ بہت وقت گزار دیا، دیکھ ناں میں بھی تھک گئی ہوں۔ تجھے آباد دیکھ کر ممکن ہے میری جان با آسانی نکل سکے۔۔۔۔"

وہ بھی کیا کرتیں، اپنے جوان، خوبرو، شیر دل بچے کی تنہائی اور اداسی سے کٹ رہی تھیں، انکے دل میں دبے ارمان، گھٹ رہے تھے۔

"آپ جانے کی بات مت کیا کریں، ہلال کو میرے ساتھ ساتھ آپکی بھی اشد ضرورت ہے۔ اور یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ آپکے دو بیٹے ہیں۔ ایک اجڑا ہوا ہے تو کیا ہوا والدہ، آپ ہلال سکندر کی ساری خوشیاں دیکھیں گی۔ اسے چمکتا ہوا، شاد اور آباد دیکھیں گی۔ میرے لیے بس دعا کر دیا کریں"

لہجے میں زمانے بھر کی ٹوٹ پھوٹ لیے وہ بظاہر بڑا مضبوط بنا ہوا تھا لیکن کون اسے بتاتا کہ اولاد کے دکھ بڑی ظالم دیمک ہوتے ہیں، وہ بھی جیسے اس بچے کی دلخراش توجیہہ پر اسکے آنکھیں موند لینے پر اپنے سارے آنسو پی لیتیں خاموش ہو گئیں۔

اسے کون بتاتا کہ ماں کے لیے اپنی کوکھ سے جنم دیے ہر بچے کی اہمیت ایک سی ہے، وہ خاموشی سے اپنے درد کم کر رہا تھا، اپنا سکون لوٹ رہا تھا لیکن اب کے دل میں چلتے طوفانی جھکڑ کسی بڑے حادثے کی وعید ہی تھے۔

"آنکھ سے آدھی مسافت طے کرنے والے

آنسو کے کرب کو

کبھی تو بھی دیکھ "اے صبر

دل کی کس رگ کو کاٹ کے آیا ہے

حلق میں کرواہٹ کتنی گہری بھر دی اس نے

آنکھ میں چبھتی اسکی چبھن

کیسے زہریلہ کرتی ہے نظر کو

تجھے بچے کی طرح برسوں

دل میں پال کے

زیادہ سے زیادہ صابر کہلاؤں گی

کبھی تو بھی تو اپنے اندر صبر کو پال

صابروں کو اس صلے کی آذیت سے نکال"

اقراء نور کی خاموشی تو طویل تر ہی ہوتی تھی، وہ یونہی کئی کئی گھنٹے ایک ہی سمت تکتی اپنے خسارے یاد کرتے گزار دیتی تھی۔

اسکی تڑپ کئی گنا دگنی ہوئے کسی اور شب کے الم کاٹتی ذات پر بھی اترے تھے۔

شب خوابی کے لباس میں ملبوس تبریز خاکزاری اپنی تہہ دامنی پر اب تک ماتم کناں تھے۔

انھیں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی تکلیف انکے سینے پر کرلا رہی ہو، کچھ فاصلے پر کھڑے بدر کے پاس انکی بے بسی اور اذیت برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے کیا خبر تھی کہ تمہارے ساتھ جینے کی خواہش میں حسین طرز سے شروع ہوتا دن، یوں آہ بھرتی تاریکی میں بے مراد سا ڈوب جائے گا"

وہ بے آواز قدم وفا سے کچھ فاصلے پر ہی رک چکے تھے، وہ قدم جنکی ہر طرح کی آہٹ اس لڑکی کے دل میں رچ بس چکی تھی۔

وہ ہوش و حواس میں لوٹتے ہی اس سے باتیں کرنے لگی تھی، اسے کاشان کا فیصلہ لینے میں سوہان روح تکلیف کا سامنا تھا، اور اسکی پشت سے زرا سا فاصلہ قائم رکھ کر منجمد ہو جاتا وہ سفاک شخص اپنے اندر جانے کتنا زہر بھرے ہوئے تھا کہ اسکے چہرے کی رگوں میں دوڑتا لہو بھی نیلا پڑنے لگا تھا۔

اسکی دنیا جہاں کی نایاب ہیزل گرے آنکھیں، اپنا رنگ کھو بیٹھی تھیں، اب وہاں روگ اور جوگ کے نقش ابھر آئے تھے۔

"یہ سب یونہی ختم ہونا تھا، شیر علی تمہیں گھر ڈراپ کر دے گا۔ جاو یہاں سے، واپس اپنی دنیا میں چلی جاو، انہی سکھوں میں لوٹ جاو جو میری وجہ سے تم سے دور ہو گئے"

اس شخص کا ضبط اتنا سارا کیسے تھا یہ سوچ ہی وفا کو لرزا رہی تھی، وہ پلٹ کر اپنی سوجھی آنکھوں کا ہولناک زاویہ حد درجہ کٹھور کرتی چند تھکے قدم بڑھائے کاشان کے قریب چلی آئی۔

کیا وہ اسے آزما نہیں چکا تھا؟ کیا وہ کاشان ہمانی کی آزمائش پر کھری نہیں اتری تھی ابھی؟ یہ سوال وفا کے دل کو کاٹنے لگے۔

"گ۔۔ گھر۔۔۔ کونسا گھر۔۔۔ وہ گھر جہاں اب میرا کوئی سکھ باقی نہیں۔ وہ میرے لیے جائے پناہ رہ گیا ہے۔ ایسی جائے پناہ جہاں دل برا کیے مجبور رہنا تو ممکن ہوتا ہے لیکن خوشی سے بس جانا ناممکن۔۔۔ مجھے خود سے دور مت کرو، مجھے اپنے س۔۔ سائے کی تھوڑی سی پناہ دے دو۔۔۔"

وہ تو دل چیرتے ہوئے کاشان ہمانی کی حسین مفلوج کر گئی تھی مگر اسے ابھی سے کرچیوں میں نہیں بٹنا تھا، وہ وفا کے صبر کو اپنے صبر سے ملا کر دنگ تھا، بھلا ایسا کب ہوتا ہے۔

"میں تمہارے لائق نہیں ہوں، اس لیے بہتر ہے تم خود مجھے چھوڑ دو۔ میں نے چھوڑا تو قسم سے کسی قابل نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس دردناک زنجیر سے رہائی دو وفا تاکہ میں اپنے گناہوں کا کفارہ کر سکوں۔ مجھ سے بدکار کے ساتھ تم نہیں سجتی اب، اور یہ جاننے کہ بعد کہ تم میری ہر سچائی سے واقف ہو۔۔۔ میں ک۔۔ کبھی تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکوں گا۔۔۔۔ مجھے اس پوری دنیا کے سامنے برباد ہونا، مرنا اور یہاں تک فنا ہو جانا بھی منظور ہے لیکن میں تمہارے سامنے مجرم بن کر زندگی نہیں گزار سکتا۔۔۔ اب جاو۔۔۔ کاشان ہمانی نام کے اس برے خواب کو یہیں اس دہلیز پر اپنی آنکھوں سے نوچ کر پھینکتی جانا۔۔۔۔"

وہ ستم گر بنا، ہر منصب سے دستبردار ہوئے کسی مقدس شے کی مانند وفا کے بہتے آنسوؤں کو چھونے لگا، پھر اپنی اس بے اختیاری پر دل تک تکلیف سے بھرا، اسے اپنے لمس سے بھی محروم کر دیا۔

وہ بھیگی آنکھیں واللہ اس شخص کی چلتی نبض پر قہر تھیں لیکن وہ اپنے ہاتھوں اپنی روح جسم سے لوٹ گھسوٹ کیے نوچ رہا تھا۔

"تمہیں میری آ۔۔ آہ لگ گئی تو؟"

ضبط کا دامن تھامنا وفا کے لیے مشکل تھا لیکن نا جانے کیوں اسے کاشان خود سے زیادہ بے بس لگا۔

تبھی کپکپاتے لفظوں کا اک آخری وار کرتی وہ اسکا سر دپڑتا ہاتھ تھامے منت بھرے لہجے میں سسکی۔

"تو کیا، اچھا ہے۔ مجھے اب جو بھی لگے پرواہ کسے ہے۔ تم اپنے رکے کام کرنا، اپنی ٹھہر جاتی زندگی دوبارہ شروع کرنا۔۔۔ تم سب مل کر عناب کو انصاف دلانا۔ اور ہاں اب تمہیں یا کسی کو بھی کاشان ہمانی نہیں ملے

گا۔ مجھ جیسے درندہ صفت شخص کو ہر دور میں نیا بہروپ بدلنا پڑتا ہے۔ مجھے پتا ہے تم میرا آئینہ ہو وفا لیکن میں اپنی زندگی میں پہلی بار اتنا ٹوٹ گیا ہوں کہ مجھے اس آئینے میں بھی اپنی کرچیاں نظر آرہی ہیں"

اسے خود بھی اپنے آپ سے دور جاتی وفا دکھ دے رہی تھی مگر وہ مجبور تھا، اسے ایک بار پھر واپس پلٹنا تھا۔

"مم۔۔ میں سمیٹ دوں گی ناں، موقع تو دو۔۔۔۔ مت جاو۔۔۔ میں ک کیسے رہوں گی تمہارے بنا۔ یا پھر ایسا کرو مم۔۔ مجھے یہ یقین دے کر جاو کہ تم آخری سانس تک میرے رہو گے۔۔۔۔ میں جب تمہیں تکلیف کی حد۔۔ دوں میں پکاروں گی تو تم مم۔۔ میری صداوں کا جواب دو گے۔۔۔۔ ب۔۔ بس اتنا کردو"

اور وفا کے نازک وجود پر اس درد بھرے بچھڑن کے باعث اتر آتی کپکپی دیکھ کر وہ ہر قسم توڑے اسے اپنے سینے میں سمو گیا۔

جیسے قسم کے ساتھ ساتھ جدائی کی ہر گھڑی کو بھی سینے کی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا گیا ہو۔

وہ اسکے سینے میں دبی ہچکیوں کی زد میں آگئی، کتنے ہی آنسو بہائے اس نے کاشان ہمانی کے صبر کو آزمایا۔

اور وہ اسکی کمر سہلاتا کتنی ہی دیر یہ روح سوز قربت سہتا رہا، وفا کے بہت سے آنسو بے مول کرنے کے بعد وہ اسے دونوں شانوں سے پکڑے روبرو لایا۔

"مجھے اس لڑکی کو بہلانا پڑے گا، زیادہ سے زیادہ میرے مکرنے پر کیا ہو گا۔ یہ روئے گی، تڑپے گی لیکن مجھ سے بدزن بھی تو ہو جائے گی۔۔۔۔ یہی تو چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے دل سے نکال پھینکو وفا۔ بس اسی طرح تم مجھ سی دیمک سے چھٹکارہ پا سکو گی۔۔۔ یہی میری سزا ہے"

وہ دم سادھ کر اپنی رکی سانس بحال ہونے کی تمنا میں اسے تکتی رہی اور وہ بہت دیر بعد جھوٹا وعدہ کرنے کے قابل ہو سکا۔

"دس سال۔۔۔۔اسکے بعد میں واپس آوں گا۔ تمہارے پاس اور اپنی اولاد کے پاس۔ میں تمہاری ہر آواز اور پکار کو سنوں گا، میں تمہیں یاد بھی کروں گا۔ آئی پرامسس"

یہ جھوٹ بولتے ہوئے اس شخص کی سانس تک اٹکی تھی، دل سو بار تڑپا تھا اور جسم کا رواں رواں اذیت ناک چینخوں کے شبستاں کا روپ دھار گیا تھا۔

لیکن وفا کی تو بجھتی سانس بحال ہو گئی تھی، اسے کاشان ہمانی کے ہر لفظ پر بند آنکھیں کیے اعتبار تھا تو وہ بھی ہنستے ہنستے بہل گئی، وہ دل ہی دل میں جل رہا تھا۔

وفا کی آنکھوں میں جھوٹی امید کی کرن جگائے وہ خود اس پر زندگی کے سکھ حرام کرنے والا تھا۔

"یہ دس سال ہم دو کی محبت کا صدقہ سمجھ لوں گی، مجھے واپس مل جانا۔م۔۔میری امید مت توڑنا۔ میں اس پوری دنیا کو بھول چکی ہوں کاشان۔۔۔۔مجھے اب صرف تم اور ہماری اولاد یاد ہے۔۔۔۔تم لوٹ آو گے میرا دل گواہی دے رہا ہے۔۔۔۔"

اپنے درد سے بڑھتی کراہٹیں دباتی، تکلیف گھوٹتی وہ بھاری پڑتی آواز سے اس ہارے شخص کو مزید پستی میں اتار رہی تھی، وہ کیا بتاتا کہ وفا سے کیسا عشق کر بیٹھا ہے۔

وہ عشق جو نہ وصل میں سکون دے رہا ہے نہ جدائی میں زندگی گزارنے کے لائق چھوڑے گا۔

"تمہارا دل میرے دل سے جڑھ کر جھوٹا ہو گیا ہے، یہ غلط بیانی کر رہا ہے"

کاشان ہمانی کے اندر کوئی زور سے کرلایا تھا، وہ پگلی اس سفاک کی یقین دہانی کرواتی اک موہوم جنبیش کی حسرت میں اپنے کمزور پرتے احساسات اسکی سانسوں سے جوڑ چکی تھی۔

کہ یہاں وہ ہاں کہے اور وہ اگلا سانس، دل کے حوالے کرے۔

"مجھے نہیں پتا میرا انجام کیا ہو گا وفا لیکن میری خواہش ہے کہ تم سے دور، تمہاری حد سے پرے ہی کہیں جان دے دوں۔ تمہیں سمیٹنا نہ پڑے مجھے، تمہیں میرے دکھوں پر مزید رونا نہ پڑے۔ تم کبھی وہ تکلیفیں نہ جان پاؤ جو مجھ پر گزر گئی ہیں۔ میں تم سے بے انتہا محبت کے باوجود تمہیں اپنے دکھوں میں شامل نہیں کر سکتا۔ تم سے جدائی کے بعد سے موت تک میری اس نحیف سانس کے چلنے کا فقط اک ہی سبب ہو گا کہ میں نے تمہیں میسر وقت میں سانس سانس جی لیا ہے"

اپنے سرد ہاتھ کو بڑھائے وفا کی گال سہلاتا وہ اپنے آپ سے جنگ لڑ رہا تھا، اسکے دل سے نکلتے لفظ بھی اب دم توڑ رہے تھے، اسکی ہمت ختم ہو رہی تھی۔

وہ وفا کے چہرے کے خدوخال ازبر کرتا اسکو اپنے شعور کی کسی سلامت یاد کی تہہ میں دباتا قریب ہوا اور جھک کر وفا کی پیشانی آخری بار چومی۔

یہ آخری لمس جسکی تڑپ ان دونوں کو مدت تک سلگانے والی تھی، اخیر دردناک ثابت ہوا۔

"ہمم۔۔۔ایک سیلفی"

وہ وفا کی منتظر صورت پر اک حرفی لفظ اتارتا ساتھ ہی جیب سے فون نکالے اپنی اور وفا کی نمی میں ڈوبی آنکھیں قید کرنا چاہتا تھا۔

وہ بھی کیا کرتی کہ بار بار بصارت دھندلا رہی تھی، بار بار آنکھوں کے کنارے بھر رہے تھے۔

رونے کو ایک عمر پڑی ہے سو جان جاں

تصویر بن رہی ہے چلو مسکرائیں ہم۔۔۔۔!

کیمرے کی نامراد آنکھ نے انھیں ربورٹ کہہ کر ساکت کر دیا تھا، کئی سالوں تک، یا شاید کئی صدیوں تک۔

"جب میں کہوں گی کہ 'سنو! یاد ہے' تم کہنا 'ہاں مجھے یاد ہے'۔۔۔ یہ محبت کی زبان ہو گی جسے ہم خواب و خیال میں بھی جدائی کے دنوں رائج کر دیں گے۔۔۔ میں تمہاری امید اور تمہارے انتظار میں بندھ گئی ہوں۔۔۔۔ آئی لو یو کاشان، تمہیں ب۔۔۔ بہت یاد کروں گی"

گلابی رنگ اوڑھتی گہری آنکھیں یوں سسکیں جیسے وہ اب بہت سارونے والی ہوں۔

"گھاس کے فرش پہ جب آس کا بِستر رکّھا

اپنے چہرے میں سمٹ آتے بیضوی چہرے کی حَسیں دست آویز

گال پر ہاتھ کا مِسطر رکّھا

تیری روشن جبیں پہ چَسپاں کی

یہ جو ہونٹوں کی ڈُھر ہے میری

تیرے ماتھے پہ مُہر ہے میری"

اک آخری محبت سے بھری نگاہ ڈالتی وہ ایڑیوں پر اٹھ کر اسکی پیشانی سے ہوتی ہوئی گال پر اپنے ہونٹوں کی چھاپ لگاتی اسکا سپید پڑتا بے نیاز چہرہ ہاتھوں میں بھرے اک آخری ڈور سے باندھے دور ہوئی۔

رگ رگ میں محشر برپا تھا اور یہ ایسی قیامت تھی جس پر اختیار بھی نہ رہا تھا۔

دوری بڑھائی گئی اور وہ بنا مڑے تیزی سے پورچ کی سمت بڑھی جہاں شیر علی پہلے ہی وفا کو بخاری ولا چھوڑنے کے لیے منتظر تھا۔

ان دو کی زندگی اسی نقطے پر ختم ہو گئی تھی۔

"جب خوش فہمی کا رقص ختم ہوا تو حواس پہ سب واضح ہو گیا

تب الوداع کہتے ہوئے سب کچھ کتنا شفاف تھا

جیسے کہ

مجھے کھو کر اسے کوئی دکھ نہیں تھا

اور میں اسے کھو ہی نہیں سکتی تھی

یعنی کل ملا کر ہمارے ہاتھ میں خسارے بھی نہیں آئے"

وہ جا رہی تھی، اس سفاک ستمگر کی دسترس سے بہت دور اور وہ سانس اکھڑنے کے اصل الم پر چینخ اٹھا تھا۔

"اے مِرے غالیہ مُو!

اے مِرے قامُت اَندام!

کیوں دھڑکتا ہے 'لرزتا ہے مِرے ہاتھوں سے؟؟

اے مِرے خوش پرواز!

ایک جَھٹکے سے ہتھیلی کا قفَس توڑ دیا

جا۔۔۔تجھے چھوڑ دیا

کھیت کَھلیان پہ اُڑ۔۔۔ دشت پہ 'میدان پہ اُڑ

گاؤں کے گیان پہ اُڑ۔۔۔ شہر کے زندان پہ اُڑ

دھیان کی راکھ پہ اُڑ۔۔۔ سوچ کے شَمشان پہ اُڑ

مِہر کے نُور پہ اُڑ۔۔۔ ماہ کی قندیل پہ اُڑ

آسماں آسماں گدرائے ہوئے نِیل پہ اُڑ

سات بَحروں کے دُھوآں دیتے ہوئے گِیل پہ اُڑ

اِن پَروں میں چٹاخ ہے میری

سب درختوں میں شاخ ہے میری

مَیں پرندوں کو ہَوا دیتا ہُوں

کبھی پِنجرے لیے قفس میں نہیں رکھتا ان کو

ریشمی مُہر لگا دیتا ہُوں

اُڑا دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

کہانی کے اس انت میں تکلیف کی حدیں بھی اختتام کو پہنچ گئی تھیں، اسے اب پھر روپ بدلے نئے زمانے میں بیدار ہونا تھا۔

اسے اپنا آپ روشنی کے لیے جلانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"میرے پاس اور کوئی ٹھکانہ نہیں، کچھ دن مہمان ہی کر لیں"

وہ رات کے نا جانے کس پہر لوٹا تو اپنے پہاڑوں کے دامن میں بنے خوبصورت گھر کی دہلیز پر ہی اک آس زدہ فقیر مل گیا، اک خالی وجود جسکے اندر محض دل نامی شے دھڑک رہی تھی، باقی سب تو پتھر کا ہو گیا تھا۔

وہ اپنی تھکی چال میں لاکھ اپنے مسمار ہونے کو دبا لیتا مگر اسکی زندگی کے وجود سے عاری ذات کے دکھ ایزل جان گئی تھی، وہ چپ چاپ خاموشی سے فارس شاہ کے قدموں کا تعاقب کرتی اسکے کھلے دریچے والے گھر میں داخل ہوئی۔

اردگرد کی خاموشی انتہائی ہیبت ناک تھی لیکن ان دونوں کو اب کسی شے کا خوف نہ تھا۔

"تم نے دیکھا اسے؟"

بھیگے لان کی گیلی گھاس پر چلتے چلتے وہ فارس کے سوال پر ٹھٹک گئی، دم سادھے فارس کی پشت تکی اور خفیف سے اثبات میں سر ہلاتی اسکی ہمقدم ہوئے نظریں جھکا کر چلنے لگی۔

"ہمم۔۔۔ دیکھنے کے بعد اپنی لاحاصلی پر دکھ ہوا یا خوشی؟"

کچھ دیر مزید چلنے پر وہ رک گیا، اور پلٹ کر نظر جھکائے ہی ایزل سے سپید پڑتے بے حس چہرے کے سنگ سوال کیا جو فارس شاہ کو دینے کے لیے جواب تراشتی کسی گہرے آسودہ خیال میں جا اتری۔ اسے اس کیفیت کو نام دینے میں دقت پیش آ رہی تھی، اسے بس اپنے سارے خسارے دھواں ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

"دکھ ہوا، گر وہ مجھے ملتا تو کیا ہی بات تھی۔۔۔"

دلخراش سی مسکان لیے وہ پھیکے پن سے کہتی آزردہ سی ہو گئی، اسکے لفظ لفظ کی کراہٹ بڑی دکھیاری تھی۔

"مل جاتا تو تم کیا کرتی ایزل؟ مل جانے والی شے کی تو ناقدری فطری ہوا کرتی ہے۔۔۔ تمہارا اس بد خواہ شخص سے جڑا عشق اس لاحاصلی نے ہی تو سلامت رکھا ہوا ہے۔۔۔ درد لاحق ہے، یہی درد تو ہم جیسے سیاہ بختوں کا کل سرمایہ ہوتا ہے"

فارس شاہ کی آواز میں رچی تلخی اور تکلیف، ایزل کو اپنی لگی، وہ اس شخص کی دل آویز آنکھوں کا مردہ پن دیکھ کر دنگ تھی، وہ کتنی جلدی آباد سے برباد ہو گیا تھا۔

کتنی جلدی عشق اسکے شباب کو گرہن زدہ کر گیا تھا۔

"سیاہ بختی میرے حصے نہیں ہے اب، میں اب پر سکون ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اب میرے لیے جینا اور مرنا ایک سا ہے۔ بیچ کی لکیر مٹ گئی۔ شاید میرے مقدر میں ایک آخری کام بچ گیا ہے جسکا قرض میری سانسوں کی ڈور سے جڑا ہوا ہے"

ایزل کی غیر وافع اور بے یقین توجیہہ پر فارس نے الجھن آمیز انداز میں اسکی اور دیکھا جسکے چہرے پر بلا کا سکون اتر آیا تھا۔

"کیا مطلب"

فارس کی آواز یکلخت بھاری اور آنکھیں ہراساں ہوئیں۔

"میں کل ہی جا رہی ہوں، مہکار کو واپس لانے"

ایزل کی بات سن کر فارس کے دل کو دھکا سا لگا، اسے ایزل کی دماغی کیفیت ٹھیک نہ لگی۔

"کس لیے ؟کس کے لیے ؟مانتا ہوں میں بہت ہی سیاہ کار اور گنہگار ہوں لیکن کم از کم خود پر ممنوع ہوئی اس عورت کی سمت دیکھنے سے بھی اب گریز برتوں گا۔ میں نے تو عون کو بھی اس تکلیف کے ہاتھوں اذیت کے پاتال میں جھونک دیا تھا۔ میں مہکار کو بھول جاوں گا اور تم بھی اگر اسکی یاد مجھے دلانے کے لیے رک رہی ہو تو براہ مہربانی اپنا کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈ لو"

بے حسی اور بے مروتی کے سارے ریکارڈ توڑتا وہ یکدم ہی وحشی بنا خفگی سے بڑبڑایا، اسکی اس بے خود کیفیت پر ایزل نے بلکل بھی برانہ منایا بلکہ وہ سچ بتانے کا عہد لے بیٹھی جو سچ اس جلتے، سلگتے شخص کی ہر آگ منجمد کر دیتا۔

وہ کچھ دیر مصلحتا چپ رہی اور وہ تلملاتا ہوا ایزل کی جانب سوالیہ نگاہیں گاڑے بے تاب و مضطربانہ دیکھائی دیا۔

"عشق نے آپکو تھوڑا سا بے رحم بھی بنا دیا ہے، چلیں تھوڑی بے رحمی ایزل مہران کی سمت سے بھی قبول کیجئے فارس شاہ۔۔۔ آخر کو عشق مجھ ناچیز نے بھی تو کیا ہے"

دبے دبے جوش میں مبتلا وہ فارس شاہ کی جان لینے پر تلی تھی، وہ بے کل ہوئے اپنا تن من منتظر کیے ایزل کے ہونٹوں کے نکلے بے رحم جملے سننے کو بے قرار تھا۔

"میرا امتحان مت لو ایزل"

گہری کھائی سے بلند ہوتی ہوک پر ایزل کا بھی دل کانپا۔

"نہیں لے رہی، آپکی مہکار اس وقت پائزن کے نکاح میں ہے۔۔۔ وہ یقینا یہاں سے سیدھا مہکار کے پاس ہی جائے گا۔ اسکی زندگی کو مکمل کرنے والی عورت اسکے پاس موجود ہے جو اس جہاں تابناک میں اس دل جلے کا واحد سکھ بھی ہے۔۔۔ وہ اب مہکار کو آزاد کر دے گا لیکن اس آزادی کے بدلے ممکن ہے پائزن کوئی اہم

تقاضا بھی کرے۔۔۔وہ ٹھہرا دنیا دار۔۔۔۔میرے نزدیک وہ مہکار سے اسکی اولاد کا تقاضا کر سکتا ہے۔۔۔ لیکن میں اس بات کی گرانٹی دے سکتی ہوں کہ آپکا بیٹا آپکے بعد پائزن کی حفاظت میں سب سے زیادہ محفوظ رہے گا"

ایک کے بعد ایک قیامت کی طرح اترتی ہولناک سچائی وہ جس روانی سے کہہ بیٹھی، فارس شاہ کو لگا اسکے دماغ میں یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے ہوں، پورا وجود ہی تھرا اٹھا ہو، وہ سن سی کیفیت میں غائب دماغی کے سنگ ایزل کو گھور رہا تھا جیسے اس کے کہے لفظوں پر اعتبار کی سکت نہ رہی ہو۔

"م۔۔میں نہیں مانتا"

تکلیف کی حد لیے وہ درد کی لہر پر بلبلا اٹھا۔

"مجھ فقیر، حقیر کی بات مان لیجئے فارس شاہ"

وہ اس تڑپتے شخص کو پر سکون کرنے کو انتہائی مدھم مگر تسلی آمیز سا بولی۔

اور وہ فقیر لفظ پر شاکی نگاہوں سے ایزل کو دیکھنے لگا، کیا وہ بھی فقیر نہیں تھا؟

"میں اپنے نزدیک بہت بڑی فقیر ہوں فارس شاہ، وہ نہیں جسے آپکے معاشرے میں بھکاری یا منگتا کہا جاتا ہے۔۔۔میں وہ فقیر ہوں جسے محبوب کے دیدار کا فاقہ میسر آیا، میں وہ ہوں جس نے اس فاقے پر بھی قناعت کی، میں وہ ہوں جس نے اس قناعت پر چند قیمتی یادوں کا مرہم چڑھالیا، اور میں وہ ہوں جو اب اپنے آخری سانس تک اس عشق کی ریاضت میں جیوں گی۔۔۔

بن گئی ناں میں فقیر۔۔۔۔"

وہ تو سر تا پیر جوگن بن گئی تھی، اسکی آواز میں درد اتر آیا تھا تو لہجے میں ڈھارس، فقیروں کے لہجے ایسے ہی تو ہوتے ہیں، وہ بلکتے دل والا تھم گیا تھا، اسکے جسم میں گردش کرتا لہو بھی منجمد ہو گیا تھا۔

وہ سرپٹ وہاں سے دوڑے اندر پہنچا، اپنے کانپتے ہاتھوں سے کمرے میں پہنچتے ہی فون نکالا اور عون بخاری کا نمبر ملایا۔

وہ بے تابی کے سنگ کمرے کی حدود میں ٹہل کر اپنے کرب کو دبانے میں سرخ رو ہو رہا تھا، اسکی آنکھیں جل رہی تھیں۔

نظر بیڈ کی جانب کروٹ بدل کر بے نیاز ہو کر لیٹی منیہا پر ڈالے وہ ضبط سے چہرے سرخ بھبھول کر تا مٹھیاں بھینچ گیا۔

فون رنگ پر وہ برق رفتاری سے پلٹا اور ڈریسنگ میز پر رکھے فون کو بجتے دیکھ کر اسکی دماغ میں خنجر کی طرح دھنستی ٹون گل کرنی چاہی مگر فارس شاہ کا نام دیکھ کر وہ غیر ارادری طور پر ہی فون لپک کر اٹھاتا اپنے پورے اشتعال کو اکھٹا کیے لہو چھلکاتی آنکھوں کے سنگ کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں گاڑ گیا۔

"اب کیا رہ گیا تھا ہاں، اور کونسی آزادی باقی ہے جو تو عون بخاری کو دینا بھول گیا۔۔۔۔ اور کونسی اذیت ہے جو تو مجھے دینا چاہتا ہے فارس۔۔۔۔ تیری تکلیف، تیری آہیں، تیرے درد مجھے نوچ کھا گئے ہیں۔۔۔۔ تجھے زرا احساس نہیں کہ تو نے مجھے کس جگہ لا مارا ہے۔۔۔۔ تو ایسا بے حس اور سنگدل کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔"

ناجانے کون کونسا درد پھٹا تھا، عون اپنی زندگی میں پہلی بار اس قدر چینخا تھا، یہاں تک کہ منیہا کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے، فورا سے بیشتر اٹھ بیٹھتی وہ خوفزدہ ہوئے لپک کر عون تک پہنچی جسکے ہاتھ سے نکلتا خون اب اسکے پورے ہاتھ کو لہولہان کر چکا تھا، اس سے بھی زیادہ بھیانک وہ سیاہ آنکھیں جن سے آنسو بہے تھے یا وحشت مگر وہ انگارے کی مانند جل چکی تھیں۔

عون نے ہاتھ کے اشارے سے منیہا کو پاس آنے سے روکا تو وہ وہیں کچھ فاصلے پر آفسردہ سی آنسو روکنے کی کوشش کرتی تھم گئی۔

مقابل سے سنائی دیے جاتے محض وہ چند مسیحائی جملے تھے جن کا شافی اثر ایسا تھا کہ اس چلچلاتی دھوپ سے مزاج والے کی ہر تکلیف ثانوی ہو گئی، چپکے سے دھوپ پر چھاوں اتر آئی۔

"کیا۔۔۔؟"

عون کے ہونٹوں سے بہت ہی حیرت سے یہ ایک لفظ نکلا، خود منیہا نے بھی اپنی توجہ عون پر ٹکائی جسکا دل لمحہ بہ لمحہ گھٹ رہا تھا۔

عون کے ذہن میں جھماکہ ہوا، میکائیل کی بات کی گہرائی تو اسے اب سمجھ آئی تھی، فون بند کیے وہ وہیں رکھتا کھوئے ہوئے انداز میں چلتا ہوا بیڈ تک آیا اور گہرا سانس کھینچا۔

منیہا اسکا سایہ بنی اس بار بھی اس تک پہنچی اور بہت دکھ سے اسکے قدموں میں بیٹھتے ہی اسکا زخمی ہاتھ پکڑے تکلیف دہ انداز سے نگاہیں اٹھائے عون کو دیکھنے لگی جہاں رنگ اڑا تھا، صدمے اور سکتے کی ملی جلی سی کیفیت تھی۔

"ہر وہ گھڑی منحوس ہے جب عون بخاری کے دل کو رنج ہوتا ہے، مجھے کسی اضافی شے کی طرح دکھ میں اتار پھینکا ناں۔۔۔ نہیں بھولوں گی آپکا یہ ستم لیکن فی الحال مجھے اپنے زخم کو دیکھنے دیں۔ مجھ سے نہیں دیکھا جا رہا"

وہ جس طرح روئی سی آواز میں عون سے التجاء کر رہی تھی اسکے لہجے کا کھارا پن اور ناراضگی نے عون کو ہوش کی دنیا میں لا پٹخا۔

اس نے اپنے ہاتھ پر پھیلا خون دیکھا اور پھر زرا نظر اٹھائے منیہا کی سیلن زدہ متورم آنکھیں دیکھیں تو ملال کسی نوکیلے کانٹے کی مانند اسکی رگوں میں اترنے لگا۔

فوراسے بیشتر اپنے دونوں ہاتھوں سے منیہا کے شانے تھامے اور اسے اپنے قدموں سے اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھایا، اپنے جذباتی ردعمل پر وہ پشیمان تھا لیکن منیہا نے اسکی جانب سے رخ بہت دلخراشی سے پھیر لیا اور پھر سے اٹھی، سائیڈ ٹیبل تک گئی اور فسٹ ایڈ باکس اٹھائے واپس پلٹ کر وہیں بیٹھے اپنے ایک ہاتھ میں افسردہ سے عون کا مضبوط ہاتھ پکڑا اور دوسرے سے باکس میں رکھے کاٹن اور سپرٹ کو نکال کر دھیرے دھیرے آنسو روکتی اسکے ہاتھ پر جمے خون کو صاف کرنے لگی۔

"جب میں نہ ہوئی پھر آپ میری کمی پر روتے رہنا"

منیہا کی تکلیف دہ سرگوشی نے عون بخاری کے وجود تلے زمین کھینچ لی تھی، وہ اسکی بازو جکڑے اپنی اور جھٹکا دیے سخت جلالی ہوئے گھورا مگر وہ بے حس بنی اسکی سیاہ گہری خوفناک ہوتی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی باری باری اپنی دونوں آنکھیں مسل کر اسے پھر سے دیکھنے لگی۔

"یس عون بخاری، یو ہرٹ می۔۔۔۔ یو ریلی ہرٹ می، مجھے لگا میں اسی لمحے مٹ گئی جب آپ نے مجھے جھٹک کر رخ موڑ لیا۔۔۔۔ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے ناں۔۔۔"

وہ اس درجہ آگے چلی گئی جسکا سوچ کر ہی عون کے حلق میں تکلیف پھنس گئی، اسکے لفظ خودکشی کر گئے، اور آنکھیں تھیں کہ منیہا کے سامنے مجرم کا روپ دھارے پتھر کا مجسمہ بن گئیں۔

وہ کچھ بولنے کے قابل ہوتا تو اسے صفائی پیش کیے کچھ کہتا، بے بسی کے سنگ منیہا کی گال پر اتر آتا آنسو پونچھنا چاہا مگر وہ بے دردی سے اسے بھی جھٹک گئی۔

"منیہا، میں ٹھیک نہیں تھا۔۔۔ تم تو جان ہو عون کی۔۔۔ روٹھو مت، اس وقت منانے کی سکت بھی نہیں۔۔ وہ وقت آیا گر کہ مجھے تم نہ ملی تو پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا، مجھے معاف کر دو۔۔ لک ایٹ می، میرا سکون ہو تم۔۔۔"

اپنے ہاتھ سے بہتے لہو کو نظر انداز کیے وہ منیہا کے خفا ہونے پر تڑپ اٹھا تھا، اسکے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں بھرے بے خود لمس دینے کی نیت باندھتے ہوئے، مگر وہ اس بار پہلے سے زیادہ شدت کے سنگ عون کے ہاتھ اپنے چہرے کے حصار سے دور کر گئی، چپ چاپ عون کے ہاتھ کی پشت پر بنے زخم پر مرہم لگایا اور ویسے ہی دامن چھڑواتی اٹھ کر ربورٹ بنی فسٹ ایڈ باکس واپس رکھے بیڈ کے بلکل کنارے کروٹ بدلتی سر تکیے پر رکھے ہی کمفرٹر اوڑھ گئی، سر تکیے سے لگنے کی دیر تھی کہ اسکی آنکھیں اپنی ناقدری پر صورت برسات بہنے لگیں۔

"منیہا۔۔۔"

اپنے آنسوؤں کے بیچ اسے عون کی ڈوبتی ابھرتی آواز سنائی دی اور وہ سختی سے اپنی آنکھیں بند کر گئی مگر ابھی چند لمحے ہی بیتے تھے کہ اسے محسوس ہوا وہ مکمل عون بخاری کے حصار میں آچکی ہے، نہ صرف حصار بلکہ وہ اسے کسی ربڑ کی گڑیا کی طرح اٹھائے مکمل طور پر بازوؤں میں مقید کیے اسکے ملائم بالوں میں چہرہ چھپائے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا، لمحہ بہ لمحہ اسکی پکڑ اور گرفت بھی مضبوط ہو رہی تھی، اپنی گال منیہا کی گال سے جوڑی تو اسے اسکے خاموش آنسو اپنا چہرہ جلاتے محسوس ہوئے۔

"میں نے اسے ہمیشہ جلتی آگ سے بچایا ہے لیکن وہ ہمیشہ اپنے لیے دوزخ چن بیٹھتا ہے، مجھے کہہ رہا تھا کہ مر بھی رہا ہوں تو پانی مت پوچھنا۔۔۔ مجھے اپنی ذات سے آزادی دے رہا تھا۔۔۔ اسکی تکلیف کب سکھ بنتی

ہے اور کب دکھ، میں آج بھی نہیں سمجھا۔۔۔۔ میں اس وقت بہت برے حال میں تھا، غصے کا برا ہوں میں

مانتا ہوں۔۔۔۔ میرے سکھ میرے ساتھ یہ مت کرو، دوبارہ ایسا کروں تو سر توڑ دینا اجازت ہے"

اسکی سماعت سے ہونٹوں کو قرین تر کیے وہ تھکے تھکے سرگوشیانہ انداز میں بول رہا تھا اور وہ عون بخاری کے جسم و جان تک اترے سحر سے بدحواس ہو رہی تھی، یہ شاید ان دو کے بیچ ہٹ جاتی دوریوں کا اثر تھا کہ اس درجہ ملال میں اتر کر کچھ دیر عون کو تڑپانے تک پر راضی نہ تھی۔

لیکن اس جانب نہ ہوں تھی ناں ہاں، عون کا دل تھا کہ ڈوبنے لگا۔

"منیہا، جان لے رہی ہو اب۔۔۔۔"

اس بار وہ واقعی دکھ سے پکارا، وہ بنا اپنی بھیگی آنکھیں رگڑے عون کے حصار میں ہی اسکے روبرو ہونے کو پلٹی اور عون کو اسکی ویران سوجھی آنکھیں دیکھ کر اپنے رویے پر جی بھر کر شرمندگی ہوئی۔

"نہیں، تب لوں گی جب آپ مجھ سی مصیبت سے چھٹکارہ پالیں گے"

وہ جس انداز سے آزردہ ہوئی، وہ لہجہ کچھ جتانے اور سلگانے والا تھا، عون کے چہرے کا رنگ بھی زرد پڑا۔

"اور میرے درجن بچے کون جنے گا ہیں، تم کدھر کی فلائیٹ پکڑنے کے نیک ارادے کیے بیٹھی ہو لڑکی۔۔۔۔ بتا رہا ہوں اب ایسی گدگدی کروں گا کہ ہوش ٹھکانے لگ جائیں گے"

دانستہ منیہا کے سوگوار سے لہجے کی کاٹ ٹالتا وہ اسے بازووں میں سختی سے دبوچتا اسکی غصے اور ناراضگی سے پھلائی ناک اپنی ناک سے رگڑے چمکارا مگر ادھر پرواہ کسے تھی، وہ ہنوز بے جان چہرہ لیے عون بخاری کو دیکھ رہی تھی۔

گویا اسکی جان واقعی لینے کے در پر ہو۔

"منیہا یار، بس ناں۔۔۔۔۔ رحم کرو"

اسکی مسلسل کریدتی، جان سوز نظریں نہ سہنے کی تاب لائے وہ منت بھرے لہجے میں تاسف سے بولا اور وہ خاموشی سے اپنی بازو عون کی کمر میں حائل کرتی مکمل اسکے سینے میں حلول ہو گئی۔

"ہمم۔۔۔"

وہ چہرہ چھپائے فقط حفیف سا منمنائی، وہ بھی آواز گھٹ کر نکلی تھی۔

"ہنی مون کا کیا پلین ہے، چلیں ہم کہیں۔۔۔ ہر پریشانی اور فکر سے دور کچھ دن صرف ایک دوسرے کو دینے کے لیے۔۔۔ تمہاری یہ ناراضگی بھی دور کر دوں گا"

وہ جو اپنے ذہن میں قدر اور ناقدری کے تانے بانے بن رہی تھی، یکدم چہرہ روبرو لائے ڈوبتی اداس آنکھوں سے عون کو دیکھنے لگی، ایسا شخص جو اسے پل بھر میں جھٹک گیا تھا کیا وہ منیہا کے جھٹکنے کو سہہ سکتا تھا، اس پگلی کا دل ناں میں پھڑ پھڑ ایا۔

"بولو ناں منیہا، غصہ کر لو۔۔۔ چپ مت رہو"

ایک بار پھر وہ متذبذب ہوئے پکارا، اسکے لہجے میں پنپتی دھڑک اور فکر، منیہا کی ڈولتی کائنات اپنے محور کے گرد واپس کھینچ لائی تھی۔

"میرا غصہ نہیں سہہ سکتے آپ"

اس بار وہ اترا کر بولی تھی، ناجانے کیوں منیہا کا یہ انداز عون بخاری کے دل کی دھڑکن بڑھا گیا۔

"کیا واقعی؟"

وہ لہجے میں شوخی بھرتا اپنی گہری سیاہ آنکھوں سے منیہا کے چہرے کی خوش رو لہریں جانچ رہا تھا۔

"بلکل"

مقابل پورے وثوق سے جواب دیا گیا تھا۔

"تو مت کرنا پھر، پیار کر لو"

وہ اپنی بے خود ہوتی دھڑکن کو بڑھتا، گرجتا اور جھومتا محسوس کرنے لگا، اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر جمایا، ہتھیلی تلے دبی دھڑکن سروں اور گیتوں کا روپ دھارے ہوئے تھی۔

وہ بھی ہر زیادتی بھولے محویت سے ان گہری آنکھوں کو تکتی گئی جن کا جہاں، اسے ظاہر دنیا سے کہیں درجے پیارا اور راس لگتا تھا۔

"مانا سکون ریز ہیں آپ میرے لیے لیکن ناراضگی میں رائج ہوئی سزا بھی آپ ہی سہیں گے، آج دوری پر ضبط کریں تاکہ آپکو احساس ہو کہ پوری دنیا پر غصہ نکالنا ممکن ہے لیکن منیہا عون بخاری پر ہرگز نہیں۔۔۔ ہنہ"

اپنی راج ہنس سی گردن لیٹے لیٹے اکڑاتی وہ نخرے دیکھاتی چھوئی موئی پری پلوں میں گریز برتتی اپنے دونوں ہاتھوں سے عون کے سینے پر دباو ڈالتی زرا پرے سرکی، وہ معصومیت اور اداسی جو عون کے چہرے پر تھی اسکی سچائی اور خوبصورتی منیہا کے ہونٹوں پر رسیلی مسکراہٹ لے آئی۔

"آہاں۔۔۔ دلرباوں کی ادائیں سیکھ رہی ہے میری پٹاکی۔۔۔ خیر نہیں اب عون بخاری کی"

وہ بھی منیہا کے ہونٹوں پر کھلی عاشقانہ مگر شرارت سے بھری مسکراہٹ ادھار لیتا آنکھوں آنکھوں سے چھیڑتا سرگوشی میں بولا مگر وہ تو مزید نخریلی ہو گئی۔

"فار یور کائنڈ انفارمیشن مسٹر ہسبنڈ، نہ تو میں دلربا سے کم تھی کبھی نہ اضافی ادائیں درکار، ہم پورا پیکج ہیں۔۔۔ نہ کم نہ زیادہ"

ناز سے کہتی وہ سر سیدھا کیے مزے سے فانوس سے گرتی روشنی تکتی اپنے حسن پر اترائی تھی، اور وہ دل ہی دل میں اپنے سکھوں کے اس سبب کو اپنی زندگی تک لگ جانے کی دعا دے رہا تھا۔

"میرے اندر کے سارے موسموں میں، راستوں میں تُو

میری دھڑکن؛ میری نَس نَس؛ لہو کی گردشوں میں تُو

تو ھی خوابوں خیالوں میں ادھوری خواھشوں میں تو

میری تنہائیوں خاموشیوں میں وحشتوں میں تو

میں کیسے مان لوں اے دلنشیں تُو فاصلے پہ ھے

فقط اک تُو ھی ھے اے یار من، جو رابطے میں ھے۔۔۔۔۔"

عون بخاری کے یکدم جھپٹنے اور ہر فاصلے کے مرکز کو تباہ کرنے پر وہ بوکھلائی اور پھر اس جادوگر کی جادوئی نظر کے طلسم میں سر تا پیر قید ہوئے بس گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"شوخے"

دانت پیس کر وہ گریز کرتی اپنی بے بسی پر کڑتی منمنائی مگر اسکی اس کیفیت میں بھی کہیں اندر تک مسکراتی آنکھوں نے عون بخاری کے حواس پر دھند پھیلا دی، وہ سوچ چکا تھا اب سے کچھ وقت اسے بس منیہا بخاری کو دینا ہے۔

"شوخی"

وہ بھی ڈھٹائی سے باز نہ آنے کا عہد باندھتا اب اس دلربا کے حسن کا تفصیلی خراج دینے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہاں داد کو بھی باقیوں کی طرح اس مشن میں خصوصی شمولیت دی گئی تھی، ملنگی نامی اس درندے کا اپنے منہ سے پائزن ہونے کا اعتراف کئی بڑے بڑے لوگوں کے منہ بند کروا چکا تھا، خود وحید بخاری بھی جب رات گئے تک تھانے پہنچے، ہر طرف بھاگ دوڑ اور کہرام ہی کی کیفیت برپا تھی۔

اس مجرم کو اسکے حلفی اور زبانی دونوں اعتراف کے بعد سینٹرل جیل ریمانڈ کے لیے بجھوایا جانا تھا، کورٹ کی جانب سے پہلی فرصت میں اسکی حفاظت کے ساتھ ساتھ اسکے میڈیکل کرانے کی تاکید نوٹس میں درج ہونی تھی۔

وحید بخاری کو اپنے کانوں اور آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا، نور گل ہی کی جانب سے اکھٹی کی گئی وہ ساری معلومات بلکل اصل کاغذات تھیں جہاں اس ملنگی پہلوان کا پورا بائیو ڈیٹا درج تھا۔

مافیہ کے لوگ بھیس بدل کر پولیس سٹیشنز اور کچہریوں میں رات ہی پھیل چکے تھے، ریمانڈ کے لیے لے جاتے سمے اس جھوٹے پائزن کو ابدی نیند سلانا اگلا مشن تھا تاکہ اس کہانی کا آخری مگر بھرپور اختتام کیا جا سکے۔

جہاں داد نے بھی سامنے دیکھائی دیتی سچائی پر یقین کر لیا تھا، پولیس ثبوت اور گواہ کی متلاشی ہوتی ہے اور وہ انکو بہتات میں موصول ہو چکے تھے اور اس انتہا کی بے بسی میں وہ ساری رات وہیں پولیس سٹیشن کے باہر بیٹھ کر گزار گئے، گزری رات کی تکلیف، دھتکار اور ہار انھیں یکدم بیمار پیش کرنے لگی تھی۔

صبح کے آٹھ بجے ہی ایک نئی خبر موصول ہونے پر جہاں داد نے اپنے سپاہی کو باہر بجھوایا تاکہ وہ وحید بخاری کو اندر بلا سکے۔

جب وحید بخاری اندر پہنچے تو جہاں داد نے اپنے سامنے چند فائلیز کھول رکھی تھیں اور تشویشناک ہوئے ان میں درج خبر کو پڑھ رہا تھا جب وحید کو دیکھ کر ان فائیلز پر سے توجہ ہٹائی اور اپنے سامنے آکر کھڑے ہوتے افسردہ سے وحید بخاری کو وہ فائیل دیکھائی۔

جسے دیکھنے کے بعد انکی رہی سہی ہر امید بھی ٹوٹ گئی۔

"یہ نور گل کی ڈیڈ باڈی سے ملنے والا پاس نمبر ہے وحید، جو کاشان اور ملنگی نامی اسی بدبخت کی فائیٹ کا پاس ہے۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ نور گل نے اپنی موت سے پہلے اس پاس نمبر کو تم تک اسی لیے پہنچایا کیونکہ وہ اس ملنگی تک پہنچ چکا تھا۔ چونکہ ان مقابلوں کا انعقاد کاشان ہمانی کے زیر اثر ہو رہا تھا تبھی تم نے اپنا شک کاشان پر ظاہر کیا۔

یہ ثبوت بلکل پکا ہے"

جہاں داد ان فائیلز پر درج اس وقت کی تمام معلومات دیکھائے بول رہا تھا لیکن وحید بخاری کی سماعت میں مانو ابلا سیسہ اتر رہا تھا۔

انکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

اس فائیل میں ملنگی نامی پہلوان کا سارا ریکارڈ درج تھا، اس کا ان فائٹس میں حصہ لینا، آڈیشن میں آپر وو ہونا اور یہاں تک اپنے ایک نئے نام سے کلب میں انٹری کرنا، یہی نہیں اسکے پاس سے ملنے والی کچھ چیزوں میں نور گل کے بارے میں مکمل معلومات بھی ملی تھیں۔

نور گل ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے وحید بخاری کے مرنے والے تمام ساتھیوں کا اتا پتا، کام، اور یہاں تک کہ ہر خفیہ اور عیاں رہائش تک کا ملنگی کو پتا تھا۔

گویا وہ اپنے آپ کی نظروں میں ایک بار پھر گر گئے تھے۔

اب تو سانس تک حلق میں انڈیلنا مشکل تھا، اپنی کن پٹی سہلائے وہ تھکے تھکے قدموں سے اس سوہان روح سچ کو جاننے کے بعد باہر نکل گئے۔

دوسری سمت رات وہ جس طرح بخاری ولا لوٹی تھی وہ سماں ایسا تھا جیسے کوئی مجرم ایک لمبی سزا کاٹنے کے لیے جیل کی سلاخوں میں قید ہوتا ہے، اسے کاشان ہمانی سے بچھڑ جانے کی تکلیف مار رہی تھی، بے ثمر سی اپنی ذات وہ اس شخص کی جھوٹی تسلی کے باوجود کہیں کسی گوشہ تنہائی میں گاڑ دیتی لیکن اپنی کوکھ میں پلتی جان کے لیے اسے مستعار لی گئی سانسیں جاری وساری رکھنی تھیں۔

وہ کھٹن رات تو بیت گئی لیکن اسکی تباہ کاریاں اسکے نفیس، نرم ونازک خدوخال پر ماتمی چادر پھیلا گئیں۔

عون بخاری کو صبح صبح ملتی کئی ایک سی خبریں ایک بار پھر الجھن کے پاتال میں جا اتریں، ابدال کو یا کسی کو بھی وفا کے ولا آنے کی خبر نہ تھی تبھی وہ عناب کے ساتھ کھیلتے ہی جلدی ناشتہ کرتا سکول کے لیے نکل گیا البتہ وھاج نے بھی یوئی اور ان دونوں کو انکے سکولوں میں ڈراپ کیے نہال بخاری کے دیے چند کام مکمل کرنے آفس کا رخ کر لیا تھا البتہ نہال خود بھی ناشتہ اپنی عناب کے ساتھ کرنے کے بعد آفس نکل گئے اور جب تک عون اٹھا، ملازم اسکے اور منیہا کے ناشتے کے ساتھ ساتھ وفا کا بھی بنا رہا تھا۔

رات وفا کے چپ چاپ بخاری ولا آنے کی خبر کسی کو نہ تھی مگر ملازم سے ہی اسے وفا کے یوں اچانک آنے کا پتا چلا تو وہ فکر مندی سے سیدھا وفا ہی کے کمرے میں چلا گیا، پائزن والی خبر کے بعد اب تک وحید بخاری گھر بھی نہیں آئے تھے تبھی اسے بابا کی بھی فکر ہو رہی تھی۔

جب تک وہ روم میں آیا، وفا لحاف میں دبک کر اپنی درد کرتی آنکھیں جو کچھ دیر قبل کھلی تھی، بند کر گئی۔

اسکے کمرے میں پھیلا دن چڑھنے تک کا یہ اندھیرا عون بخاری کی فکریں دگنی کر گیا۔

"میڈم آپ میکے نیند پوری کرنے آئی ہیں کیا؟ اور بندہ پوچھے اتنی رازداری سے۔۔۔۔۔"

وہ اپنی ہی دھن میں شرارت لہجے میں سموتا جب تک بیڈ کی جانب گھوم کر وفا کی طرف آیا تو اس نے فوراً سے پہلے اپنی بات روک دی، چہرے پر اداس سی مسکراہٹ سجاتا وہ وہیں وفا کے پاس ہی ٹکا۔

جو آنکھیں بند کر کے سونے کی اداکاری کرتی ہوئی اندر سے کتنی شکستاں تھی یہ عون نے غائبانہ ہی محسوس کر لیا۔

وہ اسکی نیند خراب نہ کرنے کا ارادہ کیے بس شفیق مسکراہٹ اوڑھے اسے دیکھتا رہا۔

"تم خوش ہو ناں وفا، کتنے دن ہو گئے نہ تم نے دل کا حال کہا نہ میرا سنا۔۔۔ کاشان کی پوری کی پوری ہو گئی ہو۔۔۔ وہ تمہیں ہم سب سے پیارا ہو گیا ہے تبھی تو یاد نہیں آتی۔۔۔ لیکن تمہارے لیے خوش ہوں، تمہارے لیے اتنی ہی خوشیاں مانگتا تھا۔۔۔"

آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر وہ وفا کے ماتھے پر سہلا رہا تھا جہاں مدھم مدھم رچی بسی گرمائش نے عون کو فکرمند کیا، لیکن سونے کے باعث اتنی حدت تو فطری ہوتی ہے تبھی وہ بہل گیا۔

یا شاید وہ اپنے دکھ کو رات لگا کر سارا ضبط کر چکی تھی، اسے کاشان نے کچھ سکھایا ہو یا نہیں لیکن جبر اور صبر کرنے میں ماہر بنا دیا تھا۔

وہ چاہتی تھی کسی سے اپنی اذیت کہہ دے لیکن اسے لگتا تھا اسے لاحق دکھوں کی آبرو ہے جو کہہ دینے سے مجروح ہو گی۔

"ابھی مجھے بابا کو دیکھنا ہے ورنہ تمہیں زبردستی گدگدی کیے جگاتا اور حال پوچھتا۔ شام کو ملتا ہوں۔۔۔"

اپنے آپ سے ہی خود کلامی کیے کہتا وہ نا صرف اٹھا بلکہ اک بھرپور فکرمندانہ نگاہ وفا پر ثبت کرتا اسکے کمرے سے ویسے ہی نکل گیا جیسے آیا تھا مگر اس شناسا ہمدرد کے چلے جانے پر وفا نے دکھ سے اپنی سوجھی زرد آنکھیں کھولیں جہاں موجود نمی بے سبب ہی بڑھنے لگ گئی۔۔۔

تیسری سمت ابدال اور ہلال سکول سے جلدی واپسی پر سید ھانور حیات کے سٹوڈیو گئے تھے۔

اندر داخل ہوتے ہی مدھم مدھم بکھرتی دھنیں ان دونوں کو اپنے حصار میں لے گئیں، وہ ایک تین کمروں پر مشتمل چھوٹا سا ساونڈ پروف گھر ہی تھا، مین بڑا سا ہال اور اسکے ساتھ ملحقہ دو کمرے جن میں جا بجا میوزک انسٹرومنٹس دھرے گئے تھے، ایک کمرہ لاکڈ تھا مگر اس کی ایک کھڑکی لاونج کی جانب اوپن تھی جس سے جھانکنا بھی نہ پڑتا تھا اور سامنے والی دیوار کا سارا منظر دیکھائی دینے لگتا۔

وہ گہری جامنی رنگ میں نہائی دیوار تھی جس کے نیچے جڑے فرش پر ایرانی قالین تھا اور اس پر دو طبلے رکھے گئے تھے، ایک گاو تکیہ تھا اور اسکے ایک سرے پر گھنگرو پڑے تھے۔

" کبھی کبھی رقص بھی کر لیتی ہوں"

اس کھلی کھڑکی کے پار کا عجیب سا سچ اس پر کشش سے ابدال مصطفی کی آنکھوں میں بے چینی لایا جسے سٹوڈیو سے باہر نکلتی وہ شوخ سنہری کرن بھانپ گئی اور کب وہ ابدال کے پاس پہنچے دھیمی سی سرگوشی میں بولی کہ وہ باقاعدہ اس جانب تکتا تکتا بوکھلاہٹ میں چونکا۔

ہلال تو وہیں ہال میں بنی ایک سیاہ دیوار پر لگے بہت سے دو دو یا تین تین فقروں میں لکھے پرانے گانوں پر رکا ہوا تھا، ہر ہر سطر چمکتے قلم سے تحریر تھی اور ہر ہر تحریر کے آگے کوئی نہ کوئی تصویر لگی تھی۔

کسی بچی کی، جسکے کندھوں تک بال تھے، جسکی آنکھوں میں شوخ دوپہر کا سماں ابھر رہا تھا۔

پھر کچھ تصویریں الٹ تھیں، وہاں اک بنا ہونٹ اور ناک کے آنکھوں والا مردانہ چہرہ تھا، جسکی آنکھیں جنگل سے باہر نکلتے کسی جنگلی جانور کی طرح چمک رہی تھیں، نیلی تھیں شاید۔

بلیک ٹروزر پینٹ اور بلیک ہی شرٹ میں وائیٹ سنیکرز پہنے وہ بالوں کا آج سلجھایا انداز اپنائے ہوئے تھا، اسکی غیر یقین سی آونھوں پر اقراء بھی مسکرائی، اسے دیکھتی ہوئے صوفے پر بیٹھی اور ابدال بھی وہیں ساتھ آ کر بیٹھا تو مگر اپنی آنکھوں میں کئی سوال لیے۔

وہ دونوں اک متبسم نگاہ، سامنے بڑے تجسس سے تصویریں تکتے ہلال پر ڈالے ایک دوسرے کی جانب متوجہ ہوئے۔

وہ عام سی لگتی تھی، لیکن ابدال مصطفی اسے دیکھ کر عام نہیں مان پایا تھا، وہ سادہ سی تھی لیکن اسکی مسکراہٹ میں اک گہرائی تھی۔

"سنگنگ تک تو ٹھیک ہے، رقص کا شوق بھی ہو گا یہ جان کر شاک ہوں۔۔۔"

وہ بلکل بھی اس جگہ بے چین نہ تھا بلکہ یہ در و دیوار ہلال اور ابدال دونوں ہی کو پلوں میں اپنے لگے تھے تبھی تو وہ ساری جھجک بھلائے سیدھا سبھاو اس سے پوچھ رہا تھا۔

"کہا تھا ناں ملٹی ٹیلنٹڈ ہوں، اس کھڑکی سے اس کمرے کے نہ دیکھائی دیتے حصے میں نور حیات کا ایک اور ہنر چھپا ہے۔ پھر کبھی دیکھاوں گی۔۔۔ پہلے تو تم دونوں بتاو کھاوگے کیا"

وہ پر اسرار ائیت سے کہتی ہوئی اٹھی اور وہیں اسی ہال کی تیسری جانب بنے خوبصورت سے اوپن کچن کی جانب بڑھی جہاں تازہ گرما گرم آرڈرز پیک رکھے گئے تھے جن میں پیزا، چکن پیسیز اور زنگر تھے۔

اسے ان دو پٹاکوں کے لیے اسے یہی سب مناسب لگا تھا مگر ابھی وہ ہلال اور ابدال کی نزاکت کب جانتی تھی۔

ہلال نے دیوار تاریکی سے نظر ہٹائے اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ دھنسائے مڑ کر کچن کا رخ کیا اور اقراء کو تمام چیزیں پلیٹس میں ڈالتے دیکھ کر خود ہی آگے بڑھا۔

"یار باجیٔ آپکو کیسے پتا چلا کہ ہلال سکندر کو ایسمر اٹینگ چیلنجیز پسند ہیں، او مائی گارڈ۔۔۔مزہ آئے گا۔۔۔۔ابدال اور آپ میری وڈیو بنانا۔۔۔۔دیکھنا ایک دن میرا بھی کھاتا پیتا یوٹیوب چینل ہو گا"

پیزا، تینوں زنگر اور چکن پیسیز کے دونوں پیک اٹھائے وہ سیدھا باہر لاونج میں لے آیا اور اسکی اس من چلی حرکت پر اقراء نور کی نایاب کھنکتی ہنسی پورے لاونج میں گونجی وہیں ابدال نے بچارے پن سے نظر چرائے ہلال کو اس نادیدے پن پر کاٹ کھاتی نظریں گاڑے دیکھا۔

"ہاہا صحیح اندازہ لگایا تھا، تمہارا یہ دوست میرے اجڑے اداس سے سٹوڈیو کو جگمگا دے گا۔رہی بات تمہاری تو تم مجھے ڈائٹنگ شائٹنگ بوائے لگتے ہو۔پھر بھی بتاو کیا کھاو گے، نور حیات بہت اچھی میزبان ہے"

ہلال کو اپنی ترنگ میں مزے سے پیزا انجوائے کرتے دیکھ کر وہ ابدال کی خفگی مٹاتی دوستانہ ہوئے اسے مخاطب کیے بولی جس پر وہ رسما ہی مسکرایا۔

"اس پھٹے ڈھول کا کلیجہ کھاوں گا یہاں سے واپسی پر، اسے چھوڑیں۔آپ بتائیں یہ وائس آف ڈارکنس کے پیچھے کی کہانی کیا ہے۔میوزک کا شوق کب سے ہے آپکو؟"

پہلی بات وہ چونچال پنے میں مستے ہلال صاحب کو لتارتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی اپنی ساری توجہ اقراء کی جانب لگائی، اسکے اس دلچسپی سے سوال کرنے پر وہ دھیما سا مسکرائی۔

اور جناب دی گریٹ ہلال صاحب اب ایک ہاتھ میں پیزا پیس پکڑے، دوسرے کو کمر پر باندھے اب دوسری دیوار پر غور فکر کرنے اٹھ گئے تھے۔

"زندگی جہنم بن گئی تھی، اپنی طرف سے اسے جنت بنانے کی کوشش کی بس۔۔۔۔یہ گانا دکھ ٹالنے کے لیے شروع کیا، لوگ مجھے سنتے ہیں تو مجھے سکون ملتا ہے اور سراہتے ہیں تو میں وہ داد اپنے اس بیکار سے فن کے نام کر دیتی ہوں"

وہ نور حیات سے ایسے ناامید، افسردہ اور بجھے جواب کی توقع نہ رکھتا تھا تبھی سانس روکے اسکی اگلی بات کا منتظر ہوا۔

"اب میں مل گیا ہوں باجی، آپکی ساری اداسی ہوا کر دوں گا۔۔۔ ایکچولی میں بقول ابدال مصطفی بہت ہی باتونی اور رنگیلا شخص ہوں۔۔۔ میری اماں اور لالہ بھی میری ان کوالٹیز کے گن گاتے ہیں۔۔۔ آپ کو ابدال تو ملا ہی ساتھ زندگی کے رنگ بھی مل گئے۔۔۔۔"

اپنے غور و فکر کے سلسلے کو ترک کرتا وہ کسی فلاسفر کی طرح مڑا اور اپنی زرا فی سی گردن اکڑا کر اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے بعد بتیسی پھیلا دی اور وہ دو اخیر سنجیدہ نفوس، خوشگوار سی خوشی اور مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"ہمم یہ تو سچ ہے بھئی، اب نور حیات بور بھی نہیں ہو گی۔۔۔ بائے دے وے تم ان دیواروں پر کیا سرچ کر رہے ہو پتا کے؟"

وہ ہلال کی مزاخ کی حس سے متاثر تھی مگر اب بھی متعجب تھی اور یہی سوال ابدال کے ذہن میں بھی تھا۔

"آپ کی ہینڈ رائٹنگ باجی، اللہ دی قسمے اک لفظ نی سمجھ آ ریا۔۔۔۔"

معصوم سا منہ بنائے وہ سر کھجاتا بولا اور اس بار ابدال اور اقراء دونوں نے ایک ایک کشن اٹھائے اس شوخے کو دے مارا۔

"یہ ساتھ رہتا ہے تو مسکراہٹ سلامت رہتی ہے میری، اسکی باتوں کا برا مت مانیے گا نور حیات"

اپنے اس پگلے کی طرف سے سرسری سی معذرت کرتا وہ بہت نرمی اور دھیمے پن سے بولا تھا اور ابدال کا نور حیات کہنا اقراء کو بے حد بھایا۔

"مجھے پسند آیا ہے تمہارا یہ جھلا، خیر باقی باتیں بعد میں۔۔۔ پہلے یہ کانٹریکٹ سائن کرو۔۔۔ میں چاہتی ہوں نور حیات اب وائس آف ڈارکنس پر اک نئی آواز کے ساتھ آئے۔۔۔ تم کام کرو گے ناں میرے ساتھ"

سامنے ہی گلاس میز پر رکھے پیپرز اسکی جانب سرکائے وہ اتنی جلدی پروفیشنل ورک پر آجائے گی یہ جان کر تو نہ صرف ابدال چونکا بلکہ ہلال بھی لپک کر ان دونوں کے پاس ہی رکھے صوفے پر منہ صدمے سے کھلا چھوڑے ہی ٹھپ کیے بیٹھا۔

"امم۔۔ یہ بہت جلدی نہیں۔۔ میرا مطلب ابھی تو آپ مجھے جانتی بھی نہیں۔۔۔ نہ میں نے ابھی اپنے میوزک کے کیرئیر کے بارے سنجیدگی سے سوچا ہے۔۔۔"

ابدال شدید متذبذب تھا، اقراء اس پر اچانک اتنی بڑی ذمہ داری ڈال کر خود بھی فکرمند تھی مگر اسے ابدال کی آواز کروڑوں میں واحد لگی تھی، شاید اپنے جیسی پرسوز۔

"جان لیں گے جب ساتھ کام کریں گے، یہ آٹھ سال کا کانٹریکٹ ہوگا ابدال۔۔۔ میرا کئی انٹرنیشنل بینڈز سے بھی رابطہ ہے۔ اس سارے عرصے کے بیچ تم صرف نورحیات ہی کہ ساتھ کام کرو گے۔ ہاں اسکے بعد تم اسے ایز آ پروفیشن لینے کے لیے بلکل ریڈی ہو چکو گے۔۔۔ دیکھو ناں میں بھی ویلی ہی تھی، تمہاری آواز سننے کے بعد میرے نکمے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔۔۔ ویسے بھی شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا"

اقراء کی تمام تر باتیں ہلال اور ابدال دونوں کو ہی ایکسائٹڈ کر چکی تھیں، ان دونوں کی آنکھیں مسکرا سی رہی تھیں۔

"یار باجی آپ نے تو اندر باہر ڈھول بجا دیے یہ کہہ کر، ہائے میرا یار تو سلیبرٹی بن جائے گا۔۔۔ منظور ہے۔۔ اسکی طرف سے بھی ہاں سمجھیں"

ابدال کیا جواب دیتا، بچارے کی سمت ساری توپوں کا رخ اپنے ہی یار نے کر دیا تھا، اقراء بھی اس اقرار پر خوش تھی مگر ابدال مصطفی ابھی تک الجھن میں تھا، شاید اسکی یکدم بڑھتی سنجیدگی نہال بخاری کے سبب

تھی، عناب کی درخواست پر اس نے نہال بخاری سے اپنے تمام اختلافات ختم کرنے کی تو ٹھان لی تھی لیکن وہ جانتا تھا اسکے خواب، ان کو مکمل قبول ہر گز نہیں ہوں گے۔

"مجھے ایک دو دن دیں نور حیات، میں یہ سب اکیلے ڈن نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں میری زندگی کے چند اہم لوگ میری اس خوشی میں شامل ہوں۔ رہی بات آپکی تو مجھے خود سے بڑی یہ دوست اچھی لگی ہے۔۔۔ ہماری دوستی طویل تر ہو یہی دعا ہے"

ابدال نے جس خوبصورتی سے معاملہ سمیٹا اس کی چاشنی تھی کہ ہلال اور آقراء دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

"آمین لٹل ہینڈسم بوائے، میری زندگی میں یکدم شامل ہوتے کچھ نئے لوگ ممکن ہے میرے پرانے خسارے بھلا دیں۔ یہاں تم دو ملے ہو اور وہاں ایک چھوٹی بہن۔ امید ہے مستقبل میں ہم چاروں کا ساتھ اخیر قریبی ہو جائے"

اقراء کی اداسی مخفی نہ تھی، وہ اپنے لہجے میں عود آتے کرب کو مکمل چھپانے پر قادر نہ تھی۔

کچھ دیر گپ شپ کے بعد ان دو کی واپسی کے لیے نہال ہی نے وھاج کی ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ ان دو کو پک کرلے اور تبھی وھاج گاڑی لیے مطلوبہ پتے کی سمت نکل پڑا تھا۔

سٹوڈیو کے باہر ایک چھوٹا سا لان بھی تھا جہاں کی دیکھ بھال سلمان بابا ہی کے سپرد تھی ورنہ اقراء کی اتنے اتنے سال اس شہر سے غیر موجودگی وہاں لگے ہر پھول کو مرجھانے پر مجبور کر دیتی لیکن یہاں کا دنیا و مافیا سے یکسر الگ اور سرسبز سا، غیر روائیتی ماحول ابدال کو بھی بھا گیا تھا۔

وہ اس چھوٹے سے لان میں بیٹھ کر دھنیں ترتیب دیا کرتی تھی، باہر لان میں ہی امرود کے درخت کے پاس کھڑے وہ تینوں ہی دھیما دھیما مسکرا رہے تھے۔

"خامخواہ زحمت دی تم دونوں نے گھر والوں کو، میں چھوڑ دیتی تم لوگوں کو تمہارے ٹھکانوں پر۔۔۔۔ خیر اب روز نہ سہی ایک دن کے گیپ سے تم آتے رہنا۔ آہستہ آہستہ ہم اپنا ابتدائی کام شروع کریں گے اور مجھے تمہارے اس کانٹریکٹ پر چمکتے سگنیچرز کو دیکھنے کا شدت سے انتظار رہے گا"

جاتے جاتے بھی اقراء اسے امید اور مان سے باندھ رہی تھی، اور وہ بھی رسان سے سر ہلائے لان سے ملحقہ سڑک پر آرکتی گاڑی کے ہارن پر مڑا، ہلال نے بھی ہائے فائے کیے دوڑ کر باہر کی راہ لی البتہ ابدال جانے سے پہلے نور حیات کی طرف پلٹا لیکن اقراء کی نظر پتھر ہونے پر چونکا۔

وہ سامنے جالی دار بھاڑ کے پار نمودار ہوتے اس شخص کو دیکھ کر تھم گئی تھی، پورے جسم میں خون جامد ہو گیا تھا۔

وہ بھی اس بے یقین، غیر متوقع سامنے سے تھرا اٹھا، وہ ایک مدت بعد ایک دوسرے کی آنکھوں میں نظر آئے تھے۔

ہلال تو گاڑی میں بیٹھ گیا لیکن وہ دلخراش بے زبان سا سامنا، ان دو بھولے بسرے حادثوں کے سوا ابدال مصطفی بخاری کا شعور بھی لرزا گیا تھا۔

یہ سامنا کوئی عام سامنا نہ تھا۔

"وھاج سکندر، ہلال کے بڑے بھائی ہیں۔ اسکے علاوہ ایسا سمجھ لیں ہم سب کے محافظ بھی ہیں۔ کیا آپ جانتی ہیں انھیں؟"

اقراء نور کی جامد سوئی حسیں تیزی سے بیدار ہوئیں تو وہ فوراً سے بیشتر بوکھلاہٹ میں چہرہ اس ہر حس سے عاری بت سے چرائے ابدال کے سوال پر اسے غائب دماغی سے دیکھنے لگی۔

"ن۔۔ نہیں۔۔۔۔ تم جاو۔۔۔ ہم پھر بات کریں گے"

بدحواس سی وہ ابدال کی گال تھپتھپا کر اسے بہلائے لمحے کے ہزارویں حصے اندر بھاگ گئی، نہ صرف بھاگی بلکہ اندرونی دروازہ زور سے بند کر گئی۔

یہ سحر چھٹا تو وھاج سکندر بھی ہوش میں لوٹا، اسے ابدال کے قریب تر چلے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔

ابدال مصطفی کی آنکھیں دیکھ کر وہ بے بس ہوا۔

ابدال نے بھی بنا کوئی سوال کیے پچھلی طرف کا دروازہ کھولے اندر بیٹھتے ہی ہلال سے گپ شپ شروع کر دی۔

وھاج پہلے ہلال کو گھر ڈراپ کیے بخاری ولا آیا اور اس سے پہلے ابدال گاڑی سے نکل کر اندر کی سمت جاتا، پلٹ جاتے وھاج کی کلائی آہستگی سے تھامے وہ اسے روک کر خود مقابل کھڑا ہو گیا۔

"آپکو پتا ہے نور حیات نے کیا کہا، جب کبھی تمہیں ہنسنے کا موقع ملے تو ہنسو، ہنستے جاو، ہنسی کے اندر کی خوشی محسوس کرو، جب کبھی تمہیں رقص کرنے کا موقع ملے تو رقص کرو، اپنے قدموں میں آئی دنیا دھول کر دو، جب کبھی تمہیں گانے کا موقع ملے تو گاؤ،، جب کبھی تمہیں دھن بنانے کا موقع ملے تو دھن بناو، اور گیت ترتیب دو اور جب کبھی تمہیں تراشنے کا موقع ملے تو ذہن و دل کے سارے بھولے بھسرے خدوخال تراش دو، یادیں مجسموں میں سمو دو اور اس طرح ایک دن تم جان پاؤ گے کہ تم اپنی جنت خود تخلیق کر چکے ہو۔۔۔ لیکن مجھے محسوس ہوا انکے پاس ابھی بھی جنت نہیں ہے۔۔۔۔"

ابدال کی بے موقع سی بات کا اثر مقابل کی نیلی آنکھوں میں سرد پن لایا تھا، وہ بے تاثر ہوئے ابدال کی جانب نا سمجھی سے تکنے لگا۔

"کیا بول رہے ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا"

وھاج سکندر نے آنکھ بچائے دامن چھڑوانے کی سعی کی تھی لیکن اسے کیا خبر کہ ابدال ان دو کی نظروں کو اپنے سینے میں جذب کیے ساتھ لے آیا تھا۔

"اگر یہ کہوں کہ میں نے آپکے لیے لڑکی پسند کی ہے تو؟"

اگلا سوال گویا وھاج سکندر کی ہستی ہلا چکا تھا، وہ اپنے کانوں میں اترتے اس سوال پر خفگی بھری نظر ابدال پر ڈالے مقابل کا انتہائی پرسکون انداز دیکھ کر رہ گیا۔

ابدال مصطفی اتنا پرسکون بہت کم دیکھائی دیتا تھا تبھی تو وھاج خوفزدہ ہوا۔

"تو یہی کہوں گا کہ دماغ چل گیا ہے تمہارا واقعی میں، جاو اور مجھے بھی جانے دو"

اپنی کلائی، ابدال کے ہاتھ سے چھڑوائے وہ وھاج کے بھاگنے پر کتنی ہی دیر اسکو جاتا دیکھ کر پراسرار سا مسکراتا رہا۔

آج کے اس دن کی قسمت ہی روشن تھی جس نے اس نوعمر شخص کے دکھ ثانوی کیے تھے۔

کچھ دیر بعد ابدال کی مسکراہٹ، اداسی اور فکرمندی میں تبدیل ہو گئی۔

"اس آمنے سامنے سے لگا تھا جیسے اس کہانی میں بہت کچھ دردناک سا چھپا ہو۔ اگر یہ سب میرے جاننے کے لائق ہے تو مجھے اس درد کی گہرائی تک پہنچا دیجیئے اللہ تاکہ میں وھاج سکندر کے اتنے سارے احسانات میں سے کسی ایک کا بدلہ چکا سکوں"

خود کلامی کرتا وہ اک دعائیہ نگاہ آسمان کی جانب اٹھائے کہتا، کچھ لمحوں بعد بخاری ولا کے اندر داخل ہو گیا۔

اندر جاتے ہی اسے سامنے لاونج میں وہ دشمن دل نظر آئی جس پر نہال بخاری کی ساری توجہ مرکوز تھی لیکن ابدال کا دل تو وفا کے سوگوار چہرے کو دیکھ کر ہی کئی ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

وحید بخاری اور عون ابھی تک نہیں لوٹے تھے جبکہ منیہا، فریال صاحبہ کے ساتھ کچن میں تھی جو آج سارا ڈنر وفا کی پسند کا بنا اور بنوا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دور افق کے پار ڈوبتا ہوا سورج، ایک اور دن سے بچھڑ رہا تھا، زرد سی شام آسمان پر صورت قہر چھائی ہوئی تھی، ریمانڈ کے لیے لے جاتے سمے عین پلین کے مطابق فردوس ملنگی نامی اس درندے کی ناگہانی موت کا ہولناک انکشاف جانے کتنی روحوں پر صورت عذاب اترا تھا۔

کہا جا رہا تھا کہ اس آدمی نے اپنے منہ میں کوئی پلاسٹک کور والی تھیلی چھپائی ہوئی تھی جس میں بہت خطرناک کیمیکل تھا، موقع ملتے ہی اس نے وہ زہریلا مواد اپنے اندر انڈیل لیا جسکے باعث دو گھنٹے کے اندر اندر اسکے جسم کے اندر کی ہر چیز گل سڑ کر پگھل گئی۔

معافیہ ایک بہت بڑا عفریت ہے جو اپنے انڈر کام کرنے والے ہر پروفیشنل اور نان پروفیشنل انسان کو موت سے بدتر ٹریننگ سے گزارتا ہے، وقت پڑنے پر ایک دوسرے کا دفاع، ایک دوسرے کی مدد اور یہاں تک اپنے مقاصد کی بقا کے لیے انھیں اپنی جان بھی قربان کرنے کے آرڈرز دیے جاتے ہیں۔

فردوس ملنگی بھی اس نیٹورک کا ایک معمولی حصہ تھا جسکے ذمے لگا کام وہ سر انجام دیے اپنی اس ناگہانی موت سے خود تو مر اہی لیکن اپنے ساتھ وہ پائزن کی کہانی بھی ختم کر گیا۔

چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پورا قانون جس طرح اس بڑے آپریشن پر متحرک ہوا تھا ویسے ہی سب کچھ جل کر پلوں میں راکھ بن گیا۔

فردوس ملنگی کی لاش اور قانون کی ایک بڑی ناکامی اس وقت بڑے بڑے لوگوں کے لیے دھچکے اور تحقیق طلب امور جیسی رہ گئی تھیں۔

عون بخاری اس سارے وقت بابا کی تکلیف کا اکلوتا گواہ بچا تھا، ایسی بے بسی کہ وہ انکی سالوں کی محنت کے رائگاں ہونے پر انھیں فقط تسلی ہی دے سکا تھا۔

"گھر چلیں بابا، کب تک یوں بیٹھے رہیں گے۔۔۔ سب ویٹ کر رہے ہوں گے"

روزنامہ للکار کے اتنے بڑے مالک، اتنی ساری ایفیشنٹ سروس کے باوجود، اتنے بڑے خسارے پر کچھ کرنے کے لائق نہ بچے تھے۔

"تم جاو، مجھے یہیں رہنے دو۔۔۔ میرے اندر فی الحال کسی کا سامنا کرنے کی سکت نہیں۔ سب ختم ہو گیا، میں اپنے کسی ساتھی کا بدلہ نہ لے سکا۔ وہ غلیظ لوگ، وہ نجس معافیہ کیسے ایک انسان کا ایسی بے دردی سے استعمال کیے بچ نکلا۔۔۔ ایک دن انھیں حساب دینا ہوگا عون"

وحید بخاری کے لہجے میں درد تھا وہیں آنکھیں جہنم کی طرح سوگوار ہوئیں، عون نے آزردگی سے بابا کا یہ ٹوٹا ہوا انداز دیکھا اور سامنے سے اٹھ کر انکے پاس ہی صوفے پر بیٹھا اور اتنے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ لیے۔

"ضرور دینا ہوگا بابا لیکن آپکو اس ہار پر خود کو سنبھالنا ہے، میں جانتا ہوں آپ نے کتنی محنت کی تھی۔ کتنی قربانیاں دیں لیکن حقیقت نہیں بدلی۔ یہ معافیہ ہم لوگوں کی پکڑ میں نہیں آسکتا۔ میری مانیں تو اب آپ اس سیاست اور صحافت سے دور رہیں۔ آپکی زندگی اب اتنے بڑے خساروں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے

دیں اپنی ہر ذمہ داری، میں آپ کو ایسے ناکام نہیں دیکھ سکتا۔ آپ اپنی زندگی کو آسان کریں، یہ فکریں یہ معاملات ہمیں دیکھنے دیں"

عون اگر یہ سب پہلے کہتا تو یقیناً وہ اپنی اس دردناک جنگ سے دستبرداری سے بہتر موت جانتے لیکن یہ تکلیف انکے انگ انگ میں ایس رواں ہوگئی تھی کہ وہ خود یہ سارے طوق اپنے گلے سے نکال پھینکنا چاہتے تھے۔

"ہمم۔۔ میں خود کو بہت ماہر سمجھتا تھا عون، مجھے لگتا تھا میں بڑے سے بڑے خسارے کو سہہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہوں لیکن غلط تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری زندگی کا مقصد ختم ہو گیا ہو۔ جیسے میرا ہر نفع، نقصان میں بدل گیا ہو"

وہ بابا کو اتنے رنج میں دیکھ کر بہت افسردہ تھا، وہ اپنی اس ہار پر ذہنی اذیت میں مبتلا تھے لیکن عون اور وحید صاحب اپنی اپنی جگہ کئی خفیہ معاملات چھپانے پر مجبور بھی تھے۔

عون انھیں میکائیل رضوی کا سچ نہیں بتا سکتا تھا، یہ بھی کہ اصل پائزن زندہ ہے۔۔۔ اور اسی طرح وہ مجبور اور بے کس شخص بھی عون کو یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ درندہ درحقیقت انکے دل میں موجود ہر سکھ پہلے ہی نگل گیا ہے۔

انھیں اب بھی یہی یقین تھا کہ پائزن کوئی اور نہیں، کاشان ہمانی ہے۔

لیکن اب یہ سچ انکی زبان پر آخری سانس تک قید ہو گیا تھا۔

انھیں وفا کی آہیں، اسکے آنسو، اپنے مرنے والے سارے ساتھیوں کی بے تاب تڑپتی روحیں بیمار کر دینے والی تھیں، وہ حساس تھے اور حساس لوگ بہت جلد زخموں اور دردوں کی زیادتی سے جیتے جی مر جاتے ہیں۔

"بابا، ایسامت کہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ تو بہت بہادر ہیں۔ پلیز ڈونٹ ڈو دس۔۔۔ چلیں گھر۔۔۔وفا بھی آئی ہے۔۔۔سب مل کر ایک دوسرے کے دکھ ثانوی کر دیتے ہیں۔ لٹس گو۔۔۔۔اور پلیز دوبارہ آپ مجھے ایسے کم ہمت نہ دیکھائی دیں۔۔۔میری ہمت بھی ٹوٹ جائے گی بابا، ابھی تو عون بخاری نے ناجانے کتنے قرض چکانے ہیں۔۔۔ناجانے کس کس کی جنگ لڑنی ہے۔۔۔۔آئی پرامس اگر آپ مما اور منیہا میرے ساتھ رہے تو میں یہ دنیا فتح کرلوں گا۔۔۔"

باباکی ویران آنکھیں اسے زخم پہنچارہی تھیں تبھی وہ انکے ہر درد کو سمیٹ لیتا انھیں حوصلہ دے رہا تھا، لیکن حوصلہ تو دور اب حوصلے کے قرین پہنچتا ہر جذبہ ہی ان پر بے اثر ہو چکا تھا۔

یہ زندگی بہت تلخ، کسیلی اور سفاک ہے، یہاں ہر شخص اک نقاب میں پوشیدہ ہو جاتا ہے، کچھ لوگ اپنے صبر کو چھپانے کے لیے چہروں پر مسکراتے مکھوٹے چڑھا لیتے ہیں اور کچھ سب جانتے بوجھتے اس زندگی کے جھوٹے فریب میں بخوشی آجاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان دونے بہت مدت بعد ایک ساتھ اس عورت سے ملنے کا عہد لیا تھا، اسکی فلائیٹ دو گھنٹے بعد کی تھی لیکن زویا کو میکائیل کی دسترس کے سپرد کرنے سے پہلے وہ اسکی خواہش پر اسے فردوس ہمانی سے ملوانے لایا تھا۔

فارم ہاوس کے جلنے کے بعد سے اب تک کاشان نے اپنی دادی کو ایک نئے آبادی سے یکسر دور بنے گھر میں رکھا ہوا تھا، وہ سفاک اور سنگدل عورت اب ہوش و حواس سے بیگانی ہو چکی تھی، اسکی دیکھ بھال کے لیے دو نوجوان لڑکیاں اسکے ہمہ وقت ساتھ رہتی تھیں۔

وہ اسی طرح جیل جیسی ایک دنیا کے پار آباد تھی، بستر مرگ پر پڑی، کانپتے ہاتھ پیر لیے وہ بس ایک ہی سمت دیکھتی رہتی، راتوں کو آہیں بھر بھر کر زویا اور کاشان کو پکارتی تھی لیکن اس عورت کی قسمت اتنی بے وقعت اور نامراد تھی کہ اسکی آواز پر لپکنے والے وہ دو وجود بہت بے بس تھے۔

"مجھے پتا ہے میں تمہیں بہت آزماتی ہوں، لیکن دل چاہ رہا تھا انھیں انکی زیادتیاں گنواتی جاوں۔ انکی وجہ سے تمہارا دل برباد ہو گیا، یہ ہم سبکے سکھ نوچ گئیں۔ کاش یہ ہوش میں ہوتیں تو میں بتاتی انکو کہ یہ کتنی ظالم ہیں۔ کتنے سال بیت گئے لیکن انکے لگائے زخم اب بھی رس رہے ہیں"

ان لوہے کی سلاخوں کے پار نظر آتا نخیف الوجود چہرہ تکتی وہ اپنے ساتھ مکمل سیاہ میں لپٹے جیتے جی مرے ہوئے کاشان سے مخاطب تھی جسے لفظ سنائی دینا ختم ہو گئے تھے اور ہونٹ کسی طرح کے شکوہ کرنے کے عمل میں مکمل اپاہج۔

"ماں ہیں آپکی، آپکے دل سے فردوس ہمانی کے لیے رحم نکال نہیں سکتا۔ لیکن وہ بھی میری ماں تھی جسے اس عورت نے زندہ جلا دیا۔۔۔"

قبر کی تہہ سے ہوک کی مانند بلند ہوتی اس بھاری آواز نے زویا کے دل کو رنجیدہ کر دیا، وہ چہرہ موڑے اس پتھر بنے بت کو تکلیف سے دیکھنے لگی جس نے اتنے بڑے خسارے پر فقط چند آنسو بہا کر صبر کر لیا تھا۔

"انسان اپنی لگائی آگ میں خود بھی جلتا ہے کاشان، کوئی پہلے اور کوئی بعد میں۔ جب یہ اس دنیا سے چلی جائیں تو مجھے خبر مت دینا۔ مجھے وہ و۔۔وقت اب بھی یاد ہے جب میں تکلیف سے سسکتی تھی اور یہ مجھے مزید

غم دیتی تھیں۔ مجھے ایک دن بھی گلے لگا کر تسلی نہیں دی۔۔۔ بیٹی اجڑ جائے تو مائیں مر جاتی ہیں لیکن یہ نہیں مریں۔۔۔ یہ جانتے بوجھتے کہ بھائی کی جان ہو تم، تب بھی جانور جیسا سلوک کرتی رہیں۔ انکے گناہ اتنے ہیں کہ وقت رخصت ممکن ہے میرے دامن میں کوئی دعا نہ مل سکے"

یہ لمحہ جان سوز تھا، تڑپ کر آنکھیں نم کرتی زویا کے لیے بھی اور اپنے دکھ پر پہاڑ کی طرح جم جاتے کاشان کے لیے بھی۔

"ہمم۔۔ روئیں مت، اپنی ماں کے لیے میری مہربان قید دیکھ لی ہے آپ نے۔ آپکی اور بابا کی ماں ہونے کے ناطے یہ وقتی مہربانی اس عورت کے نصیب میں ہے۔ لیکن اس زندگی کے بعد اسکی سزا میں کمی نہ ہو گی نہ میری آہیں ہونے دیں گی۔۔۔ اب چلنا چاہیے زویا۔۔۔ آپکو میکائیل لالہ کے ہاتھوں میں سونپ کر مجھے جانا ہے"

سرسری غمزدہ سا حوصلہ دیتا وہ کٹیلے لہجے میں اس بدحواس، بے جان عورت کی سمت تکتا یکدم مڑا اور تاسف کے سنگ زویا کے سامنے عاجز سا لائحہ عمل دھرا جس سے اس اداس سی زویا کی آنکھوں میں بہت سی تکلیف امڈ آئی۔

"میری پوزیشن ب۔۔۔ بہت ڈاون ہے، تم تو سمجھو یار۔۔۔ کیسے سمجھاوں کہ میں انکا سامنا نہیں کر سکتی۔ مم۔۔ مجھے ساتھ لے جاو ناں، تم اپنی زویا کو اس انسان کے سامنے کمزور کر رہے ہو کاشان جسے لاتعداد دکھ دے چکی ہوں۔۔۔ جب وہ مجھے دیکھتے ہیں تو میں خود کو دیکھائی نہیں دیتی۔۔۔ تمہارے بنا کیسے رہوں گی کاشان، میری آکسیجن ہو ناں۔۔۔ تم ساتھ نہ ہوئے تو میں قدم قدم پر گر پڑوں گی، اور مجھے یہ گوارا نہیں کہ اس بے بسی میں میرے آنسو تمہارے سوا کوئی دیکھے۔۔۔۔"

وہ اسکے ساتھ باہر تو آگئی لیکن اس اجڑے تا حد نگاہ پھیلے ویران سے پورچ میں ہی رک کر بے تابی اور بے چینی سے لرزتی آواز کے سنگ سرگوشی میں بولتی گئی، کاشان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے منت کی۔

"آپکو انکے سپرد کر رہا ہوں، چھوڑ نہیں رہا زویا۔ کیسے چھوڑ سکتا ہوں اپنی اس دوسری ماں کو۔ اور ماں کا مطلب تو جانتی ہیں ناں آپ کہ کاشان ہمانی کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے"

وہ یکدم ہی ہر تکلیف بھولے، زویا کو اپنے سینے لگائے بہت مان سے بولا، اسکے لفظ سراپا ڈھارس تھے تب بھی زویا کی آنکھیں مسلسل بھیگ رہی تھیں۔

وہ فقط توقف کے لیے رکا تھا، اسے زویا کے شبہات دور کرنے تھے۔

"رہی بات انکی تو آپکی اس کیفیت سے بخوبی واقف ہوں، آپ کے ہیں وہ۔ پورے کے پورے۔ انکی سالہا سال کی تڑپ کا گواہ ہوں، خود کو خوامخواہ کے احساس ندامت میں گرفتار مت کریں۔ آپ دونوں ایک شرعی رشتے میں بندھے ہیں، اور انکی تو ریاضت ہے زویا۔۔۔

اچھا ہے انکے سامنے آپ خود کو مت دیکھنا، گرنے نہیں دیں گے۔ میری طرح، بلکہ مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے سنبھال لیں گے۔۔۔۔ رہی آخری بات آپکے آنسوؤں کی۔۔۔"

وہ مکمل شفا بنا زویا کے ہر دکھ کا درماں تھا، اسے پور پور سمیٹ لینے کا ہر ہنر رکھتا ہوا اسے شانوں سے تھامے روبرو لایا جو آج بلکل ضدی سی چھوٹی بچی بنی اس سے پھر سے بار بار لپٹ رہی تھی، بلک رہی تھی کہ وہ اسے خود سے دور نہ کرے، میکائیل کے سپرد نہ کرے۔

"آپکے آنسو اب ختم ہو جائیں گے، یو آر مائی بریو گرل۔۔۔ آپ وہ ہیں جن سے ماں اور بابا کے بعد ان دونوں کے حصے کا پیار لوٹا بھی اور دیا بھی۔۔۔ آئی وش کہ آپ ہر دکھ کو بھول جائیں۔۔۔ یہاں تک مجھے سمیٹنے کے لیے آپکا بہت سارا حوصلہ لگ گیا، آپ نے ایک عمر مجھ پر خرچ کی، اب مجھے آپکی خوشیاں دیکھنی

ہیں۔ اتنی خوشیاں کہ آپ کو رونے کی مہلت نصیب نہ ہو۔۔۔۔۔ کہیں نہیں جاوں گا زویا، آپکی ہر دعا میں رہوں گا۔۔۔۔۔ اب مسکرا دیں تا کہ میری تکلیف کم ہو"

وہ کسی طرح بھی اسکا دامن چھوڑنے پر راضی نہ تھی، لیکن وہ کاشان کو یہ سب کر کے افسردہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی، ویرانی سی آنکھوں میں لیے وہ جس دلخراشی سے مسکرائی، وہ کاشان ہمانی کی ہیزل گرے آنکھیں بھی دھندلا گیا۔

وہ چلے گئے، میکائیل رضوی کی چوکھٹ پر جہاں کسی دلکش خوشبو کی واپسی کا انتظار، سانس سانس کر رہی تھی۔

میکائیل رضوی کے گھر کے وسیع پورچ میں سیاہ گاڑی رکی تو وہ فورا سے بیشتر لان کی سمت چلے آئے جہاں سے وہ کاشان کو آتا دیکھ رہے تھے جسکے ہاتھ میں سر جھکا کر چلی آتی زویا میکائیل کا نرم ہاتھ مقید تھا۔

کب وقت کی بے تاب گردش تھمی اور وہ عین میکائیل رضوی کے روبرو آرکے۔

زویا نہ جانے کس طرح اپنے آنسوؤں کو روکے تھی مگر کاشان ہمانی کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس دن کا نا جانے کب سے منتظر تھا۔

وہ مہربان، وجیہہ سا شخص کاشان کے ہر دکھ سے واقف تھا تبھی بنا کوئی سوال جواب کیے اپنا ہاتھ اسکی سمت بڑھایا۔

زویا کی آنکھوں کے کنارے آنسو سے لبریز ہوئے تو وہ موتی بے دھیانی میں گر کر گھاس پوش زمین میں جا جذب ہوا۔

کاشان نے اک نظر پھیرے زویا کی سمت دیکھا جو خاموشی کے سنگ ضبط کی ترجمان آنکھوں میں بے بسی بھرے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ میری قیمتی دولت ہیں لالہ، کہنے کی ضرورت تو نہیں لیکن میرے بنا جینا نہیں جانتیں۔ ہو سکے تو میری کمی محسوس نہ ہونے دیجئے گا۔ آج سے آپکے پاس میری امانت ہیں، سنبھال کر رکھیے گا"

وہ جس طرح سادگی سے دل چیڑے زویا کا ہاتھ میکائیل کے ہاتھ میں تھمائے کہتا ہوا دو قدم دور ہوا، اسکی اس بات سے ان دونوں کی آنکھیں افسردگی سے بھر گئی تھیں لیکن کاشان ہمانی کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"کاشان۔۔۔۔ اپنا خیال رکھنا۔ زویا کی فکر مت کرنا۔۔۔۔"

میکائیل اپنا ہاتھ بڑھائے کاشان کے کندھے پر جمائے اداسی سے تاکید کرتے بولے جس پر وہ تائیدی انداز سے سر ہلاتا زویا کی سمت مڑا اور قریب ہوئے اسکی پیشانی چومی، وہ اس پر بھی ضبط نہ کر سکی اور ہچکی بھرتے ہوئے کاشان کو دیکھتی روئی جس کے اختیار میں اب یہ سب سہنا نہ رہا تھا۔

"مجھے الوداع کہنا بہت برا لگتا ہے، لیکن پھر بھی اللہ کی امان میں دیتا ہوں آپکو پھپھیا، آئی مس یو سو مچ۔۔۔۔۔۔"

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈھیر سے غم چھپاتا کئی قدم دور ہوا، میکائیل کی سمت تاسف سے دیکھ کر کوئی خاموش گزارش کی اور پہاڑ کی طرح اپنے ضبط پر ڈٹا مڑ گیا، اب اسکا مڑنا طے تھا۔

"ک۔۔۔ کاشا۔ن۔۔۔۔ مت جاو میری جان"

اسے زویا کی یہ آخری ہچکی وہاں سے نکلنے کے بعد تک سنائی دیتی رہی تھی، وہ ستم گر بنا، دل پتھر کیے وہاں سے چلا گیا تھا، اسے یقین تھا اب میکائیل رضوی سب سنبھال لے گا۔

"مجھے جانا ہی تھا، ایک نہ ایک دن ہر دل سے، ہر ذمہ داری سے، ہر فرض سے، ہر قرض سے اور ہر جرم سے دور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں کاشان ہمانی، واپس آوں گا۔ دنیا کا بہت ساز ہر اب بھی میری رگوں میں موجود ہے۔۔۔۔۔۔"

اسکی گاڑی اندھیاری، شام کے سوگ میں ڈوبی، ویران سڑکوں پر سرپٹ دوڑ رہی تھی، اور اسکی آواز اس یاسیت اور قنوطیت سے بھری آج کی اس شب کی مٹی میں دفن ہونے والی تھی۔

مقتلِ عشق میں صرف بہترین سے قربانی لی جاتی ہے، اور وہ اپنی ذات سے جڑے ہر عشق میں بہترین ہی تو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

وہ ہنس مکھ، سدا کی دلنشین لڑکی، تھکی ماندی اور غمزدہ ہو چکی تھی، وہ نا جانے کب سے وہیں کھڑا اسے کسی قیمتی منظر کی طرح دیکھ رہا تھا، اپنے ناتواں عہد بار بار ابدال مصطفی کی آنکھیں دھندلا رہے تھے۔

اسکے قدموں کی ساری طاقت، دل کی ساری ہمت اس ماں سی وفا کی اک جھلک پر مٹی ہونے لگی تھی۔

وفا نا جانے کس دل سے نہال بھیو کے ساتھ باتیں کر رہی تھی، حالانکہ اسکے دل کی قبر پر جلائے دیے اور پھینکے گئے پھول اسکے ماتم کو کم ہونے نہ دے رہے تھے مگر تکلیف کی آبرو نبھانے کے جتن کرتی وہ ہزار ہا صابر تھی۔

"ارے آؤ ابدال، میری جان۔۔۔ دیکھو وفا آئی ہے"

ابدال کی پتھرائی نگاہیں سب سے پہلے فریال صاحبہ نے ہی دیکھیں، اور وہ نظروں میں آنے کے بعد اپنے شکستہ حواس بحال کیے چہرے پر مسکراہٹ مل لیتا وہیں لاونج کی سمت آیا جہاں وہ غم دو جہاں کے زرد پن میں دبی آنکھیں اسے خنجر کی طرح سینے میں پیوست محسوس ہوئیں مگر وہ دانستہ ان نظروں کے بھید فراموش کیے صوفے پر ہی بیٹھا جہاں یوئی اور عناب کسی پزل گیم کو جوڑنے میں محو تھے۔

ابدال کو دیکھ کر نہال بخاری کی آنکھیں بھی شفیق پدرانہ انس سے بھر گئیں۔

"جی دیکھ لیا، کیسی ہیں وفا۔۔۔؟"

نجانے کیوں لیکن وہ پہلی بار اس قدر اجنبی لگا کہ کچھ پل تو وفا اسکے مانوس، تسلی بخش لہجے کو تلاشتی رہی اور پھر رسان سے اثبات میں سر ہلائے دھیما سا مسکرا دی۔

"ہمم۔۔ گڈ۔۔۔ ایک نیوز ہے آپ سبکے لیے، بلکہ دو ہیں۔۔۔۔۔ سب آلیں تو بتاتا ہوں۔۔۔۔۔"

ساری باتیں ٹالتے ہوئے وہ تھوڑے تجسس بھرے لہجے میں باری باری نہال، منیہا، وفا اور فریال صاحبہ کو تکتا آخر میں نرم سی پیاری نگاہ اپنے جگری گوشوں پر ڈالتا کسی گہرائی میں اترا مگر اسکی اس بات نے وفا کے علاوہ سب ہی کو الجھن ذدہ کیا تھا۔

"پیٹ میں درد ہو گیا تو۔۔۔۔ بتا دے یار اتنا سسپینس کریٹ مت کر"

کچن سے باہر آتی منیہا خاصی زور دیتی تاکید کیے باآواز بلند ہانکی مگر جناب اگلے پورے بیس منٹ تک اپنے عہد پر ڈٹے، پوری توجہ صرف عناب اور یو آن پر دیے خاموش رہے۔

اسکی سماعت فقط وفا کے لفظ سن رہی تھی، جو نہال کو کاشان کے کچھ سال کے لیے کسی فائٹنگ ٹرینگ سیریز کے لیے جانے کا بتاتی رہی، اور نہال اسے ان سالوں کے فوری گزر جانے کی موہوم تسلی دیتے رہے مگر ابدال مصطفی گاہے بگاہے لحظہ بھر نظر اٹھا کر وفا کی سوگوار آنکھوں کی جانب دیکھ کر اسکے جھوٹ بھانپ رہا تھا۔

اور وہ روانی میں جھوٹ گاڑ گاڑ کر بولتی وفا، ابدال کی خاموش نظروں سے گھبرا کر کچھ لمحے ساکت ہوتی رہی، کب آسان تھا بھلا ابدال مصطفی بخاری کی آنکھوں میں دیکھ کر غلط بیانی کرنا۔

"وہ میری وفا کی آنکھوں کا نور کھا گیا ہے"

نظر جھکائے کرب سے سوچتا وہ من ہی من میں سلگ اٹھا، اپنے آپ سے باتیں کرتی عناب کی شوخی تکتا تو دم گھٹنے کا احساس دب جاتا۔

"وہ میری وفا کے لہجے کی شوخی ختم کر گیا ہے"

اپنی سماعت میں اترتی وفا کی آواز نے ابدال کے زخم ہرے کیے تھے، بظاہر تو وہ بیگانہ بنا تھا لیکن اسکی بیگانگی کسی بے کس دل کو کاٹ کھا رہی تھی۔

گاڑی کا ہارن بجا تو کچھ دیر میں عون اور وحید بخاری بھی اندر داخل ہوئے۔

وفا پر نگاہ پڑتے ہی اس پور پور جلتے شخص کی اذیت چیخ اٹھی۔

وہ بظاہر اس سے ویسے ہی ملے جیسے کوئی قیامت نہ آئی ہو، عون بھی وفا کی اداس آنکھوں سے فکر مند تو تھا مگر اپنی زندگی سے بھری مسکراہٹ کے سنگ اسے گلے لگا کر پھر سے مضبوط کر گیا۔

ابدال نے اپنی پٹاری ڈنر کے بعد کھولنے کا کہے وقت کی سرحد پر انتظار کے کچھ لمحے اور بو دیے۔

ڈنر کے دوران بھی سب ہلکی پھلکی گفتگو میں محو رہے، چہروں پر نقاب اوڑھے ایک دوسرے کو بھرپور نگاہوں سے تکتے ہوئے۔

کون جانتا تھا کہ کس دل پر کس طرز کا ناگہانی دکھ اترا ہوا ہے، سب اداکار تھے۔ منجھے ہوئے اداکار۔

"بھئی اب تم بتا دو کونسی خاص باتیں تھیں لڑکے، کافی تجسس ہو رہا ہے"

ابدال جو عناب کو فورک کی مدد سے کباب خود کھانے کا طریقہ بتلا رہا تھا، آخر کار ایک بار پھر پرزور فرمائش پر اپنی ساری توجہ سبھی اہل خانہ کی سمت مبذول کیے سبھی کی توجہ چاہنے کا طلب گار ہوا۔

اک نظر نہال بخاری پر ڈالی جو دل و جان سے اسکی بات سننے کے منتظر تھے، پھر وفا کو دیکھا جو مرجھائی ہوئی بہت اداس لگ رہی تھی۔

"پہلی بات یہ ہے کہ میں نے بہت سوچنے کے بات یہ فیصلہ لیا ہے کہ مجھے نہال بخاری کو ایک موقع دینا چاہیے، آئی مین انھیں معاف کر دینا چاہیے۔۔۔۔مجھے اس دنیا میں صرف عناب کی خوشی عزیز ہے اور میری عناب یہی چاہتی ہے"

اس کے چند ابتدائی لفظ گویا وہاں بیٹھے ہر فرد کے لیے آب حیات سے تھے مگر جس طرح ابدال نے تکلیف دہ لہجے میں اپنے ساتھ بیٹھی عناب کی پیشانی پر ڈھلکے بال سہلائے دوسری بات کہی، وہ سبھی کے چہرے پر اداسی اور افسردگی لے آئی، خود نہال بخاری کو لگا انکا دل بھر سا آیا ہو۔

"میں کچھ وقت چاہتا ہوں آپکو بابا کہنے کے لیے اور گلے لگانے کے لیے"

اس سے پہلے وہ ٹوٹا ہوا شخص اٹھتا، ستم گر بنے وہ شکوہ کناں نظریں نہال پر ڈالتا انھیں واپس پلٹنے پر مجبور کر گیا۔

وقت زہر آلود رہا تھا جس نے اپنی امر بیل شاخیں اس نوعمر ذات کے دالان میں اس درجہ پھیلا دی تھیں کہ وہ چاہ کر بھی شیریں زبان نہ ہو سکا۔

"میں انتظار کروں گا میری جان، اپنی آخری سانس تک"

ہر فرد گویا نہال بخاری کی تڑپ پر کانپا تھا، خود ابدال بھی۔

یوئی کو ابدال نے ہلکا سا آنکھ سے اشارہ کیا جسے فوری سمجھ کر وہ پچکارتے ہوئے پیار سے کھانا فنش کر لیتی عناب کو روم میں لے جانے کے لیے اٹھا تو فریال صاحبہ نے ملازمہ کو عناب کو اندر چھوڑ آنے کا کہا۔ ویسے بھی وہ سب کی باتیں سن کر کافی اداس ہو رہی تھی تبھی ابدال نے اسے اندر بجھوانا ضروری سمجھا۔

"دوسری بات یہ کہ میں میوزک کے شوق کو سنجیدہ لینا چاہتا ہوں، میں فٹ بال کی دنیا میں بھی نام بنانا چاہتا ہوں۔ میں ایک سکرپٹ رائٹر بھی بننا چاہتا ہوں۔۔۔ اگر مجھے ان سب کی اجازت دے سکتے ہیں تو میرے لیے اس بے مقصد زندگی کو جینا کچھ آسان ہو جائے گا"

اپنی اگلی آسان مگر قدرے حیران کر دیتی خواہشات بتاتا وہ صرف نہال کی جانب متوجہ تھا جہاں گہری خاموشی، افسردگی اور آس درج تھی۔

"اتنا کچھ ایک ہی زندگی میں کیسے ہو گا چیتے ؟"

اس بار اس سنجیدہ ماحول کو بہتر کرنے کی غرض سے عون نے شرارت سے سوال بلند کیا۔

منیہا اور فریال بھی دھیما سا مسکرائے، البتہ وحید صاحب سر درد کا کہے سر سری سا کھانا کھا کر روم میں جا چکے تھے۔

وفا اور نہال بخاری اب بھی سنجیدہ سے ابدال کو دیکھ رہے تھے۔

"بار بار زندگی کون دے گا مجھے، تبھی ایک ہی میں مینج کرنا ہے، میں نہیں چاہتا کوئی مجھے بیکار سمجھے یا کہے۔ میں خود کو صرف عناب اور یوئی کے لیے میسر رکھ کر باقی کا انتہائی مصروف کر لینا چاہتا ہوں۔ تاکہ مجھے کوئی بات یاد آکر تکلیف نہ دے۔ اگر نہال بخاری کو میری یہ شرائط منظور ہیں تو میں ایک نارمل انسان کی طرح بیہیو کرنے کی پوری کوشش کروں گا"

وہ اپنے لہجے کی سرد مہری لاکھ چھپاتا مگر اسکی کمیاں اسکے دکھوں میں کرلا رہی تھیں، اسکی ان فرمائشوں کے رد ہونے کا اب سوال ہی نہ تھا۔

"اور ہم، یوئی اور عناب کے علاوہ ہم سب بھی تو ہیں۔۔۔ خاص کر تیرا اہلال۔۔۔ تیری وفا۔۔۔ بھئی ہم تو کسی کھیت کی مولی بھی نہیں یار مانتے ہیں مگر اتنا بھی سیٹھ نہ بن اب۔۔۔۔ شو خا"

عون اسکی سنگ دلی پر مزاخیہ چوٹ کرتا باقی سب کو ہنسانے کی سعی میں تھا مگر ابدال ہر گز نہ مسکرا اسکا بس جگر پاش سی نظر وفا اور نہال پر ثبت کی۔

"وفا۔۔۔۔ یہ تو کاشان ہمانی کی ہیں عون بھائی۔۔۔ اور کچھ اپنے بے بی کی۔۔۔۔ رہی بات ہلال کی تو اسے کوئی اس جیسی ملنے کی دیر ہے، مجھے کہاں یاد رکھے گا۔۔۔۔ خیر یہ مزاق تھا"

مزاق مزاق میں وہ وفا کی آنکھوں کے دکھ پڑھ بیٹھا، تبھی فوراً اپنے طنزیہ جملوں کی تردید کر دی لیکن وفا کھانا ختم کر چکی تھی تبھی دھیمی سی مسکراہٹ چہرے پر اوڑھے اٹھی اور اک اداس سی نگاہ ابدال پر ڈالی۔

"مزاق اچھا کر لیتے ہو اب، آئی وش کہ تم اپنی ہر خواہش کی تکمیل دیکھو۔ سر زرا بھاری ہو رہا ہے۔۔۔ صبح ملتی ہوں آپ سبکو"

شفیق سی دعا دیتی وہ بہت پر سکون انداز میں اپنی سمت تکتے ابدال کو کہتی مڑی اور اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی، اسے کچھ ہوا ہو یا نہیں، عون، منیہا، اور خود نہال بخاری نے اس لمحے کے کرب کو محسوس کیا تھا۔

"ناراض ہو وفا سے؟۔۔۔۔ وہ پہلے ہی کاشان کے جانے سے اداس ہیں۔۔۔ ایسے نہیں کرتے جان"

منیہا کی دلاری سرزنش پر ابدال نے کان سے مکھی اڑائے لاپرواہی سے سر جھٹک کر منیہا کی نرم تاکید فراموش کیے نہال کی اور منتظر نظر ڈالے دیکھا جو اب تک خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئے کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔

"نہ تو میں کسی سے ناراض ہوں نہ میرا کاشان کے چلے جانے میں ہاتھ ہے منیہا آپا، میرا ہاتھ فقط اب اس معاملے میں ہے کہ میں اپنا آپ کیسے سنواروں۔۔۔۔ ٹیل می نہال بخاری، کیا مجھے اپنے خواب پورے کرنے کی اجازت دیں گے آپ؟"

منیہا کو لاجواب کرتا وہ صرف نہال سے مخاطب تھا جو ابدال سے اس جواب کی ہرگز توقع نہ رکھتے ہوئے ہونق بنی عون کو دیکھنے لگی جو خود ابدال کے رویے پر کچھ بے قرار لگا۔

نہال بخاری نے کچھ لمحے خاموشی سے ابدال کو دیکھا اور پھر خفیف سی مسکان لیے سر ہلا گئے۔

"ایک خواہش میری بھی ہے، کہ تم کل کو میرا بزنس بھی سنبھالو۔۔۔ اگر اسے بھی اپنی خواہشات کی لسٹ میں شامل کرلو تو مجھے منظور ہیں تمہارے سب خواب"

وہ بھی اپنی شرط کے ساتھ میدان میں اترے تھے مگر ابدال کے چہرے پر نہ تو حیرت کا اثر تھا نہ اسے اس مانگ پر تعجب ہوا۔

"آپکا بزنس ہلال اور عناب سنبھالیں گے، ہاں جب تک عناب اس قابل ہوتی ہے تب تک میں اس ذمہ داری کو لینے کے لیے تیار رہوں گا۔ آئی تھنک یہ آپکی سیٹیسفیکشن کے لیے کافی ہو گا"

اپنے سحر میں جکڑ لیتے لہجے میں یہ لفظ ادا کیے گویا وہ اپنی رکی زندگی کے آگے دھرا فل سٹاپ ہٹا چکا تھا، نہال نے اٹھ کر نا صرف محبت اور شفقت سے اسے دیکھا بلکہ آگے بڑھ کر اس نایاب بچے کو اپنے سینے سے لگانے کو بازوؤں میں لیے بھینچ ڈالا، نا جانے اس بلکتے قلب والے باپ کو کتنا سکون ملا ہو گا لیکن ابدال مصطفی کی بے حس ہوتی ذات پر یہ گلے لگانا قہر ہی محسوس ہوا۔

اسے لگا اگر زندگی اب اس نقطے پر بھی بابا کا لمس نہ پاتی تو شاید ختم ہو جاتی۔

فریال، عون اور منیہا کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں لیکن وہ دو بلکتے، بے چین دل ایک دوسرے کو پا لینے پر اخیر کرب زدہ ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے دیکھیں گی بھی نہیں؟"

وہ اپنے دکھ اور کمی پر کیسے صبر کرتی یہ مشکل تھا، مسیحائی تک ٹھکرادی گئی تھی۔ میکائیل اسکی خاموش، دبی ہوئی شکستہ ذات کو واپس آسانی کی جانب بحال کرنے کے تمنائی تھے، دھیرے سے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو مڑورتی زویا کے پاس ہی صوفے پر براجمان ہوئے اسکا اس شدید تشدد کے زیر اثر مرمریں سا ہاتھ نکال کر تھامے آہستگی سے گویا ہوئے جو کسی قیمت پر بھی انھیں دیکھنے کی متحمل نہ ہو پارہی تھی۔

"کیا کروں گی دیکھ کر؟"

زندگی سے اکتایا ہوا انداز سراسر اس بار میکائیل رضوی پر قہر ہی تو تھا۔

"شاید دیکھنے سے آپکو یہ تسلی مل جائے کہ آپ اب بھی کسی غیر کے پاس نہیں ہیں، آپ میکائیل رضوی کی جائے پناہ میں ہیں، ایسی پناہ جو آپکے سوا کسی دوسری صنفِ نازک کو کبھی میسر نہیں آئی نہ آئے گی"

وہ زویا کا سر دپڑتا ہاتھ تھپتپائے تسلی آمیز سی مسکراہٹ چہرے پر لانے کی کوشش میں قدرے کامیاب ہوئے تھے مگر زویا کی جھکی آنکھیں پلوں میں اٹھیں، اس عاجز، مہربان کی بے پناہ چاہت سے اٹی آنکھوں سے جاملیں، ایسی کسی تشنگی سے زویا کا آج تک واسطہ نہ پڑا تھا جیسی بے اختیاری وہ اس لمحہ میکائیل کے روبرو محسوس کررہی تھی۔

"میں اسے جاتا دیکھ کر روک نہیں پائی میکائیل، مجھے اپنا کاشان دوبارہ نہیں ملے گا۔ وہ جب بھی زمین و آسمان کے بیچ حائل ہو جاتا ہے تو اپنی پچھلی ذات کی قبر بنا کر خود کو نئے روپ میں ڈھال لیتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اسے دیکھنے کے لیے ترس جاوں گی مگر وہ اپنے مقرر کردہ وقت سے پہلے نہیں لوٹے گا۔ اسکی زندگی اتنی مشکل کیوں ہے؟ اس کے حصے کی عافیت آخر اسے کیوں نہیں مل رہی۔۔۔۔وہ مجھے آپکے سپرد کر گیا، ظلم

کر گیا ہے۔۔۔۔ایک ایسے انسان کے ساتھ میں کیسے دن رات گزاروں گی جسکے سامنے میں بہت چھوٹی ہو گئی ہوں۔۔۔۔"

یہ سب وہ اپنی ناگہانی تکلیف کے بوجھ تلے دب کر بے اختیار کہتی گئی، میکائیل اسکی جانب اپنی ہنوز مسکراہٹ میں کہیں اندر تک جاگزیں آنکھیں ٹکائے دیکھتے رہے، خاموشی کے سنگ زویا میکائیل کی ہر الجھن سمجھتے رہے، اسکی ہر پشیمانی کا احترام کرتے رہے، اسکی ہر نادانی کے اعتراف کا خیر مقدم کرتے رہے۔

"اور کچھ ؟"

وہ نہایت آرام سے کہہ کر زویا کا انتشار مزید بڑھا گئے، جو بے قرار سی آنکھوں میں ناامیدی بھرے ایک بار پھر آنکھیں جھکا گئی، اور وہ کیسے برداشت کرتے کہ زویا انکی دسترس میں آنے کے بعد اس درجہ پُر ملال رہے۔

زویا کو خبر بھی نہ ہوئی اور کوئی اسکی خوشبو کو چرا لے گیا، وہ اپنے ناک کو آہستگی سے زویا کی گردن کی اور جھکائے چپ چاپ اسکے وجود سے اٹھتی مخمور خوشبو محسوس کرتے اپنی آنکھیں لمحہ بھر موند گئے، اسکی وہی خوشبو جو زویا سے زیادہ اب میکائیل رضوی کی روح میں جذب ہو چکی تھی۔

وہ اب بھی گم سم تھی، بے نیاز و بے آس سی۔

"مجھے لگتا ہے میں آپکے دل سے اتر گئی ہوں، ہمارے بیچ کا سحر ٹوٹ گیا ہے۔۔۔۔دو وجودوں کے بیچ کا فاصلہ گھٹ جائے تو انکے بیچ کے جذبات ثانوی ہو جاتے ہیں۔ مم۔۔میں سمجھا نہیں سکتی، کاش میرے پاس اس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے لفظ ہوتے"

وہ اب بھی نظریں جھکائے اپنے ہاتھ کو میکائیل کے مضبوط ہاتھ میں مقید دیکھ کر اپنے نئے دکھ گنوا رہی تھی اور وہ شخص، ارے وہی دنیا وجہاں اس لڑکی کے قدموں میں وار دیتا شخص ایسا دلکش مسکرایا کہ اس لمحے کی خوشی بھی منالی اور زویا کی نظر خود پر اٹھنے سے پہلے وہ خوشی بہت مہارت سے اپنے اندر داب بھی لی۔

"اور کچھ زویا؟ اپنے اندر بیٹھا ہر وسوسہ اور خدشہ باری باری کہہ دیں۔ میں سبھی کا ایک ہی بار جواب دوں گا" سنجیدگی تو اس شخص کی ذات کا اصل جادو تھی، زویا نے جنجھلائے ہوئے میکائیل کو سر اٹھائے دیکھا جسکا چہرہ ہر قسم کی فکر سے مکمل آزاد تھا، جسکی آنکھیں پوری دنیا کو اک کونے میں کیے، پوری کی پوری زویا پر سایہ فگن تھیں۔

"ہمم۔۔۔ نہال کیا سوچیں گے۔۔۔۔ میں کیسی نکلی۔۔۔ انکی محبت کا دم بھرنے والی اتنی آسانی سے اپنے دامن میں دھری چاہت میں رنگ گئی۔۔۔۔ میرا دل کیا سوچے گا، زویا نے اپنی جنگ عین وقت پر کیوں ہار دی۔۔۔اور میکائیل کیا سوچیں گے کہ ان سے ہر ممکنہ فرار کرتی زویا، اتنی جلدی انکی سمت پلٹ آئی۔۔۔ص۔۔۔ صرف پلٹی نہیں بلکہ ایسے واپس آئی جیسے وہ ازل سے ابد تک میکائیل رضوی کی ہی تھی، مم۔۔۔مجھے سب منافق کہیں گے، آپکا دل کہیں نہ کہیں تو میری بے اختیاری پر برا ہوا ہوگا۔۔۔۔۔یہ سب اور بہت ک۔۔۔کچھ۔۔۔۔۔۔"

اپنی اداسی کو اپنے اوپر چڑھائے، وہ کئی رنگوں میں رنگی ہو کر بھی بے رنگ لگی، اسے جھجک، دکھ، پشیمانی اور الجھن لاحق تھی مگر اک دل کے نہاں خانے میں سنسناتا ہوا سکھ ماسوا تھا۔

جو زویا کی اداسی پر چاہ کر بھی اداسی کا پہرہ رہنے نہ دے رہا تھا۔

"کیا آپ مجھے جانتی ہیں زویا؟"

کچھ دیر بعد میکائیل کی خاموشی ٹوٹی تو زویا نے اس شخص کی دھیمی پکار پر دل کو لبیک کہتے محسوس کیا اور پل بھر میں یہ جان جوکھم کا معرکہ سر کرتی اپنی آزردہ نظروں سے میکائیل کی گہری آنکھیں کھوجنے لگی۔

بھلا یہ کیسا سوال تھا؟ زویا نے بوکھلا کر اپنی نظر جھکا لینی چاہی مگر وہ ہاتھ بڑھائے اسکی ٹھوڑی پر ہتھیلی کے سنگ ملائم جکڑ بنائے اسے اک ہی سمت ساکن کر گئے، اس بار انکا سوال انکی آنکھوں نے دہرایا۔

"کیا آپ خود کو جانتی ہیں زویا؟ اگر آپ کے پاس ان دو سوالوں کا جواب نہیں تو آپ میری زویا کیسے ہو سکتی ہیں؟"

بہت کم ان گہری اداس آنکھوں کے نوحے جاگتے تھے لیکن اس ایک اعتراض پر تو زویا کی دنیا رک گئی تھی۔

بھلا اب وہ میکائیل رضوی کی زویا کے علاوہ اور کیا رہ گئی تھی؟ ایک بدحواس دیوانی، اک جذباتی عورت جسے اول دن سے اپنے اردگرد خوشیاں محدود کرنے کی سنگین اور سنگدل عادت رہی ہو۔

وہ میکائیل کے ان چند لفظوں سے ہی موتی موتی بکھرنے لگی، اسے تو سنائی بس آخری جملہ دیا تھا، جس کے حرف حرف سے تکلیف کی لہر پھوٹی تھی۔

"م۔۔مجھے۔۔۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ باولی اس خوامخواہ کی تکلیف سے اپنی آنکھیں چھلکا لیتی، موہوم دھڑکتا دل بند کروا لیتی، جسم و جان میں تھکن سے ہلکورے لیتی جان گنوا دیتی، وہ خود ہی اسکے نرم ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے اس زحمت سے ہاتھ تھامے نکال باہر لائے۔

مگر میکائیل کی اس کوشش کے باوجود زویا کی متورم ہوتی آنکھوں سے اک اک آنسو بہہ ہی گیا۔

"مزید ایک آنسو بھی نہیں زویا میکائیل رضوی"

اپنی اتنی مبارک دسترس کے سکھ کے باوجود بھی اس لڑکی کی جذباتی کیفیت انکا دل دکھا گئی تھی، وہ اسے اپنی جانب کھینچ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے غصے سے خاموش کروانے کا یہی ستمگر شغل تلاش پائے، لیکن زویا کی آنکھوں میں جمع ہوتی نمی اب آنکھوں کے کنارے جذب کر گئے۔

وہ انکے چہرے پر لکھی خفگی اور یاس کی کئی شکنیں واضح دیکھ رہی تھی، وہ اپنی کیفیت میں بے اختیار تھی، تبھی سوگواری اس وقت زویا کے ہر مو سے نمایاں ہو رہی تھی۔

وہ جھلی ایک بار پھر انکے بے تاب تکنے کی تاب نہ لائے اپنی بھاری، بھیگی پلکیں جھکا گئی، انھیں زویا کی ہار جلا رہی تھی، شدت سے اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ انھیں زویا پر ایسا بوجھ ڈالنا نہیں چاہیے تھا، وہ بہادر، نڈر اور ولولہ خیز زویا، انکے معاملے میں بادل کے شفاف گولے سی بے جان نکلے گی یہ انھیں بھی کب خبر تھی۔

میکائیل رضوی کی آنکھیں، وہ جھکی پلکوں والی اپنی جانب جکڑ رہی تھی۔

"میری طرف دیکھیں زویا؟"

ہمت اس چٹانی شخص میں بہت تھی مگر وہ زویا کے سامنے ہار جاتے تھے، وہ تمام تر تکلیف کے باوجود انکی پکار پر دم سادھے نظریں اٹھائے دیکھنے لگی، گو اس وقت انھیں دیکھنا بہت مشکل تھا۔

وہ ایک بار پھر زویا کے بہتے آنسو بہت انس بھرے انداز سے پونچھ رہے تھے، اور وہ خاموشی کی تصویر بنی فی الحال کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکی تھی۔

" آپکے ان قیمتی آنسوؤں کو مزید بے مول ہوتا نہیں دیکھ سکتا، آپکی تکلیف کم کرنے کو آپکی ہر شکائیت کا جواب دوں گا، ہر وسوسے اور خدشے کا جواز پیش کروں گا۔ لیکن سب سے پہلے آپ میری طرف دیکھیں، میری آنکھوں میں۔۔۔۔"

دم سادھ لیتی زویا کی سرخ رنگ اوڑھتی گال نرمی سے سہلاتے میکائیل کو ان بار بار جھک جاتی آنکھوں کا مسلسل ٹھہر جانا مطلوب تھا، اور وہ مارے اضطراب آنکھیں جھپک جھپک کرنا جانے دل پر کتنے بے فائدہ غم اٹھائے ہوئے تھی کہ چہرے پر دکھ امڈ رہا تھا۔

"مشکل ہے انھیں دیکھنا"

بوجھل آواز کے ساتھ وہ اس تسلسل سے بے تاب ہوئے بولی جو میکائیل رضوی کے ہونٹوں پر مدھم سہی پر مسکراہٹ لے آیا۔

"آپ کے لیے مشکل نہیں ہونا چاہیے، آپ حاکم ہیں اس دل اور روح کی۔۔۔ایک بار مجھے غور سے دیکھ لیں گی تو دونوں جواب پالیں گی۔۔۔ آپ میری آنکھوں میں مجسم خود کو دیکھ کر مجھے اور خود کو مکمل جان لیں گی"

اب وہ اس بے زار کیفیت میں ایسی حکایت دل سن کر مزید چھوٹی چھوٹی ہو رہی تھی، رونا مزید آنے لگا تھا۔

"م۔۔میکائیل۔۔۔۔پلیز"

اپنی ہتھیلی میکائیل کے سینے سے لگائے وہ آنسو روکنے کی سعی میں چہرہ موڑتی شکوہ کناں ہوئے سسکی مگر وہ اسے فرار کرنے نہ دے سکے، بلکہ اس بے قرار روح والی کو اپنے حصار میں تھوڑا مزید مبتلا کیا۔

"جس دن آپ میرے دل سے اتر گئیں وہ دن میری فنا کا دن ہو گا زویا، جان لیں کہ آپکے عشق کی توفیق میری روح کو آخری زمانے تک دی گئی ہے۔۔۔۔ یہ میرا جسم مٹی ہو کر مٹی میں دفن بھی ہو جائے تب بھی آپ سے میرا تعلق منہدم نہ ہو سکے گا"

زویا کی جانب دیکھ کر اسکے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھرے وہ اسکے خدشوں کی فہرست گنگال رہے تھے، وہ ساکن سی میکائیل رضوی کے لفظ اپنی سماعت کو چھوتے محسوس کیے ایک طلسم میں قید ہو رہی تھی۔

"دو جسموں کے بیچ کے مقرر کردہ فاصلے بھلے رشتوں اور ناطوں کی رسیوں سے وابستہ ہو کر کم یا زیادہ ہو جاتے ہیں لیکن دو روحوں کے بیچ کا تعلق ایک بار بن جائے تو ہر لمحہ اس کی شدت بڑھتی ہے۔۔۔ آپکے اور میرے بیچ کا سحر تب ٹوٹتا جب میکائیل آپکی برابری کرتا، آپ میرے دل کی روز اول سے روز آخر تک حاکم ہیں۔۔۔ آپ پر تو میکائیل رضوی کا خون تک معاف ہے پھر ایسا سوچنے کی ہمت بھی کیسے کی؟"

وہ ہچکیاں لیتی، آنسو روکنے کی سعی میں بدحواس ہونے لگی، میکائیل کے آخری جملے کی شدت اس وقت زویا کو بے رحم لگی، وہ کچھ بولنے کی ہمت بھی گنوا چکی تھی۔

"میرا رشک اتنا وافر مقدار میں ہے زویا کہ بیان نہیں ہو سکتا، دیکھیں آپ دیر سے سہی لیکن اپنی عافیت کی لکیر تک پہنچ آئیں۔ میں نے آپکو پانے کے لیے واویلہ نہیں مچایا، میرا ایمان یہی تھا کہ آپ اگر میرے مقدر میں درج کی گئی ہیں تو بے وجہ نہیں کی گئیں، یقیناً آپکے دل میں موجود جذبہ کیفیت نہ سہی مگر رخ ضرور بدلے گا۔ اور اسی پر میں نے اپنے ایمان کو ختم نہ کیا بلکہ آخری حد بھی آپکی مرضی اور خوشی سے جوڑ دی۔۔۔"

نجانے کیوں مگر لمحے میں زویا کے دل کی ویرانی، میکائیل کے ہونٹوں کے ادا ہوئے لفظوں نے دھیرے دھیرے سہلا کر دھیمی کر دی، وہ میکائیل کے ہاتھ کی نرم پوریں اب تک گال سے مس ہوتی محسوس کیے انکی نگاہوں کا مرکز تھی۔

"عورت کے دل میں پروان چڑھتی پہلی محبت کسی گہرے سُچے رنگ سی ہوتی ہے، وہ اسی رنگ میں سر تا پا رنگ جاتی ہے۔۔۔ بنا کسی بدلے کے بھی وہ اس جذبے کو سنوارتی، سجاتی اور نکھارتی ہے، لیکن جب اسکی چاہ کو بے دردی سے دھتکار دیا جائے یا دھوکے کی چھینٹ چڑھا دیا جائے تو وہ اس جذبے کو یکلخت دل اور روح سے نہیں نکال پاتی بلکہ اسے اس راہ نجات کا پتا وہ محبت دیتی ہے جو اسکے لیے آسمان پر پہلے ہی مرہم کے طور

پر درج کر دی جاتی ہے۔ آپکا میری شدت پر دھڑکنا اس بات کا ثبوت ہے زویا کہ آپکے لیے آپکی راہ نجات میکائیل رضوی کی محبت ہی تھی، یہ ازل سے ابد تک کے لیے یوں ہی طے تھا۔۔۔۔"

وہ روانی سے کہتے گئے، وہ بے حس بنی سنتی رہی، کب انکی بات ختم ہوئی اور زویا کی آنکھیں پانی سے دھندلا گئیں، اسے محسوس ہوا وہ ابھی اکھڑے سانس بھرتی بھرتی دم توڑ دے گی، وہ قریب ہو کر باری باری زویا کی نمی سے بھری آنکھیں چومے اسکی پیشانی کو چھوئے ہنوز، اب تک اسے ہی دیکھ رہے تھے جو دم دینے کی سی کیفیت میں میکائیل کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑ چکی تھی۔

"کسی کا کچھ نہ ہونے والی زویا، کسی مستحق کا سب کچھ تو بنی ہی یعنی میرا، مگر اسی پہلے بدقسمت کی حسرت میں بھی اسی شدت سے شمار ہوئی۔۔۔ ہاں۔۔۔ نہال بخاری آپکو دھتکار کر، کھو کر ہاتھ مل بھی چکا اور پچھتا بھی چکا، لیکن آپ اس شخص کی حسرت کے جہاں سے نکل کر میری محبت کے دائمی حصار میں آگئی ہیں۔۔۔۔ زویا میکائیل رضوی! مرہم یہی ہے۔۔۔"

وہ اس بار پشیمانی کے سنگ اپنی بھیگتی آنکھیں جھکائے اپنا سر میکائیل کے سینے سے ٹکائے، اپنا چہرہ چھپا گئی، اس کی تکلیف کم ہو رہی تھی، وہ ہنوز اسکی پشت سہلائے اسکی تسلی بنے دیکھائی دے رہے تھے۔

"آپکے دل سے نہال کی محبت کا وہ اک گرد آلود کونہ نہ میں چھین سکتا ہوں نہ میری اس کو منہدم کرنے کی اہلیت ہے۔۔۔ میری خوشی آپ کا سکون ہے، آپکی آزادی ہے۔۔۔ وہ لمحہ ہے جب آپ ہر بوجھ سے آزاد ہو کر پورے اعتماد کے ساتھ مجھے دیکھیں گی، میری آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کہیں گی کہ میں اعتراف کرتی ہوں آپکی مرہمی محبت کا۔۔۔ آپکی نظر میرے سامنے جھکی ہو گی تو میں سانس لینے میں تکلیف محسوس کروں گا زویا"

یہ پہلا کرب ناک لمحہ تھا جب یاسیت نے میکائیل رضوی کی حسیں مفلوج کر دی تھیں، انکی لازوال حد تک پر کشش صابر آنکھیں آخری دلخراش شکوے پر سرخ ہونے لگی تھیں، دل ڈبو دینے کی حد تک دکھ پہنچاتا ہوا اس شخص کا انداز بیان۔۔۔

وہ نظر اٹھائے انکے جسم سے اٹھتی مرہمی خوشبو سے اپنی سانس کا بہتر ہو جانا محسوس کر چکی تھی مگر ان آنکھوں تک پہنچ کر ضبط کی حد ختم ہو جاتی تھی۔

اک عمر وہ ان آنکھوں کے دکھ کی بے وجہ ہی وجہ بنی تھی، اب تو وہ اسے پیارا تھا، اور پیاروں کو دیے گئے دکھ، بڑی دیر تک سوگوار کرتے ہیں۔

پر وہ جانتی تھی اسکے دامن میں دینے کے لیے فقط یہی تکالیف ہی تھیں۔ رہی سہی محبت تو اس نے اپنے کاشان پر لٹادی تھی۔

وہ ویران کاجل سے بے نیاز آنکھیں جو آج چشمے کی بندش کے بنا تھیں، انکی تابناکی بنا رکاوٹ کے محسوس ہو رہی تھی، وہ چند لمحوں میں پیلی پڑتی رنگت جیسے تکلیف کا نا جانے کونسا مقام ہو، یہ سب میکائیل کو درد کی حد تک اتار گیا تھا۔

"ب۔۔بس کر دیں۔۔۔۔۔پلیز"

منت اور بے بسی بھرے لہجے میں وہ فرار کرتی اٹھ گئی، مگر میکائیل اپنی آخری کوشش کرنے ایک بار پھر اسکی کلائی پر ہاتھ کی پکڑ کرتے اٹھے اور لمحوں میں انکی دسترس سے نکل کر پھر سے اندھیرے میں ڈوب جاتی زویا کو حصار کر اپنے روبرو جامد کیا۔

وہ جان چکے تھے کہ وہ فی الحال ان جان لیوا باتوں سے جان چھڑوانے میں لگی ہے، میکائیل کو اور خود کو مزید دکھ دے رہی ہے۔

"جان لے رہی ہیں آپ میری زویا، خدارا ایسا تو مت کریں۔۔۔"

وہ اس وقت بہت ہی بے کل و بے بس تھے، آواز تک تکلیف سے مدھم ہوئی تو زویا کا بے اختیار دل رکا۔

"مجھے جانے دیں، خود سے دور۔۔۔۔ مجھے آپکی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی، مم۔۔ میرا دل خالی ہے، میرا ذہن بھی خالی ہے۔۔۔۔"

اپنے آپ پر غصہ ہوئے وہ سمجھ نہ پائی کہ کونسی اذیت اگلتی رگ نوچ لے، سر کی پور پور درد میں تھی تو وہ بلبلاتی ہوئی اپنا سر جکڑے پست سا چینخی مگر میکائیل نے اسکی اس حالت زار کو خاموشی سے اپنے سینے سے لگائے نظر انداز کیا، وہ ٹوٹی شاخ سی زویا، انکی باہوں کے دائرے میں لہرا کر جا سمائی، لفظ رہن ہوئے تو زبان مزید تکرار کو ختم کیے تالو سے جا چپکی، وہ رہا سہا باقی سارا انکے گرد بازو لپیٹ کر روئی، جانے کون کون سا دکھ ان باہوں کے حصار کے بہانے بہہ گیا تھا، جانے کون کون سا دل پر لدا بھاری بوجھ اس گرفت میں آکر دم توڑ گیا تھا۔

وہ چند ساعتوں کے بعد شانت ہو گئی، مگر وہ ایسی کیفیت تھی جیسے کسی خاص قسم کے نشے کے عادی انسان کو مطلوبہ نشہ مل جانے پر طاری ہوتی ہو۔

وہ بے دم ہو گئی تھی، میکائیل کو محسوس ہوا وہ اپنا آپ بھی میکائیل کے سہارے چھوڑے بے حس و حرکت ہو گئی تھی۔

میکائیل نے آزردگی سے زویا کی اس نیم جان حالت کو دیکھتے ہی اسے بازوؤں میں اٹھایا اور آہستگی سے قدم بڑھاتے کمرے کی سمت بڑھے اور زویا کو آرام سے بیڈ پر لیٹا دیا۔

وہ خوابناک کی سی کیفیت میں اس نیم جان حالت میں بھی کسی دکھ میں تھی، وہ اس کے پاس ہی بیٹھے اور باریک کمبل زویا پر کروائے فکرمندی سے اپنا ہاتھ بڑھا کر زویا کی پیشانی چھوئی، پھر کلائی تھامے اسکی نبض

دیکھی، وہ انکے دیکھتے ہی دیکھتے تکلیف اور اذیت کے خود ساختہ حملے سے بلکل مرجھا گئی تھی اور وہ اس جلتی پیشانی والی کے لیے اک بوند ابر بھی نہ بن سکے۔

انکی آنکھ میں سرخائی گھل آئی، اپنی جان قربان کر کے بھی زویا کی مسکراتی آنکھیں مل جاتیں تو وہ یہ سودا کر لیتے، وہ دلبر داشتہ ہوئے اس سے پہلے اٹھ کر جاتے، زویا نے انکا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیا۔

وہ اب بھی نیم جان تھی مگر اس شخص کو ہر تکلیف سے باہر نکال لائی تھی۔

ان کی انگلی اس لڑکی کی آنکھ سے بہہ کر آتے آنسو کے ننھے سے قطرے کا پیچھا کرتی اس کے رخسار تک آئی تھی، وہ مکمل ہوش کھو گئی تھی اور کچھ دیر قبل پل دو پل کے لیے کھلتی بند ہوتی آنکھیں طویل تر موندلی تھیں مگر میکائیل رضوی نے وہاں سے اٹھ کر جانا کم از کم آج ہر گز مناسب نہ سمجھا نہ ہی یہ زویا میکائیل رضوی کے شایان شان تھا۔

"میں...... گزرے ہوئے برسوں کی یہ ساری پونجی....

تیرے قدموں میں رکھتا ہوں......

تُو بدلے میں

اپنے نام سے گرہ لگا کر... میرا نام پکار

ہر دن... تیرا دن ہے یار"!!!.....

منقول

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کے کئی سال خوشنما خواہشوں، دلکش خوابوں اور پختہ ارادوں کے گرد محصور کیے وہ ہر فکر و الم سے کوسوں دور رہی تھی، اسے بابا کی موت کے بعد دونوں جان نثار کر دینے کی حد تک پیار کرتے بھائیوں نے اپنی ہتھیلی کا چھالہ بنائے رکھا تھا مگر آج یہ لمحہ تھا کہ اسے محسوس ہو رہا تھا وہ اپنی کائنات کھو بیٹھی ہے۔
محض ابدال اور کاشان کے کوسوں دور چلے جانے نے اس تھکی ماندی، دکھ درد کی ماری وفا کا دل کند چھری سے کاٹ ڈالا تھا۔

یہ وفا کی زندگی کا وہ وقت تھا جب اسکے پاس کچھ نہیں بچا تھا، فقط خالی ہاتھ جن میں چہرہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو سکتی تھی۔

دوسری سمت یہی حال وحید بخاری کا تھا جنھیں دیمک بنا ہوا روگ چاٹنے لگا تھا، فریال تک کو اس بار انہوں نے اپنی بے بسی اور اذیت میں شریک نہ کیا، جو زخم اس شخص کے مضبوط دل پر لگا تھا شاید ایسی آہ تھا جو وقت قضا مرنے والے کے ہونٹوں سے غیر ارادی طور پر نکل جاتی ہے۔
فریال نے بہت بار اپنے صاحب جان کی خاموش اذیت ٹٹولی مگر وہ اک چپ اوڑھے ہر کسی سے ناطہ توڑے یہ جنگ خود ہی لڑنے پر بضد تھے۔
وفا نے اپنی زندگی، اور سانسوں کے اس تسلسل کی وجہ اپنی کوکھ میں پلتی ننھی جان کو بنا لیا تھا ورنہ کاشان سے دور وہ زندگی کے قریب کیسے رہ سکتی تھی۔
اسکی سوگوار، سوجھی ہوئی درد و الم سے اٹی خوبصورت آنکھیں، نوحے گا رہی تھیں۔
کب ابدال نے اپنی بنا آہٹ کے موجودگی یقینی بناتے ہوئے وفا کے کمرے کی جانب رخ کیا اور کب وہ دبے پیر چلتا ہوا اس سیاہ نشین کمرے میں داخل ہوا، وفا کو خبر نہ ہوئی۔

"نیند نہیں آرہی تو مجھ سے بات کرلیں"

وفا کی سماعت میں اترتی سرگوشی بہت قریب سے آئی تھی تبھی وہ جو نیم دراز سی سر بیڈ کی پشت سے ٹیکے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی، یکلخت جاگی اور اپنے پاس ہی آکر بیٹھ جاتے ابدال کو دیکھنے لگی جو ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ جلا چکا تھا، اس سے نکلتی روشنی بھلے وفا کی درد دیتی آنکھوں کو تکلیف دے گئی مگر وہ اس سیاہ نشینی میں ڈوبے کمرے کو روشنی میں نہلا گئی۔

"تم سے کیسے بات کروں، تم بھی تو بہت دور چلے گئے ہو۔ اتنی دور کے جہاں سے واپسی ممکن نہیں"

وہ جس بجھے پن سے گویا تھی اس سے چھبتی ہوئی ناراضگی اور مایوسی عیاں تھی۔

ابدال نے رخ کے ساتھ اپنی نگاہیں بھی وفا کی جانب پھیریں جو ابدال کے بے حس ہو جانے پر اخیر دکھ میں تھی۔

"بات تو سچ ہے لیکن میرا ماننا ہے کہ کسی کو کاندھا دینے کے لیے اس بات کو ہرگز نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ شخص اپنا ہے یا پرایا، دور ہے یا قریب۔۔۔ کندھا تو اجنبی بھی دے دیتے ہیں، اور آپکو پتا ہے وفا۔ کوئی راہ چلتا اجنبی جب تسلی اور ڈھارس دیتا ہے تو وہ جلدی اثر کرتی ہے، میں بے حس اور سنگدل ہوں تو میری باتیں بھی اسی رنگ میں رنگ گئی ہیں"

وہ سپاٹ لفظ ادا کرتا اک ٹرانس کی سی کیفیت میں ڈھل گیا اور وفا کی اسکی سنہری روشنی میں جاگزیں آنکھیں دیکھیں جہاں کوئی رنگ باقی نہ تھا۔

وہ حقیقت میں اس کم عمری ہی میں بے رنگ ہو گیا تھا اور اب یہ سنگدل زمانہ اسے اپنی مسافت کے بہاو میں لے چلتا اپنے رنگ میں رنگ دینے والا تھا۔

کیا وہ ابدال کے لیے اجنبی ہو گئی تھی؟ کیا وہ اس حساس دل سے اتر گئی تھی؟ یہ سوچ وفا کو زیادہ دکھ دے گئی۔

"کم از کم تم تو سنگدل نہ بنتے ابدال، وفا نے تمہیں اپنی اولاد سمجھا تھا"

وہ اسکو تکتی، گہرا سانس لے کر رہ گئی مگر وفا کی آنکھیں نم ہونے سے پہلے وہ اپنا سر وفا کی گود میں رکھے وہیں اسکا ہاتھ تھامے لیٹ گیا، وفا کی آنکھ سے بہتا اک بے آس سا آنسو وفا کی گال پر اتر آیا مگر وہ بے سکونی سے کچھ لمحے باہر نکل آئی۔

"میں آپکے لیے سنگدل نہیں ہوں وفا، مجھے میری ذات کے کرب، کڑوا کسیلا کر چکے ہیں۔ مجھے اب آپ سے بھی کوئی امید نہیں کیونکہ میں ابدال مصطفی اب بس اپنی ذات اور اپنے حصے آئے سکون پر راضی رہنے کا فیصلہ لے چکا ہوں"

وفا بے ساختہ چونکی، آنکھ سے ایک اور آنسو ٹپکا۔ وہ اسکے دل تک کیسے جھانک لیتا تھا؟ کیوں وہ ابدال مصطفی کے آگے اپنا صبر اور ناٹک جاری نہ رکھ پاتی تھی۔

"اور میں اپنی ذات اور اپنے حصے آئی بے سکونی کا کیا کروں گی، جب میرے پاس اپنے دکھ سنانے کو کوئی سماعت نہ ہوئی، میں تو اجنبیوں پر بھروسہ بھی نہیں کر سکتی"

وہ جانتی تھی وہ بھی قصوروار ہے، نا چاہتے ہوئے بھی اس نے ابدال سے وفا چھینی تھی مگر وہ تو وفا کے آنسو بہنے سے پہلے مان جانے والا ابدال ہوا کرتا تھا، وہ زیادہ کرب میں تبھی تھی کہ وہ ابدال کی پکار پر اسکے پاس نہ آسکی تھی، وہ ابدال کی تکلیف کو بانٹ نہ سکی تھی، وہ اسکے لیے ہادیہ نہ بن سکی تھی۔

"میں آپکے دکھ سن لوں گا، مجھے اب دکھ سننا پسند ہیں"

وفا کا ہاتھ اپنے دل سے جوڑے وہ سنجی بن کر اپنے اوپر سایہ فگن اس ماں سی لگتی وفا کی آنکھیں تکتا بولا تو وہ دلخراشی سے مسکرا اٹھی۔

"لیکن صرف وفا کے دکھ سننا پسند ہیں، یہ کہنا چاہیے تھا تمہیں"

وہ نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کرتی اسی کی ہم عمر لگی تو اس بار مسکرانے کی باری ابدال کی تھی۔

"وفا کے دکھ نہیں، انکی باتیں سنوں گا۔۔۔ اللہ کبھی ایسا وقت نہ لائیں کہ جب وفا کے پاس سنانے کو صرف دکھ رہ جائیں۔ بھلے جیسا بھی ہوں، لیکن آپ میری وفا اب بھی ہیں"

اسے وفا کی اداس آنکھیں دیکھ کر رنج پہنچا تھا، آج بہت مدت بعد ان دو کے بیچ کاشان نہیں تھا اور شاید ابدال مصطفی کی عنایت اسی آسانی کا اثر تھی۔

"محبت انسان کو بہت خود غرض بنا دیتی ہے ابدال، وہ محبت کسی بھی نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ جیسے میری تم سے محبت، جیسے میری کاشان سے محبت اور جیسے اب اپنی اولاد سے محبت۔۔۔ عورت اپنی ذات سے جڑی ایسی ڈھیر سی فرض محبتوں کے معاملے میں کبھی کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دیتی کیونکہ اللہ نے اس طرز سے بنایا ہے کہ وہ سب محبتوں کا بھرپور حق ادا کرتی ہے۔ کسی کو کسی کا نعم البدل نہیں مانتی۔ تم سے دور ہوئی تھی تو اب کاشان سے بھی دور ہو گئی۔ لیکن محبت کی شدت تو وہی ہے۔ بس انسان وقت کے ساتھ ساتھ کچھ محبتوں کے ساتھ گہرا جڑھ کر باقی سب کو فراموش کر دیتا ہے، وہ خود غرضی ہوتی ہے"

وہ زخمی پن کے ساتھ اپنے دور ہونے کی وجوہات پیش کرتی کسی گہرے خیال میں اتر گئی تھی، ابدال نے بھرپور آنکھیں کھولے وفا کے کھوئے تاثرات والے چہرے کو دیکھا اور تائیدی انداز میں آنکھیں چھپکائے مسکرایا۔

"جی بلکل، ایسی خود غرضی میں بھی دیکھاوں گا اب۔۔۔ کیونکہ میرے نزدیک اب عناب کی محبت اول درجے پر ہے۔۔۔ میں بھی اسکی محبت کے ساتھ جڑھ کر باقی سبکو فراموش کر دوں گا"

وفا اسکی اس بات پر بلکل حیران نہ ہوئی بلکہ وہ ابدال کی دھیمی مسکراہٹ تکتی خود بھی مبہم سا اداس سا مسکرائی۔

"تم محبت ہو یا نفرت، پورا بدلہ چکاتے ہو۔۔۔۔ تمہارے خونخوار اصول ہم بچارے تو سہہ لیں گے پر اس کا کیا ہو گا جو مستقبل میں تمہارے ساتھ جڑے گی"

وفا خود بھی بوجھل پن کہیں دور رکھ چھوڑے، تجسس سے اس پیارے ابدال کو تکتی دریافت کر رہی تھی جو وفا کے اس سوال کی ہر گز امید نہ رکھتا تھا۔

وہ چاہتا تھا وفا جیلس ہو، لیکن وہ واقعی بہادر اور مضبوط ہو گئی تھی۔

کاشان ہمانی کی محبت کا کل جہاں پانے کے بعد اسے دنیا جہاں کی کسی محبت کی شدت درکار نہ تھی لیکن پھر بھی وہ ابدال کے سامنے اداکاری کرنے میں ماہر ہو چکی تھی۔

"ٹال رہی ہیں، چلیں کوئی بات نہیں۔۔۔۔ ستم ہے کہ اب چاہ کر بھی آپ پر سے کاشان ہمانی کے رنگ نہیں اتر سکیں گے۔۔۔۔ وہ اداکار اور فنکار ہے اور آپکو بھی جاتے جاتے بنا گیا۔۔۔ کب لوٹے گا وہ؟"

رائگانی کی کڑوی سی خلش تھی جس میں ابدال مبتلا تھا لیکن وفا کی توجہ ابدال کے آخری سوال نے کھینچی، وہ اسکے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں چلاتی یکدم خاموشی سے گردن موڑے کھڑکی کی سمت سے جھانکتے چاند کو تکنے لگی۔

"اسے کہا تھا جلدی آنا، اک انتظار اسکے پلو سے بھی باندھ آئی تھی لیکن وہ آئینہ ہے میرا اور آئینے کی یاداشت نہیں ہوتی"

وہ مایوس سی وفا، بوجھل آنکھیں جھکائے ابدال کی یاسیت بھری آنکھیں تکتی سرگوشی میں بولی جس پر وہ گہرا سانس بھر گیا۔

"اس سے اچھا تھا آپ اسے کبھی نہ ملتیں، ناشکرا کہیں کا۔۔۔۔ ایسی تڑپ کس کام کی جو دائمی نہ ہو، ایسا ساتھ کس سکھ کا جس کا انت جدائی ہو۔۔۔۔ وھاج لالہ کا کرب کم تھا کہ مجھے آپ کی اداسی کا صدمہ بھی لگ گیا"

وہ جبڑے بھینچتا تلملا اٹھا، وفا نے چونک کر ابدال کا مشتعل ہونا دیکھا اور بے قرار ہوئی۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا وھاج کو؟"

وفا نے فکر سے استفسار کیا تو ابدال نہ صرف اٹھ بیٹھا بلکہ اپنا رخ وفا کی جانب موڑ لیا۔

"انکا بھی ماضی ہے وفا، بہت لمبی کہانی جسے ابھی ابدال نے خود بھی دریافت کرنا ہے۔ لیکن وہ بہت تکلیف میں ہیں۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وھاج لالہ کی زندگی میں کوئی اقراء نامی لڑکی تھی؟ یا کوئی ادنی حوالہ جو کبھی آپکے سننے میں آیا؟ ان دو کی کہانی کچھ خاص ہے۔۔۔ ان دو کا ایک دوسرے کو دیکھنا میں فراموش نہیں کر سکتا۔۔۔"

ابدال کے منہ سے یہ انکشاف گویا وفا کو بھی حیران و پریشان کر گیا، وہ اپنے معاوف ہوتے ذہن پر زور ڈالے بھی کوئی ایسا ذکر اور حوالہ تلاش نہ سکی۔

ابدال اسکے جواب کا شدت سے منتظر تھا۔

"نہیں مجھے اس کا کچھ علم نہیں، اگر واقعی اسکا کوئی ماضی ہے تو ہم مل کر اسے اسکا حال اور مستقبل دونوں بنا دیں گے۔۔ کم از کم کوئی ایک تو دائمی ساتھ پا لے گا"

وفا اپنے دکھ بھلائے، ابدال کو یہ کہہ کر حیران کر گئی، وہ کچھ ثانیے چپ چاپ وفا کی سوگوار آنکھیں تکتا گیا، یہاں تک کہ ابدال کو یہ تسلسل توڑے نظر جھکا کر وفا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامنے پڑے۔

"ایک بات پوچھوں؟"

وہ یکدم ہی پراسرار ہوا، وفا کے دل کو دھکا سا لگا۔

"ہمم۔۔"

وہ خفیف سا اشارہ دیے ڈری سی لگی۔

"کیا کاشان ہمانی آپکو چھوڑ گیا ہے؟ اگر وہ صرف کام کے لیے گیا ہے تو آپکی آنکھیں نوحے مت گاتیں۔۔۔ کیا وہ کبھی واپس نہ لوٹنے کے لیے گیا ہے؟ کیا اس نے آپ جیسی دولت گنوا دی ہے؟ اس نے آنے کا دن تو بتایا ہوگا؟ کوئی اشارہ کوئی بات۔۔۔ میرے سامنے اداکاری بیکار ہے، میں ظاہری نہیں اب اندرونی چہرے تک پڑھنے میں ماہر ہو گیا ہوں"

وہ سراپا سوال بنا، وفا کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہا تھا اور وہ آنکھوں میں نمی لیے چہرہ موڑے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جما گئی۔

"وہ وقت مری جان بہت دور نہیں ہے
جب درد سے رک جائیں گی سب زیست کی راہیں
اور حد سے گزر جائے گا اندوہِ نہانی
تھک جائیں گی ترسی ہوئی ناکام نگاہیں
چھن جائیں گے مجھ سے مرے آنسو مری آہیں"

وہ خاموش تھی لیکن دل کے اندر آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔

درد کی لہر پورے وجود میں لہرا گئی تھی۔

"فسردہ رخ، لبوں پر اک نیاز آمیز خاموشی

تبسم مضمحل تھا، مرمریں ہاتھوں میں لرزش تھی

وہ کیسی بے کسی تھی تیری پر تمکیں نگاہوں میں

وہ کیا دکھ تھا تری سہمی ہوئی خاموش آہوں میں"

وہ باریک بین سانو عمر شخص، اپنی عمر سے بہت بڑا تھا، اسے تہہ در تہہ چہروں کی ساری پرتیں کھولنے کا ہنر آ گیا تھا۔

"ضبط سے کام لوں گی، اس نے کہا تھا کہ اسے پکاروں گی تو وہ لوٹ آئے گا۔ لیکن میں اس ڈر سے پکاروں گی ہی نہیں کہ اسکا وعدہ ٹوٹ جائے گا۔ اسکی آنکھوں میں صاف لکھا تھا الوداع۔۔۔ تم ہو ناں میرے ساتھ، وفا کو سنبھال لو گے"

وہ صبر سے کام لیتی لڑکی درد نا کی سے یہ بتائے ابدال کی گال سہلاتی بھیگا سا مسکرائی اور وہ بھی وفا کی مسکراہٹ کی آبرو نبھانے ویسا ہی مسکرایا۔

"بندے کو بندے کی طرح ہی پیار محبت کرنی چاہیے، فقیری اوڑھ لی تو سمجھو بیڑا غرق۔۔۔ نہ ایسی عام محبت کرو کہ اسکے احساس کی دستک آپکے سائے تک کو نہ ہو سکے، نہ ایسی خاص کر بیٹھو کہ وہ تمہارے کندن ہونے کی مانگ کر بیٹھے۔۔۔ کندن کیسے بنا جاتا ہے، آپ تو جان گئی ہوں گی ناں وفا"

وہ گہری باتیں اتنی آسانی سے کر دیتا کہ وفا کئی لمحے اسکی بات کی وسعت پر دنگ رہی۔

اداس سی اثبات کی جنبش کرتی وہ اسکا ہاتھ جکڑے ہونٹوں سے لگائے مسکرائی۔

"تم محبت کا کوئی انٹیک فلسفہ لانے والے لگ رہے ہو مجھے، فیوچر کا سکرپٹ رائیٹر۔۔۔۔ابدال مصطفی بخاری۔۔۔جو اپنے قلم کی حدت سے بڑی سکرین پر آگ لگا دے گا"

وہ اپنے درد اور دکھ ٹالے شرارت سے مسکرائی، اترائی اور وہ بھی پلوں میں ساری اداسی پرے کرتا تائیدی انداز میں داد وصول کیے دلکش ہوا۔

"صرف آگ ہی نہیں، میں ہر چیز جلا کر خاکستر کر دوں گا۔۔۔میرا قلم صرف محبت نہیں بلکہ اسکے ہم نفس اور رقیب سارے جذبے لکھے گا۔۔۔ نفرت، جدائی، دھتکار، بھوک، افلاس اور ہوس۔۔۔۔۔"

ابدال کی آنکھوں میں اک افسردگی ہلکورے لیتی دکھ کا روپ دھار گئی تو وفا نے دھیرے سے اسکا ہاتھ تھپتھپا کر خاموش تسلی دی۔

"ہمم۔۔۔جاو سو جاو۔۔۔ کل وھاج سے بات کریں گے۔۔۔ میں بہتر ہوں اب۔۔۔"

وہ اسے آرام کرنے بھیجنے کا کہتی نرمی سے گویا تھی اور وہ بھی اب کچھ دیر اپنے آپ کے ساتھ رہنے کا تمنائی تھا تبھی وفا کو آرام کہنے کا کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا، وفا کی آنکھیں اسکے جانے کے بعد بھی ویسی ہی رنجیدہ رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک نیا دن اتر چکا تھا، جانے کتنے راز کھولنے یا کتنے مزید راز دفن کرنے، کتنی حکایات جنھیں مقررہ وقت تک لمحوں کی زنبیل میں دفن رہنا تھا، کتنے جذبات، جنھیں مقرر وقت تک محفوظ رکھا جانا تھا۔

وحید بخاری فجر کے وقت بخاری ولا سے نکل گئے تھے، کچھ بے سمت سفر جن کو کاٹنے کے لیے انھیں دل کی تھکن تک چلنا تھا۔

کل رات، خاموشی سے ایزل مہران بھی فارس شاہ کی دہلیز چپ چاپ، خاموشی سے چھوڑے کہیں چلی گئی، سٹنگ ایریا میں رکھے گلاس ٹیبل پر دھری کتاب تلے پھڑ پھڑاتا ہوا کاغذ جس کو فارس شاہ کے ہاتھ نے اٹھایا اور اپنی آنکھیں اس سطر پر مرکوز کیں۔

"میں جا رہی ہوں، اجلت میں اک فرض ملا ہے۔ جسے نبھانا ہے۔ ہو سکتا ہے جب واپس آوں تو آپکو آپکی مہکار کے ساتھ خوش رہتے ہوئے دیکھوں۔ اس گھر کو آباد ہونے کی ایزل دعا دے کر جا رہی ہے، اپنا خیال رکھیے گا"

چند جملے زیر لب دہراتا فارس، گہرا سانس کھینچے کچھ لمحوں میں وہاں سے اوجھل ہو گیا۔

دوسری سمت ایزل ائیر پورٹ پر روانگی کے تمام امور طے کرتی اس وطن کو خیر آباد کہہ رہی تھی، یہی وطن جہاں اس نے محبت اور نفرت کی تمام شر انگیزیاں دیکھی تھیں، یہی دیار غیر جہاں اب اسکے قیام کی مدت اختتام پذیر ہو گئی تھی۔

وہ چلی گئی تھی، ایک آخری فرض نبھانے، اسے چن لیا گیا تھا، محبوب کی ایک بار پھر حفاظت کے لیے۔

دوسری جانب پچھلے کئی منٹوں سے کیفے کی سب سے الگ تھلگ میز پر خاموشی چھائی ہوئی تھی، آج کی یہ نئی صبح جانے کیسے کہرام برپا کرنے کی تیاری میں تھی، افق کے پار مدھم مدھم لے پر دھڑکتا، کرنیں بکھیرتا، موسم بہار کے آخری آیام کا سورج بریم وناراض سا اپنی اکا دکا کرنیں اس میز پر بھی پہنچا رہا تھا، سامنے جہاں

داد ماتھے پر لاتعداد شکنیں لیے خفگی سے اپنے روبرو تھکے ہارے سے وحید بخاری کی جانب توجہ مبذول کیے بیٹھے تھے جنکی عقل و سمجھ ابھی تک مقابل کے تقاضے پر چکرائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے کیا؟ یہ سب کرنے کا خیال آیا کیسے۔۔۔ تم جانتے ہو وحید کہ تم کتنی بے یقین اور ناقابل برداشت مانگ لائے ہو؟"

جہاں داد کی خفگی اور ناراضگی کو یکسر نظر انداز کیے وہ شخص بس بے بس بنا فریادی آنکھیں اٹھائے جہاں داد کو تکنے لگا، جانے وہ کتنے بے بس تھے کہ دل کی اذیت انکی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔

"میرے پاس بے موت مرنے سے پہلے اک ٹوٹی پھوٹی کوشش کرنے کی یہ آخری مہلت ہے جہاں داد، میں نے اگر کچھ نہ کیا تو وقت سے پہلے اپنے دل اور دماغ کو دیمک لگوا بیٹھوں گا۔ ایک مجبور شخص سمجھ لو مجھے، ایک خالی ہاتھ فقیر۔۔۔۔ اگر یہ سب نہ کیا تو وفا کبھی بھی اس شخص کے دیے فریب اور کربناک انتظار سے نہیں نکل سکے گی۔ میں بابا کو کیا منہ دیکھاوں گا؟ میں وفا کے دامن میں کانٹے بھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ اسے زندگی بھر کی اذیت سے نکالنے کے لیے یہ وقتی دھچکا سہنا ہو گا۔ اگر تم نے اس میں میرا ساتھ نہ دیا تو میں اپنی جان لے لوں گا"

وحید بخاری کی حد درجہ بے اختیاری و مجبوری کے تحت کہی ان ساری باتوں نے جہاں داد کو اک لمحے ششدر کر ڈالا، وہ کتنے ہی لمحے وحید بخاری کا یہ شکستہ روپ تکتا رہا، اسے کہیں بھی اپنا باہمت اور مضبوط وحید نظر ہی نہ آسکا۔

یہ سامنے بیٹھا شخص تو سوداگر بن گیا تھا، ہار کے صدمے نے انکی سدھ بدھ تباہ کر ڈالی تھی۔

"وحید۔۔۔ تم یہ سب کیسے کرسکتے ہو یار۔۔۔ وفا کے ساتھ ایسا ظلم مت کرو۔۔۔ دو محبت کرنے والوں کو جدا کرنے والے پر تو کائنات بھی برہم ہو جاتی ہے میرے دوست۔۔۔ اور کیا گارنٹی ہے کہ اس سب کے بعد وفا کے دل سے کاشان نکل جائے گا"

مقابل نرم لہجہ اختیار کیے اک آخری گزارش کیے سوال دھر اگیا جس پر وحید صاحب نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں سختی سے موندیں اور پھر کھول دیں، وہاں بے شمار تکالیف ہلکورے لیتی نظر آئی۔

"دنیا کے ساتھ ساتھ تم سب قانون والے بھی گمراہ ہو چکے ہو، وہ میری معصوم بہن کو اجاڑ دے گا۔ اسکی محبت تک وفا کے لیے محض اک زخم ہے۔۔۔ تم وہ کرو جو کہا ہے۔۔۔ میں یہ گھٹیا کھیل کھیلنے پر مجبور ہوں۔۔۔۔ میرا ساتھ دو جہاں داد ورنہ میں اس تکلیف سے مر جاوں گا"

بے بسی کی شاید آخری حد تھی وہ جس میں جہاں داد آج اپنے دوست کو غرق دیکھ رہا تھا، گہرا سانس کھینچے وہ اپنے دل میں جمع ہوتے غبار کو ہلکا کیے دونوں ہاتھ میز پر دھرے متوجہ ہوئے۔

"ہمم، مجھے کاشان کے سائن درکار ہوں گے۔۔۔ یہ سب ال لیگل ہے، خدانخواستہ اگر یہ فراڈ پکڑا گیا تو نہ صرف میری جاب جائے گی بلکہ قانونی کاروائی بھی ہو گی۔۔۔۔ تم مجھے بہت برا آزما رہے ہو"

جہاں داد کے لہجے کی یاسیت نے وحید صاحب کا احساس جرم مزید بڑھا دیا لیکن انکے پاس پشیمانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

"وفا نے ہی اس پر گولی چلائی تھی، یہ سچ مجھے بہت پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔۔۔ اس میں کوئی فراڈ نہیں ہے۔۔۔ تم نے بس یہ سب کاشان کی سمت سے ترتیب دینا ہے۔۔۔ رہی بات کاشان کی اس معاملے میں دخل اندازی کی تو یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔۔۔ وہ اس سارے معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں کرے گا۔۔۔ وفا کو یہ دھچکا آج ہی لگ جانا چاہیے۔۔۔ میں ایک دو دن تک اسکی ضمانت کروا لوں

گا۔۔۔۔۔۔ لیکن ہمارا یہ کھیل وفا کی ساری تکالیف ختم کر دے گا۔۔۔۔۔۔ وہ کاشان ہمانی سے نفرت کرے گی، اس سے اپنا رشتہ تک توڑ دے گی۔۔۔۔۔۔ ساری زندگی وہ اس دو ٹکے کے مجرم کے لیے تڑپے، آہیں بھرے اور انتظار کرے اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔"

یکدم ہی وہ نفرت اور حقارت کے سنگ کاشان کو ملامت کرتے تہذیب کے دائرے سے نکل گئے اور جہاں داد چپ چاپ افسوس کے سنگ وحید کی جانب تکتا رہا جسے اس وقت کچھ بھی سمجھانا بیکار دیکھائی دے رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔۔ تم پچھتاؤ گے وحید۔۔۔۔ وفا کے دل کو اسطرح اجاڑ کر۔۔۔۔۔ میں اس میں تمہارا ساتھ تو دے رہا ہوں لیکن تمہیں ایک بات بتا دوں۔۔۔ یہ سچائی ایک نہ ایک دن وفا کے سامنے ضرور کھلے گی۔۔۔۔ پھر تم اس معصوم لڑکی کے دل میں کاشان کی پہلے سے کئی گنا شدید محبت ہرگز دھندلی نہ کر پاؤ گے۔۔۔"

برہم مگر اخیر سپاٹ انداز میں وہ یہ سخت جملے کہتا نہ صرف اٹھا بلکہ اک تکلیف سے بھری نظر وحید پر ڈالے، میز پر دھرا اپنا فون اور گاڑی کی چابی اٹھائے نکل گیا، وحید صاحب کے ذہن میں ہتھوڑے کی مانند برستی ان الفاظ کی بازگشت تا دیر سلگاتی رہی، یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے انکی کسی بوجھ تلے دبی آنکھیں نم ہوئیں اور بصارت دھندلا کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کا چمکدار سویرا ابخاری ولا کے وسیع لان میں پھیلا ہوا تھا، جہاں ہلکی سی موسمی اثر کی لہر سے بخار سا ہونے کے باعث آج یوئی بھی گھر تھا اور ان دو چٹکے پٹاکوں کو کمپنی دینے ہلال بھی صبح ہی آ گیا تھا۔

منیہا اور فریال صاحبہ گروسری کے لیے کچھ دیر پہلے ہی ڈرائیور کے ساتھ نکلی تھیں جبکہ عون بھی یوئی کے گھر ہونے کے باعث، اس کی اداسی دور کرنے اور طبعیت نہال کرنے کو لے کر فارس کی طرف نکل گیا تھا، جبکہ لان میں لگی چھوٹی چھوٹی گھاس پر منی قالین بچھا کر اپنے کھلونے بکھیر کر ہلال کے ساتھ کھیلتی عناب بھی انجوائے کر رہی تھی۔

آج سکول میں چھٹی کے باعث ہلال اور ابدال بھی گھر ہی تھے۔

ابدال ابھی اٹھا نہیں تھا، وھاج لان میں کھڑے ہو کر مالی بابا کو ہدایت کے ساتھ ساتھ گاہے بگاہے مسکرا کر عناب کی جانب بھی دیکھ رہا تھا۔

تبھی اندرونی جانب سے وفا کو ٹی پنک اور گرے شید کے خوبصورت شلوار قمیص کے سادہ لباس میں ملبوس ہو کر آتا دیکھ کر وہ لمحے بھر کو چونکا، نگاہ واپس گمائی تو وہ اس ولا کی ملکہ کو کسی مبہوت کر دیتے منظر کی طرح تکنے لگا، وہ اب سادہ سی اک عورت کا روپ دھار چکی تھی، جسکا سجنا اور سنورنا اسکا سنگدل پیا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

کب وہ بلند و بالا سا عکس، حقیقت کا روپ دھارے اسکے سامنے آیا، وہ مقابل کی سرد دھوپ سی مسکراہٹ کا ادھورا پن دیکھتا واپس حقیقت کی دنیا میں لوٹا۔

"آپ کب آئیں؟ کاشان بھی آیا ہے"

اک تقدس سا اس شخص کے لہجے میں اترا وہیں اسکے سوال نے وفا کو موضوع بدلنے پر اکسایا، دنیا تو دنیا تھی، وہ ہر قدم پر اس سے کاشان کا پوچھنے والی تھی مگر جنھیں دنیا میں نہ گنا گیا ہو، انکی جانب سے ایسا سوال، وفا کے چہرے پر اک خاموشی اتر آئی۔

"اقراء؟ اپنی زندگی کے اس اہم چیپٹر کو کبھی مجھ پر کھولا ہی نہیں۔ آج میری نہیں، صرف تمہاری بات ہو گی۔۔۔ ابدال سے علم ہوا۔ سب جاننا چاہتی ہوں۔۔۔ اور پھر میرے حتمی فیصلے کو چپ چاپ تسلیم بھی کروگے یہی گزارش ہے"

وہ اک نگاہ لان میں کھکھلا کر ہنستی عناب پر ڈالے رخ واپس تھکن اوڑھ کر کھڑے وھاج کی سمت کیے، پورے وثوق سے یہ چند جملے دہرائے آخر تک چپ چاپ وھاج سکندر کی گہری آنکھوں کے راز کھوجنے لگی، جن میں اس وقت اک سوز درج تھا، رائیگانی پنہاں تھی، کسی بڑے خسارے کا دبا دبایا کہرام تھا جو آنکھوں کو رنج دے رہا تھا۔

"اسکا تو دماغ خراب ہے، آپ اسکی باتوں کو سنجیدہ مت لیں۔۔۔ جو چیز یا جو معاملہ اب تک آپ پر نہیں کھل سکا، جان لیں کے وہ اہمیت کا حامل نہیں رہا ہو گا۔۔۔ آپ خوش تو ہیں؟ چہرے سے مرجھائی ہوئی لگ رہی ہیں۔۔۔"

غائبانہ خفگی کا اظہار کیے آج وہ لاکھ ٹال لیتا لیکن جب آخری سوال پر وفا پر نگاہ پڑی تو وہ اسکی ناراضگی سے سہم سا گیا، جانے کتنے عہد لمحوں میں بکھر گئے، جانے کتنے ضبط ٹوٹ کر کرچی ہوئے۔

وہ وفا کے سامنے اپنی ٹوٹی پھوٹی قسمت کی مخفی ساری کڑیاں کھول بیٹھا، وہ مرد جاہ، کسی ہارے جواری کی مانند نظریں جھکائے کھڑا تھا اور وفا کو لگا یہ حسین اور پرنور سی صبح کبھی نہ اجلتی شام میں بدل گئی ہو۔

"تم نے کہا تھا وھاج کہ اگر کبھی تمہارے فرائض میں کسی محبت کا مان نبھانا لکھ دیا گیا تو تم پیچھے نہیں ہٹو گے۔ تم کبھی سمجھ نہیں پائے کہ گل و گلزار کا فرق کیا ہوتا ہے پاگل۔۔۔ تمہارے لیے میں گل تھی تو وہ نور حیات تمہارا گلزار۔۔۔ تم نے بہت دیر کر دی۔۔۔ تم نے اپنی زندگی کے سارے سکھ مجھ پر وار دیے، ایسا کیوں کیا"

وہ تھک ہار کر کرسی کا سہارا لیے بیٹھی، آنکھوں میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی، وہ پہلے ہی دکھ میں تھی اور اب اس شخص کی خود غرضی اسکا دل خون کر رہی تھی۔

وہ بھی کچھ فاصلے پر آکر بیٹھا، نظریں اب بھی جھکی تھیں، دل کی کیفیت الم و غم میں مبتلا تھی۔

"لیکن اب بس۔۔۔ مزید یہ پاگل پن نہیں۔ اب جب وہ لوٹ آئی ہے تو اسکی سمت جانے کے لیے تمہیں پہل کرنی ہو گی۔۔۔ اسے حکم نہیں بلکہ وفا کی گزارش سمجھ لو۔ اسے اندھیرے سے نکال لو، اسے پا کر تم اپنے سارے خسارے بھول جاوگے۔۔۔ مجھ سے وعدہ کرو وھاج، تم اقراء نور کی محبت قبول کرو گے۔۔۔ دل و جان سے"

نمی آنکھوں میں ہی انگلیوں سے مسل ڈالتی وفا، اس تاریکی میں روشنی کا لمحہ چرا لائی تھی، اور وھاج نے نظریں اٹھا کر جس کربناک بے بسی کے سنگ اسے دیکھا، یہ دکھ صرف وفا ہی جان سکتی تھی، وہی تھی جو اب تکالیف کی قسمیں پہچان سکتی تھی۔

"وفا یہ میرے لیے ناممکن ہے، اسکی محبت قبول کرنا بھی اس پر بہت بڑے ظلم کو توڑنے سا ہو گا۔ آپ تو سمجھ سکتی ہیں، حقیقی محبت کے روگ۔۔۔ کیا کوئی دوسرا اس آئینے میں دیکھائی دے سکتا ہے؟ جس آئینے کی بینائی وہ پہلا بن چکا ہو۔"

وھاج کی مضبوط آواز میں سلوٹ تھی وہیں لہجہ دڑار کی زد میں، لیکن وفا کے پاس شاید اک وجہ مزید بھی تھی۔

"لیکن تم نے اپنا نہیں سوچنا اس بار، تم نے اقراء کا سوچنا ہے۔۔۔ اسکا آئینہ تم ہو، وہ بھی تمہیں اپنی بینائی بنا چکی تھی۔۔۔ تم نے محبت نہیں کرنی مت کرو، تم نے محبت کا مان نبھانا ہے۔۔۔"

وہ اسے گزارش کی طرز میں نیا حکم سنا رہی تھی اور وھاج سکندر ناکام و نامراد سا بس وفا کو دیکھ رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔ وفا مجھے مت الجھائیں"

اس سے پہلے کہ وہ بے کل سا اپنی بے بسی کے بوجھ کو اٹھائے وہاں سے جاتا، تیزی سے ابدال کو اپنی سمت آتا دیکھ کر وھاج کے ساتھ ساتھ وفا بھی پریشان ہوئی کیونکہ ابدال فون پر کسی سے ہوسپٹل کا پتہ پوچھ رہا تھا۔

"ک۔۔ کیا ہوا ابدال۔۔۔ کون ہے ہوسپٹل؟"

وفا نے ہی ہمت کیے ابدال کی جانب دیکھ کر بے قراری سے پوچھا مگر ابدال نے اک نظر وھاج کے پتھرائے چہرے پر ڈالی اور پھر وفا کی جانب مڑا۔

"میں نے نور حیات کو کال کی تھی مگر انکا فون انکے بابا نے اٹھایا، وہ کل رات سے ہوسپٹل ہیں۔ انھیں ہارٹ اٹیک آیا ہے۔۔۔ وہ تو ابھی ینگ سی ہیں وفا، میں بہت فکرمند ہوں انکے لیے۔۔۔ انکے بابا نے بتایا کہ وہ بہت مشکل سے سروائیو کر پائی ہیں۔۔۔ مجھے جانا ہو گا۔۔۔ وھاج لالہ کیا آپ مجھے لے چلیں گے؟"

ابدال مصطفی کے اس ہولناک انکشاف پر جہاں وفا کا دل سکڑ کر رہ گیا وہیں وھاج کے دل کی دھڑکن اک لمحے کو تھم گئی، یہ لمحہ کتنا ہیبت ناک تھا اسکی خبر صرف وفا اور وھاج کو ہی تھی۔

"اللہ رحم کریں، ہاں بلکل تم جاو۔۔۔ وھاج لے جائے گا۔۔۔ میری طرف سے بھی اپنی نور حیات کی طبعیت پوچھنا۔۔۔ جاو شاباش"

وفا بنا وھاج کی شکستہ ذات پر رحم کھائے، اسے جانے کے لیے بھیج رہی تھی جسکے بس میں یہ سوہان روح لمحے برداشت کرنے کے سوا کوئی حل نہ تھا۔

ابدال تو فوری اجازت لیے نکل گیا جبکہ وھاج نے جاتے جاتے لمحہ بھر رک کر چہرہ پھیرے وفا کو دیکھا جو اسے آج واقعی اخیر سنگدل لگی۔

جب تک گاڑی، بخاری ولا سے اوجھل نہ ہوئی، وفا اسی جانب تکتی رہی اور پھر گہرا سانس کھینچے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"خوش آمدید ایزل۔۔۔۔بھائی منتظر ہیں تمہارے"

شاید یہ وہ پہلا اور آخری جملہ تھا جو ایزل مہران کی کل میراث تھا، ائیر پورٹ سے اس شاندار ولا تک کا سفر اس لڑکی کا مہک رہا تھا، باسط ہی کو پھر سے کاشان کی جانب سے ہدایات اور فرائض واپس مل چکے تھے، اس دیار غیر کی ہر چیز اسے اپنی اپنی محسوس ہو رہی تھی، یہی تو وہ انمول انعام تھا جو پائزن نے اس کے حق دار تک پوری امانت سے سونپا تھا۔

وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے نفرت، محبت، احسان اور کم ظرفی کا کبھی بدلہ ادھار نہ رکھا تھا، باسط نے اسے ایزل کی تمام سرگرمیوں اور قربانیوں کی ساری فہرست تھما دی تھی اور بہت سے قیمتی لمحے صرف کیے وہ جس نتیجے پر پہنچا تھا اس سے آگاہ کرنے ہی وہ ایزل کو یہاں بلوا چکا تھا۔

وہ پور پور کاشان ہمانی کے عشق میں مبتلا جوگن، کیوں نہ اسکی پکار پر لپک پڑتی، آخر کو انسان جس بھی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، اسکے دل کی تڑپ یکساں ہوا کرتی ہے۔

وہ یہاں معافیا کے ابتدائی تمام احکامات نہ صرف اک دستاویزی فائیل کی صورت پڑھ چکا تھا بلکہ کچھ دیر پہلے ہی اس نے اپنی موت کے اس پروانے پر دستخط بھی کر دیے تھے، اسے آج رات بہت بڑے جشن کا مہمان خاص بنوایا جانا تھا جس میں اسکی اب تک کی کارکردگی پر انعام و اکرام سے نوازنے کے ساتھ ساتھ چند نئ ذمہ داریاں سونپی جانی تھیں۔

گرے شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے وہ بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرے، ننگے پیر، ہاتھ میں بھاپ اڑاتا سیاہ کافی کا کپ تھامے لان میں ٹہل رہا تھا، یہاں بھی ویڈی کا ہم نسل اور جڑواں کتا اسکے اردگرد منڈلا رہا تھا، یہ اعلی نسل کا کتا، اس پیلس کا اہم حصہ تھا، زمین کی نرم گرم حدت اسے اچھا محسوس کروا رہی تھی وہیں ہانگ کانگ کا موسم بھی عجیب سرد گرم سا روح کو سہلانے کا موجب تھا، مگر وہ ہیزل گرے آنکھیں بہت بوجھ تلے دبی تھیں۔

بوجھ تو بہت چھوٹا لفظ تھا، اس نے تو داو کھیلا تھا، ایک ایسی بازی جس میں جیت کا زرا امکان نہ تھا۔

وہ جن دستاویز پر لکھے حکم نامے مان کر آیا تھا ان میں اک حکم وفا سے دستبرداری بھی تھی۔

شعور میں وہ روح جھنجھوڑتا لمحہ اب بھی انگارے سا سلگ رہا تھا جب صبح چیف نے اسے وہ تمام کاغذات پیش کیے تھے۔

یہ وہی آراستہ بند کمرہ تھا جہاں میز کے گرد کئی کرسیاں دھری تھیں، مدھم ملگجی سا سویرا اس وقت اس بریٹیش وضع والے آدمی اور کاشان ہمانی کے چہرے کو واضع کر رہا تھا۔

میز پر ایک طرف گن رکھی گئی تھی جس میں چھ گولیاں موجود تھیں، دوسری طرف وہ خونی دستاویز تھے جن پر دستخط کرنا موت سے برتر تھا۔

وہ ہیڈ، کھسیانی مسکراہٹ زیر لب دبائے، مسلسل خاموشی سے ٹیک لگا کر سگریٹ پھونک کر دھواں اڑاتے کاشان ہمانی کو دیکھ رہا تھا جسکی آنکھوں میں اس وقت شعلے اترے معلوم ہو رہے تھے۔

"یہ سب بہت سخت شرائط نہیں ہیں؟

اپنی محبت سے دستبرداری۔۔۔ اپنی اولاد سے لا عملی۔۔۔ جب یہ عہدہ میری پروفیشنل لائف کا حصہ ہے تو آپکی یہ شرائط میری ذاتی زندگی میں کیوں گھس رہی ہیں۔۔۔ اک حد ہوتی ہے کسی زندہ بشر کے لہو پینے اور اسکے جسم کو کاٹنے کی"

نہایت سیدھا اور سپاٹ لہجہ لیے وہ منہ سے دھویں کا غبار عین اس ہیڈ کے چہرے کے سامنے پھیلائے، نا صرف سیدھا ہوئے بیٹھا بلکہ انگلی میں پکڑا برینڈ سگریٹ بھی کچھ فاصلے پر رکھی ایش ٹرے میں بری طرح مسل ڈالا، جس انداز سے کاشان نے اپنی نفرت اس ادھ جلے سگریٹ پر اتاری، وہ دیکھ کر اس آدمی کی استہزایہ مسکراہٹ فوری منہدم ہو کر اشتعال سا بنی جسے وہ بروقت ضبط بھی کر چکا تھا۔

"ہر بار تم محبت کے معاملے میں کامیابی پا سکتے ہو تو پھر یہ آتی جاتی بیویاں اور بچے کیا معنی رکھتے ہیں، یہ تو اوپر والے نے تمہیں شکل اور عقل کے ساتھ مردانگی ہی اتنی تگڑی دے دی ہے کہ تم سے محبت کرنے والوں کی کسی بھی زمانے کمی نہیں ہو سکتی ہے۔۔۔ لیکن لیکن لیکن۔۔۔ تنظیم کو بٹا ہوا شخص بلکل مردے سا لگتا ہے، مردہ نہیں۔۔۔ جیتا جاگتا شیر چاہیے، جو دھاڑ سکے۔۔۔ جو پچھاڑ سکے"

اپنی آنکھوں میں شیطانیت بھرے وہ شخص اتنا ہیبت ناک اور غلیظ لگا کہ کاشان ہمانی نے جبڑے بھینچ کر اس زندہ دل و دماغ کے سوداگر کی جانب سے چہرہ پھیر لیا۔

اسکے پاس اس وقت دو طرح کی موت کا آپشن تھا، ایک حقیقی موت جسکے بعد وہ چھ کی چھ گولیاں اسے اپنے جسم میں اتار کر اپنا انجام لکھتے ہوئے قلم توڑنا تھا، اور ایک وہ موت جس کے بعد وہ خود اپنی نظروں میں مر جانے والا تھا۔

یہ فیصلہ کس قدر سوہان روح تھا، یہ کاشان کے مضبوط ہاتھ کی لرزش سے عیاں تھا جو گن کی جانب بڑھنے لگا، آنکھوں میں خلش اور دکھ کی سرخائی گھل آئی مگر نا جانے کیوں مرنے سے وہ پہلی بار خوف کھا بیٹھا تھا۔

وہ ہیڈ دل ہی دل میں کاشان ہمانی کو سزا سنائے محظوظ ہو رہا تھا، وہ حاکم تھا اور اس وقت کاشان اسکی اک کٹ پتلی۔

" تمہیں فقیر ہی رہنا ہو گا کاشان، گر غلطی سے بھی اپنے کاسے سے سمندر نکال کر اس بے رحم دنیا کو دیکھا دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ وہی قسم جو روح کے جنم لیتے وقت لی گئی تھی۔ مر گیا تو وہ بھی مر جائے گی۔۔۔ زندہ رہا تو زندہ رہے گی، فقط اک نام کے سہارے سے ہی سہی۔۔۔ کبھی کسی انجان راہ پر اسے دیکھ تو لوں گا"

اپنے کپکپاتے ہاتھ کی لرزش پر قابو پائے وہ اس دستاویز کی جانب بڑھا تھا، اسکے چہرے کی رگیں بھیانک حد تک ابھر آئیں، ان کا لہو پھڑ پھڑانے لگا۔

"بہت خوب۔۔۔ تم جیسے عقل مند سے ایسی ہی سمجھداری کی امید تھی۔ اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ تم نے ہمارا اعتماد بھی بحال کر لیا۔۔۔ تمہارے پاس سب سے بڑے معافیہ نیکورک کی سیکورٹی ہے، ہماری شہرہ افاق، چالیس بڑے ملکوں کی وسعت پر پھیلی تنظیم کا ساتھ ہے، ایزل اور باسط جیسے وفادار ہیں، اور جن کے سرپرست اور ساتھی سب وفادار ہوں وہ لوگ زمانے کے سکندر کہلاتے ہیں۔

تم بھی زمانے کے سکندر کہلاؤ گے، کاشان ہمانی۔ تم اب سے لینڈ معافیا اور ڈرگ مافیا کے ہیڈ ہو۔ ہمارے لیے ایگل کنگ اور دنیا کے لیے سیٹھ کاشان ہمانی"

وہ بہت کرب سے اس موت نامے پر دستخط کیے اپنے نئے عہدے سمیٹ کر، رات جشن کا نور نظر بننے کی نوعید پائے جب سے واپس لوٹا تھا، رگوں میں لہو کی جگہ تکلیف دوڑ رہی تھی۔

وہ واپس حقیقت میں پٹخ دیا گیا تھا، یونہی بے دھیانی میں اپنی بیرڈ میں اترتی نمی محسوس ہوئی تو ہاتھ بڑھا کر چھوا اور اس بے مراد آنسو کے بہنے پر اذیت سے قہقہہ لگائے، اپنی آنکھ بے دردی سے رگڑ دی۔

"میں تمہیں یاد کر رہا ہوں وفا، میں تمہیں یاد کروں گا۔ میں صرف تمہیں یاد ہی کر سکوں گا"

ارد گرد کی دلکش فضا اسکا سانس گھوٹ رہی تھی، اور وہ دل جلا اپنے ماتم منا رہا تھا۔

اسے اپنا خسارہ پہروں رلانے والا تھا، اسے جو غم سب سے زیادہ کاٹ رہا تھا وہ وفا کی جدائی تھی۔

جسے اچانک سے رگ جان بنایا تھا اب اس زہر کا تریاق ناپید تھا، وہ زہر لمحہ بہ لمحہ اس مضبوط و توانا شخص کو زہر آلود کرنے والا تھا۔

"میں اک کمزور ٹہنی پر کھلا نامراد مگر رنگین سا بے موسمی پھول جس پر باوری تتلی کی مانند تم آئی، اپنی خوشبو مجھے سونپ کر میرے رہے سہے رنگ اتار کر اڑ گئی۔۔۔ باورے تو کبھی نہیں لوٹتے۔۔۔ آہ ہماری اس ادھوری کہانی کا ادھوراپن۔۔۔۔ یہ خوشبو کبھی اپنے رنگ سے نہیں مل سکے گی"

وہ بدمزاجی کے سنگ بے ڈھنگی دلخراش مسکراہٹ کے سنگ اپنی تکلیف دہرا رہا تھا، آہیں بھر اٹھا، اور سینے پر ہاتھ کی تھپک لگائی گویا ٹھہر جاتی دھڑکن کو رواں کیا ہو۔

اور وہیں دوسری جانب، خاموشی کے اس پار دریچے سے جھانکتی وفا کی نظریں، کوئی دھیمے دلسوز راگ میں یادوں کی پٹاری کھولے، آہیں، سسکیاں اور محرومیاں گا رہا تھا۔

"درد کچھ دیر ہی رہتا ہے، بہت دیر نہیں
جس طرح شاخ سے توڑے ہوئے اک پتے کا رنگ

ماند پڑ جاتا ہے کچھ روز الگ شاخ سے رہ کر
شاخ سے ٹوٹ کے یہ درد جیے گا کب تک؟
ختم ہو جائے گی جب اس کی رسد
ٹمٹمائے گا ذرا دیر کو بُجھتے بُجھتے
اور پھر لمبی سی اک سانس دھوئیں کی لے کر
ختم ہو جائے گا، یہ درد بھی بُجھ جائے گا
درد کچھ دیر ہی رہتا ہے، بہت دیر نہیں"

وہ بھی اسے یاد کر رہی تھی، اک دوسری کی نگاہوں سے وہ بھلے اوجھل ہو گئے تھے لیکن اک یاد کا بندھن تو سدا انکی بختوں کی سرفرازی بن گیا تھا، انکا ساتھ اک اڑی پتنگ سا تھا جو کبھی اس پار تو کبھی اس پار حاوی ہو رہا تھا۔

مگر کاشان نے یہ جدائی کا فیصلہ اپنا نصیب مان لیا تھا، اسے علم تھا دنیا کی بہت سی ایسی سیاہیوں کا جو کسی عام شخص کی بصارت سے دیکھائی نہ دیتی تھیں۔

کب وہ بصارت کے دھند لکے جھٹکنے پر دور پار سے اپنی سمت آتے چند نفوس کو دیکھتا اپنا ہر دکھ سمیٹ گیا، نا صرف شکستگی جذب کی بلکہ اپنی ازل کی پر اعتمادی کے سنگ اٹھ کر پروقار انداز کے سنگ سامنے سے آتے باسط اور مکمل سیاہ میں لپٹی، بہت پرسکون دیکھائی دیتی ایزل کو دیکھنے لگا جو کسی آخری منظر کی طرح قریب تر چلے آنے تک کاشان کو مبہوت ہوئے دیکھتی رہی یہاں تک کہ آنکھوں کے بے حد قرین آباد ہوتے اس انمول شخص کا چہرہ تک اپنی آنکھوں میں خفظ کر ڈالا۔

وہ یہاں سزا لینے چلی آئی تھی، کہ وہ شخص اسے غلاموں میں شامل کر لے، اتنا حق دے دے کہ وہ اسے صبح شام اک اک نظر دیکھ لیا کرے، اسکے ماحول کو سجوانے والی باندیوں میں سے ہو جائے، اسکے جوتے تسموں سے باندھ دیا کرے، اسکا چشمہ صاف کر دے، اسکے کمرے کو سنوار دے۔۔۔

اور وہ اسے سزا کیسے دے سکتا تھا، سزائیں دینا تو بہت وقت سے اس پاگل شیدائی نے چھوڑ دیا تھا۔

ان دونوں کی آنکھوں میں بہت سے جذبے تھے، شکر گزاری کے، ممنونیت کے مگر ایزل مہران کی آنکھوں میں سکون اضافی تھا۔

"کیسی ہو ایزل مہران؟"

جواباً اس نے تڑپ کر ان ہیزل آنکھوں میں دیکھا تھا،

یہ ان ہونٹوں نے کیسی مہربانی سونپی کہ کتنی دیر وہ بس کاشان کو بھرائی آنکھیں لیے تکتی رہی، وہ کب آزاد تھی، اس شخص کے سامنے، تبھی تو آنسو آزادی لیے بغاوت کر گئے۔

باسط بھی گہری نظریں ان دو پر مرکوز کیے کچھ فاصلے پر ہی مودب ہوئے رک چکا تھا۔

اس کو روتا دیکھ کر کاشان کے دل میں جیسے کانٹے چبھے تھے، وہ اسے تو کیا اب کسی زی روح کو رلانے پر راضی نہ تھا۔

"ب۔ بہت خوش۔۔۔۔ مجھے بلایا تم نے۔۔۔۔ مجھے ایک بار پھر قابل اعتبار سمجھا۔۔۔۔ بہت خوش ہوں
"

جانے کتنی ہمت لگی تھی اس لڑکی کو اس اعتراف کو کرنے میں، وہ ہلکا پھلکا سا ہوئے گہرا سانس بھرے ایزل کا جائزہ لے رہا تھا جسکا چہرہ، خوشی سے الٹ کیفیت بیان کر رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔مہکار کا معاملہ دیکھو گی تم۔۔۔ملو اس سے جا کر، وہ آ چکی ہے یہاں۔ اس سے ڈسکس کرو۔ ڈائیورس کے پیپرز پر سائن کر چکا ہوں میں۔۔۔اسکے سائن لو اور پیپرز سبمنٹ کروا دو۔۔اس طلاق کی مکمل کاروائی ہوتے ہی اسے لے کر پاکستان چلی جاو، واپس جا کر فارس اور مہکار کے نکاح کا سارا معاملہ بھی تم سنبھالو گی۔۔۔۔اس ٹاسک کے بعد تم واپس میری آرمی میں ایز آ سئنئیر ہیکر جوائنگ دے سکتی ہو"

نہ تو تمہید باندھی گئی نہ کوئی سزا دی، نہ حکم دیا، وہ کئی ثانیے اس شخص کی طلسمی ذات کے حصار میں ڈوبی رہی اور پھر گریہ کے سنگ اسکی سانس اٹکنے لگی، گر گر کر خودکشی کرتے اسکے آنسو، وہ انداز اک معذرت لیے ہوئے تھا۔

"ت۔۔۔تم مجھے سزا نہیں دو گے؟"

وہ کانپتی آواز کے سنگ سسک اٹھی تھی، کاشان نے اک سرد سی نگاہ ڈالے واپس کافی مگ اٹھائے جھک کر پالتو کتے کے سر کے بال سہلائے اور وہیں سرسبز زمین پر بیٹھا اور پھر نظر اٹھائے سراپا منتظر سی ایزل کو دیکھا جسکی آنکھیں انتہائی تاسف زدہ تھیں۔

"غداری سے بڑا مرتبہ وفاداری کا ہوتا ہے ایزل مہران، تمہاری سزا اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں کہ میں تمہارے، خود پر کیے احسان کو احسان نہیں سمجھتا۔۔ہاں تمہارے جذبوں کی صداقت مجھے تمہاری غداری کو معاف کرنے پر اکسا گئی۔۔۔"

سنجیدگی کے سنگ وہ ایزل کو جواب سونپتا اسکی صورت سرسری سا تکنے کو لمحے بھر توقف لیے رکا تو وہ بھی جیسے دم سادھ گئی۔

"جاو فریش ہو جاو۔۔۔کچھ کھا لو پھر باسط تمہیں مہکار کے اپارٹمنٹ تک چھوڑ آئے گا"

عام سے لہجے میں بے نیازی سے حکم دیے وہ خود بھی اپنا کافی کا مگ اٹھائے، اک نظر باسط پر ڈالے وہاں سے چلا گیا اور ایزل نے بھی اسکے اوجھل ہونے تک اسکے لفظوں کی مہربانی اپنی سماعت میں سرائیت کی اور پھر باسط ہی نے دو گارڈز کو اشارہ کیا جو ایزل کو اسکے روم تک چھوڑنے بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سر کی میڈیسن لاو۔۔۔فورا"

بدر نے ملازم کو ہانک لگائی جسکے بعد وہ سیدھا کمرے کی سمت لپکا جہاں تبریز بہت ابتر حالت میں بگھڑے تنفس کے سنگ سانس لیتے اپنا سینہ مسل رہے تھے، انھیں حقیقت میں سانس نہیں آرہا تھا۔

بدر نے فوری انھیں انکی میڈیسن کھلائی مگر تب بھی اس تڑپتے بلکتے شخص کی اذیت کم نہ ہوئی۔

آنسو تھے کہ انکی آنکھوں سے برسات کی مانند اتر رہے تھے۔

"یہ روگ کھا جائے گا آپکو، مت دیں خود کو تکلیف۔۔۔۔میں آپکو ایسے نہیں دیکھ سکتا"

جب مسیحائی بھی رد ہوگئی تو وہ شکستہ سا ہمدرد بھی بکھرے لہجے میں تبریز کے ساتھ ہی براجمان ہوئے انکا کانپتا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھامے لعرزش زدہ آواز سے پکارا۔

"مجھے میری نور لادے کوئی، میں اپنی بچی سے ملے بنا مرنا نہیں چاہتا بدر۔۔۔میری بے بسی مجھے مار دے گی۔ وہ تکلیف میں ہے، میرا دل کہتا ہے کہ میری نور بجھ رہی ہے۔۔۔۔میں کسے اپنا ٹکڑے ٹکڑے دل

دیکھاوں۔۔۔۔ یہ پہلی بار نہیں ہوا، اکثر گہری آسودہ راتوں اور مصروف دنوں کے بیچ میرے دل میں ہوک اٹھتی ہے۔۔۔۔ جو مجھے میری نور، میری کرن کی اذیت محسوس کرواتی ہے"

وہ پور پور زخمی شخص، اک حسرت کی زد میں تنکا تنکا بکھر رہا تھا اور بدر کے پاس کوئی سرانہ تھا، کوئی مرہم نہ تھا، تبریز خاکزاری کے کسی درد کا درماں نہ تھا۔

"یہ سب آپکا وہم ہے سر، ممکن ہے یہ وسوسے ہوں جو ان دو کی جدائی پر آپکو لاحق ہو جاتے ہوں۔ وہ جہاں ہوں گی بلکل ٹھیک ہوں گی۔۔۔۔ کچھ دیر آرام کریں۔ طبعیت بگھڑ گئی تو سنبھلنی مشکل ہو گی"

بدر اپنی جانب سے انکے درد کم کرتا مگر اس باپ کے دل کو تو غائبانہ سب درد براہ راست محسوس ہوتے تھے، انکے دل کا نور تکلیف کی سرحد پر تھا تو وہ کیسے مخملی بستر میں آسودہ نیند لے پاتے۔

وہ سر جھٹکتے جھٹکتے سر تکیے پر دھرے لیٹ تو گئے مگر نیند کی دوا کے گہرے اثر کے باوجود انکی روح کسی غم سے دوچار تھی۔

بدر انکے پاس سے اٹھا اور کچھ فاصلے پر کھڑا آزردگی سے تبریز کو دیکھنے لگا، اس باپ کی تڑپ اور اس شخص کی بے بسی کا وہ چشم دید گواہ پلوں میں اپنی آنکھیں سرخ انگارہ کر بیٹھا۔

دوسری جانب ابدال کب سے سپیشل کئیر روم کے باہر، دروازے میں نسب آئینے سے اندر جھانک کر بستر پر بے جان پڑی، کئی بے رحم مشینوں کی زد میں بے سدھ سی نور حیات کو دیکھ رہا تھا۔

کچھ ہی فاصلے پر خانم صاحبہ اور سلمان صاحب کے ساتھ بیٹھا وھاج بھی انکی تکلیف میں برابر کا شریک تھا۔

کسی نے پہچانا ہو یا نہیں، عفیفیہ خانم نے کئی بار نم بھرائی آنکھوں کے سنگ وھاج کو دیکھا تھا۔

اس اک نظر میں جانے کیسی امید، یقین اور ڈھارس تھی کہ وھاج کو اپنا آپ حقیر سے حقیر ترین لگ رہا تھا۔

"دل نازک ہے اسکا، تاثیر میں بھی اور تقدیر میں بھی۔۔۔۔ لیکن اتنا نازک ہو گاک۔۔۔کب خبر تھی۔
بہت کچھ سہہ جانے والی میری گڈی، نا جانے کس زرا سی بات پر ہمت چھوڑ گئی۔۔۔۔۔"
اپنا سب کچھ ہارے ہوئے سیلمان صاحب، جس طرح بولے، ان کے لہجے کی تکلیف نے سبھی کا دل چیڑ ڈالا یہاں تک کہ اس بستر مرگ پر پڑی اکھڑی سانس بھرتی نور حیات سے کوئی ناطہ نہ رکھنے والا ابدال تک اپنا دل بہت بھرا محسوس کر رہا تھا۔
اسے نور حیات کے سانچے میں یہ کمزور سی لڑکی ہر گز قبول نہ تھی۔
وہ اتنا تو جانتا تھا کہ وہ دکھ میں تھی مگر جانے اس دکھ کی گہرائی کتنی شدید تھی کہ وہ عارضہ قلب کا شکار ہو گئی۔
بے دھیانی میں ہی سہی پر ابدال کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، وہ اس اجنبی سی لڑکی کے لیے بہت غم زدہ تھا۔
"اللہ اسے شفاء دے گا، پریشان مت ہوں"
جانے اتنی ہمت وہ کہاں سے مانگ لایا تھا، عفیفیہ خانم نے آس سے اسکی جانب دیکھا جیسے جانے کتنی مشکل میں ہوں۔
سلیمان صاحب کا بس نہ چلا کہ وہ اپنی زندگی اپنی نور کو سونپ دیتے، وہ دونوں بہت پریشان حال تھے، اندر قطرہ قطرہ زندگی کی جانب واپس آتی اقراء بھی کسی اذیت سے دوچار تھی۔
کافی دیر تک وہ خاموشی سے ان دو کا درد بانٹتا رہا اور پھر سلمان بابا کچھ دیر کے لیے گھر چلے گئے کیونکہ وہ شکران کی حفاظت کے لیے محلے کی لڑکی کو چھوڑ کر آئے تھے مگر تا دیر شکران کو کسی اور کے حوالے کرنا خود انھیں قبول نہ تھا۔

جبکہ مسلسل ابدال کو اس مر رسے اندر جھانکتا پائے، وھاج اٹھ کر اسکی سمت آنے ہی لگا جب خانم صاحبہ نے دھیرے سے وھاج کی کلائی تھامی جس پر وہ انکی زخمی نظر خود پر جمی پائے واپس بیٹھا اور نہ صرف مکمل توجہ انکی سمت مبذول کی بلکہ انکا جھریوں والا ہاتھ بھی اپنے مضبوط ہاتھوں میں مقید کیا۔

مگر نا جانے کیا ہوا کہ وہ شدید رونے لگ گئیں، اتنا کہ انکی ضعیف آنکھیں متورم ہو گئیں۔

"م۔۔۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔۔۔۔۔ تم وھاج ہو ناں۔۔۔ تمہارے پیچھے وہ بہت تڑپی پتر۔۔۔ وہ بہت بھاگوں والی تھی، اب دیکھو کیا کر لیا اس نے اپنے ساتھ۔۔۔۔۔ م۔۔ میں نے اسے اس ظالم شہر بلا کر بہت بڑا ظلم کیا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ یہاں آکر مر جائے گی۔۔۔۔ لیکن م۔۔ میں کیا کرتی پتر، اسکی ہنسی، اسکی مسکراہٹ اور اسکی موجودگی ہم بڑھا بڑھی کی زندگی ہے۔۔۔۔۔"

سسکیوں اور کراہٹوں کے بیچ وہ ہچکی بھرے یہ سب بولتی گئیں اور وھاج سکندر کو محسوس ہوا کہ اسکے جسم کا رواں رواں، ادھڑ کر بکھر گیا ہو۔

"رو کر مجھے مزید مجرم مت بنائیں"

وہ انکے آنسو پونجھ کر التجاء کر اٹھا، جانے کتنا درد دبائے ہوئے یہ کہا گیا کہ آنکھیں زرد رنگ میں نہا گئیں۔

"وہ بجھ رہی ہے پتر، اپنی رہی سہی روشنی بھی وار رہی ہے۔۔۔۔ اسکا کوئی ایک دکھ ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ کہتی، اسے بہت سے درد ہیں۔ وہ خانم بوا تک سے اپنی سرخ روئی آنکھیں چھپاتی ہے۔۔۔ اسے میں اور اسکے بابا سنبھال سکتے ہیں پر اسے تمہارا کہا ایک جملہ بہت جلدی اچھا کر دے گا۔۔۔۔"

یکدم ہی خانم نے وھاج کے ہاتھ عقیدت سے تھامے اشک بار ہوئے جو کہا وہ وھاج کے ساتھ ساتھ بظاہر کہیں اور تکتے ابدال کی سماعت کو بھی لرزا گیا تھا۔

"کون سا؟"

جانے کیسی قہرناک پکار تھی کہ وھاج کی آواز اسکے اپنے گلے میں گھٹ گئی۔

"میں ہوں نا۔۔۔۔ مجھے یقین ہے اگر وہ بستر مرگ پر آخری سانس بھی لے رہی ہو گی تو تمہاری آواز کی یہ مختصر سرگوشی اسکے دل کے تسلسل کو بحال کر دے گی۔۔۔۔۔ میں نے اسکی ڈائری پڑھی ہے، وہ تمہاری آواز میں اس سرگوشی کو سننے کی حسرت پالتی آئی ہے۔۔۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے عفیفہ خانم کی آواز آنسوؤں نے نگلی وہیں اس بار وھاج سکندر کا سینہ بھی پھٹ گیا تھا۔

لیکن اس بے جان وجود پر مرکوز وہ سنہری آنکھیں اداس سا مسکرادی تھیں۔

"تو آپ وھاج لالہ سے محبت کرتی ہیں نور حیات، کاش آپکو بہت پہلے وھاج لالہ مل جاتے۔۔۔۔۔ بنا خیانت کے۔۔۔ کاش اس دنیا میں کم از کم جذبوں اور محبتوں کی خیانت جلد اپنے منطقی انجام کو جا پہنچے"

وہ دیکھتے ہی دیکھتے نور حیات کا راز دان اور ہمراز بن گیا تھا، خانم اور وھاج کی ساری باتیں اس بظاہر بے خبر دیکھائی دیتے ابدال نے بہت توجہ سے سنیں تھیں اور اسکی نظریں اب دعا کی مانند اقراء نور پر سایہ فگن ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"ہمم۔۔۔ بہتر ہے۔ کچھ وقت لگے گا مکمل بہتری کی سمت گامزن ہونے میں۔ تم بس اپنا دھیان رکھنا"

کل گزری شب سے اب صبح کے دن میں بدلتے روپ کی گواہی تک وہ اک لمحہ بھی اس کو تنہا چھوڑ نہ پائے تھے، ابھی بھی اپنی نگاہوں میں اس پری پیکر کا سراپا بارہا سموئے وہ سامنے ہی صوفے پر براجمان، اپنا لیپ ٹاپ کھولے کسی سے چیٹ میں مصروف تھے، دوسری سمت سے کوئی ٹائپنگ کر رہا تھا، بلیک نامی وہ سیاہ پروفائیل والی آئی ڈی تھی جس کی جانب سے جلد ہی اگلا پیغام موصول ہوا۔

میکائیل رضوی کے ہاتھوں کی انگلیاں برق رفتاری سے کی پیڈ پر حرکت کر رہی تھیں۔

"دھیان رکھنا آتا ہے، بے فکر رہیں۔ وہ زیادہ روئی تو نہیں لالہ۔۔۔ اپنی نظروں سے اوجھل مت ہونے دیجیئے گا زویا کو۔۔۔ ہو سکے تو کہیں اوٹنگ پر لے جائیں۔ انھیں پہاڑوں پر جانا بہت پسند ہے"

وہ اس موصول شدہ پیغام کو پڑھتے ہی دھیما سا مسکرائے، اتنے دور بیٹھ کر بھی وہ زویا کے لیے بیقرار اور مضطرب تھا۔

میکائیل رضوی نے نظر اٹھائے مخموریت کے سنگ خواب کی دہلیز پھلانگ کر کسی آسمانی سفر پر رخصت ہو چکی زویا کا سکون تکتے آسودگی میں ڈھلے اور پھر تسلی سے انگلیوں کی حرکت کے سنگ اس دل جلے کو جواب دینے لگے۔

"لے جاوں گا۔ تھوڑے پینڈنگ کام دیکھ لوں۔۔۔ تم نے جو فائیلز بھیجی ہیں میں نے ہیڈ کوراٹر پہنچا دی ہیں۔۔۔ اس سارے سفر میں تنہا نہیں ہونے دوں گا تم کو۔۔۔ نہ تمہارے دل کو بے مراد ہونے دوں گا۔ وفا پر میرے لوگ ہمہ وقت نظر رکھیں گے، یہی نہیں بلکہ تمہاری غیر موجودگی کے یہ سارے سال تمہاری بیوی اور اولاد بھی میری ذمہ داری ہو گی۔۔۔ گھبرانے والی تو تم شے نہیں لیکن پھر بھی بی بریو"

یہ ساری بات انہوں نے لفظ توڑ توڑ کر بہت مہارت سے ٹائپ کی تھی، نہ صرف ٹائپ کی بلکہ کچھ لفظوں کو کوڈ کی صورت میں کنورٹ کر دیا گیا جو کہ ان دو کے کام کی ڈیمانڈ اور انکی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

جس گندی جنگ کا وہ حصہ تھے، سانس بھی پھونک پھونک کر لینی تھی۔

کب وہ سفاک لوگ انکے گلے کی نس کاٹ ڈالتے، کیا خبر تھی۔

"آپ جانتے ہیں اپنی ذمہ داریاں اور نبھاتے بھی ہیں۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس سے دور رہنا جان جوکھم کا کام ہے۔۔۔ وہ مجھ سے بہت دور آباد ہے، جانے کتنے برسوں تک رہنے والی ہے۔۔۔ آج آپکی بہت پہلے کہی ایک بات پر ایمان لایا ہوں"

وہ اپنی بے قراری اپنے پیغام میں باندھے ارسال کر چکا تھا جسے پڑھتے ہوئے میکائیل نے دلسوزی کے سنگ گہرا سانس بھرے فوری جواب لکھا۔

"کونسی؟"

وہ بے قرار تھے، اس حرکت کرتی لکیر کو تکتے رہے جو کسی کے جواب کی امید تھی۔

"یہی کہ مرد ہر محاذ پر لڑ مر سکتا ہے، ہر دکھ جھیل سکتا ہے، ہر کمی برداشت کر سکتا ہے، ہر مشقت اٹھا سکتا ہے مگر اس کے بنا نہیں رہ سکتا جسے عشق کر بیٹھتا ہے۔۔۔ میں نے حقیقی موت پر غائبانہ موت چنی لالہ تو وجہ وہ ہے۔ کیا جاتا گر اس زخم زخم سانس سے ایک ہی جھٹکے میں دامن چھڑوا لیتا۔۔۔ مجھے تو اب زویا کی فکر بھی نہیں رہی کیونکہ وہ آپکے پاس پہنچ چکی ہیں۔۔۔ مجھے تو اسکی فکر ہے کہ وہ سانس کیسے لے رہی ہو گی۔۔۔۔۔"

وہ اپنی تکلیف دیواروں سے بھی نہیں کہہ سکتا تھا، اسکے نصیب کے کرب اتنے کسیلے تھے کہ بولنے کی حسرت میں اب لہو کے زخیرے خشک ہونے والے تھے، یہ انگلیوں کی پوروں سے درد تحریر کر کے ارسال کرنے کی آسانی بھی اس وقت عیاشی سے کم نہ تھی۔

اس پیغام میں بھی ستر فیصد لفظ کوڈ ورڈنگ میں تھے جنھیں میکائیل رضوی مکمل طور پر سمجھ چکے تھے۔

"یہ سب سوچنے کا وقت گزر گیا لاڈلے، جو عہد لیا ہے اسے نبھانا ہو گا۔ میں تمہارے ہر دکھ کی گہرائی جانتا ہوں لیکن اس بات پر یقین رکھو کہ مرہم دینے کا وعدہ اللہ کا ہے۔۔۔ اب جاو اور اپنی جیت کا جشن اسی انداز سے منانا جو انداز کاشان ہمانی کے شایان شان ہے۔۔۔"

اپنی جانب سے تھوڑی ہمت، زرا سی ڈھارس اور قلیل سہی پر حوصلہ اپنے شفقت بھرے پیغام میں بھر کر ارسال کیے وہ کچھ دیر سکرین پر دیکھتے رہے اور پھر سامنے والے کے آف لائن جاتے ہی وہ بھی لیپ ٹاپ بند کیے اٹھے اور چند قدم کا فاصلہ عبور کیے زویا کے عین قریب جا رکے، جو نیند سے زیادہ کسی سکون آمیز کیفیت سے دوچار ہوئے تب سے اب تک آنکھیں بند کیے بے خبر پڑی تھی، یہ جانے بنا کہ مشکل رات کٹ گئی ہے، اسکے بخت کی روشنی اسکی ذات کے انگ انگ میں سویرا کر گئی ہے۔

وہ زرا سا جھک کر اپنی ہتھیلی، زویا کی پیشانی سے جوڑ گئے جیسے اس جبین پر ابھر آتی حدت جانچنے لگے ہوں مگر وہاں کی گرمائش نے انھیں فکر مند کیے، قریب ہی براجمان ہونے پر مجبور کیا، وہ اب زویا کا مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیے اسے ہونٹوں تک لائے اور بوسہ دیا، وہ تب بھی اس بے نام کیفیت سے باہر نہ آئی۔

"اتنا زیادہ بے خبر مت رہیے زویا، جاگ جائیں۔۔۔۔"

وہ اسکے چہرے کی تروتازگی کے متلاشی تھے جو کہیں کھو گئی تھی، زویا کو انکی آواز بہت دور سے آتی سنائی دی تھی لیکن اسکی پلکوں کی تھرتھراہٹ اس بات کی گواہ تھی کہ وہ انھیں سن رہی ہے۔

وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اسکی حرکت کرتی پلکوں کو چھو کر تکنے کی خواہش کرتے ہوئے خود ہی افسردہ سا مسکرا دیے، بھلا حاکم کو کہاں آتے ہیں درویشی و فقیری کے آداب، مگر وہ تو ازل سے اس لڑکی کے در پر فقیر بن کر آئے تھے۔

"مجھے کیوں آزما رہی ہیں"

کوئی سماعت میں درد بھری سرگوشی کر رہا تھا، وہ آہستہ آہستہ حواس بیدار ہونے پر اپنی بے خبری کو آلوداع کہے جب دھیرے دھیرے اپنی سوجھی متورم آنکھیں کھول رہی تھی تو میکائیل رضوی کی دھڑکن بھی اسی شدت سے بڑھ رہی تھی۔

جب مکمل حواس بیدار ہوئے تو خود پر مرکوز ان مہربان آنکھوں کا نرم سا لمس محسوس کیے وہ پلکیں جھپک کر چہرہ زرا موڑ گئی، اٹھنے کی کوشش بھی کی لیکن سر میں اٹھتے درد کے باعث وہ میکائیل کے قریب ہونے اور سہارہ دینے پر زرا دیر تھم جاتی نگاہوں سے اس قرین ترسے شخص کی انکھیں کھوجنے لگی۔ وہ اسے مکمل گرفتار کر لیتے انداز میں حصارے ہوئے تھے، اور وہ تکان سے بھری ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہیں آپ؟ ناشتے کا وقت تو گیا۔۔۔ کھانا لگواتا ہوں۔۔۔ ناجانے کب سے بھوک ہڑتال منائی جا رہی تھی۔ چہرہ بلکل مرجھا گیا ہے، رہی سہی کسر رورلا کر پوری کرلی"

نجانے کیا سوجھی کہ وہ دونوں ہتھیلیوں کو زویا کی اندر دھنس جاتی گالوں سے جوڑے، بہت پیار سے جوڑتے تو کبھی اسکے ماتھے پر ڈھلکی بے ڈھنگی زلفیں سمیٹ رہے تھے کبھی اسکی بے یقین بوجھل آنکھوں میں جھانک کر زویا کے دل کو اپنے مرکز سے ہلا رہے تھے۔

اس حصار میں تو کیا وہ اس شخص کی نظروں کی حدود تک میں بے قرار ہو جاتی، جو کہنا تھا وہ بھول گئی، کیا کہے، سمجھ سے باہر تھا۔

وہ حال کیا بتاتی؟ اس بے پرواہ سراپے نے اپنی دلکشی کب کی فراموش کر دی تھی۔

وہ کیا بتاتی کہ وہ اسکے سامنے ساکن ہو جاتی ہے، رگوں میں لہو منجمد ہو جاتا ہے، اسکی تمام حسیں اسکا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔

"ٹھیک ن۔۔ نہیں"

وہ بہت تھک ہار کر ٹوٹے لہجے میں کہہ سکی تھی، وہ بلا جھجک اسکے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرے، جبین پر اپنے ہونٹوں کی مہر دھر گئے۔

زویا کی پیشانی پہ ان کے لبوں کا پر حدت لمس،

اس شخص کی انگلیوں کی پوروں سے نکلتی حرارت، ہتھیلیوں کی گرمی، دیر تک اس کے رخساروں پر، چہرے پر دہکتی رہی یہاں تک کہ وہ جھکی آنکھیں اٹھائے اک بے بسی کے سنگ میکائیل کو تکنے لگی۔

جہاں بلا کا اطمینان درج تھا۔

"میں ٹھیک کر دوں گا، سب کچھ۔۔۔۔۔ پہلے کچھ کھا لیں۔۔۔ گھر بھی دیکھیں۔ اسے اپنی موجودگی اور پسند سے سجائیں۔ ویسے ہی جئیں جیسا پہلے جیتی تھیں۔ اسی گھر کے آدھے حصے کو اپنی بنائی تصویروں سے سجا دیں۔۔۔۔ اپنے ہاتھ کے کچھ رنگ مجھ پر بھی چڑھا دیں۔۔۔۔۔ باقی میں اور تو کا جھگڑا ہم فراغت کے وقت کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں۔۔۔۔۔ اٹھ جائیں۔۔۔۔"

مخمور لہجے میں وہ خود اٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر زویا کے ہاتھ تھامے اسے بھی بستر سے اتارا اور اپنے عین روبرو لے آئے، وہ اک سحر میں لپٹی ہوئی بہت دکھ میں انکی مسکراتی آنکھیں دیکھ رہی تھی۔

"میکائیل۔۔۔۔"

اپنے دونوں ہاتھوں کی نرم ہتھیلیوں کا سایہ مقابل کے چوڑے سینے پر کیے وہ انھیں ٹیک کر خود نگاہ اٹھائے مدھم اداس سا پکار بیٹھی۔

وہ اجازت طلب ہوئے اور استحقاق کی آمیزیش کے سنگ اپنے توانا بازو، آہستگی سے زویا کے گرد پھیلا دیے۔ وہ اس حصار میں یکدم شانت سی اور بے جان سی دیکھائی دے رہی تھی۔

"جب میرے دل کا سکون، آپکی موجودگی تلاش کرنے لگے گا تو میں کہہ نہیں پاوں گی۔۔۔۔ مم۔۔ میں تب تک کچھ نہیں کہہ پاوں گی جب تک میرے اندر آپکی محبت کے معیار کی محبت مکمل سرائیت نہ کر جائے"

وہ چپ چاپ بس دیکھ رہی تھی، وہ چاہ کر بھی میکائیل کے جذبوں کی شدت کا بدلہ نہیں جھکا سکتی تھی لیکن وہ شخص اسے اپنی فکر میں گھلتا مزید پیارا ہو رہا تھا۔

رات کا ہر اظہار، صحیفے کی مانند زویا کے دل پر نقش ہو چکا تھا مگر وہ اک احساس پشیمانی خوامخواہ حاوی ہونے لگتی تو زویا کو محسوس ہوتا وہ دوسرا سانس نہیں لے سکے گی۔

"بہت سوچتی ہیں آپ"

وہ میکائیل کی دھیمی مسکراہٹ کے سنگ ادا ہوئے جملے پر چونکی، یہ بارہا ہو چکا تھا۔ وہ اسکی سوچ پڑھ لیتے تھے، نمی آنکھوں میں جھلملائی تو دھیرے سے سر اس شخص کے سینے پر رکھ چھوڑا۔

"ہمم"

اسے یہ بھی دکھ دے گیا۔

"دنیا بھر کا سکون فقط ایک لپیٹ میں موجود ہے

اس 'حصار' کی صورت۔۔۔۔۔ بہت محبت کرتا ہوں آپ سے زویا، بہت زیادہ"

وہ کیسے اس لمحہ جاوداں کی گہرائی نہ سراہتے، وہ انکی سرگوشی پر دھیما سہی پر مسکرائی، لیکن میکائیل اسکی بہت وقت بعد بیدار ہوتی مسکراہٹ دیکھنے سے محروم رہ گئے۔

"ہمم"

اس نے فقط یہی کہے اس حصار کی طوالت اختتام پذیر کی اور بوجھل قدموں کے سنگ وہاں سے چلی گئی، اور وہ قدرے مطمئین ہوئے مسکرا کر اس راحت کو دلی طور سے محسوس کیے اسے جاتا دیکھتے رہے، چہرے کے خدوخال اک آسودگی میں لپٹ گئے۔

دوسری جانب جب جہاں داد نے یہ سارا معاملہ الماس کو بتایا تو وہ بھی حیرت و بے یقینی کے سمندر میں اتر گئیں، اور اوپر سے جہاں داد کے اس معاملے میں ساتھ فراہم کرنے پر وہ دگنی برہم تھیں۔

"خدا کا خوف نہیں آیا وحید بھائی کو، اس بچارے کاشان کے ساتھ اپنے اختلاف کے چکر میں وہ وفا کے دل سے کھیلنے جا رہے ہیں۔۔۔۔ آپ کیوں اس غیر انسانی کھیل میں انکی مدد کر رہے؟ پلیز جہاں داد۔۔۔۔ دو محبت کرنے والوں کو جدا کرنے والوں پر رحم نہیں کیا جاتا۔۔۔۔ مت کریں اس کے ساتھ یہ ظلم"

جہاں داد سپید پڑتے چہرے کے سنگ اپنے فون پر کچھ تکتا ہوا بس واپس آفس ہی نکلنے والا تھا جب الماس نے اسے اس گناہ میں حصہ داری پر سخت طرح باز رہنے کا کہا لیکن وہاں تو پتھر جیسا تاثر تھا۔

"دیکھو الماس، میں بھی بہت مجبور ہوں۔ مجھے یہ سب کرنا ہوگا ورنہ وہ جو اس وقت خبطی بنا ہے، اپنی جان لے بیٹھے گا۔ وفا کے خلاف چلتا یہ کیس میں خود دیکھوں گا اس لیے تم پریشان مت ہو۔ مجھے آفس سے پہلے کورٹ نکلنا ہے۔ خدا حافظ"

سرسری سہی مگر الماس کی سوالیہ آنکھیں تکتا وہ بہت اضطرابی کیفیت میں کہے باہر نکل گیا اور الماس کے چہرے پر پریشانی پہلے سے دگنی ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا کی جان، بابا نے تمہیں بہت یاد کیا"

جب سے وہ عون کے ساتھ گھر آیا تھا، اپنے پہاڑ جیسے مضبوط باپ کی حلقوں کی زد میں ڈوبی آنکھیں دیکھ کر سہمے ہوئے اسکے سینے میں چھپا تھا، ان شفاف رنگ بدلتی آنکھوں میں نمی تھی، سامنے صوفے پر براجمان ہوئے، عون بخاری بھی آزردگی سے فارس شاہ کی اجڑی ذات کی تباہ کاریاں جانچ رہا تھا، ناجانے یہ محبت نامی روگ اتنا زہریلا کیوں ہوتا ہے، کسی امر بیل کی طرح وجود کے انگ انگ سے لپٹتا جاتا ہے۔

یہاں پہاڑوں کے دامن میں رہنے والے باسی تو بہت زندہ دل ہوتے ہیں مگر وہ زندہ دلی سے خائف ہو رہا تھا، اسکی کیفیت اس آخری زرد پتے کی مانند تھی جسے بے رحم اور سنگدل ہوا کے جھونکوں سے منت کرنی پڑ رہی تھی، اپنی بقا کے لیے گڑگڑانا پڑ رہا تھا۔

اس گھر میں جہاں رزق لینے، کئی پرندے ہر روز اترا کرتے تھے، اب کسی کھنڈر کا روپ دھار چکا تھا۔
جگہ جگہ گرد، اس مکان کی ابتری کی خبر دے رہی تھی، جا بجا بکھرا اندھیرا، مکیں کے دل کی تباہی کی داستان سنا رہا تھا۔

"بڑی، میرے بابا جانی کو کیا ہو گیا۔۔۔۔"

وہ جو اپنے بلکتے قلب کی شکستگی اپنے چہرے پر لائے اسکی کمر تھپک رہا تھا، یکلخت اس دل چیڑ دیتے سوال پر پتھر ہوا، وہ فارس شاہ کی گرفت سے نکلتا اٹھ کر عون تک پہنچا اور اسکا ہاتھ آہستگی سے ہلا کر ڈبڈبائی آنکھوں اور بھری آواز سے پوچھنے لگا۔

عون نے اک سرد سی نظر، تکلیف کی زیادتی سے آنکھیں سرخ کر بیٹھتے فارس پر ڈالی اور بہت پیار سے یو آن شاہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرے، ماتھے پر بوسہ دیا۔
اسکی روئی سی سفید گالیں، آنسوؤں کی نمی سے پاک کیں۔

"جیسے تم ممی بابا کو یاد کر کے بیمار ہو گئے ہو، ویسے ہی تمہارے بابا بھی اپنے پیرنٹس کو یاد کر رہے تھے۔ فکر کی کونسی بات ہے۔ میرا چیمپیئین تو بہت بہادر ہے۔ بابا کو تسلی دو کہ وہ پریشان نہ ہوں"

بہت مہارت سے وہ یو آن شاہ کو بہلائے، اسے واپس بھیج کر اک غصیلی نظر فارس پر ڈالے گھورا جیسے کہہ رہا ہو، کہ وہ یو آن کو اسکے پاس لا کر غلطی کر بیٹھا ہو۔

فارس نے بھی عون کی بات کا مان رکھا اور جھوٹی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے، اپنے پاس آ کر کھڑے ہوتے یوئی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے اور باری باری انھیں چوما۔

"م۔۔میں ہوں ناں بابا جانی، ممی بھی آ جائیں گی۔ پھر ہم مل کر رہیں گے۔ آپ مت سیڈ ہوا کریں۔ میں بھی بہت یاد کرتا ہوں آپکو، یو آن شاہ آپ سے اور ممی سے بہت پیار کرتا ہے"

اپنے نرم پوروں والے ہاتھوں سے وہ فارس شاہ کی بہت تھکی اور سوجھی آنکھیں چھو کر بہت مشکل سے بنا روئے بول پایا اور اس شخص کی آنکھیں رہ رہ کر دکھ میں ڈوبتی چلی گئیں۔

وہ جانتا تھا وہ یو آن شاہ کے لیے کچھ نہ کر سکا تھا مگر اسکی محرومیوں کے لیے وہ خود کو وجہ سمجھ چکا تھا، وہ مل کر کبھی نہیں رہ سکتے تھے، ان تینوں کی زندگی گویا اول سے آخر تک بس امتحان ہی تھی۔

"بابا بھی تم سے بے حد پیار کرتے ہیں، تمہارے سارے کھلونے تمہیں مس کر رہے تھے۔۔۔ جاؤ سب کو جمع کر کے لے آؤ۔۔۔ واپسی پر ساتھ لے جانا۔۔۔ اپنی ڈال سے شئیر کرنا۔۔۔"

ناجانے کس کرب آمیزی کا اخیر مقام تھا کہ وہ اپنے بچے سے مزید بات تک نہیں کر پا رہا تھا اور وہ بھی ننھی جان، فوراً سے بیشتر بہل کر بابا کے گلے لگتا، دھیمی سی مسکان کے سنگ اپنے روم کی سمت بھاگ گیا لیکن وہ عون بخاری کی نظروں کی تپش سے ہر گز بھاگ نہ سکتا تھا۔

"اب کیا ہوا ہے تجھے؟ کم از کم اس معصوم کے سامنے تو شکل سیدھی کر لیتا۔ کل رات سے سخت بخار تھا اسے لیکن کسی کو بتایا تک نہیں۔ تیری اور مہکار کی اس جنگ کے بیچ وہ ننھا وجود کیسے مسل گیا ہے تجھے اسکی زرا پرواہ نہیں۔ اس عورت پر تو بے حسی پہلے ہی ختم تھی پر کم از کم تجھ سے ایسی سنگدلی کی توقع نہ تھی فارس"

عون بھی کیا کرتا، اس شخص کے دکھ دیکھ دیکھ کر کملا چکا تھا، رات بھی وہ یوئی کے ساتھ ہی رہا تھا، اسے پٹیاں بھی کیں تب جا کر صبح تک وہ بہتر ہو سکا تھا مگر پھر بھی عون نے اسے سکول سے چھٹی کروائی اور فارس سے ملوانے بھی لایا لیکن فارس شاہ کی حالت دیکھ کر وہ مزید برہمی اور تکلیف میں مبتلا ہو گیا۔

"میری تکلیف بہت تسلسل والی کیفیت ہے، موسمی نہیں کہ جب چاہوں اس سے نکل جاؤں۔۔۔ عون مجھے مت سمجھا، نہ مجھ سے ناراض ہو۔۔۔ میں تو خود نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں، کیوں ہوں اور کب تک ہوں۔۔۔"

فارس شاہ کی جھکی آنکھیں اور مضبوط آواز کی لرزش پر عون نے تاسف کے سنگ اسکی جانب نظر گمائی، پتھر پر مسلسل پڑتی پانی کی پھوار بھی اسے ایک نہ ایک دن توڑ دیتی ہے لیکن اس شخص کی ذات پر دستک دینے والے ہاتھ، کلائیوں سے کٹ کر گر سکتے تھے پر اپنی مراد نہیں پا سکتے تھے۔

عون اپنے فیصلے پر پچھتائے اسکے بعد بس خاموش ہی رہا، وہ دونوں اس کے بعد یو آن شاہ کی باتیں اور مسکراہٹ ہی تکتے رہے۔

دوسری جانب قبر کی سی خاموشی اس وقت ٹیرس کے ملحقہ اوپن روم میں چھائی ہوئی تھی جہاں وہ عورت اپنی آنکھوں کے سامنے دھری آزادی کے حکم نامے کی سطریں پڑھ کر پتھر کا بت بن چکی تھی۔

سامنے ہی آرام دہ کرسی پر بلو جینز اور وائیٹ شرٹ پہن کر گرد چادر سے اوڑھ کر بیٹھی ایزل، اس دیر سے چھائی خاموشی کو توجہ سے سن رہی تھی۔

اس نکاح نامے پر کاشان کی جانب سے شرائط کی فقط دو سطریں ہی تھیں مگر وہ دو ہی اس وقت مہکار پر قیامت سے پہلے والا صور پھونک رہی تھیں۔

پہلی شرط کے مطابق اس طلاق نامے پر دستخط کرتے ہی وہ یو آن شاہ کی زندگی، تربیت اور دیکھ بھال کی ساری ذمہ داری کاشان ہمانی کے سپرد کر رہی تھی۔ اور اس کے بعد وہ یو آن شاہ کے معاملے میں بے اختیار کر دی جانے والی تھی۔

جبکہ دوسری شرط کے مطابق وہ زندگی میں آگے جا کر کبھی بھی یو آن شاہ کی کسٹڈی کا کیس نہیں کر پائے گی، یو آن شاہ کی مکمل کسٹڈی اب سے کاشان ہمانی کے سپرد ہو گی اور اسے اور فارس شاہ کو یو آن شاہ سے ملاقات یا ملنے کے لیے ایک اجازت نامہ درکار ہوا کرے گا۔

مہکار کے ہاتھ اس آزادی کے پروانے پر دستخط کرنے سے پہلے کپکپا رہے تھے، اسکی لہو روتی آنکھوں سے نمی بہہ رہی تھی مگر اسے یہی کرنا تھا، ان شرائط کا اسے نکاح کے وقت ہی بتا دیا گیا تھا مگر وقت آنے پر وہی شرطیں اب کسی بلا کا روپ دھارے، مہکار کا سارا حوصلہ نگل رہی تھیں۔

"وہ بہت ظالم ہے، وہ چھین لینے میں زرا نہیں سوچتا۔۔۔ وہ ایک ماں سے اسکی اولاد کا سودا کر گیا اور وہ مجبور اور بے بس ماں، چپ چاپ سوداگر بن گئی۔۔۔ آہ کاشان آہ۔۔۔۔ تم نے ٹھان لی ہے کہ مجھے تھوڑا تھوڑا کر کے سہی لیکن پورا مارو گے۔۔۔۔۔"

آنسو بہاتی، کرلاہٹیں دبائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ان پیپرز پر دستخط کیے ایک طوق کو گلے سے نکال کر دوسرا پہن چکی تھی۔

جبکہ اسے اس تکلیف میں مبتلا دیکھ کر ایزل مہران کے چہرے پر کوئی دکھی تاثر نہ تھا۔

"کاشان ہمانی نے تمہیں سب سے پہلے اپنے لیے سوچا تھا مہکار، لیکن تم نے پھولوں کی سیج چھوڑ کر کانٹوں بھری مسافت خود چنی تھی۔ وہ اپنے ساتھ برا کرنے والے کو بہت بری موت دیتا ہے۔۔۔ کاش تم نے بھی اس شخص کے ساتھ کوئی بھلا کیا ہوتا تو آج تمہاری قسمت میں سوداگر بن کر چیخ و پکار کرنا کبھی درج نہ ہوتا۔۔۔۔ آہ مہکار آہ"

مہکار سے وہ آزادی نامہ واپس لیے وہ اسکے رندھے، تکلیف سے بھرے چہرے کو تکتی اک حسرت سے سوچ رہی تھی، ہر ایک فرد کی زندگی کا ناطہ کسی نہ کسی طرح کے افسوس سے جڑھ چکا تھا، اب وہ اس خسارے کو تسلیم کیے صبر کریں یا تاعمر دہائی دے کر روتے رہیں، یہ انہی پر منحصر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اللہ کا شکر ہے میرے بچے نے آنکھیں تو کھولیں، کچھ کھانا ہے۔۔۔۔نہ میرا پتر روتی کیوں ہے؟"

مسلسل تکلیف اور خود اذیتی میں تادیر مبتلا رہنے کے بعد وہ کچھ بہتری کی سمت گامزن تو ہو رہی تھی لیکن اسے لوگوں سے عجیب سی وحشت لاحق ہو چکی تھی، سلمان بابا جب گھر لوٹے تو محلے ہی کی اس لڑکی سے شکران کے ہوش میں آنے کی خبر پائے تیزی سے اسکے کمرے کی جانب لپکے تو وہ ہچکیاں بھرے دردناک سا رو رہی تھی، اتنی شدید کہ اسکا پورا جسم لرز رہا تھا۔

وہ قریب ہی بیٹھے، شکران کے بہتے آنسو پونجھے اسکا ہاتھ پکڑے تھپکا کر تسلی فراہم کیے بولے مگر شکران کی ننھی متورم آنکھیں، لمحہ بہ لمحہ بھیگتیں اور گالوں پر وہ نمی اترنے لگتی۔

وہی لڑکی جلدی سے سلمان بابا کے کہنے پر اسکے لیے کھانا بھی لے آئی تھی مگر وہ زبان سی لیتی شکران اپنے خساروں سے اب تک ٹوٹی بکھری ہوئی تھی، ان دونوں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ کچھ کھا لے لیکن شکران نے اک نوالہ بھی حلق سے نہ اتارنے کا فیصلہ لے رکھا تھا، اسے اتنی تکلیف میں مبتلا دیکھ کر خود سلمان بابا کی آنکھیں اشکبار ہو رہی تھیں۔

تبھی تھک ہار کر وہ واپس ہوسپٹل گئے اور خانم صاحبہ کو ساتھ لے آئے، خانم ہرگز اس حالت میں اقراء کو تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں مگر ڈاکٹرز کی دی تسلی اور کئی نرسیز کا ہر وقت اقراء کے گرد رہنا انھیں کچھ تسلی فراہم کر گیا، شکران بھی انکے لیے اتنی ہی عزیز تھی، اور وہ سب کی منہ بھولی ماں، بھلا کیسے ایک بچے کی تکلیف میں، دوسرے کی تکلیف فراموش کر دیتیں۔

ابدال نے بھی انھیں ہوسپٹل رکنے کی بھرپور ڈھارس تھمائی اور شاید وھاج سکندر نے بھی اس بوڑھی ماں کی آس، اپنی قسم توڑنے کے فیصلے سے بڑھادی تھی۔

خانم صاحبہ نے واپس آتے ہی شکران کو نہ صرف چپ کروایا بلکہ بہت پیار سے اسے کھانا بھی کھلایا، وہ بوڑھا بوڑھی اس وقت ایک جیسے تکلیف دہ وقت سے گزر رہے تھے، جب انکی حفاظت میں سونپی گئی دونوں امانتوں پر کرب کے گھرے بادل اتر گئے تھے۔

دوسری جانب ہوسپٹل کے کوریڈور میں بیٹھنے کے لیے نسب کی گئی کئی نشستوں میں سے دو پر وہ دو براجمان تھے، بیچ میں اک گہری خاموشی حائل تھی۔

"محبت چاہے یک طرفہ ہو یا دو طرفہ، یوں الوداع کہنا جائز نہیں ہوتا لالہ۔۔۔"

اس دلخراش خاموشی کو ابدال کے دل چیرتے لفظوں نے پاش پاش کیا تو ساتھ بیٹھا وھاج، تلخی سے بھری بوجھل آنکھیں اٹھائے، رخ موڑے ابدال کو دیکھنے لگا جو اسکی ساری کہانی، اسکی زبانی سننے کے بعد اخذ کیے نتائج دہرا رہا تھا۔

"تم پندرہ سولہ سال کے ایک بچے ہو ابدال، تم یہ سب کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ تم نے ابھی صرف زمین سے پھوٹ کر اپنے دامن کو اس دنیا کے سامنے ظاہر کیا ہے، ایک چھوٹے سے پودے کا تناور درخت بننے تک کا سفر تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے۔ تم عام بچوں سے کہیں درجے سمجھدار اور ذہین ہو تب بھی، تم محبت کی اصل کیفیت کبھی نہیں سمجھ سکتے"

انسان کی زندگی میں بہت سے لمحے ایسے آتے ہیں کہ وہ بد مزاج ہو جاتا ہے، یا پھر سچ کو جھٹلانے کے لیے حیلے اور بہانے تراشتا ہے، توجیہ پیش کرتا ہے، خوامخواہ کے دلائل لے آتا ہے۔ اس وقت وھاج سکندر نے بھی اپنا دامن جھٹکا تھا، لیکن ابدال مصطفی بخاری کا دل ان جملوں پر یونہی مسکرانے کا چاہا، دنیا کے سامنے اس ننھے

پودے کا ظاہری وجود ابھی بہت بونا تھا، اور ابدال کو یقین تھا کہ وہ آخری سانس تک کسی پر مکمل عیاں نہ ہو پائے گا، خود تک سے اسے نا آشنائی لاحق تھی۔

سچ اور حق کو جاننے کا یہ سفر ممکن تھا اسکی موت تک جاری رہنے والا تھا۔

"ہمم۔۔۔واقعی۔۔۔۔۔ میں محبت کو نہیں جانتا نہ کبھی جاننا چاہوں گا۔ میرا اب تک محبتیں جانچنے کا سفر خاصا بورئینگ رہا ہے۔۔۔کوئی بھی تو خوش نہیں رہتا محبت کے بعد۔۔۔ تو سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ اس بدبخت بلا سے کوسوں دور ہی رہا جائے۔۔۔۔"

ابدال کی بے نیاز بن جانے کی یہ ادا، وھاج سکندر کو بری طرح محسوس ہوئی، اسے لگا جیسے اس نے ابدال مصطفی کے سامنے بہت ہی چھوٹی بات کر دی ہو۔

"میرا مطلب تھا کہ تمہاری عمر ابھی ایسے جذبات کو سمجھنے کے قابل نہیں۔۔۔۔"

وھاج نے فوری بات کی وضاحت دی تو ابدال نے مسکراہٹ اچھالے، سر ترچھا کیے وھاج کی تذبذب صورت بغور دیکھی۔

"اور اگر میں چیلنج کر دوں کہ فقط چند ماہ میں، ایک بہترین سکرپٹ لکھ کر ان جذبوں کی تشریح کر ڈالوں گا تو۔۔۔۔؟"

ابدال کی بھوری آنکھیں چمک سے بھریں تو وھاج سکندر نے حیرت کے سنگ ابدال کی ناقابل شکست اعتماد سے بھری آنکھیں دیکھیں، وہاں عزم اور جوش کا ٹھاٹیں مارتا سمندر موجزن تھا۔

"تو میں تمہیں موقع دوں گا ایک حکم کا، صرف ایک ایسی مانگ جسے وھاج سکندر بنا اعتراض مانے گا"

وھاج سکندر نے جواباً بہت بڑی بات کی تھی، وہ ابدال مصطفی کے چیلنج کو مزید مستحکم کر چکا تھا۔

"آہاں، یہ سننے میں بہت اچھا ہے"

وہ شریر سی مسکراہٹ کے سنگ خاصا خوشی دیتے تاثر کے سنگ بولا اور بدلے میں وھاج کے چہرے کی افسردگی بھی زرا کم ہوئی مگر یہ بہت وقتی کیفیت تھی، نرس کا انکی جانب آنا، ان دونوں کو لمحہ بھر میں فکرمند کر گیا۔

"آپکی پیشنٹ خطرے سے باہر ہیں، انھیں ہوش بھی آ گیا ہے۔۔۔۔ آپ مل سکتے ہیں اب"

نرس اپنے پیشہ وارانہ انداز میں اطلاع دیتی واپس گئی تو ابدال نے امید بھری نظر وھاج پر ڈالی جیسے اسکے رحم دل ہونے کا ثبوت مانگ رہا ہو۔

"تم مل لو جا کر۔۔۔۔ میں یہیں ہوں"

دانستہ نظر چرائے وہ سامنے دیکھنے لگا اور اسکی اس دل جلی بات پر ابدال نے نفی میں سر ہلائے اپنا کندھا، وھاج کے کندھے سے مس کیا۔

"میری تو وہ میوزک ٹیچر ہیں، میرا ملنا عام سا ملنا ہے۔۔۔۔ آئی تھنک کسی قیدی کی ملاقات کا وقت ہوا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ کم از کم انسانیت کے ناطے انکی خیریت تو دریافت کر لیں"

وہ بہت سادگی سے سامنے والے کو بچھاڑ دیتا تھا اور اس وقت بھی صدمے سے بھری وھاج کی نظر خود پر جمی پائے وہ کندھے اچکاتا نہ صرف اٹھا بلکہ سیدھا سپیشل کیئر روم کی جانب بڑھ گیا۔

لیکن وہ سپیشل کیئر روم کی جانب جاتے جاتے کسی پکار پر پلٹا تو سامنے نرس کو آتا پائے رک گیا، وہ اسکی جانب ایک گولڈ چین بڑھا رہی تھی۔

"یہ کیا؟"

ابدال نے حیرت سے اس چین کو تھامتے استفسار کیا۔

"یہ اقراء نور کی ہے، کل ہم نے اتاری تھی۔ آپ اسے سنبھال لیں۔ انکی والدہ کو دینی تھی مگر وہ چلی گئیں"

نرس اسے وہ تھما کر کہتی واپس گئی تو وہ بھی اس عجیب و غریب سی گولڈ چین کو پکڑے وہیں لگی کرسی پر بیٹھا۔

اس چین پر ایک گول پینڈٹ تھا جس پر بہت مدھم لفظوں میں کوئی نام تراشا گیا تھا، ابدال نے بہت کوشش کی مگر وہ اس کو پڑھنے میں ناکام رہا تبھی اسکی نظر اس گولائی میں بنے پینڈٹ کی ہک پر گئی تو چھونے سے وہ دو حصوں میں بٹ گیا اور اسکے اندر ایک چھوٹی سی چابی رکھی گئی تھی۔

ابدال نے وہ چابی نکال کر واپس اسے بند کیا اور نا جانے کیا ہوا کہ فوری طور پر وہ پینڈٹ اپنی مٹھی میں دباتا ہوسپٹل کی بیرونی طرف لپک گیا، اسے کہیں پہنچنا تھا، تبھی اس نے اپنے جانے کی اطلاع وھاج کو بھی نہ کی۔

وھاج سکندر کافی دیر ہاں اور ناں کی سی کیفیت میں مبتلا رہا اور پھر زندگی بھر کی ہمت جمع کیے اٹھا اور اپنے بے سمت سفر کو ایک سمت سونپی۔

وہ کب چلتا چلتا اس کے دروازے تک پہنچ آیا، لمحے کئی صدیوں کا روپ دھارے لاشعور میں دھڑکنے لگے۔

جب جب وہ روبرو آتے رہے، وہ ہر لمحہ کسی شفائی شے کی مانند اسے یاد آتا رہا، جتنے نقش وہ اسکے تراش چکی تھی، اسے لگا وہ سب آوازیں کس رہے تھے۔

اپنا ہاتھ بڑھا کر وہ یہ فصیل عبور کر سکتا تھا لیکن اس لمحے میں قید ہوئے وہ نا جانے کب تک اقرار اور فرار کے بیچ اپنی ذات کو ہچکولے کھاتا محسوس کرتا رہا۔

قدم اسی موڑ پر جمے ہیں

جنوں یہ مجبور کر رہا ہے پلٹ کے دیکھوں

خودی یہ کہتی ہے موڑ مڑ جا

اگرچہ احساس کہہ رہا ہے

بند دریچے کے پیچھے دو آنکھیں جھانکتی ہیں

ابھی میرے انتظار میں وہ بھی جاگتی ہیں

اسے یہ ضد ہے کہ میں پکاروں مجھے تقاضا ہے وہ بلائے

قدم اسی موڑ پر جمے ہیں

نظر سمیٹے ہوئے کھڑا ہوں......

"یہیں رک جائیے"

ابھی اندر داخل ہوا ہی تھا کہ کسی کرب آمیز ہوک نے اسکی راہ میں پتھر حائل کیے، وہ ساکت و بے حس بنا، تب بھی حدود پار کیے اسکی نظروں کے حصار میں آنے کا سنگین گناہ کر بیٹھا۔

"میں تمہاری طبعیت پوچھنے آیا ہوں"

بہت مشکل سے وہ دو فقط دو قدم اسکی سمت اٹھائے بول پایا مگر اقراء نے گہری سانس بھرے نظر پھیرے وھاج سکندر کو دیکھا، ہاں وہ دیکھنا کسی بھی اچھے بھلے کو دیکھنے کے لائق نہ چھوڑنے سا تھا مگر وھاج سکندر کے اندر زمانے بھر کی ہمت بھری تھی، وہ نور حیات کی روح تک اترتی آنکھوں سے خوف کھائے بھاگ نہ پایا تھا۔

"میری طبعیت پوچھنے والے تو بہت ہیں، بس پرانے دکھ بھلانے کو یہ دل کا نیا روگ پال لیا اور تو کچھ نہیں ہوا"

وہ یہاں تک بہت مشکل سے پہنچی تھی، وہ پہلی بار اپنے سب دکھوں اور ناکامیوں پر اپنے اس گناہ کا بوجھ حاوی محسوس کر رہا تھا، یہ گناہ ہی تو تھا، کسی کو آپکی وجہ سے روگ پالنے پڑ رہے ہوں تو دل کا سکون کیسے بنا غارت ہوئے رہ سکتا ہے۔

وہ اقراء نور کی آنکھوں میں ٹھہری نمی کی تہہ کو دیکھ کر اسکی درویشانہ مسکراہٹ پر دل تک زخمی ہوا، وہ لاجواب سا تھا، جواب ہونے کے باوجود اس نے سوال کے نشتر سے ہی مر جانا بہتر جانا تھا۔

وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی، وہ اسے آخری بار حفظ کر رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ ان نیلی آنکھوں کی وسعت پر کئی سال محنت کر لے تب بھی عبور نہیں پا سکے گی، وہ اسکے چہرے کی ہر ہر ساخت سے آشنا تھی، وہ جب مسکراتا تو پورے چہرے پر پڑتی مدھم سلوٹیں آج بھی اقراء نور کے ذہن میں محفوظ تھیں۔

اسکے ملہاری ہونٹ، اپنے گرد و نواح میں کتنی سلوٹیں رکھتے تھے یہ بھی اسے ازبر تھا، اسکی سیاہ پلکوں کا سایہ، چہرے پر کہاں تک ڈھل آتا یہ بھی تو اسکے دل پر نقش تھا، وہ اب اس لڑکی کے سامنے خود سے چھپ جانا چاہتا تھا، جسکی آنکھیں اسے احساس جرم میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"ہمم۔۔۔ کوئی حال بھی پوچھنے والا ملا یا نہیں"

اس بار وہ ساری فرار کی تدبیریں جلا کر خاکستر کرتا مزید قریب آیا، اتنا کہ اقراء نور نے اسے آنکھیں ٹھنڈی ہو جانے تک طویل دیکھا، وہ بہت بدل گیا تھا۔

اسکے چہرے پر بظاہر سیاہ مگر بھوری جھلک دیتی داڑھی اگ آئی تھی، اوپر والے ہونٹ کو مونچھ نے ڈھک سا دیا تھا پھر بھی وہ خوب سجتے تھے۔

بال پہلے کی طرح گھنے اور سیاہ تھے، بس اب الجھے اور بے ترتیب تھے، آنکھیں آج بھی سمندر کی طرح پرکشش اور خوبصورت وہیں گہرائی میں خوفناک۔۔۔

وہ پہلے کی طرح ڈریسنگ کرنا تک چھوڑ چکا تھا، اس نے سیاہ نشینی چھوڑ دی تھی، جینز اور لائیٹ گرے شرٹ پر کھلی جیکٹ بچ رہی تھی۔

وہ اسکے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا، اقراء نور نے زرا سرک کر اپنی کمر بیڈ کراون سے جوڑے نظر جھکا کر جب اٹھائی تو وہ اب بھی اسکے جواب کا منتظر تھا۔

وھاج کی نظر اقراء نور کی کلائی سے ہوتی ہوئی اسکے ہاتھ کی جانب گئی جہاں اب بھی ڈرپ نسب تھی، اسکے نازک ہاتھ کی جامنی رگیں انتہائی آویزاں تھیں، پھر نظر اٹھائے وہ اپنی جانب تکتی اس بے جان سی لڑکی کو دیکھنے لگا جسے اپنی بینائی پر شبہ گزر رہا تھا۔

"حال پوچھنے والا ملا؟"

وہ اپنا سوال دہرائے، گہری نظروں سے اقراء کو دیکھتے بولا تو جواب میں وہ نفی میں سر ہلائے نظر بھی جھکا گئی۔

"میں پوچھنا چاہوں اگر تو بتاو گی؟"

وہ اسکی جانب نرم سے لفظوں کا لمس ارسال کیے جو بولا اس نے اقراء نور کی بھرم بنا کر رکھتی آنکھوں کے راز کھول دیے، وہ مرجھایا ہوا گلاب چہرہ بوجھل اور تاریک ہو گیا تھا۔

وہ تھا ہی ایسا عزیز کہ اسکے لفظوں کا مرہم، زخم بہتر کرنے سے پہلے ہرے کر گیا، اسکی نمی سے بھر جاتی آنکھیں دیکھنے سے زیادہ کٹھن وقت شاید ہی وھاج سکندر نے پہلے دیکھا ہو۔

"مجھے معاف کر دو اقراء، مجھے معلوم تھا یہ جذبہ کہیں کا نہیں چھوڑتا لیکن پھر بھی میں نے تم سے منہ موڑ دیا۔ کبھی نہیں چاہا تھا کہ تم روگ پال بیٹھو، تمہیں کئی بار کہا تھا میں تمہارے لائق نہیں۔۔۔ جنھیں یہ وبا چھو جاتی ہے وہ کسی کے لائق نہیں بچتے۔۔۔ لیکن پھر بھی اگر تمہاری اس حالت کی وجہ میں بنا ہوں تو اسکی تلافی کے لیے تم میری جان بھی مانگو تو دے دوں گا۔۔۔۔۔"

مقابل کی تکلیف کے آگے ہار جاتا وہ پشیمانی اور پچھتاوے کے سنگ اس سے معافی کا طلب گار تھا مگر معافی بھی کیسے ملتی، جہاں اس لڑکی نے اس شخص کے کسی عمل کو جرم تسلیم ہی نہ کیا تھا۔

وہ تو آج بھی روزِ اول کی طرح، وھاج سکندر کی اک جھلک کی اسیر تھی۔

وہ آج اسکے سامنے جھک گیا تھا، اور وہ بے اوسان ہوئے اس کیفیت سے نڈھال ہو گئی۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ یہ وقت اس پر اتنی آزمائش کے بعد بھی آیا تو کیوں۔۔۔ کبھی اس شخص کے سامنے نہ بکھرنے اور ٹوٹنے کی دعا مانگتی آئی تھی وہ اور آج دل تڑپ اٹھا کہ ابھی اسی لمحے وہ اسکی آنکھوں کے سامنے ہزار ٹکڑوں میں بٹ جائے، اور وہ اسے تنکا تنکا جوڑ کر اچھا کر دے۔

لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے بس اک پکار کی دوری پر کھڑے تھے اور یقین مانو یہ زرا سی دوری بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اسے سر کرتے کرتے زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

"اب بہت دیر ہو گئی ہے، میں اس سب کی عادی ہو گئی۔۔ آپ سے کوئی گلہ نہیں، مجھے کوئی روگ نہیں لگا۔ میرے لیے پریشان مت ہوں۔۔۔"

وہ سراسر انکاری ہوئے منصوعی چہرہ اپنے رندھے چہرے پر سجائے یقین دلا رہی تھی اور وھاج سکندر سے یہ دیکھنا محال تھا۔

"ہمم۔۔۔ محبت نہیں کرتی ہو اب؟"

یہ سوال نہایت سنجیدگی سے آیا تھا، اب اسے کون بتاتا کہ وہ کب سے اسے تکتی ہوئی محبت کے اظہار ہی تو کر رہی تھی ورنہ کون بینائی بڑھاتے چہروں سے پردہ کرتا ہے، کون صرف پتھر کے مجسموں پر صبر کرتا ہے۔ کون خود سے چہرہ موڑ لینے والے خود غرض لوگوں کی واپسی پر انھیں محبت سے دیکھتا ہے۔

"پہلے کونسا کرتی تھی"

وہ ہنس کر بولی لیکن آنکھوں میں ہلکورے لیتے دکھ نے وہاج کے دل کو دبوچا۔

"ہاں، میں نے تم سے دوستی کا رشتہ کبھی نہیں بنایا تھا، کیونکہ میں صرف ایک ہی رشتے کا قائل تھا۔ تم جانتی ہو مجھے اقراء، میں سیدھا سادا حقیقت پسند آدمی تھا اور ہوں۔۔۔۔ میں نے اپنی جانب اٹھتی ہر نظر کو واپسی کا رستہ دیا، کچھ کو نرمی سے اور کچھ کو سختی سے لیکن تمہارے حوالے سے کبھی مجھے بے چینی محسوس نہیں ہوئی۔۔۔۔ تمہیں یاد ہے میں نے اپنے مسیحا کا چہرہ تب کیوں نہیں دیکھنا چاہا تھا؟"

وہ اسکی بات کا احترام کرتے مزید چند جملے بولتا جب آخری سوال پر رکا تو آقراء نے اسکی سمت تاسف سے دیکھا، اسکے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

"کیونکہ میں نے تمہاری محبت اسی روز محسوس کر لی تھی، پہچان لی تھی۔۔۔۔۔ مجھے اپنے دل کا پتا تھا کہ وہ پہلے ہی اپنی دربدری چن چکا ہے تبھی تمہارے قدم اپنے طریقے سے روک دیے تھے۔۔۔۔۔ میں خود غرض بنا، کیونکہ تمہارے حوالے سے برتی نرمی، تمہیں بہت برا توڑتی۔۔۔۔۔ میں نے کئی سال اپنی دعاؤں میں وفا کو مانگا لیکن میری تڑپ واپس مجھ تک پہنچ گئی۔۔۔۔ خود غرضی اور محبت ایک ہی جگہ آجائیں تو دعاؤں کی قبولیت اثر کھو دیتی ہے۔۔۔۔۔ وفا کے دل میں میرے جذبوں سے کئی گنا شدید جذبہ کسی اور کے لیے ڈال کر اللہ نے مجھے یہ بتایا کہ میں کسی اور کے حصے کا سکون، اپنے لیے مانگتا آیا ہوں۔۔۔۔"

وہاج سکندر نے گہرا سانس کھینچا اور بہت نرمی سے اقراء کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں نرمی سے مقفل کیے اپنی ساری سچائیاں کھول دیں، اور وہ دم دینے کی سی کیفیت میں مبتلا اپنے ہاتھ کی ایسی قسمت پر تیز تیز سانس بھرتی، سرخ ہوتی آنکھوں سے وہاج کو تکتی رہی، جسکا اک اک حرف سچ تھا۔

"میں اب بھی مرد اور عورت کے قریبی صرف ایک ہی مضبوط رشتے کا قائل ہوں اور اسی کا ارادہ کرتے ہوئے میں نے پہلی بار تمہارا ہاتھ تھاما ہے"

وہ مزید اس نڈھال پر یہ ستم توڑ بیٹھا جس کے باعث اس سانس لیتی لیتی لڑکی نے یکدم سانس سادھے اپنی دھڑکن روک دی، پھر وہ ڈوبتی نگاہیں اٹھیں اور وھاج سکندر کے چہرے پر درج افسردگی سے جا ٹکرائیں۔

"ن۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔"

وہ بوکھلا کر اپنا ہاتھ وھاج کے ہاتھوں سے چھڑوائے کانپتی آواز سے بولی تو وھاج نے سامنے سے اٹھ کر وہیں بیڈ پر اسکے روبرو بیٹھتے ہوئے اس زرا زرا کانپ کر روتی لڑکی پر اپنی ساری توجہ ثبت کی۔

"کیوں نہیں۔۔۔۔ تمہیں اسطرح بکھرا ہوا نہیں چھوڑ سکتا اب۔۔۔ مجھے تو وفا نہیں مل سکیں لیکن تمہیں یہ بیکار سا انسان مل جائے گا"

وہ اسے اس جنونی انکار کی سی مسلسل کیفیت سے نکالنے کو برا آزما رہا تھا اور وہ مسلسل ہچکیاں بھرے نفی میں سر ہلائے جا رہی تھی۔

"ایسے ن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔"

وہ اسکو مزید دیکھنے سے تکلیف میں مبتلا ہو رہی تھی، اسکے ہاتھ پیر یخ ٹھنڈے ہو چکے تھے، کچھ قبل پہلے اسکا گرم ہاتھ، رگوں میں منجمد خون کے باعث سرد پڑ گیا تھا، وھاج نے فوراً فاصلہ برقرار کیے اٹھ کر اسے اس کیفیت سے نکلنے کا موقع دیا مگر وہ فوری سر تکیے سے جوڑے کروٹ بدل کر اپنا دل مسلنے لگی اور اسکی آہستہ آہستہ واپس رواں ہوتی سانس تک وہ وہیں کھڑا رہا اور پھر سے اپنا ہاتھ بڑھا کر نرمی سے کروٹ پر لیٹی اقراء نور کے بکھرے بال سہلائے، وہ اپنی درد دیتی آنکھیں فوری سختی سے میچ گئی۔

"میں ہوں تمہارے ساتھ، تب تک انتظار کروں گا جب تک تم مجھے خود تک آنے کا صحیح طریقہ نہیں بتاتی۔۔۔۔فکر مند رہوں گا تب تک تمہارے لیے نور حیات"

اسکی سماعت میں یہ عطر ساز مرہمی جملے اتارے وہ دگنی ہمت اور ہلکے ہو جاتے دل سے اسکی حدود سے دور ہوا اور پھر اک نظر اقراء کے موڑے چہرے کی جانب ڈالے کمرے سے نکل گیا جبکہ اسکے جانے کے بعد سسکیوں اور دبی چینخوں کا مختصر مگر آخری کہرام مچ چکا تھا، وہ اپنی ابتر حالت زار پر بنا کوئی رحم کھائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پچھلے کئی منٹس سے اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے مال میں داخل ہوتے ہی کوئی انکا پیچھا کر رہا ہے، فریال صاحبہ کچھ ضروری اشیاء خریدنے جب شاپ میں داخل ہوئیں تو منیہا نے فوراً سے بیشتر گردن گمائی جس کے باعث انکا پیچھا کرنے والا وہ مشکوک سا آدمی، بہت بڑے پلرر کے عقب میں چھپ گیا۔

"تائی جانو، مجھے کب سے لگ رہا کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے"

فوری بوکھلا کر اندر جاتے ہی وہ کچھ نئے ڈریسیز دیکھتیں فریال کے پاس پہنچی اور ڈرتے ڈرتے بتایا تو فریال بھی لمحہ بھر کو فکر مند ہوئیں، باہر آکر ارد گرد دیکھا بھی مگر دور دور تک کوئی مشکوک بندہ یا چیز دیکھائی نہ دی تبھی وہ بے فکر سی واپس اندر گئیں۔

"تمہارا وہم ہے، ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہاں ہر طرف گارڈز کھڑے ہیں اس لیے پریشان مت ہو"

وہ اسے بھرپور تسلی سونپے واپس شاپنگ پر لگ چکی تھیں مگر منیہا نے فون کا کور لینا تھا تبھی وہ اس شاپ کے باہر ہی بنے سٹال تک آئی اور فون کے لیے پیارا سا کور دیکھنے لگی، تبھی اچانک کسی وجود کے بہت پاس آکر کھڑا ہونے کا احساس منیہا کو خوفزدہ کر گیا، وہ عام سی شکل و صورت کا مالک ایک آدمی تھا جو یہاں وہاں مشکوک نظروں سے دیکھتا ہوا وہاں لگے کوورز پلٹ رہا تھا، اس سے پہلے منیہا وہاں سے جاتی، اس کی بھاری آواز پر مجبورا رکی، وہ اسے سرگوشی میں جانے کیا کہہ گیا تھا کہ منیہا کا پورا وجود برف کی مانند ٹھنڈا پڑ گیا۔

"عون بخاری جان سے جائے گا، اگر وہ اس لڑکی اور بچی کے کیس سے پیچھے نہ ہٹا۔ اسے ہم ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے منیہا بی بی۔ اسکی لاش بھی نہیں ملے گی تم سب کو ماتم کے لیے۔۔۔ اگر تم اسکی سلامتی چاہتی ہو تو اسے ان معاملات سے نکل جانے پر راضی کرو۔۔۔۔ شور مت مچانا، یہاں قریب ہی میرے لوگ ہیں۔ اگر غلطی سے بھی کوئی ہوشیاری کی تو یہاں خون خرابہ ہو جائے گا۔۔۔۔ تم سمجھ گئی ہو ناں۔۔۔۔۔۔ اپنے شوہر کی زندگی اب تمہارے ہاتھ میں ہے"

وہ نجس سی صورت بنائے، آنکھوں میں وحشت لپکاتے تیوروں کے سنگ منیہا پر بجلی گراتا کب وہاں سے اوجھل ہوئے بھاگا، اس زرا زرا کانپتی منیہا کو خبر تک نہ ہوئی، اسکے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

چہرے کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا، کوور وہیں چھوڑے وہ ہانپتی ہوئی تیز تیز دوڑتی مال سے باہر بھاگی اور بمشکل ہی گاڑی تک پہنچ پائی، فریال کو میسج بھیجنے کے بعد وہ پاگلوں کی طرح مسلسل عون بخاری کو کال ملا رہی تھی مگر وہ یوئی کو واپس بخاری ولا چھوڑنے کے بعد آفس آچکا تھا، کچھ اہم معلومات ملی تھی جس پر وہ اپنی ٹیم کے ساتھ میٹنگ روم میں مصروف تھا، اسکا فون سائلینٹ تھا جو اسکے کیبن میں پڑا وائبریٹ کر رہا تھا۔

"عون۔۔۔ خدا کے لیے فون اٹھائیں"

ماتھے پر خوف سے آتی نمی رگڑے وہ سخت بے بس محسوس کیے بولی مگر دوسری جانب سے جواب موصول نہ ہونے پر اسے تکلیف، دکھ اور ڈر کی ملی جلی کیفیت لاحق ہو چکی تھی۔

دوسری سمت نیویارک شہر دیکھایا گیا تھا، نیویارک پری سبیٹرین ہوسپٹل کے بہت اندرونی سمت بنا وہ سپیشل روم جہاں اس وقت چہرے پر دنیا جہاں کی تکلیف اوڑھ کر کھڑے تبریز خاکزاری، بستر مرگ پر پڑے عائش کا سیاہ پڑتا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

جہاں انھیں کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر ویلکس نے طبعیت کی خرابی کے باوجود ایمرجنسی بلایا تھا، اس بستر مرگ پر ابتری کی جانب گامزن عائش کی حالت عبرتناک ہو چکی تھی، یکدم ہی اسکے پیٹ پر بہت بڑے بڑے زہریلے مواد سے بھرے دانے پھوٹ نکلے تھے اور کچھ دیر پہلے وہ ایک لمبی بے ہوشی سے باہر نکلا تھا مگر فقط آدھا سچ بتائے وہ ایک بار پھر پہلے سے شدید بری حالت میں نہ صرف مبتلا ہو چکا تھا بلکہ ڈاکٹر ویلکس کے مطابق اب اسکے کومہ میں باہر آنے کے چانسز صرف پانچ فیصد بچ گئے تھے، اور وہ اب کومہ سے باہر کب آتا، اسکی بھی کوئی گارنٹی باقی نہیں رہی تھی۔

ڈاکٹر ویلکس نے ایک چھوٹا سا کاغذ، تبریز خاکزاری کی سمت بڑھایا جسے وہ ڈولتے دل کے سنگ تھامے پہلے تو اس سفاکی کے مجسمے کی اس عبرتناک حالت پر سراپا درد میں اترے اور پھر وہ کاغذ ہمت جمع کیے کھولا تو اس پر دو نام درج تھے۔

اس پر عفیفیہ خانم، اور سلمان احمد کا نام درج تھا۔

ڈاکٹر کے مطابق عائش ہمانی نے کچھ دیر قبل ہوش میں آکر یہ دو نام پکارے تھے اور ان آدھے ادھورے دو ناموں کی اذیت، اس بے بسی سے کہیں درجے زیادہ تھی جس میں تبریز خاکزاری پہلے ہی مبتلا تھے۔

وہ ان دو انسانوں کے نام کی ادنی سی امید تھامے واپس تو لوٹ آئے لیکن انکی آنکھیں قہرناک قیامت کا منظر پیش کرنے لگی تھیں۔

بدر نے اپنے چند بھروسے مند آدمی ان دو ناموں کی تلاش پر لگا دیے تھے، وہ خود بنا کسی پختہ ثبوت کے ہر گز واپس پاکستان نہیں جاسکتے تھے تبھی انہوں نے فوری طور پر بدر کو اس اہم فریضے کے لیے روانہ ہونے کا حکم سونپ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا۔۔۔وہ یہاں کیسے؟"

ملازم کے آکر اطلاع دینے پر میکائیل رضوی کے چہرے پر حیرت کے رنگ اترے وہیں وہ ملازم کو مہمان کی خاطر کرنے کا کہے لاونج میں بٹھانے کا بولتے اسی شش و پنج میں مبتلا سے اوپن کچن کی سمت لپکے جہاں ملازمہ ان دو کا ناصرف کھانا لگا چکی تھی بلکہ زویا بھی سادہ سی شلوار قمیص پہنے، الجھے سے افسردہ حال میں میز پر آچکی تھی۔

ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیے وہ زویا کے پاس والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھے تو اس نے جھجک کر نظر اٹھائی مگر میکائیل کے سنجیدہ تاثرات اسے بھی تھوڑے غیر متوقع لگے۔

"نہال بخاری آئے ہیں، آئی ڈونٹ نو انھیں یہاں کا ایڈریس کس نے دیا لیکن آپ سے ملنے ہی آئے ہوں گے۔ اگر آپ کمفرٹیبل ہیں۔۔۔۔۔"

وہ میکائیل کی گہری سوالیہ نظروں کے جواب میں متذبذب ہوئی مگر پھر اپنے شکستہ حواس بحال کیے سر اثبات میں ہلاتی اپنی کرسی سے اٹھی، میکائیل اسکے ساتھ جاتے مگر عین وقت پر انکے فون پر آتی انتہائی ارجنٹ کال انھیں خود سے باندھ گئی تبھی وہ زویا کو بھیجتے خود بھی فون کان سے لگائے اوپن کچن کے ساتھ ہی بنے زینے چڑھ گئے۔

جتنا مشکل اسکے لیے میکائیل رضوی کا سامنا تھا اس سے زیادہ مشکل آج نہال بخاری کے روبرو پیش ہونا بھی تھا۔

وہ حسب توقع ایک پرکشش انداز اپنائے، خوشبو بکھیرتے ساحر کا روپ دھارے اپنے ہاتھوں میں بکے تھامے، مسکراتی اور مہربان نظروں سے آنے والی اس اداس سی زویا کو خوش آمدید کر رہے تھے۔

انھیں زویا کے بس جانے کی خبر نا جانے کہاں سے ملی تھی مگر وہ انتہائی خوش اور خود کو بے انتہا ہلکا محسوس کر رہے تھے۔

"میرے سامنے آنے میں تمہیں مشکل تھی تو سوچا خود جا کر تمہارے بھاری دل کو مزید ہلکا کر دوں۔۔۔۔ دوست تو آخر میں بھی ہوں۔۔۔ بروقت اس مہربان ہاتھ کو تھام کر تم نے میرے دل کے سارے بوجھ اتار دیے زویا۔۔۔۔ تم دونوں کو ہمیشہ ایک ساتھ خوش رہنے کی دعائیں دینا چاہتا ہوں"

وہ زویا کی کھو جاتی مسکراہٹ واپس لانے کا وسیلہ بنے تھے، پچھلی بار فون پر تسلی سونپی اور آج وہ روبرو آکر زویا کے بخت کی سرفرازی دیکھنے کے خواہشمند تھے لیکن زویا کی کیفیت اس روز سے مختلف تھی۔

"آپ نے سچ کہا تھا، مجھے اس انسان کے سامنے بہت بڑا اور اونچا مقام دیا گیا ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔۔"

وہ چاہتی تھی اپنے دکھ کو کہہ دے مگر لفظ تھے کہ زبان کا ساتھ دینے سے انکاری ہوئے تبھی نہال بخاری نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے پھول، بہت عقیدت سے زویا کی سمت بڑھائے تو وہ بات جاری رکھنا بھولے، اداس سا مسکرائے وہ پھول ہاتھ بڑھا کر تھامے پھر سے نظر اٹھا کر نہال کی ہر بوجھ سے آزاد آنکھیں تکنے لگی۔

یہ سچ تھا کہ نہال بخاری نے زویا کو گنوا کر بہت بڑا خسارہ چنا تھا لیکن انھیں آج زویا کے بس جانے نے کہیں بڑا سکھ بھی دیا تھا۔

"لیکن کچھ نہیں، میری کوئی بات نہیں ہوگی زویا۔ میں یہاں اس انسان سے ملنے آیا ہوں جو ہماری کہانی کا سب سے اہم حصہ تھا۔ اور اب ایسا ہے کہ اس کہانی کے بس دو ہی مرکزی کردار ہیں۔۔۔۔ تم اور وہ۔۔۔۔ نہ تو میں تم سے خفا ہوں نا میرے دل میں کوئی غلط بات جو تمہیں تمہاری نظر میں چھوٹا کرے۔۔۔۔۔"

وہ چند شفیق جملوں سے ہی زویا کے دل دماغ کا سارا بوجھ اتارے کسی آہٹ پر پلٹے تو نگاہ اس مرد جاہ پر جا رکی جو ضروری کال سننے کے بعد فوراً ہی زویا کا ساتھ دینے آئے تھے، یہ سوچ بنا کہ انکی دہلیز پر انکا رقیب آیا ہے۔

"نہال بخاری۔۔۔۔ خوش آمدید"

وہ چہرے پر خوبصورت سی مسکراہٹ سجاتے، چلتے ہوئے نا صرف سامنے آ رکے بلکے زویا کے ساتھ کھڑے ہو کر پورے اعتماد سے نہال بخاری کو اپنے گھر ویلکم کیا۔

اور دیکھ کر ہی شخصیت کی گہرائیاں جانچ لینے کا ہنر پا لیتے نہال، آج سہی معنوں میں نہال لگے۔

"مجھے یقین ہے میرا امیج تم دو کی نظر میں زیادہ خراب نہیں ہوا ہو گا، خاص کر تمہارے نزدیک میں ایک اضافی کردار ہوں میکائیل رضوی لیکن آج زویا جیسی لڑکی کو تمہارے ساتھ دیکھ کر ممکن ہے اس روح زمین پر سب سے زیادہ پر سکون میرا دل ہے۔۔۔۔"

وہ آج بھی اپنا سحر پھونک کر سامنے والے کو کئی لمحے جکڑ لینے کی صلاحیت رکھتے تھے، انکی زندگی بھر کی غلطیاں انکا بہت بہترین سبق بنی تھیں، دھیرے دھیرے انکا رشک، زویا کے دل پر دھرے رہے سہے سارے بوجھ اتار گیا تھا۔

"میں آپکا احترام کرتا ہوں نہال بخاری، آپ جیسے بھی ہیں۔ یقینا اپنی جگہ ایک بہترین انسان ہوں گے۔ قسمت کے کھیل، ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ کل جو شے ہماری دسترس میں ہو وہ آج دسترس سے کوسوں دور بھی چلی جاتی ہے۔۔۔ آپکی خوشی پر یقین ہے، بعض اوقات ایسی خوشی ہی دل کا بوجھ اتارنے کے لیے درکار ہوا کرتی ہے"

وہ بھی کسی سے کم نہ تھے، اپنی زندگی اک وقار کے سنگ جینے والے میکائیل رضوی جنکی برداشت اور قوت کا معترف اب زویا کا دل تھا، جنکی دنیا وجہاں سے یکسر الگ محبت، زویا کی روح کی درماں بن چکی تھی۔

"بلکل۔۔۔۔۔

محبت کرنے والے عام انسان نہیں ہوتے، لیکن یک طرفہ محبت کو اپنی کل میراث بنا کر اللہ سے اسکا صلہ پانے والے انتہائی خاص ہوتے ہیں۔ تم خاص ہو، کیونکہ تمہارے پاس زویا ہے۔ اور میں عام سا۔۔۔۔ مجمعے میں کھڑا تم دو کا اک پرستار"

وہ اس بار اپنے لہجے کی حسرت بیان کرتے کرتے دھیما سا مسکرائے تو میکائیل رضوی نے رشک سے نظر پھیر کر اپنی جانب مخموریت سے تکتی زویا کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں، دیکھو زویا۔۔۔۔ تم آج اس شخص کی حسرت میں شمار ہو رہی ہو۔۔۔۔

ان تین کی یہ ایک ساتھ ملاقات حسین تر رہی تھی، جس سے نہال بخاری نے اپنا دل پر سکون محسوس کیا تو زویا نے اپنا آپ ہر پشیمانی سے آزاد۔

پھر دوسری جانب وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا، وہ دھنیں ترتیب دینے والی سرسبز جگہ جہاں پہنچ کر ابدال مصطفیٰ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

سٹوڈیو کی ایک چابی، اقراء نے اسے بھی دی تھی تبھی وہ یہ دنیا دریافت کرنے اجلت میں نکل آیا تھا۔

جیسے جیسے اسکے قدم اندر کی جانب بڑھ رہے تھے، ابدال مصطفیٰ کے دل میں اک احساس بے چینی بڑھ رہا تھا۔

وہ ہر ہر چیز پر تفصیلی نگاہ ڈالتا لاونج تک آیا، یہاں کی ہر شے پر نور حیات کا عکس تھا۔

مگر پھر دل کے اندر اک تیز لہر جاگی تو وہ غیر ارادی طور پر اپنی مٹھی میں دبائی اس چھوٹی سی چابی کو لیے اس بند کمرے کی سمت بڑھا جہاں کی راز دنیا کھوجنے کی اسے شدت سے تمنا تھی۔

"آئی ایم سوری نور حیات، لیکن آپکے معاملے میں بہت بے صبرا ہوں"

اک احساس پشیمانی حاوی ہوا تو وہ سر جھٹک کر اپنا ارادہ مضبوط کیے اندر داخل ہوا، وہ چابی اسی بند دروازے کی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی پورا کمرہ مدھم سی گلابی اور نیلی روشنی میں نہا گیا اور ابدال مصطفیٰ بخاری کے قدم اپنی جگہ پتھر کی مانند جم گئے۔

وہاں دیواروں پر جابجا تاریکی پیش کرتے آرٹ کی بھرمار تھی، وہیں کوزہ گری کی دنیا سموئی تھی۔ وہاں کئی ریک تھے جہاں خوبصورت سے مجسمے دھرے تھے، اور وہ ہر چہرہ وھاج سکندر کا تھا، دیواروں پر لگی سیاہ اور سفید روشنیاں، ٹمٹما رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی تھی، میز پر جھکا ہوا لیمپ اور ایک بند ڈائری رکھی گئی تھی، اسکے اوپر چھت سے لٹکا ایک فانوس جو اس میز پر جھک کر روشنی مزید پھینک رہا تھا، واس میں لگائے گئے کچھ منفرد بے موسمی پھول جنکی نہ تو خوشبو تھی نہ چمکتے دھڑکتے رنگ۔۔۔۔ پھر تیسرے کونے میں رکھا گیا رقص کا سامان، طبلہ، گھنگھرو، ہارمونیم، ستار۔۔۔۔۔

"میں یتیم ہوں، تب تک جب تک میرے پیارے میری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ چاہے ساری دنیا ہی کیوں نہ میری ہو جائے"

دیوار پر لگی تصویر جہاں سے سفید روشنی پر سیاہ اندھیرا غالب آرہا تھا، اسکے نیچے لکھی تحریر پر ابدال نے اپنی انگلی مس کیے پڑھا اور پھر دوسرے شہکار تک پہنچا۔

"میں گنہگار ہوں، تب تک جب تک میری روح پر چڑھی تاریکی مجھ پر سے ڈھل نہ جائے۔ چاہے ساری دنیا مجھے دعائیں دے، نہیں لگیں گی"

اس تصویر میں ایک اندھیری سیاہ رات میں ایک اکیلی لڑکی، کسی ہیبت ناک ندی کنارے، بال کھولے کھڑی چینخ رہی تھی، اور اس نفاست سے اسے بنایا گیا تھا کہ دیکھنے والا ایک لمحے خوفزدہ ہو جاتا۔

"ہمارے اردگرد فن اور محبت کی کمی ہے، رقص کرتے دیوانوں کی، دھنیں بناتے موسیقاروں کی، ہنستے مسکراتے لوگوں کی، ماہر مجسمہ سازوں کی جو اپنے کام سے کام نہ رکھتے ہوں۔۔۔ جنھیں اپنے فن سے محبت کے اظہار کے لیے لوگوں کا ہنستا مسکراتا ہجوم چاہیے ہو۔ ہمارے اردگرد کا ماحول، بھیانک چپ سے سوگوار ہے"

ایک اور حسین سے آرٹ پر نگاہیں مرکوز کیے ابدال نے اس چھوٹی سی تصویر میں مکمل کائنات سمائی پا کر دھیرے سے مسکراہٹ دی، شاید اس بند کمرے میں یہ پہلا آرٹ تھا جو رنگوں اور زندگی سے بھرا تھا مگر پھر آدھی تصویر پر سیاہی پھیلا کر آخری جملے کی تشریح کی گئی تھی۔

"آنکھوں کو خواب خوفزدہ کر سکتے ہیں مگر آنسو نہیں"

اگلی تصویر میں ایک خوفزدہ اور آنسو بہاتی مسکراہٹ سے لبریز چہرے کی جھلک تھی، دونوں کیفیات کو آدھے آدھے چہرے میں ڈھالا گیا تھا۔

"میں اُس آگ کا سوختہ ہوں
کہ جس آگ کی شعلگی نے
مجھے اپنی مٹّی میں خاکستری کے سبھی گُر دکھائے
مگر میرے اک پور تک کو چھوائیں
میں دشتِ فراواں میں
خود اپنی سیرابیِ تشنگی سے تڑپتی ہوئی
نارسائی کی وسعت میں
اُس تک رسائی کی بیڑی کو پہنائی دیتے ہوئے بارہا گر پڑی ہوں
کہ گردِ شکست اُن فصیلوں کو پہنچے
جہاں سے ہر اک کاخ و کُو نور و نکہت فشاں ہے
مگر اُن فصیلوں کا ہر برج و محراب
میری طلب سے وراماورا ہے

مگر نقص یہ چار سُو ریزہ ریزہ

اُسی شوخ کا گم شدہ آئینہ ہے"

پھر وہ راز سی نیلی آنکھیں، کینوس پر کسی نے ادھوری چھوڑ دی تھیں، وہ چمکدار سی روح تک اترتی آنکھیں جن کی دلکشی، بنانے والے نے بہت باریکی سے بنائی تھی۔

ساتھ ہی ریک پر طرح طرح کے مجسمے، جن کا چہرہ ایک سا مگر انداز مختلف تھا، وہ ماہر مجسمہ ساز تھی اس میں کوئی شک نہ تھا، اسکی انگلیوں میں اک جادو تھا، اس نے دل تراشا تھا، انسانی دل، اپنی ہر رگ سمیت۔۔۔

پھر اک گڑیا، جسکی آنکھ سے بہتا آنسو اس حقیقی طرز سے دیکھایا گیا کہ وہ جھوٹ تو لگتا ہی نہ تھا، اور پھر پانچ ایک ہی شکل کے مجسمے، جن کے نیچے الگ الگ تحریں نسب تھیں۔

"محبت کرو، چاہے پھر اس محبت سے باہر نکلنے کے لیے تمہیں زمانہ ہی کیوں نہ لگ جائے"

پہلی سطر دہراتا ابدال، ناجانے کہاں پہنچ چکا تھا، وہ نورحیات کی زندگی میں پھیلی تاریکی آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، محبت میں وہ بہت آگے نکلی ہوئی معلوم ہوئی تھی، حدو حدود سے بہت آگے۔

جہاں جا کر انسان باقی سب بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

"ان بہرے مجسموں کی فقط آنکھیں زندہ ہیں، ان بے جان چہروں کی بس بصارت زندہ ہے۔۔۔ جو مجھ پر مرکوز ہے، مجھے بتاتی ہے کہ سنو! مجھے یوں نہیں، مجھے یوں تراشو۔۔۔ یوں ترتیب دو"

وہ اک ٹرانس کی سی کیفیت میں اسے پڑھتا باقی تینوں کو چھوڑے دو قدم دور ہٹا، نگاہ میز پر رکھی ڈائری پر گئی تو اپنے قدم اس جانب بڑھائے لیکن اس سے زیادہ خیانت، ابدال مصطفی سے نہ ہو سکی تبھی اک بھرپور نگاہ اس بند پرتوں میں چھپی نایاب دنیا پر ڈالتا باہر نکل گیا، اس دروازے کو ویسے ہی بند کیا اور چہرے پر اک پر سکون سا تاثر سجائے سٹوڈیو سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سر، مس منیہا آئی ہیں"

عون، ابھی بھی کچھ لوگوں کے ساتھ میٹنگ میں تھا جب مینجر کے آکر بتانے پر وہ اپنے لوگوں سے کچھ دیر انتظار کا کہتا، فکر مندی سے آفس کی سمت لپکا، دروازہ کھلتے ہی منیہا کا لپک کر لپٹ جانا، عون کو مزید پریشان کر چکا تھا۔

وہ فریال صاحبہ کو بتا کر ٹیکسی لیے خود ہی عون کے آفس پہنچ آئی تھی، عون کال پک نہیں کر رہا تھا اور اس سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے، انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"منیہا، کیا ہوا ہے؟ آر یو اوکے؟"

سخت خوفزدہ اور حراساں سی منیہا کے شدت سے اسے جکڑنے والے بوکھلائے انداز پر عون نے نرمی سے اسکے بال سہلائے پوچھا مگر اس وقت وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی، بات کرنا اور اپنی کیفیت بیان کرنا کٹھن تھا۔

"شش۔۔۔۔ سٹاپ یار۔۔۔۔ ہوا کیا ہے۔۔۔ ادھر آو، بیٹھو آرام سے اور بتاو کیوں ڈری ہوئی ہو"

مسلسل اسکی سہمی کیفیت پر عون اسے سمجھاتے انداز میں ساتھ لگا تا صوفے تک لایا اور اسے بیٹھائے خود پر روبرو بیٹھا، منیہا کی صدمے سے زرد پڑتی صورت کو دیکھ کر عون کی پریشانی بھی دگنی ہوئی۔

منیہا سے بولا نہ گیا مگر اٹکتے ہوئے اس نے ساری صورت حال بتائی جس کو سننے کے بعد عون کی آنکھوں میں حقارت اور غصہ ایک ساتھ امڈا۔

آج اسے جو انفارمیشن ملی تھی اسکے بعد ان غلیظ لوگوں کی طرف سے یہ پیش قدمی وہ بھی امید کر رہا تھا۔

"مردود کہیں کا، موت کی جنگ لڑتے ہوئے بھی وہ باز نہیں آیا۔۔۔۔سب سے پہلے تو ریلکس ہو جاو، ڈرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس لوفر کی دھمکی سے دبنا بھی نہیں ہے"

عون نے اول جملہ تو غائبانہ نفرت کے سنگ ادا کیا اور ساتھ ہی وہ منیہا کا خوف ہٹاتا، اسکے سرد پڑتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اسکی روتی آنکھیں دیکھ کر آزردگی سے بولا جو عون کے لیے بہت تکلیف میں تھیں۔

"و۔۔وہ کہہ رہا تھا م۔۔۔مار دے گا۔۔۔عون میرا دل بری طرح۔۔کانپ رہا ہے"

منیہا، کسی طرح بھی اس سب سے نکل نہ پا رہی تھی، اس آدمی کی دھمکی سے وہ شدید ذہنی دباو کا شکار ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا میری جان، مجھے اسکی توقع تھی۔ عائش ہمانی کا پتا چل چکا ہے۔ نیویارک کے ایک بہت بڑے ہوسپٹل میں غلیظ حال تک پہنچا ہوا ہے۔۔۔۔اب تم دیکھنا منیہا۔۔۔میں اس درندے کے جسم کی ایک ایک بوٹی کیسے نوچتا ہوں۔ ان دو کیسز سے تو میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اور تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔تم عون بخاری کی بیوی ہو، نہ تو کمزور ہو نا بزدل۔۔۔اور اس بات کا ذکر گھر کرنے کی ضرورت نہیں"

وہ عون کی ایسی دل دہلاتی باتیں سن کر مزید سہم گئی تھی، ذہن میں اپنے عون کی زندگی اور بقا کے تانے بانے بُنتی ہوئی اور نا جانے کیسی اضطرابی لہر تھی جو اسکے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے سلگا رہی تھی۔

"عون۔۔۔میں آپ کے بنا جی نہیں سکتی"

وہ روہانسی ہوئے اپنے رونے کو ہر ممکنہ روکتی بہت مشکل سے منمنا سکی اور عون بخاری نے اسے اپنے حصار میں بھرے، پر سکون کرتے پیشانی چومی، وہ تب بھی بے قرار و بے تاب سی تکان سے عون کو تکتی رہی۔

"میں اپنے بنا تمہیں جینے کا کہوں گا بھی کیوں، اب تو ہر گز نہیں جب تم مجھ میں مجھ سے زیادہ آن بسی ہو۔ یہ مشکل وقت بھی کٹ جائے گا۔ عناب کو انصاف دلانا ہے، اس بے قصور لڑکی کے قاتل کو عبرتناک موت دینی ہے۔۔۔۔ اس سب میں مجھے تمہاری ہمت درکار ہے۔۔۔۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں، میرے ہوتے ہوئے تم بے خوف رہو"

وہ دھیان اور محبت لگائے، منیہا کی ہر افسردگی ہٹاتا ہوا اسکی آنکھیں ہونٹوں سے چھوئے، خود بھی افسردہ سا ہی مسکرا سکا۔

یہ تو فطری تھا کہ جب ہمارے پیاروں پر کوئی مصیبت آئے تو دل سوکھے پتے سا پھڑ پھڑاتا ہے، وہ وقتی تو اس ٹرانس سے نکل گئی تھی مگر اب اتنی نازک ہو رہی تھی کہ عون کو اپنی نظروں سے اوجھل ہونے دینا بھی ناممکن لگ رہا تھا۔

وہ مسکرائی تو عون بخاری کا دل بھی ہلکا ہوا۔

حصار بنائے، بازوؤں کی نرم گرفت میں سموئے وہ خود بھی کسی فکر میں مبتلا لگا۔

اسکی تھوڑی سی میٹنگ باقی تھی تبھی وہ اسے تھوڑا ویٹ کرنے کا کہے واپس گیا تا کہ اب گھر وہ دونوں ایک ساتھ ہی نکلیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گیٹ کی سمت غیر معمولی شور کی آواز پر وفا جو لان میں ہی شام کی تازہ خنک ہوا میں کھڑی، گم سم سی خاموش تھی، ہڑبڑا کر پلٹی تو سامنے سے چوکیدار بابا، اپنے ساتھ آتی چوڑیاں چڑھانے والی مائی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئی۔

چوکیدار بابا خفت زدہ ہوتے ہوئے اسے روکنے کی سعی میں ہلکان تھے مگر وہ ہر صورت وفا سے ملنے کی تمنائی تھی۔

"بابا۔۔۔ چھوڑ دیں انھیں۔۔۔ آپ جائیں۔۔۔۔۔ آیئے"

خود ہی وفا نے اس عورت کی پریشانی بھانپ کر چوکیدار بابا کو کہا جس پر وہ فرماں برداری سے سر ہلاتے واپس چلے گئے جبکہ وہ عورت، سادہ لوح مگر حسین حد تک پر کشش حدوخال رکھنے والی عورت، جس کے حسن پر صاف صاف اسکی غریبی نے گرد پھیلائی تھی، اسکے ہاتھوں میں چوڑیوں سے بھرا ہوا ٹوکرا تھا جہاں دو عدد سرخ گجرے اضافی دھرے تھے۔

"تیری جوڑی سلامت رہے۔۔۔۔ ہاتھ لا ادھر"

وفا کے مہربان ردعمل پر وہ عورت فوری وہیں گھاس پر چوکری مارے بیٹھی اور اپنے رکھے ٹوکرے میں سے وہ نئے اور تازہ گجرے نکال کر محبت پوش اور شوخ لہجے میں بولتی اپنا ہاتھ بڑھا گئی اور نا جانے کیا ہوا کہ وفا اپنا ہاتھ بنا سوچے ہی اس عورت کے ہاتھ میں تھمائے، اپنی آنکھوں میں آتی نمی مہارت سے ضبط کر گئی۔

"مائی، میری جوڑی تو ٹوٹ چکی ہے۔۔۔۔۔۔ وہ مجھ سے دور چلا گیا ہے۔۔۔۔ بہت دور"

اپنے ہاتھ میں وہ مہکتے موتیے کے پھولوں اور گلابوں سے بنے گجرے ڈلتا دیکھ کر وفا نے اپنی بھرا اٹھتی آواز میں سرگوشی کی، مگر مقابل تو یوں تھا جیسے وہ چوڑیاں بیچنے والی نہیں، وہ وفا کے دل کے کرب بانٹنے والی اک پری تھی، جو اس روپ کو دھارے اسکے پاس آئی تھی۔

"وے کملیے، جوڑی بھی بھلا ٹوٹتی ہے کوئی۔۔۔

بس مشکل ہوتی ہے جب زمین، آسمان کے عشق میں گرفتار ہو جائے۔۔۔۔

تو رنگین پھول ہے ناں، وہ بھنورہ ہو گا، بھدا اور سیاہ بھنورہ۔۔۔۔

تو نیک بخت ہے، وہ بد بخت ہو گا۔۔۔۔۔ گندا۔۔۔ میلا۔۔۔۔

تو ہرنی ہے ناں، وہ شیر ہو گا۔۔۔۔۔۔ خونی، درندہ۔۔۔۔۔

تو کملی ہے ناں، وہ اڑیل بدماغ ہو گا۔۔۔۔۔ شیدائی۔۔۔۔"

وہ عورت، آہستہ آہستہ وفا کے دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنائے، اسکی روتی، سرخ آنکھوں کی ساری کہانیاں سمیٹ کر اپنی یاداشت میں دھرے خط میں چپکے سے تحریر کرتی رہی، مگر وفا کے آنسو بہت کربناک تھے جن کی تپش نے اس عورت کا دل دہلایا تھا۔

"وہ ایسا نہیں ہے ما۔۔مائی، وہ مجھ سے کڑور درجے بہتر ہے۔۔۔۔۔ آپ جائیں، کوئی اسے غلط کہے یہ نہیں سہہ سکتی۔۔۔۔ چوکیدار بابا آپکو پیسے دے دیں گے۔۔۔۔۔"

یکدم ہی وہ اپنی کلائیاں، اس عورت کے ہاتھ سے چھڑوائے اٹھی، خفگی سے بڑبڑائی اور اس عمل میں ان گجروں میں نسب پھولوں کی کئی پتیاں ٹوٹ کر وفا کے پیروں میں جا گریں۔

وہ اپنے آنسو تب تک بے مول کرتی رہی جب تک وہ عورت بخاری ولا سے نکل نہ گئی، ٹوٹے خوابوں والی، آنکھوں میں انکی کرچیاں سمیٹ کر اپنی کلائیوں کو تکنے لگی، دل تو یہی چاہا ان گجروں کو نوچ کر پھینک دے مگر نا جانے کیوں وہ انھیں اتار کر پھینکتی پھینکتی خوف کھا گئی، ان پھولوں سے آتی خوشبو بہت انوکھی تھی۔

اسکی خوشبو ان پھولوں کے ہاتھ وفا کی سانسوں تک ایک بار پھر ارسال ہوئی، وہ الجھ گئی۔

ایسی خوشبو اس نے پہلے بھی کہیں محسوس کی تھی مگر کہاں، اسے یاد نہ آیا تھا۔

ابھی وہ اسی سوچ میں بے چین تھی جب ایک بار پھر بیرونی گیٹ کی سمت سے آتا شور، اسکی سماعت میں اترا۔

اس بار وہاں واویلہ سا تھا، دور پار سے وحید صاحب کی بھی آواز آرہی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاں داد، اپنی تین رکنی ٹیم کے ساتھ اریسٹ وارنٹ لیے بخاری ولا کے اندر داخل ہوا۔

وفا کو تو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے، فریال صاحبہ بھی باہر نکل آئی تھیں، جبکہ عون ابھی تک گھر پہنچا نہیں تھا اور منیہا اسکے ساتھ ہی تھی۔۔

"جہاں داد بھائی، آپ۔۔۔ خیریت ہے ناں۔۔۔؟"

وفا نے پریشانی اور فکر مندی کے سنگ جہاں داد کو وردی کے سنگ آتے دیکھ کر پوچھا، وہ اک جگر پاش مگر نفرت سے بھری نگاہ، چہرے پر نقاب اوڑھا کر کھڑے منصوعی فکر میں ڈوبے وحید پر ڈالنے کے بعد اپنی جیب سے وہ کورٹ کا کاغذ نکالے وفا کے سامنے لہرانے لگا۔

"آپکے خلاف ایف آئی آر درج ہوئی ہے وفا صاحبہ، کاشان ہمانی پر ہونے والا جان لیوا حملہ آپ نے کیا تھا۔ ہمیں وہ گن مل چکی ہے، اس پر آپکی انگلیوں کے نشان ہیں۔۔۔۔"

جہاں داد کی جانب سے یہ روح ہلاتی سچائی سن کر وفا کے پیروں تلے سے زمین سرک چکی تھی، یہ گن والی بات سن کر تو وحید بخاری کا چہرہ بھی فق پڑ چکا تھا، وہ گن تو کاشان نے باسط کے پاس امانت رکھوائی تھی پھر جہاں داد تک وہ گن کیسے پہنچی۔

فریال صاحبہ بھی صدمے میں مبتلا تھیں۔

"ک۔۔ کس نے کروائی ایف آئی آر؟"

سب کے زرد چہروں کی پرواہ کیے بنا، اپنے بند ہوتے دل کی فکر کیے بنا وہ یہ جانیوا سوال کرتے زرا نہ کانپی۔

ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ اسکی آنکھیں، لپکتے شعلوں سے بھر چکی تھیں۔

"خود کاشان ہمانی نے، یہی نہیں۔ وہ گن بھی ہم تک پہنچائی۔۔۔۔۔۔ ہمیں آپکو اریسٹ کرنا ہو گا"

جہاں داد بے رحمی کے سنگ اس لڑکی پر اسکی کائنات الٹ دیتا اگلے ہی لمحے باہر سے اندر آتی فی میل کانسٹبل کو اشارہ کر چکا تھا، فریال صاحبہ اور وحید بخاری کی آہ و بکا اور تکلیف کو یکسر فراموش کیے وہ اپنے خونی کھیل کو شروع کر چکا تھا۔

وفا کی آنکھ سے فقط ایک آنسو نکلا، جسے اس نے بے دردی سے رگڑے خود کو قانون کی حراست میں سونپ دیا۔

بنا آہ بھرے، بنا اس شخص کو اک بھی برا لفظ کہے، بنا چینخے، بنا چلائے اس نے ہتھیار پھینک دیے۔

وہ اسی کی تو مستحق تھی، وہ سزا پر راضی تھی۔

اسے تو کوئی آخری سانس تک اس جرم کے لیے سزائیں دیتا تب بھی وہ چپ چاپ سر خم کیے تسلیم کرتی، ہاں مگر یہ سب کاشان نے کیوں کیا؟ یہ اک سوال وفا کے دل کو کچل رہا تھا، یا شاید مار رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عون اور منیہا جب لوٹے تو آگے برپا ہوئی قیامت نے انکے پیروں تلے سے بھی زمین سر کا دی، ہر کوئی تکلیف اور دکھ میں غرق سمجھنے کی سعی میں ہلکان تھا کہ یہ آخر بیٹھے بیٹھائے کیا ماجرا پیش آ گیا۔

ابدال کو بھی وفا کے اریسٹ ہونے کی خبر ملی تو وہ سیدھا ولاہی آیا، وھاج خود بھی اس جھٹکے سے ہل چکا تھا۔

عون نے فوری ابتدائی کاروائی تکمیل دی اور وھاج کے ساتھ تھانے نکل گیا، کیس کے بارے میں ساری معلومات اور وجوہات جاننے کے بعد وہ بھی چکرا چکا تھا، پہلے اس عائش ہمانی کے لوگوں کی گھٹیا چالیں اور اب کاشان کی جانب سے ملنے والی یہ دل دہلا دیتی خبر اسکا سر درد کر رہی تھی۔

جہاں داد نے بہت اصرار کے بعد عون سے ملنے کی حامی بھری مگر وہ چہرے پر سختی اوڑھے، عون کی کسی دلیل اور وجہ کو سننے کا متحمل نہ ہو رہا تھا۔

ساری رات اسی اذیت اور افرا تفری کی بھینٹ چڑھی اور اس سارے خونخوار کھیل کو چپ چاپ تماشائی بن کر دیکھنے والے وحید بخاری تھانے سے نکل کر کسی سنسان جگہ کھڑے دیکھائی دیے، دور دور نہ تو کسی زی روح کا نشان تھا نہ ہی کسی چرند پرند کے گزرنے کی جگہ۔

وہ لہو آنکھیں لیے اپنے فون پر آتی اس کال کو دیکھ رہے تھے جس سے اب تک سترہ مس کالز موصول ہو چکی تھیں، لیکن وہ بے رحم شخص کسی رحم کو کرنے کے ہر گز موڈ میں نہ تھا۔

گہرا سانس کھینچ کر اس قنوطیت بھری سحر میں، کھلے آسمان تلے کھڑے وہ آخر اس فون کال کو اٹینڈ کر چکے تھے۔

"ہمت نہیں ہے تجھ میں کہ تو میری آواز تک کا سامنا کر سکے بزدل، تجھ جیسے بھائی سے بہتر تھا وہ کوئی سانپ پال لیتی۔ سہی پہچانا تھا میں نے تجھے وحید بخاری، تو ایک سوداگر ہی نکلا۔ اپنی ہار کا بدلہ تو مجھ سے ایسے لے گا، ہر گز امید نہ تھی"

مقابل وہ سرخیوں میں گھلے سرخ بھبھول چہرے کے سنگ دھاڑا تھا، اسکا بس چلتا تو وحید بخاری کی گردن مڑوڑ ڈالتا مگر کاشان ہمانی جن کاغذات پر دستخط کر چکا تھا اسکے مطابق وہ اس ملک تو کیا اس شہر سے بھی نہیں نکل سکتا تھا، اسکے ہر رابطے کو مونیٹر کیا جا رہا تھا، یہ فون بھی باسط نے ایک عام شہری سے لے کر اسے پہنچایا تھا، جس میں موجود سم بھی باسط کے ایک دوست کی تھی۔

"ابھی تو نے وحید بخاری کو جانا ہی کب ہے مردود کہیں کے، کیا سمجھ رہا تھا تو۔۔۔ چالاکی، دھوکہ دہی اور ظلم صرف تو کر سکتا ہے۔۔۔ اپنی ہار کا بدلہ اور اپنی بہن کی تجھ جیسے بدبخت سے حفاظت کا فعل، ایک ساتھ سرانجام پایا۔۔۔ تجھ جیسے گھٹیا انسان کی اوقات اب صرف اتنی ہے کہ تو چپ چاپ وہاں بیٹھ کر اپنی دنیا

اجڑتی دیکھ، چپ چاپ سبکے دلوں میں گرا ہوا مقام محسوس کر، وفا کے دل سے نکل جانے کا ماتم منا اور اپنے بچے سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا سوہان روح غم سہہ"

آج وہ شخص ساری حدیں پار کیے اپنے اندر کا زہر اس پہلے سے ریزہ ریزہ کاشان پر انڈیل رہا تھا، آج تو نہ انھیں خوف خدا تھا نہ ترس، انھیں اپنے دکھوں کا مداوا چاہیے تھا اور اس کے لیے وہ انسانیت کے درجے سے گر چکے تھے۔

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

اور وہ لٹا پٹا کاشان ہمانی، چیخ بھی نہ پایا، اپنے بندھے ہاتھ اور نامراد قسمت پر دھاڑ بھی نہ سکا، اسے بری طرح توڑا جا چکا تھا، اسکی جگہ کوئی عام انسان ہوتا تو کب کا سر کی رگیں پھٹ جانے سے مر مرا چکا ہوتا مگر وہ سخت جان تھا، دکھوں کے پہاڑ کا بوجھ اسے زمین میں دھنسا رہا تھا اور فرار کی کوئی راہ نہ بچی تھی۔

"بہت پچھتائے گا تو وحید بخاری، مجھ سے الجھ کر، میری راہ میں آ کر تو بہت تکلیف اٹھائے گا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ عون کی حفاظت کروں گا عائش کے لوگوں سے مگر اب دیکھنا وحید بخاری، تیرے گھر کونسی قیامت ٹوٹتی ہے۔ ایک کھیل تو نے کھیل لیا اب دوسرا اور بڑا کھیل کاشان ہمانی رچائے گا"

ساری اذیت اور تکلیف خود پر سے اتار پھینکتا وہ وحشت اور زہر خندی سے چلایا اور وحید بخاری کا دل کپکپا اٹھا، عون پر آنچ کا سن کر وہ بری طرح ہڑبڑا اٹھے، جو منہ میں آیا وہ کاشان پر اگل دیا مگر دوسری جانب اسکے جلتے دل پر برف گری تھی۔

"اس عائش کے پیچھے بھی تیرا ہی ہاتھ ہو گا، حرام زادوں۔۔۔ گندی نسل کے کیڑوں۔۔۔ بہت بری طرح مرو گے تم دو، اگر عون پر آنچ بھی آئی تو وفا کی کوکھ میں پلتے تیرے خون کو بذات خود نوچ ڈالوں گا۔ اگر وفا کو زہر دے کر مارنا پڑا تب بھی ماروں گا۔۔ تو ابھی مجھے جانتا نہیں، تو وحید بخاری کی نفرت دیکھے گا۔۔۔۔ اگر تو نے اس کیس میں زرا بھی دخل اندازی کی تو یاد رکھنا کاشان۔۔۔۔ وہی لمحہ تیرے بچے کا آخری ہو گا"

اپنی جانب سے سارا لحاظ بھاڑ میں جھونکے وہ کال کاٹے سخت مشتعل سے ہوئے تھانے کی جانب واپس لپکے، وہ عون سے بات کرنا چاہتے تھے۔

کاشان نے کال بند کی ہی تھی کہ میکائیل رضوی کی آتی کال پر وہ آنکھوں میں ناراضگی سی بھرے کال اٹھا چکا تھا، باسط اسکے کچھ فاصلے پر ہی افسردہ سا کھڑا کب سے کاشان کی اذیت دیکھ رہا تھا۔

دوسری جانب میکائیل بھی جج سے ملنے آئے تھے اور واپسی پر انکے گھر سے نکلتے ہی انہوں نے باسط کے بھیجے اسی نمبر پر کال ملائی۔

"یہ کیسی حفاظت کی آپ نے لالہ، وہ جیل پہنچ گئی۔۔۔ یہ خبر سننے سے پہلے کاش میں مر جاتا"

وہ جو جج کے گھر سے نکل کر اپنی گاڑی کی سمت جا رہے تھے، کاشان کی آواز میں اترے درد اور اذیت سے خود بھی افسردہ ہوئے۔

"کام ڈاون۔۔۔۔۔ میری بات سنو پہلے۔۔۔۔۔ یہ سب ایک کھیل ہے کاشان۔ نہ تو وہ گن اصلی ہے نہ ہی یہ ایف آئی آر۔۔۔۔ میری جج صاحب سے بات نہیں ہو سکی، کل کا ٹائم دیا ہے۔۔۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہیں وفا اپنا جرم تسلیم نہ کر لے۔۔۔ اگر اس نے پولیس کو کہہ دیا کہ اس نے تم پر گولی چلائی تھی تو اسے سزا سے بچانا بہت مشکل ہو جائے گا"

میکائیل، گاڑی میں بیٹھتے ہی پریشانی کے عالم میں یہ بتاتے خود بھی مایوس تھے اور دوسری جانب وہ جگر پاش سا مسکرا دیا، دل اتنی تکلیف میں تھا کہ اس سے سانس لینا محال ہو رہا تھا۔

"اور وہ تسلیم کر چکی ہو گی لالہ۔۔۔ آہ وفا آہ۔۔۔۔۔۔۔"

کال نا صرف کٹ چکی تھی بلکہ کاشان نے پوری قوت لگائے وہ اک موہوم رابطے کا ذریعہ بنتا فون بھی زمین پر دے مارا، اسکی کرچیوں کو دیکھ کر کاشان ہمانی کی آنکھیں بھی زخمی ہوئیں۔

نظر آسمان کی جانب اٹھائی تو اس صاف شفاف آسمان پر پھیلی ان گنت سوگواری بھی اس دل جلے کے غم میں برابر کی شریک تھی۔

دوسری جانب عون سکتے کی کیفیت میں جہاں داد کے روبرو کھڑا تھا، چہرے پر زردی کھنڈی تھی، جہاں داد کے چہرے پر کچھ قبل کیے انکشاف کے بعد سناٹا اور سرد مہری تھی۔

"واٹ؟"

عون کو کئی لمحے اس دھچکے سے باہر نکلنے میں لگے۔

"ہاں۔۔۔وفانے آتے ہی اپنا اقرار جرم ریکارڈ کروا دیا ہے۔ اسکا کہنا ہے اس نے کاشان ہمانی پر گولی چلائی تھی۔ اب اس گن اور اس ایف آئی آر کی بھی ضرورت نہیں۔۔۔۔ تین دن بعد اسکا فیصلہ ہو جائے گا۔ تم اگر زور آزمائی کرنا چاہتے ہو اور اسکا کیس لڑنا چاہتے ہو تو موسٹ ویلکم۔۔۔۔ قتل کی نیت ہو یا قتل۔۔۔۔ سزا کی شق تو اچھے سے پتا ہو گی تمہیں عون بخاری"

جہاں داد کی بے حسی اور بے مروتی دیدنی تھی، وہ پتھر بنا یہ سارے جملے کہہ کر عون بخاری پر تھانے کے اس کمرے کی چھت گرا چکا تھا۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا، ذہن تھا کہ کچھ بھی سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا تھا۔

"مل سکتا ہوں اس سے؟"

کافی دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا تو گھٹی آواز سے استفسار کیے بولا جس پر جہاں داد نے فی میل کانسٹیبل کی جانب اشارہ کیے عون کے ہمراہ بھیجا۔

عون کا دل بہت بھاری ہو رہا تھا مگر وہ ہمت اکھٹی کیے اس کانسٹیبل کے ہمراہ جیل کی جانب چل پڑا۔

اندھیری کال کوٹھری میں اک کونے میں فرش پر بیٹھی وہ چپ چاپ اور سوگوار سی میلی کچیلی زمین کو گھور رہی تھی۔

عون نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ ایک دن وفا کو اس طرح سلاخوں کے پیچھے دیکھے گا۔

"وفا۔۔۔۔"

ہمت جمع کیے وہ رندی آواز سے پکارا تو وفا نے مانوس سی اس پکار پر اپنی بھاری جھکی پلکیں اٹھائیں اور دیوار کا سہارہ لیے اٹھی، چہرے پر درج خاموشی اس وقت عون کے لیے جان لیوا تھی۔

"یہ سچ ہے کہ میں نے اس کی جان لینے کی پوری کوشش کیے ایک عظیم گناہ کیا تھا۔اس لیے میں اسکی دی سزا پر راضی ہوں۔۔۔تم میرا کیس نہیں لڑو گے، سمجھ گئے ہو ناں۔۔۔چاہے سزا میری عمر بھر کی پونجی تک کیوں نہ لوٹ لے۔۔۔۔۔سن رہے ہو ناں"

ناگہانی دکھ اٹھائے وہ ستم گر بنی یہ دلخراش اعتراف اور حکم کیے آس سے عون کی سرخ آنکھیں تک رہی تھی جہاں شکایت بلک رہی تھی۔

وہ اسے جھنجھوڑ ڈالنا چاہتا تھا مگر یہ لڑکی ایک بار پھر اسکے ہاتھ پیر باندھ رہی تھی، قہر ڈھا رہی تھی۔

"اعتراف کرنے سے پہلے میرا انتظار تو کرتی وفا، ہم سبکا نہیں تو اپنے بچے کا ہی سوچ لیتی۔تم نے مجھے ریزہ ریزہ کر دیا۔۔۔میں اس خبیث۔۔۔۔"

عون کی برداشت اور خود اذیتی یہیں تک تھی، اس سے پہلے کہ وہ بھی دلبرداشتہ ہو کر کاشان کے بارے خرافات بکتا، وفا کی تنبیہی نظر اور خاموشی اوڑھنے کی سخت نصیحت اسے اس سے روک گئی۔

"خبردار عون! اگر میرے سوا کسی نے بھی اس شخص کو برا کہنے کی ہمت بھی کی۔میں اس قید میں گھٹ گھٹ کر مر بھی جاوں تب بھی کوئی اس پر انگلی نہ اٹھائے۔مجھے ویسے بھی دنیا اب اچھی نہیں لگ رہی تھی اس کے بنا، اس ویران جگہ کم از کم عیاشی سے رو تو سکوں گی۔۔۔۔پلیز تمہیں میری قسم"

وہ ٹوٹی بکھری حالت میں مبتلا ہوئے بھی عون پر ستم ڈھا رہی تھی اور وہ اس سے زیادہ مزید روح چھلنی کرتے لفظ نہ سن سکتا تھا تبھی وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا، اور وہ دم سادھ لیتی ان دم گھوٹتی سیاہ بھدی دیواروں سے خوفزدہ ہونے لگی، اسکے پورے جسم پر لرزا طاری تھا۔

عون کو آنکھیں رگڑ کر تھانے سے باہر نکلتا دیکھ کر وحید بخاری جو ابھی ہی وہاں پہنچے تھے، گاڑی کا دروازہ کھولے نہ صرف دوڑے بلکے لپک کر عون بخاری کی بازو دبوچی جس سے وہ غائب دماغی سے سرخ بھیگی آنکھیں اٹھا کر بابا کو دیکھنے لگا۔

عون کی ایسی دردناک سی نگاہ پر انھیں اک پل جھٹکا لگا مگر پھر عون کا ان سے لپٹ کر بچوں سا رونا، اس سفاک سے شخص کا بھی سینہ پسیچ کر رکھ گیا۔

"م۔۔میں نہیں دیکھ سکتا وفا کی تکلیف بابا، وہ پاگل ہو گئی ہے۔۔۔ بابا آپ کہیں اسے، سمجھائیں کے یہ سب مت کرے۔ مکر جائے اعتراف سے۔ اسے کہیں ناں یار عون اسے بچالے گا۔ وہ مر جائے گی بابا، وہ ٹھیک نہیں ہے۔ بابا اسکی آنکھوں میں آنسو تھم گئے ہیں۔۔۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بابا۔۔۔۔"

عون کی بوکھلائی سی دردناک کیفیت نے اس شخص کا تڑپتا سینہ بھی آرے تلے کاٹ ڈالا مگر وہ پھر بھی عون کو حوصلہ تھماتے ہوئے اس کھیل کو جاری کر گئے۔

کافی دیر بعد جب وہ کچھ سنبھلا تو وحید نے اسے وہیں لگی کرسیوں کی جانب لے جا کر بیٹھایا اور خود اپنا ڈر سے کانپتا دل سنبھالے، کچھ مضطرب ہوئے۔

"کیا یہ سچ ہے عون کہ عائش کے لوگ تمہیں دھمکا رہے ہیں؟"

عون بے بسی کے سنگ کسی غیر مرئی نقطے پر نظر گاڑے ہوئے تھا جب بابا کے اس غیر متوقع استفسار پر بے ساختہ گردن گمائے انھیں تکنے لگا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟ منیہا"!

سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ الٹا سوال کرتے تشویشناک ہوا جس پر وحید نے نفی میں سر ہلائے سنجیدگی بڑھائی۔

"مجھے جس نے بھی بتایا ہو، تم بتاو کیا یہ سچ ہے۔۔۔ وہ کہاں چھپا ہے؟ یقینا اسکی پشت پناہی کاشان جیسے درندے نے ہی کی ہو گی۔۔۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی جو وفا کو اس خونی بھیڑیے کو سونپ دیا۔ نہ یہ رشتہ ہوتا نہ وفا آج اس حال میں ہوتی نہ عناب کے ساتھ وہ عائش ایسی گھناونی حرکت کرتا۔۔"

وحید بخاری کے اندر کی نفرت اس قدر بھیانک شکل اختیار کر چکی تھی کہ وہ اس آگ میں عون کو بھی گھسیٹ رہے تھے جو پہلے ہی شدید ذہنی اذیت سے دوچار تھا۔

اسے وفا کا کاشان کے لیے ابھی حساس ہونا، نوکیلے کانٹے سا چبھ رہا تھا مگر وہ خاموشی سے یہ ضبط کرتا رہا اور وحید بخاری، اسکی خاموشی کو کریدتے رہے۔

"بابا میں اکیلا رہنا چاہتا ہوں، آپ گھر جائیں اور نہال چاچو اور باقیوں کو حوصلہ دیں۔ میں آفس جا رہا ہوں۔ کچھ کام ہیں"

وہ اس وقت کچھ بھی شئیر نہ کر پا رہا تھا تبھی بیزائیت بھری بے بسی سے کہتا نا صرف اٹھا بلکہ وحید صاحب کے اصرار کے باوجود اپنی گاڑی لیے روانہ ہو گیا اور اس سوداگر بنے شخص کے چہرے پر خسارے کی لہر پوری آب و تاب سے روشن ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"غلطی ہو گئی، سنگین گناہ ہو گیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے وفا کو قبر میں اتارا ہے۔ مجھے لگتا تھا میں اپنے گناہ دھو لوں گا، مجھے لگتا تھا وہ رب مجھ سے راضی ہو جائے گا لیکن نہیں، میرے ہاتھوں ہوا ایک اور فیصلہ مجھے زندہ در گور کر گیا"

اپنا سر جکڑ کر وحشی بنے نہال، سرخ بھیگی آنکھوں کے سنگ خود پر نفرت انڈلتے ہوئے اپنے حواس کھو چکے تھے اور وہیں سامنے پتھر کا مجسمہ بن کر بیٹھا ابدال جو اپنی نفرت اور بے بسی دبانے میں ناکام سا چہرے پر لہو چھلکائے بیٹھا تھا۔

ساتھ ہی فریال صاحبہ اور انکے ساتھ سہمی، رنجیدہ سی منیہا۔

وہ سب پہلے ہی اذیت سے دوچار تھے اور نہال کی خود اذیتی نے انکو مزید دکھ پہنچایا۔

"میں اب آخری سانس تک اس جانور کو معاف نہیں کروں گا، اس نے میری وفا کو اتنا بڑا زخم لگایا ہے۔ میرا بس چلے تو کاشان ہمانی کی جان لے آوں"

مٹھیاں بھینچ کر اپنی تکلیف ضبط کرتا ابدال، جسکے چہرے پر نفرت کی گہری پرچھائیاں از سر نو امڈ آئی تھیں۔ وہ بے قصور ہو کر بھی سب کے سامنے مجرم بن گیا تھا۔

"کیا دیکھائی دیتا تھا اور کیا نکلا۔

وہ برا تھا مجھے علم ہو گیا تھا، لیکن وہ زویا کی پرورش ہو کر ایسا گھٹیا کام کرے گا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ کاش میں نے وفا کی آہیں اور سسکیاں تب سنی ہوتیں"

نہال بھلے اس وقت کاشان ہمانی کو قصوروار اور گھٹیا سمجھ رہے تھے لیکن وہیں انکا دل اس پر گواہی دینے سے بھی انکاری تھا، جس کاشان ہمانی نے انھیں برباد کرتے کرتے، محبت ہو جانے پر بخش دیا تھا، جس شخص نے اپنی ماں جیسی زویا کی ہر تکلیف بس اسکی اک درخواست پر معاف کر دی تھی، جو وفا کو انتہائی سنگین عشق کر بیٹھا تھا، بھلا وہ کیسے وفا پر یہ قیامت توڑ سکتا ہے۔

فریال صاحبہ کی خود سمجھ سے باہر تھا جبکہ منیہا تو نا جانے کون کونسے ڈر اور وسوسے لیے ہلکان تھی۔ جسکی اک دھڑکن عون کے ٹوٹے دل کے ساتھ تھی تو دوسری بابا کے آنسووں کے سنگ۔

"کیا سچ میں وفا نے اسکو شوٹ کیا تھا؟"

دماغ کی رگ اس شدت سے پھڑکی کہ ابدال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مضطرب ہوئے نہال کے ساتھ بیٹھتے ہوئے استفسار کیا اور اب فریال، منیہا اور ابدال کی منتظر آنکھیں نہال پر تنی تھیں جو اپنا سب کچھ ہارے بیٹھے کسی سنگین کشمکش کا شکار تھے۔

"یہ سچ ہے، اس نے کاشان کو شوٹ کیا تھا۔ اسی سے اندازہ کرو کہ وہ کتنی نفرت کرتی تھی اس دھوکے باز گھٹیا سے۔۔۔۔"

نہال سے پہلے ہی کوئی آواز ان تینوں کے ساتھ نہال کے رونگٹے بھی کھڑی کر چکی تھی، سب نے بیک وقت داخلی سمت آتے وحید بخاری کو دیکھا جو آنکھوں میں جلن لیے کھڑے تھے اور پھر چل کر ان سب کے مزید قریب آئے۔

نہال اور ابدال بیک وقت اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے، ہر کسی کے چہرے پر ماتمی حیرت کا سماں تھا۔

وھاج بھی وحید صاحب کے ساتھ ہی آیا تھا اور اسکے قدم بھی اس انکشاف کو سن کر تھم چکے تھے، آنکھوں کی پتلیوں نے حرکت چھوڑ دی تھی۔

وھاج کا دل اس جھوٹی بات پر سراسر تڑپا، وہ وفا کی آنکھوں میں سچا عشق دیکھ چکا تھا، دنیا اگر اپنے مرکز سے ہل بھی جاتی تب بھی وہ نہ مان سکتا تھا کہ وفا اور کاشان کے بیچ محبت، عشق، جنون، لگن اور وفاداری کے سوا کوئی جذبہ ہے، ان دو کی آنکھیں ایک دوسرے پر فدا تھیں، وہ اب فدائین کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

"مجھے معاف کر دیں بھائی، آپ کے لاکھ سمجھانے کے باوجود میں نے وفا کی خوشیاں اپنی ضد کی بھینٹ چڑھا دیں۔ میں آج پچھتا رہا ہوں۔۔۔۔"

نہال بخاری کی آنکھیں اس کرب ناک سچائی پر بھیگیں وہیں بندھے ہاتھ اس سفاک سوداگر کے سامنے اٹھے لیکن کوئی شدت سے کرلایا تھا۔

کوئی چیخنا چاہتا تھا پر نہ کر سکا۔

"کہا تھا نہال، تم پچھتاؤ گے۔ وہ کاشان ہمانی ایک جادوگر ہے، اس نے وفا کو کچھ گھول کر پلایا تھا یقیناً جو وہ اندھی ہو گئی۔ اس کم ظرف کے ساتھ بندھ گئی، وہ اپنی عادت ڈال کر اسے مارنا چاہتا تھا نہال بخاری، بلکل

ویسے جیسے تم نے اسکی زویا کو مارا تھا۔ دیکھو! اب وہ بھی فرار ہو گیا اور اسکی زویا بھی آباد اور سہاگن بن گئی۔۔ سنو تم سب بھی، اس گھٹیا نے ہم سب کو اسی دن کے لیے سر پر بٹھایا تھا تا کہ ساری دنیا کے سامنے وہ ہمارے سروں پر خاک ڈالے۔۔۔ یہ ڈھونگ تھا اسکا، کیا جاتا اگر وہ وفا کی اس خطاء کو اپنے اور اسکے بیچ رکھتا۔ لیکن نہیں! اس نے ساری دنیا کے سامنے یہ سچائی لا کر بتا دیا ہے کہ وہ وفا اور اسکی ذات سے جڑے اپنے بچے سے نفرت کرتا ہے۔۔۔۔۔ یہی تو کھیل تھا اسکا، جس طرح اس نے زویا کو تڑپتے دیکھا اب ہم دو مل کر وفا کو ناکردہ گناہ کی سزا جھیلتے دیکھیں گے"

یہ زہر میں لتھڑے سچ جس طرح وحید بخاری نے ان سب کی سماعتوں پر برسائے تھے، بہت کرب سے ان جانوں نے یہ پہاڑ سے بوجھ سہے۔

جہاں نہال کی آنکھیں ایک بار پھر پشیمانی سے جھک گئیں وہیں ابدال مصطفی بخاری نے جن نظروں سے نہال کو دیکھا وہ نظریں پھر سے بہت بڑے خسارے کی صدا دیے انکو بھری دنیا میں تنہا کر دینے سی تھیں۔

خود منیہا کے آنسو، اسکے رخسار تر کر گئے اور فریال صاحبہ کو اور تو کچھ سنائی اور دیکھائی نہ دیا لیکن اپنے سامنے کھڑے یکسر الگ، بیری، ظالم، اور بے حس وحید بخاری ضرور نظر آئے اور اس شخص کا یہ روپ اس عورت کے دل کی شریانوں میں ڈورتا لہو منجمد کر گیا۔

وھاج سکندر کا دل چاہا کاش زمین پھٹ جائے، یا اس بہتان پر آسمان لرز کر گر پڑے۔

"وہ۔۔۔ وہ ایسا نہیں ہے، وفا کا انتخاب ہے وہ شخص۔ اس وفا کا جس نے محبت کی شدت بن کر احساس، جنون اور پیار کی ساری حدیں اس واحد پر قربان کی تھیں۔ سب سچ ہو سکتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ وفا اور اپنے بچے سے نفرت کر سکتا ہے۔۔۔۔ اللہ! اس ظلم کو ہونے سے روک دیں"

وھاج سکندر کے اندر آندھی چل پڑی تھی، جسم ریت کی مانند مسمار ہوا جا رہا تھا مگر دیر ہو گئی تھی۔

وحید بخاری نے اپنے کھیل کو ایک قدم آگے بڑھا دیا تھا۔

"موت نہیں آئے گی اسے جب تک وہ اس زیادتی کا حساب نہیں دیتا"

سب کے بیچ حائل ہوئی روح نوچتی خاموشی کو ابدال کی دھاڑ نے ٹکڑے ٹکڑے کیا تو سب کی آنکھیں لہو کی طرح سلگنے لگیں۔

"ہاں! اور ایک سچائی اور سن لو تم سب۔ عائش ہمانی نہ صرف زندہ ہے بلکہ ایک بار پھر اوچھے ہتھکنڈوں سے وہ میدان میں آچکا ہے۔ ایک قانون کی نظر میں مفرور، مجرم اور وانٹڈ قاتل شخص خود ہی، بنا کسی مدد کے کسی ادارے کے نوٹس میں آئے بنا کیسے نیو یارک جا کر آباد ہو سکتا ہے، یقیناً وہ زندہ سلامت اور باحفاظت ہے تبھی عون کو دھمکا رہا ہے کہ وہ ان دونوں کیسیز سے ہٹ جائے۔ اسکی پشت پناہی کرنے والا بھی کاشان ہمانی ہی ہے۔ یعنی عناب کا مجرم اور اس معصوم لڑکی کا قاتل درندہ بھی اسی کاشان کی حفاظت میں ہے۔۔۔۔۔ کاشان اسقدر مضبوط ہے کہ تم سب سوچ بھی اس جگہ نہیں پہنچ سکتی۔ وفا کو ہم اس مشکل سے نکال لیں گے لیکن اسکے بعد اس درندے کے سخت احتساب میں آپ سب میرے ہم قدم ہوں گے"

اپنے بنائے مفروضے اور کہانیاں سناتے وہ حقیقت میں گناہ کے مرتکب تھے، انھیں کیا خبر تھی کہ اسی مفرور درندے کو لولا، لنگڑا اور اپاہج کر کے موت کے منہ میں پھینکنے والا قہر کاشان ہمانی ہی تھا، وہ کاشان ہمانی جس نے ہر گناہ معاف کرنا سیکھا تھا مگر زنا، قتل اور ناانصافی نہیں بلکے ایسے جرم کی سزا سنانے کے لیے وہ کسی قانون یا عدالت کا محتاج نہ تھا۔

وہاں کھڑے کئی قیامتیں ان افراد پر ٹوٹ گری تھیں، وہ شخص جو بظاہر کہیں بھی گناہ گار اور مجرم نہ تھا، اس لمحے ہر ایک کی نگاہ بھی سیاہ کار اور بدکار بن چکا تھا۔

وہ کاشان ہمانی جو اپنی صفائی کسی کو پیش نہ کرتا تھا، کیسے اپنی بے گناہی کے ثبوت جمع کرتا۔

وہ بدنصیب اس وقت پر کٹا پرندہ تھا جسے پھڑ پھڑانے کے لیے بھی موت سے بڑی تکلیف سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔

چند لمحے لگے اور کاشان ہمانی کئی دلوں سے اتر گیا، کئی لوگوں کے لیے واجب القتل قرار دے دیا گیا لیکن اس پر با ہوئی قیامت کے بعد جہاں وہ سب نفرت میں اسے کوسنے اور بدعائیں دینے لگے وہیں وہ اپنے گرد تاریک سی سیاہ رات حاوی کیے ٹنڈ منڈ ویران سے کسی جلے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا قبر کی سی خاموشی میں مبتلا تھا۔

لگ بھگ چھ قدموں کے فاصلے پر موجود دوسرے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بھی کو بیٹھا تھا۔

وہ دو اس وقت ایک جنگلی راستے کے وسط میں موجود تھے، یہاں گہری رات پھیلی ہوئی تھی، سناٹے اور وحشت کا دور دور تک پہرا تھا۔

ان دونوں نے ایک جیسی سیاہ ہڈی پہن رکھی تھی مگر اس دوسرے شخص کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔

"میں ہار گیا ہوں، میں اس سب سے نکلنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک بار واپس جانے کی مہلت چاہیے پھر بھلے میری جان لے لی جائے غم نہیں ہو گا"

خاموشی چیرتی شکستہ مگر بھری آواز گونجی جس کو سن کر اس دوسرے شخص نے چہرہ تو نہ اٹھایا مگر اس نے گہری سانس ضرور کھینچی۔

"اب کیسی ہار! اب تو تم سارے پردے چاک کر چکے ہو۔ ہر کسی کا دوسرا چہرہ دیکھ چکے ہو۔ تم نے بہت غلط جگہ آ کر ہمیں پکارا ہے، تمہیں واپس مڑنے کے لیے محبت جیسی معمولی وجہ کو دیتے ہوئے سو بار سوچنا چاہیے تھا۔ مجھے انس ہے تم سے تبھی تمہاری یہ بچگانہ توجیہہ، آگے پہنچانے سے پہلے میں تمہاری کیفیت جاننے خود چل کر آیا ہوں"

اس ڈھکے چہرے والے نے باریک سی مگر تیز اور تند ہی سے اٹی آواز میں برہمی کا اظہار کیا جس پر کاشان نے زمین پر بکھری مٹی کو مٹھی میں بھر کر اٹھایا اور دل شکنی کے سنگ اس مٹی کو آہستہ آہستہ اپنی ہتھیلی سے سرکانے لگا، وہ ہوا کے آہستہ آہستہ چلتے جھکڑوں سے بکھر کر اسی کا چہرہ اور سیاہ شرٹ گرد آلود کر گئی اور یہ منظر اس قریب ہی بیٹھے شخص کی رازسی آنکھوں نے سنجیدگی سے دیکھا۔

"آپ نے محبت کی ہے کبھی"

وہ کاشان ہمانی سے ایسے سوال کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

"کی ہے، صرف اپنی دھرتی سے۔ اور اسی دھرتی کی حفاظت کے لیے بیوہ ماں کو تنہا چھوڑ آیا، دلربا بیوی کو بنا کوئی پیار بھرا لمحہ عطا کیے محاذ پر نکل گیا، بنا یہ سوچے کہ میرے بعد ان دو کا سہارہ کون بنے گا۔ مجھے یا مجھ جیسے کسی بھی سپاہی کو تم محبت جیسے موذی سوال سے ٹال نہیں سکتے کاشان ہمانی"

وہ شخص درشتی بھرے غصے سے کاشان پر ناراض ہوئے آخر تک بے رحم ہو گیا، اسکی آواز میں سختی اور بے حسی عود آئی۔

"مجھے گھن آرہی ہے اب خود سے، آپ نے ہی کہا تھا اک بار کہ عشق کرنے کے بعد انسان جنگجو بننے کے قابل نہیں رہتا۔ اسکے تن من میں اک نئی خانہ جنگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ میں اسکے بنا ایسا بے رحم ہو رہا ہوں کہ مجھے اپنے جنگجو ہونے سے بھی کراہت محسوس ہو رہی ہے۔ میں کہاں کا سپاہی جو اپنی جنگ تک نہ جیت سکا۔ مجھ پر اک رحم کر دیں، مجھے اس زندگی سے نجات دلا دیں۔ میں اچھائی اور برائی کی اس جنگ کو لڑتے لڑتے شدید لہولہان ہو چکا ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اب کسی لائق نہیں بچا"

ایک کے بعد دوسرا بے بس آنسو ان ہیزل گرین آنکھوں کی گرمائش بڑھاتا، بڑھی بیرڈ میں دفن ہوا۔

آہ! وہ ہیزل آنکھیں جو اب سرخی میں نہائی ہوئی تھیں۔

"تھوڑا گیپ لے لو، ہماری طرف سے مزید کوئی ذمہ داری نہیں رہے گی کچھ وقت تم پر۔ تم صرف مافیہ کے بیچ رہ کر یہ چند سال گزارو، صرف معلومات جمع کرو۔ تمہاری جان اہم ہے تبھی معافیہ سے کنارہ کشی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ کچھ سال لو اور خود کو یکجا کر کے سنبھالو کاشان، تم جیسا ہمارے پاس کوئی دوسرا نہیں ہے۔ تم اچھے سے جانتے ہو یہی ہماری زندگی ہے اس لیے مجھے مشکل میں مت مبتلا کرو۔ تمہارا ٹوٹ جانا، ہماری امیدوں کو چکنا چور کر دے گا۔ رہی بات ہاری ہوئی جنگ کی تو وقت خود تمہاری بے گناہی اور تمہارا عشق سچا ثابت کرے گا"

وہ چھپا ہوا شخص اپنی چند مہربان باتوں کو مکمل کیے اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا مگر کاشان ہمانی تب بھی اسی جگہ ہارے جواری سا بیٹھا، خاک کی مانند خاک لگ رہا تھا۔

وہ انسان کچھ دیر تک کاشان کی قہرناک ذات تکتا رہا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھنے جنگل کی سمت مہیب سناٹے میں گم ہو گیا۔

"کوئی نہیں جانتا میرا دکھ!

میری اذیت، میری قربانی۔۔۔۔ کوئی کیسے جان سکتا ہے مجھے سوائے اسکے، وہ بھی بدل گئی تو کیا ہو گا۔

کون کاشان ہمانی کو یاد کرے گا، کون کاشان ہمانی کا نام لیوا ہو گا۔ اسے تکلیف ہو گی، وہ مجھے پکار رہی ہو گی اور میں! ہنہ!

میں یہاں زندگی کی قید میں جکڑا ہوا اسکے دکھوں پر آنسو بہائے پھڑ پھڑا رہا ہوں۔

تف ہے مجھ پر اور میرے جھوٹے عشق پر۔۔۔"

وہ جان کنی کرتا خود پر چیخ رہا تھا، اسکے دن روشن اور راتیں اجڑ چکی تھیں۔

وہ نیم پاگل حال میں آیا ہوا اس پرائے دیس کے اجڑے، جلے جنگل کے وسط میں لٹا پٹا بیٹھا نوحے گا رہا تھا، ماتم منا رہا تھا۔

"وہ میرے سارے اظہار، میرے جنون کی ہر آتش، میرے قرار کی ہر ساعت، میرے نصیب کا ہر دکھ، مجھے واپس میرے حوالے کیے خود پر نجس، ناکردہ قید کو دائمی سزا کی طرح حلال کر چکی ہے اور میں اس اجڑے ویران جنگل میں اپنی موت اور زندگی کا نشہ کیے بیٹھا ہوں۔

کمبخت زندگی کا نشہ چڑھ نہیں رہا اور موت کا اتر نہیں رہا"

وہ اپنے حواس میں نہ تھا، آج کی اس ہولناک رات میں وہ اپنے اندر کی ساری تکلیف اگلنا چاہتا تھا۔

انسان خود درد میں مبتلا ہو تو ہر نظارہ ہی دکھتا ہوا محسوس ہوتا ہے، اسکے سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، پورا وجود جہنم کی آگ سا تپ رہا تھا لیکن آفرین تھی اسکی دھڑکن جو سلامت تھی، آفرین تھی اسکی سانس پر جو اب بھی اسکا ساتھ دیے اس پیر زخمی کرتے راستے پر چل رہی تھی۔

"سر"!

باسط کی کہیں دور سے آتی آواز پر وہ اپنی درد کرتی آنکھیں دباتا، سر اٹھائے اسے دیکھنے لگا جس سے اب کاشان کی ایسی حالت دیکھنا محال تھا۔

"باسط! تم۔۔۔ تم ہی مجھے لے جاو اسکے پاس۔ اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میں کتنا بے بس ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ میری آنکھیں دیکھ کر ہی سب سمجھ جائے گی، وہ سمجھ جائے گی کاشان ہمانی کے سارے کرب۔۔۔ وہ مجھے گلے لگا کر سمیٹ لے گی، اس سے بچھڑ کر مجھ پر یہ قہر ٹوٹیں گے مجھے کب خبر تھی۔۔۔۔ مجھ سے سانس لینی محال ہے، میں اپنی اس بے بسی کے ہاتھوں زندہ دفن ہو گیا ہوں"

باسط کو لگا آج وہ بھی جان ہار دے گا، پروفیشنل وفادار کے علاوہ وہ کاشان ہمانی کے ساتھ پلا بڑھا تھا، اسے اپنے مالک پر جان قربان کرنے کی نصیحت کی گئی تھی لیکن کاشان ہمانی کو جو روگ لگا تھا اس کے لیے باسط کو اپنی جان دے کر بھی معاملہ گھاٹے کا ہی محسوس ہوا۔

وہ اپنا مضطوط ہاتھ بڑھا کر کاشان کا ہاتھ جکڑے اپنی آنکھوں کی نمی چھپانے پر لگا تھا اور کاشان ہمانی یوں تھا جیسے کسی شدید رگیں چاٹتے نشے کی لافانی طلب حاوی ہو جو وجود سے جان کھینچ رہی ہو۔

وہ اس سے اٹھایا نہ جا رہا تھا، اس شخص کی ہمت تنکا ہو چکی تھی تو وہ کیا اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا۔

وہ تو لاش تھا۔

"کُچھ بھی تو نہیں ہوا بس میں مر گیا ہوں!!!!!!!!

مر ہی تو جانا ہے!.....................

اپنی تدفین بھی میں اپنے ہاتھوں سے کر لوں گا

جوان موت ہے نا میری تھوڑا سا رو لینے دو............

صرف میں ہی تو نہیں مرانا

حسرتیں

خواہشیں

تمنائیں

آرزوئیں

خوشیاں

خواب

خیال

ارمان

اختیار

سب ہی میرے ساتھ مر گئے ہیں نا

سُنو

لاش میری بھاری تو ہو گی نا"....

وہ بدحواسی میں بڑبڑاتا ہوا باسط کو بھی کمزور کر رہا تھا جس نے کاشان کی اس ٹوٹی بکھری حالت کو آخری بار دیکھنے کا عہد باندھے اسے سہارہ دیے اٹھایا اور چلنے لگا۔

" آج کے بعد دنیا ایک نئے کاشان ہمانی کو دیکھے گی سر، جو کسی کے لیے نہ تڑپے گا نہ روئے گا۔ مجھے بہت عزیز جانتے ہیں ناں آپ، ہم راز بھی تو بنایا ہے آپ نے مجھے، آج پہلی بار آپ سے کچھ م۔۔مانگ رہا ہوں انکار مت کریے گا۔ مجھے وہی کاشان ہمانی لوٹا دیں جس کی فرزندی میں مجھ جیسے گناہ گار اور بدکار کو کسی اللہ کے پیارے نے دیا تھا"

راستہ طویل نہ تھا مگر ان دو کی مسافت اب ضرور طویل ترین تھی۔

کاشان اسکا سہارہ لے کر چلتا ہوا اسکی بات پر دردناکی سے قہقہہ لگائے ہنسا اور پھر جیسے اسکی سانس رکنے لگی جسے اس نے سینے پر ہاتھ مارے بحال کیا۔

وہ رک چکا تھا، باسط کا سہارہ بھی جھٹک کر اپنی لڑکھڑاتی چال پر مضبوطی سے جما، باسط کی آنکھیں سرخ انگارہ اور چہرہ تکلیف کی زیادتی سے زرد سا پڑ چکا تھا مگر وہ شخص تھا جسکے چہرے کی کشش اب بھی ویسی خوشنما تھی۔

"تم نے جان مانگ لی ہے باسط"

کاشان کے چہرے پر آزردہ مسکراہٹ تھی اور نظر جگر کے پار ہوتی ہوئی۔

"نہیں، میں نے اپنا حق مانگا ہے"

باسط کی مضبوط آواز کئی دلخراش ٹکڑوں میں بٹی تو وہ لاجواب ہوئے اک دل جلی نگاہ باسط پر ڈالتا، اسکا کندھا تھپتپائے آگے بڑھ گیا۔ مزید گہرے مہیب سناٹے کی سمت۔

اور قید کی پوری تکلیف وفا کے دامن پر اتری ہوئی تھی، جہاں داد نے اپنی پوری ٹیم کو کورٹ پیشی تک وفا کا مکمل خیال رکھنے کی تاکید کی تھی اور اسے اسکے گھر والوں سے ملاقات کی بھی اجازت دی جسے وفا نے غیر ضروری سمجھ کر رد کر دیا۔

"میں اپنی زبان اب صرف کورٹ میں اعتراف جرم پر کھولوں گی، مجھے امید ہے آپ میری بات کا مان رکھتے ہوئے مجھے مزید کسی سے ملنے پر مجبور نہیں کریں گے"

وفا کی یہ بات کئی گھنٹے تک جہاں داد کے دل پر کوڑے برساتی رہی تھی، وہ اپنی زندگی کا بدترین وقت کاٹ رہا تھا، لیکن شاید زندگی ایسی ہی کسیلی اور کڑوی ہوتی ہے، ہم وہ تک کر گزرتے ہیں جسکا کبھی گماں تک نہیں کیا ہوتا۔

اسکے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ رات ہوتے ہی وفا کی خبر گیری کرنے پہنچا تھا، کیسے وفا کو تنہا چھوڑ دیتا۔

"وفا! یہاں دیکھیں"

سلاخوں سے باہر کی بے رونق دنیا کی سمت سے آتی مانوس سی صدا پر وفا نے گردن موڑے باہر دیکھا، وہ اس تنہائی سے بھری کربناک تاریکی میں روشنی بن کر ایک بار پھر پلٹ آیا تھا۔

"کیوں آئے ہو وھاج سکندر، مجھے نہیں ملنا کسی سے بھی۔ میرے اندر ہمت نہیں ہے"

گھٹی، رندھی آواز میں وہ زندگی سے اکتائی ہوئی بولی تھی اور اسے اس حال میں دیکھ کر وہاج کا دل کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

"آپ بھی سب کی طرح کاشان ہمانی کو قصوروار سمجھ رہی ہیں؟"

وہ اسکے کھڑے نہ ہونے پر خود بھی وہیں جیل کی سلاخوں سے کمر ٹیکے بیٹھا اور اسکے سوال پر وفا نے سر کو نفی میں جنبش دیے اپنی دونوں درد کرتی آنکھیں مسلیں۔

"یہ اسکا حق تھا پھر وہ قصوروار کیسا؟ میں نے اسکے خود کے لیے دھڑکتے دل پر بہت گہرا وار کیا تھا وہاج، کیونکہ اس نے بہت ناانصافی کی تھی مجھ سے۔ محبت کا اظہار جارحانہ طریقے سے کیا تھا۔ لیکن تب مجھے علم نہیں تھا کہ وہ محبتوں کے اظہار میں ایسا ہی برا اور بدسلیقہ شخص ہے۔ اسے محبت تو وفا نے بہت بعد میں سیکھائی تھی۔ لیکن پھر بھی مجھے سزا سناتے وقت اسکی جان کیسے جسم میں سلامت رہ پائی ہوگی، میں نہیں مان سکتی کہ وہ مجھے خود سے اتار پھینکنے کا ایسا غیر انسانی طریقہ اختیار کرے گا۔"

وہ آنکھوں میں دنیا جہاں کا کرب بھرے بولتی جارہی تھی اور وہاج سکندر اپنے دل کو تکلیف سے بھرتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں اس آخری ملاقات میں اس نے مجھ سے دم دینے کی کیفیت میں مبتلا ہوئے کچھ جھوٹ ضرور بولے تھے، یہی کہ وہ میری پکار پر میرے پاس پہنچ آئے گا۔ یہ اسکا جھوٹ تھا۔ میں نے اسے یہاں آنے سے اب تک کئی بار آواز دی لیکن اسکی خوشبو مجھ تک پہنچی مگر وہ نہیں"

وہ مضبوط عورت تھی لیکن آج ریزہ ریزہ بٹی ہوئی بکھر چکی تھی، وہاج کے پاس اس کی تسلی کے لیے کوئی لفظ باقی نہ رہا تھا۔

وہ اسکی آزردہ کیفیت، دکھ کا ہر رنگ لیے ہوئے تھی۔

"وہ مجبور ہو گا، وگرنہ کون وفا سے جیتے جی بے خبر ہو سکتا ہے"

ٹوٹی پھوٹی تسلی دیے وہ وفا کا کرب کم کرنے کے بجائے بڑھا رہا تھا کیونکہ اک قہر اس تنہائی اور قید نے وفا کے دل میں بھی برپا کیا تھا۔

"ہنہ ! مجبور اور وہ!

ہاں صرف وفا کے لیے۔۔۔۔۔۔

میری کہانی ختم ہو چکی ہے وھاج سکندر !

میں نے تسلیم کر لیا کہ وہ مجھ سے واپس چھین لیا گیا ہے، میرے کسی گناہ کے بدلے۔۔۔۔"

وہ مدھم آواز میں کہتے کہتے رو پڑی تھی، چہرہ حدت زدہ تھا اور آنسو بے اختیار۔

"میری کہانی سنو!

مری رائیگانی کا پہلا سرا میرے

ہاتھوں میں ہے

دوسرا اسکے پیروں میں دیکھو

کہ میں

زندگی کے رواں پانیوں پر بنے دائرے کاٹتی

اسکے گرد و نواح میں رہی اور پھر بھی وہ پتھر نہیں چوم پائی

جسے اس نے دل کی جگہ گاڑھ رکھا تھا"

وہ ہچکیوں کی زد میں پاگلوں کی طرح ہنستی اٹھی اور وھاج سکندر کی نظروں سے چھپ جاتی سیاہ کونے میں جا سمٹی اور وھاج کے قدموں میں اتنی سکت نہ بچی کہ وہ اٹھ کر اس جگہ سے فرار کر جاتا۔

یہ قصہ یہیں سمیٹ لیا گیا تھا، وہ لڑکی تنہائی کی ہم نوا بن کر سزا یافتہ ہونے والی تھی اور وہ شخص!
اک روتی آنکھوں سے مسکراتی تصویر کے سہارے اپنی زندگی کے تلخ آیام کاٹنے والا تھا۔

"ناجانے زندگی کتنی طویل ہے لیکن اگلی سانس تک کا سفر ایک صدی پہ محیط ہے
ہمارے مرنے کے ساتھ یہ کہانی ختم نہیں ہو گی
ہماری داستان دوسری نسل تک سفر کرے گی" ..

منقول

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کس کے کہنے پر کر رہے ہو تم یہ جہاں داد؟ میں پوچھ رہا ہوں ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی ہمت بھی کیسے کی تم نے"

جب تک میکائیل اپنی ہر ممکنہ کوشش کیے جج صاحب سے قبل از وقت ملاقات کرنے میں کامیاب نہ ہوئے، انھیں سکون کیونکر آ سکتا تھا۔

جج کے مطابق تمام وہ جعلی ثبوت اور وفا کا اقرار نامہ ان سے پہلے ہی پہنچ چکا تھا، جس میں وفا نے بنا کسی دباو کے کاشان ہمانی کو جان سے مارنے کی نیت اور شوٹ کرنے کے گناہ کو تسلیم کیا تھا۔

عدالت میں فیصلہ ثبوتوں کے بل پر ہوتا تھا اور یہی نہیں وحید بخاری نے جھوٹی گواہی دلوانے والا ایک لکڑہارا بھی تلاش لیا تھا جسے انہوں نے رات وت
رات پانچ لاکھ کی کثیر رقم پہنچا کر گواہی کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔

ایسی جھوٹی گواہی دینے والوں کی ہمارے معاشرے میں کب کمی ہے، کچھ حرام کھانے کی لت سے مجبور ہو کر یہ گناہ کبیرہ کرتے ہیں اور کچھ مجبوری، افلاس اور بھوک کے باعث اپنی سچائیاں نیلام کر دیتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کی یہ ایسی برائیاں ہیں جو ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔

میکائیل کے پاس دو دن تھے، جج نے انھیں یہی کہا کہ اگر دو دن تک وہ جہاں داد کی اس جھوٹی ایف آئی آر کو ثابت کر دیں اگر تو نا صرف وفا کی سزا میں کمی ممکن ہے بلکہ جہاں داد پر بھی یوں انکوائری بیٹھائی جا سکتی تھی۔

میکائیل نے اپنی جانب سے جج کو یقین دلایا تھا کہ وہ دو دن تک جہاں داد کے جھوٹ کی ہر تفصیل انھیں پہنچائیں گے اور یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ ہیرنگ کا دن کچھ آگے بڑھا دیں۔

میکائیل رضوی جیسے بڑے آفیسر کی بات جج صاحبان نے باہمی مشاورت سے کنسیڈ کر لی اور یوں انھیں اس فساد کو بے نقاب کرنے کے لیے اگلے چار دن سونپ دیے۔

وہ جب تک وہاں سے فارغ ہوئے تھانے پہنچے، ہولناک سی رات کٹ چکی تھی اور ہلکی ہلکی سحر نے ہر سمت اپنی مدھم روشنی بکھیرنی شروع کر دی تھی۔

وہ اپنے آفس پہنچ کر فوری جہاں داد کو طلب کر چکے تھے اور اسکے علاوہ بھی پچھلے دو ہفتے سے اب تک جہاں داد کے متعلق تمام تفصیل بھی نکلوانے کا اپنے لوگوں کو کہہ دیا تھا جو خفیہ طریقے سے اپنے اپنے کام پر لگ چکے تھے۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا سر، یہ سب سچ ہے"

سپاٹ چہرہ لے کر میکائیل کے منہ پر جھوٹ بولتا وہ بے حسی کی انتہا کیے ہوئے تھا اور میکائیل رضوی کا بس نہ چلا وہ اس سوداگر کو کھڑے کھڑے شوٹ کر ڈالیں۔

"میں نے تمہیں ایک ایماندار قانون کا رکھوالا سمجھا تھا جہاں داد، لیکن تم نے اپنی زندگی کی ساری نیکیوں کو اس ایک گناہ سے خاکستر کر دیا۔ مجھے سچ بتا دو کہ یہ کھیل رچانے کا تمہیں کس نے کہا تھا۔ بتا دو اگر دیر کر دی تو شاید میں تمہارے بچاؤ کے لیے کچھ بھی نہ کر سکوں گا"

میکائیل رضوی کی کڑک آواز کی دمک اس پتھر بنے مردہ شخص کے ذہن میں ہتھوڑے سی برس رہی تھی لیکن وہ زمین پر نظر گاڑے قہرناک چپ میں مبتلا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا سر، یہ جو بھی ہو رہا ہے سچ ہے"

وہ اپنے موقف پر ڈھیٹائی سے جما تھا اور اس بار نہ صرف میکائیل رضوی غصے اور اشتعال کے سنگ اٹھ کھڑے ہوئے بلکہ روح فنا کرتی نظریں جہاں داد پر گاڑیں۔

"کاشان نے یہ ایف آئی آر نہیں کٹوائی جہاں داد، نہ ہی وہ گن اصلی ہے۔ گر وہ اصلی نہیں تو یقیناً وہ وفا یا کاشان میں سے کسی کے نام رجسٹر نہیں ہو گی۔ تم جانتے ہو ناں اس جھوٹ اور دھوکہ دہی کی تمہیں کتنے سال جیل ہو گی۔ جھوٹی ایف آر کاٹنے پر کونسی دفع لگے گی؟ اور کاشان ہمانی کے جھوٹے دستخط کرنے اور ایف آئی آر کو فعال بنانے کی گھٹیا حرکت کے بعد تمہیں کتنے لاکھ جرمانہ ہو گا"

میکائیل رضوی نے سخت لفظوں کے سنگ پھٹ پڑتے ہوئے پہلی بار کسی پر اپنا جلال اس بے رحمی سے نازل کیا کہ جہاں داد کو اپنی دکھ اور تکلیف سے بھری آنکھیں اٹھا کر اپنے مقابل کھڑے خود سے کئی درجے بڑے آفیسر کی غصے سے بھری عتاب زدہ آنکھیں دیکھنے میں اپنے حلق کو بار ہا تر کرنا پڑا۔

وہ ہنوز اسکی خاموشی پر اسے اچٹتی نگاہوں سے کرید رہے تھے جو اپنی بے رحمی سے خود بھی چیخ چکا تھا۔

"میں مجبور تھا بس اتنا بتا سکتا ہوں، لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ مجھے کس جذبے کے تحت یہ سفاکی کرنی پڑی۔ میں خود سے نظریں نہیں ملا پا رہا۔ میں جانتا تھا میرا یہ دھوکہ پکڑا جائے گا تب بھی میں نے یہ گری ہوئی حرکت

کی۔ لیکن وفا نے اپنا جرم قبول کر لیا ہے اس لیے اسے سزا ہو جائے گی۔ میرے ساتھ جو بھی کرنا ہے کریں لیکن میں اس کھیل کا سبب ہرگز نہیں بتا سکتا سر اور پلیز آپ مجھے اس کے لیے مجبور نہیں کریں گے "

پشیمانی اور دکھ سے بھری آواز میں وہ بنا میکائیل سے نظریں ملاتا آنکھوں میں کرچیاں سی سمیٹ کر پلٹ گیا لیکن میکائیل رضوی نے اسے نفرت سے دیکھتے ہی اپنا چہرہ پھیر لیا جیسے اس شخص کو دیکھنا بھی نہ چاہتے تھے۔

" تمہیں اپنی ایماندار، بہادر اور نڈر ٹیم کا حصہ کہتے شرم آرہی ہے مجھے جہاں داد، بہت برا کیا ہے تم نے۔ اور میری ایک بات کان کھول کے سن لو، یہ جس مردود کو تم چھپانے کی کوشش کر رہے ہو اسے ایک دن میں ہی بے نقاب کروں گا۔ نکل جاو یہاں سے، جب تک تم پر شروع ہوئی یہ انکوائری ختم نہیں ہوتی تم سسپینڈ ہو اور اس کیس کے ختم ہونے تک تم اپنے ہی گھر نظر بند رہو گے۔ گیٹ لاسٹ "

ناراضگی، تکلیف اور ملامت کے جذبوں سے بھرے ہوئے وہ جہاں داد سے اسکے سارے اختیارت پلوں میں چھین کر خالی ہاتھ کر گئے اور اس شخص کے پاس ضبط کرنے کے سوا بچا ہی کیا تھا، آنکھیں سرخی مائل یوں جیسے ابھی پھٹ پڑیں گی۔

وہ واپس پلٹا، اپنی گن اور بیلڈ اتار کر چبھتی خاموشی کے سنگ میکائیل رضوی کے رخ موڑ کر کھڑا ہونے پر نگاہ ڈالتا، میز پر رکھے واپس مڑا اور دلبرداشتہ سا تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا جبکہ اسکے جاتے ہی میکائیل نے نفرت بھری نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز کر دیں۔

وہ جانتے تھے ملی ہوئی مہلت میں اب کاشان کی سونپی امانت کو کیسے بچانا ہے، وفا کی سزا مکمل ختم نہ کر سکنے کی تکلیف انکو بھی تھی مگر وہ پوری کوشش کرنا چاہتے تھے کہ اس لڑکی کی سزا معمولی ترین کروا سکیں۔

وہاں اپنا کام اپنے لوگوں کو سونپتے جب تک وہ گھر آئے، صبح کے دس بج چکے تھے، رات میکائیل کے غیر خاضر ہونے کے زویا کو بہت پریشان کیا تھا۔

تبھی جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو زویا کا لپک کر بیقراری سے ان کے سینے سے لگ جانا، گویا پورے وجود میں اک سکون سرائیت کر گیا۔

وہ بھی اسکے گرد بازو حصارے، کچھ پل اس راحت کو محسوس کرتے رہے اور پھر زویا کو اپنے سحر طاری کرتے حصار سے نکالے روبرو لائے۔

دونوں ہتھیلوں سے زویا کا چہرہ جوڑے، جھک کر ماتھے پر نرم سی چاہت سونپی مگر اس کے بعد اپنے غائب ہونے کی وجہ بتا کر زویا کو بھی صدمے میں مبتلا کر دیا۔

"دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن میں یہ نہیں مان سکتی کہ کاشان اس عورت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے، ان دو کے رشتے میں سموئی ہوئی محبت مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے میکائیل۔ وہ میری تربیت ہے، جس نے خود پر ہوتے حملے کی سچائی مجھ تک سے چھپائی وہ مر کر بھی یہ حقیقت دنیا کے سامنے لا کر وفا کو بے آبرو نہیں کر سکتا۔۔۔۔"

میکائیل جب یہ بگھڑتے حالات تھانے سے واپس آ کر زویا کو بتا چکے تھے تو وہ بھی اس قیامت خیز سچائیوں پر تڑپ اٹھی، میکائیل نے اپنی سمت سے ہر کوشش کر لی تھی مکمل سزا معافی کی مگر وفا کے اعتراف جرم نے انکے ہاتھ اس سزا کو مکمل ختم کروانے کے سلسلے میں باندھ دیے تھے۔

وہ جہاں داد کو اس جھوٹے کیس کے لیے ہر گز معاف نہیں کر سکتے تھے، اس سزا کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا اب مگر یہ آسانی تو تب آتی جب وفا کسی کو اپنے لیے کچھ کرنے کی مہلت دیتی۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ کاشان نے ایسا کچھ نہیں کیا، پریشان نہ ہوں زویا۔ جہاں داد نے جھوٹی ایف آئی کاٹ کر سب ثبوت یہاں تک کہ گواہ بھی بے ایمان مہیا کیے ہیں۔ لیکن اسے اسکی تھوڑی سزا سسپینڈ کر کے دے

چکا ہوں۔ میں وفا کی سزا ختم کروانے کی پوری کوشش کروں گا بس آپ دعا کریں کہ اپنی اس ذمہ داری میں اللہ مجھے سرخرو کرے ورنہ میں کیا منہ دیکھاوں گا کاشان کو جس نے وفا کی حفاظت مجھ پر ڈالی تھی"

وہ زویا کی بے چینی بھانپتے، اسے تسلی کے ساتھ خوفزدہ ہوئے دعا کا کہتے کہتے بہت آزردہ ہو گئے اور زویا نے اپنے ہاتھ کی مرمریں ہتھیلی سے میکائیل رضوی کے چہرے کو چھوا۔

"ان شاء اللہ، وفا پریگنٹ بھی ہے میکائیل۔ پلیز اسے جیل سے نکال لیں۔ اسکی کوکھ میں کاشان ہمانی کا عکس پرورش پا رہا ہے۔۔۔۔ اور وہ خود کتنی تکلیف میں ہو گی۔ ہر کوئی میرے کاشان کو برا جان رہا ہو گا۔ پلیز جلدی کریں یہ مسئلہ حل۔۔۔۔ وفا بہت نازک سی ہے، اسے یا اسکے بچے کو زرا سی بھی آنچ آئی تو وہ جو وقتی طور پر قید کر دیا گیا ہے ناں، ساری زنجیریں توڑ کر اس پوری دنیا کو آگ لگا دے گا"

زویا کی آنکھوں میں خوف کی لہر پوری قوت سے بیدار تھی اور کاشان کے ذکر پر تو اسکی آنکھیں پہلے ہی نمی سے بھر گئیں۔

میکائیل نے اسے پھر سے اپنے سینے میں حلول کیے بھرپور تسلی سونپی لیکن وہ خود بھی اب پریشان تھے، دن کم تھے اور سچائیاں سامنے لانا بہت وقت طلب فعل۔

وہ پگلی روتی ہوئی بس کاشان ہمانی کی عافیت مانگ رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی اس وقت کاشان موت سے برتر اذیت ناک کیفیت میں مبتلا ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اقراء اگلی صبح ہی ہوسپٹل سے ڈسچارج ہو چکی تھی اور اسکے واپس لوٹ آنے نے سلمان احمد اور عفیفیہ خانم کے ساتھ ساتھ اس سہمی، ننھی، مرجھائی ہوئی شکران کو بھی زندگی تھما دی۔

وہ شکران جس نے اپنے چھوٹے سے ذہن میں بہت ناگہانی دکھ بسا لیے تھے، مانوس تھی تو آقراء نور سے جو اسے اس بھری سفاک دنیا میں مہربانی کا سمندر محسوس ہوئی۔

خود عفیفہ خانم اور سلمان صاحب نے محسوس کیا کہ آقراء نور کے اندر اس عارضہ قلب کے شدید جھٹکے کے بعد سے بہتری اتر آئی ہو، اور عفیفہ خانم کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی، بھلے اقراء نور کو بنا بتائے سہی لیکن انہوں نے اس بچی کی زندگی بچا لی تھی۔

شکران بھی اتنے دن بعد ان سب کے دیے وقتی سہارے سے بظاہر تو بہل جاتی معلوم ہو رہی تھی مگر کون ایسا تھا جو اس ٹوٹی ہوئی شکران کے اندر جھانک پاتا۔

جس کے دماغ میں اپنے باپ کے لیے، قاتل، زانی اور درندے کے شبد، پتھر کی لکیر سے تحریر ہو چکے تھے۔
ایسے میں وہ کھلکھلاتی ہوئی زندگی کے مزے کیونکر لیتی، جس نے نانا، نانی، ماں اور خود اپنی موت، جیتی جاگتی کیفیت میں دیکھی تھی۔

وہ بولتی نہیں تھی لیکن اس نے آقراء نور کی مسکراہٹ کے بدلے آج کے اس مبارک دن کئی بار مسکراہٹ دی تھی۔

سلمان احمد اور عفیفہ خانم نے شکرانے کے نفل ادا کیے اپنی امانتوں کے محفوظ ہونے کا شکر بجا لایا۔

وہیں اپنی زندان جیسی ذات میں مقید ہو کر جس طرح ابدال نے یہ رات کاٹی تھی وہ صرف وہی جانتا تھا۔

وہ وفا سے مل کر اسے حوصلہ دینا چاہتا تھا مگر وفا نے کسی سے بھی ملنے سے صاف صاف انکار کر دیا۔

تبھی ہلال ہی اسے لے کر سلمان احمد کے گھر چلا آیا تھا۔

اقراء نور کے گھر بخیر و عافیت سے واپس آنے کی خبر اسے سلمان بابا سے ہی ملی اور وھاج نے بھی اسے اور ابدال کو اقراء کی خبر پرسی کے لیے جانے کی تاکید کی خود وہ نہال، عون کے ساتھ میکائیل سے ملنے نکلا تھا۔

وہ سب مل کر وفا کی سزا ختم کروانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع ہو چکے تھے۔

ابدال اور ہلال کی آمد کا سن کر وہ دونوں بزرگ جہاں خوشی سے بھر گئے وہیں ان دو کی ملاقات، اقراء نور کی منہ بھولی بہن شکران سے ہوئی۔

یہ ایک نیا سفر تھا، شکران کے حوالے سے ابدال اور ہلال کے ذہن میں کئی سوالات تھے جنکا اقراء نے اپنی طرف سے ہر ممکنہ تسلی بخش جواب بھی دیا۔

وہ سیاہ آنکھوں والی، پیاری سی شکران ڈری سہمی، لوگوں سے گھبرانے والی، نئے چہروں سے خوف کھانے والی کب جان سکتی تھی کہ اسکے مقدر میں یہ ملاقات بہت ضروری کیے درج کی گئی تھی۔

شاید اسکی سہمی آنکھوں میں پورے شوق سے جھانکنے والے کسی بہت خاص تک یہ ملاقات رسائی لیے آسمان سے زمین پر اتری تھی۔

اس عمر کی کشش جسکا ہر جوانی کی سیج چڑھتا جوان شکار ہوا کرتا ہے، بہت تیز اور پھرتیلی ہوتی ہے۔

شاید شکران کی قسمت بھی اسے کسی مقصد سے ہی ان سب تک لائی ہو۔

ابدال نے وفا کے متعلق ساری تفصیل جب اقراء کو بتائی تو وہ بھی اس سب سے دہل اٹھی تھی، محبوب کا محبوب کتنا پیارا ہوتا ہے یہ صرف عشق زدہ ہی جان سکتے ہیں۔

وہ وھاج کی مشکل کے آسان ہونے، وفا کی تکلیف کے ختم ہونے کی ساتھ ساتھ دعا گو تھی۔

اپنا ہر درد بھلائے اس نے ہاتھ اٹھا کر ان دو کی آزمائشوں کے ختم ہونے کی التجاء رب دو جہاں کے سامنے رکھ چھوڑی تھی۔

وہ دو زیادہ دیر رک نہ سکے تھے اور واپس چلے آئے۔

ویران سڑک پر ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے گم صم اور خاموش!

"مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اقراء نور اور وہ شکران دونوں ہی ان بزرگوں کی منہ بھولی بیٹیاں ہیں۔ کیا یہ بھی اقراء نور کا ایک دکھ ہو گا ہلال"

وہ چلتے چلتے لمحہ بھر رک کر مڑا اور زمین پر پڑے لاتعداد پتھروں کو ٹھوکر مارنے کا شغل فرماتے ہلال صاحب نے چہرے پر مسکینی سی سمیٹ لائی۔

"کیا پتا یار، سوچ اگر تجھے یا مجھے یہ پتا چلے کہ ہم اپنے ماں باپ کے منہ بھولے ہیں۔۔۔ میرا تو رو رو کر برا حال ہو جائے قسم سے۔ اماں اور لالہ کے بنا رہنا یا انکو پرایا سمجھنے کی یہ کیفیت ہی بڑی بری ہے یار۔ یقیناً ان دو لڑکیوں کو بھی دکھ لاحق ہو گا۔

کیا پتا انکے گھر والے کہاں گئے، کیا کہانی رہی ہو گی۔

مجھے تو ڈر لگ رہا تھا"

ہلال نے اپنی عقل کے مطابق ابدال کی الجھن کا حل تو پیش کیا لیکن ابدال مصطفی بس اک سرد سی سانس کھینچتا رہ گیا۔

"ہنہ۔۔۔ اور مجھے دیکھ۔ میرا دل کرتا ہے کاش میں نہال اور ہادیہ کے گھر پیدا نہ ہوتا۔ کسی جھونپڑی والے کے گھر چلا جاتا۔ مجھے کیا دیا نہال بخاری نے ہلال سکندر! ایک ہی وفا تھی جسے سب سے زیادہ پیار کرتا تھا اسے بھی برباد کر کے رکھ دیا۔ جب جب وفا کی اذیت دیکھوں گا، میرے نہال بخاری کی جانب بڑھائے قدم پیچھے ہٹنے لگیں گے۔ عناب کا خیال مجھے روک لیتا ہے، ورنہ میں اس شخص کو جنجھوڑ ڈالنا چاہتا ہوں۔"

کل کی گزری قیامت ابدال پر اپنی تباہ کاریوں کا گہرا اثر چھوڑ چکی تھی اور اسکی اس بے مراد کیفیت پر ہلال بھی افسردہ ہوئے اسکے ساتھ جا لپٹا۔

"یار بڑے اپنی طرف سے یقینا بہتر ہی سوچتے ہیں، یہ تو اللہ کے کام ہیں کہ وہ کس کے نصیب میں کیسا سکھ اور کیسی آزمائش لکھ دے۔ کسی اور کی وجہ سے اپنے سکون کو غارت نہ کر یار، میں نے دیکھا ہے نہال انکل اب بہت بدل گئے۔ وفا باجی والا سانحہ انکو چکنا چور کرنے کو کافی ہے، تو اب مزید کوئی بے رحمی مت کرنا۔ سب اللہ پر چھوڑ دے۔ وفا باجی کے لیے بھی اللہ نے بہترین سوچا ہوگا"

ہلال اسے ہر ممکنہ غصے سے نکالنے کی سعی میں سمجھانے لگا مگر ابدال کو خود پر اور ان حالات پر فقط افسوس ہو رہا تھا۔

"تو سمجھ نہیں رہا ہلال میری اصل مشکل، وفا اکیلی ہو گئیں ہیں اور محبوب کے بعد صرف وہی شخص بہترین ہوا کرتا ہے جو آپ سے محبت کرتا ہو۔ اب مجھے یہ بتا کہ میں نور حیات کی خوبصورت آنکھوں میں وھاج لالہ کے سجے خواب کیسے باہر نکالوں۔ کیونکہ دنیا جہاں سے افضل آج بھی مجھے میری وفا ہیں۔ وھاج لالہ بہت مشکل سے اپنی زندگی میں آگے بڑھے تھے، پیچھے ہٹ کر وہ کسے سمیٹیں گے اور کسے بکھرا رہنے دیں گے"

ہلال نے ابدال کی دم دیتی سی کیفیت میں مبتلا ہوئے یہ سب کہنے پر جھرجھری لی، وہ کتنی دیر تک سن رہا۔ یہ سب وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، وہ ابدال کی حساسیت پر بل کھا کر رہ چکا تھا۔

"یہ تو بہت مسئلہ ہو گیا ابدال"

ہلال کی رنگت زرد ہوئیں آواز صدمے سے پھٹ گئی۔

"ہمم۔۔۔ وفا کے بعد مجھے جو ہستی معتبر لگی وہ نور حیات ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں وھاج لالہ کی اس آزمائش پر افسردہ ہوں۔ بس دعا کر کے کوئی کہرام نہ مچے، ورنہ ہر شے نیست و نابود ہو جائے گی"

ابدال کی آنکھیں، بہت دور تک تکتی ہوئیں آزردہ تھیں وہیں ہلال پر بھی اداسی کا نزول ہو چکا تھا۔
وہ پھر سے چل پڑے تھے، بنا کسی منزل پر پہنچنے کا ارادہ باندھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہانگ کانگ میں تعمیر کی گئی یہ بلند و بالا فینسی رینا نامی عمارت تھی جس کے اندر گھما گھمی کا دور دورہ تھا۔
کئی امیر کبیر معززین افراد، تھری پیس ڈنر سوٹوں میں عمدہ لوازمات زیب تن کیے خوش گپیوں میں مصروف دیکھائی دے رہے تھے، وہیں اعلی پائے کے موسیقار اور گلوگار، پیانو اور ستار پر مدھر دھنیں چھیڑے اک خوابناک سی روح پرور کیفیت طاری کرنے میں پیش پیش تھے۔
کئی اپر کلاس سے تعلق رکھتیں شوخ، سوبر، اور خوش رو دیکھائی دیتی خواتین بھی مہنگے کپڑوں اور برانڈڈ جوتوں کے سنگ سجی سنوری ہوئیں گروپس بنائے کھڑی تھیں۔
پورا 'فینسی رینا' ہال رنگ برنگی روشنیوں سے نہایا ہوا تھا، اردگرد سنیکس سے سجی ٹرے لے کر گھومتے ویٹرز رک کر باادب ہوئے مہمانوں کو سرو کر رہے تھے، موسم بہار کے گزرتے ہی موسم بھی کچھ نخریلا تھا تبھی اتنے لوگوں کی خبس اس ائیر کنڈیشنر ہال نے جذب کر لی تھی۔
"تم جانتی ہو کہ آج یہاں فینس ریسلر (wrestler) کاشان ہمانی بھی اس مارکٹنگ کمپین میں ایز آ برینڈ ایمبیسڈر شرکت کرنے والے ہیں، آدھی سے زیادہ عوام تو انکی ایک جھلک دیکھنے آئی ہے"

کسی چھکتے نسوانی وجود نے اپنے سامنے کھڑی دوسری بے باک حسینہ کو مخاطب کیا تھا جو بیک وقت کسی سحر طاری کرتے سراپے کو تکتی مڑیں جو اس رنگارنگ تقریب میں آئی نامور ہستیوں سے پروفیشنلی ملاقات کر رہا تھا۔

اسی طرح باقی سب حسین وفطین ماہ جبینوں کی نظریں، محفل کی جان پر جاکر ٹھہری ہوئی تھیں۔

یہاں کے چیف ایگزیکٹو مسٹر منیر اکبر اپنے سب سے ہونہار ساتھی کو بھی اپنے سرکل سے ملوانے کے لیے یہ جشن ضروری جانتے تھے۔

اس وقت وہاں اٹلی، ہانگ کانگ، جرمنی، سویڈن، چائنا، اور سڈنی سے آئے انکے ٹیم ممبرز بھی محفل کا حصہ تھے جو کاشان ہمانی کی پرسحر اور باوقار پرسنالٹی کے سامنے خوامخواہ اور بونے معلوم ہو رہے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ اپنی بربادی اور اجڑ جانے کا ماتم خود پر سے مکمل اتارے نئی طرح دنیا کے اس نئے سورج سا چمک اٹھا تھا اور اسے دیکھنے والی آنکھ بلکل چاند کو تکتے حسرت کے مارے کی آنکھ سی تھی۔

جو اسے چھونے کی حسرت میں آہیں بھرتا ہو لیکن کون جانتا تھا کہ اس چاند کو چھونے والے ہاتھ جل کر کلائیوں سے کٹ گرتے ہیں۔

وہ وقت کا سکندر بنا اپنے نئے روپ میں سامنے آچکا تھا۔

"آج سے مسٹر کاشان ہی ہمارے تمام انٹرنیشنل برینڈز کی پبلسٹی کریں گے، دنیا بھر میں اپنے ٹیلنٹ کا لوہا منوانے والے ہونہار کھلاڑی، ہماری تمام پراپرٹی کے معاملات کے ساتھ ساتھ درآمدات اور برآمدات کا نیٹ ورک بھی سنبھالیں گے۔ یہی نہیں بلکہ محترم کاشان ہمانی اب سے ہمارے لیے سیٹھ کاشان ہمانی کہلائیں گے۔ ہمیں خوشی ہے سیٹھ صاحب کہ آپ نے ہمارے ساتھ اس شراکت کی ہامی بھرے اپنے ساتھ کام کرنے کا موقع دیا۔ دنیا آپکی مداح ہے اور ہماری دعا ہے آپکی یہ شہرہ آفاق کامیابیاں یونہی جاری رہیں"

وہ دیسی وضع والا شخص، کاشان ہمانی کے اعزاز میں یہ چند استقبالی جملے ادا کرتا مشکور و ممنون ہوئے اس سے ہاتھ ملا کر خوش دلی سے بولا وہیں پورے ہال میں تالیوں کی پرتپاک گونج سے گویا فینسی رینا ہال تھرا اٹھا۔

یہ عزت اور اعزاز کا تسلسل برقرار ہو چکا تھا جسکو کئی سال تک پھندے کی طرح کاشان ہمانی کی گردن پر منجمد رہنا تھا۔

بظاہر وہ ان سب کے سامنے کسی بادشاہ وقت سا دیکھایا گیا ہو لیکن حقیقت جانتے ہیں کیا تھی؟

حقیقت یہ تھی کہ کاشان ہمانی کو قطرہ قطرہ موت دی جارہی تھی، زرا زرا کر کے نوچا جارہا تھا۔

وہ ان دل لبھاتی حسیناؤں، رشک اور حسرت سے اپنی جانب تکتے بڑے بڑے کاروباریوں کو حقارت سے دیکھ رہا تھا، ان سب کے چہرے بگھڑ کر کاشان ہمانی کو خوفزدہ کر رہے تھے۔

اسکا دل ان سب کی شکلیں دیکھ کر اوب رہا تھا، اسے زندہ لاشوں کے یہ سارے سوداگر کپکپا رہے تھے۔

یکدم ہی اسے ان ساری روشینوں کے برعکس وہاں جگہ جگہ جلتی، شعلے لپکاتی آگ دیکھائی دینے لگی۔

اسے لگا جیسے وہ ہر انسان منہ سے آگ نگلنے والا ڈریگن اور زندہ اسے نوچ لینے والا آدم خور بن گیا ہے۔

وہ وہاں سے نکلتے ہی بھاگنے لگا، اندھا دھند۔

اسے بری بری آوازیں اپنے پیچھے آتی سنائی دے رہی تھیں۔

اسے دانت نکوس کر غراتے مرداروں کی غڑگڑاہٹ لرزا رہی تھی لیکن وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا، اور شاید اسکی یہ دوڑ اب کبھی نہ رکنے والی تھی۔

"مجھ سے وہاں ملو

جہاں ہر لمحے ٹھاٹھیں مارتا سمندر

اور خاموش ساحل ملتے ہیں"

اسے بھری دنیا میں تنہا کر دیا گیا تھا، اسکا مرہم بھی اذیت میں تھا، وہ بھاگتا ہوا اسے پکار رہا تھا۔

"مجھ سے وہاں ملو

جہاں سارے دن کی تھکن

رات کے سکون میں اترتی ہے

مجھ سے وہاں ملو

جہاں گھونسلوں سے اڑے ہوئے پرندے

اپنے بچوں سے یا

اپنے ساتھی سے ملنے پہنچ جاتے ہیں

مجھ سے وہاں ملو

جہاں تتلی پھول سے ملتی ہے

خوشبو پھول میں رہ جاتی ہے

اور رنگ تتلی لے اڑتی ہے

مجھے سے وہاں ملو

جہاں وباؤں کے دنوں میں

کوئی کسی سے نہیں ملتا

جہاں زندگی موت سے ملتی ہے!

مجھ سے وہاں ملو"

کاشان ہمانی کا سفر تھم چکا تھا، آنکھوں کے آگے آتی دھندلاہٹ کے باعث وہ وہیں گر پڑا۔

اور اس ویرانے میں اسے بچانے کون آتا؟

ویرانہ تو اسکی ذات کا تھا، اور وہ اپنی ذات کے اندر بنی قبر میں اوندھے منہ گرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ آپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہی ہے۔

اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، ارٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو

ابھی وٹس اپ کریں۔

knofficial9@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔

Fb/Pg/Kitab Nagri

knofficial9@gmail.com

whatsapp _ 0335 7500595

"تم نے جو جوا کھیلا ہے اس میں جان بھی جائے گی، کہیں تم پیچھے ہٹنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے"

یہ ایک سیاہی میں ڈوبا ہوا تاریک کمرہ تھا جس میں بس ایک گول میز اور اسکے آر پار دو ہی کرسیاں دھری تھیں اور ان دونوں پر ایک ایک سیاہ ہیولے میں جذب وجود براجمان تھا۔

لکڑی کی ٹوٹی کھڑکی سے اس پار آتی روشنی کی درز نے کچھ ہیولے واضح کر دیے تھے ورنہ وہاں کچھ دیکھ پانا جان جوکھم کا کام تھا۔

وہ شخص شاید اسے حراساں کرنے کا طلب گار تھا لیکن سامنے بیٹھے آدمی کے چہرے پر استہزاء بکھر چکا تھا۔

"وہ تو ایک دن سبھی کی جاتی ہے، لیکن میں اپنا مقصد پورا کیے بنا نہیں مروں گا۔ بہت بڑی جنگ لڑی ہے تب جا کر یہ مقام پا سکا ہوں۔ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر پیچھے دیکھنا تک ناممکن ہے۔ میں اسے جیتنے نہیں دوں گا، میں اسکی رگوں میں زہر کی مانند اتر جاؤں گا۔ کسی کو خبر تک نہ ہو گی کہ کونسی قیامت ٹوٹی ہے"

وہ آواز یوں تھی جیسے کوئی اجنبی نہیں لیکن اس آواز کو جان بوجھ کر موٹا کر کے نکالا جا رہا تھا اور اس سامنے بیٹھے شخص نے اس من پسند عہد پر اپنے قریب ہی کرسی کے ساتھ رکھا بریف کیس اٹھا کر میز پر رکھا اور اس سیاہ ہیولے کی طرح چھپے آدمی کے آگے سرکایا جسے دیکھ کر اس آدمی کی بھیانک آنکھیں مزید خباثت اور لالچ سے چمک اٹھیں۔

"تم بے نقاب ہوئے تو سمجھ جانا کہ اب تک تمہیں دیا اک اک پیسہ تمہاری سات نسلوں تک سے وصول کیا جائے گا، تم جانتے ہو ہماری ڈکشنری میں رحم جیسا کوئی لفظ درج نہیں ہے۔ وہ کاشان ہمانی تمہارے ہر راز سے واقف ہو چکا ہے اسکا شک ہے ہمیں اس لیے اسے کیسے اپنی انگلیوں پر نچا سکتے ہو یہ تم سوچو۔ اسکی کوئی بہترین کمزوری لو اور ہمارے مقصد کی تکمیل تک باندھے رکھو۔ انعام کی فکر مت کرنا، اگلی بار تمہاری سوچ سے زیادہ پیسہ تمہارے پاس پہنچے گا۔"

وہ آدمی حکم سناتا، وہ پیسوں سے بھرا بیگ اس آدمی کے سپرد کیے لہو چھلکاتی آنکھیں نکالے اٹھا اور پلٹ گیا اور اس آدمی کے وہاں سے باہر نکلتے ہی اس تاریک بند کمرے میں کسی کا نجس اور گندا قہقہہ پوری آب و تاب سے کھنکا تھا۔

یہاں تک کہ وہ شخص ہنس ہنس کر بے دم ہو گیا اور پھر وہی اسکی دل دہلا دیتی بھیانک آنکھیں جیسے وہ کوئی چیڑ پھاڑ دینے والا درندہ ہو۔

"اسکی کمزوری تو کب سے میرے ہاتھ میں ہے، ہاہاہا بچارا کاشان ہمانی۔۔۔۔ اوپس۔۔۔بچارا دی گریٹ، ریسلنگ چیمپئین، سیٹھ کاشان ہمانی۔۔۔۔۔۔ ہاہاہا"

وہ نفرت اور کینہ توزی کے سنگ بے ڈھنگا ہنستا دھاڑا؛ اسکے اندر کا شر جاگ چکا تھا، قیامت اپنے مرکز پر تیاری کے مراحل میں جا چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میری جان! اداس کیوں ہو رہی ہو۔ بات ہوئی ہے ہماری ڈی آئی جی سر سے۔ جہاں داد کی ساری دھوکہ دہی سامنے آچکی ہے۔ اگر وہ بابا کے دوست نہ ہوتے یا مجھ سے عمر میں بڑے نہ ہوتے تو قسم سے انکی جان وہیں کھڑے کھڑے نکال دیتا"

عون جب سے میکائیل سے مل کر اور حقائق جان کر آیا تھا اسکی ٹوٹی بکھری حالت سنبھل گئی تھی یہاں تک کہ وہ اداس اور ویران سی منیہا کو بھی تسلی سونپ رہا تھا لیکن صبح سے وہ بہت زیادہ پریشان رہی تھی، رات عون کے گھر نہ آنے پر الگ رنجیدہ تھی اور اب اسکے پاس بیٹھی، اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے آنسو بہا رہی تھی۔

"مطلب کاشان بے قصور ہے، وفا کو بتایا آپ نے"

یہ سب منیہا کو بھی رونا روک کر حیران و پریشان ہونے لر مجبور کر گیا مگر اسکے استفسار پر عون نے خاموشی اختیار کر لی۔

ذہن کی سکرین پر میکائیل سے ہوتی ملاقات چلنے لگی۔

"تم نے میرا پردہ رکھا تھا عون بخاری اور ایک بار پھر تمہیں یہ ساری سچائیاں صرف خود تک رکھنی ہوں گی۔ کیونکہ ہم سبکی سوچ سے کہیں بڑا طوفان ہم سبکی تاک میں چھپا ہے۔ تم سمجھ گئے ہو ناں"

میکائیل کی نصیحت یاد آنے پر عون نے خود کو ملامت کیے ساری توجہ منیہا پر ڈالے اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے لبوں سے لگائے۔

"منیہا یہ بات ہم دو تک رہے گی، وقت آنے پر یہ سبکو پتا چل جائے گا۔ یہ سچ ہے کہ کاشان بے قصور ہے اور اگر ہم نے یہ بات پھیلا دی تو ہم اصل قصوروار کو کبھی نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔ ٹھیک ہے ناں۔ اور وفا کو بتانے کی آئی تھنک مجھے ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس دیوانی نے مجھے کاشان کے خلاف اک حرف بولنے نہیں دیا تھا۔ تم سمجھ گئی ہو ناں"

عون اسے پیار سے سمجھائے مزید فکرمند کر گیا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا تو گئی مگر پھر سہم کر اپنا چہرہ عون کے سینے میں چھپا لیا۔

وہ سبھی کا دکھ ایک ساتھ محسوس کیے ہلکان تھی اور عون نے نرمی کے سنگ منیہا کے بالوں کو سہلائے سر چوما تو اک مسکراہٹ سی دونوں کے چہروں پر اتر آئی۔

"میں سب سمجھ گئی، عون مجھے کچھ بتانا تھا آپکو۔۔۔۔"

کچھ دیر عون کے سینے سے لگے رہنے کے بعد وہ تھوڑی جھجکتی ہوئی عون کے روبرو ہوئی جو اب بھرپور محبت کے سنگ ایک بار پھر منیہا کو اپنے حصار میں مقید کرتا خمار آلود نظروں سے منیہا کی تھرتھراتی پلکیں تکنے لگا۔

"بتایئے مسز عون بخاری"!

عون کی جان نکالتی نظروں کا بدلتا مفہوم سمجھتی وہ متذبذب سی ہوئی اور پھر سے کسی احساس کے تحت نظر جھکالی۔

"ایکچولی کل میں نے دن کے وقت یونہی یوٹیوب دیکھتے ہوئے ایک وڈیو دیکھی تھی جو تھوڑی عجیب سی تھی، تو میں نے ان سائنز کو دیکھ کر اس میں دیکھائی گئی وہ مشین کل مارکٹ سے خرید لی تھی۔وہ آپکو لنک دوں کیا اس وڈیو کا؟"

منیہا سے بات کرنا اور مسلسل عون کو دیکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور عون اسکی بات سمجھ نہیں پایا لیکن اسے مضبوطی کے سنگ اپنے قریب تر قید کرتے اسکی جان ضرور مشکل میں ڈال گیا۔

"کیا بول رہی ہو یار، کونسی وڈیو! کونسی مشین خرید لی یار۔۔۔اور کیسے سائنز۔۔۔۔؟"

عون الٹا اسکی دور ہونے کی حرکت پر جنجھلا کر بڑبڑایا تو منیہا افسردہ ہوئی مگر خود ہی عون نے اسے حصار سے آزاد کیے منیہا ہی کا کچھ پاس ہی بیڈ پر پڑا فون اٹھایا اور یوٹیوب اوپن کی۔

منیہا کا دل پوری رفتار سے دھڑکنے لگا اور مدھم سی مسکراہٹ اور سٹپٹائی سی کیفیت میں وہ عون کو دیکھنے لگی جو لائکڈ وڈیوز میں جا کر بڑی سنجیدگی سے وہ وڈیو اوپن کر چکا تھا مگر اس وڈیو کو دیکھتے ہی عون نے کرنٹ کھائے منیہا کی مسکراہٹ اور گھبراہٹ دبا کر تکتی شرارتی آنکھیں دیکھیں۔

وہ پریگنیسی سائنز والی ایک کمپلیٹ انفار میٹیو وڈیو تھی اور میڈم نے اسے چیک کرنے والی سٹرپ کو مشین بنائے گویا عون بخاری کو ہنسی کا اٹیک دے ڈالا۔

پورے کمرے میں عون کی ہنسی گونج اٹھی تھی۔

منیہا کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔

"ویٹ آ منٹ؟ ڈونٹ ٹیل می کہ تم یہ سارے سائنز فیل کر رہی ہو؟ خود ہی یہ ٹیسٹ بھی کر چکی ہو؟۔۔۔۔منیہا"!

ہنسی ختم کرتے ہی وہ فون اک طرف رکھے نہ صرف خود بے قراری سے اٹھا بلکہ جھٹکے سے منیہا کو بھی ہاتھوں سے پکڑے اٹھائے بے یقینی سے بولا اور آخری سوال پر تو خود عون کی دھڑکن تھمی ہوئی تھی۔

"وہ۔۔۔۔مجھے تو اسی دن سے یہ سب فیل ہو رہا تھا عون۔۔۔ آپ کو بتانے کا موقع ملتا تو بتاتی۔۔۔۔پھر میرا دماغ کام کیا اور میں نے سوشل میڈیا سے مدد لیے اپنا شک دور کر لیا"

آنکھوں میں حیا کی زیادتی بھرے وہ جس طرح جھجک کر بولی اس کی دلکشی اک جانب مگر اسکے آخری جملے پر عون نے اسے شانوں سے تھامے روبرو کرتے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

منیہا کے دل کی دھک دھک گویا کہرام مچائے اس کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگی تھی۔

"مطلب! دور کر لیا کیا۔۔۔۔"

عون اسکی سسپینس دے دے کر مارنے والی اس حرکت پر سہا اور پھر وہ مسکراتی ہوئی شرمائی۔

"اس پر دو لائنز آئی تھیں عون"

چہرے پر زندگی جیسی شرمگیں خوشی سجائے وہ ہونق بنے عون کو جو کہہ بیٹھی اس پر پہلے تو عون کو لگا اسنے کچھ غلط سنا ہے اور پھر جب منیہا کی اس بات کا مفہوم سمجھا تو خوشی کے مارے منیہا کو گلے لگا تا قہقہہ لگائے ہنسا۔

خود منیہا عون کی خوشی اور ایکسائٹمنٹ پر ہنس دی۔

"اومائی گارڈ، ان بلیوایبل۔۔۔۔ دو مطلب پازیٹو۔۔۔۔ فوراً سے ریڈی ہو ہم ڈاکٹر کو دیکھانے چل رہے ہیں۔ میں یہ حسین سی خوشی پوری تسلی کے بعد سیلیبریٹ کرنا چاہتا ہوں اوہ میری جان میرے دل کی دنیا تم نے تو یہ خبر دے کر مجھے خوشی سے بھر دیا ہے۔۔۔۔ آئی لویو میرا سکون"

وہ اسے خود میں بھینچ لیتا، کبھی اسکی سرخی سے دہک جاتیں رخسار کبھی بخت ور پیشانی تو کبھی مقدر والی ہتھیلیاں چومتا گویا باولا ہو گیا تھا اور منیہا کے اندر تو پہلے ہی خوشیوں اور راحتوں کا قافلہ آن اترا تھا۔

عون اسے اسی وقت ساتھ لے گیا تھا، اسکی سپیشل ڈاکٹر نے منیہا کا مکمل چیک آپ کیا اور عون بخاری کے اس سکھ کی تصدیق کر دی۔

مشکلات کے سنگین آغاز کے ساتھ اللہ نے اسے اولاد کی یہ خوشی دے کر یقیناً باپ اور اولاد کی کشش کا ادراک کروایا تھا۔

کیونکہ عنقریب اسے بہت بڑی قیامت بھی دیکھنی تھی۔

گھر آکر بھی اس نے یہ خبر جب سب کو سنائی تو دکھوں کے پہاڑ کے ہمراہ ملتی یہ آسانی گویا بخاری ولا میں زندگی کی امید لائی تھی۔

عون بخاری کو اللہ نے اتنی بڑی خوشی سے نواز کر ہمت سونپی تھی، کبھی کبھی وہ اللہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی کبھی لے کر۔

وہیں دوسری سمت پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے مہکار کے قدموں نے مزید چلنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس شہر کی آب و ہوا میں اسے فارس شاہ کا لمس محسوس ہوا تو اسکی جلتی، حلقوں کی زد میں آئی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ایزل اسکے ہمراہ ہی پاکستان آئی تھی، مہکار کو فارس شاہ کو سونپنے کے بعد اسے کاشان ہمانی کی نئی دنیا میں لوٹ جانا تھا۔

ائیر پورٹ سے فارس شاہ کے پہاڑوں پر بنے گھر تک کا سفر مہکار نے اذیتوں اور سسکیوں کو گھونٹ کر طے کیا تھا، اور اسکے ہمراہ چلی آتی، اس کے بظاہر قریب بیٹھی ایزل مہران، اس عورت کے ہر درد، ہر ہچکی، ہر اذیت سے کوسوں دور آباد تھی۔

اسے پرواہ تھی تو بس اپنے حاکم کی، کاشان ہمانی اب سے ایزل مہران کا حاکم ہی تو تھا۔

فارس شاہ، زندگی اور موت کے ہر زائقے سے کٹ کر اپنے صحن کے ویران اور تنہا کونے میں شام کی وقت بیٹھا، حقیقتوں کی تابناکی دیکھتا ہوا خواب کی طرح کی کسی کیفیت کے اس پار آباد تھا۔

جب اسے محسوس ہوا کہ دل کے نہاں خانے میں دھری چنگاری پھڑک اٹھی ہو۔

وہ دیوانہ وار اٹھ کر پلٹا تو اسکی سانس نے رک کر، سہم کر، دنگ ہو کر وہ خوشبو محسوس کی۔

ان سرخ سوجھی، بے مراد آکھیوں نے وہ بے نور، حلقوں والی آنکھیں دریافت کرلیں جو اسکے چہرے کی اور تکتیں، کسی ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح پھٹ کر بہہ جانے والی تھی۔

کیا یہ وہی عورت تھی؟

فارس شاہ کے دل کو دھکا لگا، ایزل مہران تو وہیں رک گئی تھی، زینے چڑھ کر وہ فارس شاہ کے گھر کی سب سے اونچی بالکونی پر جا پہنچی، مبہوت ہو کر نگاہوں کے روبرو بلند و بالا شام کے قہر میں ڈوبے پہاڑ دیکھنے لگی اور اسکی عین نظروں تلے وہ دو ویران وجود ایک دوسرے کی جانب تاسف، حسرت اور تکان سے تکتے منجمد ہو چکے تھے۔

"مجھے اپنے نام کا حصار واپس کر دو فارس شاہ! میں تم سے چند لمحوں کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں"

وہ روتی سسکتی ہوئی فارس شاہ کے قدموں میں جا گری، اسکا ہاتھ عقیدت سے تھام کر پھوٹ پھوٹ کر سسکنے لگی اور فارس شاہ کو لگا آسمان کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔

اسے لگا اسکے وجود کا ہر ریشہ، ہوا میں معلق ہو گیا ہو، شام کی سردبیری ہوا جسم کے پار جنجر سی ہو رہی تھی۔

اسکے ذہن و دل پر مہکار کی سسکیاں ہتھوڑے کی مانند اتر رہی تھیں، مہکار کی اذیت اور جان کنی کسی کوڑے کی طرح فارس شاہ کے وجود پر برس رہی تھی۔

"میں اس دنیا بھر میں کسی کے لائق نہیں تھی، مجھے لگتا تھا ہر کسی کی حسرت ہے مہکار۔ مگر تمہارے در سے ٹھکرائی یہ عورت تم سے دور اک کمین گاہ میں رہی ہے، جہاں مجھے تم سے بچھڑنے کا گناہ کسی بدکاری کے بہتان کی طرح سہنا پڑا۔ مجھے ایک لمحہ دے دو واپس کہ میں تمہارے عکس کو عقیدت سے چھو سکوں، تمہارے دل کی دھڑکن کو اپنے وجود کے اندر اتر کر چند سانسیں بھرتا محسوس کر سکوں"

وہ آہیں بھرتی، سسکتی، چینختی چلاتی گریہ وزاری کرتی بلک بلک کر فارس شاہ سے چند لمحے مانگ رہی تھی، وہ مکمل طور پر کپکپاتی ہوئی فارس شاہ کی محبت بہاتی نظروں میں زندہ ہو گئی تھی۔

اور بالکونی میں کھڑی ہیزل مہران نے اک دھیمی سی مسکراہٹ تب دی جب اس پور پور سسکتی، بلکتی، کرب سے جان ہارتی مہکار کو فارس شاہ نے شانوں سے تھام کر کھڑا کیا اور اسکی آنکھوں سے بہتے سارے آنسو پونجھ ڈالے۔

ایزل کی مسکراہٹ کا سبب، فارس شاہ کا رحم نہیں تھا بلکہ کوئی اور معاملہ تھا۔

وہ مسکرا کر پھر سے خوبصورت پہاڑوں میں کھو چکی تھی، مکمل طور پر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین چار دن بھی پر لگاتے سرک گئے، میکائیل رضوی کی کوشش با آخر رنگ لے آئی تھی۔

جہاں داد کے خلاف ہوتی انکوائری اور جانچ پڑتال کے بعد وہ تمام ثبوت اور دلائل حاصل کر چکے تھے جس سے کورٹ میں جہاں داد کی عبرت اور وفا کی سزا کے فیصلے میں نرمی کا فیصلہ کروا پاتے۔

آج کورٹ کا حتمی فیصلہ سنایا جانا تھا اور وفا کی سزا میں بھرپور کمی کی سبکو پوری امید تھی۔

فارس شاہ نے عون سے یو آن شاہ کو واپس بلوا لیا تھا، مہکار اور فارس نے جلد ہی نکاح کرنے کا فیصلہ لے کر گویا سبھی کو شاک کیا تھا مگر اس نکاح سے پہلے وہ یو آن کو واپس لانا چاہتا تھا اور اس شہر تک سے کوچ کرنے کی ٹھان بیٹھا تھا۔

آخری بار یو آن نے نا جانے عناب کی گلاب سی ہتھیلی پر بوسہ دیے کتنی بار الوداع کہا تھا کہ اسکے بار بار عناب کی نمی سے بھری ہری آنکھیں دیکھ کر واپس پلٹ جانے نے سب بڑوں کو آبدیدہ کر ڈالا تھا۔

"میں واپس ضرور آوں گا عناب، یو آر مائی ڈال۔ ممی بابا ایک ہو گئے اور میں بہت بہت خوش ہوں۔ میں ان دو کے ساتھ بہت دور جا رہا ہوں لیکن تم کو ابھی سے مس کر رہا ہوں۔ میں اپنی ڈال سے بہت پیار کرتا ہوں۔ پرامس ودمی کہ میرے واپس آنے تک تم بلکل نہیں رو گی اور جب میں واپس آوں گا تو مجھے اپنے پیروں پر چلتی ملو گی"

وہ جاتے ہوئے عناب کی کلائی پر پھر سے ویسا ہی بینڈ پہنائے بہت اداسی سے اس پری کے بھل بھل گرتے مقدس آنسو پونچھے کہہ رہا تھا اور اسکی ڈال ہچکیاں بھرے اسکے جانے پر تڑپتی ہوئی ابدال تک کی آغوش میں سنبھل نہ رہی تھی۔

اس نے یوئی کا ہاتھ بہت شدید جکڑ رکھا تھا۔

"نی دائیں۔۔۔۔۔۔۔میلے شے دول نی دائیں۔۔۔۔۔۔۔۔

)نہیں جائیں۔۔۔۔میرے سے دور نہیں جائیں"(

سبھی کی آنکھیں عناب کی اس روح چھلنی کرتی کیفیت پر بھر آئیں لیکن یوئی کو جانا ہی تھا، اسنے آخری بار آنکھیں رگڑ کر عناب کی سوجھی آنکھیں، اٹکتی سانس اور کانپتی روح دیکھی اور روتا ہوا چلا گیا، دور تک ان دو کی ہچکیوں نے ان دو کو سانس لینے میں دشواری پہنچائی لیکن وہ ہمیشہ کے لیے بھلا کب بچھڑے تھے۔

ان دو کی کہانی پھر سے شروع ہونی تھی، وہ یوئی تھا، یو آن شاہ جس نے اپنی ڈال کو واپس لینے ایک نہ ایک دن لوٹ کر ضرور آنا تھا۔

ہر کوئی اس بچھڑنے پر ملال میں تھا مگر ابدال نے عناب کو سنبھال لیا تھا، کچھ وہ اپنے دکھ دبا کر دل پتھر کیے یوئی کے بچھڑنے پر صبر کر گئی۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے فیصلے کی گھڑی بھی آ پہنچی۔

"تمام ثبوتوں اور گواہوں کے پیش نظر عدالت جہاں داد کے خلاف ثابت ہوتی دھوکہ دہی فراڈ پر اس سے اسکے تمام اختیارات نہ صرف واپس لیتی ہے بلکہ اس غیر انسانی رویے پر پانچ سال قید بامشقت کی سزا سناتی ہے۔ جبکہ مجرم وفا ہمانی جس نے اپنے شوہر کاشان ہمانی پر قاتلانہ حملے کا اعتراف خود کیا ہے، کاشان ہمانی کی جانب سے اس ایف آئی آر کے سرے سے درج نہ ہونے اور معافی نامے کی بنا پر سخت سزا میں کمی کا اعلان کرتی ہے۔ مجرم وفا چونکہ اقدام قتل میں ملوث پائی گئی ہیں لہذا معافی تلافی کے بعد بھی انکو اس جرم کے بدلے دس ماہ کی قید کی سزا سنائی جاتی ہے۔ عدالت برخاست ہوئی"

کئی ذہنوں پر قہر اور کئی دلوں پر قیامت ٹوٹا یہ فیصلہ اپنے اندر بہت سے نئے فسانوں کا آغاز لیے آیا تھا۔

جہاں داد نے چپ چاپ اپنی سزا قبول کیے اپنے پیچھے الماس کو تنہا چھوڑے یہ تنہائی اپنا مقدر بنالی۔

وفا نے اس سزا حاوی ہوتے دن بھی اپنی سی ہوئی زبان نہ کھولی اور اسکے اپنے، ہاتھ ملتے ہوئے اسے سزا کے تختے تک پہنچتا دیکھتے رہے۔

سبھی کے سامنے جہاں داد کی دھوکہ دہی اور کاشان کی بے گناہی آچکی تھی، اصل کہرام تو اب مچا تھا عزیزم!

اک عہد دیکھتے ہی دیکھتے تمام ہو گیا تھا۔

کئی زندگیوں کو گرہن لگ گیا تھا۔

لیکن ابھی سب ختم نہیں ہوا تھا، دوسرا اور پہلے سے زیادہ شدت بھرا آغاز ابھی باقی تھا۔

"تمہاری محبت کا حق دار جانتے ہو کون ہے؟ جو تم پر تم سے زیادہ مہربان ہو۔ وہ اس سزا کو جھیل کر تھک جائے گی، اسکی چھاوں، راحت اور قرار چپکے سے اسکی واپسی پر اسی دہلیز پر رکھ دینا۔ تم غازی ہو اور اس نے ثابت کیا وہ تمہاری غازیہ"

اک روشن سی لہر آسمان کے پار چمکی تھی اور یہ آواز نور تھی جس نے چپکے سے اس شخص کے اندھیرے کو اجال دیا۔

اور پھر جن دکھوں کا کوئی علاج نہ ہو انھیں فقط سہنا ہی تو پڑتا ہے۔۔۔۔۔ ♡

پہلا سیزن ختم شد

ضروری نوٹ: اس ناول کی دوسری جنریشن، دوسرے سیزن کی صورت ابھی باقی ہے۔ یہ سفر اگلے سیزن میں یہیں سے شروع ہو گا۔ ان شاءاللہ ♡

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆